



لوگوں تک پہنچ جائیں اور ان کے دل میں بات اتر جائے اور عمل کی طرف کچھ پیش رفت ہو  
 میرے نزدیک اس غذا آرائی (Polarisation) میں جس کے  
 آثار فضا میں نظر آرہے ہیں دائیں بازو کی جماعتوں کا کثیر تعداد میں موجود رہنا ہی اصل  
 میں تباہ کن ہے۔ یہی بات ہمارے بہت سے مخلص رہنما بار بار کہہ چکے ہیں۔ میں اس کی تائید کر  
 رہا ہوں۔ جماعتوں کی اسی کثرت نے آج تک ہر مرحلے پر شکست دلائی ہے۔ ہر فتح کو شکست  
 میں تبدیل کر لیا ہے جماعتوں کی اس کثرت کی بدولت مامنی میں اس تلخ اور تباہ کن نتائج  
 سے سابقہ پیش آچکا ہے کہ دائیں بازو کی جماعتوں کو حالانکہ ٹریکٹھ فی صد ووٹ ملے تھے  
 اور بائیں بازو کی جماعتوں کو سٹیتس فی صد۔ لیکن ۶۳ فی صد ووٹ تقسیم  
 ہو گئے لہذا وہ اسمبلی میں اکثریت حاصل نہ کر سکیں اور ۲ فیصد ووٹ لینے والی پارٹی حکمران بن گئی۔  
 اب اگر ہم نے اسی طرز عمل کا اعادہ کیا تو اس کے نتائج بھی وہی نکلیں گے جو پہلے  
 نکل چکے ہیں۔ سٹشہ کا دور یاد کیجئے۔ وہ اسی ملک میں آیا تھا۔ اس کے بعد نہ زمین  
 بدل گئی ہے نہ آسمان بدل گیا ہے۔ وہ غیر متبدل ہیں۔ وہ توقیامت کے بدن بدل  
 گے۔ یَوْمُ تَبْدِلُ الْأَرْضَ عَنْهَا رُزْقُهَا وَالْأَرْضُ عَائِلُهَا - ابھی تک تو وہی زمین  
 ہے، وہ آسمان ہے۔ جو نتائج اس وقت رشتہ میں، نکلے تھے، اور جن حالات میں  
 نکلے تھے، ویسے ہی حالات میں وہی بلکہ ان سے بھی بدتر نتائج آج بھی نکل سکتے ہیں چونکہ  
 آج ہماری مغرب سرحد کے پار سے بائیں بازو (Leftists) کی جماعتوں کو توانی  
 کی بڑی امیدیں ہیں۔ بہر حال یہ اندازے (Assessment) کا معاملہ ہے میں  
 اس بارے میں کوئی حتمی بات نہیں کہہ سکتا۔ ہمارے صدر مملکت نے اس خیال کا اظہار  
 کیا ہے کہ کوئی تشویش ناک بات نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کا خیال درست ہو اور  
 اس کا بھی امکان ہے کہ وہ بھی اُنہی مغالطوں میں مبتلا ہوں، جن میں مبطلو ما عیب ہے  
 کہ ان کو اپنی کرسی بڑی مضبوط نظر آتی رہی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے صدر صاحب  
 کے گرد کوئی ایسا ہی حال ہو جو ان کو صحیح حالات اور صورتِ واقعہ سے بے خبر رکھے ہوئے  
 ہو۔ واللہ اعلم۔

میں نہیں کہہ سکتا۔ لیکن یہ بات بالکل سامنے کی بات ہے کہ دائیں بازو  
 کی جماعتوں کی کثرت اور ان کے اختلافات اور تفرقے ان مقاصد کے حصول میں جن ان کے



وقل الحمد لله رب العالمين



ماہنامہ ای ۳۰۳/۱۸

لاہور

# پیشکش

ربیع الاول - ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ

☆  
مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

2  
۶۱۷۷

☆  
یسرے از مطبوعات

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ - ۳۷، ماڈل ٹاؤن - لاہور  
(فون: 852611 - 852683)

قیمت فی شمارہ ۳/-

چندہ سالانہ ۲۰/-

کرتے رہے۔ ہم نے انہیں ڈاکٹر صاحب کی اُردو اور انگریزی کتب کا سیٹ پیش کیا نیز اُن کی لائبریری کے لئے ماہنامہ ”میشاق“ جاری کرنے کا وعدہ کیا۔

معلوم ہوا کہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے صاحبزادے مولانا انظر شاہ کاشمیری جو دارالعلوم دیوبند میں مدرس ہیں، آج ہی مداس تشریف لاتے ہوئے ہیں۔ اور آج بعد نماز مغرب جامع مسجد پیری میٹ (جہاں کل شام ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی)، میں خطاب فرمائیں گے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا پلو تقریر سنتے ہیں۔ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے صاحبزادے کی تقریر ہے۔ چنانچہ ہم لوگ مغرب کے وقت مسجد پہنچ گئے۔ نماز مغرب کے قبل مولانا انظر شاہ صاحب تشریف لاتے۔ ڈاکٹر صاحب سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ ایک روز قبل ڈاکٹر صاحب اس مسجد میں تقریر کر چکے ہیں اور ڈاکٹر صاحب بھی وہ کہ جن کے پاس کسی مدرسہ یا دارالعلوم کی سند موجود نہیں تھی۔ کسی نے مولانا کو بتا دیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب نے ”ہجرت“ کے موضوع پر تقریر کی تھی (حالانکہ موضوع تھا ”پندرہویں صدی ہجری کے ہم سے تعلق“) چنانچہ انہوں نے اپنی تقریر کا آغاز ہی اس طرح کیا کہ حضرات کل آپ ”ہجرت“ کے موضوع پر خطاب سن چکے ہیں اور پھر ڈاکٹر صاحب پر مخصوص انداز میں کچھ فقرے چست کرتے ہوئے ”ہجرت“ کے موضوع پر بولنا شروع کیا اور اس کے بعد۔

موضوع تو رہا ایک طرف، پتہ نہیں کس کس دایہ میں گشت فرماتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا صحیح موضوع تک تو معلوم نہ تھا لیکن اپنی اور ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا بزعم خود موازنہ فرما رہے تھے! موضوع سے غیر متعلق ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔ سن کر تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ ہم تو یہ سمجھ کر آئے تھے کہ مولانا انور شاہ کاشمیریؒ کے صاحبزادے اور دارالعلوم دیوبند کے مدرس کی تقریر میں ایک ”عالمانہ“ شان ہوگی مگر ”ہجرت“ کے موضوع کی اس ”عامیانہ“ سی تقریر میں اور تو سب کچھ تھا مگر اصل موضوع سے یکسر غالی تھی۔ سب سے جلسہ میں سرپٹ لینے کو جی چاہ رہا تھا۔ اب آپ ہی سوچئے کہ اس طرح کے جملے ایک عالم دین اور اُن جیسی شخصیت کو کہاں زیب دیتے اور جچتے ہیں کہ ”حضرات میں تو دُلا پتلا سا آدمی ہوں کل جو صاحب آئے تھے

و قد اخذ ميثاكم ان كنتم مؤمنين

# مِيثاق



جلد ۳۰ ربيع الاول - ربيع الثاني ۱۴۰۱ هـ

عد

SV02

## مشمولات

82285

7.4.20

☆ عرض احوال

حمید الرحمن

☆ پندرہویں صدی ہجری کا آغاز

✓ ڈاکٹر اسرار احمد

☆ علماء کتبشن

✓ .. ..

☆ اسلام اور حقوق اطفال

✓ مولانا غازی عزیز

☆ عشری اور خراجی اراضی

✓ پروفیسر رفیع اللہ شہاب

☆ تعارف الکتاب

ڈاکٹر اسرار احمد

☆ خطوط و آرا

مراسلہ نثار صاحبان

☆ پہلشر: ڈاکٹر اسرار احمد

طابع: چوہدری رشید احمد

مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح - لاہور

# عرض احوال



بسم اللہ الرحمن الرحیم

میتاق کا ماہ ربیع الاول اور ربیع الثانی سلسلہ مطابق جنوری و فروری سندھ کا مشترکہ شمارہ پیش خدمت ہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ اس مرتبہ بھی ناگزیر اسباب کی بنا پر ہم دو ماہ کا مشترکہ پرچہ ہی پیش کرنے پر مجبور ہوئے۔ ہماری کوشش ہماری ہے کہ آئندہ ماہ سے ہر مہینے کا پرچہ بروقت شائع ہو سکے۔ کوشش ہماری ہوگی اس کا بار آور ہونا مشیت الہی کے تابع ہوگا۔ اس کوشش میں کامیابی کے لئے قارئین کرام سے دُعا کی درخواست ہے۔

امریکہ اور کینیڈا کے دوسرے دعوتی دورے سے مراجعت کے بعد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۲۴ اکتوبر کو مسجد شہداء لاہور میں اس دورے کے مشاہدات و تاثرات بیان فرمائے تھے۔ ساتھ ہی ”پندرہویں صدی ہجری کا آغاز۔ اُمتِ مسلمہ کے لئے توقعات و خطرات“ کی موضوع پر بھی اظہار خیال فرمایا تھا۔ یہ تقریر دو گھنٹے کے لگ بھگ جاری رہی تھی۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب اعزاز ذی ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن کی ہمت کہ انہوں نے لفظ بہ لفظ اس تقریر کو ٹیپے صفحہ قرطاس پر منتقل کر لیا تھا۔ چنانچہ اس میں سے مکررات کو حذف کر کے اس کو تحریر کا انداز دینے اور اسے مربوط کرنے کی راقم نے کوشش کی ہے جس کا ماحل اگلے صفحات پر قارئین کرام کی نظر سے گزرے گا۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی نظر سے یہ تحریر نہیں گزری اس لئے اس میں اگر کوئی خامی اور خطا نظر آئے تو اس کی ذمہ داری راقم کے کاندھوں پر ہوگی۔ یہی صورت حال اس خطاب کی ہے جو ۲۱ اکتوبر ۸۰ء کو علماء و کونشن منعقدہ ۲۱-۲۲ اگست ۸۰ کے بائیس میں درس کے بعد مجمعہ کے روز ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسجد شہداء میں کیا تھا۔

مبھارت کے جنوبی حصہ کے مشہور شہر بھاس میں پچاس ساٹھ سال سے ایک ادا و قائم

ہے جو ہر سال ایک کانفرنس منعقد کرتا ہے جس میں مختلف دینی و علمی موضوعات پر غلط کرنے کے لئے نامور علمائے کرام اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی ہے۔ اسی شہر مدراس میں علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے مشہور عالم چھ لیکچرز Reconstruction of Religious Thoughts in Islam کے موضوع پر دیئے تھے جو مطبوعہ شکل میں موجود ہیں۔ اسی ادارے کی ایک کانفرنس میں علامہ مولانا سید سلیمان ندوی نے بھی سیرت مطہرہ پر چھ لیکچرز دیئے تھے جو ”خطبات مدراس“ کے نام سے مطبوعہ شکل میں سیرت النبی کے موضوع پر انتہائی بیش قیمت خزینہ بطور موجود ہیں برصغیر پاک و ہند کے کئی نامور علماء کرام اور مفکرین بھی اس انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی کانفرنسیاں کو وقتاً فوقتاً خطاب فرماتے رہے ہیں۔ امسال اسی انجمن کی طرف سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سیرت مطہرہ پر چھ لیکچرز دینے کی دعوت ملی تھی۔ چنانچہ ۹ جنوری ۱۳۹۸ء کو مدراس کے لئے ڈاکٹر صاحب عازم سفر ہو گئے۔ جہاں سے ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ جولائی کو مراجعت متوقع ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال اور علامہ سید سلیمان ندوی کی علمی شخصیت کا کیا ٹھکانا ڈاکٹر صاحب کہ ان سے کیا نسبت!! یہ ڈاکٹر صاحب کی خوش بختی اور ان پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے کہ ان کا نام بھی ان بزرگ ہستیوں کے نام کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

ہجری ۱۳۹۸ء کے رمضان المبارک میں ٹی وی پر ڈاکٹر صاحب کا روزانہ ایک پروگرام ”الکتاب“ کے نام سے نشر ہوا تھا۔ جس میں موصوف نے روزانہ نہایت لائق کے ساتھ دس بارہ منٹ میں قرآن مجید کے ایک پارے کا تعارف کرایا تھا۔ یہی پروگرام رمضان ۱۳۹۹ء میں قندمکر کے طور پر روزانہ نشر کیا گیا۔ رمضان ۱۳۹۹ء میں ”الکتاب“ کے عنوان سے ہر روز ڈاکٹر صاحب نے اختصار کے ساتھ ان اُمیوں سورتوں کا تعارف پیش کیا تھا جن کا قرآن مجید میں حروف مقطعات سے آغاز ہوتا ہے۔ ٹی وی کے ارباب مل و غفلت بیان ہے کہ یہ دونوں پروگرام ٹی وی کے ناظرین میں بے حد مقبول ہوئے اور ان کی تحسین و تعریف میں بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ ٹی وی کے ادارے نے ”الکتاب“ کی تقاریر کو ٹیپ سے منتقل کر کے اسی نام سے نہایت خوبصورت اور دیدہ زیب کتاب کی

شکل میں شائع کر دیا ہے۔ ان تقاریر میں سے پانچ پاروں تک کا حصہ ”تعارف الکتاب“ کے عنوان سے اس شمارے میں ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے ان شاء اللہ بقیہ حصے قسط وار آئندہ شماروں کی زینت بنیں گے۔

ٹی وی کا ذکر آیا تو قارئین میثاق کو یہ اطلاع دینا بھی مناسب معلوم ہوا کہ اس سال ٹی وی پر یکم ربیع الاول سے ۱۲ ربیع الاول تک سیرت مطہرہ پر ”رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم“ عنوان سے روزانہ اردو خبروں کے فوراً بعد ڈاکٹر صاحب کی پندرہ منٹ کی تقاریر نشر ہوئی ہیں۔ توقع ہے کہ اکثر قارئین میثاق نے یہ پروگرام دیکھا اور سنا ہوگا یہ پروگرام ڈاکٹر صاحب مدراس جانے سے قبل ریکارڈ کر گئے تھے۔ یہ اطلاع بھی یقیناً ہمارے قارئین کرام کے لئے باعث مسرت ہوگی کہ ٹی وی کے ارباب حل و عقد سے اس مسئلہ پر خط و کتابت ہو رہی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مرتب کردہ قرآنی منتخب نصاب کے دروس ۴۰ یا ۵۰ منٹ کے پروگرام کی صورت میں ہفتہ میں ایک بار یا ۱۵۔۲۰ منٹ کی صورت میں روزانہ نشر ہوں۔ ذرائع ابلاغ میں ٹی وی کو ایک بہت اہم مقام حاصل ہے۔ اس کو قوم کی فکری و ذہنی اور اخلاقی تربیت اور غلط افکار کی تطہیر کے لئے استعمال کرنا ٹی وی کے ارباب اختیار کا دینی اور قومی فریضہ ہے۔ اگر یہ خط و کتابت نتیجہ خیز ہوئی تو توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز اس موثر ترین ذریعہ ابلاغ سے دعوت قرآنی کی تبلیغ و نشر کا سلسلہ اپریل ۸۱ سے شروع ہو سکے گا۔

کوشش ہوتی ہے کہ وقفے وقفے سے مرکزی انجمن خدام القرآن یا تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن تربیت گاہیں منعقد ہوتی رہیں اس سلسلہ میں اب تک کراچی میں چار لاہور میں چار نیز کوئٹہ اور راولپنڈی میں ایک ایک۔ یعنی کل ۱۰ قرآنی تربیت گاہوں کا انعقاد ہو چکا ہے۔ حال ہی میں ۲۵ دسمبر سے یکم جنوری سلسلہ تک گیا رہو میں ہشت روزہ تربیت گاہ تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام قرآن اکیڈمی لاہور میں منعقد ہوئی جس میں لاہور اور دیگر شہروں سے تقریباً ۸۰ حضرات نے تربیت گاہ کے تمام پروگراموں میں حصہ لیا۔ اسی کے دوران چھ دن تک روزانہ بعد نماز مغرب سورہ الشوریٰ کا درس بھی ہوا۔ جس میں باہر سے بھی متعدد حضرات و خواتین نے شرکت کی۔ اس درس میں

حاضر می ڈیڑھ سو کے لگ بھگ ہوتی تھی۔ الشوریٰ کے اس درس کا ڈاکٹر صاحب کے بہترین دروس میں شمار کیا جاسکتا ہے اس درس کے کیسٹ تیار ہو گئے ہیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔ الحمد للہ یہ تربیت گاہ انتظامات، پروگرام اور افادیت کے لحاظ سے سابقہ تربیت گاہوں سے کافی بہتر تھی۔ اس میں درس قرآن کے علاوہ، درس حدیث بھی پابندی سے ہوا۔ اور دعوتی لٹریچر کا اجتماعی مطالعہ بھی ہوا۔ جس کی موقع بموقع وضاحت و تشریح ڈاکٹر صاحب فرماتے رہے۔ مزید برآں برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی روشنی کن ذرائع سے پہنچی اور اسلام کو کن مراحل سے سابقہ پیش آتا رہا۔ انہوں نے اس کو برصغیر سے دبدر کرنے اور اس کی صورت مسخ کرنے کی کیا کیا ناپاک کوششیں کیں اور ان کو ناکام بنانے کے لئے اُمت کے علمائے عظام نے کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے اور کیا کیا قربانیاں پیش کیں۔ حضرت سید احمد مجدد الف ثانیؒ نے تجدید و احیائے اسلام کا کیا کام شروع کیا تھا اور مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ اور امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بالترتیب اسلام کا رشتہ حدیث اور قرآن مجید کے ساتھ قائم کرنے کے سلسلہ میں کیا کیا مجدد و مساعی کی محنتیں اور ان حضرات کی کوششوں سے تجدید دین اور احیائے اسلام کا عمل مختلف مدارج سے گزرتا ہوا فی الوقت کس مرحلہ میں ہے۔ مزید برآں یہ کہ دیگر مسلم ممالک میں حیاتی عمل کن کن مراحل سے گزر کر آج کہاں تک پہنچا ہے، محتوم ڈاکٹر صاحب نے بڑی تفصیل اور جامعیت ساتھ ان موضوعات پر تفہیم و تعلیم کا کام انجام دیا۔ انہوں نے راقم کی رائے میں تربیت گاہ دعوتی کام کے لحاظ سے بڑی افادیت کی حامل تھی۔

لوگوں کا اصرار تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مسلسل درس قرآن کے کیسٹ ساتھ ساتھ تیار ہوتے رہیں۔ چنانچہ موصوف نے دو ماہ قبل قرآن اکیڈمی میں ہفتہ میں چار دن کے لئے از سر نو قرآن حکیم کے مسلسل درس کا آغاز کیا ہے۔ ہر نشست میں درس نصف گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ بسم اللہ، سورہ فاتحہ کے دروس کے بعد سورہ بقرہ کے ابتدائی دو رکوعوں کا درس مکمل ہو گیا ہے۔ یہ مسلسل درس ۶۰ سی کے کیسٹوں پر ٹیپ کیا جا رہا ہے اور اس کے سیٹ بھی حسب ضرورت تیار کرائے جا رہے ہیں۔ ان کی قیمت تقریباً لاگت کے مطابق رکھی گئی ہے چونکہ ان کے پھیلانے کا اصل مقصد دعوت و حکمت قرآنی کی نشر و اشاعت ہے

یہ کیسٹ لاہور میں مرکزی انجمن سے اور کراچی میں انجمن کے سب آفس کمرہ ۱۲۷ اسٹی  
پلازہ مولانا حسرت موہانی روڈ سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

کیسٹوں کے ضمن میں یہ اطلاع بھی قارئین میثاق کے لئے موجب مسرت ہوگی  
کہ سورہ شوریٰ اور ڈاکٹر صاحب کے بعض مختلف دروس و خطابات کے کیسٹ بھی محدود  
تعداد میں تیار کر لئے گئے ہیں۔ تفصیلات اسی شمارہ میں قارئین کے سامنے آجائیں گی۔  
مکمل منتخب قرآنی نصاب کے کیسٹ بھی ان شاء اللہ جلد دستیاب ہو جائیں گے ڈاکٹر صاحب  
اس کو ریکارڈ کراچکے ہیں۔ یہ کام فی الوقت تدوین کے مراحل سے گزر رہا ہے۔ اس  
منتخب نصاب کے دروس کا سیٹ ۶۰ سی کے چالیس کیسٹوں میں مکمل ہوگا۔

ڈاکٹر صاحب نے ۲۸ نومبر کو نماز جمعہ کے موقع پر محترم صدر پاکستان  
کی تشریف آوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جن امور کی طرف موصوف کی توجہ مبذول کرائی  
تھی جو گزشتہ شمارے میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی تائید میں میثاق کے قارئین کی جانب  
سے متعدد خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جو حضرات اس جمعہ میں شریک تھے ان کی جانب  
سے بھی ان امور کی زبانی پُر زور تائید ہوئی ہے۔ ایک صاحب نے اپنے مراسلے میں اسی  
بہت ہی مزوری امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کرکٹ کا کھیل جمعہ کے دن جاری رہنے  
سے بے شمار لوگوں کی نماز جمعہ فوت ہوتی ہے ہم اس سے اتفاق کرتے ہوئے عرض کرتے  
ہیں کہ اگر فی الحال اس کھیل کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو یہ احتیاط ملحوظ رکھنی تو لازمی و  
ضروری ہے کہ جمعہ کا دن اس میں شامل نہ کیا جائے۔ مزید براں اگر اس کھیل کو  
ٹی وی پر دکھانے اور کنٹری ریڈیو پر نشر کرنے کا سلسلہ بھی بند کر دیا جائے تو  
اس کی بدولت قومی سطح پر وقت کا تجزیہ ہوتا ہے۔ اس میں بڑی حد تک کمی واقع  
ہو سکتی ہے۔ ایک دوسرے مراسلہ نگار نے اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوتِ ولیمہ  
پر تعداد کی جو پابندی عائد ہے وہ نامناسب لوگ دوسرے حیلوں سے یہ دعوت کرتے ہیں  
لہذا یہ پابندی عملاً غیر موثر ہے اس لئے اس کو ختم ہونا چاہیے۔ ہم اس کی پُر زور تائید  
کرتے ہیں۔ ولیمہ کی دعوت مسنون ہے اور نبی اکرمؐ نے یہ دعوت کرنے کی تاکید کی ہے۔  
حادیث اور فقہ کی کتب میں دعوتِ ولیمہ کے مستقل باب قائم ہیں جس سے اس کی دینی حیثیت اور  
نظام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اُمید ہے ہمارے اربابِ حل و عقد اس پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔



# ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے

## سلسلہ وار درس قرآن کیسٹوں میں دستیاب ہیں

سیٹ نمبر	مضمون	تعداد کیسٹ	قیمت
۱	آیت بسم اللہ و سورۃ فاتحہ	۴ کیسٹ ۶۰ - سی	۸۸/- روپے
۲	سورۃ بقرہ پہلے دو رکوع	۸ کیسٹ ۶۰ - سی	۱۷۶/- روپے
۳	سورۃ مریم (مکمل)	۵ کیسٹ ۹۰ - سی	۱۵۰/- روپے
۴	سورۃ عبوات (مکمل)	۳ کیسٹ ۹۰ - سی	۹۰/- روپے
۵	سورۃ حج آخری رکوع	۲ کیسٹ ۹۰ - سی	۶۰/- روپے
۶	فلسفہ شہادت اور خلافت راشدہ کی شرعی و تاریخی حیثیت	۲ کیسٹ ۹۰ - سی ۱ کیسٹ ۶۰ - سی	۸۲/- روپے
۷	واقعہ کربلا کا پس منظر (۲ کیسٹ)	۲۰ - سی	۴۴/- روپے
۸	خصوصی درس سورۃ شوری (مکمل)	۱ کیسٹ ۹۰ - سی	۲۰۰/- روپے
۹	پاکستان اور اس کے دفاع کی اہل اسس تقریر بقام قرآن اکیڈمی ۲۵ دسمبر ۱۹۷۱ء	۲ کیسٹ ۶۰ - سی	۵۲/- روپے

پائل خرچ اور محمولہ ڈاک بذمہ فریاد ہوگا۔ لاہور میں ہر جمعہ کو مسجد شہداء میں درس اور مسجد

دارالسلام میں نماز جمعہ کے بعد مل سکتے ہیں۔

شعبہ نشر و اشاعت انجمن خدام القرآن لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# پندرہویں صدی ہجری کا آغاز

امّتِ مسلمہ کے لئے توقعات و خطرات

اور

✓ شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے  
تأثرات و مشاہدات

ڈاکٹر سردار احمد صاحب ۲۲، ۲۳، ۲۴ اگست ۸۰ء کی درمیانی  
شب کو کراچی سے شمالی امریکہ کے دوسرے دعوتی دورے کے لئے عالم  
سفر ہوئے تھے اور ۱۶ اکتوبر ۸۰ء کو وطن مراجعت ہوئی تھی جس کے  
بعد ۲۴ اکتوبر ۸۰ء کو ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسجد شہداء لاہور  
میں مندرجہ بالا موضوعات پر خطاب فرمایا تھا جس کو ٹیپے صفحہ قرطاس  
پر منقل کر کے قارئینِ ميثاق کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے (مرتب)

خطبہ مسنونہ اور ادعیہ ماثورہ کے بعد جناب ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:-  
حضرات! میری آج کی گفتگو کا عجیب پہلو یہ ہے کہ مجھے اعلان کے مطابق  
ایک ہی نشست میں دو موضوعات پر گفتگو کرنی ہے۔ ایک موضوع تو میرے شمالی  
امریکہ بشمول کینیڈا کے حالیہ دورے کے تأثرات و مشاہدات سے متعلق ہے اور  
دوسرا پندرہویں صدی سے تعلق رکھتا ہے، جس کا آغاز ہو رہا ہے اور جس کو ہمارے  
ملک اور دوسرے ممالک میں بھی سرکاری سطح پر منایا جا رہا ہے اور اس کے استقبال

کے لئے کافی پہلے سے مختلف الانواع تقاریر منعقد ہو رہی ہیں۔ اس موضوع پر گفتگو کی ضرورت اس لئے بھی محسوس ہوئی کہ عوام الناس ہی میں نہیں بلکہ ہمارے خواص کے بھی قابل ذکر حصے میں چودھویں اور پندرھویں صدی کے متعلق عجیب و غریب باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ باتیں کچھ تو ہمارے ان بعض واعظین کے باعث پھیلی ہیں جن کا مبلغ علم صرف سنی سنائی باتیں اور سینہ بہ سینہ حاصل ہونے والی معلومات ہونے لگے اور اس میں کافی دخل عوام الناس کی لاعلمی اور اس بات کا بھی ہے کہ ایسے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ سنی سنائی باتوں میں اپنی طرف سے اضافے بھی کرتے رہتے ہیں اور اس طرح بات کا بنگلہ بن جا کر رہتا ہے۔

اس موضوع پر کہ امت مسلمہ اور ملت اسلامیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام چودہ سو سال میں عروج و زوال کے مختلف ادوار سے گزرتی ہوئی کہاں سے کہاں پہنچی ہے اور فی الحال ہم کسی مقام پر کھڑے ہیں اور فی الوقت کس صورت حال سے دوچار ہیں ہمیں پہلے بھی مفصل تقریریں کر چکا ہوں اور امت مسلمہ کے عروج و زوال کے دو ادوار کے متعلق میرے تجربے اور میرے مطالعے کا حاصل تحریری شکل میں بھی آچکا ہے جو مطبوعہ شکل میں بھی موجود ہے۔ لیکن علم، مطالعہ اور مشاہدہ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں بعض نئی باتیں حال ہی میں میرے سامنے آئی ہیں جن کو میں آج آپ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔ ان نئی باتوں کی جانب ذہن منتقل ہونے کا سبب یہ حسن اتفاق ہوا کہ شمالی امریکہ (بہ شمول کینیڈا) میں کافی عرصہ سے ایک اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن قائم ہے جس کا امریکہ کے مختلف شہروں میں ہر سال ایک کنونشن منعقد ہوتا ہے۔ سال گذشتہ میں جب پہلی بار امریکہ گیا تھا تو ڈیلاس میں ان کے سالانہ کنونشن کا انعقاد ہوا۔ جس میں ایسوسی ایشن کی جانب سے مجھے مہمان و مقرر خصوصی *Chief Guest & Speaker* کی حیثیت سے مدعو کیا گیا تھا اور میں نے وہاں تقریر بھی کی تھی۔ اس سال میں جب دوسرے مرتبہ دعوتی دورے پر شمالی امریکہ گیا تو ان کا سالانہ کنونشن مشہور عالم آبشار نیا گرا کے سامنے نیا گراسٹی میں منعقد ہونیوالا

ملہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ مقالہ ”سراغ لگندیم“ نامی کتاب میں شامل ہے (مرتب)

تھا۔ جس میں شریک ہونے اور آخری اجلاس میں ”پنڈھرویں صدی ہجری کے چیلنج، خطرات، اور توقعات“ کے عنوان پر ایک مقالہ پڑھنے کے لئے مجھے دعوت دی گئی تھی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی نصرت و توفیق سے اس موضوع پر انگریزی میں ایک مقالہ لکھا۔ جس کے دوران کچھ پہلو اور نکات ایسے ذہن میں آئے کہ میں نے چاہا کہ ان کو آپ کے سامنے بھی بیان کروں۔ تو یہ دو موضوعات ہیں جن پر مجھے آج گفتگو کرنی ہے۔ مزید برآں مجھے چند مقدمات بھی قائم کرنے ہوں گے جو ان دونوں موضوعات کی تمہید بنیں گے۔ گویا میری آج کی گفتگو کے اصلاً تین اجزاء ہوں گے۔ اس کے لئے آپ ذہناً تیار رہیے۔ البتہ میں آپ کو پیشگی آگاہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ تین موضوعات پر گفتگو کی وجہ سے باتیں گڈ مڈ بھی ہو سکتی ہیں اور بے ربط بھی۔ ایک ہی موضوع پر اظہار خیال نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ اس میں گفتگو کی ڈور ہاتھ سے چھوٹنے نہیں پاتی۔ لیکن بیک وقت جب تین موضوعات ذہن میں ہوں تو اس کا زیادہ احتمال ہوتا ہے کہ ربط کلام قائم نہ رہ سکے اگرچہ مجھے امید ہے کہ ان شاء اللہ العزیز آپ محسوس کریں گے کہ اس بے ربطی میں بھی ایک ربط ہو گا۔ بقول جگر مراد آبادی کہ ”بے ربط حکم اسی بے ربطی“ تحریر میں ہے۔ آج کی گفتگو میں بے ربطی کا احتمال اس وجہ سے بھی ہے کہ میں امریکہ سے واپسی کے بعد انجمن اور تنظیم کے معاملات کے ساتھ ساتھ بعض خاندانی مسائل میں بھی اتنا الجھا رہا کہ مجھے اپنے ذہن میں آج کی تقریر کے لئے نہ تو کوئی نقشہ اور خاکہ مرتب کرنے کا موقع مل سکا۔ اور نہ ہی نکات ضبط تحریر کرنے کا۔ بہر حال اُمت کے عروج و زوال اور اُمت اس وقت جن تحدیوں (challenges) سے دوچار ہے ان موضوعات پر میں قرآن و احادیث اور تاریخ کی روشنی میں مسلسل غور و فکر کرتا رہا ہوں اور اس غور و فکر کے نتائج میرے ذہن میں محفوظ ہیں۔ لیکن چونکہ میں آج کی تقریر کے لئے ذہن تیار نہیں کر سکا اور نہ نکات لکھ سکا اس لئے اندیشہ ہے کہ بات طویل بھی ہو جائے اور بے ربط بھی۔

بائیں ہمہ میں آپ کے سامنے اس امید پر حاضر ہو گیا ہوں کہ میرے سننے والے مجھ سے

ملے یہ مقالہ پاکستان میں روزنامہ ”مسلم“ اسلام آباد اور بھارت میں ہفت روزہ ”RADIANCE“ دہلی میں شائع ہو چکا ہے۔ (مرتب)

واقف ہیں اور میں ان سے واقف ہوں۔ کوئی حجاب اور اجنبیت درمیان میں مائل نہیں ہے میری گفتگو میں اگر بے ربطی ہوئی اور تشنگی رہی بھی ان شاء اللہ وہ خود اس میں ربط بھی تلاش کر لیں گے اور تشنگی بھی محسوس نہیں کریں گے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے ہوئے کہ وہ مجھے توفیق دے کہ میں اپنی بات اور خیالات آپ کے سامنے زیادہ احسن اور مرتب طریق پر پیش کر سکوں ان وضاحتوں کے بعد اب میں اپنی گفتگو ان موضوعات پر شروع کرتا ہوں جن پر انہماک خیال کے لئے آج کی یہ نشست منعقد کی گئی ہے۔ وہاں توفیقی إلا باللہ العلی العظیم۔

**پندرہویں صدی کی آمد** | کائنات کی تخلیق اُس کے نظم و تدبیر کا ہمارے ایمان باللہ سے گہرا تعلق ہے اسلام کی تعلیمات کے مطابق یہ کائنات ایک اجل مستی کی طرف رواں دواں ہے۔ جس کو کسی صدی کی رفت و آمد کسی صدی کی آمد تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی اپنی جگہ ایک امر واقعہ ہے کہ اس کائنات اور اس کوہ ارض کے متعلق جس پر ہم بستے ہیں وہ بنیادی حقائق جو ایمان باللہ کے نتیجے میں ہمیں معلوم ہونے چاہئے، ہمارے ذہنوں میں مستحضر نہیں رہتے پھر مغرب

Metaphysical Science یا بعد الطبیعیات کے در آمد شدہ نظریات نے ہمارے تعلیم یافتہ ذہنوں کو اتنا قابو یافتہ کر لیا ہے کہ ایمان باللہ کے ذریعہ جو علم و عرفان حاصل ہوتا ہے وہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ لہذا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ کو دعوت دوں کہ آپ پہلے ان حقائق کو اپنے ذہنوں میں تازہ کر لیں جو ایمان باللہ کا حاصل ہیں۔ ہمارا ایمان یہ ہے کہ یہ کائنات جس کی وسعتوں کا ایک دھندلا اندازہ کرنے سے بھی سارے کی بے شمار ترقیات و ایجادات کے باوجود انسان تمام قاصر ہے اور جس کے مقابلے میں ہمارا یہ کوہ ارض ایک دھبہ بھی نہیں بنتا بلکہ پوری کائنات کی وسعت کے اعتبار سے اسے معدوم کے درجے میں بھی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، نہ ہمیشہ سے متقی نہ ہمیشہ ریگی۔ یہ نہ خود بخود وجود میں آئی نہ ہی خود بخود رداں و دواں ہے اور یہ کہ یہ کائنات حادث اور فانی ہے۔ صرف ایک ہستی ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ ہستی ہے اللہ تبارک و تعالیٰ۔ صرف اس ذات سبحانہ عز و جل کو بقا و دوا ہے اور اس کی تمام مخلوقات کو فنا ہے۔ بقول لے الفاظ قرآنی۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

وَيَسْبِقُنِي وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ یہ ہے پہلی اصول اور کانٹے کی بات — دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید بار بار اور مختلف اسالیب سے یہ خبر دیتا ہے کہ کائنات کی یہ تخلیق بالحق یعنی بامقصد ہے اور ایک وقت معین تک (الہی اجل مسمیٰ) کے لئے ہے۔ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ط اور كُلُّ يَجْزِي إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى ط — قرآن مجید باقاعدہ اس حقیقت کبریٰ کا اظہار کرتا ہے کہ کائنات کی یہ عرض و بسط اور وسیع، بساط جو اللہ تعالیٰ نے سجھائی اور پھیلائی ہے ایک وقت آئے گا کہ وہ اس کو اس طرح لپیٹ لے گا جیسے ہم اپنے بستر گول کر لیتے ہیں۔ یا جیسے قدیم دور میں کتا ہیں اس طرح مجلد نہیں ہوتی تھیں جیسے فی زمانہ ہوتی ہیں بلکہ دستور یہ تھا کہ ایک کاغذ پر لکھا اور اس کے بعد اس کے نیچے دوسرے لکھے ہوئے کاغذ چسپاں کرتے چلے گئے سمران تمام کاغذوں کو رول (Roll) کی شکل میں لپیٹ لیا۔ اس طرح Scrols بتتے تھے۔ حسب ضرورت ان کو بچھا کر مطالعہ کیا جاتا اور پھر تہہ کر لیا جاتا تھا۔ قرآن مجید میں کائنات کے خلق کا نقشہ ان الفاظ میں میں کھینچا گیا ہے کہ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ط۔ ”ایک دن آئے گا جب ہم اس کائنات کو اس کی وسعتوں اور پہاڑیوں اور اس کی بلندیوں اور پستیوں سمیت اس طرح لپیٹ دیں گے جیسے تم کتا بوں کے طور کو لپیٹ لیا کرتے ہو“ قرآن مجید میں اس مقصد کی تفہیم کے لئے ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَاَظُنَّتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ ط قیامت کے روز یہ زمین پوری کی پوری اُس قہ کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان (اور خلا و فضا کی سب بلندیاں) اس کے دستِ راست میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ ہمارے ایبانیات کی اصطلاح میں اس کیفیت و حالت اور اس دن کو قیامت کہا جاتا ہے۔ اچھی طرح جان

۱۔ سورۃ الدخان میں ایک دوسرے اسلوب فرمایا گیا : وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعِيبِ ۖ مَا خَلَقْنَاهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ  
(آیات ۳۸ - ۳۹)

لیجئے کہ اس کائنات کی سب سے بڑی حقیقت ہے قیامت! لیکن یہی حقیقت ذہن سے  
 اوجھل اور شعور و ادراک سے دور ہے اس بات کو انسان کی زندگی کے انفرادی  
 طرزِ عمل سے بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کون نہیں جانتا — *παντα* —  
 کہ زندگی کی اٹل حقیقت موت ہے۔ اس پر دنیا کے تمام انسان متفق ہیں۔  
 ہر نظریہ، حیاں اور ہر بات میں اختلاف بھی ممکن ہے اور شک بھی — لیکن  
 موت وہ حقیقت ہے جس میں نہ اختلاف کی گنجائش ہے نہ شک کی — بایں ہمہ  
 ”موت“ ہی وہ چیز ہے جسے ہم اپنے شعور اور ذہن سے دور رکھتے ہیں۔ اس کے شدنی  
 ہونے کی حقیقت کے ادراک کو پاس پھیلنے نہیں دیتے۔ جسے دیکھو وہ اس دنیا میں اس  
 طرح زندگی بسر کرتا ہے، جیسے اس کو دائمی طور پر یہاں رہنا ہے *إلا ما شاء اللہ*۔ اسی میں  
 عاقبت نظر آتی ہے۔ ورنہ یہاں کی ساری لذتیں اور عیش و آرام اجیرن بن جاتیں۔  
 جیسا کہ انسان کی اس کیفیت اور جہول کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 ”جو کچھ مجھے معلوم ہے اگر کہیں تمہیں معلوم ہو جائے تو تمہارے ہونٹوں پر کبھی مسکراہٹ  
 تک نہ آئے، — یعنی اس دنیا کی ساری لذتیں، ساری چہل پہل اور چمک  
 دمک انسان کو ہیچ نظر آئے۔ — واقعہ یہ ہے کہ اگر موت کی حقیقت انسان کے فکر و  
 نظر اور قلب و ذہن میں ایک شدنی اور بدیہہ حقیقت کی طرح مستحضر رہے تو یہ  
 دنیا اس کو قید خانہ معلوم ہو۔ — اسی طرح اس کائنات کی سب سے بڑی اور شدنی  
 حقیقت قیامت کا ظہور ہے۔ جس کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ  
 مبارک ہے کہ ”بُعِثْتُ أَنَا وَفِيَّامَةِ كَهَاتَيْنِ“ حضورؐ نے اپنے دست مبارک  
 کی دو انگلیوں کو جوڑ کر اور اشارہ کر کے فرمایا کہ ”میں اور قیامت اس طرح مبعوث  
 کئے گئے ہیں“ یعنی حضورؐ کے بعد تو بس قیامت ہی آنے والی ہے اور حضورؐ کی بعثت  
 قربِ قیامت کی ایک علامت ہے اسی حقیقت کی حضورؐ نے ان الفاظِ مبارکہ سے بھی  
 تعلیم فرمائی کہ ”أَنَا آخِرُ الرُّسُلِ وَأَنْتُمْ آخِرُ الدِّينِ“، میں آخری رسول ہوں  
 اور تم آخری امت ہو، یعنی اب نہ کوئی نبی و رسول مبعوث ہوگا اور نہ کوئی دوسری  
 امت بپا ہوگی۔ اب قیامت قریب تر آگئی ہے۔ — نبی اکرمؐ نے صحابہ کرام  
 رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دلوں میں جس درجے کا یقین پیدا فرمایا، اس کا

نقشہ سیر کی کتب میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی تو صحابہ کرامؓ یہ سمجھتے تھے کہ قیامت آنے والی ہے۔ انہیں وہ صدی یا دو صدی پہلے نظر نہیں آتی تھی کہ ابھی تو یہ ہونا ہے ”وہ“ ہونا ہے ابھی قیامت کہاں! یا بقول حفیظ جالندھری کہ ”ابھی تو میں جوان ہوں!“ — یعنی ابھی موت کے تصور کا کیا موقع! اس کو کیوں قریب آنے دیا جائے۔ قیامت کا خیال آنا تو بہت ہی دور کی بات ہے۔ لیکن صحابہ کرامؓ نہ جو تصور تھا، ان کی دینی زندگی میں جو اصل رُوح تھی۔ ان کو جو فکر ہر وقت لاحق رہتا تھا، ان میں جو حرارت و جوش تھا اور ایشارہ قربانی کا جو جذبہ ان کے رگ و پے میں موجزن تھا، وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل ایمان رسالت پر ایقان قیامت پر یقین محکم اور محاسبہٴ اخروی کے خوف کا رہین منت تھا۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ وہ قیامت کے اس طرح منتظر رہتے تھے کہ معمول کے خلاف تیز ہوا سے بھی قیامت کی آمد کے متعلق وہ فکر مند ہو جاتے تھے۔ اس کے بالکل برعکس درحقیقت ہمارا حال ہے کہ قیامت تو کجا ہم اپنی موت کے تصور کو بھی اپنے ذہن سے زیادہ سے زیادہ دور رکھتے ہیں۔ یہ ہے ہمارے دینی اخلاقی اور عملی لحاظ سے اضمحلال و زوال اور انحطاط کا اصل سبب! اسی حقیقت کے صحیح ادراک کے فقدان یا اس میں ضعف کے باعث آج پورے عالم اسلام میں ہمارا معاشرہ دینی و اخلاقی طور پر بے عملی اور بد عملی سے دوچار ہے۔

قیامت کے ضمن میں قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے مراجعہ یہ ثابت ہے کہ اس کے وقوع کا قطعی علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے چنانچہ سورہ لقمان کی آخری آیت ان الفاظ مبارکہ سے شروع ہوتی ہے کہ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ج۔ ”قیامت کی گھڑی (وقت) کا علم بلاشبہ صرف اللہ کے پاس ہے۔“ — اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو ہوتا تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا اور جبریل امین علیہ السلام کو ہوتا چنانچہ حدیث جبریلؑ میں جس کو احادیث کے ذخیرے میں وحی اہمیت حاصل ہے جو قرآن مجید میں سورہ فاتحہ کا مقام ہے۔ — سورۃ فاتحہ کو ام القرآن کہا جاتا ہے اور حدیث جبریلؑ کو ام السنہ — اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مسجد نبوی میں جب کہ نبی اکرمؐ اپنے صحابہ کرامؓ کے ساتھ رونق افروز تھے انسانی شکل میں حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور انہوں نے حضورؐ سے چار سوال کئے۔ اس وقت کسی کو علم نہیں تھا



کہ انسانی شکل میں آنے والے یہ صاحب جبریل ہیں (اَخْبِرْنِي عَنْ الْإِسْلَامِ - اَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ - اَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ اور اَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ)۔ نبی اکرمؐ نے پہلے تینوں سوالوں کے مفصل جوابات ارشاد فرمائے۔ چوتھے سوال کے جواب میں جو قیامت سے متعلق تھا۔ حضورؐ نے فرمایا: مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ، یعنی جس سے پوچھا جا رہا ہے وہ اس پوچھنے والے سے زیادہ واقف نہیں ہے! — سورہ لقمان کی آخری آیت کے ابتدائی حصے سے حضورؐ کے اس ارشاد کا مفہوم واضح طور پر سمجھ میں آجاتا ہے کہ قیامت کے وقوع پذیر ہونے کی گھڑی کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے آخر میں حضرت جبریل پوچھتے ہیں اَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا۔ تو اس (ساعت) کی کچھ نشانیاں بتائیے، جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ اَنْ تَلِدَ اُومَةٌ رَيْثَهَا وَاَنْ تَمُوتَ اُومَةٌ اَلْعَسَاةُ اَلْعَالِيَةُ رَعَا الشَّاءُ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُشَيَّانِ ” اس کی ایک نشانی تو یہ ہے کہ لونڈی اپنی مالکہ اور آقا کو جنے گی اور دوسری نشانی یہ ہے کہ تم دیکھو گے کہ جن کے پاؤں میں جوتا اور زن پر کپڑا نہیں ہے اور جو تہی دست اور بکریاں چرانے والے ہیں وہ بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں گے اور اس میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے“ پہلی نشانی کہ جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنے لگے، — تو یہ استعارہ ہے اس صورت واقعہ کے لئے کہ بیٹیاں جن کی سرشت میں ماؤں کی فرمانبرداری کا عنصر بہت غالب ہوتا ہے، اتنی سرکش ہو جائیں گی کہ ماؤں کے ساتھ وہ سلوک کرنے لگیں گی جو مالکہ اپنی لونڈی کے ساتھ کرتی ہے۔ مائیں اپنی بیٹیوں کی نافرمانی سے ڈرنے لگیں گی اور اس خوف میں مبتلا رہنے لگیں گی کہ پتہ نہیں بیٹی منہ سے کسی وقت کیا تکبر کرے اور کس قسم کی گستاخی سے پیش آئے۔ اولاد میں بیٹے کی نسبت بیٹی کمزور صنعت ہے، وہ فطرتاً شرمیلی، باحیا اور ماں باپ کے سامنے کم گو ہوتی ہے۔ لیکن جب اس کا یہ حال ہوگا کہ ماؤں کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے لگے گی اور اتنی جبری ہوگی کہ ماں اس سے خوف کھانے لگے گی اور اس کا سلوک اپنی ماں کے ساتھ وہ ہوگا جو مالکہ کا اپنی لونڈی کے ساتھ ہوتا ہے تو بیٹیوں کے اطوار اور ان کی نافرمانیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا! اس کا بخوبی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہ صورت حال قرب قیامت کی پہلی بڑی نشانی ہے۔ یہ حالت

اور یہ نقشے ہمارے معاشرے میں اب نظر آنے لگے ہیں۔ آج سے چالیس پچاس سال قبل ہمارے معاشرے میں لڑکیوں کی آواز تک سنائی نہیں دیتی تھی لیکن آج جو صورت حال ہے اس کے لئے تصور کے گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بگاڑ اور فساد کا یہ نقشہ ہم چشم سر سے نظر آ رہا ہے۔ حضورؐ نے جو دوسری علامت بتائی تھی اس کا نقشہ بھی چشم سر سے نظر آ رہا ہے۔ خاص طور پر جن عرب ممالک میں نیل نکل آیا ہے وہاں یہ منظر ہے کہ آج سے چالیس پچاس سال قبل تنگے بدن رہنے والے چمڑا ہے، اور مفلس و قلاش لوگ آج دس دس بیس بیس بلکہ اس سے بھی بلند بالا بلڈنگیں بنانے اور اس مقابلے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہیں۔ یہ صورت حال قرب قیادت کی دوسری بڑی علامت ہے۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ اب ہم ان دونوں بڑی علامتوں کا چشم سر سے اپنے معاشرے میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ جس سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں کہ قیامت دور نہیں۔ اس موقع پر میرا ذہن جگہ ہی کے ایک شعر کی طرف منتقل ہوا۔ کیا خوب کہا ہے۔

۵ اربا بستم کی خدمت میں اتنی ہی گزارش ہے میری  
دینا سے قیامت دور سہی دنیا کی قیامت دور نہیں

ہمیں اس دنیا میں بھی مکافات و مجازات عمل کا ایک درجے میں ظہور نظر آتا ہے یہاں بھی کچھ معاملات کسی قدر دیکھتے ہیں۔ بعض ظالموں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا قہر ٹوٹتا ہے۔ اس دنیا میں عبرت اور سبق آموزی کے لئے یہ ہوتا رہتا ہے اگر وہ بڑی قیامت دور بھی ہو جس میں کائنات کی یہ تمام بساط لپیٹ دی جائے گی اور نئے قوانین قدرت کے ساتھ عالم آخرت پیا ہوگا اور پوری نوع انسانی عدالت خداوندی میں محاسبہ کیلئے کھڑی ہوگی، تو بھی اس دنیا میں چھوٹی چھوٹی قیامتیں ہوتی رہتی ہیں تاکہ خواب غفلت میں سرشار نبی آدم کو تنبیہ ہو۔ احادیث شریفہ میں اُس النبا العظیم یعنی قیامت کی جو علامات بتائی گئی ہیں۔ ان کا مفاد یہ ہے کہ وہ ہمارے لئے رہنمائی کا ذریعہ ہیں اور ہم چوکس و ہشیار رہیں۔ البتہ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور کوئی مفاطلہ لاحق ہو تو اس کو دور کر لیجئے کہ کسی مدی کا حساب لگا کر خواہ وہ چودھویں صدی ہو خواہ پندرہویں صدی، کوئی خبر نہ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے نہ احادیث شریفہ

میں۔ علامات قیامت کے باب میں احادیثِ نبویہ میں غور و فکر کرنے سے البتہ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دنیا کا ڈرامہ اپنے ڈراپ سین یعنی اختتام سے زیادہ دور نہیں ہے۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ *Stage being set* تو دنیا میں وہ نقشہ اور وہ حالات تیار ہوتے نظر آ رہے ہیں، جن کی خبریں دی تھیں الصادق المصدوق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں ان حالات کا جن سے اس کرمہ ارض کو فی الوقت سابقہ پیش آ رہا ہے، ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آج کی اس گفتگو میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس ضمن میں مولانا حامد میاں صاحب مدظلہ سے بہت مدد ملی ہے۔ مولانا موصوف نے اسی موضوع پر عید الاضحیٰ کے موقع پر تقریر بھی کی تھی، پھر میری اس موضوع پر ان سے آج ہی تبادلہ خیالات بھی ہوا ہے اور اس گفتگو سے میری اپنی سوچ میں مزید پختگی آئی ہے۔

قرب قیامت کی علامات کے بارے میں احادیثِ نبویہ میں جو کیفیات بیان ہوئی ہیں، ان سے ذہن میں آنے والے واقعات و حالات کی ایک ترتیب اور تسلسل *Sequence* بنتا ہے۔ اس میں کسی صدی، کس سال، کسی وقت اور کسی مدت کا تعین کوئی نہیں کر سکتا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ واقعات کب رونما ہوں گے البتہ یہ قیاس ممکن ہے کہ یہ واقعات مختلف مراحل *Phases* میں رونما ہوں گے۔ ہر مرحلے میں کتنی مدت صرف ہوگی، کتنا عرصہ لگے گا اس کا تعین بھی ممکن نہیں۔ لیکن قرب قیامت کے متعلق مختلف احادیثِ نبویہ کو جمع کر کے اور سامنے رکھ کر غور و تدبر کیا جائے تو ایک اجمالی نقشہ اور خاکہ ذہن میں ضرور مرتب ہو جاتا ہے اور اس طرح جو نقشہ میرے ذہن میں مرتب ہوا ہے، وہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ وقت کی تنگی کی وجہ سے اس کا موقع نہیں کہ میں احادیث کا متن اور حوالے

*Text & References* پیش کروں۔ اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ العزیز میں اس موضوع پر تفصیلی طور پر لکھوں گا۔ اس وقت جو کچھ میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس کو ایک ترتیب کے ساتھ ذہن نشین کرتے جلیے۔ اس لئے کہ یہ حصہ آج کی گفتگو کی تہید بھی ہوگا۔

احادیثِ شریفہ سے ایک بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ وقوع قیامت کے قریب

کچھ جنگیں ہوں گی جن کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ایسی وسعت کی حامل ہوں گی جن کے سامنے سابقہ جنگوں کی ہولناکیاں اور تباہ کاریاں ماند پڑ جائیں گی۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی پہلی جنگ میں مسلمان اور عیسائی ایک تیسری طاقت کے خلاف متحد ہوں گے اس جنگ میں بے پناہ خونریزی ہوگی۔ اور نتیجتاً مسلمانوں اور عیسائیوں کی متحدہ قوت کو فتح و کامیابی حاصل ہوگی۔ یہ پہلا مرحلہ Phase ہے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے Phase کی طرف احادیث شریفہ سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اس فتح کے بعد مسلمانوں اور عیسائیوں میں سخت تفرقہ اور اختلافات پیدا ہوں گے عیسائی اس فتح کو اپنے مذہب، اپنے عقائد اور اپنی صلیب کی طرف منسوب کریں گے اور اس کو اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل بنائیں گے۔ چنانچہ اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا نتیجہ یہ تفرقہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین مسلح معرکہ آرائی اور ایک شدید جنگ کی صورت اختیار کر لے گا جس میں مسلمانوں کو زبردست ہزیمت اور نقصانات اٹھانے پڑیں گے۔ ترکی، لبنان، شام اور عراق مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے حتیٰ کہ عیسائی مسلمانوں کو شکست پر شکست دیتے اور دباتے ہوئے حجاز میں خیبر کے مقام تک پہنچے۔ — جائیں گے۔ میرا گمان ہے کہ اس جنگ میں یہودیوں کی تمام دلی ہمدردیاں اور عملی تعاون عیسائیوں کو حاصل ہوگا۔ ان کا سرمایہ، ان کی ٹیکنیکل مہارت، ان کے کارخانوں میں تیار ہونے والا مہیب دھمک اسلحہ ان کے پراپیگنڈے کے ہتھیار سب عیسائیوں کی پشت پر ہوں گے۔ احادیث کے مطابق اس مرحلہ پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ اسی موقع پر یہ بات بھی جان لیجئے کہ امام مہدیؑ کی اس شخصیت اور شیعوں کی مفروضہ و تصوراتی شخصیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے صرف لفظ اور نام کے اشتراک کے کوئی اور چیز مشترک نہیں ہے۔ وہ جس مہدی کے ماننے والے ہیں، وہ ان کے بارہویں امام ہیں جو ان کے عقیدے کے مطابق غائب ہو گئے اور کسی غار میں مقیم ہیں۔ پھر وہی ظاہر ہوں گے اور وہی امام غائب، امام ظاہر ہوں گے۔ اس ضمن میں شیعوں میں بھی عقائد میں اختلافات ہیں، جن کی بنا پر ان کے ہاں بھی بے شمار فرقے موجود ہیں، ایسے بھی فرقے موجود ہیں، جن کے نزدیک امام وقت سے موجود رہتا ہے اور اس میں سابقہ امام کی روح حلول کرتی رہتی ہے (استغفر اللہ۔)

ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے احادیثِ نبویہ سے ہمارے سامنے امام مہدی کی شخصیت اور ان کے ظہور کا جو نقشہ آتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک قائد اور ایک رہنما کی حیثیت سے انہیں گئے۔ ان کا نام محمد ہوگا اور ان کے والد کا نام عبداللہ وہ بیت اللہ شریف میں کعبہ کا طواف کر رہے ہوں گے کہ لوگ ان کو پہچانیں گے کہ یہی امام مہدی موعود ہیں۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ ایک آسمانی ندا بھی ان کی نشاندہی کرے گی۔ وہ خود مہدی ہونے کے دعویدار نہیں ہوں گے بلکہ لوگ ان کو از خود پہچانیں گے اور کوئی ندائے غیبی اس امر کی تائید کرے گی۔ مسلمان ان کی قیادت میں متحد اور مجتمع ہو کر عیسائی قوتوں سے جنگ و قتال کریں گے اور ان کو پیچھے ہٹاتے ہوئے قسطنطنیہ تک پہنچ جائیں گے اور جب قسطنطنیہ کو عیسائیوں کے چنگل سے آزاد کر رہے ہوں گے تو پھر ایک اور مرحلہ آنے لگا جس کو ہم تیسرا مرحلہ Phase کہہ سکتے ہیں۔ وہ وقت دجال اکبر کے ظہور کا وقت ہوگا۔ اس کے ظہور کی خبر اس کے قبضے میں غیر معمولی آسمان اور عجیب و غریب کرشمے ہونے کے باعث تمام عالم میں اُٹاٹا پھیل جائے گی۔ بعض احادیث میں اگرچہ اس کے خروج کی جگہ اصفہان و ایران کا شہر بتائی گئی ہے لیکن خود بھی یہودی النسل ہوگا اور یہودیوں کی مسلح اور بظاہر ناقابل تسخیر قوت اس کی پشت پر ہوگی وہ پوری قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ آور ہوگا۔ عیسائی قوتیں بھی اُس کے ساتھ مل جائیں گی اور مسلمانوں کو شدید ہزیمت و شکست سے دوچار ہونا پڑے گا اور وہ شدید نقصانات اٹھاتے ہوئے امام مہدیؑ کی قیادت میں دمشق کی طرف پلٹیں گے ان کی Phase ہوگی۔ احادیثِ نبویہ کی رو سے یہ وقت ہوگا عیسیٰ ابن مریم یعنی مسیح علیہ السلام کے آسمان سے نزول کا جس کا ذکر میں اگے چل کر کر دوں گا۔ یہاں تقوڑا سا توقف کر کے اس بات کو سمجھے کہ احادیث کی روشنی میں کیسے کیسے سخت مراحل Retreat اور صبر آزما امتحانات آنے والے ہیں جس کے جلو میں تباہی، ہلاکت اور خون ریزی کے کیسے کیسے طوفان اٹھنے والے ہیں۔ ہمیں یہ کہہ کر تھپکی اور لوری دی جاتی ہے کہ بس اب پندرہویں صدی غلبہ اسلام کی صدی ہے اور روشن مستقبل ہمارا منتظر ہے اور ہم خوش ہو جاتے ہیں اور ان امانیوں سے بہل جاتے ہیں اور ہمیں ان فرائض کا احساس ہی نہیں ہوتا جو علامت اللہ سے

احقاقِ حقِ الباطلِ باطل اور غلبہ دینِ متین کی سعی و جہد کے ہر کلمہ گو کے ذمے ہیں۔ حالانکہ احادیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کن انتہائی کٹھن مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے اور قطرے کے گہر ہونے تک اس پر کیا کچھ بتینے والی ہے اور ان امتحانوں سے گزرنے کے لئے ہمارے پاس حقیقی دولتِ ایمان ہونی کتنی ضروری ہے۔ مشرق وسطیٰ میں سلطنتِ اسرائیل کے قیام اور دنیا بھر سے لاتعداد یہودیوں کی وہاں منتقلی پھر ان ممالک کی طرف سے جو عظیم اکثریت کے لحاظ سے عقیدہ عیسائی ہیں، ”اسرائیل“ کی مرپٹا اور معاونت اور اس کی جارحانہ اور توسیع پسندانہ پالیسی کو پیشِ نظر رکھتے اور غور کیجئے کہ اس کی سرحدیں کہاں تک پہنچی ہیں اور مستقبل کے لئے کون کون سے مقامات محاذِ جنگ بننے والے ہیں۔ بہر حال احادیثِ نبویہ سے صحاح ستہ جیسی بلند پایہ کتبِ احادیث کے علاوہ بے شمار احادیث کے مجموعوں میں جو روایات ہم تک پہنچی ہیں، ان میں قطعیت اور صراحت کے ساتھ دجالِ اکبر کے ظہور اور حضرتِ مسیح علیہ السلام کے نزول کی سال و سن اور صدی کے تعین کے بغیر امت کو خبریں دی گئی ہیں۔ ان احادیثِ صریحہ کی روشنی میں ہمارا اس بات پر کامل ایمان ہے کہ حضرتِ عیسیٰؑ بنفس نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ کسی ”مثیلِ مسیح“ یا ”بروزِ مسیح“ کے آنے کا کوئی سوال ہی نہیں یہ خیال و عقیدہ مگر ایسی ہے۔ ضلالت

ہے زلیغ ہے۔ بلکہ کفر ہے۔ صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد و سنن ابن ماجہ میں نزولِ مسیح کے نزول کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ ”وَقَالَ جَبْ مَسْلَمًا كَوَا بِأَمَالٍ كَرْتَا هُوَا دَمَشَقَ كَا مَحَامَرَه كَرَلَه كَا تَوَالله تَعَالَى مَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ كَوْبَحِيحُ دِيكََا اُورُوَه دَمَشَقَ كَه مَشْرِقِي حَمَّه مِيْن، سَفِيْد مِيْنَارَكَه پَاس زَرْد رَنَگ كَه دَو كِيْرُطَه پِنَه هُوْتَه دَو فَرَشْتُوْن كَه بَاَزُوْن پَرَاپَه بَا تَه رَكْهَه هُوْتَه اَتْرِيْن كَه۔ جَب وَه سَر جَهْكَايْتَه كَه تَوَا بِسَا مَحْسُوْس هُوْكََا كَه قَطْرَه مِيْك رَهِيْن اُور جَب سَر اُٹْھَايْتَه كَه تَو مَوْتِي كِي طَرَح قَطْرَه دُھَلَكْتَه نَظَرَايْتَه كَه اُن كَه سَانَس كِي هُوَا جَس كَا فَر تَك پَنجِي كِي اُور وَه حِد نَظَر تَك جَايِيْ كِي اُور وَه كَا فَر زَنْدَه زَنْجِيْ كَا۔ پُھَر ابْن مَرْيَمَ دَقَالَ كَا پِيْچَا كَرِيْن كَه اُور لَدَّ كَه دَر وَا زَه پَر اُسَه جَا پِكْرِيْن كَه اُور قَتْل كَر دِيْن كَه“ ایک اور حدیث میں دجال کے ظہور کے سلسلہ میں آتا ہے کہ ”پھر عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور اللہ تعالیٰ دجال کو اُفقیق کی

گھاٹی کے قریب ہلاک کر دے گا۔ ان حدیثوں میں دجال کے قتل کا مقام لدا اور ایفیک کی گھاٹی کا قرب بیان کیا گیا ہے تو جان لیجئے کہ لدا Lydda فلسطین میں اسرائیل کے دارالسلطنت تل ابیب سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے اور یہ یہودیوں کا اس وقت سے بڑا ہوائی اڈہ Air Base ہے۔ ایفیک آج کل فیک کے نام سے موسوم ہے یہ شام اور اسرائیل کی سرحد کا آخری شہر ہے جس کے آگے اسرائیل کی سرحد شروع ہوتی ہے اور لدا کے ہوائی اڈے کی طرف جاتی ہے۔ ان واضح احادیث اور مکتوبات سے لفظی اختلاف کے ساتھ اسی مضمون کی بہت سی احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نزول فرمانے والے بنفس نفیس وہی حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ہوں گے، جن کے متعلق یہود و نصاریٰ کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ سلیب پر چڑھا دیئے گئے تھے اور جس کے متعلق قرآن مجید بے راجح اور شد و مد کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط (النساء ۱۵۷) قرآن پہلے بیان کرتا ہے کہ یہود کے دلوں پر ان کے جرائم میں سے قتل انبیاء، انکار انبیاء اور حضرت مریم پر بہتان عظیم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے اور اس باعث بھی کہ وہ انہوں نے کہا کہ ہم نے مسیح، عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر دیا ہے۔ حالانکہ فی الواقع نہ انہوں نے اس (مسیح) کو قتل کیا نہ سلیب پر چڑھایا بلکہ معاملہ ان کے مشتبہ کر دیا گیا۔ مشتبہ کر دینے کی سورت بر بناس کی انجیل میں یہ بیان کی گئی ہے جس حواری نے غداری کر کے حضرت مسیح کے خلاف مہجری کی تھی اور رومی سپاہیوں کے ہاتھوں ان کو گرفتار کر لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی شکل حضرت مسیح کے مانند کر دی اور اس کی زبان گنگمے دی تھی۔ آگے قرآن مجید اصل حقیقت کو اِنْ الْفَاظُ مَبَارَكٌ مِّنْ رَبِّكَ يَقِيْنًا هٗ بَلْ رَفَعْنٰهُ اِلٰهَ الْاَبْنِیَّیْنِ وَكَانَ اللّٰهُ مُعْزِیْزًا حٰكِمِیْمًا اور انہوں نے اس (مسیح) کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس (مسیح) کو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ عز و جل طاقت رکھنے والا اور حکیم ہے۔ احادیث صحیحہ میں یہ وضاحت و صراحت بھی ملتی ہے کہ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں بحیثیت نبی تشریف نہیں لائیں گے بلکہ اس وقت اکی حثیت خاتم النبیین آخر الرسل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک امنی کی ہوگی۔ احادیث میں ان کے نزول کا

اسی یہی شخص دراصل صلیب پر چڑھایا گیا تھا۔

وقت نماز فجر کے قریب بیان ہوا ہے اور یہ بات بھی مذکور ہے کہ آج کہا جائے گا کہ آپ آگے بڑھیے اور نماز کی امامت فرمائیے لیکن اس جناب انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ تمہارے امام ہی کو آگے بڑھنا چاہیئے۔ وہ امام مہدیؑ کی اقتدا میں نماز ادا کریں گے۔ ”صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا ”کیسے ہو گے تم لوگ جبکہ تمہارے درمیان ابن مریمؑ اتریں گے اور تمہارا امام اس وقت تم میں سے ہوگا۔“ اس مضمون کی بکثرت احادیث ہیں۔ — یہ علامت ہوگی اس بات کی کہ ان کی حیثیت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ایک امتی کی ہوگی اور امت مسلمہ کا نظم برقرار رہے گا۔

نزدولِ مسیح علیہ السلام کے سلسلے کی جملہ احادیث پر غور و تدبیر سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ان کے نزول کا اصل مشن و مجال کا قتل اور یہود کو کفرِ کردار تک پہنچانا ہے۔ چونکہ قرآن حکیم میں رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نظر آتی ہے کہ جن قوموں کی طرف رسولوں کی براہ راست بعثت ہوتی ہے، وہ رسول کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کی پاداش میں ہلاک کر دی جاتی ہیں۔ جیسے قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح اور قوم شعیب علیہم السلام پر عذابِ استیصال کے نزول اور ان کی ہلاکت و بربادی کا تفصیل سے ذکر ہے۔ ”انہ روئے قرآن مجید حضرت مسیح علیہ السلام کی بعثت اسلام بنی اسرائیل کی طرف ہوئی تھی جیسا کہ سورہ آل عمران کی آیت ۴۹ کے آغاز میں فرمایا ”وَسُؤْلًا اِلٰی بَنِي اِسْرَآئِيْلَ“۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ بنی اسرائیل کو حضرت مسیحؑ کی تکذیب پر ہلاک نہیں کیا گیا ان پر عذابِ استیصال نہیں آیا۔ — لہذا ان کی ہلاکت کا مرحلہ سنت اللہ کے مطابق ابھی آنا ہے۔ اسی سنت اللہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا جن کو زندہ آسمان پر اٹھایا گیا تھا اور ان ہی کے ہاتھوں سے یہود سنت اللہ کے مطابق برباد و ہلاک اور نیست و نابود کر دیئے جائیں گے اور ان کا بالکلہ استیصال ہوگا۔ یہودیوں کے استیصال کے ساتھ ساتھ نزولِ مسیحؑ کے بعد عیسائیت کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ حلقہ برگوش اسلام ہو جائیں گے اور تمام دنیا پر دین الحق کی حکمرانی ہوگی ”لِيُظْهِرَ عَلَى الْوَسْطَانِ كَلِمَهُ“ کی شان بکمال و تمام سارے عالم پر ظاہر ہوگی۔ — حضرت ابو ہریرہؓ سے بخاری و مسلم اور ترمذی و مسند احمد میں مروی ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے



ضرورتیں گے تمہارے درمیان ابن مسعود حاکم عادل بن کر پھر وہ صلیب کو توڑ دیں گے (فیکس الصلیب) اور خنزیر کو ہلاک کریں گے (و یقتل الخنزیر) اور جنگ کا خاتمہ کر دیں گے (دوسری روایت میں جزیہ کا لفظ ہے۔ یعنی جزیہ ختم کر دیں گے۔ وَ یَضَعُ الْحَرْبَ أَدْلَضَعَ الْحَزْنِیَّةَ) اور مال کی وہ کثرت ہوگی کہ اس کو قبول کرنے والا کوئی نہ رہے گا اور حالت یہ ہو جائے گی کہ لوگوں کے نزدیک خدا کے حضور ایک سجدہ کر لینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا۔، تھوڑے سے لفظی اختلاف کے ساتھ اس مضمون کی متعدد احادیث صحیح سند کے ساتھ مختلف صحابہ کرامؓ مروی ہیں۔ ان تمام احادیث میں فیکس الصلیب، یقتل الخنزیر اور یضع الحزنیۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ اس کا مفہوم تھوڑے سے غور و فکر سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔ صلیب کو توڑنے اور خنزیر کو ہلاک کر دینے کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ عیسائی ایک انک دین کی حیثیت سے ختم ہو جائے گی۔ عیسائیوں کے اندر جو یہ دو علقتیں ہیں وہ سینٹ پال و پوٹوس کی وجہ سے آئیں تھیں۔ میں کہا کرتا ہوں کہ اُسے سینٹ (دلی) نہیں کہنا چاہیے۔ یہ پال ہی تھا جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت توحید کے چشمہ سانی میں حریں ترین اور سب سے گھناؤنا شرک شامل کیا۔ یعنی حضرت مسیح کو باقاعدہ اللہ تعالیٰ ہا سلیبی بیٹا قرار دے کر ان کو اُلویت میں شریک ٹھہرایا پھر روح القدس کو جس تہ عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبرئیلؑ اور بعض کے نزدیک حضرت مریمؑ مراد ہیں۔ اقامت ثلاثہ میں شامل کر کے تثلیث کا عقیدہ گھڑا۔ اسی پال نے یہ گمراہی یہی دین عیسوی میں بطور عقیدہ داخل کی کہ خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے یعنی حضرت مسیحؑ صلیب پر لعنت کی موت دے کر اُس کے ماننے والوں کے گناہ کا کفارہ بنا دیا۔ اسی نے شریعت موسویؑ منسوخ ٹھہرائی۔ انجیل میں سرے سے کوئی شریعت نئی نہیں۔ لہذا انبیاء کی اُمتوں میں عیسائیت ہی وہ اُمت ہے جس کی بنیاد وہ عقیدے پر ہے۔ شریعت ان کے ہاں موجود ہی نہیں حالانکہ متی کی انجیل میں حضرت مسیحؑ کا یہ قول اب بھی موجود ہے جو آں جنابؑ ہر مٹی کے وعظ (SERMON OF THE MOUNT) میں کہا تھا کہ ”یہ نہ سمجھنا کہ میں شریعت کو ختم کرنے آیا ہوں۔ شریعت باقی اور جاری رہے گی“ (DONT THINK I HAVE COME TO DESTROY LAW) لیکن یہودی ذہن نے جو انتہائی سازشی ہے۔ جس کا شاہکار ایک پال تھا اور دوسرا

عبداللہ بن سبا جس کا کچھ ذکر میں آگے کروں گا۔ تو اس پال نے جب شریعت موسوی رد کی تو خنزیر کو بھی حلال کر لیا گیا جو تمام انبیاء کی شریعتوں میں حرام رہا ہے۔ حضرت مسیحؑ اپنے نزول کے بعد خود اعلان فرمائیں گے کہ میں خدا کا بیٹا نہیں بلکہ اس کا بندہ ہوں اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِؑ نہ مجھے صلیب پر چڑھا یا بلکہ مجھے میرے رب نے آسمان پر زندہ اٹھالیا تھا۔ نہ میں نے خنزیر کو حلال کیا تھا اور نہ ہی میں نے شریعت کو ساقط کیا تھا۔ اور ساتھ ہی وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائیں گے۔ نتیجہ عیسائیت ختم ہو جائے گی۔ اور یسوع الحزبیۃ یعنی جنگ باجزیرہ کو ختم کر دینے کا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ نزول مسیح کے بعد امتوں کا اختلاف ختم ہو جائے گا دوسرے تمام مذاہب و ادیان بھی مٹ جائیں گے اور سب لوگ ملت اسلام میں شامل ہو کر ایک امت واحدہ بن جائیں گے۔ اس طرح نہ جنگ و قتال کی ضرورت باقی رہے گی اور نہ کسی پر جزیہ عائد کیا جائے گا۔ پورے کرہ ارض پر اللہ کا دین غالب ہو جائے گا اور الصادق المصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق آسمان سے جیتیں نازل ہوں گی اور زمین اپنے تمام پوشیدہ خزانے اور برکتیں اُگلے دے گی۔

متعدد احادیث کے مطالعے سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فتنہ و قتال کے ذریعہ یہودیوں کا استیصال کرنے، تمام باطل ادیان کو محو اور تمام مل و اُمم کو ملت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ضم کرنے کے بعد چالیس سال تک اس دنیا میں رہیں گے۔ چنانچہ مسند احمد میں ایک روایت آتی ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و قتال کے قصے میں بیان کرتی ہیں کہ ”پھر عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے اور وصال کو قتل کریں گے۔ اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال تک زمین میں ایک امام عادل اور حاکم منصف کی حیثیت سے رہیں گے۔“ بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شادی ہوگی۔ وہ صاحب اولاد ہوں گے۔ پھر ان کا انتقال ہوگا اور وہ کُلِّ نَفْسٍ فَاِیْقَۃُ الْمَوْتِ کے اہل قانون قدرت دوچار ہوں گے۔ یعنی ان پر بھی طبعی موت واقع ہوگی۔ جیسے ہر ذی نفس پر واقع ہوتی ہے پھر ان کی تدفین بھی اُس حجرہ شریف میں ہوگی جس میں نبی اکرمؐ اور حضورؑ کے دو جہاں نثار (الوہاب) صدیقؑ اور عمر فاروقؓ مدفون ہیں۔

میں نے پال کے ساتھ ایک دوسرے یہودی عبداللہ بن سبا کا بھی نام لیا تھا اب

ضمناً اس کا بھی کچھ حال سن لیجئے۔ پال نے تو حضرت یسعیؑ کے دین کا پورا علیہ ہی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔ ابن سبا کی کوشش بھی یہی تھی کہ اسلام کی حقیقی تعلیم و دعوت کو بالکل مٹنے نہ دے۔ لیکن چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین اور آخر الرسل ہیں اور قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے۔ اب تا قیام قیامت کوئی نبی اور رسول آنے والا نہیں اور نہ کوئی کتاب نازل ہوگی نہ شریعت۔ اس لئے دین محمد علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ حاصل ہے۔ اسی لئے الحمد للہ ثم الحمد للہ دین اسلام، اس کی تعلیمات، قرآن مجید، سیرت مطہرہ، ارشادات و فرمودات رسول اللہ، سیر و احوال اور آثارِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بکمال و تمام جملہ تفصیلات و جزئیات کے ساتھ محفوظ و مامون ہیں۔ ورنہ ابن سبا کی سازش ————— انتہائی گھمبیرا اور خطرناک تھی۔ البتہ وہ اس میں کامیاب ہو گیا کہ مسلمانوں میں ایسے تفرقے کا بیج بو گیا جس کے شجر خبیثہ کے برگ و بار کی تلخیوں کا مزا اُمتِ مسلمہ چودہ سو صدیوں سے آج تک چکھ رہی ہے۔ اور اس کے سازشی ہنگاموں کا تا حال خیارہ بھگت رہی ہے۔ عبداللہ بن سبا مین کا ایک یہودی تھا۔ جو بظاہر مسلمان ہوا اور اس نے مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشی ریشہ و دایاں شروع کیں۔ اہل بیت کی محبت کا جھوٹا لبادہ اڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نومسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعے خلیفہ برحق حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے خلاف مہم شروع کی اور بہت سے سیدھے سادھے نومسلموں کی عقیدتوں کا رُخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا۔ اس نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عقیدت کے پڑے میں بڑے گمراہ کن خیالات کی نشر و اشاعت کی

## ابن سبا کی سازش

اس طرح اس نے توحید کے چشمہ صافی کو ناپاک کرنے کی مذموم حرکت کی اور ابن سبا کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر حضرت علیؓ کی زندگی ہی میں ابن سبا کے بعض پیروں

نے اُن جناب کو خدا کہنا شروع کر دیا۔ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو زبردستی بیچ کی اور قتل کرانے کی دھمکی دی لیکن ابن سبا نے ان کو اس عقیدے پر اتنا پختہ کر دیا تھا کہ انہوں نے کہا ”ہم مرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ہمارا عقیدہ یہی ہے کہ اے علیؑ! تم خدا ہو۔ تم ہماری اُسی طرح آزمائش کر رہے ہو جس طرح اللہ اپنے اور پر ایمان لانے والوں کی آزمائش کرتا ہے۔“ حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو بلوا دیا۔ (ابن سبا اس وقت حضرت علیؑ کے زیر اقتدار حدود سے باہر جا چکا تھا) جب حضرت علیؑ شہید ہو گئے تو ابن سبا نے جو زمین موجود تھا مزید گمراہ کن اولاد اور فساد انگیز خیالات پھیلانے شروع کئے مثلاً یہ کہ حضرت علیؑ شہید نہیں ہوئے بلکہ لوگوں کو دکھانے کے لئے ایک شیطان کو اپنی صورت دے کر آسمان پر چڑھ گئے۔ جس طرح عیسیٰ ابن مریمؑ آسمان پر چڑھ گئے تھے اور جس طرح یہود و نصاریٰ قتل عیسیٰ کے دعوے میں جھوٹے ہیں اسی طرح خوارج بھی قتل علیؑ کے دعوے میں جھوٹے ہیں۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اس شخص کو مصلوب دیکھا جس کی صورت حضرت عیسیٰؑ کی صورت پر بنا دی گئی تھی اسی طرح قتل علیؑ کے دعویداروں کو قتل بھارت علیؑ نظر آیا۔ نعوذ باللہ من ذلک! بخاری میں ابن سبا کی ان ریشہ دوانیوں کا اجمالاً ذکر موجود ہے۔ آج صبح ہی جناب مولانا حامد میاں سے اس مسئلہ پر تبادلہ خیالات ہوا تھا تو مولانا نے بتایا کہ مسند امام ابو حنیفہؒ میں ابن سبا کا قصہ تفصیل سے مذکور ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی احادیث کا ایک مجموعہ ”مسند ابو حنیفہ“ کے نام سے موجود ہے۔ حاصل کلام یہ کہ اُمت میں سیاسی اعتبار سے تفرقے اور دینی اعتبارات سے شخصیت پرستی، اُلوہیت علیؑ اور بے شمار مشرکانہ نظریات و عقائد کا پہلا بانی و مبانی یہی ملعون عبداللہ ابن سبا ہے۔ اس مسلمان نما یہودی نے ایسے کانٹے بوئے تھے اور ایسے فتنوں کی داغ بیل ڈالی تھی کہ ہم آج تک اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ اسی شجر غیثہ کی بے شمار شاخیں آج اپنی جگہ تناور درختوں کی صورت میں موجود ہیں اور اس کے تلخ برگ و بار سے ہم کو سابقہ پیش آرہا ہے اس فتنے کی کوکھ سے سینکڑوں فتنے پیدا ہو چکے ہیں، جن میں سے بعض بڑی شد و مد کے ساتھ آج بھی موجود ہیں۔ امید افزا بات یہ ہے کہ امام مہدیؑ کے ظہور اور حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کے نزول سے یہ تمام جھاڑ جھٹکار صاف ہو جائیں گے اور اسلام و توحید کے خورشید تاباں سے سارا جہاں منور ہوگا۔ ان شاء اللہ العزیز۔

میں نے عرض کیا تھا کہ احادیث نبویہ میں قربِ قیامت کے متعلق جو علامات اور پیشین گوئیاں بیان ہوئی ہیں وہ ظاہر ہونی شروع ہو گئی ہیں۔ گویا آخری سین کے لئے ایٹمچ تیار ہو رہا ہے۔ یہودی جو دنیا کے مختلف ممالک میں منشر تھے ان کی "اسرائیل" کے نام سے فلسطین میں ایک آزاد و خود مختار ریاست آج سے تقریباً چالیس سال قبل قائم ہو چکی ہے۔ جہاں تمام دنیا سے سمٹ سمٹ کر یہودی جمع ہو رہے ہیں۔ ان کا سرمایہ، ان کی قابلیت، ذہانت اور مہارت مجتمع ہو کر عالم اسلام کے لئے ایک عظیم خطرہ بن چکی ہے۔ اس خطرے کا عملی مظاہرہ ۱۹۶۷ء کی جنگ میں ہو چکا ہے جس کے نتیجے میں شام، اردن، لبنان اور مصر کے بہت سے علاقوں پر اسرائیل کا قبضہ آج تک برقرار ہے بلکہ بیت المقدس پر بھی وہ قابض ہے اور اس کی حرمت اس کے ہاتھوں پامال ہو رہی ہے۔ ظہور اسلام کے وقت ان کے دلوں میں اللہ کے آخری رسول، آخری کتاب، آخری دین و شریعت سے جو بغض و عداوت اور حسد تھا اس میں روز افزوں اضافہ ہوتا چلا آ رہا ہے حالانکہ یہ متوہوں، عبا سیوں، فاطمیوں اور عثمانیوں کی مسلم حکومتیں تھیں، جنہوں نے یورپ کے متعصب عیسائی حکمرانوں کے جو رستم اور ظلم و تعدی سے یہودیوں کو نجات دلائی تھی اور جن کی زیرِ عافیت یہ باقی بھی رہے اور پھلتے پھولتے بھی۔ لیکن ان کا سازشی اور انتقامی ذہن اسلام کی سلامت روی اور انسان دوستی سے بالکل متاثر نہیں ہوا۔ اسی یہودی ذہن کی کرشمہ سازیاں ہیں جو آج دنیا میں مادہ پرستانہ فکر و نظر پر قابو یافتہ ہیں۔ عربانی، فحاشی اور جنسی بے راہ روی کے جو مناظر آج دنیا دیکھ رہی ہے اس کی ترویج میں بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ داروں کا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک اور خاص طور پر امریکہ کے ذرائع ابلاغ اخبارات و رسائل۔ ریڈیو ٹی۔ وی اور فلمی صنعت پر زیادہ تر یہودیوں کا قبضہ Hold ہے۔ یہی حال بڑی بڑی صنعتوں اور بینک کاری کا ہے۔ جن اداروں پر ان کا براہ راست قبضہ نہیں ہے، وہ ان کے زیرِ اثر ہیں۔ ایوانِ حکومت میں بھی وہ بہت با اثر ہیں۔ کتنے کلیدی عہدے ان کے پاس ہیں۔ علامہ اقبال نے آج سے تقریباً پچاس پچپن سال پہلے کہا تھا کہ

”فرنگ کی رگ جاں پنجہ یہودی میں ہے“ تو آج یہ صورت حال زیادہ روشن اور واضح طور پر دنیا کے اُفق پر نظر آ رہی ہے۔ سود خواری یہودی کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور ان کا گوشت پوست اور خمیر اس حرام کی غذا سے بنا ہے۔ آج اسی یہودی ذہن کی

سازش کے باعث دنیا کی تمام معیشت سودی لین دین کی لعنت میں گرفتار ہے۔ پھر اس کو فریب اور پُرکاری کا ایسا جامہ پہنایا ہے کہ لوگ اس کی مضررتوں کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں۔ امریکہ اور کینڈا میں اس سودی کاروبار کی فریب کاری کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ وہاں لوگ مکان خریدتے ہیں اور اس کی قیمت بنک سے قرض لے کر ادا کرتے ہیں بنک والے اور مکان فروخت کرنے والے زیادہ تر یہودی ہیں۔ بنک ضمانت میں مکان رہن Add - Back کر لیتا ہے۔ تیس سال کی قسطوں میں یہ اصل رقم معر سود واپس کرنی ہوتی ہے۔ آغاز ہی میں اس پر سود و سود کے حساب سے سود کی رقم محسوب ہوتی ہے اور پھر مالا مال اقساط میں وصولیابی شروع ہوتی ہے۔ یعنی اصل سے پہلے سود لینا شروع ہوتا ہے۔ لوگ اس فریب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ مکان ہمارا ہو گیا۔ حالانکہ مکان بینک کے پاس رہن ہوتا ہے اگر قسطوں کی ادائیگی میں بے قاعدگی ہو جائے تو مکان ضبط۔ بنک اس کو بیلا م بھی کر سکتا ہے یا دوبارہ فروخت کر سکتا ہے۔ کمی پہلے خریدار کے ذمے رہے گی۔ پھر جو مکان پچاس ہزار ڈالر کی قیمت کا ہوتا ہے وہ اس لعنتی سودی دھندے کی وجہ سے تین گنا زیادہ قیمت کا پڑتا ہے۔ میرے حالیہ دورے میں ٹورنٹو میں ایک صاحب نے تنظیم اسلامی میں داخل ہونے کا فیصلہ کیا جس میں شمولیت کی شرط یہ بھی ہے کہ کسی سودی لین دین سے تعلق نہ ہو۔ انہوں نے اسی رہن کے اصول پر مکان لے رکھا تھا اور تین چار سال سے پابندی سے اقساط ادا کر رہے تھے۔ انہوں نے کل ادائیگی کر کے رہن ختم کرنا چاہا تو معلوم ہوا کہ ابھی تو صرف سود بھی پورا ادا نہیں ہوا۔ اصل میں سے کچھ ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہیں سود کھینکنڈے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ امریکہ میں حکومت پر یہودیوں کے اثر کی وجہ سے انکم ٹیکس کی ادائیگی کے سلسلے میں یہ عیار نہ اور ظالمانہ قاعدہ رائج ہے کہ اگر کوئی شخص کرایہ پر مکان لیتا ہے اور پانچ سو ڈالر ماہانہ کرایہ ادا کرتا ہے تو بیرون ملک کے حساب میں شمار نہیں ہوگا بلکہ آمدنی میں شامل Mortgage کر کے اس پر ٹیکس لیا جائے گا۔ لیکن اگر رہن پر کسی نے مکان لیا ہے تو وہ اس کی قسط اور سود کی جو رقم بنک کو ادا کرتا ہے، وہ خرچ میں شمار ہوتی ہے اور انکم ٹیکس میں وضع ہو جاتی ہے۔ یہودی ذہن کی چالاکی دیکھئے کہ اس طرح حکومت انکم ٹیکس کی جو چھوٹ دیتی ہے، اس کا اصل فائدہ یہودی

بینک کا رہی کو ہوتا ہے اور حکومت نقصان میں رہتی ہے۔ یعنی وہاں لوگوں کو ایسے جال میں کس دیا گیا ہے کہ وہ کرایہ پر مکان لیں تو کرایہ کو خرچ میں نہیں ڈال سکتے اگر سود پر مکان خریدیں تو حکومت اس رقم کے ٹیکس کا نقصان برداشت کر لیتی ہے اور یہ ادائیگی کرنے والا مطمئن رہتا ہے۔ اس وقت معیشت اور ذرائع ابلاغ پر یہودیوں کا جو تسلط اور اثر و رسوخ ہے اس کا ذکر تو مہنتی طور پر آگیا۔ اب آئیے اصل موضوع کی طرف۔

اس وقت مشرق وسطیٰ جس نازک صورتِ حال سے دوچار ہے، اس پر غور کیجئے! سرخ سامراج اس وقت خلیج کی ریاستوں اور عرب سلطنتوں و فتح پور پلجائی ہوئی نظریں ڈال رہا ہے اور ”سیال سونے“ پر قابض ہونے اور گرم پانی تک پہنچنے کے لئے اس کے عزائم اور اس کے منصوبوں کا معمولی سیاسی سوجھ بوجھ رکھنے والا بھی رہائی اندازہ لگا سکتا ہے۔ افغانستان میں روسی جارحیت ان ہی عزائم کی تکمیل کی طرف پہلا قدم معلوم ہوتا ہے۔ بہت سے مسلم ممالک جن میں مصر خاص طور پر قابل ذکر ہے چاروں چار امریکہ کی طرف جھکتے چلے جا رہے ہیں اور کچھ ایسا نقشہ جتنا نظر آ رہا ہے کہ تیسری عالمی جنگ چھڑنے کا وقت دور نہیں۔ اور اگر یہ جنگ چھڑی تو سب سے بڑا میدان جنگ مشرق وسطیٰ ہو سکتا ہے اور عجیب نہیں کہ بیشتر مسلم ممالک خواہی نخواہی امریکہ اور اس کے یورپی اتحادیوں کے دوش بدوش اس جنگ میں شامل ہوں۔ اور دنیا جانتی ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نوے فیصد سے زیادہ آبادی عیسائیوں پر مشتمل ہے۔ گویا احادیث نبویہ میں جس عظیم جنگ، ہلاکت و بربادی کی خبر دی گئی تھی کہ ایک زبردست اور خون ریز و تباہ کن جنگ ہوگی۔ جس میں مسلمان اور عیسائی ایک تیسری طاقت کے خلاف متحد ہوں گے، اس کے آثار سامنے نظر آ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس متوقع بولناک تباہی کے ظہور میں آنے میں کچھ اور وقت لگے لیکن موجودہ حالات کی سنگینی بتا رہی ہے کہ یہ جنگ اور ٹکراؤ نگزیرا اور اٹل ہے۔ یہودی اس جنگ میں یقیناً امریکہ ہی کے حلیف ہوں گے چونکہ امریکہ کی حمایت ہی میں اس سلطان نے مشرق وسطیٰ میں پنجے گاڑے ہیں۔ اور امریکہ ہی اس وقت ان کا سب سے بڑا حامی و مددگار ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے دلوں میں متوقع جنگ کے بعد یہودی ہی نفرت کا بیج بونے کا کردار ادا کریں گے اور پھر وہ جال کی قیادت

میں عیسائی مملکتوں کی تائید و اعانت حاصل کر کے مسلمانوں پر یغمار کریں گے اور مسلمان شکست و ہزیمت دوچار ہوں گے۔ یہی وقت ہوگا حضرت مسیحؑ کے نزول کا اور یہی دور ہوگا جب یہودیت کا بالکل کھٹکنا ہوگا اور عیسائی دین اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور ساری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہوگا اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند ہوگا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ امن و سلامتی کا دور کتنے سال اور کتنی صدیوں تک رہے گا۔ انسانیت کا قافلہ پھر صراطِ مستقیم اور جادہ حق سے ہٹ کر شیطان کی بتائی ہوئی پگڈنڈیوں میں بھٹک جائے گا۔ حتیٰ کہ زمین پھر اللہ تعالیٰ سے بغاوت و سرکشی کی وجہ سے ظلم و ستم اور جور و تعدی سے معمور ہو جائے گی۔ شر غالب ہوگا۔ خیر مغلوب ہی نہیں، ناپید اور معدوم ہو جائے گا۔ یہ زوال دنیا کا خاتمہ لے کر آئے گا اور وہ ساعت جس کو ہم قیامت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور جس کی خبر قرآن مجید میں مختلف اسالیب و سی گئی ہے، آئے گی اور یہ دنیا اور یہ کائنات تہہ و بالا اور ملیا میٹ کر دی جائے گی۔ نظامِ ثقل درہم برہم ہو جائے گا اس وسیع و عریض کائنات میں پھیلے ہوئے عظیم الشان ستارے اور کترے ایک دوسرے سے ٹکرا جائیں گے اور یہ عالم تہس نہس ہو جائے گا۔ جیسا کہ سورہ حج کے آغاز میں فرمایا اللہ رب العالمین نے ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ سَرَلْنَا لَنَاسِعَةِ شَيْءٍ عَظِيمٍ“ لوگو! اپنے رب کے غضب سے بچو، حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بڑی ہی ہولناک چیز ہے۔“ سورہ تکوین میں فرمایا ”إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۖ وَإِذَا النُّجُومُ تُكَدَّرَتْ ۖ وَإِذَا الْبُحَالُ سُتِّرَتْ ۖ وَإِذَا الْفُطَارُ سُفِّرَتْ ۖ وَإِذَا السَّمَاءُ أُنْفِطَرَتْ ۖ وَإِذَا الْكُتُوبُ أُنْفُثِرَتْ ۖ وَإِذَا الْبُحَارُ أُفِثِرَتْ ۖ“

حاصل کلام یہ کہ یہ کائنات مشیت و حکمتِ خداوندی کے تحت اپنی اجلِ مسمیٰ کی طرف گامزن ہے اور اس انجام سے لازماً دوچار ہوگی جو اس کا مقدر ہے۔ لیکن اس انجام کے وقت، سال، سن یا صدی کا تعین کرنا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ میں سورہ لقمان کی آخری آیت اور حدیثِ جبریلؑ کے حوالوں سے بیان کر چکا ہوں۔ البتہ یہ گھڑی آکر رہے گی اس میں شک کرنا کفر ہے۔ پھر اس آخری گھڑی کے آنے تک امتِ مسلمہ اور نبی نوع انسان جن حالات



سے دوچار ہوتی رہے گی، اس کا جو نقشہ احادیث نبویہ سے سامنے آتا ہے، ان کو بھی میں نے بیان کر دیا ہے اور ہم آج جن حالات سے گزر رہے ہیں۔ ان پر غور کرنے سے پیش آنے والے واقعات و حادثات کا جو خاکہ ذہن میں بنتا ہے اس کو بھی بیان کرنے کی میں نے امکانی حد تک کوشش کی ہے اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن و حدیث میں کسی صدی کے تعین کے ساتھ کوئی خبر نہیں دی گئی ہے۔ البتہ احادیث میں علامات بیان ہوئی ہیں اور وہ علامات ہم کو چشم سر سے نظر آرہی ہیں اور صاف نظر آرہا ہے کہ ہمیں بہت کٹھن مراحل اور سخت امتحانات سے گزرنا ہے اور یہ محض خام خیالی ہے کہ نچھویں صدی ہمارے لئے غلبہ اسلام کی نوید لے کر آرہی ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ابھی اُمت مسلمہ کو کن کن صدیوں اور حادثوں سے دوچار ہونا ہے۔ البتہ اس میں شک نہیں کہ ایک دور آنے کا جس میں اسلام کا غلبہ ہوگا۔ بڑے نصیبے والے ہوں گے وہ لوگ جو اس غلبہ اسلام میں امام مہدی اور حضرت عیسیٰ کے زیر قیادت فی سبیل اللہ اور غلبہ دین حق کے لئے جہاد و قتال میں اپنے جان و مال کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں اور بڑے ہی خوش نصیب ہوں گے جو غلبہ اسلام کے اس دور سے متمتع و مستفیض ہوں گے۔ اور بڑے خوش بخت ہیں وہ لوگ جو اس دور سعید کے لئے اس وقت اپنا تن من و دھن لگانے کی سعادت حاصل کریں۔

عَلَبَةُ اسَلام کا دور، پھر کفر و شرک اور ضلالت

ہمارے لئے عبر و بصائر | کا دور دورہ بعدہ قیامت کا ظہور۔ یہ

مستقبل کی باتیں ہیں اور مشیت الہی کے مطابق ان کا وقوع پذیر ہونا برحق ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں؟ دین کے ساتھ ہمارا انفرادی و اجتماعی تعلق اور رویہ کیا ہے؟ اس نقطہ نظر سے جب ہم اس وقت کی مسلم اقوام و قتل کا جائزہ لیتے ہیں تو سخت مایوسی سے سابقہ پیش آتا ہے۔ میں نے مسلم اقوام و قتل اس لئے کہا ہے کہ اُمت مسلمہ فی الواقع ایک وحدت اور اکائی کی صورت میں آج موجود نہیں۔ ہمارا کوئی مرکزی نظم نہیں۔ مختلف ممالک میں ہماری آزاد و خود مختار مملکتیں البتہ قائم ہیں۔ ان کا حال کبھی یہ ہے کہ اسلامی شریعت کہیں بھی نظام مملکت کی حیثیت سے قائم نہیں۔ سعودی عرب میں شریعت کے حدود و تغیرات اور قوانین جاری ہیں بھی تو وہ اس کا نظام حکومت اسلام کے شوریائی نظام سے

تہی دست ہے۔ وہاں ایک خاندان کی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ جس مقصد کے لئے اُمت کو بپا کیا گیا تھا اور جو فرض اس کے سپرد کیا گیا تھا۔

بغولائے آیاتِ قرآنیہ:- وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ط اور اس طرح ہم نے تم کو اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر حق کے گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ ہو۔“

یا اَیُّهَا الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ اللّٰہ کے نزدیک دینِ زندگی کا نظام (صرف اسلام ہے) ”یا کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ط“ اب دنیا میں وہ بہترین اُمت (گروہ) تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت (صلاح) کے لئے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، ”یا قَاتِلُوهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَتْ فِتْنَةٌ وَیَكُوْنَ الدِّیْنُ كَیْلَهُ لِلّٰهِ ط“ (لے ایمان والو!) کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (نظام حکومت) طاعت، پورا کا پورا اللہ کے لئے نہ ہو جائے۔“ پھر شہادت علی الناس اور دعوت و تبلیغ کا فرض حجۃ الوداع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرما کر کہ ”فَلْيَكْمِلْ الشَّاهِدُ الْغَايِبَ“ پس پہنچاؤ وہ لوگ جو یہاں موجود ہیں ان کو جو یہاں موجود نہیں ہیں۔“

اپنی اُمت کے سپرد کیا تھا۔ اس فرض کی ادائیگی کے لحاظ سے ہم کس مقام پر کھڑے ہیں ؟۔ عبادتِ رب کا جو حکم ہم کو دیا گیا تھا اس کا ہماری انفرادی و اجتماعی زندگی میں کیا رتبہ ہے ؟ اس نقطہ نظر سے جب بھی کوئی دردمند مسلمان دیانت کے ساتھ خود اپنا اور اپنے ملک اور دوسرے مسلم ممالک میں بسنے والے مسلمانوں کا جائزہ لے گا اور اگر اس کے دل میں دیانت و صداقت کا جذبہ کچھ بھی موجود ہے، تو اس کا سر لازماً شرم و ندامت سے جھک جائے گا۔ اُسے خود محسوس ہوگا کہ نہ صرف ہمارا پورا معاشرہ بلکہ وہ خود بھی دینی و اخلاقی اعتبار سے تنزل پذیر ہے۔ اَلَا مَا شَاءَ اللّٰہ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ ”میری اُمت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو نبی اسرائیل پر ہوئے۔ بالکل ایسے جیسے ایک جو تار دوسرے جھمٹے کے مشابہ ہوتا ہے“ اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے حضرت

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے - حدیث کے الفاظ ہیں: لَیْسَ اَیُّوْمَکُمْ عَلٰی اُمَّتٍ کَمَا اَتٰی عَلٰی بَنِيْ اِسْرَآئِیْلَ حَذُّ النِّعْلِ بِالنِّعْلِ - خدا کا عدل بے لاگ اور اس کا قانون اٹل اور غیر متبدل ہے - جو معاملہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں، ناشکریوں اور دین کے ساتھ استہزاء کی وجہ ان کی ساتھ کیا گیا تھا بعینہ وہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو رہا ہے چونکہ ہم بھی بحیثیت امت انہی جرائم کے مرتکب ہوتے چلے آ رہے ہیں، جن کے مرتکب بنی اسرائیل ہوئے تھے - بنی اسرائیل پر عروج و زوال کے دوا دوار آئے ہمارے تاریخ بھی یہی نقشہ پیش کر رہی ہے - ہم بھی عروج کے دوا دوار سے گزر چکے ہیں - زوال کا پہلا دور صلیبی جنگوں اور تارتاریوں کی یلغار کی صورت میں آیا - لیکن پھر رحمتِ خداوندی نے ہماری دستگیری فرمائی اور جن تارتاریوں اور مغلوں کے ذریعے عربوں کو ٹپوٹا تھا - ان ہی کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دی اور قیادت کا علم ان لے ہاتھوں میں تھا دیا - علامہ اقبال نے اسی تاریخی حقیقت کو اس شعر میں بیان کیا ہے - ۵۔

تہ عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے پاساں مل گئے کعبے کو صم خانے سے  
ترکانِ عثمانی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ قسطنطنیہ ان کے ہاتھوں فتح ہوا - ان کی سطوت کا یہ عالم تھا کہ پورا جزیرہ غالبان ان کے زیرِ نگیں آ گیا - یہاں تک کہ مغرب میں سلطنتِ عثمانیہ کی سرحدیں ہنگری تک پہنچ گئیں اور جنوب میں اٹلی کے دکانوں پر ان کی فوج دستک دے رہی تھی لیکن پھر مسلمان عیش کوشی میں مبتلا ہوئے اور اپنے مسلمان ہونے کی ذمہ داری کو فراموش کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کی سنت پوری ہوئی ایک پندرھویں صدی کے اواخر میں سلطنتِ ہسپانیہ کا قلع قمع ہو گیا اور ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد تو بعینہ وہ صورت پیدا ہو گئی جس کا نقشہ قرآن مجید میں ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے جیسے کہ ”وہ کبھی دہاں آباد ہی نہیں تھے“ - دوسری طرف جنوب میں ہندوستان، ملایا، انڈونیشیا میں مسلمانوں کی حکومتیں یکے بعد دیگرے مغربی استعمار کے چنگل میں گرفتار ہوئیں، اور سیاسی طور پر ان کی غلام بن گئیں - بعد ۵۰ عذابِ خداوندی کی تکمیل اس طرح ہوئی کہ پہلی جنگِ عظیم (۱۹۱۴-۱۹۱۸ء) کے خاتمے پر عظیم دولتِ عثمانیہ سمٹ سمٹا کر ایشیا کو چپک میں محدود ہو گئی اور شمالی افریقہ سمیت پورا عالمِ عرب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منقسم ہو کر مختلف یورپی اقوام کے براہِ راست زیرِ نگیں ہو گیا یا بالواسطہ محکومی میں آ گیا اور اسلام و مسلمان دونوں اپنے زوال و انحطاط

کو پہنچ گئے اور ہو بہو ہی کیفیت پیدا ہو گئی جس کی خبر دی تھی کہ الصادق والمصدق صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ”مسلمانوں کا حال کثیر تعداد میں ہونے کے باوجود ”غُثَا السَّيْلُ“ یعنی سیلاب کے جھاگ جیسا ہو جائے گا اور اقوام عالم ایک دوسرے کو مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنے کی اس طرح دعوت دیں گی جیسے کسی دعوت کا اہتمام کرنے والا دسترخوان چنے جانے کے بعد مہمانوں کو بلاتا ہے۔“ مخبر صادق نے پیشگی تنبیہ فرمادیا تھا کہ ایسا اس لئے ہو گا کہ ”مسلمانوں میں حُب دُنیا اور کراہیتِ موت کا مرض پیدا ہو جائے گا“ یہی ہوا اور جب مسلمان فکرِ آخرت سے دور ہو گئے اور ان کو دُنیا کی زندگی اتنی محبوب ہو گئی کہ موت ہی نہیں بلکہ اس کے تصور سے بھتان کو کراہیت آنے لگی تو دُنیا میں کڑوٹوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود ان کی نہ کوئی ساکھ رہی، نہ عزت و وقار رہا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد

تیس چالیس سال کے عرصے میں مغربی استعمار کے براہِ راست تسلط اور غلامی سے نجات اگرچہ مل چکی ہے لیکن اب بھی ہم من حیث المجموع مغرب کی علمی و فکری اور تہذیبی غلامی میں مبتلا ہیں اور ابھی تک کوئی مسلم ملک ایسا موجود نہیں ہے جس کو صحیح معنوں میں ”اسلامی ملک“ کہا جاسکے۔ یعنی جس ملک میں اسلام کے نظام کی برکات کا ظہور نظر آتا ہو اور جس کے معاشرے کو ”اسلامی معاشرہ“ کہا جاسکے۔ گویا حال یہ ہے کہ ہمارے قول و عمل میں بہت نمایاں تضاد ہے جو مسلمانوں کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں نظر آ رہا ہے۔ اور قول و عمل کا تضاد اللہ تعالیٰ کے غضب کو بہت بھڑکاتا ہے۔ بھجوائے آیت قرآنی: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ** ہ کبر مقتاً عند اللہ ان تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ۝ اے ایمان والو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ اور اس کے غصے کو بھڑکانے والی ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں“ (الصفت ۲-۳) دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے ملک کا حال دیکھ لیجئے۔ ہم نے خدا اور خلق کے سامنے اعلان کیا تھا کہ پاکستان کو ہم اسلامی نظام کی تجربے گاہ بنائیں گے۔ پاکستان کا مطالب کیا۔ لا الہ الا اللہ۔ لیکن تینیس سال گزر چکے ہیں۔ اسلام کی طرف حقیقی پیش رفت تو دور کی بات ہے ہم تو اس کے برعکس روز بروز اسلام سے اور دور ہوتے چلے آ رہے ہیں۔ ہم کو بد عہدی کا ایک خمیازہ اس صوت میں



بعد جنرل محمد منیار الحق صاحب نے جن عظام کا اظہار کیا تھا اس سے یہ اُمید ہو چلی تھی کہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف تیزی سے پیش قدمی ہوگی چونکہ اس وقت فضا تیار تھی۔ لیکن بہت سا وقت تو احتساب کی نذر ہو گیا اور بہت سا وقت تذبذب و تردد میں گزر گیا جو تھوڑے بہت اقدامات کئے گئے ان میں نیم دلانہ کیفیات نظر آئیں

چودھویں صدی کے اواخر میں ایران میں ایک زبردست دھماکہ ہوا انقلاب کامیابی سے ہلکا ہوا۔ جس کا دنیا میں اسلامی انقلاب کے نام سے تعارف ہوا۔ وہاں صورت واقعہ یہ تھی کہ وہاں اصلاً تو تحریک شہنشاہ کے ظلم و ستم، جور و تعدی اور انتہائی جاہلانہ آمریت کے خلاف اٹھی تھی۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن والی، بائیں بازو والی، لبرل اسلام والی حتیٰ کہ ذہناً اور عملاً ملحد و اثر اکیت کی پرستار قوتیں بھی شامل ہو گئی تھیں۔ لیکن انقلابی تحریک میں غالب عنصر مذہب و دستِ عامر کا تھا۔ اور ان کی پشت پر خمینی صاحب جیسی مفروضہ مذہبی رہنما کی شخصیت موجود تھی، جن کی قیادت اور مذہبی حیثیت کو چیلنج کرنے کی دوسرے گروہوں کو ہمت نہیں تھی۔ اس لئے اس تحریک میں مذہبی عنصر غالب رہا اور اس کو ”اسلامی انقلاب“ سے موسوم کیا جاتا رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایران کے انقلاب نے دنیا کو چونکا دیا آج سے ایک سال قبل کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ایران میں شہنشاہ کے اقتدار کا خاتمہ تو درکنار اس کو ہلایا بھی جاسکتا ہے۔ لیکن ایران کے اس انقلاب نے ایک طرف مغربی دنیا کو اسلام کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے کی طرف متوجہ کیا۔ دوسرے طرف ان خطوں میں جہاں اسلامی انقلاب کی داعی جماعتوں میں مایوسی چھا چکی تھی وہاں مرجعائی ہوئی امیدیں کروٹیں لینے لگیں اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب اسلامی نظام کی تحریکات نے جوش و ولولے سے اٹھیں گی اور ہمارے مسلم حکمران ایران کے اس انقلاب سے سبق و عبرت حاصل کر کے اسلامی تحریکوں کی راہ میں مزاحمت کرنے کے بجائے ان کے لئے ممد و معاون ثابت ہوں گے۔ لیکن ایسا ہونا نظر نہیں آتا بلکہ ہماری بدبختی کہ ابھی پندرھویں صدی کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا کہ ایران میں لبرل (LIBERAL) اسلام اور اسخ العقیدہ

(ORTHODOX —) اسلام (ایرانیوں کے اپنے عقائد کے مطابق) میں باہمی اختلافات رد نہ ہونے شروع ہو گئے تھے اور ان کی باہمی کشمکش بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے اسلامی انقلاب دشمن عناصر اور اس اسلامی انقلاب سے خوفزدہ گروہ عراق کی بعضی حکومت کی پشت پر آگئے ہیں جو فکر و نظر کے لحاظ سے اسلام کے بنیادی عقائد و نظریات سے بہت بعید اور سیکولر (لادینی) نظام حکومت میں سے بھی اشتراکیت سے بہت قریب ہیں۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ پندرہویں صدی اس عالم میں وارد ہوئی ہے کہ دو مسلم ہمسایہ حکومتیں برسرِ پیکار ہیں۔ اور دونوں کے مابین آگ اور خون کی ہولی کھیلی جا رہی ہے اور ہماری بے عملیوں اور بد عملیوں کی پاداش میں اُدُّ یَلْبِسُکُمْ شَیْعًا وَ یُنِیْقُ بَعْضُکُمْ بَأْسَکَ بَعْضُ ط کی سنت اللہ ظہور فرما رہی ہے اور ایران و عراق کی یہ جنگ اس بات کا ثبوت ہے جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ ابھی مذاہب الہی کے اور کوڑے ہماری بیٹھ پر برسے باقی ہیں۔ ذرا اندازہ تو لگائیے کہ دُنیا بھر میں اسلام دشمن عناصر بالخصوص یہودی اور ان کی سلطنت اسرائیل، ایران و عراق کی اس جنگ سے کتنے خوش ہو رہے ہوں گے ان کے ہاں تو شادمانی کے نقارے بج رہے ہیں۔ ان دونوں مسلم حکومتوں کا اس جنگ کے نتیجے میں جو بھاری نقصان اب تک ہو چکا ہے، اس کی تلافی ایک بے حد صدی تک ممکن نہیں اور ابھی اس جنگ کے رکنے کے دور دور تک آثار نہیں۔ پھر روس منہ کھولے منتظر نظر آ رہا ہے کیا عجب کہ اس جنگ کے نتیجے میں جب ایران کی دفاعی قوت کمزور سے کمزور تر ہو جائے تو وہ پیش قدمی کرے اور گرم پانی تک پہنچنے کی اپنی قدیم تپاوری کرے۔ اخبارات سے اس جنگ کے جو حالات سامنے آ رہے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایران عراق کے حملوں کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوا ہے۔ ایران و عراق کی سرحدی علاقوں میں سے اکثر عراق کے تسلط میں آ چکے ہیں۔ پھر مصلحاً ایران، روس سے کیسے نبرد آزما ہو گا پھر ایران میں ایسے عناصر کی کمی نہیں جو روسی یلغار کا خیر مقدم کریں گے اور اندرون ایران فتنہ کالم کا کردار ادا کریں گے۔ پھر اس امکان کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ امریکی متوقع روسی یلغار کی صورت میں مسلح مداخلت کرے۔ ایرانیوں کی ہمدردی میں نہیں بلکہ اپنے مفاد میں۔ چونکہ خلیج کی ریاستوں کے ”سیال سونے“ سے سب سے زیادہ ہی متمتع ہو رہا ہے۔ اس کی معیشت کا

اس کی فوجی طاقت کا اور اسلحہ سازی کا بڑی حد تک مدد سیال سونے سے مالا مال ممالک سے درآمدی و برآمدی تجارت پر انحصار ہے۔ اس کے مال کی کھپت کی، کافی بڑی منڈیاں یہی ممالک ہیں۔ پھر اس کے لئے تو یہ سنہری موقع ہو گا کہ میدان جنگ اس کے اپنے ملک سے جو ویسے ہی درمیان میں ایک وسیع و طویل سمندر حائل ہونے کی وجہ سے کافی دور ہے۔ مشرق وسطیٰ کو بنایا جاتے اور یہیں قوت اور مہلک اسلحہ کو آخری حد تک آزما لیا جائے۔ پھر یہ اندیشہ بھی اپنی جگہ موجود ہے کہ کہیں ایران و عراق کی جنگ ایران اور عرب کی جنگ کی صورت اختیار نہ کرے۔ ایسا ہوا تو ہم ایک بہت بڑی ہلاکت سے دوچار ہوں گے۔ پھر مصر اور لیبیا میں سخت اختلافات موجود ہیں جو تفرقے اور نفرت و عداوت تک پہنچے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ بعید نہیں یہ دونوں مسلم ملک بھی یہودی سازش (یعنی روس اور امریکہ) کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر ایک دوسرے سے دست بگوریاں ہو جائیں۔ آگے چلتے۔ شام اور اردن میں ہر وقت مسلح تصادم کا خطرہ سر پہ منڈلا رہا ہے۔ سعودی حکومت صلح و آشتی کی کوشش کر رہی ہے۔ خدا کرے کہ اُسے کامیابی حاصل ہو۔ لیکن یہودی ذہن برابر سازش میں لگا رہے گا اور عجب نہیں کہ کسی وقت فلیتے کو آگ لگا دی جائے اور یہ آگ مسلمانوں کے لئے تباہ کن اور یہودیوں کے لئے خوش آئند ہو۔ شام کا ذکر چلا تو یہ بھی سن لیجئے کہ وہاں اس وقت جو پارٹی برسرِ اقتدار ہے وہ بعث پارٹی ہے جو کمیونسٹ پارٹی ہی کا دوسرا پ ہے

## بعث پارٹی کا ظلم

۔ یہ فرقہ اہل سنت کی تو دشمن

ہیں ہی، ان شیعوں کے بھی دوست نہیں، جو حضرت علیؓ کی الوہیت کے قائل نہیں۔ یہ فرقہ مکمل طور پر سبائیت کا نعل ہے۔ ان کے ہاتھوں شام میں سنیوں خاص طور پر اخوان المسلمون کے نوجوانوں کی گردنیں کٹ رہی ہیں اور ان کا خون پانی کی طرح بہا جا رہا ہے۔ میں حیران ہوں کہ جمال ناصر نے جب اخوان پر ظلم کیا تھا تو پورے عالم اسلام میں شور مچ گیا تھا۔ ہر طرف سے احتجاج کی صدائیں بلند ہوتی تھیں۔ لیکن آج



شام میں حافظ الاسد کے ہاتھوں ناصر سے دس گنا زیادہ ظلم و ستم اور مصائب کے پہاڑ  
 اخوان پر توڑے جا رہے ہیں۔ لیکن عالم اسلام کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ایسا  
 محسوس ہوتا ہے جیسے کانوں میں انگلیاں ٹھسی ہوئی ہیں اور آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ کہیں  
 سے کوئی صدائے احتجاج نہیں اٹھتی۔ افغانستان کی صورت حال پر غور کیجئے۔ پونے  
 دو کروڑ مسلمانوں کا یہ ملک تقریباً ایک سال سے سرخ سامراج کی جارحیت اور بربریت  
 کے چنگل میں پھنسا ہوا ہے۔ عالمی ضمیر کا یہ حال ہے کہ وہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ احتجاج  
 کا عمل صرف زبانی جمع خرچ تک ہے۔ وہ بھی اپنی مصلحتوں کے مطابق! ایسا معلوم ہوتا  
 ہے کہ عالمی رائے ذہناً افغانستان پر روسی ناجائز قبضے کو قبول کر چکی ہے۔ ہم خوش ہیں کہ  
 افغان مہاجرین کے لئے مختلف امدادی سامان یہ ملک بھیج رہے ہیں یہ امدادی سامان افغانستان  
 کا آزادی کو سلب کرنے کی تلافی تو نہیں کرتا۔ اندازہ تو کیجئے کہ پونے دو کروڑ مسلمان  
 کیسے انجام سے دوچار ہونے والے ہیں! ترکستان میں روسی حکومت کے ہاتھوں مسلمانوں  
 کی ایسی (BRAIN WASHING) ہوئی ہے کہ وہاں عظیم ترین مسلم اکثریت کو اپنے  
 مسلمان ہونے کا شعور تک باقی نہیں رہا۔ یہی حال افغانستان کا بھی ہونے والا ہے۔  
 بھارت کے جوتیور ہیں وہ سب کے سامنے ہیں۔ آج ہی کے نولے وقت میں آپ نے صد صاحب  
 کا وہ انٹرویو پڑھا ہوگا جو امریکہ کے ایک اخبار کو دیا گیا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ امریکہ کیلئے  
 روسی سامراج سے ٹکٹ کو محفوظ رکھنا آسان ہیں۔ امریکہ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ  
 بھارت کے چرنوں میں رکھ چکا ہے۔ پاکستان کے ساتھ مفاہمت کا وہ کوئی معاملہ کرنے کو  
 تیار نہیں۔ وہ بھارت کو راسخی رکھنے کے لئے آخری قیمت دینے کے لئے بھی ذہناً آمادہ  
 نظر آیا ہے۔ صدر صاحب وہاں کہہ آئے ہیں اور بالکل ٹھیک کہہ آئے ہیں کہ سارے  
 جتن کر لیجئے پھر بھی بھارت آپ کا نہیں ہوگا۔ لیکن امریکہ کی حکومت اور رائے عامہ  
 کی سوچ میں کسی تبدیلی نہ آئی، آثار نہیں ہیں۔ پھر امریکہ کسی طرح اسرائیل کو ناراض  
 نہیں کرنا چاہتا۔ پاکستان سے منبوط تعلقات اسرائیل کی ناراضگی کا موجب ہو سکتے ہیں۔  
 پھر دیکھئے تاحال بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں ہے۔ وہ اس شہر کو اپنا مستقل  
 دارالحکومت بنانے کے لئے برابر اقدامات کر رہا ہے عالمی رائے عامہ بھی خاموش ہے کسی  
 موثر اقدام کے دور دورہ آثار نظر نہیں آتے۔ اس کے عزا تم کے پیچھے امریکہ کی تائید حاصل

ہے۔ ورنہ اس کی یہ ہمت نہیں کہ وہ امریکہ کو ناراض کر کے اتنا بڑا اقدام کر سکے۔ ہم مسلمان بھی سوچتے ہیں۔ دوسروں کا کیا گلہ! — عالم اسلام پر یہ کچھ بیت رہا ہے۔ لیکن انسان کے ساتھ اپنے ملک کا اور خود اپنا جائزہ لیجئے اور سینے پر ہاتھ رکھ کر ایمان داری کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ ان حالات کا کتنا اثر اور درد اور فکر ہمارے دل میں اور قوم کے دل میں موجود ہے۔ کیا ہم نے اپنے شب روز کے مشغلوں کو ترک کیا ہے؟ — کیا ہم واقعی اللہ کی طرف رجوع ہوتے ہیں۔؟ مجھے جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہمارے ہاں شادمانی کی تقاریب بھی جاری ہیں اور لہو و لعب بھی — کانفرنسیں ہیں تقاریب ہیں۔ اعلانات ہیں، بیانات ہیں لیکن ٹھوس عمل قدم کے لحاظ سے کوئی پیش رفت نہیں۔ جسے دیکھو اس کے نزدیک اسلام اور غلبہ اسلام کی باتیں *Table Talk and Depression* سے زیادہ اس کی اہمیت نظر نہیں آتی۔ *إلا ما شاء اللہ* — میں آپ کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں کہ موجودہ صورت حال آخری لحاظ سے تو ہے ہی نہایت ہی خرابے والے انجام بد سے دوچار ہونے والی بات۔ — دنیوی لحاظ سے بھی انتہائی تشویش ناک ہے۔ اب بھی اسلام ہمیں غروں اور بلند باگ و عودوں اور بیانات میں ہی نظر آتا ہے۔ یا اصلاح کے کچھ سطحی سے کام اسلام کے نام پر ہوتے ہیں اور ہو رہے ہیں تو ان میں نیم دلی کی کیفیت جھلکتی ہے اور ایک مضبوط و موثر منصوبہ بندی کے تحت اسلام کی طرف پیش رفت کم از کم مجھے تو نظر نہیں آتی۔ ماضی قریب میں بھی ہم نے اسلام کا نام ان نظام مصطفیٰ کا نام بہت زور شور سے لیا ہے۔ ملک بھر میں بڑا جوش خروش رہا ہے۔ بڑے غرے لگائے ہیں۔ لیکن اسلام کی حقیقت دلوں میں جاگزیں نہیں تھی اس لئے نظام مصطفیٰ کے لئے جلسے اور جلوس کا اہتمام کرنے والوں کا یہ حال چشم فلک نے دیکھا ہے کہ لوگوں کی عصر کی اور مغرب کی نمازیں چلی گئیں اور کسی کو احساس تک نہیں ہوا کہ دینی لحاظ سے ان سے کتنی عظیم غلطی ہو رہی ہے اور یہ جلسے جلوس دینی لحاظ سے نماز کے مقابل نفع کا سودا تھا یا خسارے کا۔ اکم و بیش یہی حال آج نظر آ رہا ہے۔ جمعہ کی نماز کی ادائیگی کا جائزہ لیجئے چونکہ اس نماز کی ادائیگی جماعت کے بغیر ممکن نہیں۔ کسی شہر کسی بستی اور کسی قصبے میں چلے جائیے اور دیکھئے کہ ہماری

قوم کی کتنی فیصد آبادی اس فرض کی ادائیگی کا اہتمام کرتی ہے۔ کیا زمانے میں بچنے کی یہی باتیں ہیں۔ مسلم دنیا کا جو نقشہ میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے، کیا اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ چودھویں صدی کا آغاز مسلمانوں اور اسلام کے لئے شادمانی کا پیغام لے کر آیا ہے! میں آپ کو مایوس کرنا نہیں چاہتا بلکہ آپ کو آپ کا فرض بتانا چاہتا ہوں میری کوشش ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اُمت مسلمہ خوابِ خوش سے جاگے اور ہمارا ہر سوچنے سمجھنے والا شخص اپنی ذمہ داری کو اور اپنے فرض کو پہچانے اور ان کی ادائیگی کے لئے کمر بستہ ہو جائے رحمتِ خداوندی کا دامن ہر آن کشادہ ہے۔ یہ تو ہمارا اپنا تصور ہے کہ ہم اس سے خود مٹہ موڑے ہوتے ہیں۔ ورنہ اس کا تو وعدہ ہے کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَصَدَّقُوا اللّٰهُ يَتَصَدَّقْكُمْ** **يُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ** اے لوگو جو ایمان لاتے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم مضبوط جھائے گا۔ اس آیت کے ضمن میں تمام مفسرین کے نزدیک اللہ کی مدد کرنے سے مراد اللہ کے دین کے غلبہ کی جگہ اُس کے کلمے کی سر بلندی کی سعی اور حق کو قائم کرنے کی تلکے دو ہے۔

۴۔ میرے دین کا مقصد تیسرے دین کی سرسرازی

میں اسی لئے ہوں عن زمی میں اسی لئے نمازی

اللہ تعالیٰ بڑا دودو، رؤف اور رحیم ہے۔ اس کا وعدہ ہے کہ تم اپنی روش درست کرنے کی صدق دل اور عزمِ معمم کے ساتھ کوشش کرو گے تو وہ تم کو اپنی رحمت کے دامن میں پناہ دے گا۔ **عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَن يَتَرَ حِمْلَكُمْ**۔

۵۔ چین کے مالی اگر بنا میں موافق اپنا شمار اب بھی

چین میں آسکتی ہے پلٹ کر چین سے روٹھی بہار اب بھی

لیکن دنیا کی محبت یہ ہمارا مال و منال یہ ہمارا عیش و آرام، یہ ہمارے کاروبار، یہ ہماری بلدیہ گئیں، یہ ہمارے کارخانے اور فیکٹریاں ہمارے پلوں کی بیڑیاں اور ہاتھوں کی ہتھکڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ جو ہم کو بٹنے نہیں دیتیں۔ دین کے تقاضے پورا کرنے میں مانع ہوتی ہیں۔ یہی دنیوی مفادات ہیں جو ہم کو راہِ حق میں قدم اٹھانے سے باز رکھتے ہوئے ہیں۔ حالانکہ قرآن حکیم ہمیں واضح طور پر خبردار اور متنبہ کرتا ہے

کہ: اِنَّ كُلَّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اِلٰی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۚ لَقَدْ اَخْلَصْنٰهُمْ وَعَدَّ مُمْرَعًا ۚ اِهْ وَكُلُّهُمْ اِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَرْجُؤٌ ۚ  
 ”زمین اور آسمان میں جو بھی ہیں، اُس کے حضور بندوں کی حیثیت سے پیش ہونے والے ہیں۔ سب پر وہ (اللہ) محیط ہے اور اس نے ان کو شمار کر رکھا ہے۔ سب قیامت کے روز فردا فردا اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔“ ہم میں سے ہر ایک کی اپنی موت سروں پر منڈلا رہی ہے۔ پھر دنیا کے حالات کا جو نقشہ سامنے آرہا ہے۔ وہ بھی ہم کو جھنجھوڑ رہا ہے کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوں۔ بندۂ مومن کو تو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اپنی موت کو ہر وقت یاد رکھتے اور اس کا طرز عمل وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ کے مطابق ہو۔ یہ ساز و سامان دنیا جویں کی راہ کا سنگ گراں ہے اُسے بالآخر ہم کو یہیں چھوڑ کر جانا ہے اور ہم میں سے ہر شخص کو فردا فردا اپنے اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہے۔ میں نے جو کچھ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے سمجھا ہے اور حالات کا جو مطالعہ کیا ہے وہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ میں ”الدین النصیحہ“ کے فرمان نبوی کے مطابق عرصہ چودہ پندرہ سال سے لوگوں کو پکار رہا ہوں اپنا فرض ادا کر رہا ہوں اور لوگوں کو ان کا فرض یاد دل رہا ہوں۔ اور سب کو اعتصام و تمسک بالقرآن کی دعوت دے رہا ہوں۔ سورہ بنی اسرائیل میں بنی اسرائیل کی عروج و زوال کے دوا دار کا ذکر فرما کر ان پر رحمت خداوندی کی توجیہ کے لئے جس صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کی گئی ہے وہ یہی قرآن مجید ہے:- اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِّلْكَيِّ مِیْ اَقْوَمُ رَفْ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۚ  
 ”حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے جو لوگ اس کو مان کر مجھے کام کرنے لگیں انہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے“ پس معلوم ہوا کہ سیدھی راہ کی طرف رہنمائی، اعمال صالح کی توفیق اور آخرت میں اجر کبیر کی ضمانت صرف اللہ کی یہی کتاب قرآن مجید ہے۔ سنت رسول بھی اسی قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے جو ہمارے لئے واجب الاطاعت ہے۔ چونکہ آپ کی سیرت بقول حضرت عائشہ مدلیقہ رحمہم قرآن مجید ہی ہے لہذا ہر فردی شیخ کی اصلاح ہوگی تو

اسی سے - پھر تجدید دین ہو، احیائے اسلام ہو، ہماری دنیوی فلاح و صلاح ہو -  
ہماری آخری نجات ہو۔ ان سب کا دار و مدار بھی ہمارے اُس رویے پر ہے جو ہم اس کتاب عزیز کے ساتھ اختیار کریں گے۔ اُنکے علم میں ہوگا کہ میں نے وہ حدیث بہت عام کی ہے جس میں غفلتِ قرآن کا بیان بہ زبان صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ہوا ہے۔ جسے انجمن نے چودہ سال سے ہر رمضان المبارک میں ہزاروں کی تعداد میں طبع کر کے لوگوں تک پہنچایا ہے۔ وہ حدیث آپ حضرات نے بھی پڑھی ہوگی۔ وہ حدیث جامعِ ترمذی اور سننِ دارمی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اُس میں حضورؐ نے ایک بڑے نتنے کی آمد سے خبردار اور اس فتنے سے بچنے کی تدبیر سے آگاہ فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ہمارے لئے اس دور کے تمام فتن اور اُنے والے تمام فتنوں سے محفوظ رہنے کا واحد نسخہ تجویز کیا گیا ہے اور اس حکیمِ ماذق کی طرف سے تجویز کیا گیا ہے کہ جس کے موثر ہونے میں جو شک کرے اس کا ایمان باللہ درست ہے ذایمان بالرسالت اور ذایمان بالکتاب بہت ہے۔ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنہ کا مخرج قرآن کو قرار دیا ہے اور پھر قرآن کی غفلت بیان فرمائی ہے۔ میں وہ ورقہ ساتھ لے آیا ہوں جو ہم رمضان المبارک میں تقسیم کرتے ہیں۔ پوری حدیث اور اس کا ترجمہ سن لیجئے۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّهَا سَتَكُونُ فِتْنَةٌ، قُلْتُ مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ كِتَابُ اللَّهِ فِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبَرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا بَيْنَكُمْ هُوَ الْفَضْلُ لَيْسَ بِالْفُزُولِ، مَنْ شَرَكَهُ مِنْ جَبَّارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ وَكَفَى ابْتِغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ أَضَلَّهُ اللَّهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ، وَهُوَ الذِّكْرُ الْحَكِيمُ، وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، هُوَ الَّذِي لَا تَزِيغُ بِهِ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَبِسُ بِهِ الْأَلْسِنَةُ وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَخْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ التَّرَدُّ وَلَا تَنْقُضُ عَجَائِبُهُ، هُوَ الَّذِي لَا تَنْتَهِي الْجَبُّ إِذْ سَمِعْتَهُ مَحْشًى قَالُوا: "إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى التَّرْشِيدِ فَأَمَّا بِهِ!" مَنْ قَالَ بِهِ صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أُجِرَ

وَمَنْ حَكَمَ بِهِ عَدَلَ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ لِقَايَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ  
(رواہ الترمذی والدارمی)

”حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شر سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: کتاب اللہ، اس میں تم سے پہلی امتوں کے سبق آموز واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں، (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دنیوی و اخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں ان سب بھی آگاہی دے دی گئی ہے)، اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں ان کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں)، وہ قول فیصل ہے، وہ فضول بات اور یادہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوٹے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا!) اللہ تعالیٰ اُس کو توڑ کے رکھ دے گا اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے بغیر تلاش کرے گا اُس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صحت گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایت حق سے محروم رہے گا!) قرآن ہی جبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے، اور حکم نصیحت نامہ ہے، اور وہی صراطِ مستقیم ہے، وہی وہ حق مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں زبانیں اُس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کر اُس کو محرف کر دیا۔ اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تاقیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے!) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبیر کا عمل اور اُس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علم قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہم اُسے حاصل کرنے کے لئے کچھ باقی نہیں رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علم قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور ان کا احساس یہ ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اُس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے جو

ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے، اور وہ قرآن (کثرتِ مزاوت سے کبھی پڑانا نہیں ہوگا یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اتنا ہی اُس کے لطف و لذت میں اضافہ ہوگا!) اور اُس کے عجائب (یعنی اُس کے دقیق و لطیف - حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔

نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اُٹھے۔

اَنَا سَمِعْتُ قُرْآنًا عَجَبًا      ہم نے قرآن سنا جو عجیب و غریب ہے  
يَهْدِي إِلَى التَّرْتِيقِ      کتاب ہے ہدایت کی، پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اُس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر

عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا،

اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اُس نے عدل و انصاف کیا، اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی۔!

حال ہی میں سنن دارمی میں مجھے ایک اور روایت ملی ہے۔ حدیث کا ذخیرہ اتنا وسیع ہے کہ بڑا مشکل ہے کہ اس پورے ذخیرے پر کسی کی نگاہ ہو۔ لیکن خدا ہی کا فضل شامل ہوتا ہے تو کوئی موتی کہیں سے نکلا ہوں گے سامنے آ جاتا ہے۔ ابھی جو

روایت اُنچے سنی اس میں تو حضرت علیؑ کے سوال کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتنے سے محفوظ رہنے اور اس نکلنے کا مخرج (EXIT) قرآن حکیم کو بتایا۔

آج میں آپ کو ایک دوسری حدیث بھی سنانا چاہتا ہوں جسے آپ میری آج کی تقریر کا اصل تحفہ بھی سمجھ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ میں نے اپنے حالیہ سفر کے دوران ہی ٹورنٹو (کینیڈا) کی جامع مسجد کے امام صاحب سے سنی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ”جاءني جبريل فقال يا محمد اُمتك بعد لك!“ یعنی میرے پس جبریلؑ آئے اور انہوں نے کہا کہ ”اے محمدؐ اپنی امت کے بارے میں سوچے کہ آپ کے بعد اس کا کیا بنے گا!“ اس پر حضورؐ فرماتے ہیں کہ میں نے جبریلؑ ہی سے دریافت

کیا کہ: اَیْنَ الْمَخْرَجِ یَا حَبْرَیْلُ! یعنی ”اے جبریل! تم ہی بتاؤ کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے؟“ جواباً ”حضرت جبریلؑ نے کہا ”اللہ کی کتاب! — اس میں آپ سے پہلے کے حالات بھی ہیں اور آپ کے بعد کی خبریں بھی ہیں اور کل معاملات و مسائل کا حل بھی ہے!“ او کمال قال صلی اللہ علیہ وسلم!! — غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں روایات کے مضامین میں گہرا ربط پایا جاتا ہے۔

پہلی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مکالمہ بیان ہوا ہے اور اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت جبرائیل سے مکالمہ بیان ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے جو بات فرمائی تھی وہ اسی وحی غیر منلوکی روشنی میں فرمائی تھی جو حضرت جبرائیلؑ کے توسط سے نازل ہوئی تھی۔ ان دونوں احادیث میں لفظ مخرج پر غور و تدبر کیجئے۔ جہاں بھی بڑے بڑے ہال (HALL) ہیں اور جہاں لوگوں کا عظیم اجتماع ہوتا ہے وہاں باہر نکلنے کیلئے بڑے اور نمایاں عروفت ہیں (EXIT) لکھا ہوتا ہے تاکہ اگر ہال میں آگ لگ جائے یا کسی اور قسم کی افتاد پیش آجائے تو لوگ اس مخرج (EXIT) کی طرف پکیں اور اپنی جان بچا سکیں۔ یہ دنیا بھی ایک عظیم ہال کے مانند سمجھئے۔ اس میں شیطان ہر آن فتنے پھیلاتا ہے۔ اور پھر ایک عظیم فتنے سے اُمت کو سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیلؑ کے ذریعے اپنے پیارے رسولؐ کو وحی فرمادی تاکہ حضور اُمت کو تلقین و نصیحت اور خبردار فرمادیں کہ تمام فتنوں اور خاص طور سے فتنۃ المسیح الدجال سے مخرج (EXIT) کی سبیل قرآن مجید کا اعتصام و تمسک ہے۔ اور حضورؐ نے حضرت جبرائیلؑ کی روایت بھی صحابہ کرامؓ کے توسط سے اُمت کو پہنچادی اور پھر انتہائی وضاحت کے ساتھ اُمت کو تعلیم بھی فرمادی جو حضرت علیؑ کی روایت ذلیعہ اُمت کو پہنچ گئی۔ میں جب بھی یہ حدیث پڑھتا ہوں مجھ پر ایک دید کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے واقف یہ ہے یہ حدیث فصاحت و بلاغت کی معراج ہے۔ میری دعوت اسی قرآن حکیم اسی ہدیٰ للناس اسی قول فیصل اور اسی تمام فتنوں کے مخرج کی طرف ہے جس کی تعلیم رسول کامل صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ اس حدیث میں میرے لئے بھی یہ نوید جانفزا



موجود ہے کہ وَمَنْ دَعَا إِلَىٰ سَبِيلِ هُدًى إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت ہوگئی یہ میری تمام مساعی کا مرکز و محور ہی دعوت ہے کہ اللہ کے بندو! قرآن کی طرف آؤ قرآن کے دامن میں پناہ لو۔ ہمارے تمام مسائل کا حل رجوع الی القرآن ہے۔ تجدیدِ ایمان۔ توبۃ النصوح اور تجدیدِ مہد کی توفیق ملے گی تو اسی کتاب اللہ سے ہمارے انفرادی سیرت و کردار میں اصلاح ہوگی تو اسی نسخہ شفا سے۔ ہمارا اپنا ایمان یقین کامل کا درجہ حاصل کرے گا تو اسی نورِ مبین سے۔ افراد بدلیں گے تو معاشرے کے بدلنے کی امید پیدا ہوگی چونکہ معاشرہ مجموعہ ہوتا ہے افراد کا۔ افراد کا یہی کامل ایمان و ایقان جب اجتماعی ایمان (Collective Conviction) کی صورت اختیار کرے گا تب ہی سلامی انقلاب کو راہ ہموار ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

**توقعات اور بشارتیں** | پندرھویں صدی کا آغاز جن تشویش ناک حالات میں ہو رہا ہے، اس کا نقشہ میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ بظاہر یہ نقشہ مایوس کن ہے۔ لیکن پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ مسلمان کے لئے مایوسی (Disillusionment) کفر ہے سورہ یوسف میں اپنے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی زبان سے کہوا یا گیا کہ ”وَلَا تَأْتِيْهُم مِّنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَأْتِيْهُمْ مِّنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوٰمُ الْكَافِرُوْنَ“ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اس کی رحمت تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں، سورہ الزمر میں نبی اکرمؐ کو حکم دیا کہ میرے ان بندوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے کہ: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ ”اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو“ دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرمؐ کی بشارت موجود ہے کہ وہ وقت آکر رہے گا۔ جب پورا عالم نورِ توحید سے معمور ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ سر بلند ہوگا۔ میں نے جو بات آپ کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے، وہ یہ ہے کہ آنے والی پندرھویں صدی کا آغاز بظاہر احوال خوشگوار اور امید افزا نظر نہیں آ رہا اور یہ بات اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے کہ یہ صدی مسلمانانِ عالم اور پوری بنی نوع انسان کے حق میں سعید مبارک ثابت ہوگی یا اس کے برعکس، اور ”ساعۃ“ قیامت کتنی دور ہے۔ یہ معاملہ اللہ تعالیٰ

کی مشیت پر چھوڑتے، ہمیں اپنی نجات کی، اپنی ماقبت کی، اپنی دنیوی فلاح کی اور اپنے ملک کی سلامتی کی فکر کرنی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس وقت دنیا میں دین برحق کی شدید پیاس موجود ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ جہاں چودھویں صدی میں امت مسلمہ اپنے زوال کی انتہا تک پہنچتی نظر آتی ہے، وہاں اسی صدی میں ایک گھمبیر اور مہمہ جیتی حیاتی عمل بھی ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ جس کو میں اس طرح تعبیر کیا کرتا ہوں کہ زوال و انحطاط اور تجدید و احیائے اسلام کے یہ دونوں عمل *renewal* کے *مَدَجِ الْبَحْرِ يَنْتَقِينَ ۝ يَتَنَزَّلُ الْمَافِئَةُ ۝ لَا يَبْعَثُ فِيهِ* کی سی شان کے ساتھ پہلو بہ پہلو جاری ہیں۔ مجھے منکر ہے تو اپنی آخرت کی فکر ہے اور اپنے ہم وطنوں کی خاص طور پر ان کی آخرت کی فکر ہے جو مجھ سے کسی نوع کا تعلق رکھتے ہیں مجھے اپنے وطن عزیز کی سلامتی اور استحکام کی فکر ہے جو اسلام کے نام پر بنا تھا اور جس کے وجود کا اسلام کے سوا کوئی جواز نہیں ہے۔ مجھے اپنے اُن مسلمان بھائیوں کی فکر ہے جو ایک ایک قریب تعداد میں اس وقت دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ صرف نیک تئناؤں نیک خواہشات خوش کن بیانات، جلسوں، جلوسوں اور غروں سے کام نہیں چلے گا۔ اس کے لئے ہمیں خود کو بدلنا ہوگا۔ ہمیں خود بندۂ رب بننا ہوگا اور اسی عبادتِ رب، شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کی دعوت کا علمبردار بننا ہوگا۔ اگر ہم خود اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سن لیجئے۔ *إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ* ط ”حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتی۔“ قرآن حکیم نے ہر معاملہ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ اس نے ہمیں بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ بس ہمیں خود کو بدلنا ہوگا، پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلام کی برکات و حسنات کا نمونہ بنانا گا اور اس مقصدِ عظیم کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ماخوذ طریق کار کو اختیار کرنا ہوگا۔ ہم نے یہ روش اختیار کی تو اللہ کی نفرت و تائید ہماری دستگیری کرے گی لیکن اگر ہم نے اس سے پہلو تہی کی تو یاد رکھیے کہ کوئی عجب نہیں ہم راندہ درگاہ کر دیئے جائیں ہمیں دھتکار دیا جائے جیسے ماضی میں عرب (امیتین) کو قیادت و سیادت کے منصب سے معزول کر کے اسلام دشمن قوم تاتاریوں کو اسلام کی دولت سرفراز کر کے اسلام

کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں سنبھا دیا۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو بھٹا کر کسی دوسری قوم کو اپنے دین کی خدمت اور اس کی سرفرازی و سر بلندی کے لئے چن لے۔ اور ہمارے جسے میں دنیا اور آخرت کی ذلت و رسوائی اور خسران کے کچھ نہیں آئے۔ اللہم نعوذ بک من ذالک۔ اسی کی طرف ہمیں سورۃ محمد کی آخری آیت میں واضح رہنمائی ملتی ہے ہاں فرمایا: وَإِنْ تَوَلَّوْا لَيُتَبَدَّلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ شُمْ لَوْ يَكُونُوا أَمْثَلَكُمْ۔ اور اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔ (جاری ہے)

**اعذار** محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریباً دو گھنٹے کی یہ تقریر جناب محمد بشیر ملک صاحب نے فل اسکیپ کے پچپن صفحات پر لفظ بلفظ کیسٹ منقول کی تھی۔ راقم الحروف نے جب اس کو تحریر کی صورت دینے کا کام شروع کیا تو خیال تھا کہ یہ مکمل تقریر ميثاق کے چالیس یا پچاس صفحات میں آجائے گی۔ وقت کی کمی کی وجہ سے جتنا کام روز ہوتا رہا کتابت کے لئے دیا جاتا رہا۔ لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ اندازہ لگانے میں غلطی ہو گئی ہے۔ فل اسکیپ کا ایک صفحہ ميثاق کے دو صفحات لیتا ہے۔ لہذا اس خطاب کا پہلا حصہ ”پندرہویں صدی کا آغاز متعلق بحمد اللہ مکمل پیش کر دیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ ”امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات“ سے متعلق ان شاء اللہ آئندہ شمارے میں ہدیہ ناظرین کیا جائے گا۔ (ج۔ن)

عن عبد اللہ بن عمر۔ قال: قال رسول اللہ ﷺ: اللہ علیہم وسلم

السَّمْعُ وَالْإِطَاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ وَكَرِهًا ۖ وَلِلْيَوْمِ مَرْمَعِيَّةٌ

# ”اسلامی قانون کی تنقید اور فقہی و گروہی اختلافات“

کے موضوع پر علماء کنونیشن میں

ڈاکٹر اسرار احمد کے خطاب کے چند نکات و اشارات

جناب جنرل محمد منیار الحق صاحب مدد مملکت پاکستان کی دعوت پر ۲۱-۲۲ اگست ۸۰ء کو اسلام آباد میں ”علماء کنونیشن“ منعقد ہوا تھا۔ جس کے پہلے اجلاس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے شرکت اور تقریر کی تھی۔ موصوف ۲۲ اگست کو امریکہ کے دعوتی دوسے پر عازم سفر ہو گئے تھے جہاں سے ۱۶ اکتوبر ۸۰ء کو مراجعت ہوئی۔ ۳۱ اکتوبر کو مسجد شہداء میں درس قرآن کے بعد موصوف نے بعض دوسرے امور کے ساتھ اپنی اس شرکت کے اسباب کو الٹ اور اپنی تقریر کے چند نکات بھی پیش کئے تاکہ بعض حلقوں کی طرف سے اس تقریر کے متعلق جو غلط فہمیاں پھیل چکی جا رہی ہیں ان کا ازالہ ہو سکے۔ تقریر کا یہ حصہ ٹیپ صفحہ قرطاس پر منتقل کر لیا گیا تھا جو ہدیہ قارئین میں شاق ہے (مرتب)

حضرات! میں آپ کا کچھ وقت علماء کنونیشن کے متعلق کچھ گفتگو کے لئے لوں گا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ پورے پاکستان میں ریڈیو اور ٹی وی کی وساطت سے ۲۱ اگست کی شب کو اور اخبارات کے ذریعے ۲۲ اگست کی صبح یہ خبر مام ہو چکی تھی کہ میں نے علماء کنونیشن میں شرکت کی ہے اور تقریر بھی کی ہے۔ میں ۲۱ اگست کی شب ہی کو اسلام آباد سے کراچی چلا گیا تھا جہاں سے ۲۲ اگست کی درمیانی شب کو امریکہ کے دوسرے دعوتی دوسے پر روانہ ہو گیا تھا۔ ملک باہر چلے جانے کے باعث میں اس رد عمل سے لاعلم رہا جو میری شرکت اور تقریر کے بارے میں ملک بالخصوص لاہور میں ہوا

تھا۔ واپسی پر مجھے معلوم ہوا کہ میں نے اس کنونین میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا، ان کے متعلق بعض حلقوں میں بہت خوشگوار تاثر تھا اور ان پر تحسین بھی ہوئی اور ان کی تائید بھی۔ لیکن ایک حلقے میں میری تقریر کے بعض حصوں کو بہت غلط رنگ دے کر اس پر بھونڈی تنقید کی گئی ہے اور بہت سی غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی شرکت کے متعلق بعض کوائف اور اپنی تقریر کے کچھ اہم نکات آج کی اس نشست میں پیش کروں تاکہ غلط فہمیوں کو پھیلنے کی راہ کچھ مسدود ہو سکے۔

— مجھے اعتراف ہے کہ جب مجھے اس علماء کنونین میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو مجھے حیرت ہوئی تھی چونکہ حقیقت یہ ہے کہ میرا کسی اعتبار سے بھی علماء میں شمار نہیں ہوتا۔ اس سے قبل اس قسم کے کسی اجتماع میں مجھے شرکت کا دعوت نامہ نہیں ملا تھا۔ میرا پہلا احساس یہ تھا کہ شاید غلطی سے دعوت نامہ میرے نام جاری ہو گیا ہے۔ پھر چونکہ اس دعوت نامے کی موصول سے بہت عرصے قبل ۲۲ اگست کی شب کو امریکہ کے لئے میری روانگی طے ہو چکی تھی لہذا اس سبب اس کنونین میں میری شرکت ممکن نہیں تھی چنانچہ میں نے معذرت کر دی۔ لیکن اعلیٰ حلقوں سے فون پر اصرار ہوا کہ اگر کنونین میں شرکت ممکن نہیں ہے تو تم اس مجلس مشاورت میں شرکت کرو جو کنونین سے دو روز قبل اسلام آباد میں منعقد ہو رہی ہے۔ اس مجلس مشاورت میں چار حضرات بلائے گئے تھے۔ جن میں میرا نام بھی شامل تھا۔ مجھے اس میں شرکت پر بھی تردد تھا۔ چونکہ میں اس سے قبل کسی ایسی مجلس میں شریک نہیں ہوا تھا جو حکومت کی سطح پر منعقد ہوئی ہو۔ لیکن جب اصرار بڑھا تو میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ لہذا میں نے شرکت کی حامی بھری اور اسلام آباد چلا گیا۔ مشاورت میں محترم صدر مملکت بنفس نفیس شریک ہوئے۔ مشاورت کی ۱۷-۱۸ اگست کو متعدد نشستوں میں نہایت بے تکلفانہ ماحول میں مختلف مسائل پر کھلے دل اور صاف ذہن کے ساتھ بہت مفید گفتگو ہوئی۔ شرکار میں سے ہر ایک نے پورے اخلاص، دردمندی اور کسی ذہنی تحفظ کے بغیر حالات کے متعلق اپنے تجربات، مشاہدات، تاثرات، تنقیدیں اور تجزیے پیش کئے۔ اور سو مذاقات کے سلسلہ میں تجاویز اور مشورے بھی محترم صدر پاکستان کے سامنے رکھے۔ صدر صاحب

نے پورے غور و خوض، توجہ اور خندہ پیشانی سے ان تمام امور کو سنا۔ مشاورت کے بعد صدر صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو امریکہ کب جانا ہے؟ میں نے کہا ۲۲ اگست کی شب کو کراچی سے روانگی ہونی ہے تو انہوں نے اصرار کے ساتھ فرمایا کہ ایسی صورت میں آپ کو کنونیشن میں ضرور شرکت کرنی ہوگی۔ آپ کو امریکہ کی فلائٹ پکرنے کیلئے ۲۲ تاریخ کو کراچی پہنچنے کا خصوصی انتظام کر دیا جائے گا۔ میں نے صدر صاحب کا ان کی اس پیش کش پر شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ کراچی جانے کا میں خود انتظام کروں گا البتہ آپ کے حکم کی تعمیل میں کنونیشن میں شرکت کروں گا۔ چنانچہ میں لاہور واپس آیا اور امریکہ کے سفر کے سامان کے ساتھ ۲۰ اگست کی شب کو دوبارہ اسلام آباد پہنچ گیا۔

کنونیشن کے لئے تین موضوعات (ISSUES) مقرر کئے گئے تھے اور شرکار میں سے ہر شخص کو آزادی تھی کہ وہ جس موضوع پر چاہے اظہار خیال کر سکتا ہے۔ میں نے اظہار خیال کے لئے پہلا موضوع ”اسلامی قانون کی تنفیذ اور فقہی اختلاف“ منتخب کیا۔ مجھے چند مقتدر شخصیتوں کی طرف سے بھی اس موضوع پر بولنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس کنونیشن میں ملک کے ہر گوشے سے ہر فقہی مسلک سے تعلق رکھنے والے ڈھائی تین سو کے لگ بھگ علماء و فضلاء شریک تھے۔ جن میں وہ حضرات بھی تھے جن کا شمار اکابر ہوتا ہے۔ ایسے حضرات کے سامنے ایسے موضوع پر زبان کھولنا جو نہایت ہی نازک اور حساس (TOUCHY & SENSITIVE) ہو بڑا کٹھن کام تھا۔ اس کی نزاکت کا اندازہ اس بات لگایا جاسکتا ہے کہ کچھ ہی عرصے پہلے شیعہ فرقے کی طرف سے زکوٰۃ آرڈیننس کے خلاف اسلام آباد میں ایجیٹیشن ہوا تھا جس میں جوش و خروش ہی نہیں دھمکیاں بھی تھیں۔ پھر یہ کہ جب بھی اسلامی قانون کے نفاذ کا ہمارے ملک میں سوال اٹھتا ہے تو یہ فقہی اور گروہی اختلافات اس آئینے کے سبب بھاری پتھر ٹا بہتہ ہوتے ہیں۔ میں نے اس موضوع پر پہلے سے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے چند نکات و اشارات لکھ لئے تھے۔ اللہ کا فضل و کرم کہ اس کی توفیق سے میں اس مسئلہ پر جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا اختصار کے ساتھ وہ بیان ہو گیا۔ میں نے وہاں جو اظہار خیال کیا تھا اس کے بعض اہم نکات اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ ان کے صحیح و غلط اور درست و نادرست ہونے

ۛ متعلق آپ خود فیصلہ کر سکتے ہیں

پہلی بات میں نے وہاں پر عرض کی کہ ”ہماری یہ انتہائی بد قسمتی ہے کہ ہم من حیث قوم غیر اسلامی قوانین پر تو راضی رہتے ہیں لیکن جب اسلامی قوانین کے عملی نفاذ کا مرحلہ آتا ہے تو ہمارے فقہی و گروہی اختلافات بڑی شدت سے ابھر کر سامنے آتے ہیں اور شدت کے ساتھ سوالات اٹھادیے جاتے ہیں کہ کون سا فقہ رائج ہو“۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ”یادش بخیر پاکستان بننے کے بعد شیعہ کے آغاز میں سب سے پہلے اس ملک میں اسلامی بین و دستور کی تدوین اور اسلامی قانون کے نفاذ کا مطالبہ جماعت اسلامی نے اٹھایا تھا اور جلد ہی اس مطالبے کو ملک گیر سیاسی نوعیت کی تحریک کی شکل دے دی گئی۔ اس کے جواب میں اس وقت جو لوگ ارباب اقتدار تھے ان میں سے بعض حضرات کی طرف سے جو سب سے بڑا عذر پیش ہوا، وہ یہی تھا کہ کس کا اسلام! کس کا فقہ! کون سے قوانین نافذ کیے جائیں! اہلسنیوں کا اسلام یا شیعوں کا؟ پھر سنیوں میں سے بھی دیوبندیوں کا، بریلویوں کا، یا اہل حدیثوں کا؟ اس موضوع پر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب اور ڈاکٹر محمود الحسن مرحوم تقریریں کرنے میں پیش پیش تھے حالانکہ ان کی اسلام دوستی مسلم تھی۔ ان حضرات کا کہنا یہ تھا کہ یہ مطالبہ قبل از وقت (PREMATURE) ہے۔ یہاں اس سوال پر کہ کس کا اسلام اور کس کا فقہ پورے جھگڑے کھڑے ہو جائیں گے۔ بعد میں بروہی صاحب نے کہا کہ اگر کوئی یہ ثابت کر دے کہ قرآن مجید میں کوئی دستور موجود ہے تو میں ان کو انعام دوں گا۔ یہ رد عمل تھا دو باتوں کا۔ پہلی یہ کہ اسلامی دستور و آئین کی تدوین اور قوانین کے نفاذ کو ایک سیاسی نعرہ بنا دیا گیا تھا، دوسری یہ کہ مختلف فقہی و گروہی مسالک میں کوئی مفاہمت موجود نہیں تھی اور ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہیں تھا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ ”تیس سال کے دوران ہم نے اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ ان حضرات کی دلیل غلط نہیں تھی اور ان کا عذر، محض عذر لنگ نہیں تھا بلکہ صحیح اور درست تھا کہ یہاں کس کا اسلام نافذ کیا جائے پھر میں نے عرض کیا کہ ”پاکستان بننے کے تقریباً تیس سال بعد ”نظام مصطفیٰ“ کے نام سے جو تحریک چلی تو اس وقت بھی فقہی اختلافات میں یہی شدت موجود تھی کہ ایک گروہ دوسرے گروہ کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جیلوں میں ہر فقہی مسلک سے

ملق رکھنے والے اپنی علیحدہ علیحدہ جماعت کرتے تھے۔ یہ ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ ان کا اظہار اخبارات اور رسائل میں ہو چکا ہے، میں نے مزید عرض کیا کہ عقائد کا معاملہ بعد کی بات ہے یہاں تو فقہی اختلافات اتنے شدید ہیں کہ ایک دوسرے کو کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔ عقائد کا تعلق قانون سے نہیں ہے۔ ان کا نفاذ نہیں ہوتا۔ ان کا دائرہ قلب ذہن اور فکر و نظر ہے۔ لیکن فقہ کا تعلق قانون سے ہے اور قانون نافذ ہوتا ہے۔ جس کے مطابق مشاجرات، مناشقات، تنازعات اور معاملات فیصل اور طے ہوتے ہیں۔ اور کسی ملک میں بھی دو قانون نہیں چل سکتے، قانون تو صرف ایک ہی نافذ ہو سکتا ہے۔ اس لئے مزوری ہے کہ کوئی ایسا مل تلاش کیا جائے جو اس غمخسے سے نجات دلا دے اور یہ مل موجود ہے جو میں آگے بیان کروں گا۔“

دوسری بات میں نے یہ عرض کی کہ ”قومی اعتبار سے یہ ایک المیہ ہے کہ پاکستان کے قیام کے وقت جو جوش و خروش تھا اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے جو سازگار فضا موجود تھی۔ لوگوں کے دلوں میں گداز اور نرمی تھی۔ جو لوگ منقسم ہندوستان میں لگے اور خون کے دریا سے گزر کر لٹے۔ پٹے اور تباہ و برباد حالت میں پاکستان پہنچے تھے۔ ان کو پاکستان تک پہنچنے کے لئے جان و مال اور اپنی خواتین کی عصمت و عفت کی جو قربانیاں دینی پڑی تھیں۔ سکھوں اور ہندوؤں کے جن انسانیت سوز مظالم اور بربریت سے سابقہ پیش آتا تھا، ان تمام باتوں نے مل جل کر ان کے دلوں میں اسلامی نظام و قوانین پر کار بند ہونے کا ایک شدید داعیہ بیدار کر دیا تھا۔ پھر پاکستان کے بسنے والوں نے جب ان تباہ حال بھائیوں کی پذیرائی کی، ان کی حالت زار کا سرکی آنکھوں سے مشاہدہ کیا اور ان کے مصائب کی داستانیں سنیں تو ان کی آنکھیں ہی نہیں دل بھی خون کے آنسو رو بہے تھے ان کے دل شق تھے اور ان میں بھی یہ داعیہ ابھر چکا تھا کہ اب وہ اسلام کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل بنائیں گے اس وقت ایک جوش تھا پوری فضا اور پورا ماحول اس نعرے سے گونجی ہوئی تھی کہ پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ۔ لوگ اس وقت اسلام کو بطور نظام زندگی قبول کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن ہوا کیا؟ اور تباہی کہ قومی قیادت نے یہ سنہری موقع ضائع کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حکومت خود اپنے طور پر اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے پیش قدمی کرتی اور پاکستان



کے قابل اعتماد اور جتید علماء کا فوری طور پر ایک بورڈ تشکیل کرتی اور ان کو دعوت دیتی کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں اور فقہی اختلافات کا کوئی ایسا حل تلاش کریں جو تمام مسالک کے پیروں کے لئے قابل قبول ہو۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ ہمارے سامنے ہے۔ میں کسی فرد واحد کو الزام نہیں دیتا چونکہ قیادت ایک ٹیم کا نام ہوتا ہے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اور آگے کروں گا اس سے محض امر واقعہ کا اظہار مقصود ہے۔ ہوا یہ کہ ایک طرف تو غلطی یہ ہوئی کہ گفت و شنید، افہام و تفہیم اور نصیحت و موعظت ارباب اختیار کو اسلامی دستور کی تدوین اور اسلامی قوانین کی تنفیذ کی دعوت دینے اور اپنا تعاون پیش کرنے کے بجائے اس کو ایک سیاسی نعرے کی صورت میں بطور تحریک اٹھا دیا گیا اور اس وقت کی قیادت پر تیز و تند تنقیدوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ نیز ساتھ ہی ساتھ تبدیلی قیادت کا مطالبہ کر دیا گیا۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ مسلم لیگ کی صفوں میں اتحاد قائم نہ رہا۔ ان میں اختلافات اور فرقے ہوئے ایک مسلم لیگ میں سے کئی مسلم لیگیں وجود میں آ گئیں اور ایک دوسرے سے دست بگریبا ہو گئیں۔ نتیجتاً صرف قرارداد مقاصد منظور کرنے کے علاوہ ملک میں اسلامی قوانین کی تدوین کے میدان میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہیں ہوئی۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کی باہمی کشمکش اور آئے دن اسمبل کے ممبران کے پارٹیاں بدلنے کی وجہ سے وزارت عظمیٰ میں جلد جلد تبدیلیاں ہونے لگیں جو ایک طرف مرکزی حکومت کو غیر مستحکم کرنے کا باعث ہوئیں تو دوسری طرف عوام میں سیاسی لیڈروں پر بے اعتماد متنزہ لزل کرنے کا بھی سبب بنیں۔ اس کے نتیجے میں پہلا مارشل لا آ یا سیاسی عمل رک گیا۔ سارا جوش و خروش ختم ہو گیا و لوے سرد پڑ گئے۔

تیسری بات میں نے یہ عرض کی تھی کہ ”مسئلہ کی تحریک اصلاً تو ایک جابر حکمران کے خلاف شروع ہوئی تھی جس نے جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر بدترین قسم کی آمریت قائم کر رکھی تھی اور عام انتخابات میں لامحدود دھاندلیاں کی تھیں۔ اسی لئے اس تحریک میں سیکولر ذہن کے لوگ بھی شامل تھے اور لیفٹسٹ بھی۔ اس تحریک میں ہمہ گیری اُس وقت آئی، جب اس میں مذہبی نعرہ ”نظام مصطفیٰ کا انشاء شامل کیا گیا۔ اس نعرے کی وجہ سے تحریک ملک بھر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل

گئی۔ اور لوگوں کا جوش و خروش قیام پاکستان کی تحریک سے بھی زیادہ نظر آیا۔ پھر کوئی تشدد اس جذبے پر قابو نہ پاسکا۔ جن لوگوں نے سینوں پر گولیاں کھائیں انہوں نے جمہوریت کے نام پر جانیں قربان نہیں کیں، ایسے لوگ اچھے نظر نہیں آتے۔ بلکہ گولیاں کھانے والوں نے کلمہ کے نام پر لا الہ الا اللہ - محمد رسول اللہ کے نام پر گولیاں کھائیں اور ہر نوع کا تشدد انگیز کیا۔“ میں نے اس موقع پر صدر پاکستان کو مخاطب ہو کر کہا کہ ”صدر صاحب مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آپ نے بہت سنہری موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ جب آپ نے زمام اقتدار سنبھالی تھی تو قوم میں جوش و خروش اپنے عروج پر تھا۔ پوری آبادی موجود تھی اگر آپ اس وقت جرات مومنانہ سے کام لے کر اسلامی نظام اور قوانین کی تنفیذ کے لئے ٹھوس اور مثبت اقدام کرتے تو قوم ذہناً اس کو قبول کرنے کے لئے تیار تھی۔ لیکن آپ نے بھی وہی غلطی کی جو ہماری پہلی قیادت نے کی تھی۔“ میں نے صدر صاحب کو مزید مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”محترم صدر صاحب! میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں آپ کی، ملک کی، اور دین کی خیر خواہی میں عرض کر رہا ہوں کہ آپ اس وقت GRACE PERIOD پر ہیں۔ اب بھی آپ نے جرات مومنانہ سے قدم نہیں اٹھایا اور کوئی فیصلہ کن اقدام نہیں کیا تو جان لیجئے کہ یہ مہلت جلد ختم ہو سکتی ہے۔ معاملہ آپ کی ذات کا نہیں ہے معاملہ ملک کی سلامتی، بقا اور استحکام کا ہے۔ اشخاص آتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے بچتے خاں آتے اور چلے گئے۔ بڑے بڑے لیڈر آتے۔ بڑے بڑے بارعب لوگ آتے اور ان کے دبدبے کا یہ عالم تھا کہ کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ ان کو ہلایا جاسکتا ہے۔

ایوب خان مرحوم کا تصور کیجئے سلامۃ اور سلامۃ کا ایوب خان۔ سلامۃ میں پہلی دفعہ جنبش ہوئی عید الفطر کے چاند کے موقع پر جھگڑا ہوا۔ پھر اسی سال کے اواخر میں ڈاکٹر فضل الرحمن کی کتاب کے خلاف جو مہم چلی اس کے بعد تو جنبشوں کا وہ سلسلہ چلا کہ سارا رعب اور سارا دبدبہ ختم ہوا اور قصر اقتدار زمین بوس ہو گیا۔ پس معاملہ اشخاص کا نہیں، قوم اور ملک کا ہوتا ہے۔“

پھر میں نے عرض کیا کہ ”پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا اور کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اسلام کے سوا اس کے قیام کی کوئی اور اساس اور جواز ہے۔ اس

لئے اس ملک کے قیام "بقا اور استحکام کی اصل بنیاد اسلام صرف اسلام ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ ایک مصنوعی ملک معلوم ہوتا ہے۔ بھارت کے ساتھ ہماری کوئی مستقل

جغرافیائی سرحدیں نہیں ہیں۔ وہ حدیں موجود نہیں جو فطری (NATURAL BOUNDRIES) کہلاتی ہیں اگر کوئی فطری سرحد ہے تو وہ افغانستان کے ساتھ ہے۔ بھارت کے ساتھ ہماری

سرحدوں کا یہ حال ہے کہ اگر تارکھینچے نہ ہوں تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ پاکستان کہاں ختم ہوا اور کہاں سے بھارت شروع ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ پاکستان کا قیام جغرافیائی حدود کا رہین منت نہیں بلکہ اس کے قیام کی واحد اساس صرف اسلام ہے۔ لہذا اس کی بقا اور استحکام کا دار و مدار بھی اسلام کے حقیقی و عملی نفاذ پر ہے۔ اگر اس کی طرف کوئی فیصلہ کن پیش قدمی اب بھی نہیں ہوئی تو جان لیجئے کہ اس ملک کی سلامتی مشکوک ہے۔ آدھے سے زیادہ پاکستان تو عیسیدہ ہو چکا اور حال یہ ہے کہ اس کا نام بھی بدل گیا۔ مشرقی پاکستان کے نام سے بھی علیحدگی ہو سکتی تھی اور اس نام سے بھی ایک آزاد و خود مختار سلطنت وجود میں آ سکتی تھی۔ آخر دنیا میں مشرق و مغرب اور شمال و جنوبی اصناف کے ساتھ ایک ہی نام کے کئی ملک موجود ہیں۔ اس ملک کو جو خطرات درپیش ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ہمارے اس پاکستان کو جو خطرات لاحق ہیں اس کا اندازہ اس بات سے لگالیجئے کہ ملک کی سب سے مقتدر شخصیت نے کہا ہے کہ ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کسی طرف سے ٹینکوں کی آمد کے منتظر ہیں۔ اندرونی فضا یہ ہے اور باہر سے جو خطرات ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں، وہ ہمارے سامنے ہیں۔ بھارت کے حالات جس طریقے سے پلٹا کھارہے ہیں اور وہاں جو منظم طریقے پر مسلم کش فسادات کا سلسلہ چل نکلا ہے۔ وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہاں جو کچھ ہو رہا ہے، بلا سبب نہیں ہو رہا۔ اس کے پیچھے کوئی منصوبہ کار فرما ہے۔ اس سال فروری میں مجھے بھارت جانے کا اتفاق ہوا تھا اس وقت کے اور آج کے حالات میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔

پھر میں نے عرض کیا کہ خطرات اپنی جگہ موجود ہیں، ان حالات میں ہمارے

اور پہلے سے بھی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم خدا اور خلق کے سامنے کئے ہوئے اس عہد کو پورا کرنے کے لئے فیصلہ کن طریقے سے پیش قدمی کریں کہ ”پاکستان کا مطلب کیا۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“

# اسلامی نظام کا نفاذ کیسے ہو

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ ”اگر واقعہ“ محمد منیاء الحق صاحب اور ان کے رفقاء کا اس ملک میں اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ رفقاء کا ذکر میں نے اس لئے کیا کہ وہ اکیلے نہیں، ان کے ساتھی بھی ہیں، ایک ٹیم ورک ہو رہا ہے۔ تو اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیے!۔ یہ صحیح ہے کہ ان کو شدید فقہی اختلافات اور تفرقے سے سابقہ پیش آیا ہے۔ جس کی وجہ سے جو چند چھوٹے چھوٹے اقدامات کئے گئے تھے، وہ بھی بنیادی طور پر بے اثر (NUL AND VOID) ہو گئے ہیں۔ پھر یہ کہ ایسے اختلافات اُندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ ان سے مستقل طور پر عہدہ بُرا ہونے کا طریقہ کیا ہے۔؟ تو اس کے متعلق میں حسب ذیل معروضات درباب اقتدار اور آپ تمام علماء و فضلاء کے غور و فکر کے لئے پیش کرتا ہوں۔“

میں نے عرض کیا کہ وہ ملکی قانون (PUBLIC LAW AND LAW OF THE LAND) اور شخصی قانون (PERSONAL LAW) میں واضح طور پر تقسیم ہونی چاہیے۔ یہ تقسیم دنیا کے ہر ملک میں ہوتی ہے۔ ملکی و قانون

— LAW OF THE LAND ) ایک ہی ہوتا ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے۔ البتہ مختلف گروہوں کے لئے ان کے نظریات کے مطابق مختلف شخصی متانوں ( PERSONAL LAW ) میں گنجائش رکھی جانی چاہیے۔ پرنسپل لار میں دو امور خصوصی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایک ”عبادات“، دوسرے ”مناکحات“۔ نماز کوئی ہاتھ باندھ کر پڑھے کوئی ہاتھ چھوڑ کر۔ کوئی رفع یدین کرے کوئی نہ کرے کسی کے نزدیک غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ افطار کرنا ضروری ہے اور کسی کے نزدیک غروب کے چند منٹ بعد ایسے تمام تعبدی امور پر کسی کی طرف سے کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی کوئی ملکی قانون نہیں بن سکتا کہ تعبدی امور اس طور پر انجام دینے ہوں گے۔ عبادات میں پوری آزادی ہونی چاہیے۔ اس معاملہ میں انسان بڑا حساس ہوتا ہے۔ فرض کیجئے کہ ایسا قانون بنا دیا جائے کہ تمام مسلمان غروب آفتاب کے فوراً بعد روزہ لازماً افطار کریں تو جس شیعہ کے نزدیک افطار کا صحیح وقت غروب کے چھ سات منٹ بعد ہے تو اس قانون کی رد سے اس کا روزہ غلط وقت پر کھلوایا گیا تو اس کی توستہ اٹھارہ گھنٹے کی محنت بلکہ عبادت ضائع اور برباد ہو گئی۔ کہنے کو تو چند منٹ کا فرق ہے، لیکن اس سے بڑا عظیم فرق واقع ہوتا ہے۔ اسی بات کو سنیوں پر بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔ جن کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد افطار میں تاخیر سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ لہذا ایسے تمام امور میں پرنسپل لار کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہونی چاہیے۔ اسی طریقے سے ”مناکحات“ یعنی نکاح و طلاق کے معاملات میں ان سب کو تسلیم ( ACKNOWLEDGE ) کرنا چاہیے اور ان سب کو کھلی چھوٹ دی جانی چاہیے کہ وہ اپنے اپنے مسائل کے مطابق عمل پیرا ہوں۔ اُن پر کوئی پابندی نہ ہو۔ چونکہ یہ معاملات پرنسپل لار سے متعلق ہیں ان پر ملکی قانون میں کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ ملکی قانون قرآن و سنت کے وسیع اصولوں پر مبنی ہو۔ جس میں اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، التزامِ مومن و احترامِ مومن ہر مسلمان پر فرض اور لازم ہو۔ اَلْكَذِبُ اِنَّ مَكْتَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ قَتَامُوا الصَّلٰوةَ وَاتُوا الزَّكٰوةَ اور يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ وَاذْكُرُوا مِنْ شَهْرِكُمْ اَلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط۔ ہر تارکِ صلوٰۃ ہر

مانع زکوٰۃ، ہر تارکِ صوم ملکی قانون میں قابلِ تعزیر ہو۔ اسی طرح سود، شراب، قمار، بازی اور دوسرے فواحش ملکی قانون کے مطابق حرام ہوں گے۔ کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہ ہوگی۔ میں نے بطور مثال چند باتیں عرض کی ہیں۔ اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ ملکی قانون (LAW OF THE LAND) کن وسیع تر اصولوں پر مبنی ہونا چاہیئے۔“

میں نے یہ بھی تجویز کیا کہ پرنسپل لا کی نگرانی کے لئے ہر مسلک کے علماء کے علیحدہ علیحدہ بورڈ بنانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہر مسلک کی مساجد اور اوقاف ان بورڈز کے زیرِ نگرانی دیتے جانے چاہئیں۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ سنی، دیوبندی یا بریلوی یا اہل حدیث اور کوئی شیعہ کوئی جائیداد وقف کرتا ہے یا ٹرسٹ قائم کرتا ہے تو اس کی آمدنی اُسے مسلک کے مطابق ہی خرچ ہونی چاہیئے تاکہ واقف کی منشا پوری ہو۔ یہ تو نا انصافی ہوگی کہ ایک خاص مسلک رکھنے والے واقف کی وقف شدہ آمدنی دوسرے مسلک کے سلسلے میں خرچ ہو۔ جیسے فرض کیجئے کہ کوئی شخص مسجد بناتا ہے۔ ہمارے ہاں پہلے ہی ہوتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اپنی جیب خاص سے مسجد بناتا تھا وہی متولی ہوتا تھا۔ یہ چندے جمع کر کے مسجد بنانا تو دورِ حاضر کی بدعت ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو مسجد کے لئے چندہ کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ بہت کثیر تعداد ہمارے ان آئمہ فقہاء کی ہے جنہوں نے صدقات، زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کی رقوم سے بھی تعمیر مساجد کو ناجائز قرار دیا ہے۔ بہر حال مسجد جس مسلک کے شخص یا اشخاص نے بنائی ہے اور اس کے لئے کوئی جائیداد بھی وقف کی ہے تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اس مسجد کا انتظام انہرم مسجد بنانے والوں کے مسلک کے مطابق چلایا جانا چاہیئے۔ یہ ظلم ہے زیادتی ہے کہ مسجد بنائیں کسی مسلک والے اور اس پر قابض ہو جائیں دوسرے مسلک والے۔ اسی سے تفرقے پیدا ہوتے ہیں۔ اختلافات شدت سے ابھرتے ہیں فسادات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں یہ غلط طریقہ بند ہونا چاہیئے۔ میری بھی یہ دلی آرزو ہے کہ فقہی اختلافات ختم ہوں۔ آئیڈیل صورت یہی ہونی چاہیئے۔ لیکن امر واقعہ سے آنکھیں بند کرنا عقل مندی نہیں۔ میں ہزار چاہوں۔ لاکھ سرچک لوں اور مجھے دس زندگیاں مل جائیں تو بھی یہ ختم ہونے والے نہیں۔ ان کی بڑی طویل تاریخ ہے۔ ہمارے بڑے

بڑے ائمہ گزر گئے ان سے ختم نہیں ہوئے تو ہم کس کھیت کی مولیٰ ہیں۔ لہذا ان کا ختم کرنا ممکن نہیں ان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ البتہ تعلیم و تفہیم اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کو حیدر آباد میں رکھنے کی سعی بلیغ ہوتی رہنی ضروری ہے۔ ہمارے علماء و مشائخ کو بھی چاہیے کہ قسط اور عدل کو پیش نظر رکھیں اور رواداری اختیار کریں۔ ہمارے ہاں جو متشددانہ رویہ ہے کہ کوئی دوسرے مسلک کا سنی ہی مسجد میں آجائے تو ماتھے پر بل آجاتے ہیں۔ اس کو تبدیل ہونا چاہیے۔ ہر مسجد میں ہر مسلک کے نمازی کو نماز ادا کرنے کی آزادی ہونی چاہیے البتہ انتظام و نظم (امامت و خطابت) جس مسلک کی مسجد ہو اسی مسلک والوں کے ماتھے میں ہونا چاہیے۔

میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ ”اب جب بھی اس ملک میں باقاعدہ مردم شماری (CENSUS) ہو تو لوگوں سے ان کا فرقہ اور مسلک ساتھ ہی لکھو لیا جائے تو کوئی ہرج نہیں بلکہ یہ مفید ہوگا۔ دین کے بطور مسلمان یا اسلام لکھوائیں اور مسلک کے طور پر شیعہ، سنی لکھو لیا جائے پھر سفینوں کے مختلف مکاتب فکر کے لئے بھی اندراج کا ایک خانہ رکھا جاسکتا ہے۔ تاکہ معین ہو جائے کہ ہمارے ہاں جو دو بڑے فرقے شیعہ اور سنی ہیں۔ ان کا تناسب آبادی دراصل ہے کیا؟ کون کتنے فیصد ہے تاکہ اس ضمن میں حکومت کو یہ مدد ملے کہ وہ حکومت کے محکموں میں ملازمت، علماء کے بورڈ کی تشکیل، مالی گرانڈ اور دوسری مراعات پیر آبادی کے تناسب کو پیش نظر رکھا جاسکے۔ کسی کے لئے وجہ شکایت (HEART — BURNING) نہ ہو۔ ہر فرقے اور ہر مکتب فکر اور مسلک کے مدارج ان کی مساجد، ان کے معاملات ان کا انتظام انصاف ان کے علماء کے بورڈ بنا کر ان کے حوالے کر دیجئے۔ یہ بورڈ حکومت کی زیر سرپرستی اور زیر نگرانی تفویض کردہ ذمہ داریاں ادا کریں۔ اس طرح بہت سے اختلافات اور شکر و نجیاں ختم ہو جائیں گی اور روز بروز کے یہ فیصلے، تنازعات اور اختلافات حکومت کی توجہ سے سر نہیں ہونگے۔ نیز غیر مسلم اقلیتوں کا تناسب بھی صحیح طور پر آجائے گا۔ قادیانی (لاہوری گروہ سمیت) اسی زمرے میں شمار ہوں گے۔

میں نے ملکی قانون کے متعلق یہ عرض کیا کہ ”پبلک قانون یا ملکی قانون

(PUBLIC LAW & LAW OF THE LAND) کے بارے میں یہ اصول اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اس کی اساس کسی فقہ پر نہیں ہوگی بلکہ اس کی اساساتِ اصلہ صرف اللہ کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہیں۔ اہل سنت کی تمام فقہیں ہماری اپنی ہیں۔ سب قرآن و سنت سے ماخوذ ہیں۔ فرق رائج اور مرجوح یا افضل و مفضول کا ہے یا تعبیر و رائے اور قیاس کا۔ کوئی مخصوص فقہ یہاں نافذ نہیں کی جاسکتی چاہے وہ فقہ حنفی ہو، فقہ مالکی ہو، فقہ شافعی ہو، فقہ حنبلی ہو چاہے وہ معکبِ اہل حدیث ہو۔ اصل اور بنیاد ہمارے لئے۔ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہی آخری حجت ہے تمام معاملات کے لئے ان اساساتِ اصلہ کی طرف رجوع کیا جائے گا اور جو بات بھی اس کے مطابق ہوگی یا اس سے استنباط میں اقرب ہوگی اور جسے قانون ساز ادارہ یا عدالتِ عالیہ میں لائٹل سے منوالیا جائے گا اُسی کو ملکی قانون کا مقام حاصل ہوگا۔ خلقِ قرآن کے مسئلے میں امام احمد بن حنبلؒ نے جو بات کہی تھی تو یہی کہ ”ایتونی بشیء من کتاب اللہ و سنت رسولہ حتی اقول“ لاؤمیرے پاس کوئی چیز اللہ کی کتاب یا اس کے رسول کی سنت سے تب میں کوئی بات کہہ سکوں گا۔ ہمارے ہر دستور میں بھی ہمیشہ سے یہ بات لکھی جاتی رہی ہے اور آئندہ کے دستور میں بھی موجود ہے کہ

ایسی (NO LEGISLATION WILL BE DONE REPEGNANT)

TO THE QURAN AND THE SUNNAH

کوئی قانون سازی نہیں کی جائے گی جو قرآن و سنت کے خلاف ہو۔“ فی الحال یہ دفعہ رہنما اصول میں درج ہے اس کو فی الفور (OPERATIVE CLAUSE) میں شامل ہونا چاہیے۔ اس دفعہ میں کسی فقہ اور کسی مسلک کا تعین نہیں ہے۔ اس میں تو یہ تسلیم کیا گیا ہے کہ دین نام ہے قرآن و سنت کی پابندی کا۔ لہذا ملک کا قانون (LAW OF THE LAND) ان ہی دو بنیادوں پر تشکیل پائے گا اور نافذ ہوگا ہمارے کلمہ شہادت کے دو اجزاء ہیں۔ پہلا توحید کا اقرار: لا الہ الا اللہ اور دوسرا رسالت کا اقرار: محمد رسول اللہ۔ اس میں کسی فقہ کا اقرار شامل نہیں بلکہ قانون کے دو شعبے ہیں۔ ایک فوجداری یعنی تعزیرات اور مدنی کا قانون۔ دوسرا دیوانی۔ یعنی تجارتی و بین الدین اور بین



کے دیگر معاملات کا قانون — یہ ہے — LAW OF THE LAND سے متعلق ہیں اور یہ ہر پاکستانی کے لئے یکساں موثر ہوں گے۔ سب پر ان کا اطلاق ہوگا چاہئے وہ کسی فرقے یا کسی فقہی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو۔ بلکہ یہ پاکستان میں بسنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے لئے بھی اور ان غیر ملکیتوں پر بھی نافذ ہوں گے جو پاکستان میں ان قوانین کے تحت کسی جرم کے مرتکب ہو گئے۔ خود غور فرمائیے کہ کوئی چور یہ کہے کہ ٹھیک ہے مجھ پر چوری کا جرم ثابت ہو گیا لیکن میں چونکہ فلاں فرقے یا فلاں فقہی مسلک سے تعلق رکھتا ہوں اور اس میں چور کے لئے قطع ید نہیں بلکہ انگلی کاٹنے کی سزا ہے لہذا ہاتھ کے بجائے میری انگلی کاٹی جائے یہ ممکن نہیں۔ تعزیر کسی فرقے یا فقہی مسلک کے مطابق عائد نہیں ہوگی بلکہ کتاب سنت پر مبنی اور اس سے ماخوذ ملک میر جو بھی قانون رائج ہو گا وہ سب پر لاگو ہوگا۔ یہی صورت حال سول لاء میں اختیار کر جاتے گی اور تمام معاملات ملکی قانون کے مطابق فیصل ہوں گے۔ کسی کو یہ کہنے کا حق ہوگا کہ یہ معاملہ ہماری فقہ کے مطابق طے ہو۔“

اس ضمن میں، میں نے مزید عرض کیا کہ ”میری سوچی سمجھی رائے ہے کہ ہمارے فقہی اور فرقہ دارانہ اختلافات اس طریق کو اختیار کرنے سے احسن طور پر حل ہو سکتے ہیں کہ پرنسپل لاء میں ہر فرقے اور ہر فقہی مکتب فکر کو مکمل آزادی اور مکمل چھوڑ دینی چاہئے کہ وہ عبادات، اور ”منکحات“ اپنے اپنے مسائل کے مطابق انجام دے سکتے ہیں۔ ہر مسلک کے لئے حکومت علماء کے بورڈ بنائے اور ہر مسلک کے دار المساجد، معابد اور اوقات کا انتظام و انصرام ان کے سپرد کرے اور ان پر اپنی نگرانی رکھے یہی مراعات غیر مسلم اقلیتوں کو بھی ملنی چاہئیں — ملکی قانون (LAW OF THE LAND) قرآن و سنت پر مبنی ہو۔ اس کا بلا امتیاز ہر پاکستانی پر اطلاق عدالتوں کو اختیار دیا جائے کہ فی الوقت جاری قوانین میں سے ان قوانین کو منسوخ (NUL AND VOID) کر دے جن کے متعلق بھی یہ ثابت کر دیا جا کہ وہ کتاب سنت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جو نیا قانون بنے وہ چاہے کسی محکمہ قانون ساز ادارے نے بنایا ہو یا کسی مجاز حاکم (AUTHORITY) نے فرمان (ORDINANCE) نافذ کیا ہو۔ عدالتوں میں اس قانون

ہی اس بنیاد پر چیلنج کرنے کا حق ہونا چاہیے کہ یہ قانون کتاب و سنت کے منافی ہے یا  
 اس میں خامی ہے اور علماء و فضلا کو حق حاصل ہو کہ وہ اس کو ثابت کریں وہ استشہاد  
 و نظر اتر کے طور پر مستند آئمہ و فقہاء کی آراء، قیاسات، تعبیرات اور استنباط پیش کرنے کے  
 باز ہوں پھر عدالتوں کو اس بات میں فیصلوں کا اختیار ہو، اس طرح عدالتوں میں ہر فرقہ  
 کے لئے یہ موقع فراہم ہو جائے گا کہ جس فقہ کا کوئی فتویٰ اقرب الی القرآن و السنہ  
 ہوا، وہی ملکی قانون کی حیثیت سے نافذ ہو سکے گا۔ ایسے معاملات کے فیصلے کی مجاز  
 لوہی عدالتیں ہوں؟ ان کے لئے شرعی بنیچیں قائم ہوں یا یہ کام ہائی کورٹس کے سپرد  
 لیا جائے؟ یہ انتظامی معاملہ ہے اس کو مشاہدت اور افہام و تفہیم سے طے کیا جاسکتا ہے  
 مبتدئ سپریم کورٹ کو سب سے بلند عدالت (عدالت عالیہ) قرار دے کر آخری قطعی اور حتمی  
 جملہ کرنے کا حق اس کو تفویض ہونا چاہیے۔

میں نے وہاں یہ بھی عرض کیا کہ عموماً یہ ہوتا چلا آ رہا ہے کہ جو لوگ برسرِ اقتدار آئے۔  
 نہوں نے اُس ذمہ داری کو محسوس ہی نہیں کیا جو ان کے دین کی طرف سے اُن پر عائد  
 ہوتی تھی۔ ایسے لوگوں کو سب سے زیادہ فکر لاحق رہی کہ کرسی کا تحفظ کس طرح کیا جائے  
 ورنہ اپنے اقتدار کو کس طور پر قائم، باقی اور جاری رکھا جائے۔ وہ کچھ ادھر کے کچھ ادھر  
 کے علماء کی تائید اور تعاون و — SUPPORT حاصل کرتے رہے۔ پھر سب  
 دگوں کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کی پالیسی اختیار کرتے رہے۔

ب اگر اللہ تعالیٰ ایک ایسے شخص کو اقتدار سنبھالنے  
 ا موقع دیتا ہے جو دل سے اسلام کا دلدادہ و شیدائے اور اسلام کو حقیقی طور پر ایک تنظیم  
 زندگی کی حیثیت نافذ کرنے کا خواہش مند ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف  
 ضائے الہی کو سامنے رکھ کر یہ عزم کرے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے جو موقع عنایت کیا ہے  
 اس سے اپنا دینی فرض ادا کرنے کے لئے استعمال کروں گا مجھے یہ کام کرنا ہے کسی کی  
 پسند ہے کیا نہیں؟ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ مجھے فکر ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبہ  
 در جواب وہی کی فکر ہے۔ مجھے تو ہر حال میں اس سلطنت خدا داد میں اسلام نافذ

کرنا ہے۔ قرآن و سنت والا اسلام۔ میں رہوں یا نہ رہوں۔ میں رہوں گا تو اسلام کے ساتھ رہوں گا۔ ورنہ نہیں رہوں گا۔ اسلام کے نفاذ کی کوشش میں مجھے اگر اقتدار سے علیحدہ ہونا پڑا تو میں اس کے لئے تیار ہوں۔ جس شخص میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے، وہ واقعہً کچھ کر سکتا ہے۔ اگر نہ کر سکے اور اقتدار سے ہٹا دیا جائے تو بھی ان شاء اللہ وہ اپنے رب کے سامنے سرخرو ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ ”محمد صیاء الحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا کیا ہوا ہے۔ میں تو یہ بھی کہا کرتا ہوں کہ بھٹو کو بھی اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا موقع دیا تھا وہ تاریخ کے اندر ایک عظیم شخصیت بن کر ابھر سکتا تھا وہ ماؤزے تنگ سے بھی بڑی شخصیت کی حیثیت سے تاریخ میں زندہ جاوید مقام حاصل کر سکتا تھا لیکن وہ اس

کا اہل ثابت نہ ہو سکا۔ HE COULD NOT PROVE EQUAL TO THE TASK۔ اب اللہ تعالیٰ نے جنرل صاحب آپ کو موقع دیا ہے گو بہت سادہ وقت و عمل میں گزر چکا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب بھی موقع ہے اب بھی بہت کچھ کیا جاسکتا ہے۔ جرات مندانہ قدم اٹھائیں اور اسلام کے نفاذ کے مثبت اقدامات کریں۔ کام اگر ہوگا تو عزم مصمم سے ہوگا۔ نیم دلا نہر HALF HEARTED۔ انداز سے یہ کام نہیں ہوگا۔ نہ اس طور پر ہوگا کہ قدم اٹھایا اور پھر اس اندیشے سے واپس لے لیا یا تعویق میں ڈال دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے۔ یہ انداز انجام کار کے لحاظ انتہائی غلط ہے۔ مجھے نہ اپنی فکر ہے نہ صیاء الحق صاحب کی۔ مجھے فکر ہے تو اس ملک کی فکر ہے۔

اے آندھیو! سنبھل کے چلو اس جہان میں

امید کے چراغ جلاتے ہوئے ہیں ہم

یہ وہ ملک ہے جو بڑی امیدوں کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ جس کے لئے ہم نے بڑے اونچے نعرے لگائے تھے بلند بانگ دعوئے کئے تھے۔ اس کے لئے ہماری قوم نے ناقابل فراموش قربانیاں دی تھیں۔ ہم اس ملک کو دور جدید اور زمانہ حاضر میں اسلام کی ایک تجربہ گاہ بنانے کا عزم لے کر چلے تھے۔ نوع انسانی کو ہدایت کا روشن مینار دکھانے کے لئے ہم کھڑے ہوئے تھے۔ ان امنگوں اور ان ارادوں کے ساتھ یہ

## ملک وجود میں آیا تھا

چونکہ اس کے وجود و بقا کے لئے بنیاد اسلام کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اسلام کے عملی نفاذ میں کوتاہی اور ٹال مٹول کرنے کی پاداش میں ملک دو تخت ہو چکا ہے۔ ایک بڑا حصہ ہم سے علیحدہ ہو چکا ہے۔ یہی کوتاہیاں جاری رہیں تو خدا ہی جانتا ہے کہ آئندہ پردہ غیب سے کیا کچھ ظہور میں آئے گا۔

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ ”مدرسہ صاحب نے اپنے طور پر کافی کچھ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی مضبوط منصوبہ بندی کے تحت نہیں ہوا۔ لہذا جو بھی اقدامات اب تک کئے گئے ہیں وہ کچھ زیادہ موثر ثابت نہیں ہوئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قانون بنایا گیا تو ساتھ ہی یہ پابندی (RESTRICTION) بھی مائد کر دی گئی کہ فلاں قانون یا فلاں شعبے کے معاملات اس کی زد میں نہیں آئیں گے۔ فلاں کو اس سے تحفظ حاصل ہوگا۔ کمال یہ ہے عائلی قوانین کو بھی تحفظ دیا گیا کہ ان کو کسی شریعت پنج میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ سوال یہ ہے کہ ان پابندیوں کے ہوتے ہوئے کیا غیر شرعی معاملات اسلام کے مطابق درست کئے جاسکیں گے؟۔ سود کوئی الحال چھوٹ ملی ہوتی ہے چونکہ کوئی متبادل نظام موجود ہے نہیں اور معیشت کی موجودہ گاڑی اس کے بغیر چلتی نہیں ہے۔ عائلی قوانین کو بھی تحفظ حاصل رہے گا۔ چونکہ ہماری خواتین کا مغربی تہذیب زدہ طبقہ اس میں شریعت کے مطابق ترمیم و صلاح کے لئے راضی نہیں۔ حالانکہ یہ طبقہ تناسک کے لحاظ سے نہایت قلیل ہے آج ہی اخبارات میں خواتین کانفرنس کا مطالبہ آگیا ہے کہ عائلی قوانین کو نہ چھیڑا جائے۔ یہ جوں کے توں برقرار رہنے چاہئیں۔ ہمارے حقوق کی اسی ذریعہ سے حفاظت ہوگی!“

میں نے وہاں اس طرف بھی توجہ دلائی کہ ”حکومت کی طرف سے جو اسپیشل شرعی بینچیں تشکیل دی گئیں، ایک تو ان کا دائرہ عمل و اختیار محدود رکھا گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی رائج قانون کو قرآن و سنت کے خلاف سمجھ کر رد کرنے کا فیصلہ کریں تو یہ ایک منفی عمل ہے۔ قانون تو ہٹا دیا گیا۔ اس خلا کو بھرے گا کون؟ خلا تو نہیں پھوٹا جاسکتا! اس طرح تو بہت سی خرابیاں رونما ہوں گی۔ اس خلا کو کوآئینیس سے بھرا جاسکتا

ہے! لیکن کب تک؟ — میں نے بر ملا عرض کیا کہ ”سیاسی عمل (POLITICAL PROCESS —) رُک جانے سے ملک میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے۔ کوئی نہ کوئی تو مجاز ادارہ ہو جس کو اس قانونی خلا کو پورا کرنے کے لئے رجوع (REFER —) کیا جا سکے اور جو حسب ضرورت کتاب و سنت کی روشنی میں مزید قوانین بنا سکے۔ ایک ایسے مجاز ادارے کی ضرورت ناگزیر ہے“

میں نے یہ بھی عرض کیا کہ ”صدر صاحب بار بار اعلان کر چکے ہیں کہ میں مستقل نہیں ہوں عارضی ہوں اور میرا کوئی پارٹی بنانے کا ارادہ نہیں ہے۔ اس بات لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں اور ان کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے، وہ محض عارضی انتظام ہے

ضروری ہے کہ صدر صاحب اور ان کے رفقاء اس پر غور فرمائیں اور کوئی ایسی راہ نکالیں کہ جلد از جلد ایک ایسا مجاز ادارہ وجود میں آئے، جس کو پبلک کا اعتماد حاصل ہو۔ اور جو قانون سازی کے خلا کو پُر کر سکے۔

## آخری گزارش

حضرات! میں نے وہاں جن خیالات کا اظہار کیا تھا۔ وہ میں نے آپ کے سامنے رکھ دیے ہیں، الفاظ میں کمی بیشی ضرور ہوئی ہوگی، اسی طرح اظہار نکات کی ترتیب میں نقصان و تاخیر بھی ہوگی چونکہ میں نے اس وقت اپنی یادداشت سے ان کا اعادہ کیا ہے۔ البتہ میں یہ ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے کوشش کی ہے کہ سب نکات بیان ہو جائیں۔ مجھے اندازہ نہیں کہ آپ حضرات کے ان امور کے متعلق تاثرات کیا ہیں البتہ کنونشن وقفے کے دو ران بعض شرکار نے میرے خیالات کے متعلق بعض تاثرات اور تاخیر و پسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا کہ مایہ باقیں تم ہی کہہ سکتے تھے چونکہ تم خالص غیر سیاسی آدمی ہو۔ واقعہ یہی ہے کہ میں عام مفہوم میں غیر سیاسی آدمی ہوں۔ میں نے علیٰ وجہ البصیرت اس میدان

کو چھوڑا تھا۔ میرے لئے مواقع آتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق سے میں محفوظ رہا اور میں نے اس راستے کی طرف دیکھا ہی نہیں۔ میرے سامنے قرآن مجید کے مطالعے سے تجدیدِ احیائے دین اور اسلامی انقلاب کا جو اساسی و بنیادی پہنچ آیا ہے۔ بحمد اللہ میں پندرہ سال سے پوری یکسوئی کے ساتھ ہمہ تن ہمہ وقت اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہوں۔ اصلاح ہو، انقلاب ہو، اس کی اصل بنیاد دعوتِ عبادتِ رب ہے۔ لوگ واقعی طور پر اللہ کے بندے بنیں۔ اپنی انفرادی زندگیوں پر اللہ کا دین نافذ کریں۔ ایسے لوگ جمع ہوں، ان کی تنظیم ہو اور یہ تنظیم ڈھیلی ڈھالی

(LOOSE)، قسم کی — ASSOCIATION نہ ہو بلکہ سمجھ و طاعت کی بنیاد پر قائم ہو جو لوگ اس میں شامل ہوں وہ اس میں کھیل یا — HOBBY سمجھ کر نہ آئیں بلکہ تن من دھن کے ساتھ آئیں اور الاقرب فال اقرب کے اصول پر عبادتِ رب، شہادت علی ان اس اور فریضہ اقامت دین کی دعوت کے علمبردار بن کر کھڑے ہوں۔ لوگوں کو اللہ کی کتاب کے اعتقاد و تمسک کی دعوت دین۔ چونکہ یہی مسیح ایمان اور سرچشمہ ہدایت ہے۔ یہی کتاب اللہ نبی اکرم کی دعوت کا مرکز و محور تھا یہی ہماری دعوت کا بھی مرکز و محور ہو۔ ساتھ ہی خود بھی سنت کے اتباع کا اہتمام کریں اور لوگوں کو بھی تلقین کریں۔ ہمارے لئے اُسوۂ حسنہ اور اُسوۂ کاملہ حضور نبی کی ذات ہے۔

میں لوگوں کو اسی کام کی طرف بلانے میں لگا ہوا ہوں۔ میرے نزدیک مسلمان کی نجاتِ اخروی کا یہی راستہ ہے اور فلاحِ دنیوی کا بھی یہی طریقہ صاف ہے۔ یہ ملکِ اسلام کے نام پر بنا تھا۔ اسلام کے نفاذ کے لئے بنا تھا۔ لہذا اس کی بقا اس کا استحکام اس کا مستقبل بھی اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ جو اس حقیقت سے اختلاف کرے وہ دراصل تاریخ کی حقیقت کو جھٹلا رہا ہے اور سنت اللہ سے اعراض کر رہا ہے۔

اسلام کا صرف نعرہ کام نہیں دے گا۔ نعرے بہت لگ چکے ہیں۔ زبانی جمعِ حشرِ اسلام کا صرف نعرہ کام نہیں دے گا۔ نعرے بہت لگ چکے ہیں۔ زبانی جمعِ حشرِ اسلام کا صرف نعرہ کام نہیں دے گا۔ نعرے بہت لگ چکے ہیں۔ زبانی جمعِ حشرِ اسلام کا صرف نعرہ کام نہیں دے گا۔

(LIP SERVICE) اب تک بہت ہو چکا۔ ان سے کام بن سکتا۔ بیڑا پار ہو سکتا تو اب تک ہو چکا ہوتا۔ اگر یہ کام ہو گا تو اسی طریق سے ہو گا جس کی

پیشانی ہم کو قرآن مجید اور اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔

قَوْلُ قَوْلِي هَذَا اَوْ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِيْ وَلِكُمْ وَلِلسَّائِرِ الْمُسْلِمِيْنَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اِسْلَام

اور

## حقوق اطفال

(دوسری قسط) از قلم :- غازی عسزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

نومولود کے حقوق :- نومولود کے حقوق بھی اسلام میں اپنا ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ پیدائش کے بعد بچہ کو غسل طہارت دینا، اسکے کان میں اذان کہنا، ساتویں دن اس کا عقیقہ کرنا، سر کے بال منڈوا کر اس کے وزن کا

۱۔ قال ابو سراق رضی اللہ عنہ : «رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم أُذِنَ فِي

مساوی چاندی یا اس کی قیمت مستحقین کو دینا، اگر اولاد نہ رہے ہو تو اس کا خفقہ کرنا اور بچہ کا اچھا و ذومعنی نام رکھنا نومولود کے حقوق میں شامل ہیں۔ کھجور مسل کر یا چاکر بچہ کے منہ (تلوے) میں رکھنا بھی سنت ہے۔ اسلام میں ان جملہ امور کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے جو کتب احادیث میں مذکور ہے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ والدین اپنے بچوں کے نام غیر اسلامی تہذیب کے متاثر ہو کر یا حسن ادائیگی کے خیال سے یا اپنی جہالت کے باعث مہل و غیر اہم رکھتے ہیں۔ نومولود کے حقوق میں سے والدین پر ایک اہم حق یہ بھی ہے کہ بچہ کا عمدہ سے عمدہ و ذومعنی نام رکھیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔

”مَنْ دُلِّلَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اسْمَهُ“ ..... الخ  
 ”ترجمہ: جس کسی کے اولاد ہو اس کو چاہیے کہ بچہ کا بہتر سے بہتر نام رکھے“ (بیہقی)

والد محترم جناب مولانا محمد امین لاٹھی صاحب (صدر مدرس مدرسہ لطیفیہ عربیہ علی گڑھ) اپنی معرکہ الآراء تالیف ”تخفہ مدیث“ میں نومولود کا اچھا نام رکھنے کی اہمیت اور نام کا اسلام میں معیار، بڑی وضاحت سے تحریر فرماتے ہیں جو ذیل میں مختصراً ہدیہ ناظرین ہے۔  
 ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ جسے اولاد کی نعمت سے نوازے اس کو چاہیے کہ اس کا بہترین نام رکھے کیونکہ نام کا اثر نام والے کی ذات پر بھی پڑتا ہے۔ اس لئے اسلام میں اس بات کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ باپ اپنی اولاد کے لئے ایسے نام کا انتخاب کرے جس سے خدا اور بندہ، عابد و معبود کی اعلیٰ سے اعلیٰ

البقیہ حاشیہ ص ۲۱۔ الحسن بن علی حین ولدته فاطمة رضی اللہ عنہا بالصلاة۔  
 ۲۲ وعن عمرو بن شعيب عن أمية عن جده عن النبي صلى الله عليه وسلم: ”انه أمر بتسمية المولود يوم سابعه، ووضع الأذى عنه والعق“ (نوٹ: بچہ کے لئے دو جاندار بچہ کے لئے ایک جانور ذبح کرنا سنونچ)۔  
 ۲۳ وقالت عائشة رضي الله عنها: ”كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يؤتي بالصبيان فيدعو لهم بالبركة، ويحسبهم“۔



صفتوں کا اظہار ہوتا ہوا درست نام والے کی ذات پر اچھے اثرات پڑتے ہوں۔ اگر خدا نخواستہ کسی نے ایسا نام چنا جس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا، یا توحید کے مزاج کی خلاف ورزی ہو تو اسلام ایسے نام کو برداشت نہیں کرتا، ایسے غیر اسلامی نام کو فوراً بدل دینا چاہیے کہ رسول کے نام نہ میں غیر اسلامی اور ناپسندیدہ ناموں کی تبدیلی کی بہت سی نظریں پائی جاتی ہیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم برے نام بدل دیتے تھے (ترمذی) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا: قیامت کے دن خدا کے یہاں سب کے برانام والا وہ شخص ہے جس کا نام شاہنشاہ ہو۔ (بخاری) مسلم کی روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپاک وہ شخص ہے جس کا نام بادشاہ کا بادشاہ ہو۔ (کیونکہ) خدا کے سوا کوئی بادشاہ نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ جو سیریدہ کا نام سبک (نیک) تھا رسولؐ نے ان کا نام بدل کر جو سیریدہ رکھ دیا۔ آپؐ کو یہ برا معلوم ہوتا تھا کہ آپؐ کو کوئی کہے کہ آپؐ سبک کے پاس چلے گئے۔ (مسلم) حضرت ابن عمرؓ نقل کرتے ہیں کہ ایک بیٹی تھی لوگ اس کو عاصیہ کہتے تھے۔ رسولؐ نے اس کا نام جمیلہ رکھ دیا۔ عبد الحمید بن شعیبہ فرماتے ہیں کہ میں سعید بن المسیب کے پاس بیٹھا تھا انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان کے دادا معمر بن زیدؓ کی خدمت میں آئے۔ رسولؐ نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ انہوں نے کہا میرا نام معمر بن زید ہے (یعنی سختی کے ہیں) آپؐ نے فرمایا (یہ نہیں) بلکہ تمہارا نام ”سبل“ (یعنی نرمی) ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میرا نام جو میرے والد نے رکھ دیا ہے اب میں اس کو نہیں بدل سکتا۔ (یہ سن کر آپؐ خاموش رہے) ابن المسیب فرماتے ہیں کہ پھر اس نام کی نحوست کی وجہ سے ہمیشہ ہمارے خاندان میں غلگلی اور سختی رہی۔ (بخاری) حضرت زینب بنت ابی سلمہؓ فرماتی ہیں رسولؐ نے فرمایا اپنے نفسوں کی تعریف نہ کیا کرو۔ اللہ جانتا ہے کہ نیکو کار کون ہے اس کا نام زینب رکھ دو۔ (مسلم)

سمیرہ بن جندبؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا کہ تم اپنے بچے کا نام ”یسار“ اور نہ ”فداح“ نہ ”نجیح“ نہ افع“ رکھو کیونکہ اگر تو پوچھے گا اس جگہ وہ ہے اور وہ نہ ہو گا جو آپؐ دینے والا کہے گا نہیں۔ (مسلم) حضرت شریح بن ہانیؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ جب

بنی قوم کے ساتھ رسولؐ کے پاس آئے تو حضورؐ نے سنا کہ وہ لوگ انہیں ابوالحکم کے نام سے مارتے ہیں۔ رسولؐ نے انہیں بلا کر پوچھا کہ حکم کرنے والا خدا ہی ہے اور اس کی طرف حکم منسوب ہے پھر تمہاری کنیت ابوالحکم کیوں ہے؟ انہوں نے کہا میری قوم کے لوگ بس کسی بات میں جھگڑتے ہیں تو میرے پاس آتے ہیں میں ان کا فیصلہ (تصفیہ) کرتا ہوں تو میرے حکم سے دونوں فریق راضی ہو جاتے ہیں۔ رسولؐ نے فرمایا (فیصلہ کرنا) بہت اچھا ہے۔ اچھا تمہاری اولاد کے کیا کیا نام ہیں؟ وہ بولے میرے بیٹے شریح اور مسلم اولہ بد اللہ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان میں بڑا کون ہے؟ بانی کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ شریح سب سے بڑے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا تو بس تم ابوالشریح ہو “ (ابوداؤد)

الغرض اسلام میں ایسے نام جو توحید کے منافی ہوں یا جن سے اعلیٰ سے اعلیٰ وصاف کا اظہار نہ ہوتا ہو غلط اور غیر مسنون ہیں۔

اسلام میں نام کا معیار: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا قیامت لے دن تمہیں تمہارے باپ کے نام سے پکارا جائے گا۔ لہذا تم اپنے اچھے نام رکھا کرو جعفرہ دوہب جشمی کہتے ہیں کہ رسولؐ فرماتے تھے کہ تم لوگ انبیاء کے نام پر اپنے نام رکھا کرو اور اللہ کے نزدیک سب ناموں میں اچھے نام عبد اللہ، عبد الرحمن ہیں۔ اور سب سے سچے نام حارث اور محام ہیں اور سب سے بُرے نام حرب اور مرہ ہیں رجن کے معنی لڑائی اور غی کے ہیں، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے فرمایا تمہارے ناموں میں سے اللہ نالے کو عبد اللہ اور عبد الرحمن نام سب سے زیادہ زیادہ پسند ہیں۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ عبد الرحیم، عبد الصمد، عبد الملک اور اس جیسے دوسرے نام بھی یہی حکم رکھتے ہیں۔ راجیہ میں ہے کہ علی، کبیر، رشید، بدیع وغیرہ نام رکھنے جائز اور درست ہیں کیونکہ یہ الفاظ مشترک ہیں۔ جب یہ انسانوں پر بولے جائیں تو اس سے مراد وہ معنی نہیں ہوتے اللہ پر بولنے کے وقت ہوتے ہیں۔ اصولاً جو بات اس میں سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ اللہ نالے کے لئے جو الفاظ بطور صفات بولے جاتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ قسم

” قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ”إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ  
لِللَّهِ عَبْدُ اللَّهِ، وَعَبْدُ الرَّحْمَنِ“

ہے جو خصوصیت سے اس مرتبہ کے نہیں ہوتے کہ اللہ کی ذات کے سوا کسی اور پر نہ بولے  
جاسکیں اور دوسری قسم وہ ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ خاص میں پھر اس خصوصیت  
میں بھی فرق ہے۔ وہ الفاظ جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں اور دوسروں  
کے لئے بھی جیسے حتیٰ، جمیل، حکیم، علی، سلام، وغیرہ ان کے استعمال میں کوئی حرج نہیں  
ہے۔ اس میں دیکھا جائے گا کہ استعمال کے قرینہ یہ بتائیں گے یہاں اللہ کی ذات سے  
یا کوئی اور شخص۔ تہذیب الشہذیب میں بھی اس کی ایک مثال موجود ہے۔ ”جمیل“  
اللہ کا پیارا نام ہے۔ اور لاکھوں مسلمان بھی یہ نام رکھتے ہیں، اور ”علی“ اللہ کا نام  
ہے اور کون نہیں جانتا کہ یہی نام حضرت علیؑ کا بھی ہے اور ہزاروں مسلمان اب بھی یہ  
نام رکھتے ہیں، ”سلام“ اللہ کا نام ہے لیکن ”ابو سلام“ نام رکھنا منع نہیں ہے۔ یہ  
الفاظ ایسے ہیں جن کا استعمال اللہ کی ذات کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ یہ نام رکھنا اور  
کنیت رکھنا جائز ہے۔ ”اعلیٰ“ یا ”علی“ بھی منجملہ انہیں الفاظ کے ہیں۔“

(تحفہ حدیث ص ۱۳۸)

اچھے نام کے بعد نومولود کے دوسرے حقوق، مثلاً بچہ کے کان میں اذان دینا، ساتویں  
دن عقیقہ کرنا، سر کے بال منڈانا، چاندی یا اس کی قیمت صدقہ کرنا، اور ختنہ کرنا وغیرہ،  
کی وضاحت کے لئے سرمایہ حدیث کی طرف رجوع فرمائیں۔ ان کے متعلق شرعی  
احکامات پہلے ہی مختصر بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں ان امور سے متعلق کچھ مروجہ بدعات و  
رسوم باطلہ کا ذکر کرنا ضروری محسوس ہوتا ہے۔

برصغیر کے طول و عرض میں آج عقیقہ کو محض ایک رسم سمجھا جانے لگا ہے جو سراسر اسلام  
مزاج کے خلاف ہے۔ اس موقع کی بعض بری رسوم بھی مشاہدے میں آئی ہیں مثلاً  
بعض لوگ لڑکے کے لئے نرا در لڑکی کے لئے مادہ جانور ذبح کرنا ضروری تصور کرتے ہیں  
یا بعض لوگ عقیقہ کا گوشت ماں اور ماں کے اہل خاندان مثلاً بچہ کی خالہ یا نانا یا نانی یا  
مساموں وغیرہ، یا گھر کے افراد کو کھانے نہیں دیتے۔ اس کی کوئی اصل نہیں ہے، محض جہت  
والا علمی کی بناء پر لوگ ایسا کرتے ہیں۔ عقیقہ کا گوشت بلا استثناء تمام گھر والے خود  
کھائیں، دوست و احباب اور عزیز و اقارب کو کھلائیں اور صدقہ بھی کریں۔ عقیقہ کرنا  
والدین پر فرض یا واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ اگر استطاعت ہو تو عقیقہ جیسی سنت

کو محض رسم سمجھ کر ترک کر دینا درست نہیں اور نہ ہی یہ درست ہے کہ محض اس کے لئے انسان مقروض بنے اگرچہ حدیث میں اس کی بہت تاکید و فضیلت بیان کی گئی ہے۔ ساتویں دن عقیقہ کرنا مسنون ہے اگر ساتویں دن کسی پریشانی یا عذر کی بناء پر عقیقہ نہ کر سکیں تو جب بھی عذر دور ہو یا پریشانی رفع ہو جائے اور اللہ تعالیٰ استطاعت بخشنے تو بلا تاخیر رسول اللہ کی اس محبوب سنت کو ادا کر ڈالنا چاہیے۔

خٹہ اور عقیقہ کے موقع پر بعض بڑی باتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں۔ مثلاً ناچ رنگ و ڈھول گانے باجے یا مجلس میلاد کا اہتمام کرنا، گھوڑے پر بچہ کو سوار کرا کر کسی مسجد یا بزرگ کی قبر تک لیجانا، بچہ کے سر پر پھول و سہرا باندھنا، اس کے چہرے پر کالہ ٹیکہ لگانا، مہنت کے طور پر لڑکے کا کان چھیلانا، سرخ و پیلے رنگ یا کالے رنگ کا دھاگا گلے میں لٹکانا یا بازو اور کمر پر باندھنا، کوئی سیکڑ یا ہڈی کا ٹکڑا یا لوہے یا چاندی یا سونے کا چاقو گلے میں لٹکانا، بچہ کے سر کے چاروں طرف روپیہ پیسہ کئی بار گھما کر اس کا صدقہ اتارنا اور اسی طرح امام منا من باندھنا وغیرہ سب غیر شرعی و جاہلانہ رسوم و اختراعات ہیں۔ ان سے خود بچنا چاہیے۔ اور دوسروں کو بھی روکنا چاہیے ہاں بچہ کو کسی مرض کا نشتر علماً لگوانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

**حقوق الرضیع والمرضع** | اسلام سے قبل بھی اہل عرب میں بچہ کی رضاعت

کا حق معروف تھا چنانچہ شرمائے مکہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے صحرائی علاقوں کے اچھے قبائل میں بھیج دیتے تھے تاکہ عمدہ آب ہوا میں پرورش پائیں اور خالص عربی بھی سیکھ لیں۔ شہروں میں بچوں کی نگہداشت و پرورش اتنی توجہ و عزیمت سے نہیں ہو پاتی تھی جتنی کہ یہ صحرا کی دودھ پلانے والی عورتیں کیا کرتی تھیں چنانچہ محمد الخفزی لکھتے ہیں: ”فكان من عادتهم أن يلمسوا المرضع لموااليد همد في البوادي ليكون أنجب للولد وكانوا يرون أن المرعي في المدن قليل الذهن فاستوال عزيمة۔“ (نور الیقین)

لہٰذا ان چیزوں سے متعلق شرعی احکامات آگے ”بچوں کے امراض و نظرد کا علاج“ کے زیر عنوان پیش کئے جا رہے ہیں۔ لہٰذا مذکورہ عنوان کے تحت تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

فی سیرۃ سید المرسلین محمد الخضر ص ۱۳۵۷ الطبعة السابعة القاهرة (۱۳۵۷ھ)۔  
 شرفائے عرب کی اس عادت کے باعث باہر کے مختلف قبیلوں کی عورتیں وقتاً فوقتاً  
 بستیوں و شہروں میں گھوما کرتی تھیں اور سرداروں کے بچے لیجا یا کرتی تھیں جن سے  
 اُن کو معقول معاوضے ملتے تھے اور بعد میں بھی حسن سلوک کی توقع ہوتی تھی۔ مشہور  
 سیرت نگار ڈاکٹر محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں کہ ”شرفائے مکہ میں آج بھی یہ رواج قائم ہے۔  
 وہ اپنے بچوں کو ولادت کے آٹھویں روز صحرائیں بھیج دیتے ہیں تاکہ وہ وہاں آٹھ یا دس  
 سال کی عمر تک رہیں۔ صحرا کے کچھ قبائل عمدہ مراصع فراہم کرنے کے لئے خاص طور پر  
 مشہور ہیں مثلاً قبیلہ بنی سعد، (حیاء محمد محمد حسین ہیکل ترجمہ انگریزی ص ۲۸-۲۹ مطبوعہ  
 امریکہ)

حسب رواج حضور صلی اللہ علیہ وسلم (جنہوں نے ابتداءً چند رونا بولہب کی لوندی  
 ٹوہمہ کا دودھ پیا تھا) کی ولادت کے کچھ مدت بعد بنی سعد بن بکر کی کچھ عورتیں بچے لینے  
 کے لئے مکہ گئیں جن میں حلیمہ بنت ابی ذؤیب بھی اپنے شوہر حارث بن عبداللہ کے ساتھ  
 شامل تھیں۔ کوئی عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوتی تھی۔ ہر ایک  
 کہتی تھی کہ بچہ یتیم ہے، باپ ہوتا تو ہم اس سے کچھ حسن سلوک کی امید رکھتے، یہ وہ ماں اور  
 دادا سے معلوم نہیں کچھ ملے یا نہ ملے۔ چنانچہ دوسری تمام عورتوں نے دوسرے بچے لے  
 لئے اور حلیمہ بنت ابی ذؤیب کو کوئی بچہ نہ ملا اس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کا لاغر و مغسٹا  
 بدن مکہ کی عورتوں کو پسند نہیں آتا تھا۔ قبیلہ کی سب عورتیں جب واپس جانے کیلئے  
 تیار ہوئیں تو حلیمہ بنت ابی ذؤیب نے اپنے شوہر سے کہا میں خالی ہاتھ جانا پسند نہیں  
 کرتی، جا کر اُسی یتیم بچہ کو لئے لیتی ہوں۔ شوہر نے کہا: کیا مفائدہ ہے اگر تو ایسا کرے،  
 ہو سکتا ہے کہ اللہ اُسی میں ہمیں برکت دے دے۔ چنانچہ وہ گئیں اور صرف اس لئے

۱۔ ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام، دی لائف آف محمد محمد حسن ہیکل ص ۲۹، سیرت سرور عالم ص ۷۹  
 اللہ علیہ وسلم سید لودودی ج ۱ ص ۷۱ و ابن سعد وغیرہ  
 ۲۔ قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ  
 ۳۔ دی لائف آف محمد ص ۷۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے لیا کہ انہیں کوئی بچہ نہیں ملا تھا۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصت کی سعادت حلیمہ بنت ابی ذؤیب السعدیہ کو نصیب ہوئی۔ یہ اختلاف روایات حلیمہ بنت ابی ذؤیب نے مکمل دو سال تک رسول اللہ کو دودھ پلایا اور دو سال مزید تک آپ کی نگہداشت و پرورش کی۔ اپنی رخصت و صہرائی پرورش کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عربی زبان پر خوب دسترس حاصل کر لی تھی چنانچہ آپ اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے :-

انا اعلمکم انا قرشی واسنت  
فی بنی سعد بن بکر۔ عربی داں ہوں، میں قریشی ہوں

اور بنی سعد بن بکر میں میری رخصت کا زمانہ گزرا ہے۔“

مرحلہ رخصت میں اسلام نے مرضع و رضیع دونوں کے لئے خصوصی حقوق و رہنما اصول مقرر کئے ہیں۔ قرآن میں خدا تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَارْتَضِعْنَ  
اُجُورَهُنَّ وَاَتِمُّوا بَيْنَكُمْ  
بِمَعْرُوفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاوَنْتُمْ  
فَسَيَرْزُقْ لَكُمْ اَخْرَجَ ط  
لَيُسْفِقَ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ ط  
وَمَنْ قُدِّرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ ط  
فَلَيُسْفِقْ ۗ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ ط  
(الطلاق - ۷۶)

”ترجمہ: پھر اگر وہ تمہارے لئے  
رنچے کو، دودھ پلائیں تو ان کی  
اجرت انہیں ادا کرو اور صحیح طریقے  
سے (اجرت کا معاملہ) باہمی گفت  
شنید سے طے کر لو۔ لیکن اگر تم نے  
اجرت طے کرنے میں، ایک دوسرے  
کو تنگ کیا تو بچے کو کوئی اور عورت  
دودھ پلائے گی خوشحال آدمی اپنی

خوشحالی کے مطابق نفقہ ادا کرے اور جس شخص کو رزق کم دیا گیا ہو وہ اُسی

میں سیرۃ ابن ہشام، دی لائف آف محمد، سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم لیسید مودودی ص ۷۷  
۷۸ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سال اور حلیمہ کے ہاں رہے مگر ابن اسحاق  
کی روایت اس سے مختلف ہے۔

۷۹ دی لائف آف محمد ص ۷۸ سیرۃ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم لیسید مودودی ج ۲ ص ۷۸

مال میں سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا ہے“  
 اللہ تعالیٰ نے رضاءت کے سلسلے میں پیدا ہونے والے تمام سوالات و شکوک  
 و شبہات کے جوابات مندرجہ بالا آیات میں خوب واضح طریقے پر بیان فرمادیئے ہیں  
 جن کا حاصل یہ ہے: (۱) ماں اپنے دودھ کی مختار اور مالک ہے (۲) طلاق کی صورت میں  
 کوہ بچہ کو دودھ پلانے پر قانوناً مجبور نہیں ہے (۳) اگر بچہ کا باپ بچہ کو اس کی اصل ماں  
 سے دودھ پلوانا چاہے اور بچہ کی ماں بھی اُس کو دودھ پلانے پر رضاء مند ہو تو وہ اُسے  
 دودھ پلائے گی اور اس خدمت کے لئے اجرت کی مجاز ہوگی (۴) بچہ کا باپ قانوناً  
 مجبور نہیں ہے کہ بچہ کی ماں ہی سے اُس کو دودھ پلائے (۵) بچہ کی رضاءت و نفقہ کا فرض  
 باپ پر عائد ہوتا ہے (۶) بچہ کو دودھ پلانے کی اولین حقدار ماں ہے (۷) دوسری عورت  
 سے بچہ کی رضاءت کا کام اُسی صورت میں لیا جائے جب کہ بچہ کی ماں اس خدمت کے  
 لئے راضی نہ ہو یا رضاءت کی ایسی اجرت طلب کرتی ہو جس کا ادا کرنا باپ کی قدرت  
 سے باہر ہو (۸) اگر دوسری عورت بھی بچہ کو دودھ پلانے کی وہی اجرت طلب کرتی ہو  
 جو کہ بچہ کی اصل ماں طلب کرتی ہے تو ایسی صورت میں ماں سے رضاءت کی خدمت  
 لی جائے گی۔

اس مسئلہ کی مزید توضیح و تشریح فقہائے اسلام اس طرح فرماتے ہیں: ”صحاک کا  
 قول ہے کہ بچہ کی ماں اُسے دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے مگر اُس کو اختیار ہے خواہ  
 دودھ پلائے یا نہ پلائے۔ لیکن اگر بچہ کسی دوسری عورت کی چھاتی قبول نہ کرتا ہو تو ایسی  
 صورت میں بچہ کی اصل ماں کو ہی اُس کی رضاءت کے لئے مجبور کیا جائے گا۔ اسی سے  
 ملتی جلتی رائے قتادہ و ابراہیم نخعی اور سفیان ثوری کی بھی ہے۔ ابراہیم نخعی مزید یہ بھی  
 کہتے ہیں کہ اگر بچہ کی رضاءت کے لئے کوئی دوسری عورت نہ مل رہی ہو تب بھی بچہ کی  
 اصل ماں کو اُسے دودھ پلانے پر مجبور کیا جائیگا۔ (ابن جریر)

فقہائے حنفیہ کے نزدیک ”اگر ماں باپ کی علیحدگی کے وقت بچہ چھوٹا ہو اور دودھ  
 پیتا ہو تو اُس کی ماں پر یہ فرض عائد نہیں ہوتا کہ وہی بچہ کو دودھ پلائے۔ البتہ اگر کوئی دوسری  
 عورت اس خدمت کے لئے نہ ملتی ہو تو ماں کو رضاءت پر مجبور کیا جائے گا۔ اگر باپ  
 یہ کہے کہ میں بچہ کی اصل ماں کو اجرت دے کر دودھ پلوانے کے بجائے کسی دوسری

عورت سے اجرت پر یہ خدمت لوں گا اور ماں بھی اُس دوسری عورت کے برابر اجرت طلب کر رہی ہو یا بلا اجرت ہی خدمت رضاعت کے لئے رونا مندا ہو تو ایسی صورت میں ماں کا حق مقدم مانا جائے گا۔ لیکن اگر بچہ کی ماں دوسری عورت کے مقابلہ میں زیادہ اجرت طلب کرتی ہو تو باپ کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا، (ہدایت)

مرحلہ رضاعت کی مزید توثیق و تکمیل و تاکید اور اس کی مدت کے تعیین کے لئے رآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ  
أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ  
لِمَنْ أَسَادَ أَنْ يَتِمَّ الرِّضَاعَةُ  
وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ  
وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ  
نَفْسٌ إِلَّا وُسْعُهَا لَا تُضَارَّ  
وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ  
بِوَلَدِهِ قَوْلًا وَعَلَى الْوَارِثِ  
مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَ فِصَالًا  
عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرًا  
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا طَوَّافًا  
أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا  
أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ  
إِذَا سَأَلْتُمْ مَا آتَيْتُمْ  
بِالْمَعْرُوفِ ط (البقرة - ۲۳۳)

”ترجمہ: جو باپ چاہتے ہوں کہ ان  
کی اولاد پوری مدت رضاعت  
تک دودھ پیے تو مائیں اپنے بچوں  
کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ اس  
صورت میں بچے کے باپ کو معروف  
طریقے سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔  
مگر کسی پر اُس کی وسعت سے بڑھ  
کر بار نہ ڈالنا چاہیے۔ نہ تو ماں کو  
اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے  
کہ بچہ اُس کا ہے، اور نہ باپ ہی  
کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ  
بچہ اُس کا ہے۔ دودھ پلانے والی  
کا یہ حق جیسا بچہ کے باپ پر ہے،  
ویسا ہی اُس کے وارث پر بھی ہے۔  
لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور

مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی معائنہ نہیں۔ اور اگر  
تمہارا خیال اپنی اولاد کو کسی غیر عورت سے دودھ پلوانے کا ہو، تو اس میں  
بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس کا جو کچھ معاوضہ ملے کہ وہ معروف طریقے

پر ادا کرو۔“



سورۃ بقرہ کی اس آیت سے جو اہم اور نئی باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں (۱) بچہ کی مکمل مدتِ رضاعت دو سال ہے (۲) بچہ کو مکمل دو سال دودھ پلوانا قانوناً مشروط نہیں ہے (۳) اگر فریقین باہمی صلاح و مشورہ سے بچہ کے دودھ کو دو سال سے قبل چھڑانے پر رضامند ہو جائیں تو یہ بھی جائز ہے (۴) یتیم بچہ کی رضاعت کی ذمہ داری اس کے اولیاء پر عائد ہوتی ہے۔ بچہ کی مدتِ رضاعت کے متعلق خدا تعالیٰ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرماتا ہے :-

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ  
حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَ  
هْنٍ وَفِضْلُهُ فِي عَاصِينَ  
إِنِ امْتَكُرْتُمُ يَوْمَ يَأْتِيكُمُ  
إِلَى الْمَحْضِيِّ - (النَّمَن - ۱۲)

اُس کا دودھ چھوٹنے میں لگے (اسی لئے ہم نے اُس کو نصیحت کی ہے کہ) میرا شکر ادا کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا۔ میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔  
اگر کسی بچہ نے کسی عورت کا دودھ مدتِ رضاعت کے اندر پیا ہو تو اُسے  
شریتِ حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی لیکن بعد کی کسی رضاعت کا کوئی لحاظ نہ کیا جائے

۱۔ امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک بچے کی مدتِ رضاعت دو سال ہے۔ امام مالکؒ سے بھی ایک روایت اسی قول کے حق میں ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ نے مزید احتیاط کا راستہ اختیار کیا ہے اور رضاعت کی مدت دو سال و نصفین قرار دی ہے۔

کہ جیسا کہ قرآن مجیم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے : حَتَّىٰ مَتَّ عَلَيْكُمْ  
أُمْلَتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرِّضَاعِ . . . . .  
(النساء - ۲۳) ترجمہ : تم پر حرام کی گئی ہیں . . . . . اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو  
پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں۔“ مزید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد  
مبارک ہے : ”يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ۔“ (حدیث

گا۔ فقہار کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہونے کے لئے ”بچہ کے دودھ پینے کی عمر“ متعین کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ کے نزدیک بچہ کے دودھ پینے کی مقدار اگر اتنی ہے جتنی کہ روزہ توڑنے کے لئے کافی ہوتی ہے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ امام احمد کے نزدیک تین مرتبہ اور امام شافعی کے نزدیک پانچ مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عمرؓ، ابن مسعود، ابو ہریرہ اور ابن عمر کا قول ہے کہ دو سال کے اندر جو دودھ پیا جائے صرف اُسی سے حرمتِ رضاعت ثابت ہوگی۔ امام شافعی، امام احمد، امام ابو یوسف امام محمد اور سفیان ثوری بھی اسی کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ کا بھی ایک قول اسی مسلک کی تائید میں موجود ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک بھی حرمتِ رضاعت کی پیمائش یہ ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ دو سال سے اگر دو مہینہ بڑھ بھی جائے تو اس مدت میں بھی دودھ پینے کا وہی حکم ہے جو دو سال سے قبل کا ہے۔

امام ابو حنیفہ و امام زفر کا قول ہے کہ ان کے نزدیک مدتِ رضاعت چونکہ ڈھائی سال ہے اس لئے اس مدت کے اندر دودھ پینا حرمتِ رضاعت ثابت کرے گا۔ حضرت عائشہؓ و حضرت علیؓ کے ساتھ فقہاریں سے عروہ بن زبیر، عطاء لیث بن سعد اور ابن حزم کا قول ہے کہ حرمتِ رضاعت کے لئے اصل اعتبار دودھ پینے کا ہے نہ کہ عمر کا۔ خواہ کسی عمر میں دودھ پیا جائے اُس سے حرمت ثابت ہوگی۔ دودھ پینے والا اگر بوڑھا بھی ہو تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو شیر خوار بچہ کا ہے۔

اُم سلمہ اور ابن عباس کی رائے ہے کہ اعتبار صرف اُس مدت میں دودھ پینے کا کیا جائے گا جب کہ بچہ کا دودھ چھڑایا نہ گیا ہو اور اُس کی غذا کا انحصار شیر خوار پر ہو۔ اگر کسی بچہ نے دودھ چھڑانے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اُس کی حیثیت ایسی ہی ہے۔ جیسے اس نے پانی پیا ہو۔ حضرت علیؓ سے بھی ایک روایت اس معنی میں وارد ہوئی ہے۔ زہری، حسن بصری، قتادہ، عکرمہ اور ازاعلیٰ اسی کے قائل ہیں۔

جوانوں کو مری آہِ سحر دے      مہرِ ان شاہین بچوں کو بالِ دہر دے  
خدایا آرزو میری یہی ہے      مرا نورِ بصیرتِ عام کر دے

# عشری اور خراجی اراضی

پاکستان میں عشری نہیں صرف خراجی زمین ہے  
پروفیسر رفیع اللہ شہاب

جناب رفیع اللہ صاحب لاہور کا ایک مراسلہ آپ کی نظر سے خطوط و  
آرا کے کالموں میں گزرے گا۔ موصوف نے ایک معنوں جو نوائے وقت  
میں شائع بھی ہو چکا ہے قارئین میثاق کے لئے بھیجا تھا۔ جو پیش  
خدمت ہے ہمیں فاضل معنوں نگار کی بعض آرا سے اتفاق نہیں بائیں ہمہ  
اس کو اس لئے شائع کیا جا رہا ہے کہ یہ اسلام کے نظام زکوٰۃ پر ہوج  
بچار کرنے والوں کے لئے غور و فکر کی چند راہیں کھولتا ہے (مرتب)

نظام زکوٰۃ کے بارے میں عبدالباق شاعرانی نے اپنی مشہور کتاب المیزان الکبریٰ  
دوم کے صفحہ ۲ پر اس بارے میں امت مسلمہ کے تمام علماء کا اجماع نقل کیا ہے (اجمع  
العلماء ان ليس مع الزکوٰۃ شئاً)

اسلامی ریاست میں حکومت کے تمام اخراجات نظام زکوٰۃ سے اکٹھا ہونے والی  
آمدنی ہی سے پورے ہوتے ہیں اور اس نظام کی سب سے بڑی عیوضی زمین ہے آج بھی اس  
مد سے اتنی آمدنی حاصل ہو سکتی ہے کہ کسی مزید ٹیکس کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اسلامی قانون  
کے مطابق تمام مفتوحہ ممالک جن میں برصغیر پاکستان و بھارت شامل ہیں کی ارضی خراجی  
کے ذیل میں آتی ہیں۔ تمام اسلامی ادوار میں اس اسلامی قانون پر سختی سے عمل ہوتا رہا  
ہے یہاں تک کہ ۱۷۹۳ء میں انگریزوں نے بنگال کے بندوبست و دوائی کے ذریعے یہاں کی  
ارضی کی حیثیت بدل دی اور غیر حاضر۔ زمینداروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا۔ ان زمینداروں  
نے اپنی طرف سے عشا را کرنا شروع کیا اور گواہی کی کہ علماء اس کے جواز کا فتوے دیں  
لیکن چونکہ ایک دفعہ خراجی قرار دی ہوئی زمین اب تک عشری میں تبدیل نہیں کی جاسکتی۔

اس لئے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں اس بارے میں جو سیکرٹریوں فتوے پوچھے گئے ان سب کا یہی جواب دیا گیا کہ یہ اراضی کسی صورت میں عشری میں تبدیل نہیں ہو سکتی ہاں، احتیاطاً کوئی عشر ادا کرے تو اس کی اپنی مرضی ہے۔

اس موضوع پر راقم کا ایک مفصل مضمون نولے وقت میں شائع ہو چکا ہے مجھے توقع تھی کہ علماء کرام اس سلسلے میں کچھ وضاحت فرمائیں گے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں اسلامی نظام کے نفاذ کے نعرے تو تیس سال سے لگ رہے ہیں لیکن اس مقصد کے لئے جس قدر ”ہوم ورک“ کی ضرورت ہے اس سے پہلو تہی کی جاتی رہی اس موضوع پر راقم نے پندرہ سال پہلے تحقیقی کام شروع کیا اور ۱۹۶۹ء میں اسلام آباد میں منعقد ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک مختصر سی مٹنگ میں اسلامی نظریاتی کونسل کے اس وقت کے چیئرمین علامہ علاؤ الدین صدیقی نے نظام عشر پر گفتگو شروع کی تو راقم نے بہت سے اہل علم کی موجودگی میں اس کی تصحیح کی کہ ہمارے ملک کی اراضی ”خراجی“ کے ذیل میں آتی ہیں جن پر عشر کا اطلاق نہیں ہوتا، اور اس کے ساتھ ہی اسلامی فقہ کی معتبر کتابوں سے تمام حوالہ جات ان کے سامنے رکھ دیئے۔ علامہ شاہ محمد جعفر پھلوری اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے سکالروں نے میرے نقطہ نظر کی تائید کی چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ میں نظریاتی کونسل کی رہنمائی کے لئے ایک مسلسل کتاب اس موضوع پر تیار کروں جس کی نگرانی مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ کریں گے جو اس وقت اسلامی نظریاتی کونسل کے ایک سینئر رکن تھے اور آج بھی اس منصب پر فائز ہیں۔ راقم نے خالد صاحب کی لائبریری میں بیٹھ کر دو ماہ میں مطلوبہ کتاب تیار کر کے ان کے حوالے کی اور ساتھ ہی اس کے مطابق ۱۹۷۹ء کا قومی بجٹ بھی بنادیا جس میں موجودہ ٹیکسوں میں سے ایک ٹیکس بھی نہ تھا۔ میرا تحقیقی کام ان حضرات کے لئے اچھے کی بات تھی اس لئے انہوں نے مختلف ذرائع سے اسے چیک کرایا۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے اسکالروں نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور پھر ادارہ نے اسے کتاب کی صورت میں اسلامی ریاست کا مالیاتی نظام کے عنوان سے شائع کر دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اب جب زکوٰۃ اور عشر اُردی ٹیکس نافذ کیا گیا ہے تو اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے یہ تفصیلات نہیں تھیں۔ اتفاق سے انہی دنوں مسٹر خالد اسحاق ایڈووکیٹ جن کی نگرانی میں راقم نے یہ تحقیقی کام کیا تھا، ادارہ تحقیقات اسلامی میں تشریف لاتے۔ جہاں اسکالرا سی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔ راقم نے خالد صاحب کو یاد دلایا

کہ انہوں نے عشر کا نیا قانون بناتے وقت پچھلے تمام تحقیقی کام کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی ان کے گوش گزار کی کہ امت مسلمہ کے ستر فقہی مذاہب کہ جن میں سے اکثر اب ختم ہو چکے ہیں کے تمام فقہاء کا اس امر پر اتفاق ہے۔ اور اسلامی فقہ کی ڈیڑھ ہزار کتابوں میں کوئی ایسی دلیل نہیں ملتی جس کے تحت پاکستان کی اراضی کو عشری کے ذیل میں لایا جاسکے۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کے اس کارول نے تو کچھ ناراضگی کا بھی اظہار کیا کہ یہ ادارہ اسلامی قانون کے نفاذ کے لئے تحقیقی مواد فراہم کرنے کی خاطر قائم کیا گیا لیکن اگر ان کی تحقیق کو درخور مٹنا نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس ادارے پر غریب عوام کے کروڑوں روپے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے خالد صاحب سے یہ بھی درخواست کی کہ صدر صاحب نیک نیتی سے اسلامی قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں اس لئے خدا کے لئے ان کے سامنے صحیح تفصیلات پیش کی جائیں خالد صاحب نے وعدہ کیا کہ وہ نظریاتی کونسل کے چیئرمین کی توجہ اس طرف دلائیں گے۔ علمائے کرام کو اس مسئلہ کی اہمیت کی طرف توجہ دلانے کے لئے فقہ کی ابتدائی کتاب ”ملا بد“ کا حوالہ یہاں غیر مناسب ہو گا۔ یہ کتاب کروڑوں کی تعداد میں شائع ہوتی ہے اور مصنف نے علماء حضرات کو نظریاتی بحثوں میں گم ہونے سے بچانے کے لئے اس میں سے وہ تمام بحثیں خارج کر دی ہیں۔ جن کا برصغیر پاکستان و بھارت سے کوئی تعلق نہیں۔ عشر کا مسئلہ انہوں نے ایک چوتھائی سطر میں حل کر دیا ہے کہ چونکہ برصغیر میں کوئی عشری زمین نہیں اس لئے عشر کے مسائل بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں اور آخر میں فقہ کی سب سے بڑی کتاب فتاویٰ عالمگیری کا ایک حوالہ ملاحظہ ہو جس کے مطابق اگر کسی مسلمان علاقے پر دشمن کچھ عرصے کے لئے غالب آجائے اور مسلمان اسے پھر دوبارہ حاصل کر لیں تو اس کی اراضی اپنی اصل یعنی خراجی حیثیت کی طرف لوٹ آئیں گی (جلد سوم اردو ایڈیشن ص ۱۸۷ مطبوعہ شیخ غلام علی لاہور) امید ہے علماء حضرات فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ کا مطالعہ فرما کر اس کی صحیح اسلامی حیثیت عوام کے سامنے لائیں گے۔

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

صنم کہہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ

# تعارف الكتاب

پہلا پارہ

## الْم

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ  
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
الْم ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۤ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝  
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ  
يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِمَّا اُنْزِلَ مِنْ  
قَبْلِكَ ج وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝

اب ایک ہزار چار سو گیارہ برس قبل رمضان المبارک کے ہی مہینے میں ایک مقدس اور مبارک رات کو پورا قرآن مجید لوح محفوظ سے سمائے دنیا تک نازل ہوا۔ اور اسی مبارک مہینے میں قرآن مجید کا نزول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شروع ہوا۔ آنحضور پر قرآن مجید کا یہ نزول لگ بھگ تیس برسوں میں مکمل ہوا۔ اس رات میں ہر سال رمضان مبارک ہی میں جس قدر قرآن مجید اس وقت تک نازل ہو چکا ہوتا تھا۔ اس کا مذاکرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ کرتے تھے تا آنکہ اپنی حیات طیبہ کے آخری رمضان مبارک میں آنحضور نے پورے قرآن مجید کا مذاکرہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ کیا۔ اسی طرح گویا قرآن مجید کی ترتیب خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معین فرمائی اور وہ قرآن مجید کو امت مسلمہ کو منتقل فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآن مجید کی تقسیم صرف سورتوں اور آیات میں تھی۔ اس کے

لاوہ صرف ایک لفظ ہمیں اور ملتا ہے اور وہ احزاب کا یا منزلوں کا ہے۔ اس کو اس طرح  
 ٹروپ کر دیا گیا کہ وہ سات حصوں میں منتقل ہو گیا تاکہ ایک حصہ یا ایک جزو، یا ایک منزل  
 و زانہ تلاوت کر کے ہر سہفتے میں قرآن مجید کی تلاوت مکمل ہو جائے۔ بعد میں مسلمانوں کا  
 بیان اور اسلام کا جوش و خروش قدرے کم ہوا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن مجید کو تیس  
 حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ ہر مسلمان ہر روز ایک پارہ پڑھ کر ہر مہینے میں قرآن مجید  
 کی تلاوت مکمل کر لیا کرے۔ چنانچہ یہ قرآن مجید کے تیس پارے وجود میں آئے۔ اور اس  
 کے ساتھ ہی ہر پارے کو بلکہ یوں کہنا مناسب ہو گا کہ ہر سورت کو رکوعوں میں تقسیم  
 کیا گیا۔ اور اس تقسیم سے آج ہم زیادہ واقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس پر دو گرام میں  
 روزانہ ایک پارے کے بارے میں کچھ اہم باتیں بیان کی جائیں گی۔ قرآن حکیم کا پہلا  
 پارہ جو ”الفتح“ کے نام سے موسوم ہے سورۃ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی ایک سو اکیالیس  
 آیات پر مشتمل ہے۔ سورۃ فاتحہ جو چارہ نماز کا جزو لازم ہے۔ قرآن کریم کی اہم  
 ترین سورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے بہت سے نام بھی ہیں۔ اُسے ام القرآن  
 بھی کہا گیا ہے۔ اور اس قرآن بھی کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ قرآن مجید کے فلسفہ  
 و حکمت کے لئے بہ منزلہ اساس ہے۔ اسی طرح اس کا نام الکافیہ اور الشافیہ بھی ہے  
 سورہ فاتحہ اس کو اسلئے کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کی افتتاحی سورت ہے۔ یہ سات  
 آیات پر مشتمل ہے اور اس میں درحقیقت انسانی فطرت کی ترجمانی کی گئی ہے کہ  
 ایک سلیم الفطرت صحیح العقل انسان اس حقیقت تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے کہ  
 اس کائنات کا ایک خالق ہے ایک مالک ہے اور وہی اس کا پروردگار اور  
 پالنے والا ہے۔ جو رحمن بھی ہے اور رحیم بھی ہے۔ پھر اس حقیقت تک بھی رسائی ہو  
 جاتی ہے کہ انسانی اعمال عبث اور بیکار نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا نتیجہ نکل کر رہے گا۔  
 اور انسان کو اپنے اعمال کی جزا یا سزا مل کر رہے گی۔ اور اس کا پورا اختیار اللہ ہی کے  
 ہاتھ میں ہو گا جو رب العالمین ہے۔ اس کے بعد اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں گویا  
 کہ انسانی فطرت کی اس پکار کا ذکر کیا گیا اور اس کو الفاظ کا جامہ پہنایا گیا کہ اس دُنیا

میں زندگی بسر کرنے کے لئے انسان ایک متوازن اور معتدل راستے کا محتاج ہے اور یہ متوازن اور معتدل راستہ انسان اپنی عقل سے معین نہیں کر سکتا بلکہ اس کے لئے وہ مجبور ہے کہ اللہ ہی سے درخواست کرے کہ وہ اس کے سامنے صراطِ مستقیم کو واضح کرے اور اس پر چلنے کی اسے توفیق عطا فرمائے۔ اس سورۃ فاتحہ کا گویا کہ جواب ہے پورا قرآن مجید۔ یہی وجہ ہے کہ اگلی سورت، سورۃ بقرہ شروع ہوتی ہے انہیں الفاظ سے کہ ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُدْجُونَ“ یہ وہ کتاب ہے کہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور یہ ہدایت ہے اُن لوگوں کے لئے کہ جن کے دلوں میں خوفِ خدا ہو۔ جن میں نیکی کا شعور اور احساس موجود ہو۔ جو بھلائی کے، ہدایت کے، طالب ہوں۔ اُن کے لئے کامل ہدایت نامہ اس قرآن شریف کی صورت میں انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمادیا۔

سورۃ بقرہ کی ایک سو اکتالیس آیات آئی ہیں۔ یہ سورہ مبارکہ قرآن مجید کی طویل ترین سورت ہے۔ یہ ایک سو اکتالیس آیات سولہ رکوع میں منقسم ہیں جن میں سے پہلے دو رکوع تمہیدی نوعیت کے ہیں جن میں تین قسم کے انسانوں کا ذکر ہے ایک وہ جو قرآن مجید سے صحیح طور پر مستفیض ہو سکتے ہیں اس استفادے کی شرائط ان لوگوں کے اوصاف کی صورت میں بیان کر دی گئی ہیں دوسرے وہ لوگ جو اپنی صدا اور ہٹ دھرمی کے باعث یا اپنے تعصب کی بنیاد پر یا تکبر یا حسد کی وجہ سے کفر پر اڑ گئے ہیں۔ اور اب گویا کہ انہوں نے قرآن کریم کی ہدایت اپنے آپ کو کبیر محروم کر لیا ہے۔ اور ان دونوں کے مابین ایک گروہ ہے جسے ہم منافقین کے نام سے جانتے ہیں۔ جو مدعی تو ایمان کے ہوتے ہیں لیکن ان کے دلوں میں ایک روگ ہوتا ہے۔ ”فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا“ اور یہ روگ جو ہے ان کو ایمان کی طرف یکسو نہیں ہونے دیتا۔ اس کے بعد تیسرے رکوع میں گویا کہ قرآن مجید اپنی دعوت کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ اس کی اہم ترین آیت ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ



قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ اے انسانو! بنی آدم! اپنے اُس رب کی بندگی اور پرستش اور اطاعت اور غلامی اختیار کرو جس نے تمہیں پیدا فرمایا۔ اور تم سے پہلے جتنے انسان ہو گزرے ان سب کو پیدا کیا۔ اس کے بعد پھر انتہائی دلنشین پیرائے میں سولہویں رکوع میں یہود کو دعوت دی گئی کہ ایمان لاؤ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتباع کرو اسی دین ابراہیمی کا، اسی ملت ابراہیمی کا جس پر خود نبی کا ربند ہیں۔ اور جس کی طرف اب تمہیں دعوت دے رہے ہیں۔ یہ دعوت ختم ہوتی ہے بڑے ہی یلغ پیرائے میں کہ اے اہل کتاب اے بنی اسرائیل ہمارے اور تمہارے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام توجید پر کار بند تھے۔ اسی توجید کی دعوت اور اسی کی وصیت انہوں نے اپنی نسل کو کی تھی۔ اور اسی دعوت کو محمد رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم آج تمہارے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ اب اگر تم اس سے روگردانی کرو گے تو یہ بات کہ تم ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہو اور جلیل القدر انبیاء تمہاری نسل سے پیدا ہوئے۔ اللہ کے عذاب سے تمہیں بچانہ سکے گی بلکہ اب اللہ کے عذاب سے بچنے کی صفہ ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ محمد رسول اللہ پر ایمان لاؤ۔

دوسرا پارہ

## سَيَقُولُ

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلِهِمُ الَّذِي كَانُوا عَلَيْهِ قُلُ اللَّهُ الْمَشْرُوتُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

قرآن مجید کا دوسرا پارہ جو سيقول کے نام سے موسوم ہے کل کا کل سورہ بقرہ کی ایک سو گیارہ آیات پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۱ تا ۱۱۲ آیت نمبر ۲۵۲۔ یہ آیات تقریباً پونے سترہ رکوعوں میں منقسم ہیں۔ جن میں سے پہلے دو رکوعوں

میں تحویل قبلہ کا حکم وارد ہوا ہے۔ یعنی یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ نماز میں اپنا رخ بیت المقدس کے بجائے مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کی طرف کریں۔ تحویل قبلہ کا یہ حکم درحقیقت علامت تھا اس بات کی کہ حامل کتاب الہی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے امین ہونے کی حیثیت سے جو مقام اور جو مرتبہ ایک طویل عرصے سے بنی اسرائیل کو حاصل تھا اب وہ اس مقام سے معزول کئے جاتے ہیں اور ان کی جگہ امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مرتبہ اور مقام پر فائز کیا جاتا ہے۔ لہذا اب بنی اسرائیل کے مرکز یعنی بیت المقدس کی بجائے اُشدہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اہل توحید کا قبلہ خانہ کعبہ ہوگا۔ اس تحویل قبلہ کے حکم کے ضمن میں یہ بات بھی فرمادی گئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت دراصل اس دُعلے ابراہیمی کا ظہور ہے جس کا ذکر پہلے پارے کے آخر میں ہو چکا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا۔

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ الخ

ایسے ہی ہم نے مبعوث کیا تم پر اپنا رسول جو تمہیں میں سے ہے۔ تمہیں سناتا ہے ہماری آیات اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔ تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ نبی اکرم صلعم کی امت ہونے کی حیثیت سے اب مسلمانوں کے کاندھوں پر جو نازک ذمہ داری آگئی ہے۔ اس کا ذکر بھی اس دوسرے پارے کے بالکل آغاز میں فرمایا گیا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰی

النَّاسِ وَاِيْكُوْنُ السُّرُوْلُ عَلَيْكُمْ شٰهِيْدًا ط

اور اس طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔ تاکہ تم گواہ بن جاؤ پوری نوع انسانی پر اور نبی گواہ ہو جائیں تم پر۔ یعنی جو پیغام ربانی نبی صلعم نے تم تک پہنچایا اور تم پر اللہ کی طرف سے حجت قائم کر دی۔ اب اسی پیغام کو پوری نوع انسانی تک پہنچانا تمہاری ذمہ داری ہے۔ وہ دین حق جو ہم نے نبی کو دے کر بھیجا جس کی تبلیغ اور جس کا دنیا میں قائم کرنا ان کا فرض منصبی ہے۔ اب وہ فرض بحیثیت امت تمہارے کاندھوں پر آگیا ہے۔ چنانچہ اس کے فوراً بعد خطاب شروع ہوا امت مسلمہ سے بحیثیت امت

مسلمہ۔ پہلے پارے میں اکثر و بیشتر خطاب کا رخ یہود کی طرف تھا۔ لیکن اس دوسرے پارے میں خطاب اُمت مسلمہ سے ہے۔ اور آغاز میں یہ پیشگی تنبیہ فرمادی گئی کہ مسلمانو! جو نازک ذمہ داری تمہارے کاندھوں پر ہے اس کے لئے تمہیں ہر نوع کے خطرات دوچار ہونے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ط** اس سارے راستے میں کامیابی کے لئے تمہیں صبر اور نماز سے مدد حاصل کرنی چاہیے۔

اس راہ میں ہر طرح کی آزمائشوں سے تمہیں دوچار ہونا ہوگا۔ **وَلَسَبُلُونَكُمْ بَشِيٍّ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ط**

اس کے فوراً بعد توحید کا ذکر ہوا۔ اس لئے کہ وہ دین اسلام کا اصل اصول ہے اور یہاں اس توحید کے بیان میں ایک بڑی اہم بات یاد دہانی فرمائی گئی کہ توحید کا حاصل اور لب لباب یہ ہے کہ بندے کو سب سے زیادہ شدید محبت اللہ کے ساتھ ہوجائے دنیا کی ہر شے مال و منال سے اہل و عیال سے حتیٰ کہ اپنی جان سے اللہ تعالیٰ کا عزیز تر اور محبوب تر ہو جانا۔ یہ درحقیقت توحید کا خلاصہ اور لب لباب ہے۔ فرمایا: **وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ط**

اس کے بعد اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں ایک طرف احکام بیان ہوئے ہیں حلال اور حرام کے احکام، کھانے اور پینے کے سلسلے میں حلت و حرمت کے احکام۔ اس کے ساتھ درانت کے متعلق اور وصیت کے کچھ احکام۔ پھر قصاص کے متعلق کچھ احکام اور اسکے بعد حکم وارد ہوا روزے کا، رمضان المبارک کی عظمت کے بیان کے ساتھ **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ** رمضان کا مبارک مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، نوع انسانی کیلئے

ہدایت اور رہنمائی اور ہدایت بھی وہ جو بینات پر مشتمل ہے کھلی کھلی تعلیمات اور واضح اور روشن دلائل کے ساتھ۔ حق اور باطل کو بالکل جدا کر دینے والی چیز۔ تو اس مبارک مہینہ کا حق یہ ہے کہ جو کوئی اس مہینے کو پائے وہ اس میں روزے رکھے۔ اس کے بعد حکم قتال وارد ہوا کہ اے مسلمانو! اب دعوت اسلامی ایک نئے مرحلے میں داخل ہو رہی ہے۔ ہجرت سے قبل تمہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دی گئی تھی۔ حکم یہ تھا کہ چاہے تمہیں مارا جائے، تمہیں دھکے ہوئے انگاروں پر لٹا دیا جائے، چاہے تمہیں پتی ہوئی سنگلاخ زمین پر اوندھے منہ گھسیٹا جائے لیکن تمہیں اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ وہ دور ہجرت پر ختم ہو چکا اب دعوت اسلامی نئے دور میں داخل ہو چکی ہے اب مسلح تصادم کا دور ہے۔ جہاد اور قتال بالسیف کا دور ہے۔ لہذا اس نئے دور کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ چنانچہ چوبیسویں رکوع میں حکم قتال وارد ہوا ہے۔ اس کے بعد دور رکوع میں حج کے احکامات بیان ہوئے ہیں۔ مناسک حج کا یہ بیان اہمیت رکھتا ہے اس پہلو سے کہ جس زمانے میں یہ آیات نازل ہو رہی تھیں مسلمانوں کے لئے حج کرنا ممکن نہ تھا۔ گویا حج کے ایام میں ان آیات کی تلاوت سے مقصد تھا مسلمانوں کے جذبہ دینی کو مشتعل کرنا، ان کی حمیت اور غیرت کو بیدار کرنا تاکہ انہیں یہ بات یاد رہے کہ ان کا اصل مرکز توحید کا اصل مرکز خانہ کعبہ مشرکین کے زیر تسلط ہے۔ اس کو داغدار کرنا مشرکین کے قبضے سے اس کو آزادی دلانا اور اس کو توحید کا مرکز بنانا جس کے لئے فی الواقع اس کی تعمیر ہوئی تھی۔ یہ ان کا فرض منصبی ہے۔ یہ حکم قتال دوسرے پائے کے آخر میں پھر آیا ہے اور وہاں تاریخی طور پر ذکر کیا گیا ہے یہود کی تاریخ کے اس دور کا جس میں کہ حضرت طاوت علیہ السلام کی جنگ ہوئی تھی جاوت کے ساتھ اور یہی جنگ تھی درحقیقت جو یہود کے دور عظمت کی تمہید بنی تھی۔ اس جنگ ہی کے بعد وہ دور آیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا شان و شوکت والا دور جو یہود کی زریں تاریخ کا دور ہے۔ اس کا آغاز ہوا۔ یہ گویا مسلمانوں کے لئے ایک پیشگی خوشخبری تھی کہ ایک مسلح

تصادف کے بعد وہ دن دُور نہیں ہے جبکہ اللہ کا دین سرزمین عرب پر غالب آجائے گا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح و نصرت سے نوازے گا۔ اس دوسرے پارے کی ایک اور بھی آیت ایسی ہے جس کا اجمالی ذکر بہت مفید ہوگا وہ ہے آیت نمبر ۱۱ جس میں اسلام کی جملہ تعلیمات کو بڑی جامعیت کے ساتھ سمودیا گیا ہے۔ نیکی کفر ظاہر سے تعلق نہیں ہے اعمال کا ظاہر اور ہے اس کی رُوح اس کی حقیقی باطنی جذبہ محرکہ کے اعتبار سے نیکی کا تعین ہوگا۔ یعنی جو انسان کے تصحیح عقائد سے شروع ہوتی ہے ایمان اس کا نقطہ آغاز ہے اور اس نیکی کا انسانی عمل اور کردار میں مظہر اول انسانی ہمدردی کا مادہ ہے اور پھر معاملات انسانی میں ایفائے عہد اور پھر صبر صداقت کے لئے۔ سچائی کے لئے، حق کے لئے۔ خیر کے لئے۔ اللہ کے دین کیلئے۔

جہاد کیلئے صبر و قناعت، ہر نوع کی تکالیف کو برداشت کرنا۔ یہ تمام اوصاف اگر انسانی سیرت اور کردار میں جمع ہو جائیں تب وہ شخص حقیقتاً نیک اور متقی کہلانے کا مستحق ہے۔

تیسرا پارہ

## تِلْكَ الرُّسُلُ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ م -

السلام علیکم۔ قرآن حکیم کا تیسرا پارہ ”تِلْكَ الرُّسُلُ“ کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں پہلے سورہ بقرہ کی آخری چونتیس آیات شامل ہیں جو تقریباً شروع میں منقسم ہیں اور اس کے بعد سورہ آل عمران کی اکانوے آیات شامل ہیں۔ جو نو رکوع میں منقسم ہیں۔ سورہ بقرہ کی جو آیات اس پارے میں وارد ہوئی ہیں ان میں بالکل آغاز ہی میں وہ آیت مبارکہ بھی ہے۔ جسے متعدد روایات کے حوالے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی عظیم ترین آیت قرار دیا ہے یعنی آیت

الکسی - اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (الآخر الا یہ) اللہ ہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے اور پوری کائنات کو وہی تھامے ہوئے ہے اس کا علم بھی کامل ہے اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ یہ آیت مبارکہ بالخصوص توحید کی صفات کے بیان میں نہایت جامع اور بہت ہی عظمت کی حامل ہے۔ اس میں شفاعت باطلہ کی بھی نفی کی گئی ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اِلٰهٍ بِاِذْنِهٖ كُونِ شَفَاعَتِ كَرْنِ وَالَا هِے جَوَاللّٰہِ كِے ہاں شفاعت كَر سَكے مگر اس كِی اِجازت سے یہ شفاعت حقه ہے جَوَاللّٰہِ كِی اِجازت سے ہوتی ہے اول نبیؐ فرمائیں كے اپنی اُمت كے حق میں اور بھی اولیاء اللہ كے پسندیدہ بندوں كو بھی اللہ تعالیٰ اِجازت دے گا وہ شفاعت فرمائیں كے۔ لیكن یہ كہ بغیر اللہ كِی مرضی كے وہاں كسی كو بھی بولنے كا یار نہ ہوگا۔ اس كے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام كا ذكر ہے۔ ان كِی زندگی كے بعض اہم واقعات میں سے وہ واقعہ جو شہنشاہ وقت كے دربار میں پیش آیا جبكہ انہوں نے بادشاہ كِی آنكھوں میں آنكھیں ڈال كر پوری جُرات مروانہ كے ساتھ ایمان باللہ كا اعلان كیا اور توحید كا غلغلہ بلند كیا اور وہ واقعہ بھی كہ جس میں خود انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے ایمان اور یقین میں اصناف كے لئے درخوا كِی كہ رَبِّ ارْزُقْنِیْ كَيْفَ تُنْجِی الْمَوْتِ پروردگار مجھے دکھا تو مردوں كو كیسے زندہ كرتا ہے اس كے بعد سورہ بقرہ كے دُور كوع ”النفاق“ فی سبیل اللہ كِی ہدایات اور احكامات پر مشتمل ہیں۔ یعنی اللہ كے دین كے لئے جہاں جسمانی محنت و مشقت كِی ضرورت ہے وہاں مال خرچ كرنے كِی بھی ضرورت ہے لہذا مال خرچ كرو۔ بھلائی كے دوسرے كاموں میں بھی غرباء كے لئے بھی مساكین كے لئے بھی لیكن اس كِی جو بہت بہتر اور برتر صورت ہے وہ یہ كہ اللہ كے دین كو دنیا میں قائم كرنے كے لئے اللہ كے دین كے غلبے كے لئے اللہ كِی راہ میں مال صرف كیا جائے اور یہ مال پورے خلوص اور اخلاص كے ساتھ صرف كیا جائے۔ اس میں ریاكاری كا كوئی پہلو شامل نہ ہونے پائے اس میں جو بہتر اور انسان كو محبوب تر ہے وہ

خرچ کیا جائے تو درکوتوں میں بڑی جامعیت کیساتھ انفاق اور جہاد فی سبیل اللہ ہی کا حکم مسلسل دیا گیا۔ دین کے لئے جہاد کا حکم قرآن پاک میں جہاں بھی آیا وہاں اسکے دونوں پہلو بیان ہوئے۔ جہاں جان سے جہاد مطلوب ہے یعنی انسان اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو صرف کرے یہاں تک کہ اپنی جان بھی اگر وقت آئے یا ضرورت درپیش ہو تو اس کا نذرانہ بھی بارگاہِ الہی میں پیش کر دے تو وہاں مال کا خرچ کرنا بھی دین کے غلبے کے لئے اور دین کی نشر و اشاعت کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک حکم میں انفاق فی سبیل اللہ کے جو بالکل برعکس صفت ہے۔ یعنی انسان کے دلوں میں مال کی محبت اس دے پیدا ہو جائے اور سود کے ذریعے سے انتہائی بے رحمی کے ساتھ انسان غریبوں کا خون چوس کر اپنی دولت میں اضافہ کرے اس کی انتہائی شدت کے ساتھ مذمت ہوئی واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں جن جن چیزوں سے مسلمانوں کو روکا گیا ہے ان میں جس شدت کے ساتھ سود کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ شدت کسی اور حکم میں ہمیں نظر نہیں آتی اس لئے کہ فرمایا گیا۔ **فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ** اگر تم اس سے باز نہ آؤ تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اُن کے ساتھ اللہ کی جانب سے اعلانِ جنگ ہے۔ اس کے بعد ایک رکوع میں معاملات انسانی کی درستی کے لئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ جہاں کہیں بھی کسی قرض کے لین دین کا معاملہ ہو وہ ضرور لکھ لیا کر و اس میں معاملات کے درست ہونے کا زیادہ امکان ہے۔ اس کے ضمن میں شہادت کا قانون بھی بیان ہو گیا اور اس کے بعد سورہ بقرہ کا آخری رکوع وارد ہوتا ہے۔ جو انتہائی جامع ہے۔ جس میں فرمایا گیا۔ **أَمَّا السَّرُوسُلُ فَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ**۔ گویا کہ ایمانیات کا بڑی جامعیت کے ساتھ یہاں ذکر ہو گیا اور آخر میں ایک عظیم و عا پر یہ سورہ مبارکہ ختم ہوئی ہے کہ اے رب ہمارے! ہمارا مواخذہ نہ کیجوا اور خطاؤں پر جو ہم سے بھول چوک میں

سُز دھو جائیں اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالیو جو تو ہم سے پہلی قوموں پر ڈالتا رہا ہے اور ہم پر کوئی ایسا بار نہ ڈالیو جس کی ہمارے اندر طاقت نہ ہو اور ہماری خطاؤں سے دُرگزر فرمائیو اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دیجیو ہماری بخشش اور کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کیجیو۔ یہ آخری لفظ گویا کہ تنبیہ بن گیا کہ اب کفار کے ساتھ جہاد بالسیف اور قتال بالسیف کا دور شروع ہونے والا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے بعد قرآن کریم میں سورۃ آل عمران آتی ہے۔ یہ سورۃ ہر اعتبار سے سورہ بقرہ ہی کا جوڑا ہے یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی نام سے موسوم کیا ”زُہْرَاوِیْن“ یعنی انتہائی روشن سورتیں۔ اس سورہ مبارکہ کا آغاز بھی قرآن مجید کی عظمت، کلام الہی کی برکت اور بالخصوص اس حقیقت کی طرف توجہ منعطف کرانے سے ہوا کہ قرآن کریم میں کچھ آیات محکمات ہیں اور کچھ متشابہ کچھ تودہ ہیں کہ جن کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ جن میں قطعاً کسی ابہام کا شائبہ موجود نہیں اور بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے معنی اور صحیح مفہوم کے تعین میں کچھ اشتباہ پیش آسکتا ہے تو جوابل حق میں طالب ہدایت ہیں وہ آیات محکمات ہی کا متبع کرتے ہیں۔ ان کی پیروی کرتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں کوئی کھوٹ ہے جو درحقیقت طالب ہدایت نہیں طالب ضلالت ہیں، وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کے مفہوم کے تعین کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ انہی تمہیدی آیات کے بعد جو گفتگو ہے وہ بیشتر نصاریٰ کے ساتھ ہوئی، عیسائیوں کے ساتھ ہوئی یعنی سورہ بقرہ میں اہل کتاب کو خطاب کیا گیا ہے۔ یہود کو یہاں سب سے زیادہ جوابات و صاحت کے ساتھ فرمائی گئی وہ اَلْوَسَّیْتِیْنِ کے عقیدے کی نفی ہے۔ حضرت مریم کا تذکرہ کیا گیا۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر ہوا کہ حضرت ذکر یا علیہ السلام بڑھے ہو چکے تھے اور ان کی اہلیہ بھی بانجھ تھیں اور بہت ضعیف ہو چکی تھیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس بڑھاپے میں اور بیوی کے



بانجھ ہونے کے باوجود حضرت ذکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ اس طریقے سے اگر اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے ہاں بغیر باپ کے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت اپنے حکم سے کی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان کا الوہیت میں کوئی دخل ہے اگر حضرت ذکریا علیہ السلام کے ہاں خرق عادت کے طور پر حضرت یحییٰؑ کی ولادت سے حضرت یحییٰؑ کو خدا کا بیٹا نہیں بنایا گیا تو اگر بن باپ کے بیٹے کی پیدائش حضرت مریمؑ کے ہاں ہو گئی تو یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بعید کیوں سمجھا جائے اور یہ لازم کیوں سمجھ لیا جاتا کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک ان کے اس عقیدے کی اس پر زور نفی کے بعد کچھ گفتگو اہل کتاب سے بحیثیت مجموعی ہوئی جس پر یہ پارہ ختم ہوا۔

چوتھا پارہ

## لَنْ تَنَالُوا

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ط وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَبْصُرُ عَمَلَكُمْ

قرآن مجید کا چوتھا پارہ ”لَنْ تَنَالُوا“ کے نام سے موسوم ہے اس کا اکثر و بیشتر حصہ سورہ آل عمران پر مشتمل ہے۔ یعنی آیت نمبر ۹۲ سے آیت نمبر ۲۰ تک جو گیارہ رکوع میں منقسم ہے۔ آخر میں — ۲۳ آیات سورہ النساء کی اس میر شامل ہیں۔ سورہ آل عمران کا جو حصہ اس پارے میں شامل ہے اس میں ابتدائے وہی خطاب جاری ہے۔ جو پچھلے پارے میں اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے کیا ہے جس طرح سورہ بقرہ کے نصف ثانی میں تمام گفتگو امت مسلمہ سے تھی اسی طرح سورہ آل عمران میں بھی امت مسلمہ ہی سے خطاب ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ

۲۱ مَنُوا تَقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ  
وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا مِنْ - اے اہل ایمان اللہ  
کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ اور اللہ کی رسی  
کو مضبوطی سے تھام لو۔ اور آپس میں تفرقہ میں مت پڑو۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا  
ہوتا ہے کہ اللہ کی رسی سے کیا مراد ہے تو چونکہ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل نبی اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضی منصبی ہے لہذا حضور نے وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا۔  
ایک طویل روایت جو حضرت علیؓ سے منسوب ہے اس میں قرآن مجید کی  
عظمت کا بیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس میں آپ فرماتے ہیں کہ قرآن  
ہی اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ گویا اس کو مضبوطی سے تھامنا اللہ کے دامن سے  
وابستہ ہونے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد اس سورہ مبارکہ میں سب سے زیادہ  
شرح و بسط کے ساتھ غزوہ احد کے حالات پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ اگرچہ نبی اکرمؐ  
کی حیاتِ طیبہ میں کفار کے ساتھ پہلا تصادم میدانِ بدر میں ہوا۔ لیکن قرآن مجید میں  
اس کا ذکر سورہ انفال میں ہے جو ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے بہت بعد میں آتی ہے۔  
ترتیبِ مصحف میں سب سے پہلے جس جنگ کا ذکر ملتا ہے وہ غزوہ احد ہے۔ یہ سن  
تین ہجری ۳ء میں پیش آیا۔ اور اس میں غزوہ بدر کے بالکل برعکس مسلمانوں  
کو عارضی شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ مسلمانوں میں سے شہرِ صحابہ کرامؓ نے  
جامِ شہادت نوش فرمایا۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی چہرہ مبارک پر  
زخم آیا اور آپ کا پورا چہرہ مبارک لہو لہان ہو گیا گویا کہ مسلمانوں کو اس جنگ  
میں مختلف اعتبارات سے صدمات سے دوچار ہونا پڑا۔ تو اس لئے فطری طور پر  
قرآن مجید میں اس کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ تجزیہ کیا گیا۔ مسلمانوں کو  
اُن کی کمزوریوں سے آگاہ کیا گیا۔ چنانچہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی مدد کا  
جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ جبکہ تم آغازِ جنگ میں کفار کو قتل کر رہے تھے  
اور گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ لے رہے تھے۔ لیکن پھر تم نے کمزوری دکھائی تم نے اپنے

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ اس جگہ پر کہ جہاں پر  
 پچاس تیر اندازوں کو متعین کیا گیا تھا اس تاکید کے ساتھ کہ یہاں سے ہرگز نہ  
 ہلنا یہاں تک کہ اگر تم یہ بھی دیکھو کہ سب اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے اور ہمارے  
 جسم پر ندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اس جگہ سے نہ ہلنا۔ لیکن ایک  
 غلط فہمی کی بنیاد پر ان لوگوں نے اس حکم کی پرواہ نہ کی۔ نتیجۃً اللہ کی طرف سے  
 مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں پر متنبہ کرنے کے لئے ان کا ذکر خود اس سورہ مبارکہ  
 میں فرمایا: **وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نِدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ** ”ہم ان دنوں کو  
 لوگوں کے مابین کچھ الٹ پلٹ کرتے رہتے ہیں۔ ادبچ نیچ دکھاتے رہتے  
 ہیں۔ تاکہ لوگوں کو اپنی کمزوریوں کا احساس ہو جائے۔ یہ بھی فرمایا گیا کہ مسلمانوں!  
 اس عارضی شکست سے یا یہ چر کہ جو تمہیں لگاتے اس سے بد دل نہ ہونا۔ کفار  
 کو دیکھو۔ مشرکین کو دیکھو کہ ایک سال قبل بدر کے میدان میں وہ ستر لاکھ  
 چھوڑ گئے تھے۔ اور انہیں بڑا زخم لگا تھا۔ اس کے باوجود وہ اپنے دین باطل اور  
 معبودانِ باطلہ کے لئے ایک نئی تیاری کے ساتھ دوبارہ تم پر حملہ آور ہوئے۔  
**إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ** ط اگر تمہیں  
 کوئی چر کا لگا ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی ایسا ہی زخم لگ چکا ہے۔ لہذا تمہیں  
 بھی بد دل نہیں ہونا چاہیے۔ اپنی صفوں کا جائزہ لو جس پہلو سے کمزوری نظر آتے  
 اُسے دور کرو آئندہ کٹھن تر مراحل سے سابقہ پیش آنے والا ہے۔ اس سورہ مبارکہ  
 کا جیسا کہ میں نے ذکر کیا یہ جزو ثانی اکثر و بیشتر غزوہ اُحد کے حالات پر تبصرے  
 اور مسلمانوں کی ہدایت پر مشتمل ہے۔ فرمایا گیا کہ ہم نے تو پہلے ہی تمہیں خبردار کر  
 دیا تھا کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے اور مشکلات میں اور آزمائشوں میں مبتلا  
 کر کے یہ دیکھیں گے کہ کون ہیں حقیقتاً اللہ کو ماننے والے۔ کون ہیں واقعتاً  
 آخرت کے جاننے والے۔ کون ہیں جو اللہ کے لئے اس کے دین کے لئے اپنا  
 تن من دھن سب کچھ نچھاور کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر یہ آزمائشیں نہ آئیں

تو کھوٹے اور کھرے میں تمیز کیسے ہو۔ کس طرح معلوم ہو کہ کون مومن صادق ہے اور کون منافق۔ کون واقعی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہے۔ اور کون صرف جھوٹ موٹ کا مدعی ایمان ہے اس موضوع پر واقعہ یہ ہے کہ سورۃ آل عمران کی آیات بڑی جامع ہیں۔ حکمت قرآنی کے ایک بہت اعلیٰ اور عظیم خزانے کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔ اس سورہ مبارکہ کا آخری رکوع سورہ بقرہ کے آخری رکوع کی طرح بڑی جامعیت کا حامل ہے۔ اُس میں ایک طرف آغاز میں جو مومنین صادقین بلکہ صحیح الفاظ میں صدیقین کے ایمان کے بارے میں ذکر ہے۔ وہ سلیم الفطرت لوگ اور وہ صحیح العقل لوگ جو اس کائنات کے مشاہدے سے آفاق میں پھیلی ہوئی بے شمار آیات خداوندی کے مشاہدے سے اللہ کو پہچانتے ہیں۔ اور پھر اس حقیقت کو بھی پہچانتے ہیں کہ انسانی زندگی بیکار و عبث نہیں ہے۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا کہ اے ہمارے رب تو نے یہ سب کچھ بیکار و عبث پیدا نہیں کیا۔ لہذا انسانی اعمال بھی بے نتیجہ نہیں رہ سکتے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ نیکوں کو ان کی نیکو کاری کا صلہ نہ ملے اور بُروں کو ان کی بدکاری کی سزا نہ ملے۔ تو ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے ذکر کے بعد اس قسم کے سلیم الفطرت اور صحیح العقل لوگوں کا ذکر ہے جو توحید اور آخرت تک از خود رسائی حاصل کر لیتے ہیں۔ عقل سلیم کی رہنمائی میں جب ان کے کانوں میں کسی نبی کی دعوت پڑتی ہے جو انہی باتوں کی طرف دعوت دے رہا ہوتا ہے تو وہ لبیک کہتے ہیں۔ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا۔ اور پھر اس کے بعد ایک بڑی جامع دُعا ہے کہ اے رَب ہمارے ہماری خطاؤں سے درگزر فرما۔ ہماری لغزشوں کو معاف فرما۔ ہمیں وہ سب کچھ عطا فرما۔ جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وساطت سے کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فوراً ہی ان کی دُعا کی قبولیت کا اعلان بھی فرمایا فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ۔ ان کی دُعا

قبول فرمائی ان کے رب نے۔ اِنِّیْ لَا اُصْنَعُ عَمَلًا عَامِلًا مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی ج ”کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ وہ عمل کرنے والا مرد یا عورت۔“ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوا وَ اٰخَرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْدُوْا اِیَّیْ سَبِیْلِیْ وَ قَتَلُوْا وَ قُتِلُوْا۔ ”پس وہ لوگ کہ جنہوں نے ہجرت کی جو اپنے گھروں سے نکلے گئے، جنہیں میری راہ میں تکلیفیں جھیلنی پڑیں، جنہوں نے میرے لئے میرے دین کے لئے قتال کیا، جنہوں نے اپنی جانیں تک نہا کر دیں، اُن سے تو میرا پختہ وعدہ ہے کہ میں ان کی تمام خطاؤں سے درگزر کروں گا اور انہیں لازماً ان باغات میں داخل کر دوں گا جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔ یہ صرف اللہ کی طرف سے بدلہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ انسانی خدمات کا بدلہ صرف اللہ ہی دے سکتا ہے، اس سورہ مبارکہ کے بعد تیس آیات سورہ النساء کی شامل ہیں جن میں ابتدا کچھ احکامات دیئے گئے ہیں یتیموں کے حقوق کی نگہداشت کے بارے میں انتہائی تاکید کے ساتھ۔ ان کے مال کو امانت کے طور پر اپنے پاس رکھو اور جیسے ہی وہ اس قابل ہو جائیں کہ اپنے مال کو خود سے سنبھال سکیں تو وہ ان کے حوالے کر دو اور اس میں کسی خیانت سے کام نہ لو اور اس کے بعد خواتین سے متعلق شادی بیاہ اور نکاح و طلاق کے متعلق کچھ احکام آئے۔ درمیان میں وراثت کا مکمل ضابطہ ایک ہی رکوع میں بیان کر دیا گیا۔ یہ آیات شریعت اسلامی کا انتہائی اہم جزو ہیں۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

بخاری و مسلم ————— عن عثمان بن عفان

# خطوط و آسرا

خطاب بہ صدر مملکت کے متعلق | دا، مکرمی و محترمی  
ڈاکٹر صاحب، دام اقبالکم۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، - تازہ میثاق میں آپ کا وہ خطاب پڑھ کر آپ کی جرأت مومنانہ پر دل سے دُعا نکلی جو آپ نے خطبہ جمعہ کے دوران محترم صدر مملکت کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر ان سے کیا تھا۔ آج اسی بات کی ضرورت ہے کہ حق بات کسی بد امنیت اور خوفِ موت لائم کے بغیر دل سوزی اور ناصحانہ انداز میں کہی جائے۔ آپ نے عورتوں کی ہاکی ٹیم بنانے، اور ستر و حجاب کے احکام کا لحاظ رکھنے نیز کرکٹ کے کھیل میں قومی سطح پر قوم کے وقت اور مال کے ذریعے کے سلسلے میں بہت ہی دردمندی کے ساتھ محترم صدر مملکت کو متوجہ کیا ہے۔ جزاک اللہ۔ کرکٹ کے ضمن میں ایک ضروری اور اہم بات اور ایک بڑی بُرائی کی طرف شاید اس وقت آپ کا ذہن منتقل نہیں ہوا۔ حالانکہ دینی لحاظ سے یہ بات سب سے زیادہ قابلِ نیکر ہے، - وہ یہ کہ ہمارے ملک میں کرکٹ کے ٹیسٹ اور دوسرے میچوں میں اہتمام کے ساتھ جمعہ کا دن شامل کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ اس روز تعطیل ہوتی ہے اور معمول سے زیادہ شائقین کی شرکت کی توقع ہوتی ہے۔ جس سے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے۔ تعجب ہے کہ ایک اسلامی ملک میں جمعہ کی فضیلت کو اس بے دردی کے ساتھ نظر انداز کیا جاتا ہے۔ اسٹیڈیم میں موجود ہزاروں تماشائیوں کی نماز جمعہ فوت ہوتی ہے۔ جس کی ادائیگی صرف باجماعت ہی ہو سکتی ہے۔ پھر ان لاکھوں لوگوں کی بھی نماز جمعہ ضائع ہوتی ہے جو یوٹیو یا ٹی۔ وی کھولے بیٹھے ہوتے ہیں۔ جمعہ کو بچ کا وقفہ بھی ساڑھے بارہ بجے سے ایک بجکر دس منٹ تک ہوتا ہے، اس دوران ملک بھر میں کہیں جمعہ کی نماز سے فراغت نہیں ہوتی۔ کتنے دکھ کی بات ہے کہ بھوکے مبارک دن اور خاص طور پر جمعہ کی نماز کو لہو و لعب کی نذر کر کے ضائع کر دیا جاتا ہے۔ عیسائی مقابلہٴ مسلمانوں سے بھی زیادہ اپنے مذہب کے دور ہیں اور اتوار کے دن گرجوں میں گنتی ہی کے لوگ جلتے ہیں۔ لیکن چونکہ عیسائیوں کے نزدیک اتوار متبرک

دن ہے لہذا برطانیہ فیروز میں اتوار کے دن کرکٹ کا کھیل نہیں ہوتا۔ ابھی حال ہی میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے ۲۵ دسمبر کو کھیل سے معذرت کر لی تھی اس عذر کی بنا پر کہ وہ کرسمس کا دن تھا۔ کاکش اسی سے ہمارے ارباب حل و عقد عبرت و سبق حاصل کرتے کیا کرکٹ کے ناخدا اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دیں گے؟ اور کیا محترم صدر مملکت اس خرابی کو ختم کرانے کی اہمیت محسوس فرمائیں گے؟ - والسلام نیاز کیش

سیف الرحمن صادق - دہلی کانونی - کراچی

(۲) محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلام مسنون میں جب بھی کاروباری سلسلہ میں لاہور جاتا ہوں، میری کوشش ہوتی ہے کہ جمعہ دارالسلام کی مسجد میں آپ کے پیچھے ادا کروں چونکہ آپ خطبات جمعہ میں قرآن کے ذریعے تذکیر کا عمل کرتے ہیں جو ہمارے پیارے رسول کی سنت ہے - ۲۸ - نومبر کے جمعہ میں بھی میں شریک تھا۔ جس میں آپ سورۃ الفتح کے آخری رکوع کی روشنی میں مقام صحابہؓ پر روشنی ڈال رہے تھے۔ جناب صدر پاکستان جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپ کے خطبہ میں ان کو مخاطب کر کے جن باتوں کی طرف ان کی توجہ کو منعطف کرانے کی کوشش کی وہ باتیں بظاہر چھوٹی ہیں لیکن واقعی ان کا گہرا تعلق ہماری اجتماعی فکر سے ہے۔ آپ نے کرکٹ جیسے فضول کھیل، عورتوں کی ہاکی ٹیم بنانے اور عالمی قوانین کی پاسداری کرنے کے سلسلے میں بہت ہی مؤثر انداز میں صدر صاحب کو متوجہ کر کے حق نصیحت ادا کیا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی سچی باتیں صدر صاحب کے دل میں گھر کر جائیں اور وہ اس ضمن میں کوئی عملی قدم اٹھائیں۔ بہر حال آپ نے حق نصیحت ادا کر دیا اور لاکھوں مسلمانوں کی جذبات کی ترجمانی براہ راست اور بالمشافہ صدر صاحب کے سامنے کر دی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دین کی خدمت قرآن کی تبلیغ اور حق بات کہنے کی زیادہ سے زیادہ توفیق دے آمین۔

مخلص : سردار بخش خان - کیمبل پور

(۳) عالی مقام محترم ڈاکٹر صاحب دام برکاتکم السلام علیکم۔ کافی انتظار کے بعد میثاق کا نومبر و دسمبر کا مشترکہ شمارہ ملا۔ پہلی فرمت میں میں نے سب پڑھ ڈالا۔ تاخیر سے جو کوفت ہوئی تھی وہ پرچے کے مضامین

پڑھ کر دور ہو گئی۔ خاص طور پر آپ کا خطاب بہ صدر مملکت پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ اور آپ کے لئے بے اختیار دل سے دعائیں نکلیں۔ آپ کے یہ جملے تو خیر خواہی اور دردمندی سے مملو تھے جو اپنے جناب صدر کو خطاب کر کے کہتے تھے کہ ”آپ سوچئے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس بات کا کیا جواب دیں گے کہ آپ کے عہد حکومت میں پاکستان میں خواتین کی ہاکی ٹیم تیار ہو رہی ہے،“ اور یہ کہ ”حجاب کے احکام ہماری شریعت کے جزو لاینفک ہیں۔ ائمہات المومنین کے لئے سورہ احزاب میں جو احکام آئے ہیں، وہ محض تلاوت کے لئے نہیں ہیں بلکہ عمل کے لئے ہیں۔“ اور پھر عائلی قوانین کے متعلق آپ کی یہ بات کہ ”خدا کے لئے سوچئے کہ جو قوانین بالاتفاق شریعت متصادم ہیں وہ کیوں نافذ نہیں؟ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کوئی بڑا کام لے اور آپ اس ملک میں ایک عظیم شخصیت کا مقام حاصل کریں۔ ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ پہلے بھی اقتدار میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مواقع دیئے۔ بد قسمتی سے وہ محروم رہ کر اس دنیا سے چلے گئے۔ ہم نہیں چاہتے کہ آپ کا نام بھی ایسے لوگوں میں شامل ہو لہذا میری مخلصانہ اپیل ہے۔ کہ جو مواقع آپ کو حاصل ہیں ان کو غنیمت سمجھا جائے۔“

میری بارگاہ خداوندی میں دعا ہے کہ حق بات کہنے پر آپ کو جزلے خیر سے نوازے اور جناب صدر کے دل کو ان باتوں کا اثر لینے کے لئے کھول دے اور ان کو صحیح اقدامات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین خاکسار محمد نجیب اللہ حیدر آباد

(۴) محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب

اسلام علیکم۔ آپ نے صدر مملکت کی موجودگی میں جس جذبہ سے کرکٹ کی کھیل اور عورتوں کی ہاکی ٹیم کے امور کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔ آپ کی اس جرأت مندانہ تقریر کے متعلق نمازیوں کے حوصلہ اور ایمان افزہ اور تحسین کے ریمارک سننے میں آئے۔

اب جبکہ نیکوں میں بلا سود کھانا کھولنے کا سلسلہ یکم جنوری سے شروع کیا گیا ہے۔ ہم حکومت پر زور اپیل کرتے ہیں اس نظام کے ساتھ بنگ میں تمام کھاتے جو پیشتر ازب کھولے گئے ہیں انہیں بھی بلا سود کھاتے تصور کئے جائیں۔ اور پہلے تمام سود جو



قرض خواہوں کے ذمہ میں معاف کر دیئے جائیں۔ کیونکہ حسوئے کئی بار ارشاد فرمایا ہے کہ سود کا لین دین قطعی حرام ہے حتیٰ کہ سود کے لین دین۔ تحریر کرنے کو اہی دینے والا بھی گناہ گار ہے۔

امید ہے آپ اس ضمن میں حکومت سے اپیل فرما کر مشکور فرمائیں گے۔  
فقط والسلام۔ ملک سعید احمد، فتح شیر روڈ۔ لاہور

(۵) محترم جناب ڈاکٹر صاحب سلام مسنون  
جزاک اللہ، آپ نے حق نسیمت ادا کر دیا اور جمعہ کے خطبہ میں جناب جنرل محمد ضیاء الحق کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بہت سی چھوٹی لیکن بڑی اہم باتیں ان کے گوش گزار کر دیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پاس وقت کم تھا۔ اسی لئے شاید چند دوسری ضروری باتیں بیان کرنے سے رہ گئیں۔ ایک تو یہ کہ کرکٹ جیسے طویل اور فضول کھیل میں قومی وقت اور قومی سرمایہ ہی کا زیاں نہیں ہوتا بلکہ غلطی جمعہ جیسی عظیم عبادت کی بھی قربانی دینی پڑتی ہے چونکہ عموماً جمعہ کا دن بھی کھیل میں شامل کیا جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ ولیمہ کی دعوت پر بے جا پابندی لگائی ہوئی ہے حالانکہ اس دعوت کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے۔ دعوت ولیمہ مسنونہ کے لئے صرف پچاس افراد کی تعداد مقرر کرنا کسی طرح انب نہیں۔ اتنی بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعداد تو صرف بہت قریبی رشتہ داروں کی ہو جاتی ہے۔ حلقہ احباب اور اہل خاندان تو اس تعداد میں آہی نہیں سکتے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ اس ناروا پابندی سے بچنے کے لئے ولیمہ کی دعوت دوسرے ناموں سے کرتے ہیں۔ کوئی سال گرہ کے نام سے، کوئی عقیقہ، بسم اللہ، ختم قرآن اور نہ معلوم کس کس نام سے۔ اس طرح لوگ صحیح کام غلط طریقوں سے انجام دینے پر خود کو مجبور پاتے ہیں۔ جو اصلاح معاشرہ میں مدد ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں دھوکہ اور غلط بیانی شامل ہوتی ہے جو دینی اور اخلاقی اعتبار سے صحیح نہیں۔ ایسی پابندیاں جو نامناسب اور ناروا ہوں اور جن پر لوگ کار بند نہ ہو سکیں لگانا حکمت کے خلاف ہے۔ لہذا صدر مملکت سے گزارش کرنی چاہیے کہ اگر کرکٹ کا کھیل جاری ہی رکھنا ہو تو خدا کے لئے جمعہ کے دن کھیل نہ رکھا جائے اور اگر ولیمہ کو محدود رکھنا ہو تو

اس کی تعداد پچاس سے بڑھا کر ڈھائی سو افراد تک کر دی جائے تاکہ اس دعوتِ مسنونہ کے لئے لوگ جیلے بہانوں سے محفوظ رہ سکیں اُمید ہے کہ آپ میری گزارشات پر غور فرمائیں گے اور اس بارے میں بھی جناب صدر کو متوجہ کرا دیں گے۔ اگر مناسب خیال فرمائیں تو میرا یہ مکتوب ہی میثاق میں شائع فرمادیں۔ شکریہ۔

نیاز مند، منصور انور، محمد بن قاسم روڈ - کراچی۔

(۶) اسلامی معیشت کے متعلق | محترم جناب ڈاکٹر  
اسرار احمد صاحب

سلام و رحمت۔ مزاج گرامی۔ میثاق کے تازہ شمارہ میں اسلامی نظامِ معیشت کے بارے میں آپ نے جو نکات پیش کئے ہیں، انہیں پڑھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ راقم تو پندرہ بیس سال سے اس جہاد میں مشغول تھا۔ الحمد للہ کہ اللہ علیہ وسلم نے اس طرف بھی توجہ دی ہے۔ مزارعت کے نکات میں آپ نے جس صحابی رافع کا ذکر کیا ہے۔ ان کی ولدیت رافع بن خدیجہ ہے۔ خدیج نہیں۔

بڑے دکھ کی بات ہے۔ کہ ہمارے ہاں ابھی تک اسلام کے معاشی نظام کے بارے میں کوئی ذہن بھی واضح نہیں ہے۔ اب تک جتنی تجاویز پیش کی گئی ہیں ان میں زکوٰۃ اور پورے ٹیکسوں کا ساتھ ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ تو سیکورر طرزِ فکر ہے۔ اسلام میں علمائے امت اور فقہائے امت کا اس بارے میں اجماع ہے۔ کہ زکوٰۃ کے نظام کے ساتھ کوئی ٹیکس جاری نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلے میں راقم کے پاکستان ٹائمز میں کوئی نصف درجن مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ نوائے وقت میں بھی ان مضامین کا خلاصہ ایک مضمونچے کی شکل میں شائع کرایا تھا۔ جس کی فوٹو سیٹ کاپی ارسال خدمت ہے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اسے اپنے مقرر ماہنامے میں شائع بھی کر سکتے ہیں۔ والسلام

دعا گو۔ رفیع اللہ۔ اتحاد کالونی۔ اچسرہ لاہور

نوٹ: مضمون موصولہ زیر نظر شمارے میں شائع کیا جا رہا ہے (مرتب)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ

مولانا امین احسن اصلاحی

کھردو! ہم تصانیف جنکا شدت سے انتظار تھا طبع ہو گئی ہیں!

(۱)

## اسلامی ریاست

مشمول بر

- و چند بنیادی مباحث
  - و شہریت کے حقوق و فرائض
  - و غیر مسلموں کے حقوق
  - و اطاعت کے شرائط اور حدود
  - و کارکنوں کی ذمہ داریاں اور ان کے اوصاف
- ۱۸ × ۲۲/۸ کے ۳۷۶ صفحات الی سفید کاغذ پر آفسٹ کی طباعت  
مجلد مع ڈسٹ کور : قیمت - ۲۰/-

(۲)

## پاکستانی عورت

دور السہم پر

صفحات ۱۸۴ : قیمت - ۱۰/-

شائع کردہ

ملکتید مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور (فونہ: ۳۵۲۶۱۱)

مولانا امین حسن اصلاحی

ی دومایا ناز تصانیف جو کچھ عرصہ سے دستیاب نہ تھیں دوبارہ طبع ہو گئی ہیں

—————(۱)—————

مَنْ لَا يَتَذَكَّرُ فَإِنَّهُ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

مبانی

تدبر قرآن

\* قیمت فی نسخہ - ۱۶/-

\* مجلد مع گردپوش

\* صفحات ۲۰۰

—————(2)—————

حقیقت دین

مشمول بر

حقیقت شرک \* حقیقت توحید

حقیقت تقویٰ \* حقیقت نماز

\* قیمت فی نسخہ - ۲۴/-

\* مجلد مع گردپوش

صفحات ۳۳۲

نائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

احباب کے اصرار پر

ڈاکٹر اسرار احمد



صدر موسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

## امیر تنظیم اسلامی

کے مسلسل درس قرآن کو بالکل ابتدا سے 60  
کے کیسٹوں میں ریکارڈ کیا جا رہا ہے مزید پر  
ڈاکٹر صاحب موصوف کے

## متعدد دروس قرآن اور خطابات

کے کیسٹ کے سیٹ دستیاب ہیں۔ ان کیسٹوں  
قیمت لاگت کے لگ بھگ رکھی گئی ہے  
مفصل اعلان اندرونی صفحات پر ملاحظہ فرما

المعلن : ناظم اعلیٰ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فون 852611



جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

اسکے از طبع و نثر

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶ - ۳۷، ماڈل ٹاؤن - لاہور

(فون : 852611 - 852683)

سالانہ - ۲۰/- قیمت فی شمارہ - ۲/-

و قد اخذ میثاقکم ان کنتم مؤمنین

# میثاق

جلد ۳۰	جمادی الاول ۱۴۰۱ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء	عدد ۲
--------	------------------------------------	-------

## مشمولات

صفحہ ۱	☆ عرض احوال	جلیل الرحمہ ن
۵	☆ رسالت اور تکمیل رسالت	ڈاکٹر اسرار احمد
۱	☆ خطبہ نکاح اور ہمہ آری عائلی زندگی	..
۲۳	☆ اسلام اور حقوق اطفال	مولانا غازی عزیز
۴۹	☆ تعارف الکتاب	ڈاکٹر اسرار احمد

## مرکزی انجمن کے کراچی آفس کا پتہ

کمرہ نمبر ۱۴۴ - ۱۴۵ پہلی منزل - سنی بلازہ  
مولانا حسرت موہانی روڈ نزد ٹکار ہوٹل کراچی

جہاں ہر جمعہ کو صبح دس بجے اور ہر جمعرات کو بعد نماز عشاء اجتماعات ہوتے ہیں۔ جن میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درس قرآن کے کیسٹ سنائے جاتے ہیں۔ نیز درس حدیث اور دیگر دینی موضوعات پر مستقل پروگرام ہوتے ہیں

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد ☆ طابع: چوہدری رشید احمد  
مطبع: مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح - لاہور

# عرض احوال

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جمادی الاول ۱۴۱۷ھ مطابق مارچ ۱۹۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ سابقہ شمارے کے اعلان کے مطابق محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر بعنوان ”و شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات“ اس شمارے میں شامل نہیں ہو سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ۲۷ فروری ۸۱ بروز جمعہ موصوف کے فرزند اہمجد میاں عارف رشید سلمہ کا عقد نکاح مسنونہ کراچی میں رفیق محترم قاضی عبدالقادر صاحب قیم تنظیم اسلامی کی دختر نیک اختر سے ہونے لے پایا ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ دستور رہا ہے کہ جب بھی کسی کا نکاح پڑھتے ہیں تو خطبہ نکاح میں جو آیات قرآنیہ اور احادیث شریفہ پڑھی جاتی ہیں۔ ان کی تشریح بھی بیان فرمایا کرتے ہیں۔ چونکہ ان میں نام شکر کا محفل کے لئے بالعموم اور دولہا کے لئے بالخصوص نہایت مؤثر و غلطت و مذکور ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی بعض ایسی تقاریر کو راقم الحروف نے ”خطبہ نکاح اور اس کا ہمارے معاشرتی زندگی سے تعلق“ کے عنوان سے ایک جامرتب کیا تھا جو مطبوعہ صورت میں راقم کے دو بیٹوں کے نکاح کی محفل میں ماضی کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ اب موقع کی مناسبت یہ مضمون اس شمارے میں شامل کیا جا رہا ہے۔ جس کی وجہ سے دورے کے تاثرات والی تقریر کے لئے گنجائش نہیں رہی۔ ان شاء اللہ یہ تقریر آئندہ اشاعت میں پیش خدمت ہوگی۔

سابقہ اشاعت کے ضمن میں یہ وضاحت مناسب ہے کہ ہم نے کوشش کے سبب الاؤل ربيع الثاني ۱۴۱۷ھ (جنوری، فروری - ۸۱) کے شمارے کی تمام کاپیاں ۲۶ جنوری تک تیار کرائی تھیں۔ طباعت کے لئے پریس بھیجنے سے قبل آجکل ہر شمارے کی تمام کاپیوں کو ایک ”ضابطے“ سے گزرنا لازمی ہے۔ اس مرحلے کو طے کرنے میں اندازے سے کہیں زیادہ وقت گزر گیا۔ جس کے باعث پرچے کی اشاعت میں تاخیر ہو گئی۔ اب اللہ کرے کہ یہ شمارہ بروقت شائع ہو جائے اور اس میں کوئی غیر معمولی تاخیر نہ ہو۔



سابقہ شمارے کے سلسلے میں یہ معذرت بھی کرنی ہے کہ انگریزی الفاظ کی کتابت میں چند بڑی فاش غلطیاں رہ گئیں۔ مثلاً صفحہ ۱۸ پر RETREAT کہ بجگہ PHASE اور Phase کی بجگہ Retreat لکھا گیا۔ یہی صورت حال صفحہ ۲۰ پر اس طرح ہوئی کہ MORTGAGE کی بجگہ ADD-BACK اور Add-Back کی بجگہ Mortgage لکھا گیا۔ اور بھی چند غلطاطرہ گئی ہیں جن پر اب معذرت ہی پیش کی جاسکتی ہے۔

**علمی مجالس مذاکرہ** | مرکزی انجمن نے سترہ سے سالانہ قرآن کانفرنسوں کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ اور سترہ تک لاہور میں ۵ کانفرنسیں اور کراچی میں ۲ کانفرنسیں کل ۷ کانفرنسیں منعقد ہو چکی ہیں۔ سال رواں میں مرکزی انجمن کی انتظامیہ نے یہ طے کیا ہے کہ بجائے تین چار روز کی کانفرنس کے ۲۳ مارچ سے ۳۰ مارچ سترہ تک قرآن اکیڈمی ۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن لاہور میں علمی مجالس مذاکرہ منعقد کی جائیں۔ ان مجالس میں عصر تا مغرب اصحاب علم و دانش میں سے کوئی ایک صاحب کسی مقررہ موضوع پر مقالہ پیش فرمائیں گے اور پھر اس پیش کردہ مقالے پر مذاکرہ ہوگا۔ مغرب و مشاء کے مابین دروس قرآن حکیم کا اہتمام ہوگا۔ اور ہر درس سے متعلق سوالات و جوابات کے لئے بھی موقع فراہم کیا جائے گا۔

**مرکزی انجمن کا سالانہ اجلاس** | مطابق انجمن کا نواں سالانہ اجلاس ان شاء اللہ ۲۳ مارچ ۸۱ بروز پیر ۱۹ بجے صبح قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوگا۔ ۲۳ مارچ کو یوم پاکستان کی ملک بھر میں عام تعطیل ہوتی ہے۔ لہذا اس میں اراکین انجمن کو شرکت کی سہولت ہوگی۔ اس اجلاس میں انجمن کے سالانہ کارگزاری کی رپورٹ اور سالانہ حسابات پیش ہوں گی۔ انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے مجلس تنظیم کا انتخاب ہر دو سال بعد ہوتا ہے۔ اس لئے اس اجلاس میں انتخاب کا آئیم نہیں ہوگا چونکہ وہ پچھلے سال ہو چکے ہیں البتہ توقع ہے کہ یوم پاکستان کی مناسبت سے صدر مؤسس و ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کوئی خطاب عام بھی فرمائیں۔

## تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع | شوال ۱۴۳۳ تا ۱۴ اپریل ۱۴۳۴ کو قرآن اکیڈمی

میں ہوگا افتتاحی اجتماع ۳ اپریل کو بعد نماز مغرب منعقد ہوگا۔ ۴ اور ۵ اپریل ہر روز صبح و شام دو نشستیں ہوں گی۔ اور چھ تاریخ کو صرف ایک نشست صبح کے وقت ہوگی تمام رفقاء تنظیم کو اطلاع نامہ محترم قییم تنظیم اسلامی براہ راست ارسال فرمادیں گے۔ دعوتی کام کی توسیع و استحکام کے لئے ہر انقلابی اصولی تنظیم کے سالانہ اجتماعات بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان اجتماعات میں سالِ رفتہ کے کام کا جائزہ لیا جاتا ہے اور سالِ آئندہ کے لئے منصوبہ بندی ہوتی ہے اور اس طرح ان اجتماعات کے ذریعے تحریک کے کارکنوں میں ایک تازہ جوش و دلولے کے ساتھ منزل کی طرف پیش رفت کا عزم اور داعیہ پیدا ہوتا ہے۔ لہذا توقع ہے کہ تمام رفقاء اس سالانہ اجتماع میں شرکت کا خصوصی اہتمام کریں گے

## نئی تعلیمی اسکیم : معہد ثانوی

سال گذشتہ مئی ۱۴۳۲ میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بھرے پر قرآن اکیڈمی میں ”معہد ثانوی“ کے نام سے ایک اقامتی درسگاہ کا آغاز کیا گیا تھا۔ یہ اقامتی درس گاہ مڈل پاس طلبہ کے لئے جاری کی گئی تھی اور پیش نظریہ تھا کہ ان کو اصلاً تو دو زبانیں پختہ طور پر پڑھانی جائیں گی یعنی عربی اور انگریزی اور ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات، اردو اور مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی تو لازمی مضمون کی حیثیت سے البتہ اسلامی تاریخ اور شہریت (سوکس) میں سے کوئی ایک مضمون اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے گا۔ میٹرک کے امتحان کے لئے عموماً دو سال (درجہ نہم۔ دہم) رکھتے جاتے ہیں۔ لیکن اس درس گاہ میں یہ مدت تین سال مختص کی گئی تھی۔ ایک سال کی زائد مدت اس لئے رکھی گئی تھی کہ طلبہ ان مضامین خصوصاً عربی اور انگریزی میں پختہ ہو جائیں۔ پھر پہلے دو سال کے بعد ان طلبہ کو میٹرک میٹرک کا امتحان دلوا دیا جائے اور تیسرے اضافی سال کے بعد ادیب عربی کا خصوصی امتحان بھی دلوا دیا جائے۔ اس طرح صرف ایک اضافی سال کے صرف سے دینی اور دنیوی

دونوں میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کا راستہ کھل جائے اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو اسی اسکیم کو آگے بڑھا کر ایک جانب پرائیویٹ بی۔ اے اور دوسری جانب فاضل عربی کے امتحانات بھی دلوانے کے انتظامات کئے جاسکیں۔

اس درس گاہ کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قوم کے نو بہاؤں کی تدریسی ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کی دینی و اخلاقی تربیت کا بھی بھرپور اہتمام ہوتا کہ ان میں نہ صرف فرائض دینی کی ادائیگی کا احساس و شعور اور شعائر اسلامی کا احترام پنپنے ہو اور صحیح اسلامی اخلاق نشوونما پائیں بلکہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کی سعی و جہد کا جذبہ حصول شہادت کا ذوق و شوق بھی ان کے قلوب میں پر دان چڑھے۔ اسی طریق کار پر عمل پیرا ہونے سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان ہی طلبہ میں سے ایک طرف کچھ اعلیٰ معیار کے محققین و مصنفین پیدا ہو سکیں تو دوسری طرف دعوت و تحریک اسلامی کو خاص کارکن مہیا ہو سکیں۔

متی سندھ میں آغاز کار کے طور پر صرف درجہ نہم کے لئے داخلہ

**آغاز کار کا سر** | کھولا گیا تھا۔ اس درجہ میں صرف ۱۲ طلبہ نے داخلہ لیا تھا

جن میں سے ۲ طلبہ تو جلد ساتھ چھوڑ گئے ۱۲ طلبہ پابندی سے زیر تعلیم و تربیت ہیں اور ان میں سے اکثر طلبہ اکیڈمی کے ہوسٹل میں اقامت پذیر ہیں جن کے لئے الحمد للہ نماز باجماعت، درس قرآن اور دیگر دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ طعام کا بھی معیاری سطح پر انتظام ہے۔ غیر اقامتی طلبہ کے لئے ٹیوشن فیس سچاس روپے ماہانہ اور اقامتی طلبہ کیلئے فیس ڈھائی صد ماہانہ مقرر ہے۔ ان ذہین طلبہ کے لئے جن کے والدین اس ماہانہ خرچ کی استطاعت نہ رکھتے ہوں وظائف کے اجرا کا بھی انتظام ہے۔

**نئے داخلے** | ان شاء اللہ العزیز مارچ کے وسط میں یہ طلبہ درجہ نہم کا سالانہ امتحان دیں گے اور کامیاب ہونے والے طلبہ کو درجہ دہم میں ترقی مل جائے گی

اس طرح اپریل/مئی میں ان شاء اللہ درجہ نہم کے لئے نئے داخلے شروع ہوں گے جس کے لئے ذہانت شرط اول ہوگی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی ذوق و شوق رکھنے والے وہ حضرات جو اپنی اولاد کو حقیقی مسلم و مؤمن اور ایک مخلص پاکستانی شہری کی حیثیت دیکھنے کے متمنی ہیں، وہ اپنے جگر گوشوں کو اللہ کے دین متین اور کتاب مبین کی خدمت کے لئے وقف کرنے کی نیت اور ارادے کے ساتھ اس درس گاہ میں داخل کرنے کے مسئلہ پرنجیدگی سے غور کریں اور پیش قدمی فرمائیں۔ اپنی جگہ ہم پوری کوشش

# رسالت اور محمل رسالت اور ہمارے فرائض

کل شکر اور تمام تعریف اللہ ہی کی ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق و مالک بھی ہے اور پروردگار و پالنے والا بھی۔ اُسی نے فضا اور خلا کی ناپیدائش و وسعتیں پیدا کیں جن میں لاتعداد عظیم الجثہ کڑے انس کی تسبیح و تحمید کے راگ الاپتے لٹوؤں کی مانند رقص کر رہے ہیں اور انسانی نے ہماری یہ زمین پیدا کی جس میں سرسبز رنگ اور برف پوش پہاڑ بھی ہیں اور آقاہ سمندر بھی، سبزہ دگل کی رنگارنگ زریا شیش اور آرائشیں بھی ہیں اور انواع و اقسام کے پھولوں اور میوؤں کے وسیع و عریض دسترخوان بھی، مزید برآں مکھو مکھا قسم کے جاندار بھی ہیں جن کے دم سے بھر و برادر فضا کی آبادی بھی ہے اور رونق و چہل پہل بھی۔

یہ زمین جب ولہن کی مانند آراستہ و پیراستہ ہو چکی تو اللہ نے اس میں خلقت کے فرائض کی انجام دہی کے لئے حضرت آدمؑ کو تخلیق فرمایا جو نوع انسانی کے مورث اعلیٰ اور جبراً مجدد بھی ہیں اور اللہ کے پہلے نبی اور پیغمبر بھی۔ گویا روئے ارضی پر قافلۂ انسانیت اور قافلۂ نبوت و رسالت نے بیک وقت سفر کا آغاز کیا۔ چنانچہ ایک طرف نسلِ آدمؑ نے مادی و صنعتی اور تہذیبی و تمدنی ترقی کی منزلیں طے کیں تو دوسری طرف انسانوں کی عقلی و روحانی اور عملی و اخلاقی رہنمائی کیلئے حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ حضرت صالحؑ اور حضرت ابراہیم علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام لیے جلیل القدر پیغمبروں کا ظہور ہوا۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے اپنا دوست بھی قرار دیا اور نوع انسانی کا امام بھی۔ انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسمعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا اور بیت اللہ کی خدمت ان کے سپرد کی اور دوسرے بیٹے حضرت اسحاقؑ کو فلسطین میں آباد کیا جن کے بیٹے حضرت یعقوبؑ تھے، جن کا لقب اسرائیل تھا۔ لہذا ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد لگ بھگ دو ہزار برس تک نبوت و رسالت کا سلسلہ

ان ہی میں جاری رہا۔ چنانچہ ان ہی میں سے حضرت موسیٰؑ تھے جنہیں تورات عطا ہوئی اور ان ہی میں سے حضرت داؤدؑ تھے جنہیں زبور عطا ہوئی ان ہی میں سے حضرت سلیمانؑ تھے جنہوں نے یروشلم میں اللہ کی عبادت کے لئے ہیکل سلیمانی تعمیر کرایا، جس کی بنا پر وہ شہر بیت المقدس کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اس سلسلہ کا اختتام ہوا حضرت عیسیٰؑ پر جنہیں انجیل عطا ہوئی۔ ان کے رفیع آسمانی کے بعد لگ بھگ چھ سو برس تک قافلہ ہنر و رسالت کا سفر زکا رہا۔

اس فترت کے بعد بیت اللہ کے جوار، اور بنی اسماعیل کے معزز ترین گھرانے میں ظہور ہوا ان کا جن کے لئے نہ صرف یہ کہ انسانیت اور نبوت کے یہ دونوں قافلے چلے گئے تھے بلکہ تخلیق و تکوین کے اس پورے سلسلے کا آغاز ہوا تھا بقول علامہ اقبال مرحوم سے ”آیہ کائنات کا معنی دیر یاب تو نکلتی تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بوا“ یہ ہیں محبوب رب العالمین، سید الاولین والآخرین، خاتم النبیین، سید المرسلین رحمۃ اللعالمین جناب حضرت محمد رسول اللہ - صلی اللہ علیہ وسلم - جن کی ذات والا صفات میں انسانیت نے بھی اپنی معراج کو پایا، نبوت بھی مرتبہ اتمام و اختتام کو پہنچ گئی اور رسالت بھی درجہ تکمیل پر پہنچ کر تاقیام قیامت دائم و قائم ہو گئی۔ اس نے کہ آپ کی بعثت صرف اپنے زمانے یا کسی ایک ملک یا قوم یا نسل کی جانب نہیں بلکہ قیامت تک جاری و ساری اور پوری نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ہے۔ **فصلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وارضیہ وسلم!!!**

آنحضورؐ معراج انسانیت پر تو آغازِ وحی سے قبل ہی فائز ہو چکے تھے۔ جس کو گواہی انہی نوع نے بھی آپ کو الصادق اور الایمن کے خطابات کی صورت میں دی، اور آسمان سے بھی ”وَإِنَّا لَنَعْلَمُ لَعَلِّي خُلِقَ عَظِيمٌ“ کے الفاظ کی صورت میں آئی۔ عمر شریف چالیس سال کے لگ بھگ ہوئی تو آپؐ کی طبع مبارک پر خلعتِ گلابیہ ہو گیا اور کچھ عرصہ غارِ حرا کی تنہائیوں میں غور و فکر اور سوچ بچار میں گزرا۔ تا آنکہ وہیں جبرائیل امینؑ تشریف لائے اور وحی کا آغاز ہو گیا اور آپؐ جبلِ نور کی بلند یورت اپنے مبارک کاندھوں پر نبوت و رسالت کی گراں بار ذمہ داریوں کا بوجھ اور دستِ دہلیز میں دجی آسمانی کی تبدیل لئے اترے، بقول مولانا حالی مرحوم سے

اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساقی لایا

اس کے بعد تیرہ برس مکہ مکرمہ میں قیام رہا جس کے دوران دعوت و تبلیغ، انداز و بشیر اور وعظ و تذکیر کے مشقت بھرے مراحل بھی سر ہوئے اور دامن نبوت کے ساتھ رشتہ ایمان کے ذریعے وابستہ ہو جانے والوں کے تزکیہ و تربیت اور تعلیم کتاب و حکمت کی منزلیں بھی طے ہوئیں۔ پھر کفر و انکار کی روش اختیار کرنے والوں کی جانب سے تشدد و تعذیب اور اس کے ضمن میں صبر و مصابرت کی کٹھن وادیوں سے بھی گزرنا ہوا جن میں شعب ابی طالب کا تین سال کا محاصرہ و مقاطعہ بھی شامل ہے۔ جس کے دوران خاندان نبی ہاشم کے لئے فقر و فاقہ کے مصائب انتہا کو پہنچ گئے اور طائف کا طنز و استہزاء اور تشدد و سنگباری بھی جو آپ کے ذاتی و شخصی ابتلاء کا نقطہ عروج ہے۔ تا آنکہ قدرت خداوندی سے یثرب کی جانب ایک راہ کھلی جس کے نتیجے میں ہجرت واقع ہوئی اور یثرب مدینہ النبی یا مدینہ منورہ بن گیا۔ لیکن آل حضورؐ اور آپؐ کے جاں نثاروں کی مکہ سے مدینہ ہجرت کسی گوشہ عافیت میں پناہ لینے کے لئے نہ تھی بلکہ اب آپؐ کی جدوجہد ایک نئے دور میں داخل ہوئی اور اقدام و عمل کا ایک نیا مرحلہ شروع ہوا جس نے ڈیڑھ دو سال کے اندر اندر حق و باطل کے مابین مستحکم تصادم کی صورت اختیار کر لی۔ چنانچہ آٹھ سال سے بھی کم مدت میں دوسرے بہت سے چھوٹے سرائیکے علاوہ بدر اور احد کے عظیم معرکے پیش آئے، پھر غزوہ احزاب کا صبر آزمائی اور مقابلہ ہوا جس کے دوران فقر و فاقہ اور خطرات و خدشات کی صورت میں تمام اہل ایمان کے لئے صبر و ثبات کا امتحان آخری حد کو پہنچ گیا۔ چنانچہ اس کے بعد صورت بدل دی اور اس عظیم آزمائش میں کامیابی کے انعام کے طور پر صلح حدیبیہ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی جو ایک جانب فتح مکہ اور اندرون ملک عرب و قلاب محمدی کی تکمیل اور دوسری جانب بیرون ملک دعوت نبویؐ کی توسیع کی تمہید بن گئی۔ جس کے نتیجے میں پہلے غزوہ ثمود ہوا اور پھر سفر تبوک پیش آیا۔ گویا کُل باقی مال کی مختصر مدت میں آل حضورؐ نے نہ صرف یہ کہ وسیع و عریض جزیرہ منائے عرب میں اللہ کے دین کا بول بالا کر دیا چنانچہ اللہ ہی کا کلمہ سر بلند اور اُسی کی بات سب سے ادنیٰ ہو گئی اور حق کا کامل غلبہ اور تمام و کمال نفاذ ہو گیا، بلکہ اپنے مشن کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کا آغاز بھی آل حضورؐ نے بنفس نفیس خود فرمایا۔ اور اس کی تکمیل کی ذمہ داری و اُمت کے حوالے فرما کر رفیقِ اعلیٰ کی جانب مراجعت اختیار فرمائی۔ فصلی اللہ علیہ وسلم

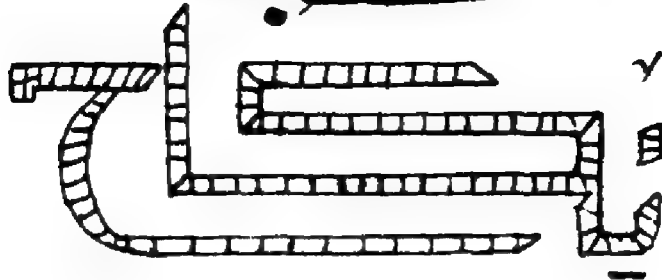
خطبہ حجۃ الوداع میں آنحضورؐ نے اپنی تعلیمات کے اہم نکات کو آخری مرتبہ تکرار و تاکید ذہن نشین کرانے کے بعد حاضرین سے ایک سوال کیا: ”أَلَا هَلْ بَلَغْتُ“ یعنی اے مسلمانو! میں نے اللہ کا پیغام تم تک پہنچا دیا یا نہیں؟ جس کا جواب سوال الکرہ سے زائد حاضرین و سامعین نے بیک زبان دیا ”إِنَّا نَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَلَغْتَ وَادَّيْتُ وَنَصَحْتُ!“ یعنی حضورؐ ہم گواہ ہیں کہ آپؐ نے نہ صرف حق تبلیغ ادا فرما دیا بلکہ حق امانت اور حق نصیح وغیر خواہی بھی! مزید تاکید و توثیق کے لئے آنحضورؐ نے یہی سوال تین بار کیا اور مجمع نے بھی یہی جواب تین بار دہرایا۔ اس کے بعد آپؐ نے نگاہ مبارک آسمان کی جانب اٹھائی اور انگشت شہادت پہلے آسمان اور پھر لوگوں کا جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا: ”أَلَسْتُ بِشَهِيدٍ!“ یعنی اے اللہ تو بھی گواہ رہ! — اور پھر نہایت بلیغ پیرائے میں یہ ارشاد فرما کر کہ: ”فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ!“ یعنی اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں انہیں جو یہاں موجود نہیں ہیں! — اپنے مقصد بعثت کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کی تکمیل کو اب اللہ بات تک کے لئے امت کے حوالے فرما دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت پر ہر سال پوری دنیا میں مسلمان جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہیں اور محبت و عقیدت کے اظہار کے لئے گونا گوں صورتیں اختیار کرتے ہیں۔ کاش کہ اس موقع پر ہم پوری دیانت کے ساتھ اس امر کا جائزہ لیا کریں کہ نبی اکرمؐ کے ساتھ ہمارا تعلق درست بنیادوں پر استوار ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اسی صحیح تعلق پر ہماری نجات اخروی کا دار و مدار ہے۔

آنحضورؐ سے ہمارے تعلق کی اصل اور اولین بنیاد ایسکاٹا ہے جس میں ”اقرار باللسان“ بھی ضروری ہے اس لئے کہ اسی پر دنیا میں کسی کے مسلمان قرار پانے کا دار و مدار ہے۔ اور ”تصدیق بالقلب“ بھی اس لئے کہ یہ آخرت میں کسی مومن قرار پانے کے لئے لازمی ہے! اللہ کے فضل سے زبانی اقرار کی دولت تو ہمیں موردی طور پر حاصل ہو گئی ہے لیکن لازم ہے کہ ہم اپنے دلوں کو ٹھولیں کہ آیا آپؐ کی نبوت و رسالت پر دلی یقین بھی موجود ہے یا نہیں!!

اں حضورؐ سے ہمارے تعلق کی دوسری اساس آپؐ کی تعظیم اور محبت ہے، اس

# خُطْبَةُ



اور اس کا

سہاری معاشرتی زندگی سے تعلق

ڈاکٹر اسرار احمد

ترتیب: شیخ جمیل الرحمن

ہدایہ بموقع

عقد نکاح مسنونہ

عزیز عارف رشید سہ

(غلت الرشید ڈاکٹر اسرار احمد)

عزیزہ اسماء سلمہا

دختر یک اخترت صنی عبدالقادر

بتاریخ ۲۱ ربیع الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۷ فروری ۱۹۹۱ء

بمقام جامع مسجد فاروق اعظم غوثالی ناظم آباد کراچی



## خطبہ نکاح اور ہماری معاشرتی زندگی

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جب کبھی کسی کا نکاح پڑھاتے ہیں تو خطبہ نکاح کی اہمیت و حکمت پر بھی خطاب فرماتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب محبوب کے چند خطابات راقم الحروف کے پاس ٹیپ میں محفوظ تھے۔ جن سے منتقل کیے یہ اہم خطاب استفادہ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ (جمیل الرحمن)

الْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنُسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنُؤَدِّيًا  
مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُضِلِّ  
فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ  
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ط أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ  
الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ مُحَدَّثَةٍ  
بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ أَمَّا بَعْدُ !

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ أَنْفُسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَعَ  
مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي  
تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ه (سورة نساء آیت  
قال الله عز وجل في سورة آل عمران : (۱۰۲)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ  
قال الله عز وجل في سورة الاحزاب : (۷۰ - ۷۱)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَخُوفُوا قَوْلَ سَيِّدِهِ ۖ أَه يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ  
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ فَذَرْهُمْ وَقَدْ فُتِرَ أَعْيُنُهُمْ  
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم :

”النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي“

وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : ”فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي“

حضرات گرامی !

یقیناً آپ حضرات کو بہت سی مجالس نکاح میں شرکت کا موقع ملا ہوگا اور آپ کا مشاہدہ یہ ہوگا کہ بالعموم خطبہ نکاح یا تو اس طرح پڑھا جاتا ہے کہ صرف دُوبہا اور آس پاس کے چند لوگ ہی اُس کو سُن پاتے ہیں۔ یا پھر نکاح کی مجلس مسجد میں منعقد ہو اور لاؤڈ اسپیکر پر خطبہ پڑھا جائے تو اس طرح خطبہ نکاح کو تمام ہی شرکاء سُن لیتے ہیں اور اُن کو یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس خطبہ نکاح میں قرآن حکیم کی چند آیات اور چند احادیث پڑھی گئی ہیں، لیکن چونکہ بدقسمتی سے عموماً شرکاء کی کثیر تعداد عربی سے نااہل ہوتی ہے، لہذا اُن لوگوں کو اس بات کا کوئی شعور حاصل نہیں ہوتا کہ ان آیات کا مفہوم و مطلب کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کا خطبہ نکاح کے لئے کس عظیم مصلحت و افادیت کے پیش نظر انتخاب فرمایا ہے اور نہ ہی اُن کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کا ہماری معاشرتی زندگی سے کیا ربط و تعلق ہے اور خاص طور پر ان آیات میں اس دُوبہا کے لئے کیا نصائح، ہدایات، تذکیر اور رہنمائی موجود ہے، جو اس نکاح کے ذریعے عائلی زندگی میں قدم رکھ کر ایک نئے خاندان کے وجود میں آنے کی بنیاد بن رہا ہوتا ہے۔

اس طرز عمل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خطبہ نکاح کی جو اصل غایت ہے، وہ کسی طرح بھی پوری نہیں ہوتی۔ سیرت مطہرہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جہاں کہیں بھی مسلمان جمع ہوتے تھے، اور یہ جمع ہونا آپ کو معلوم ہے کہ ہماری معاشرتی زندگی میں بالعموم خوشی کے مواقع پر بھی ہوتا ہے اور غمی کے مواقع پر بھی۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ ایسے اجتماعات میں موقع و محل کی مناسبت سے حضور عموماً کچھ تذکیر و نصیحت فرمایا کرتے تھے تاکہ دین کے اہم اُمور کی یاد دہانی ہو جائے۔

**خطبہ جمعہ کی حکمت** شاید آپ کو معلوم ہو کہ خطبہ جمعہ کی غرض و غایت بھی یہی تذکیر (یاد دہانی) ہے۔ مسلم شریف میں روایت آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں لوگوں کو تذکیر اور قرآن حکیم کی قرأت فرمایا کرتے تھے: **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ** اسی طرح خطبہ نکاح کی بھی اصل غرض و غایت تذکیر و نصیحت اور موعظتِ حسنہ ہے، ورنہ جہاں تک قانون کا تعلق ہے عروس کی رضا مندی اُس کے وکیل کے ذریعے معلوم ہونے پر گواہوں کے سامنے اعلانِ عام کے ذریعے

نکاح خواں ایجاب اور دولہا قبول کرتا ہے جو نکاح کے لئے کفایت کرتا ہے۔

انسانی نفسیات کا یہ پہلو بھی ہے کہ بہت سی باتیں انسان کو پہلے سے معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں ان باتوں کو مانتا ہوں، تسلیم کرتا ہوں۔ لیکن ان میں سے اکثر ضروری باتیں اس کے شعور میں تازہ نہیں رہتیں۔ تذکیر کا مقصد دراصل ان ہی حقائق کو یاد دلانا اور اُن کو اُجاگر کرنا اور ذہن و شعور میں پھر تازہ کرنا ہوتا ہے۔ خطبہ جمعہ چونکہ عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے اور سامعین عربی زبان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ لہذا خطبہ جمعہ کی اصل غرض و غایت پوری نہیں ہوتی۔ زبانِ یارِ من ترکی و من ترکی نمی دانم! والا معاملہ درپیش ہوتا ہے تو اسی وجہ سے اصل خطبہ سے قبل وعظ کا سلسلہ شروع کیا گیا اور ابک مسلک کی طرف خطبہ جمعہ مقامی زبان میں دینے کا طریقہ اختیار کیا گیا۔ یہ طریقہ دراصل اس اصول کے تحت اختیار کیا گیا کہ : مَا لَا يُدْرِكُ لَكُ لَا يُتْرَكُ هَلْهُ۔ اگر کوئی چیز بتمام و کمال نہ ہو سکے تو اس کو اکل چھوڑ بھی نہیں دینا چاہیے۔ جو کچھ حاصل کیا جا سکے، وہ ضرور حاصل کرنا چاہیے!

**خطبہ نکاح کی حکمت** | پس خطبہ نکاح بھی درحقیقت تذکیر کے لئے ہے۔ یہ تذکیر خاص طور پر اس شخص (یعنی دولہا) کے لئے بھی ہے جو اپنی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے۔ اور بہت سی نئی ذمہ داریوں کا بوجھ اُس کے کندھوں پر آ رہا ہوتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں ایک خاندان کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ معاشرے کے لئے خاندان کا ادارہ بمنزلہ ایک اکائی ہوتا ہے۔ معاشرہ دراصل نام ہی بہت سے خاندانوں کے مجموعے کا ہے۔ اگر خاندان کا ادارہ درست اور مستحکم بنیادوں پر اُستوار ہو، اور اس کو اس نہج پر منظم کیا جائے جو ہمارے دین میں مطلوب ہے تو اس طرح لامحالہ معاشرہ صالح خطوط پر پروان چڑھے گا۔ خاندان کی جو کیفیات ہوتی ہیں درحقیقت ان ہی کا عکس معاشرے پر پڑتا ہے۔ کسی معاشرے میں صالح خاندانوں کی اکثریت ہوگی تو معاشرہ بھی مجموعی طور پر اعلیٰ اقدار اور صلاحیت کا حامل ہوگا۔ اس کے برعکس اگر خاندانوں کی اکثریت میں بگاڑ ہو، وہ ہی صحیح خطوط پر اُستوار نہ ہوں تو لازماً مجموعی طور پر معاشرہ بھی بگڑا ہوا معاشرہ ہوگا۔ لیکن چونکہ دولہا جس کو تذکیر و نصیحت اصلاً مقصود ہے، عربی سے ناابلہ اور شرکاء بھی جو اس تذکیر سے مستفید ہونے چاہئیں عربی سے ناواقف۔ نتیجہ یہ کہ خطبہ

نکاح بھی محض ایک ”رسم“ بن کر رہ گیا ہے۔ (”رہ گئی رسم اذنا روح بلالی نہ رہی!“)  
**سُنّت رسولؐ** | نکاح کے ذریعے جو ایک خاندان کی بنیاد پڑ رہی ہوتی ہے تو نبی  
 اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ خطبہ نکاح میں قرآن مجید کی چند آیات کی قرأت  
 فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے کہ اصل تذکیر کا ذریعہ قرآن مجید ہی ہے، سورہ ق کا اختتام  
 ہی تذکیر بالقرآن کے تاکید کی حکم پر ہوتا ہے۔ وہاں فرمایا: فَذَكِّرْ بِالْقُرْآنِ مَنَ  
 يَخَافُ وَعَيْدِهِ پس (اے نبی!) تذکیر کر ایسے قرآن کے ذریعے سے، اُس کو جو میرے پکڑ  
 سے ڈرتا ہو!

ابھی میں نے آپ کو خطبہ جمعہ کے متعلق حدیث سنائی تھی کہ: كَانَتْ صَلَاتُ اللَّهِ عَلَيْهِ  
 وَسَلَّمُ يَقْرَأُ الْمُقْرَأَاتِ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ۔ سیرت مطہرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
 کا یہی معمول خطبہ نکاح کے سلسلہ میں بھی نظر آتا ہے۔ چنانچہ میں نے خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن  
 کی جن آیات کی قرأت کی ہے، وہ اب اسے مسودہ ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ  
 نکاح میں عموماً ان آیات کی قرأت کا اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ سرسری طور پر غور کرنے سے  
 ان آیات کی قرأت کی حکمتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ اگر معاملہ یہ ہوتا کہ حصولِ برکت کے لئے  
 چند آیات پڑھ لی جائیں تو اس اعتبار سے سورہ فاتحہ ہونی چاہئے یا سورہ اخلاص ہونی  
 چاہئے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثلث قرآن کے مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن معاملہ  
 یہ نہیں ہے، اس موقع پر قرآن مجید کی آیات کی قرأت محض حصولِ برکت یا روایت کے  
 طور پر نہیں ہے۔ بلکہ موقع و محل کی مناسبت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نکاح میں  
 عموماً سورہ النساء کی پہلی آیت، سورہ آل عمران کی آیت عطا اور سورہ الاحزاب  
 کی آیات ۷۰، ۷۱ کی قرأت فرمایا کرتے تھے۔ مجلس نکاح میں ان آیات کی قرأت سے  
 دراصل وہ تذکیر و نصیحت مقصود ہے جو اس شخص کے لئے نشانِ منزل اور موجبِ رہنمائی  
 ہے جو زندگی کی ایک نئی شاہراہ پر قدم لکھ رہا ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مجلس نکاح میں  
 صرف خطبہ نکاح پڑھنے پر اکتفا نہ کیا جائے، بلکہ ان احکام اور حکمتوں کو بھی بیان کیا جائے  
 جو قرآن حکیم کی ان آیات میں مضمون ہیں اور جن کی بطورِ تذکیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرأت  
 فرمایا کرتے تھے۔

مختصر طور پر کچھ شرح کروں گا تو ان شاء اللہ نکاح کے موقع پر ان آیات کی قرأت کی  
 وجہ جو اتم القرآن بلکہ مجائے خود ”قرآنِ عظیم“ ہے،

سمکتیں آپ کے سامنے آجائیں گی۔

تقویٰ کا ہمارے دین میں مقام | ان آیات کی تشریح و تفہیم سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپ کی توجہ اس اہم بات کی طرف مبذول کروں کہ ان آیات میں لفظ تقویٰ بکرا آیا ہے۔ لفظ تقویٰ ہمارے دین کی اہم ترین اور جامع ترین اصطلاحات میں سے ایک اصطلاح ہے۔ اصطلاحات کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ کسی زبان کی اصطلاح کا ترجمہ و مفہوم کہ دوسری زبان میں ایک لفظ میں ادا کرنا ممکن نہیں۔ قرآن مجید کے اردو تراجم میں تقویٰ کا ترجمہ عام طور پر ”پرہیزگاری“ ڈرنا اور بچنا“ کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں کسی لفظ سے بھی ان معانی و مفہام کے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا، جو تقویٰ کی دینی اصطلاح میں شامل ہیں۔ اس لفظ کی شرح حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی مفصلاً صراحت اور بہت ہی قابل فہم انداز میں فرمائی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صحابہ کرام کی ایک مجلس میں امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ لفظ تقویٰ کا مطلب دریافت فرمایا۔ جس کے جواب حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے یہ تشریح بیان کی کہ :

”یا امیر المؤمنین! جب کسی شخص کو جنگل کی ایسی پگڈنڈی سے گزرنے کا اتفاق ہو، جس کے دونوں اطراف میں حارہ و اربھادیاں ہوں تو ایسی پگڈنڈی پر گزرتے وقت وہ شخص لامحالہ اپنے کپڑوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر اس ریلے کو اس طرح طے کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اُس کے کپڑے جھاڑیوں اور اُن کے کانٹوں سے اُلھنے نہ پائیں۔ اس احتیاطی رویے کو عربی میں ”تقویٰ“ کہتے ہیں!“ (ادکما قال)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس تشریح و مفہوم کی تصویب و توثیق فرمائی حضرت ابی ابن کعبؓ کو دیکھی دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری دنیوی زندگی کی پگڈنڈی ہمارے دائیں اور بائیں یعنی دونوں اطراف میں شہوات، لذات اور معاصی کی حارہ و اربھادیاں موجود ہیں۔ اُنم و عُذوان کی ترغیبات و تحریکات کا کوئی شمار نہیں۔ ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور سزا کے خوف اور اُس کے انعام، نگاہِ کرم، نظرِ رحم اور جزاء شوق سے نافرمانی کے ہر عمل سے بچتا ہوا اور دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرتا ہے

جب زندگی گزار رہے ہو تو اس رویے اور طرزِ عمل کا نام ”تقویٰ“ ہے اور اسی کو اختیار کرنے کی قرآن مجید میں دعوت و تاکید کی گئی ہے۔ اور خطبہ نکاح کے موقع پر جو آیات پڑھی جاتی ہیں ان میں اسی تقویٰ کو اختیار کرنے کی ہدایت و حکم کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

### سُورَةُ النَّسَاءِ کی پہلی آیت | سُورَةُ النَّسَاءِ کے متعلق آپ ﷺ اکثر حضرات کے

علم میں یہ بات ہوگی کہ یہ سورہ مبارکہ معاشرتی زندگی سے متعلق قرآن مجید میں انتہائی جامع سورت ہے۔ خاندانی اور معاشرتی مسائل سے متعلق اس سورہ مبارکہ میں بڑی تفصیلی ہدایت آئی ہیں۔ اس سورہ مبارکہ کی پہلی آیت انسانی معاشرے خصوصاً گھریلو زندگی کے لئے جامع عنوان کا مقام رکھتی ہے۔ لہذا اب آئیے اس آیت کریمہ کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کریں، فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي بَنَىٰ فَرْعَ الْإِنسَانِ ۚ إِنَّهُ سَمِعَ عَهْدَ آبَائِكُمْ إِذْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ (پروہ گار اور پالنے والا، ہادی و مُرْتی) کا تقویٰ اختیار کرو۔ اُس کی پکڑ اور اُس کے حملے اور اُس کی سزا سے ڈرتے رہو! (چونکہ تم کو اُس کے حضور کھڑے ہو کر اپنے پر عمل کی جو تم سے صادر ہوتا ہے اور ہر اُس قول کی جو تمھاری زبان سے نکلتا ہے جواب دہی کرنی ہے) لَفَوْا آیتِ قرآنی: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ۔ آیت کے اس حصہ میں نوری انسانی کو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم اور ہدایت و دعوت دی گئی ہے۔ یہی تقویٰ دراصل دین کی جڑ اور اساس ہے۔ بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو فرمایا کہ تقویٰ رَأْسُ الْحِكْمَةِ ہے۔ دانائی اور حکمت اسی تقویٰ کی مرہونِ مِنت ہوتی ہے۔ رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللَّهِ (حدیث) اُسے فرمایا: الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا مَرَاً وَنَحْماً وَبَثَّ فِيهِمَا رِجَالًا كَثِيراً وَنِسَاءً ج (اپنے اُس رب کی پکڑ اور حملے سے ڈرتے رہو!) جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا اور اُسی جان میں سے اُس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے کثیر تعداد میں مردوں اور عورتوں کو اس دنیا میں پھیلا دیا۔ (مراد ہیں حضرت آدم علیہ السلام، اور حضرت نوح جن سے یہ پوری نسل انسانی چل رہی ہے)۔ اس آیت کے پہلے حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رُبُوبیتِ کاملہ اور تخلیقِ تامہ کے حوالے سے نوری انسانی کو اپنا تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے، کیونکہ جو حقیقتِ نفس الامری کے اعتبار سے حقیقی مُرتی اور خالق ہے

اُسی کا یہ استحقاق ہے کہ اُس کی نافرمانی سے بچا اور اُس کی سزا سے ڈرا جائے۔ اِس آیتِ کریمہ کے اِس ابتدائی حصے میں اِس اہم اور بنیادی امر کی طرف بھی رہنمائی دے دی گئی کہ پوری نسلِ انسانی ایک ہی جوڑے (حضرت آدمؑ اور حواؑ) کی اولاد ہیں۔ گویا وحدتِ انسانی کی جو دو حقیقی بنیادیں ہیں وہ بھی اسی چھوٹے سے ٹکڑے میں انتہائی جامعیت سے بیان فرمادی گئیں۔ سارے انسان جو آفرینشِ عالم سے تاحال پیدا ہوئے اور جو تاقیام قیامت پیدا ہوں گے، اُن کا رب اور خالق صرف اللہ! اور تمام انسان ایک ہی جوڑے کی ذریتِ حقیقی اور ایک ہی گھرانہ ہے۔ دُنیا نے رنگ و نسل اور لسان و وطن کی جو بنیاد قائم کر رکھی ہے۔ دولت و ثروت اور وجاہت کو جو تفریق و امتیاز کا سبب بنا رکھا ہے تو اِس کی امر واقعہ میں کوئی قیمت ہی نہیں۔ چونکہ تمام انسان ایک ہی جوڑے کی نسل سے ہیں اور آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہاں شرف کا ایک مقام ہے اور وہ ہے تقویٰ۔ اسی بات کو سورۃ الحجرات میں مزید وضاحت سے بایں الفاظ بیان فرمایا گیا :

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاهُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاهُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ٥ (آیت ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو مختلف قبیلوں اور خاندان بنایا ہے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں زیادہ باعزت وہی ہے جو سب سے زیادہ

پرہیزگار اور (اللہ سے) ڈرنے والا ہو۔ شک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا پورا فیر ہے۔ اِس آیت سے واضح ہوا کہ خاندانی تقویٰ اور تغافل کا زعم، زعمِ باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرافت و کرامت کا اصل معیار تقویٰ ہے۔

آئے چلیے! اسی آیت میں تقویٰ کا دوبارہ حکم دیا گیا ہے، چنانچہ فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ط، اور اُس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ تم ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطع رحم سے! غور کرنا چاہیے کہ اِس آیتِ مبارکہ میں تقویٰ کے حکم کی نگرانیوں ہیں! ویسے تو زندگی کے تمام معاملات کی اصلاح کا دار و مدار تقویٰ پر ہی ہے تقویٰ نہیں ہے تو سیاست بھی بے ایمانی اور ظلم و تعدی بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو دینداری بھی سوداگری بن جائے گی۔ تقویٰ نہیں ہے تو تولیے والا دُندھی مار کا، پانچے والا

کے کرے گا۔ تاجر اور صنعت کار دھوکہ اور فریب سے کام لے گا۔ ضروریات زندگی کی فہرہ اندوزی کرے اُس کی بازار میں مصنوعی قلت پیدا کرے گا اور پھر مٹہ مانگے داموں پر بازار میں لائے گا۔ تقویٰ نہیں ہے تو لوگ غذا اور ادویات میں ملاوٹ کریں گے۔ مشہور برانڈوں کی جعلی نقل بنائیں گے۔ تقویٰ نہیں ہے تو ملازم پیشہ اور مزدور مالکوں کی حق تلفی کریں گے، اور کام چوری کریں گے۔ غرض کہ زندگی کے ہر معاملے اور ہر گوشے میں تقویٰ کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر زندگی صحیح منہج پر استوار نہیں ہوگی۔ لیکن خاص طور پر گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ زندگی کے بقیہ گوشوں میں کسی حد تک قانون کی عملداری ہو سکتی ہے۔ پولیس کا عمل دخل ہے، عدالتوں کا عمل دخل ہے۔ کسی پر ظلم دیا جاتا ہے تو داد رسی کے لئے عدالتوں کا کُنڈا کھٹکھٹایا جاسکتا ہے۔ اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ مختلف عملداریاں مؤثر بھی ہو سکتی ہیں۔ لیکن گھریلو زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس دائرے میں قانون کے جو ادارے ہمارے معاشرے میں موجود ہیں، اُن کا عمل دخل بہت ہی کم ہے۔ گھر کی چار دیواری میں واقعہ یہ ہے کہ اگر تقویٰ موجود ہو تو معاملات درست رہیں گے۔ ورنہ سوچئے کہ کس نظام میں یہ ممکن ہے کہ ہر گھر میں ایک سپاہی مقرر کیا جاسکے، جو دیکھتا ہے کہ کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی۔ ایک دوسرے کے حقوق پامال تو نہیں ہو رہے کوئی شخص اپنی زبان کا غلط استعمال کرتا ہے۔ اُٹھتے بیٹھتے وہ اس زبان کے ذریعے ظلم اور زیادتی کر رہا ہے۔ طعن و تشنیع جس نے اپنا وطیرہ بنا رکھا ہے تو آخر کون سا قانون ہے جو اس کے اڑے آسکتا ہے، اور کون سی پولیس ہے جو اس کو اس سے باز رکھ سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ گھریلو زندگی کا دائرہ وہ ہے کہ جس میں تقویٰ اور آخرت کی جواب دہی کا شعور و ادراک اور ایمان و اقیان ہی معاملات کو درست رکھ سکتا ہے: مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ۝ ”انسان کوئی لفظ منہ سے نہیں نکال پاتا مگر یہ کہ اُس کے پاس ہی ایک ہوشیار نگراں تیار ہوتا ہے!“۔ یہ بات اگر ہوگی تو دونوں فریق، شوہر اور بیوی اور ان کے اعزہ و اقارب محتاط رہیں گے۔ شوہر بھی اپنے فرائض احساسِ ذمہ داری سے بجا لائے گا اور بیوی کے حقوق بحسن و خوبی ادا کرے گا اور بیوی بھی صحیح طور پر اپنے خاوند کے حقوق ادا کرے گی اور اپنے فرائض کو بجالائے گی۔ اعزہ و اقارب بھی اپنے اپنے اُن فرائض و حقوق کا لحاظ رکھیں گے جو شریعتِ حق نے اُن کے لئے مقرر کئے ہیں۔ پس معلوم



ہو کہ عائلی اور خاندانی زندگی میں تقویٰ کو وہ مقام حاصل ہے جس کے بغیر گھر گہستی اور خاندانی نظام کا پورے سکون و اطمینان سے چلنا عملاً ناممکن اور عقلاً محال ہے۔

اب آئیے! اس آیت کریمہ کے اس حصے کو مزید سمجھنے کی کوشش کریں۔ چوں کہ میں نے اب تک ”وَاتَّقُوا اللَّهَ“ پر اس لحاظ سے گفتگو کی ہے کہ غور کا مقام یہ ہے کہ آیت میں تقویٰ کا حکم بتکرا کیوں آیا ہے۔ آیت کا پورا لکھنا یوں ہے: ”وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَنْحَامَ ط“ اور ”دُرُوسِ اللَّهِ“ سے جس کا واسطہ ایک دوسرے کو دیتے ہو اور بچو قطع رحم سے!“ یہاں بڑا لطیف اور مؤثر انداز فرمایا گیا ہے۔ عام طور پر مشاہدے میں یہ بات آتی ہے کہ اکثر جب کہیں گھر طویع میں ناچاقی ہو جائے تو عدم موافقت اور اختلاف کو ختم کرانے اور مٹانے کے لئے ”خدا کے واسطے باز آ جاؤ، خدا کے لئے مان جاؤ، اختلافات ختم کرو، صلح صفاؤ“ خدا کے واسطے ایک دوسرے کی زیادتی کو معاف کر دو، خدا کے لئے آمندہ احتیاط ایک دوسرے کے حقوق اور جذبات و احساسات کا خیال رکھو، خدا کے لئے درگزر کام لو وغیرہ۔ تو جس خدا کا تم کو واسطہ دیا جاتا ہے یا جس خدا کی تم ایک دوسرے کو دُپائی دیتے ہو، اگر اُس خدا کا تقویٰ تم پہلے سے اختیار کرو، اس کے احکام، رہو، جو حدود اُس نے معلّن کی ہیں، اُن حدود پر قائم رہو تو ایسے جھگڑے پیدا ہوسر صورت بہت کم ہو جائے گی۔ اور اگر پیدا ہوئے بھی تو فوری طور پر چُپک بھی جائیں اور طے بھی ہو جائیں گے۔

پس جس خدا کا تم واسطہ دیا کرتے ہو، اُس کے احکام، اُس کے اوامر و نواہی اُس کی ہدایات و تعلیمات کی پابندی کرو۔ یہی اصل تقویٰ کی روش ہے، یہی دین ہے، اور اس روش کو اختیار کرنے کی برکت سے گھر طویع جھگڑے اول تو کھرے ہی نہ ہوں گے، اور اگر ہو بھی گئے تو اللہ کے فضل سے جلد نمٹ جائیں گے!

آیت کے آخری حصہ میں فرمایا: ”وَالْأَنْحَامَ ط“ قطع رحمی سے بھی بچو!“ رشتوں کا احترام اور اُن کا پاس ہمارے دین میں بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ رحمی کاٹنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ اسلام کو ایک جہت ہی منظم اور صالح معاشرہ قائم

کے لئے اللہ تعالیٰ نے بطورِ نظام نازل فرمایا ہے: اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ۔ اسلام ایک ایسا معاشرہ وجود میں لانا چاہتا ہے، جس میں باہمی اُلفت ہو، مودّت ہو، ایک دوسرے کے لئے ہمدردی ہو، ایک دوسرے کے لئے اخوت اور ایک دوسرے کے لئے احترام و اکرام کا جذبہ موجود ہو۔ اسی مقصد کے لئے اُس نے خاندان کے ادارے کو مضبوط کیا ہے۔ اس خاندان کے ادارے کے دو عرض (DIMENSION) ہیں ایک طرف والدین اور اولاد کا تعلق ہے، دوسری طرف شوہر اور بیوی کا تعلق ہے۔ لہذا اگر ان دونوں اطراف کو صحیح بنیادوں پر اُستوار کر لیا جائے تو خاندانی نظام درست رہے گا۔ اور اگر کسی معاشرے میں معتد بہ تعداد درست اور صالح خاندانوں کی موجود ہو تو معاشرہ بھی صالح ہوگا۔ اور ایک صالح معاشرے کی برکات پورے طور پر رُو بعمل آئیں گی اور ان کا کمال ظہور ہوگا۔ والدین اور اولاد کے حقوق کی قرآن حکیم میں بڑی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ متعدد مقامات پر اللہ نے اپنے حق کے ساتھ ملحق کر کے والدین کے حق کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا: وَقَضٰی رَبِّیْ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلٰہَ اِیَّاهُ وَاِلٰہَ الْاٰدِیْنَ اِحْسَنًا (آیت ۲۳) ”اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور تم اپنے ماں باپ کے ساتھ حُسن سلوک کیا کرو“۔ سورہ نعتمان میں فرمایا: اِنِّ اشْكُوْ لَکَ وَلِوَالِدَیْکَ (آیت ۱۴) ”کہ تو میرا شکریہ گزار بن اور اپنے والدین کا بھی“ اس سے اندازہ کیجئے کہ والدین کے حقوق کی کس قدر اہمیت و تاکید ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حق سے ملحق کر کے والدین کے حقوق کا ذکر فرماتا ہے۔ اسی طرح اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان محبت و اُلفت اور مودّت کا صحیح تعلق قائم ہو۔ دونوں اپنے فرائض کو ادا کر رہے ہوں، اور ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی پورے اہتمام کے ساتھ ہو رہی ہو۔ جس کی برکت سے اِنْ شَاءَ اللہ کوئی نزاع ہی پیدا نہیں ہوگا۔ یہ ہیں خاندان کے ادارے کے دو عرض۔ تیسرا عرض ہے قرابت داری کے رشتوں کا احترام اور اُن کے حقوق کا لحاظ اور اُن کی ادائیگی۔ چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر آپ دیکھیں گے کہ والدین کے بعد قرابت داروں کے حقوق کا ذکر کئے گا۔ جیسے فرمایا: وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّہٗ ہٰی“ وَالْاُمَحَامَ“ فرما کہ ان تمام رُحمی رشتوں کی پاسداری کرنے، لحاظ رکھنے،

ان کی ادائیگی کا اہتمام کرنے اور اُن کی پائمالی سے بچنے کی ہدایت دے دی گئی۔ اس آیت مبارکہ کے آخر میں فرمایا: **إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ ذَقِيبًا** : ”بے شک اللہ تمہاری نگرانی کر رہا ہے!“۔ یعنی جان لو کہ تمہارا ایک ایک عمل اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔ یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ تمہارے عمل کا کوئی محاسبہ نہیں ہوگا اور تمہارے اعمال و اقوال کا کوئی ریکارڈ تیار نہیں ہو رہا۔ بلکہ جیسا کہ میں سورہ ق کی یہ آیت دوبار آپ کو سننا چکا ہوں کہ: **مَا يَلْفُظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ** : جو بات بھی زبان سے نکلتی ہے وہ ریکارڈ ہو رہی ہے۔ لکھتے والے موجود ہیں جو اُس کو لکھ رہے ہیں! یہی بات سورہ الانعام میں فرمائی: **وَاتَّ عَلَيْكُمْ لَحْفِظِينَ** : ”کراما کا تین تین“ **يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ** : ”اور بلاشبہ تم پر نگران مقرر ہیں۔ ایسے معزز کاتب جو تمہارے ہر فعل و عمل کو جانتے ہیں!“

مغربی تہذیب کا المیہ | خدا فراموشی اور ہدایت ربانی سے محرومی کے باعث مغربی تہذیب جس کرب اور المیہ سے دوچار ہے، ہماری عظیم اکثریت کو اس کا پتہ ہی نہیں بہن ممالک کی ظاہری شان و شوکت اور جاہ و حشمت دیکھ کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دنیا میں ان سے زیادہ خوش نصیب کوئی نہیں۔ ”دور کے ڈھول سہانے بولتے ہیں!“ کے مصداق اُن کے ٹھکانے باغیچے اور تمدنی ترقی سے ہم اتنے مرعوب ہیں کہ ہمیں اُن کے آلام و مصائب کا اندازہ ہی نہیں ہوتا اور ہم اس مغالطے میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہاں ہر طرح سکھ، چٹین اور سکونِ اطمینان ہے۔ حالانکہ اس خدا نا آشنا تہذیب کا قریبی مشاہدہ کرنے والے جانتے ہیں کہ ان خدا فراموش ممالک میں خاندانی نظام درہم برہم ہو چکا ہے۔ جس کی وجہ سے پورا معاشرہ انتہائی کرب اور دکھ میں مبتلا ہے۔ وہاں آزادانہ شہوت رانی کا دور دورہ ہے، لہذا شادی بیاہ کا بکھیرا کون مول لے۔ جن لوگوں میں سابقہ روایات کا کچھ پاس ہے، وہ شادی کا بندھن اختیار کرتے ہیں، تو اُن میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ شوہر بیوی سے نالاں اور اس کی عصمت و عفت کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا اور بیوی شوہر سے بیزار اور اُس کے با وفا ہونے کے بارے میں شکوک۔ مزید برآں اول تو مانعِ حمل تدابیر سے اولاد کے جھیلے سے بچاؤ ہوتا ہے۔ لیکن کسی کو اولاد کی چاہت ہوتی ہے تو اکثریت کے بچے نرسریوں (NURSARIES) میں پرورش پاتے ہیں۔ لہذا محبتِ مادری اور شفقتِ پدری سے

یکسر محروم، اور اولاد کے دل والدین کی محبت اور احترام سے بالکل خالی۔ والدین جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اُن کے دلوں میں اولاد کی محبت کا خوابیدہ جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ لیکن اولاد کا حال یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی خدمت تو کجا، اُن سے ملنے اور اُن کے ساتھ کچھ لمحات گزارنے کے لئے فرصت اور وقت ہی نہیں۔ بوڑھے ماں باپ اولاد کی شکل دیکھنے کے لئے سالوں ترستے رہتے ہیں۔ وہاں ایسے بوڑھے مردوں اور عورتوں کے لئے بہن کی بیویاں یا شوہر وفات پا چکے ہوں اور جو تنہا رہ گئے ہوں، ہوسٹل قائم ہیں کہ وہ دوسرے بوڑھوں اور بوڑھیوں کی معیت میں تنہائی کے احساس کو مٹا سکیں۔ یہ بے خاندانی نظام کے برہم ہونے کی نقد سزا جو مغربی معاشرہ بھگت رہا ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی جو لوگ مغربی تہذیب کے اندھے مقلد ہیں اور اُس کی تمدنی ترقی سے جن کی نگاہیں خیرہ ہو چکی ہیں جن کے ذہن و قلب اُس خدا نا آشنا تہذیب سے مرعوب ہیں۔ پھر یہ لوگ مسلمان ہوتے ہوئے بھی اپنے دین کی تعلیمات سے کوسوں دُور ہیں۔ وہ بھی اسی المیہ اور کرب میں مبتلا ہیں کہ جس اولاد کو بڑے لادِ پیار سے پالا پوسا تھا۔ اعلیٰ تعلیم دلوائی تھی۔ جس کے لئے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا تھا ان میں سے بھی اکثریت کو مکافاتِ عمل کے اسی قاعدے سے سابقہ پیش آتا ہے کہ جیسا بوڑھے ویسا کالو گئے۔ یہ لوگ بھی اولاد کی شکل دیکھنے کو ترستے ہیں اور یہ حسرت لئے ہوئے دُنیا سے رخصت ہوتے ہیں کہ اُن کی اولاد بڑھاپے میں اُن کے پاس بیٹھے، اُن کو کچھ وقت دے اور اُن کی دلجوئی کرے۔ جب ماں باپ کے ساتھ یہ ناروا رویہ و سلوک ہو تو بھلا قرابت داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اُن کے حقوق کی ادائیگی کا کیا سوال! یہ ہے ہدایتِ ربانی کو پس پشت ڈالنے کی نقد سزا جو دُنیا ہی میں بھگتنی پڑتی ہے۔ آخرت میں دائمی طور پر ایسے لوگ جس دردناک انجام سے دوچار ہونے والے ہیں، وہ علیحدہ ہے:

**سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ کی آیت** | روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ نکاح میں نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ————— سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ کی اس آیت کی بھی قرأت فرماتے تھے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ** (آیت مغلطہ) ”اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ (دُعا) اختیار کرو جیسا کہ اُس کا تقویٰ اختیار کرنے (اُس سے ڈرنے) کا حق ہے، اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم

اللہ کے) فرمانبردار ہو!“

غور فرمائیے ! کہ اس آیت میں بھی اہل ایمان کو اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اس حکم کو مؤکد کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تقویٰ بھی معمولی تقویٰ مطلوب نہیں بلکہ تقویٰ پوری حدود و قیود کے ساتھ مطلوب ہے۔ ”حَقُّ تَقْوٰیہ“ نان والا تقویٰ دیکار ہے۔ ہم اور آپ تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر سے سرسری یا پر گزر جاتے ہیں۔ ہمیں خیال ہی نہیں آتا کہ یہ حکم ہم سے کیا مطالبہ کر رہا ہے۔ لیکن صہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب یہ آیت سنی تو وہ لرز اٹھے۔ وہ جانتے کہ تقویٰ کا اصل حق ادا کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی علیہ وسلم سے فریاد کی کہ ہم تو مارے گئے۔ ہم میں سے کون ہوگا جو تقویٰ کا پورا حق ادا کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنین صادقین کی دلجوئی اور اطمینان کے لئے سورہ تغابنؑ وضاحت فرمائی کہ : فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (آیت ۱۶) یعنی انسان حد استطاعت تک ہی مکلف ہے۔ انسان خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تقویٰ کی رو اختیار کرنے کی سعی کرتا رہے۔ شعوری طور پر اس کی نافرمانی سے محض رہے تو بر بندہ بشری اس سے جو بغزشیں ہوں گی ان کو اللہ تعالیٰ اپنی شانِ عظامی و رحیمی کے طغیا فرما دے گا۔ لیکن کس کو کتنی استطاعت ملی ہے، اس کا فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا۔ اگر اس مناظر میں مبتلا ہو گیا کہ مجھ میں فلاں فرائض دینی انجام دینے کی استطاعت ہی تو جان بھیجے کہ یہ شیطانی وسوسہ ہے اور ایسے شخص کو آخرت میں سخت ترین محاسبہ سا بقہ پیش آکر رہے گا، اور ایسا شخص انجام کے لحاظ سے سخت خسارے میں رہے گا۔ خطبہ نکاح کے موقع پر اس آیت کی قرأت کی حکمت باری تامل سمجھی جاسکتی۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث آپ کو سنا چکا کہ : دَا سَ الْحِكْمَةُ مَعَ اللّٰهِ دِيزَیْنِ عَرَضَ حِکْمَا کہ ایک بندہ مومن جادہ حق پر تقویٰ کے بغیر قائم رہ ہی نہیں مزید یہ کہ ہمارے دین میں تقویٰ کا جو مفہوم ہے وہ حضرت ابی ابن کعبؓ کے حوالے بھی بیان کر چکا۔ ان تمام امور کو سامنے رکھئے اور پھر غور کیجئے کہ خاندانی اور عائلی زندگی تقویٰ ایک مسلمان کے لئے کتنی عظیم اہمیت کا حامل ہے۔ لہذا خطبہ نکاح کے موقع پر تقویٰ اختیار کرنے کی نصیحت ایک ذی ہوش اور باشعور انسان کے لئے مشعل راہ بن سکتی

اور اُس کو زندگی کے اُس نئے دائرے میں قدم رکھتے ہی یہ احساس ہو جاتا ہے کہ کتنی مجاہدی ذمہ داریوں کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آ رہا ہے اور اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ زندگی کی اس نئی راہ کے لئے اُس کا اصل زادِ سفر اگر کچھ ہے تو وہ اللہ کے تقویٰ کے سوا کچھ نہیں۔

اُس کے چلے ! اسی آیت کے اختتام پر فرمایا کہ : وَلَا تَعْمَلُوا فَاكًا وَلَا تَمُوتُوا مُسْلِمِينَ

زندگی کے سفر میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کتنی مہلتِ عمر لے کر آیا ہے۔ لہذا آیت کے اس حصہ میں یہ لطیف حقیقت بھی واضح فرمادی کہ اللہ کا تقویٰ صرف عارضی اور وقتی طور پر مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ساری زندگی کا معاملہ ہے۔ اسی تقویٰ اور فرمانبرداری کی روشنی پر جینا اور مرنے کا یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ ابھی تو جوانی اور شباب کا عالم ہے، مشکوٰۃ اور ولولوں کا زمانہ ہے۔ لہذا اب تو دل کے ارمان اور چاہت نکالنے کا دور ہے نہیں برگز نہیں ! تم کو کیا معلوم کہ قضاءِ الہی کب آجائے اور کب مہلتِ عمل ختم ہو جائے۔ لہذا زندگی کے ہر لمحے کو خدا کی فرمانبرداری اور اطاعت میں گزارنے کا عزم مصمم رکھو، اور تابعداری کی روش ہمہ وقت اختیار کئے رکھو۔ تاکہ جب بھی موت کا فرشتہ آئے اور وہ اچانک بھی آسکتا ہے۔ تو اُس وقت بھی تم متقی اور فرمانبردار ہو اور اسی حال میں آخرت کی منزل کی طرف رحلت کرو، جو ہر انسان کی حقیقی زندگی کا دائمی گھر ہے : فَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَاتِ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ (سورہ عنکبوت ۶۴)

**سورۃ الاحزاب کی دو آیات** | روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ نکاح کے آخر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ الاحزاب کی ان دو آیات کی قرأت فرمایا کرتے تھے : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَفَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ تَصْلَحْ لَكُمْ أَعْمَالُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ دُنُوبَكُمْ ۝ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝ (آیات ۷۰، ۷۱) : اے ایمان والو ! اللہ کا تقویٰ (ڈر) اختیار کرو اور اُردست بات کہنا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سداۃ دے گا اور تمہارے قصوروں سے درگزر فرمائے گا۔ اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرے تو اُس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کی !۔ غور کا مقام ہے کہ یہاں بھی پہلی آیت کے آغاز میں اُسی تقویٰ کے اختیار کرنے کے حکم کا اعادہ ہے جو سورۃ النساء کی پہلی آیت میں دوبارہ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۲ میں حَقُّ تَقَاتٍ کی تاکید کے ساتھ ایک بار اچکا ہے۔ اب اس

آیت میں اس کا پھر اعادہ ہو رہا ہے۔ اس سے ہر مسلمان بالخصوص اس دُورِ ہا کو بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز کر رہا ہوتا ہے کہ گھر گھر سہنی کے معاملات میں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کو ہر لمحہ، ہر لحظہ اور ہر قدم پر ملحوظ رکھنا کتنا ضروری ہے گویا اعلیٰ زندگی کی مسرت و راحت اور سکون و اطمینان کا انحصار ہی تقویٰ کی روش پر ہے جس کے بغیر یہ متبادل زندگی باعثِ راحت اور شادمانی ہونے کے بجائے باعثِ کلفت و پریشانی بن سکتی ہے۔ اسی آیتِ کرمیہ میں دوسرا حکم ہے: **وَقُولُوا اقْوَالًا سَدِيدًا** : ”اور بات کرو درست اور سیدھی“۔ میں منہ سے نکلنے والی بات کی اہمیت کا اپنی تقریر کی ابتدا میں اجمالاً ذکر کر چکا ہوں۔ اب اس موقع پر اس حکمِ ربّانی کی حکمت کی تفہیم کے لئے مجھے قدرے تفصیل سے کچھ عرض کرنا ہے۔

**زبان (قول) کا ہمارے معاشرے سے تعلق** | آپ یقیناً اس بات سے اتفاق کریں گے کہ بین الانسانی معاملات میں اکثر و بیشتر زبان کا غلط استعمال بہت سے فتنوں کو جنم دیتا ہے۔ انسانی تعلقات میں نفرت اور بیرکائیج بونے اور پھر اُس کو نشوونما دینے اور دلوں میں نہر گھولنے میں زبان کے غلط استعمال کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو **خَصَائِدُ الْاَلْسِنَةِ** سے تعبیر کیا ہے۔ یہ زبانوں کی کھیتیاں ہیں، جو کاٹنی پڑتی ہیں۔ زبان آپ کے قابو میں نہ ہو اور اُس کا غلط استعمال ہو تو سب بات بہت سی خرابیوں، بُرائیوں اور تعلقات میں بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ عربی کی کہاوت ہے کہ: ”تلوار کے زخم مُندِل ہو جاتے ہیں۔ لیکن زبان کا زخم مُندِل نہیں ہوتا! اہم میں سے ہر ایک کو کچھ نہ کچھ تجربہ ہوگا کہ اس کہاوت میں بڑی صداقت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جسمانی زخم بھر جاتے ہیں، لیکن زبان کے گھاؤ کا بھر جانا اور مُندِل ہو جانا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ چونکہ زبان کا گھاؤ براہِ راست دل پر جا کر لگتا ہے، جس کے اندام کا کوئی سوال ہی نہیں۔ شوخ اور بیوی، ساس اور بہو اور اعزہ و اقارب کے مابین جو پیچیدہ اور لاینحل مسائل و تنازعات کھڑے ہو جاتے ہیں، اُن کا جب تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اُن میں سے اکثر کی اصل جڑ اور بنیاد زبان کا غلط استعمال ہوتا ہے۔ بین الانسانی معاملات میں قولاً سدیداً اور قولِ حَسَن کی اہمیت اس بات سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل سے لئے جانے والے جس عہد و پیمان اور عیثاق کا ذکر ہے، اس میں زبان کا

صحیح استعمال بھی شامل ہے۔ چنانچہ فرمایا :

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ  
لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَعَالَى وَالْوَالِدِينَ  
إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ  
وَالْمَسْكِينِ وَتُقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا  
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

یاد کرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا  
تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریا۔ ماں سے  
باپ کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ اور  
یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک اور  
لوگوں سے دُست اور اچلی بات کہنا۔ منانہ  
قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔

(آیت : ۸۳)

زبان کے غلط استعمال کی ممانعت | معاشرتی زندگی کو صحیح خطوط

پر استوار کرنے کے لئے سورۃ الحجرات میں بھی بڑے تفصیلی احکام دیئے گئے ہیں اور ان تمام  
مفاسد کے السداد کے لئے ہدایات دی گئی ہیں، جو ایک خاندان اور معاشرے میں بگاڑ کا  
سبب بنتے ہیں، ان تمام مفاسد کا تعلق زبان اور قول ہی سے ہے۔ وہاں فرمایا :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْخَرُوا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا  
مِنْ قَوْمٍ مِمَّنْ هُمْ أَقْوَمُ مِنْكُمْ وَلَا

اے ایمان والے! نہ مرد دوسرے مرد کا مذاق  
اڑائیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔  
اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں  
ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔  
ایسے میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ  
ایک دوسرے کو بُرے القاب سے یاد کرو۔ ایمان  
لانے کے بعد برائی کا زبان پر آنا بھی بہت ہی  
بُری بات ہے۔ جو لوگ اس روش سے باز نہ  
آئیں، وہ ہی ظالم ہیں ۝

(آیت ۱۱)

اسی سورت کی اگلی آیت کے درمیان غیبت سے منع کیا گیا اور اس فعل کی شاعت کو ظاہر  
کرنے کے لئے وہ تشبیہ دی گئی جس سے زیادہ دل میں کراہت پیدا کرنے والی کوئی تشبیہ نہ ممکن  
ہی نہیں، فرمایا : وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا يَعْذَرُ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ  
مِثْلَ خُرْشُومِهِ ۝ (آیت : ۱۲) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تھلے اندر  
کوئی ایسا بھی ہے، جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا؟ اس سے تو تم خود گھن کھاؤ گے؟



خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ان آیات میں جن باتوں سے روکا گیا ہے اُن کا تعلق زبان ہی سے ہے۔ کسی کا تسخر کرنا ہو، مذاق اڑانا ہو تو اس کا صدور بھی اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ ویسے اس میں کسی کی نقل کرنا، کسی کی صورت یا لباس یا کسی کام پر ہنسنے، یا کسی کے نقص یا عیب کی طرف لوگوں کو اس طرح توجہ دلانا کہ لوگ اس پر ہنسیں۔ یہ سب بھی مذاق اڑانے میں داخل ہیں، لیکن مذاق اڑانے کا بیشتر تعلق زبان ہی سے ہے۔

آگے فرمایا: وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ ”آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے پر عیب لگاؤ“۔ لفظ ”لَمَزَ“ بڑا وسیع المعانی لفظ ہے۔ اس کے مفہوم میں طعنہ زنی کرنا، چوٹیں کرنا، بھبتیاں کسنا، الزام لگانا، اعتراض جرح کرنا اور عیب چینی کرنا یہ سب افعال شامل ہیں۔ آگے فرمایا: وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ ”کسی کو بُرے لقب سے مت پکارو“ کسی کو ایسا لقب دینا جس سے اُس کی تذلیل ہوتی ہو مثلاً کسی کو بڑھانے کے لئے کوئی نام رکھ دیا جس کو عرف عام میں ”چڑ“ کہتے ہیں۔ کسی کو بونا کہہ دیا جس کو ننگرہا، لولا، کانا اور اندھا، بہرا کہہ دیا کسی کو اُس کے اپنے یا اُس کے ماں باپ یا خاندان کے کسی حقیقی یا غیر حقیقی عیب یا نقص سے منسوب کر دیا، یا کسی کو مسخر آمیز اور مضحکہ خیز نام سے موسوم کر دیا۔ ایسے سب افعال تنابز بالالقباب میں شمار ہوں گے۔ غیبت کو اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے سے تشبیہ دے کر اُس کی شاعت فاحشہ کی گئی ہے غیبت پیڑھے پیچھے کی جاتی ہے اور جس طرح مردہ بھائی کے گوشت کھانے اور نوچنے پر وہ اپنے دفاع پر قادر نہیں ہوتا، اسی طرح وہ بے چارہ جس کی غیبت کی جارہی ہوتی ہے، اس غیبت سے بالکل بے خبر ہوتا ہے اور اسے معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کہاں اور کس نے اُس کی عزت و توقار کو مجروح کیا ہے۔ اور اس طرح وہ بھی اپنے دفاع سے قاصر ہوتا ہے۔

مزید غور سے دیکھئے کہ ایسے تمام افعال ”فَسْق“ کا نام زبان پر لانا ”قرار دیا گیا ہے۔ فسق دین کی اصطلاح میں اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی حدود سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ ایمان لانے کے بعد ایسے کام کرنا عدالتِ الہی میں فسق میں نام پیدا کرنا قرار پائے گا: بِئْسَ اِذَا سَمِعَ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ط۔ سورہ حجرات کی ان آیات میں جن برائیوں کا گناہوں کے لئے نواہی (اجتناب کرنے، بچنے، رُکنے) کے احکام آئے ہیں۔ یہ خرابیاں وہ ہیں جن کے ارتکاب کا ہمارے معاشرے بالخصوص مجلسی اور گھر بیو زندگی میں بڑا چلن ہے کھانے

سے دسترخوان پر چند لوگ جمع ہوں تو ماکولات کے ساتھ جو لذیذ ترین ڈش ہوتی ہے وہ یہی ہینولز، تنابزر بالاقاب، مسخرو استہزار اور غیبت ہوتی ہے۔ عورتیں اس مرض میں زیادہ مبتلا نظر آتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب بھی چند عورتیں جمع ہوں گی تو ان ہی برائیوں کا ارتکاب ہوگا۔ کسی کا چڑاؤ نام رکھ چھوڑا ہے، کسی کو طعنہ دے دیا ہے، کسی کا مذاق اڑا دیا ہے، کوئی چٹکتا ہوا فقرہ کس دیا ہے، کسی کی چٹکی کھائی ہے۔

عام طور پر اس قسم کی باتیں خوش گپیوں کے لئے *Light Mood* میں بھی کہی جاتی ہیں اور اکثر آدمی ان کو سنیں کر ٹال بھی دیتا ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہو، اُس کی اُس وقت ایسی ذہنی و نفسیاتی کیفیت ہو کہ یہ بات اُس کے دل پر چرکا اور گہرا داغ لگانے کا سبب بن جائے اور ایسا گھاؤ ڈال دے، جس کا اندھا مال ممکن ہو۔ زبان کے غلط استعمال کے بُرے نتائج جیسا کہ میں عرض کر چکا کہ گھر بھر گھروں اور زن و شو کے تنازعات کا جب بھی تجزیہ کیا جائے گا، تو اکثر اس میں زبان کے غلط استعمال کی کار فرمائی نظر آئے گی۔ شوہر نے کسی وقت کوئی طعنہ دے دیا، بیوی نے تنک کر جواب دے دیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ گھر کی فضا مکدر ہو گئی، جو گھر کے اُجڑنے پر بھی منبج ہو سکتی ہے۔ ساس یا نندے کوئی طعنہ یہ بات کہہ دی، بہو کو بُری لگ گئی۔ اگر وہ اُس کو صبر و تحمل سے پی گئی، تو کچھ عافیت ہے۔ لیکن اس کا منہ پھول گیا جو غیر فطری نہیں، یا اُس نے بھی تکی ترکہ جواب دے دیا۔ بہو نے ساس یا نندے کے ساتھ ایسا ہی طرزِ عمل اختیار کیا۔ تو گویا بگاڑ کا بیج پڑ گیا۔ پھر اگر نانا عاقبت اندیشی سے ساس یا نندے کو خود بیوی نے مرد سے لگائی بھائی کر دی اور اس کو جوانی کا جوش آگیا اور اُس نے ہوش سے کام لینے کے بجائے محض جوش میں آکر کسی ایک فریق کی حمایت یا مداخلت میں اُلٹی سیدھی باتیں منہ سے نکالنی شروع کر دیں تو گھرِ رزم کے بجائے رزم گاہ بن جائے گا، گھر کا اطمینان و سکون رخصت ہو جائے گا۔ اگر بات آگے بڑھ گئی، حالات مزید بگڑ گئے تو میچے دالوں اور اعزہ و اقارب تک اس رنجش اور مکدر کے اثرات پہنچیں گے۔ اولاد کی تربیت غلط خطوط پر اور بگاڑ کے ماحول میں ہو گئی اس کے اخلاق متاثر ہوں گے اور ان کے صاف و شفاف ذہن بھی لاشعوری طور پر مکدر ہونے شروع ہو جائیں گے۔ ان تمام خرابیوں سے بچنے اور محفوظ رہنے کا قرآن حکیم یہ عللِ حقوہ فرمایا ہے کہ : **وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا** اظہارِ زبان کو قابو میں رکھو اور منہ سے درست اور

صحیح بات نکالو۔ اسی طرزِ عمل میں عافیت و خیریت سے، اسی میں گھر کا اطمینان اور سکون مقرر ہے۔ یہی سَوِ بیماریوں اور خرابیوں کا شافی علاج ہے۔

**نبی اکرمؐ کی بد آیات** | میں چاہتا ہوں کہ زبان کو احتیاط سے استعمال کرنے کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ بھی آپ کو سنا دوں۔ جس سے آپ کو اور خاص کر دولہا اور اُس کے اعزہ و اقارب کو معلوم ہو جائے کہ زبان کے درست استعمال میں کیا خیر ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے کیا بشارت ہے۔ اور زبان کے غلط اور غیر محتاط استعمال کی کیا خرابی ہے اور ایسے لوگوں کے لئے عقوبت کی کیا وعید ہے۔ !

پہلی حدیث صحیح بخاری کی ہے جو قرآن مجید کے بعد اہل سنت کے نزدیک

صحیح ترین کتاب ہے۔ حدیث یہ ہے :

عَنْ مَسْعُودِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَيْسَ مِنْ بَيْنِ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَمَ لَهُ الْجَنَّةَ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مجھے (اُن دو چیزوں کی) ضمانت دے جو اُس کے دو گالوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور جو اُس کی دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرِ گم)

تو میں اُس کے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ !!

ہم سب کے لئے اور خاص طور پر دولہا کے لئے اس حدیث میں بڑا سبق ہے۔ نبی اکرمؐ نے زبان کے صحیح استعمال کرنے اور جنسی تقاضے کو جائز طور پر پورا کرنے والے کے لئے جنت کی ضمانت اپنے ذمہ لی ہے !

دوسری ایک طویل حدیث ہے جس کے راوی ہیں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ

اور جس کو امام احمد بن حنبل، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین اپنی آپ کتبِ احادیث میں درج کیا ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ یہ طویل حدیث ہے جس میں حضرت معاذ ابن جبلؓ کے اس سوال پر کہ اے اللہ کے رسولؐ ! مجھے ایسے عمل کی دیجئے جو مجھے کو جنت میں داخل کر دے اور آگ سے دُور رکھے۔ اس سوال کے جواب : نبی اکرمؐ نے دین کے تمام اُمورِ مہمات کی تعلیم دی جن میں توحید کے ساتھ اللہ کی عبادت اطاعت، اقامتِ صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ، صومِ رمضان، حج بیت اللہ کے فرائضِ دینی،

شامل ہیں۔ نفلی روزے اور صدقے اور نوافل بالخصوص تہجد کے فضائل بیان فرمائے اور دین کی بلند ترین چوٹی اور اعلیٰ ترین نیکی (HIGHEST VIRTUE) جہاد فی سبیل اللہ کو قرار دیا گیا ہے۔ ان امور کی تعلیم کے بعد حضورؐ نے جو آخری ارشاد فرمایا اس کا چونکہ میرا اس گفتگو سے براہ راست تعلق ہے۔ لہذا میں اس کو متن کے ساتھ پیش کرتا ہوں، حضورؐ نے فرمایا: ———— !!

پھر (نبی اکرمؐ نے) فرمایا (اے معافی کیا میں	ثُمَّ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَلَدٍ
تجھ کو نہ بتلاؤں وہ بات جس پر اس (دخول	ذَلِكُمْ كُلُّهُ قُلْتُ بَلٰی يَا نَبِیَّ اللّٰهُ
جنت) کا مدار ہے۔ میں نے عرض کیا کیوں	فَاَخَذَ بِلِسَانِهِ وَقَالَ كُفْتُ عَنْكَ
نہیں یا نبی اللہ! پھر حضورؐ نے اپنی زبان	هَذَا فَقُلْتُ يَا نَبِیَّ اللّٰهُ وَارَمٰنَا
پکڑ لی اور فرمایا اس کو تو بند کرے۔ میں نے	لَمَوْا خَذُوْنَ بِمَا نَتَكَلَّمُ مَعِهِ
عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! کیا ہم اس چیز	قَالَ شَكَلْتُكَ اُمُّكَ يَا مَعَاذُ
کے ساتھ پکڑے جائیں گے، جو ہم بولتے ہیں۔	وَهَلْ يَكُفُّ النَّاسَ فِي النَّارِ
فرمایا انہم کرے تجھ کو تیری ماں لے لے معاذ	عَلٰی وَجُوْهِهِمْ اَوْ عَلٰی مَنَاخِرِهِمْ
———— لوگوں کو آگ میں ان کے منہ	اِلَّا حَصَا يَدُ الْاَسْنَتِهِمْ۔

کے بل یا ناک کے بل ان کی زبان کی باتیں ہی گرامیں گی۔ یعنی زبان کی کھیتیاں ہی ہوں گی، جو وہ آخرت میں کاٹیں گے ۛ

**مقامِ عبرت** — ہم نے زبان کے غلط استعمال کو سہی مذاق سمجھ رکھا ہے۔ طعن و تشنیع کو اپنے معمولات میں شامل کر رکھا ہے۔ حالانکہ اس کی ہلاکت خیزیاں اتنی ہیں کہ یہ فعل انسانوں کے تعلقات بگاڑتا ہے۔ اور یہ بگاڑ بسا اوقات قطع تعلقات اور مستقل نفرت و عداوت پیدا کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اور یہ عداوت مستقل شکل اختیار کر لیتی ہے۔ کتنے ہی خاندان ہیں جو زبان کے غلط استعمال سے تباہ ہو جاتے ہیں، کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اُبڑ جاتے ہیں اور وہ معلق ہو کر اپنی جوانی کو ماں کے گھٹنے سے لگ کر گزار دیتی ہیں، کتنے ہی مرد و عورت ہوسے جو بے راہروی اختیار کر لیتے ہیں، کتنے معصوم بچے ہیں جن کی اٹھان غلط رخ پر ہوتی ہے وہ آوارہ ہو کر معاشرے کے لئے بوجھ بن جاتے ہیں۔

ان تمام خرابیوں کا علاج سورہٴ احزاب کی ان دو آیات میں ہمیشہ ہمیش کے لئے

تجويز فرماديا گيا : يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا : ” اہل ایمان ! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور درست بات کہا کرو ۔“ اس تقویٰ الہی اور قولِ سدید کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال درست اور اصلاح یافتہ کرے گا اور تمہاری خطاؤں اور غرضوں کو معاف فرمادے گا : يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ط جو شخص گھر کی زندگی میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اور زبان کا استعمال میں محتاط رہے گا ۔ ظاہر بات ہے کہ زندگی کے دوسرے تمام ہی معاملات میں اس شخصیت میں اس عمل کی برکات کا ظہور ہوگا اور اس کی دورنگی زندگی نہیں ہوگی، جس عام طور پر مشاہدہ ہوتا ہے کہ ایک شخص باہر والوں کے لئے بڑا خوش مزاج، بااخلاق، حلیم شفیق اور خلیق ہے لیکن گھر والوں کے لئے فرعون بے سامان بنا رہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے دورے، دوغلی اور دورنگی زندگی اختیار کرنے والے قطعی ناپسند ہیں ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو گھر والوں، بیوی، بچوں، ماں باپ اور قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کو افضل ترین انسانوں میں سے قرار دیا ہے ۔ چنانچہ امام ترمذیؒ اور امام دارمیؒ نے اپنی اپنی کتب احادیث میں یہ روایت درج کی ہے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ، قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِوَالِدَيْهِ وَآثَارُ خَيْرُكُمْ لِدَاهِلِي؛ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کا اپنے گھر والوں کے ساتھ سلوک بہترین ہے اور میں تم سے اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے بہترین سلوک کرنے والا یہی روایت امام ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے ۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ گھر والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے والوں کا ہمارے دین میں کتنا ارفع و اعلیٰ مقام ہے ۔

اطاعت کے لوازم | سورۃ احزاب کی ان دو آیات سے یہ بات بھی سیکھیں ہے کہ تقویٰ الہی اور قولِ سدید اللہ اور رسول کی اطاعت کے لوازم میں شامل چنانچہ آخر میں فرمایا : وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا : ” اور اس کے رسول کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرنے کا، وہی کامیاب قرار پائے گا اور“

وہ کامیابی حاصل ہوگی جو بڑی عظیم کامیابی ہے!“

حضرات! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ نکاح کے موقع پر جن آیات کی عموماً قرأت فرمایا کرتے تھے۔ میں نے اس مختصر سے وقت میں ان کی شرح اور ان کی حکمتیں عرض کر دی ہیں مجھے توقع ہے کہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس موقع کی مناسبت سے کس قدر اہم ہدایات ہیں جو ان آیات مبارکہ میں بیان ہوئیں۔ اور ان میں ہم سب کے لئے اور خاص طور دوہا کے لئے سودہ تذکیر، نصیحت، ہدایت اور رہنمائی موجود ہے، جن کو زندگی کے ہر معاملہ اور ہر موڑ پر بالخصوص معاشرتی زندگی میں اگر سامنے رکھا جائے تو ان شاء اللہ اس کی برکت سے خاندان بھی خوش و خرم رہے گا۔ اس میں سکون و اطمینان کی فضا قائم و دائم رہے گی، اور اس کا علس ہمارے معاشرے میں مترتب ہوگا۔ جو نظام اسلامی کے نفاذ و قیام اور استحکام میں مدد و معاون ثابت ہوگا۔ جس کے بغیر اسلامی نظام کا نفاذ و قیام بھی مشکل اور اگر ہو بھی جائے تو اس کا مستحکم ہونا مشکوک!

**نکاح سنت رسول ہے!** | حضرات! ہمارے علماء و خطباء خطبہ نکاح میں ان آیات کی قرأت کے بعد احادیث میں سے دو حدیثوں کے دو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی پڑھا کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے بھی وہ ٹکڑے آپ کو سنائے ہیں۔ عام طور پر بعض حضرات ان کو اس طرح پڑھ دیتے ہیں کہ یہ ایک ہی حدیث معلوم ہوتی ہے۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ یہ دو حدیثوں کے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے ہیں، مکمل احادیث نہیں ہیں۔ پہلا ٹکڑا، اُس حدیث کا ہے، جس کو امام ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **النَّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي** ”نکاح میرا طریقہ اور میری سنت میں سے ہے!“ اس میں درحقیقت اس راہبانہ تصور کی نفی اور تردید کی جا رہی ہے جو دنیا میں رائج رہا ہے۔ یہ سہانیت

کا یہ تصور آپ کو عیسائیوں میں بھی نظر آئے گا اور ہندوؤں میں بھی۔ دُنیا کے اور بھی مذاہب میں جیسے بدھ مت، جین مت، ان میں بھی یہ تصور مشترک ملے گا کہ یہ نکاح اور گھر گریہ کی زندگی روحانیت کے اعتبار سے گھٹیا درجہ کی زندگی ہے۔ اس اعتبار سے ان مذاہب میں علیٰ زندگی تجربہ کی زندگی ہے۔ شادی بیاہ کے بندھن کو یہ مذاہب روحانی ترقی کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہیں مرد ہو یا عورت دونوں کے لئے تجربہ کی زندگی کو ان کے ہاں روحانیت کا اعلیٰ وارفع مقام دیا جاتا ہے۔ نکاح کرنے والے ان مذاہب کے نزدیک ان کے

معاشرے میں دوسرے درجہ کے شہری (SECOND RATE CITIZEN) شمار ہوتے ہیں۔ چونکہ شادی بیاہ کے کھکڑ میں پڑ کر انہوں نے اپنی حیثیت گرا دی ہے۔ ہمارے دین میں رہبانیت نہیں ہے [نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تصور کی کامل نفی اور تردید فرمائی ہے، قول سے بھی اور اپنے عمل سے بھی۔ حضورؐ نے فرمایا میرا طریقہ یہ نہیں ہے۔ میں جو دین لے کر آیا ہوں، وہ دین فطرت ہے۔ یہ دین انسان کے کسی بھی طبع اور فطری تقاضے پر کوئی غیر فطری قدغن عاید نہیں کرنا، نہ ہی وہ یہ چاہتا ہے کہ ان تست منوں کو بالکل پھیل دیا جائے۔ اس کے برعکس عباد دین ان فطری تقاضوں کو صحیح رخ پر اور صحیح راستوں پر ڈال دیتا ہے اور صحیح خطوط پر CHANALISE کرتا ہے۔ ان کا جو صحیح مصروف ہے، اس کے لئے اُس نے جائز راہیں متعین کر دی ہیں۔ ان راستوں کو اختیار کرنے میں ہی خود انسان کے لئے اپنی انفرادی سطح پر بھی مہلاتی ہے اور اجتماعیت کے اعتبار سے بھی اسی میں خیر ہے۔ لہذا ان تقاضوں کے پورا کرنے کا جو صحیح، جائز اور مفید طریقہ ہے، اس کے لئے اس نے راستہ کھلا رکھا ہے جیسے کھج-البتہ وہ غلط راستے بند کر رہا ہے جیسے زنا، آزادانہ شہوت رانی کا طریقہ جو فرد کے لئے موجب شر اور معاشرے کے لئے موجب فساد ہوتا ہے۔ اسلام نے رہبانیت کی تعلیم نہیں دی بلکہ رہبانیت سے تاکید منع کیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ اپنی مسند میں روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ ط: ”اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ہے۔“۔ یہاں جو لام استعمال کیا گیا ہے، وہ عربی کے قاعدے کے مطابق لام نفی جنس کہلاتا ہے۔ جس کا مطلب ہوا کہ ہر قسم کی رہبانیت کی نفی ہو گئی۔ یہی بات میں دوسری طویل حدیث میں واضح طور پر آپ کے سامنے بعد میں پیش کروں گا جس کا آخری ٹکڑا یہ ہے کہ: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي۔ ”جو میری سنت کو ناپسند کرے اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں!“

ایک اہم احتیاط جو ہم سب کو ملحوظ رکھنی ضروری ہے [میں چاہتا ہوں کہ اس موقع پر اس اہم بات کی طرف بھی توجہ دلاؤں جو عام طور پر دوسرے مذاہب کے زیر اثر چاہے وہ ہندوانہ تصورات ہوں یا عیسائیوں کے خیالات۔ ہمارے اکثریت کے ذہنوں میں بھی بیٹھ گئی ہے اور وہ یہ کہ شادی نہ کرنا اور تجرد کی زندگی بسر کرنا واقعی کوئی اعلیٰ اور رفیع

نیکی ہے۔ چنانچہ عام طور پر بعض بزرگوں کے تذکرے میں ہماری زبانوں پر یہ الفاظ آجاتے ہیں کہ فلان بزرگ بڑے ہی اللہ والے اور عابد و زاہد تھے، انہوں نے زندگی بھر شادی ہی نہیں کی گویا اس بزرگ کا شادی نہ کرنا ایک قابلِ مدح و تعریف کام قرار پایا۔ اب آپ خود سوچئے کہ اس بات کی زد غیر محتاط انداز اور غیر شعوری طور پر کہاں پڑ رہی ہے۔ گ: ناوک نے ترے صید نہ چھوڑا زمانے میں!۔ اس کی زد پڑ رہی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ اگر شادی نہ کرنا اور تجربہ کی زندگی بسر نہ کرنا کوئی قابلِ تحسین کام ہے، کوئی اعلیٰ وارفع عمل ہے، زُہد، عبادت اور نیکی کا کوئی بلند تر مقام ہے، تو فَوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ۔ نبی اکرمؐ تو اس سے محروم تھے۔ لہذا یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ ہمارے لئے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس قسم کی بات کو نیکی اور مدح و تعریف کے طور پر زبان سے کبھی نہ نکالا جائے۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ جس نے نکاح نہ کیا ہو تو اس کے خلاف کوئی فتویٰ ہی دے دیا جائے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی حقیقی مجبوری ہو، حالات شادی کی اجازت نہ دیتے ہوں۔ یہ بالکل دوسری بات ہے۔ لہذا ایسے بزرگوں پر تنقید کی زبان کھولنا بھی صحیح نہیں ہوگا۔ البتہ جو احتیاط ضروری ہے وہ یہ کہ تجربہ کی زندگی کی مدح ہرگز نہیں ہونی چاہیے۔ اس لئے کہ نبی اکرمؐ کا فرمان یہ ہے کہ: ”النَّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ“ اگر اس کے برعکس رُوش کو آپ نے مقامِ مدّت قرار دیا اور اس کو نیکی کا کوئی اعلیٰ کام سمجھا تو اس میں نبی اکرمؐ کے لئے قدح کا پہلو نکل آئے گا اور ہمارا ایمان زائل و اعمال حبط ہو جائیں گے۔

دوسری حدیث کا آخری ٹکڑا جو میں آپ کو سنایا کہ: ”فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ“ وہ اسی: ”النَّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ“ کا لازمی نتیجہ ہے۔ نبی اکرمؐ کی امت میں

شامل ہونے کا لازمی تقاضا اور نتیجہ یہ نکلنا چاہیے کہ ہر امتی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رقیہ اور سنتِ عزیز ترین اور محبوب ترین ہو۔ اگر وہ کسی سنت پر عمل کرنے سے معذور و بور اور قاصر ہو تو اس کو طول و معنوم ہونا چاہیے، اس کو اپنی بد نصیبی سمجھنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ حضورؐ کی سنت کو ناپسند کرتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا تعلق حضور اکرمؐ سے نہیں ہے، چاہے وہ ایمان کا مدعی ہو۔ زبانی طور پر اس کے عشقِ رسولؐ کے بڑے بڑے دعوے ہوں، کتنا ہی وہ غلامِ نبیؐ بنا پھرتا ہو، لیکن اگر اُسے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند ہے اور وہ اُسے کسی درجہ میں بھی لائقِ التفات نہیں سمجھتا تو اس کے عشقِ رسولؐ کے تمام دعوے



جھوٹے اور باطل ہیں۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے : فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي کا۔۔۔!!

یہاں یہ بات بھی سمجھ لی جائے تو مناسب ہے کہ عربی میں لفظ رغبت جب الیٰی صلتے (PREPOSITION) کے ساتھ آتا ہے تو اس کے معنی کسی چیز کو پسند کرنا اس کی طرف میلان طبع ہونا اور رغبت ہونا ہوتا ہے۔ رَغِبَ الیٰی کے معنی یہی ہوتے ہیں اور لفظ رغبت اردو میں اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عربی میں جب یہ لفظ عن کے صلتہ کے ساتھ آئے گا۔ رَغِبَ عَنْ تو اس کے معنی کسی چیز کو نا پسند کرنے اور کسی چیز سے نفرت اور روگردانی کے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث کے اس ٹکڑے میں رَغِبَ عَنْ استعمال ہوا ہے۔ لہذا اس کا مفہوم کسی چیز یا کام کو نا پسند کرنا، اور اس سے نفرت و روگردانی کرنا ہوگا۔

رشد و ہدایت کی صراطِ مستقیم | حضرات! اب میں چاہتا ہوں کہ آپ کو وہ حدیث مع ترجمہ مکمل طور پر بھی سنا دوں جس کا آخری ٹکڑا ہے : فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي ! اس حدیث میں ہم سب کے لئے رشد و ہدایت اور دین کے مطابق معتدل و متوازن زندگی کی صراطِ مستقیم کی طرف کامل رہنمائی موجود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے یعنی اس کی صحت پر امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ علیہما متفق ہیں اور اہل سنت کے نزدیک ایسی احادیث کا مقام بلند ترین قرار پاتا ہے : حدیث یہ ہے :

انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے پاس تین آدمی آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے متعلق پوچھا، جب ان کو خبر دی گئی۔ انہوں نے اس کو کم ہانا اور کھنصنا ہماری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پیسے اور بچھے گناہ بخش دیئے ہیں۔ ایک کہنے لگا میں ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ دن کو روزہ رکھوں گا اور افطار

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ جَاءَ ثَلَاثَةٌ رَهْطًا إِلَى أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَخْبَرُوا بِهَا كَانَتْهُمْ ثَقَالُهَا فَقَالُوا أَمِينَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ فَقَالَ أَحَدُهُمْ أَمَا أَنَا

فَأُصَلِّيَ اللَّيْلَ أَبَدًا وَقَالَ الْاِخْرُ  
 اَنَا اَصُومُ الشَّهْرَ أَبَدًا وَكَ  
 اُطْعِمُ فَقَالَ الْاِخْرُ اَنَا اَعْتَقِلُ  
 النِّسَاءَ فَكَ اَتَزَوَّجُ أَبَدًا فَجَاءَ  
 النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 إِلَيْهِمْ فَقَالَ أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ  
 كَذًا وَكَذَا أَمَا وَاللَّهِ إِنْ خِصِي  
 لَا خَشْيَةَ لِلَّهِ وَآتَقَلُّمُ لَهُ الْكَلِمَ  
 اَصُومُ وَأُطْعِمُ وَأُصَلِّي وَأَقْدُ  
 وَآتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ رَغِبَ  
 عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي -  
 (مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ)

نہ کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے  
 الگ رہوں گا، کبھی نکاح نہ کروں گا۔ نبی  
 صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس آئے پس فرمایا  
 تم نے ایسی ایسی باتیں کہی ہیں۔ خبردار اللہ کی  
 قسم میں تمہاری نسبت اللہ سے بہت ڈرتا  
 اور تقویٰ کرتا ہوں، لیکن میں روزہ رکھتا  
 بھی ہوں، افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا  
 ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور عورتوں سے  
 نکاح بھی کیا ہے۔ جس نے میرے طریقے سے  
 اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے -  
 (متفق علیہ)

**نکاحات فکر سے** | آخر میں، میں یہ عرض کرنا اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ صرف  
 نکاح ہی سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان احادیث سے معلوم ہوا جو میں نے سنائیں۔ جن سے  
 یہ بات ہمارے سامنے بصرحت آگئی ہے کہ یقیناً نکاح سنت رسول ہے۔ لیکن قرآن حکیم نے  
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیات مبارکہ امت کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔  
 جُؤئے فرمان الہی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (سورۃ احزاب ۲۱)  
 معلوم ہوا کہ نبی اکرم کی پوری زندگی ہمارے لئے بحیثیت مجموعی سنت کا مقام و مرتبہ رکھتی  
 ہے۔ لہذا ہمیں اس پر ہرگز مطمئن نہیں ہونا چاہیے کہ نکاح کی سنت ہم نے ادا کر دی اور  
 پھر حضور کے اس فرمان مبارک کی بھی تعمیل کر دی کہ: اَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوهُ  
 فِي الْعُسْجِدِ: ”نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اُسے مسجدوں میں منعقد کرو“ ٹھیک ہے  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان سنتوں کی ادائیگی کی جن کو توفیق و سعادت ملی، وہ  
 قابلِ مبارکباد ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی غور کرنا ہوگا کہ زندگی کے بقیہ معاملات میں سنت  
 کے نقل سے کیا ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ کیسے ہے۔ دین کے تمام تقاضوں  
 کو پورا کرنے اور نبی اکرم کی تمام سنتوں کی ادائیگی کا فکر و اہتمام کرنے ہی میں دراصل ہماری

دُنیوی و اخروی صلاح و نلاج اور نجات کا دار و مدار ہے جیسا کہ سورہ احزاب کی آیت کے آخر میں فرمایا کہ : وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم قرآن مجید میں کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ موقع نہیں ورنہ یہ آپ کو ان میں سے چند آیات سُناتا۔ پس اتنا جان لیجئے کہ اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ چنانچہ نبی اکرم نے فرمایا : مَنْ اطَاعَنِي فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ جس نے میری اطاعت کی درحقیقت اُس نے اللہ کی اطاعت کی اے سورہ آل عمران میں سنت رسول کے اتباع کا مقام اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر متعین فرمادیا ہے ، اور اہل ایمان کے ساتھ اپنی محبت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ کامل کے اتباع کے ساتھ مشروط کر دیا ہے : فرمایا : قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوْنِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيْمٌ (آیت ۳۱) (اس نبی!) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر فرمائے گا، اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے اے۔ یہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے کہ اللہ سے محبت کے دعوے کی اصل کسوٹی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع، حضور اکرم کی پیروی، آنحضور کی سنتوں کی ادائیگی کا اہتمام ہے۔ اور اس طرز عمل کا مقام یہ ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے گا، اور اُن سے جو غلطیاں اور کمزوریاں بر بنائے بشری سرزد ہوئی، اللہ اُن کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے، رحیم بھی۔

پس معلوم ہوا کہ زندگی کے ہر گوشے اور ہر معاملے میں سنت رسول کی پیروی لازم۔ نکاح بھی حضور کی سنت ہے۔ لیکن معاملہ یہاں ختم نہیں ہوگا۔ دعوت و تبلیغ دین ہم حضور کی سنت ہے۔ لوگوں تک قرآن کا پیغام اور اس کی دعوت پہنچانا بھی حضور کی سنت۔ فرائض پنجگانہ کی وقت پر صحیح آداب و شرائط کے ساتھ ادائیگی بھی سنت ہے۔ مجاہد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لوگوں پر دین کی بُت قائم کرنا بھی سنت ہے۔ دین حق کو عملاً قائم کرنے کی جدوجہد کرنا اور اس کا میں اپنا جان و مال لگانا، اپنی توانائیاں صرف کرنا بھی سنت رسول اللہ ہے۔ معصیت ہر ترغیب تخریب سے بچنا اور پوری زندگی میں چاہے وہ سیاست ہو، تجارت ہو، مذہب انتظام ہو، بین الاقوامی اور بین الانسانی تعلقات و معاملات ہوں۔ ان سب کو قرآن

کی ہدایات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ حسنہ کے مطابق انجام دینا بھی سنت ہے۔ شادی بیاہ کی تقاریب کو صرف مسجد میں نکاح کے انعقاد تک محدود رکھنا ہی سنت نہیں بلکہ اس معاملے میں یہ دیکھنا بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ شادی بیاہ کے سلسلہ میں ہم کون کون سی ایسی رسومات کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ جن کا اللہ کے دین اور نبی اکرم کی سنت سے نہ صرف یہ کہ کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ سراسر غیر اسلامی اور خلاف سنت ہیں۔

حرفِ آخر حضرات! چند سال قبل سے مجھے احباب و رفقاء کے شدید تقاضے پر متعدد احباب کے یہاں شادی کے موقع پر نکاح پڑھانے کا اتفاق ہوا۔ میرا شروع ہی سے یہ معمول رہا کہ خطبہ نکاح کی غرض و غایت اور حکمت پر میں تقریر ضرور کیا کرتا تھا، جس میں ان آیات و احادیث کی تشریح بھی ہوتی جو نکاح کے خطبہ مسنونہ میں پڑھی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی مروجہ رسومات پر بھی تنقید ہوتی اور اصلاح کے لئے کچھ مشوروں، اور نصیحتوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ نومبر ۱۹۸۷ء میں اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد سلمیٰ کی شادی کے موقع پر میں نے طے کیا کہ جن اصلاحات کی طرف میں لوگوں کو متوجہ کراتا ہوں ان پر خود عمل کر کے دکھاؤں ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ع۔ ”یا سراپا نالہ بن جا، یا نوا پیدا نہ کر!“ چنانچہ پنجاب میں شاید یہ پہلی شادی تھی جو بھٹیٹ سنت نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق انجام پائی۔ نکاح مسجد میں منعقد ہوا اور ان تمام رسومات سے اجتناب اختیار کیا گیا جو غیر اسلامی ہی نہیں بلکہ غلط ہندوانہ ہیں۔

میں نے سکھ کے اواخر ہی میں ’میشاق‘ میں لکھا تھا کہ کراچی میں بعض تہارت پیشہ برادریوں میں نکاح کی مجالس کا مسجد میں انعقاد کا معمول کافی عرصہ سے جاری ہے۔ تعجب کی بات ہے کہ کراچی سے جس برائی کا آغاز ہوا ہے لاہور یا پنجاب کے دُور دراز گوشوں تک پہنچنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ لیکن ایک بھلا کام جو وہاں عرصے سے ہو رہا ہے۔ اس کے بارے میں یہاں تا حال سوچا بھی نہیں گیا چنانچہ میں نے اپنے بھائی کا نکاح مسجد میں منعقد کر کے اور تمام غیر اسلامی رسوم سے اجتناب کر کے اصلاحی کام آغاز کر دیا ہے۔ نیز میں نے اس کے ساتھ ہی ’میشاق‘ میں اپنے ان فیصلوں کا بھی اعلان کر دیا کہ میں آئندہ سے :

(ا) کسی بارات میں شرکت نہیں کروں گا چونکہ میرے محدود مطالعہ کی حد تک بارات کا رائج الوقت طریقہ خالص ہندوانہ تصورات پر مبنی ہے۔

(ب) میں نکاح کے موقع پر کسی دعوتِ طعام میں شامل نہیں ہوں گا کیونکہ خیر القریٰ سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ شادی کے ضمن میں لڑکے والوں کی طرف سے دعوتِ ایم مسنون ہے۔ جس کا ثبوت ہی نہیں، بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکید ہی حکم ملتا ہے۔

(ج) کسی ایسی نکاح کی تقریب میں شرکت نہیں کروں گا جو مسجد میں منعقد ہو۔ الحمد للہ والمینۃ! میں اپنے ان فیصلوں پر کاربند ہوں۔ میں آپ حضرات کو غلطی مشورہ دوں گا کہ صرف نکاح کے مسجد میں انعقاد پر اکتفا نہ کیجئے، بلکہ معاشرے سے شادی بیاہ کی ان تمام رسومات کو ختم کرنے کی کوشش کیجئے۔ جن کا اسلام سے سرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، اور جن کا طومار اور بوجھ ہم نے خود اپنے کاندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔ شادی بیاہ کو ان تمام رسوم کا، جن کا ہمارے ہاں رواج ہے، جب بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ ان کی اصل ہندوانہ رسم و رواج ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم اور اسوۂ رسول کے ذریعے ہمارے کاندھوں پر بوجھ اتارے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: **وَيُضِعُّ الْمُنَافِقُ** **إِصْرَهُمْ** **وَأَنْ غُلِّلَ آتِيكَ كَأَنْتَ عَلَيْهِمْ** اور (ہمارا یہ نبی اُمّی) لوگوں پر سے وہ بوجھ اتارے ہے، جو ان پر لڑے ہوئے تھے اور وہ بندشیں کھولتا ہے، جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسانِ عظیم یہ ہے کہ آپ نے دین کو آسان آسان بنا دیا ہے۔ آپ نے ہدایت دی کہ: **لَيْسَ رُؤُوسُكُمْ لَعَنَتُكُمْ**؟ آسانیاں پیدا کرو، مشکلات پیدا نہ کرو!۔ لیکن ہم ہیں کہ مشکل پسند بن گئے ہیں۔ ہم نے شادی بیاہ کی تقریب میں لائق ادا رسومات کو اختیار کر رکھا ہے، جس سے شادی ایک بے انتہا گراں مسئلہ بن گیا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ توارث اور برادریوں کے تعامل سے جو ہندوانہ رسوم ہمارے ہاں جاری تھیں انہیں تو میرٹھ میں ڈاکٹر صاحب موصوف کی پہلی پتی کی شادی ہوئی ہے۔ موصوف نے اپنی پتی کو نہ خود زیادہ حمیزہ دیا اور نہ ہی اعتراف و تقارب اور احباب کی جانب سے دیئے ہوئے تحائف قبول کئے۔ اور نکاح کے بعد پتی کو مسجد ہی سے رخصت کر دیا۔ ان کے ہاں مہمانداری کی کسی نوع کی بھی کوئی تقریب نہیں ہوئی۔ (ج۔ د)

اُن کو چھوڑنے کے لئے ہم تیار نہیں۔ ہندوستان میں جن برادریوں اور خاندانوں نے اسلام کو قبول کیا وہ اپنے ساتھ اپنی رسوم بھی لائے اور ان کو چھوڑنے کے بجائے اُن کے نام بدل دیئے اور ان کو جاری رکھا اور اب تک جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سننے میں آیا ہے اور میں نہیں کہہ سکتا کہ اس بات میں کہاں تک حقیقت ہے کہ قیام پاکستان سے قبل میوقوم میں میوات کے بعض علاقوں میں نکاح کے موقع پر مولوی صاحب اگر نکاح بھی پڑھاتے تھے اور پھر پنڈت جی اگر پھیرے بھی ڈالتے تھے، تاکہ پکا کام ہو جائے۔ آخر نسلاً بعد نسل جو چیز دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی تو اس وجہ سے ان کا اطمینان نہیں ہوتا تھا کہ صرف دو بول سکھ کر ہندو منہ دھ گیا۔ اسی لئے وہ دو لہا د لہن کے کپڑوں میں گرہ لگا کر اگنی کے سات پھیرے بھی گھومتے تھے اور اس طرح ان کو اطمینان ہوتا تھا کہ اب معاملہ مضبوط ہو گیا ہے۔ اس بات پر تو آپ لازم مسکرائیں گے۔ یا اے بہت ہی بعید از قیاس گمان کریں گے۔

لیکن جائزہ لیجئے کہ بعینہ یہی حال ہمارا ہے۔ نکاح حضور کے طریقے پر ہو لیکن بارات کا طومار ہے، جہیز کا انبار ہے، رسومات ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر۔ جو لوگ صاحبِ شہادت ہیں، وہ اپنی دولت و ثروت اور امارت کے اظہار کے لئے پرانی رسموں پر ہی کتفا نہیں کرتے، بلکہ نئی نئی رسوم اور بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں ان کا ذہن بڑا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ ان تمام رسومات کی بنیاد اکرمؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے تعامل میں کوئی بنیاد نہیں۔ کراچی کی بعض برادریوں نے چند اصلاحی اقدامات کئے ہیں مجھے یہ عرض کرنے پر معاف کیا جائے کہ ان اصلاحی اقدامات کا اصل محرک دین کی تعلیمات عمل کرنے کے جذبے سے زیادہ معاشرتی مجبوریات تھیں۔ جن کی بنیاد پر فیصلے کئے گئے کہ نکاح مسجد میں ہو اور بارات کا تصور ختم کر دیا جائے۔ ٹرکی والے کے ہاں دعوت نہ ہو، وغیرہ۔ لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ چور دوازے کھلے ہوئے ہیں۔ بیٹی والا مہندی کی دعوت اور استقبال وغیرہ کے نام سے اب تک پرانی رسوم کو زندہ کئے ہوئے ہے۔ رسم پرستی کا جو بُت دل کے نگھاسن پر برہماں ہے وہ اپنی اطاعت ضرور کرے گا، اور اُس کا کسی نہ کسی طرح ظہور ضرور ہوگا۔ پھر دوسری رسمیں بھی جو اُن کی توں باقی ہیں، بلکہ اُن میں کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔ حالانکہ مارے دین نے صرف ولیمہ کی دعوت کی تاکید کی ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ولیمہ ضرور کیا کرو، اور اُس کو ولیمہ میں بلایا جائے، وہ اس میں ضرور جائے۔ اس کی حکمت پر آپ حب غور کریں گے

تو خود اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شادی بڑے کے والوں کے لئے ہی اصلاً خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ ایک نئے خاندان کی تاسیس ہو رہی ہوتی ہے۔ بڑکی والوں کے لئے بلاشبہ اس لحاظ سے تو خوشی کا مقام ہے کہ وہ بیٹی کے فرض سے سبکدوش ہو رہے ہیں۔ لیکن نگاہ حقیقت میں سے دیکھئے تو بیٹی والوں کے لئے تو یہ بڑی آزمائش کا وقت ہوتا ہے۔ بچی کو پالا پوسا، اُس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا، اور پھر جوان ہونے پر دوسرے خاندان کے حوالے کر دیا۔ ہزار دیکھ بھال لیا ہو، معلومات کئی ہوں، اطمینان کر لیا ہو، لیکن یہ اندیشے پھر بھی لاحق رہتے ہیں اور یہ دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ معلوم آگے کیا ہوگا۔ مزاج ملیں گے یا نہیں، موافقت ہوگی یا نہیں، پتہ نہیں سُسرال والوں کا سلوک کیسا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر بچی کی الوداعی کے وقت ماں کی ہچکیاں لگی ہوتی ہیں، بہنیں بچہ سے کھا رہی ہوتی ہیں، اور باپ اور بھائیوں کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہوتی ہیں۔

میں کہا کرتا ہوں کہ بیٹی والوں کا ایثار دیکھو کہ وہ اپنے تحت جگر کو دوسروں کے حوالے کر رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی بیٹے والوں کا دل نہیں بھرتا اور رسومات کے نام پر ان کے مطالبات کی فہرست کا کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ جہیز ویسے ہی ہندو انہ رسم ہے۔ لیکن پہلے یہ ہمارے ہاں عام گھریلو استعمال کی اشیاء تک محدود رہتا تھا۔ لیکن اب تو بیٹے والوں کو فریج بھی چاہیے، ٹیلی ویژن بھی اور کار بھی۔ میں نے سنا ہے کہ مکان اور فلیٹ کا بھی مطالبہ ہوتا ہے۔ خدا را غور کیجئے کہ جس بچی کے باپ کے پاس یہ سب مطالبات پورے کرنے کے وسائل و ذرائع نہ ہوں اور پھر اُس کی ایک نہیں اور بھی بچیاں ہوں تو وہ کیا کرے، کہاں جائے، اپنی سفید پوشی کا بھرم قائم رکھے اور اپنی جواں بیٹیوں کو کیسے بیچے۔ ———— !!!

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ رسومات کا جو بُت دلوں میں چھپا بیٹھا ہے اس کو پوری طرح مسمار کیا جائے اس لئے ان حضرات سے عرض کروں گا کہ اس بات پر غور کریں ہمارے شادی بیاہ کیلئے اصل معیار کیا ہے؟ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے اصل معیار صرف یہ ہے کہ کیا چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے: مَا آتَانَا عَلَيْهِ فَاصْبِرْ۔ اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ جو چیز نبی اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے، وہ سب آنکھوں پر، اور جو چیز ثابت نہیں اُس کو پاؤں سے روندنے کے بجائے اگر ہم نے مسرت و شہم قبول کیا تو اچھی طرح جائز ہے کہ ہمارا دین سے ساتھ تعلق مخلصانہ نہیں اور ہمیں اس تعلق کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیے! اَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# اِسْلَام

اور

## حقوق اطفال

— از قلم :- غازی عسذیر (علی گڑھ) حالِ یقینِ سعودی عرب

تیسری قسط

حقوق الفطیم :- اوپر سورۃ البقرہ کی آیت ۲۲۲، جس میں بچہ کے اکتال، رضاعت کے حفظِ حقوق کے لئے بڑی حکمت کے ساتھ قوانین معین کئے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ بچہ کو ماں باپ و نفوں کی باہمی رضامندی و مشورہ



سے ہی فطیم بنایا جاسکتا ہے، بیان ہو چکی ہے۔ یہ امتیاط و قید اس مقصد کے تحت رکھی گئی ہے کہ کسی حال میں بھی بچہ کو ضرر نہ پہنچے اور اس کے حقوق پامال نہ ہوں۔ اکتہال رضاعت (مراد دودھ چھڑانے) کے بعد اصطلاحاً بچہ فطیم کہلاتا ہے۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے پہلی بار بیت المال میں فطیم بچہ کا حق مقرر فرمایا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ دودھ چھڑانے کے بعد بچہ کی غذا کا انحصار اس کی ماں کے دودھ پر نہیں رہتا بلکہ اس کو طعم کی مستقل محتاج ہوتی ہے۔ اس بنائے معقول پر فطیم کا نفقہ بیت المال میں مقرر کرنا آپ کی فراست و تدبیر کی دلیل ہے۔ بیت المال میں حق فطیم معتبر کرنے کے بعد جب آپ کو کسی بچہ کے رٹنے کا سبب یہ معلوم ہوا کہ اُس کی ماں نے حق فطیم لینے کی غرض سے دودھ چھڑانے میں مہلت کی ہے تو آپ نے تمام بچوں کا حق بیت المال میں مقرر فرما دیا خواہ وہ وضع ہوں یا فطیم و فتوح البلدان للبلد ذری، الفصل الخامس بالاعطاء فی آخر الکتاب

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ”اہل النور“ سے متعلق ایک اہم واقعہ بیت مشہور ہے کہ آپ رات کو اکثر اپنی رعیت کے کوائف اور انکی ضروریات و حاجات سے باخبر رہنے کے لئے بستی کا گشت کیا کرتے تھے۔ ایک رات آپ نے دیکھا کہ ایک ماں چولہے کے اوپر برتن میں کچھ پانی اور کنکریاں ڈال کر اپنے بھوکے بچوں کو کھانا پکھلنے کا دھوکہ دے رہی ہے، تو آپ خود اُٹھا اور گھسی اس عورت کے پاس لے گئے تاکہ وہ اپنے بھوکے بچوں کو کھانا کھلا سکے۔

ایک مرتبہ مدینۃ المنورہ کی طرف تاجروں کا ایک قافلہ جا رہا تھا۔ اس قافلہ میں عورتیں اور بچے بھی تھے۔ رات کے وقت قزاقوں سے قافلہ کو محفوظ رکھنے کے لئے حصۃ عمر بن الخطابؓ نے عبدالرحمن بن عوفؓ کو مقرر فرمایا۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے تمام رات جاگ کر ناز پڑھتے اور اُن کی حفاظت کرتے گزاری۔ یہ واقعہ اس طرح منقول ہے: **عن قتال عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما: هل لك ان تصبرهم هذا الليلة؟ فباتا يحرسهم ويصليان ما كتب الله لهما۔**

”ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اُس طرف

نوجوہئے اور اس کی ماں سے کہا: اللہ کا تقویٰ اختیار کر اور اپنے بچہ کے ساتھ اچھی طرح  
 پیش آ۔ مجھ کو کراپ چلہیے۔ جب آپ واپس لوٹے تو پھر بچہ کے رونے کی آواز سنی۔  
 برائے کی ماں کے پاس پہنچے اور کہا: اللہ کا تقویٰ اختیار کر اپنے بچہ کے ساتھ احسن  
 رقیہ پر پیش آ۔ دوسری رات کو پھر آپ نے اسی طرح بچہ کے رونے کی آواز سنی تو اس کی  
 ماں سے کہا: اللہ سے ڈر، اپنے بچہ کے لئے کیا تو بری ماں نہیں ہے؟ اپنے بچہ کو رات کے  
 ت خاموش کیوں نہیں کرتی؟ اس عورت نے، جو امیر المؤمنین کو نہیں پہچانتی تھی،  
 ہا: لے اللہ کے بندے! رات کو آتے جاتے تم مجھ سے یہی کہتے ہو حالانکہ میں نے بچہ کو  
 بدستی کھانا کھانا چاہا مگر وہ نہیں کھاتا۔ اور عمر رضی نے فطیم کے علاوہ کسی اور بچہ کیلئے  
 بت المال سے کچھ فرض نہیں کیا ہے یعنی والدین کو فطم کے علاوہ ان کی اولاد کیلئے  
 پہ نہیں دیا۔ آپ نے پوچھا اس بچہ کی عمر کیا ہے؟ اس عورت نے بتایا کہ اتنے ماہ  
 ہیں۔ آپ نے کہا کہ اس کے دودھ چھڑانے میں جلد بازی نہ کر۔ جب آپ فجر کی نماز  
 اٹکے ساتھ پڑھ رہے تھے تو بچہ کی بکاو نے آپ کی قرأت پر غلبہ پایا۔ آپ نے سلام  
 پڑھا تو فرمایا: ”تم سب عمر کے لئے فقراء ہو۔“ یا ابو ساعد کہ قتل من  
 لاد المسلمین“ پھر حکم دیا اور اعلان کرایا کہ فطم کے لئے لوگ اپنے بچوں کا  
 دودھ چھڑانے میں جلد بازی سے کام نہ لیں۔ ہم نے تمام مولود کے لئے اسلام میں  
 ن مقرر کر دیا ہے اور اس حکم کو اپنے تمام امراء افاق کو بھی لکھوا بھیجا۔ یہ راجد  
 بل العالم الاسلامی مکہ المکرمہ ماہ محرم سنہ ۱۱ھ

تاریخ اسلام میں اس قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں جن سے ہمارے اسلاف  
 بچوں کے ساتھ غیر معمولی شفقت و محبت کا رویہ ثابت ہے۔

جب کوئی مومن نماز پڑھتا ہے تو اس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے  
 کہ اللہ تعالیٰ کا تعلق اس کے ساتھ دیر تک قائم رہے لیکن رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چونکہ عورتیں بھی باجماعت نماز میں شریک ہوتی تھیں۔  
 لئے جب آپ بچہ کی بکاو سننے تو نماز کو طول دینے سے کراہیت محسوس فرماتے۔  
 ماکہ وجہ یہ ہے کہ نماز میں شریک عورتیں اپنے بچوں کو روتا سن کر دقت و تکلیف  
 مونس کرتی تھیں۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کے لئے اختصار

مازکی اپنی روشن مثال پیش فرمائی۔ آپ کا ارشاد مبارک ہے:- الی لا قوم  
 فی الصلوة ارید ان اطول فیہا فاسبح بکاء الصبی فاتجوز فی صلواتی  
 لراہیة ان اشتق علی امہ - رواہ البخاری

**تحقوق الیتیم** | شریعت نے یتیم بچوں کی پرورش و تربیت و تعلیم کے ساتھ  
 ان کے جو خصوصی حقوق مقرر فرمائے ہیں وہ قرآن و سنت میں براہی  
 یان محفوظ ہیں۔ حضرت محمد علیہ صلوات اللہ علیہ خود یتیم تھے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول  
 و رحمۃ للعالمین منتخب فرمایا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ یتیمی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا  
 ہے چنانچہ ارشاد باری ہے:-

- (۱) اَلَمْ یَجِدْکَ یَتِیْمًا فَاَوْیَ ۖ  
 وَوَجَدَکَ ضَالًّا فَهَدٰی ۖ  
 وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی ۚ  
 فَاَمَّا الِیَتِیْمِ فَلَا تُفْقِرُ ۚ  
 (الضحیٰ - ۶ تا ۹)
- (۲) اَرٰیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ  
 بِالَّذِیْنِ ۚ فَاُولٰٓئِکَ الَّذِی  
 یَدْعُ الْیَتِیْمَ ۚ  
 (الماعون - ۲۰۱)
- ”ترجمہ:- کیا اس نے تم کو یتیم نہیں  
 پایا۔ اور ٹھکانا فراہم کیا اور تمہیں  
 ناواقف راہ پایا اور پھر ہدایت بخشی  
 اور تمہیں نادار پایا اور پھر مالدار  
 کر دیا لہذا یتیم پر سختی نہ کرو۔“  
 ”ترجمہ:- تم نے دیکھا اس شخص  
 کو جو آخرت کی جزاء و سزا کو جھٹلاتا  
 ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے  
 دیتا ہے“

۱۔ یہاں ”یَدْعُ الْیَتِیْمَ“ کا فقرہ استعمال ہوا ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ (۱) وہ یتیم کا حق  
 اڑکھاتا ہے اور متونی کی جھوٹی بیوی میراث سے یتیم کو بے دخل کرتا اور اسے دھکے مار کر نکال دیتا ہے۔  
 (۲) یتیم اگر اس سے مدد مانگنے آتا ہے تو رحم کھانے کے بجائے اسے دھتکار دیتا ہے اور پھر بھی اگر  
 وہ اپنی زبوں حالی کی بنا پر رحم کی امید لئے ہوئے کھڑا رہے تو اسے دھکے مار کر دور کر دیتا ہے۔  
 (۳) وہ یتیم پر مظالم ڈھاتا ہے مثال کے طور پر اس کے گھر میں اس کا اپنا ہی کوئی رشتہ دار یتیم ہو  
 تو اس کے نصیب میں سارے گھر کی خدمت گاری کرنے اور بات بات پر جھڑکیاں سننے اور ٹھوکیاں  
 اور لات گھونسنے کھانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ وہ کوئی بُرا کام کر رہا ہے بلکہ بڑے اطمینان کے

(۳) فَلَا اقْتَصَمَ الْعَقَبَةَ ۚ وَكَأَنَّكَ مُدْرِكُهَا ۚ وَمَا الْعَقَبَةُ ۚ فَكُلْ رَقَبَةً ۚ أَوْ اطْعَمْ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْعَبَةٍ ۚ يَتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۚ

(البقرہ - ۱۷۵ تا ۱۷۶)

(۴) وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

(البقرہ - ۸۳)

(۵) وَإِلَى الْمَالِ عَلَىٰ حَبْنِهِ ذُوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنُ السَّبِيلِ ۚ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ (البقرہ - ۱۷۷)

پرا اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔

(۶) وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حَبْنِهِ مَسْكِينًا وَيَتِيْمًا وَاسْتَبْرَأْ لَهُ أَنْ يَأْطِيعُكَمُ يَوْجِبُهُ اللَّهُ لَا تُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكْرًا ۚ

(الذہر - ۹۵۸)

”ترجمہ :- اور اللہ کی محبت میں مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں (امدان سے کہتے ہیں کہ) ہم تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلا رہے ہیں ہم تم سے نہ کوئی بدلہ چاہتے ہیں نہ شکریہ۔“

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۱)

کے ساتھ یہ بخش اختیار کرنے رکھتا ہے اور اپنے تئیں سمجھتا ہے کہ یتیم ایک بے بس اور بے یار و ملگار مخلوق ہے اس لئے اگر اس کا حق ملے کھا یا جلے یا اسے ظلم کو قسم کا تختہ رشتن بار کھا جائے اور اگر وہ مدد مانگنے کے لئے آئے تو اسے دھکے مار کر اور دھتکار کر بھاگ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۔ اس آیت میں ”عَلَىٰ حَبْنِهِ“ کا فقرہ استعمال ہوا ہے۔ بعض مفسرین نے ”حَبْنِهِ“ کی تفسیر

- (۷) لَيْسَ لَكَ مَا لَا يُنْفِقُونَ ۚ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ وَالَّذِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ (البقرہ - ۲۸۵)
- (۸) وَالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ (النساء - ۶)
- ”ترجمہ: لوگ پہنچتے ہیں ہم کیا خرچ کریں! جواب: وہ کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین پر، رشتے داروں پر، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو۔“
- ”ترجمہ: ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔“

اس ضمن میں بہت کثرت سے احادیث بھی وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند یہاں پیش کی جا رہی ہیں :-

- ۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ حضورؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے نیک سلوک ہو یا سعادہ بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے برا سلوک ہو یا ہو۔“ (بخاری فی الادب المفرد، ابن ماجہ)
- (۲) ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ سرکارؐ رسالتؐ اب نے ارشاد فرمایا ”جس نے کسی یتیم کو اپنے کھانے اور پینے میں شامل کیا اللہ نے اس کے لئے جنت واجب کر دی الا یہ کہ وہ کوئی ایسا لگا کر بیٹھا ہو جو مساف نہیں کیا جاسکتا۔“ (شرح السنۃ)
- (۳) حضرت ابوامامہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا: ”جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پیرا اُس بچے کے ہر مال کے بدلے جس پر اسے بخش کا ہاتھ گزرا اُس کے یکساں بخشی جائیں گی اور

(بقیہ حاشیہ ص ۳۶) کا مرجع کھانے کو قرار دیا ہے چنانچہ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ اس کا مطلب ”حلی حب الاطعام“ ”میں غریبوں کو کھانا کھلانے کے شوق میں وہ ایسا کرتے ہیں“ بتاتے ہیں۔ جب کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ اور ابویسحاق الدمغانیؒ کا قول ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کی محبت میں وہ یہ کام کرتے ہیں“ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحبؒ بھی اپنی تفسیر میں حضرت فضیل بن عیاضؒ والیسیمان الدمغانیؒ کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں۔ (اطلاعت ہو تفہیم القرآن ج ۳ ص ۱۹۵ مطبوعہ دہلی)

جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ نیک برتاؤ کیا وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے اور یہ فرما کر حضورؐ نے اپنی دو انگلیاں ملا کر بتائیں۔“ (مسند احمد، ترمذی)

(۴) حضرت سہیل بن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اور وہ شخص جو کسی رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے جنت میں اس طرح ہوں گے۔ یہ فرما کر اپنے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان غوثا سا فاصلہ رکھا۔“ (بخاری)

(۵) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ میرا دل سخت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: یتیم کے سر پر ہاتھ پیراؤ مسکین کو کھانا کھا۔“ (مسند احمد)

اسلام سے قبل عرب میں عورتوں اور بچوں کو عموماً میراث سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ میراث کا حق صرف ان مردوں کو پہنچتا ہے جو مال کے ادراک کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں۔ اسی باعث متوفی کے رشتہ داروں جو بچے زیادہ طاقت و با اثر ہوتا تھا وہ ساری میراث خود سمیٹ لیتا تھا اور مستحقین میں سے جو اپنا حق چھیننے کی طاقت نہ رکھتا تھا اپنے حصہ سے محروم رہتا تھا۔ ان کی نگاہ میں فرائض و حقوق کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس بات کو قرآن کریم میں یوں بیان فرمایا گیا ہے :-

كَلَّا بَلْ لَا شُكْرَ لِمَنْ أَلَيَّتِمْهٖ  
وَلَا يَحْضُرُونَ عَلَى طَعَامِ  
الْمُسْكِينِ ۚ وَتَأْكُلُونَ  
الْثَرَآثَ أَكْلًا لَّمًّا ۚ

”ترجمہ: ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے اور میراث کا سارا مال سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔“ (الفجر، ۱۷ تا ۱۹)

اہل عرب کی اس خراب مادت کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے یہ حکم نافذ فرمایا کہ :- اگر یتیم بچہ صاحب مال ہو تو اس کے ولی پر واجب ہے کہ اُس کے مال کی پوری حفاظت کرے تا وقتیکہ وہ سن بلوغ و رشد کو پہنچے۔ یہ محض ایک اخلاقی ہدایت نہ تھی بلکہ اُسکے بدلے جب اسلامی حکومت قائم ہوئی تو تینوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے انتظامی اور قانونی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جن کی تفصیل ہم کو احادیث اور کتب فقہ میں ملتی ہے۔

پھر اسی سے یہ وسیع اصول اخذ کیا گیا کہ اسلامی ریاست اپنے ان تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو اپنے مفاد کی خود حفاظت کرنے کے قابل نہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :- ”أَنَا وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ“ یعنی میں ہر اُس شخص کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہیں ہے۔“ اور آپ کا یہی قول اسلامی قانون کے ایک وسیع باب کی بنیاد ہے۔

ولی کے لئے یتیم کے مال سے اُس کے مفاد کی خاطر خرچ کرنا (مثلاً تجارت کرنا) بھی جائز ہے۔ اگر ولی یا دوسری ایسی تجارت کے نفع میں سے کچھ معاوضہ ملے تو افضل ہے لیکن اگر لینا چاہیے تو لازم ہے کہ معتدل اور مناسب حصہ ہی لے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

(۱) وَابْتَغُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا

بَلَغُوا النِّكَاحَ ۖ فَإِنْ اسْتَمَدْتُم مِّنْهُمْ رِّشْدًا فَادْفَعُوا

إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا

إِسْرَافًا ۖ وَبَدَأَ رِءُوسُهَا

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ

بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ

إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَنْشُرُوهُ

عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا

لے اور جو غریب ہو وہ معروف طریقہ سے کھائے (یعنی حق خدمت لے پھر جب

اُن کے مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنالو، اور حساب لینے کیلئے

اللہ کافی ہے۔“

۱۔ امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ کے نزدیک مال حلال کے لئے رشدا کا پایا جانا ناگزیر ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ پر پہنچے۔ پر یتیم میں رشدا نہ پایا جائے تو ولی کو زیادہ سے زیادہ سادگی سے مزید انتظار کرنا چاہیے بعد ازاں اُس کے حوالے کر دینا چاہیے۔

”ترجمہ: اور مال یتیم کے پاس نہ پھینکو  
مگر احسن طریقے سے یہاں تک کہ وہ  
اپنے شباب کو پہنچ جائیں۔“

(۲) وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ  
إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ  
يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ

(بنی اسرائیل - ۳۴ والا نعام ۵۲)

”ترجمہ:- لوگوں کو اس بات کا خیال  
کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے  
بیچھے بچے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے  
وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں  
کیسے کچھ اندیشے لاحق ہوتے پس  
چاہیے کہ وہ خدا کا خوف کریں اور  
راستی کی بات کریں۔ جو لوگ ظلم کے  
ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں

(۳) وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ شَرُّوْا  
مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ضِعْفًا  
خَاتَمُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا  
اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا  
إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ  
الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ  
فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ  
سَعِيرًا ۝ (النساء ۱۰۹)

درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ مزدور جہنم کی بھڑکتی  
ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔“

”ترجمہ: یتیموں کے مال ان کو واپس  
دو، اچھے مال کو بُرے مال سے نہ  
بدل لو، اور ان کے مال اپنے  
مال کے ساتھ ملا کر نہ کھا جاؤ،  
یہ بہت بڑا گناہ ہے۔“

(۴) وَاتُّوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ  
وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَيْرَ بِالْظَلِيمِ  
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمُ إِلَىٰ  
أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ  
خُفًا كَظِيمًا ۝ (النساء - ۲۰)

(۵) ایک اور مقام پر فرمایا گیا:-

”ترجمہ:- اور پوچھتے ہیں: یتیموں کے  
ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہو:  
جس طرز عمل میں ان کے لئے بھلائی  
ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم

وَلْيَسْأَلُواكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ ۖ  
قُلْ بِرَحْمَةٍ مِنْ رَبِّهِمْ خَيْرٌ ۚ  
وَإِنْ تَحَايَطُوا لَهُمْ فَيَاخُوا نَكْتُمُ ۚ  
الْبقرہ - ۲۲)

اپنا اور ان کا خیرچ اور رہنا سہنا مشترک نہ ہو۔ تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔



آخر وہ تمہارے بھائی بندہ ہی تو ہیں۔“

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اہل عرب میں سے جن لوگوں کی سرپرستی میں ایسی یتیم لڑکیاں ہوتی تھیں جن کے پاس والدین کے متروکہ دولت ہوتی تھی وہ ان کیساتھ مختلف طریقوں سے ظلم کرتے تھے۔ اگر لڑکی مالدار ہونے کے ساتھ حسین بھی ہوتی تو وہ لوگ چاہتے تھے کہ خود اس سے نکاح کر لیں اور مہر و نفقہ ادا کئے بغیر ہی اس کے مال و حسن دونوں سے مستفید ہوں۔ لیکن اگر وہ بد صورت ہوتی تو وہ لوگ نہ خود اس سے نکاح کرتے نہ کسی دوسرے کو اس سے نکاح کرنے دیتے تاکہ اس کا کوئی ایسا ہمدرد نہ پیدا ہو جائے جو اس کے حق کا مطالبہ کرے۔ خدا تعالیٰ ان سرپرستوں کو ہدایت فرماتا ہے کہ ظلم کے ان طریقوں کو چھوڑ کر یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ ط  
قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ط  
وَمَا يُشْلِي عَلَيْكَ فِي  
الْكِتَابِ فِي يَتِّمِي النِّسَاءِ ط  
الَّتِي لَا تَوْلُونَ هُنَّ مَا كُتِبَ  
لَهُنَّ وَشَرَعُونَ اَلنَّ  
تَنكِحُوهُنَّ وَاسْتَضَعِفْنَ  
مِنَ الْوِلْدَانِ ط وَ اَنْ تَقُوْهُنَّ  
لِلْيَتَامَى بِالْقِسْطِ ط وَ تَفْعَلُوْا  
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا  
عَلَيْمًا ط (النساء ۱۲۰)

”ترجمہ:- لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں کہہ دو اللہ تمہیں ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں یعنی وہ احکام اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کے حق تم ادا نہیں کرتے اور جن کے نکاح کرنے سے تم باز رہتے ہو دیا لالچ کی بناء پر تم خود ان سے نکاح کر لینا چاہتے ہو اور وہ

احکام جو اُن بچوں کے متعلق ہیں جو بیچارے کوئی زور نہیں رکھتے۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کو دے گا وہ اللہ کے علم سے چھپی نہ رہ جائے گی۔“

سعید بن جبیرؓ قنادہ اور بعض دوسرے منسربین کرام فرماتے ہیں کہ جہاں تک یتیموں کا معاملہ ہے اہل جاہلیت بھی اُن کے ساتھ بے انصافی کرنے کو اچھا نہ سمجھتے تھے

لیکن عورتوں کے معاملہ میں اُن کے ذہن عدل و انصاف کے تصور سے خالی تھے جتنی چاہتے شادیوں کر لیتے تھے اور پھر اُن کے ساتھ ظلم و جور سے پیش آتے تھے۔ پس خدا تعالیٰ نے فرمایا :-

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي  
الْيَشْرِ فَإِنْ كُنْتُمْ مِثْلِي  
لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلِي  
ثَلَاثٌ وَرُبْعٌ فَإِنْ خِفْتُمْ  
أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا  
مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط ذَلِكَ  
أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝  
(النساء - ۳)

ترجمہ: اور اگر تم یتیموں کے ساتھ  
بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو  
عورتیں تم کو پسند آئیں اُن میں سے  
دو دو تین تین، چار چار سے نکاح  
کریو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ  
اُن کے ساتھ عدل نہ کر سکو گے تو  
پھر ایک ہی بیوی کرو یا ان عورتوں  
کو زوجیت میں لاؤ جو تمہارے

قبضہ میں آئی ہیں بے انصافی سے بچنے کے لئے یہ زیادہ ترین صواب ہے۔  
خدا تعالیٰ نے یتامی کے لئے موارد بیت المال (یعنی "خمس مال غنیمت"، اور فی)

لے ابن عباس اور ان کے شاگرد و تلمیذ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی۔ ایک  
ایک شخص دس دس بیویاں کر لیتا تھا اور جب اس کثرت ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو  
مجبور ہو کر اپنے یتیم بھتیجیوں، بھانجیوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی  
کرتا تھا۔

ع "مال غنیمت" اور "فی" میں فرق :- امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں: ما نیل من اهل الشرك  
عنوة قسرا والحرب قائمة فهو الغنيمۃ، وما نیل منهم بعد ما توضع الحرب  
ادراسا و تصير الحرب ادا لاسلام فهو فی" یكون للناس عامًا ولا خمس  
فيه ر کتاب الاموال لابن عبد الصمد (۲۵۴) یعنی جو مال دشمن سے بزور ہاتھ لگے جبکہ  
ابھی جنگ ہو رہی ہو وہ "غنیمت" ہے اور جنگ ختم ہونے کے بعد جب ملک دارالاسلام بن  
گیا اس وقت جو مال ہاتھ لگے وہ "فی" ہے جسے امام باشتگان دارالاسلام کے لئے وقف  
ہونا چاہتے اس میں خمس نہیں ہے۔ "مال غنیمت" اور "فی" میں جو فرق ہے وہ حضرت عمر بن الخطاب

ن بھی حق مقرر فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

بقیہ حاشیہ ص ۴۲) کے اس خط سے بھی واضح ہوتا ہے جو انہوں نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ  
 وفتح عراق کے بعد لکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں :- فانظر ما جلبوا بک علیک فی  
 لعسکر من کرایع او مال فاقسمہ بین من حضر من المسلمین  
 استرک الامر صنین والارہار لعمالہا لیکون ذلک فی اعطیات  
 المسلمین کتاب الخراج لابن یوسف ص ۲۸، کتاب الاموال لابن عبید ص ۲۸  
 کتاب الخراج لیمحی بن آدم ص ۲۸، ۲۸، یعنی جو مال و متاع فوج کے لوگ تمہارے  
 شکر میں سمیٹ لائے ہیں اُس کو اُن مسلمانوں میں تقسیم کر دو جو جنگ میں شریک  
 تھے اور نہری اُن لوگوں کے پاس چھوڑ دو جو اُن پر کام کرتے ہیں تاکہ اُن کی آمدنی  
 مسلمانوں کی تمخواہوں کے کام آئے :- سائب بن اقرع کا وہ مشہور واقعہ جس میں  
 جنگ نہادند کے بعد انہیں قلعہ میں جواہر کی دو ٹھیلیاں ملی تھیں، اور حضرت عمرؓ نے  
 ان کو فروخت کر کے قیمت بیت المال میں جمع کرنے کا فیصلہ فرمایا تھا، بھی اس فرق  
 سمجھنے میں مدد دیتا ہے (تفصیل کے ملاحظہ ہو کتاب الاموال لابن عبید ص ۲۸، حسن بصری  
 کہتے ہیں: جو کچھ دشمن کے خیمہ سے ہاتھ آئے وہ ان کا حق ہے جنہوں نے اس پر فتح پائی اور  
 زمین مسلمانوں کے لئے ہے۔ کتاب الخراج لیمحی بن آدم ص ۲۸، امام ابو یوسف فرماتے ہیں:  
 جو کچھ دشمن کے لشکروں سے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور جو متاع اور اسلحہ اور جانور وہ  
 اپنے خیمہ میں سمیٹ لائیں وہ غنیمت ہے اور اسی میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی چار حصے  
 فوج میں تقسیم کئے جائیں گے۔ کتاب الخراج لابن یوسف ص ۱۸، اور یہی رائے یحییٰ بن آدم  
 کی بھی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب الخراج لیمحی بن آدم ص ۲۸) شافعیہ کا مسلک ہے کہ مفتوحہ علاقے  
 کے تمام اموال منقولہ غنیمت ہیں اور تمام اموال غیر منقولہ (مثلاً زمین و مکان و نہریں باغات  
 وغیرہ) ”فے“ قرار پائیں گے۔ (معنی المحتاج) مالکیہ کا مسلک ہے کہ مسلمانوں کے محض  
 فتح کر لینے ہی سے مفتوحہ علاقوں کی اراضی و مکانات خود بخود وقف علی المسلمین ہو جاتی  
 ہیں لیکن اسلامی حکومت ان پر کرایہ عائد نہیں کرے گی۔ نیز ان کو وقف کرنے کے لئے امام  
 کے فیصلے یا مجاہدین کی رضا کی چنداں ضرورت نہیں رہتی (حاشیہ الدسوقي) خالصہ اراضی

عَلَّمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّن  
يَمِيٍّ فَإِنَّ لَّيَ خُمُسًا  
لِّلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى  
لِلسَّكِينِ وَابْنِ  
تَيْبِلٍ ۖ

ترجمہ: اور تمہیں معلوم ہو کہ جو کچھ  
مال غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اس  
کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے  
رسول اور رشتہ داروں اور یتیموں  
اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے  
ہے۔“ (الاتفاق ۸۶)

نہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ لڑائی کے بعد اعلان  
ہتھیے :-

هٰذِهِ غَنَائِمُكُمْ وَأَنَا  
مِن لَّيَ فِيهَا إِلَّا نَصِيبِي  
لَكُمْ الْخُمْسُ وَالْخُمْسُ  
حَدٌّ عَلَيْكُمْ فَأَدُوا الْخَيْطَ  
خَيْطَ وَأَكْرَمَن ذَٰلِكَ وَ  
مَغْرُولًا تَغْلُوا فَإِنَّ الْغُلُولَ  
مِن نَّاسٍ -

”ترجمہ :- یہ غنائم تمہارے ہی لئے  
ہیں میری اپنی ذات کا ان میں  
کوئی حصہ نہیں ہے بجز خمس کے  
اور وہ خمس بھی تمہارے ہی اہتمام  
مصلح رجمن کا اور پڑ کر کیا گیا ہے،  
پر صرف کر دیا جاتا ہے۔ لہذا ایک  
سوئی اور ایک ایک تانگا لاکر رکھ  
- کوئی چھوٹی یا بڑی چیز چھپا کر نہ رکھو کہ ایسا کرنا شرمناک اور اس کا  
ہر دوزخ ہے“

۱۳۴۰ھ کو مسلمان کے لئے وقف کر دینے یا غنائم میں تقسیم کئے جانے کا اختیار  
ہے۔ لیکن مفتوحہ علاقے مکانات کو وقف تصور کرتے ہیں اور ان پر کرایہ عائد نہ کئے  
گئے ہیں (غایت المنتہی) حنفیہ کے نزدیک بھی اسام کو مفتوحہ آرامی میں  
لے کر فوج میں تقسیم کرنے یا وقف علی المسلمین کا اختیار ہے۔ الاحکام القرآن  
شرح الغایہ علی الہدایہ، فتح القدیر و بدائع الصنائع، عبد اللہ بن مبارک امام  
دری کا بھی اسی رات سے اتفاق کرنا نقل کرتے ہیں۔ کتاب الاموال لابن عیینہ  
(خراج لیمیل بن آدم)

قرآن پاک میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ  
مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِللَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ  
الْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ  
السَّبِيلِ ۚ كَمَا لَا يَكُونُ لَكُمْ  
دُولَةٌ مِّمَّنْ بَيْنَ الْأَخْنِيَاءِ  
مِنْكُمْ ۚ (المحرر - ۷)

”ترجمہ : جو کچھ بھی اللہ ان بستیوں  
کے لوگوں سے اپنے رسول کی طرف  
پٹا دے وہ اللہ اور رسولؐ اور  
رشتہ داروں اور یتامیٰ اور مسکین  
اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ  
تمہارے مالداروں ہی کے درمیان  
گردش نہ کرتا رہے۔“

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ  
عنہم کے زمانے میں پہلے دو حصے (یعنی حق رسول اللہ و حق بنو ہاشم و بنو مطلب) ساقط  
کے صرف باقی تین حصے (یعنی یتامیٰ، مسکین اور ابن السبیل) فیہ کے حقداروں  
میں شامل رہنے دیجئے گئے۔ پھر اسی پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانے میں  
عمل کیا۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ”فیہ“ کے جملہ اموال کو پانچ برابر حصوں میں تقسیم کر کے  
اس طرح صرف کیا جانا چاہیے :  $\frac{1}{5}$  مصالح مسکین پر،  $\frac{1}{5}$  بنی ہاشم و بنی مطلب پر،  $\frac{1}{5}$   
یتامیٰ پر،  $\frac{1}{5}$  مسکین پر اور  $\frac{1}{5}$  مسافروں پر۔ لیکن امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور  
امام احمدؒ اس تقسیم کے قائل نہیں ہیں ان کی رائے یہ ہے کہ فیہ کا پورا مال مصالح مسکین  
کے لئے ہے۔ (معنی المحتاج)

اسلام صرف اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ متونی کے ترکہ میں اس یتیم بچہ کے حق کا  
بھی لحاظ کرتا ہے جو ابھی بطنِ مادر میں ہے اور اس کے باپے میں کسی کو کچھ علم نہیں کہ اس  
کی جنس کیا ہے ؟ (یعنی لڑکا ہے یا لڑکی) نیز آیا وہ زندہ بھی ہے یا مردہ ؟ اور میت کے  
وارثوں کو ہدایت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم کے موقع پر جو دور نزدیک کے رشتہ دار  
اور کنبہ کے غریب مسکین لوگ اور یتیم بچے آجائیں ان کے ساتھ تلک دلی نہ برتو، میراث  
میں از روئے شرع ان کا حصہ نہیں ہے تو نہ سہی، دُستِ قلب کا معاملہ کر ترکہ میں سے  
ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دو اور ان کے ساتھ دل شکن باتیں نہ کرو جو ایسے مواقع پر

بالعموم چھوٹے دل کے کم ظرف لوگ کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:-

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَنزَلُوا قَوْلَهُمْ تَبَهُؤًا قَوْلًا مَّعْرُوفًا (النساء - ۸)

”ترجمہ: اور جب تقسیم کے موقع پر کنبہ کے لوگ اور یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دے دو اور اُس کے ساتھ بھلے مانسوں کی سی بات کرو۔“

اگر کسی یتیم کا حق اس کے سرپرست نے غصب کر لیا ہے۔ ایسی صورت میں سلام اُس یتیم کا حق واپس دیوانے کی ذمہ داری معاشرہ کے صالح افراد پر عائد کرتا ہے اس سلسلہ میں ایک بڑا عجیب واقعہ قاضی ابوالحسن المادوی نے نقل کیا ہے جو اس طرح ہے:- ”ابو جہل ایک یتیم کا وصی تھا وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اُس کے پاس آیا کہ اُس کے بدن پر کپڑے تک نہ تھے اور اُس نے التجا کی کہ اُس کے باپ کے چھوٹے ہوئے مال میں سے وہ اُسے کچھ دیدے۔ مگر اس ظالم نے اُس کی طرف توجہ تک نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر کار مایوس ہو کر پلٹ گیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہ سزا رب اُس سے کہا کہ محمد رسلہ اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر تہنیت کر، وہ ابو جہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دوا دیں گے۔ بچہ بیچارہ ناواقف تھا کہ ابو جہل کا حضور سے کیا تعلق ہے۔ اور بڑ بخت اُسے کس غرض کے لئے بہ مشورہ دے رہے ہیں۔ وہ سیدھا حضور کے پاس پہنچا اور اپنا حال آپ سے بیان کیا۔ آپ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اُسے ساتھ لے کر اپنے بدترین دشمن ابو جہل کے ہاں تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اُس نے آپ کا استقبال کیا اور جب آپ نے سنا یا کہ اس بچے کا حق ایسے دے دو تو وہ فوراً مان گیا اور اُس کا مال لا کر اُسے دیدیا۔ قریش کے سردار تائید میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں ان دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ وہ کسی مزے دار مجھڑپ کی امید کر رہے تھے۔ مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابو جہل کے پاس آئے اور اسے طعنہ دیا کہ تم بھی اپنا دین چھوڑ گئے۔ اس نے کہا خدا کی قسم میں نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمد رسلہ اللہ علیہ وسلم کے دانتیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا اگر میں نے ذرا بھی اُن کی مرضی کے خلاف حرکت کی۔“ (أَعْلَامُ النَّبُوَّةِ)

اسلام نے یہ ضابطہ بھی مقرر کیا ہے کہ اگر کسی یتیم بچہ کا کوئی وصی نہیں ہے تو اُس کے قریبی رشتہ دار اُس کے وصی اور ولی مترار پائیں گے اور اُنکی مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے فرضِ ولایت کو اچھی طرح ادا کریں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے متعلق مشہور ہے کہ اپنے ایک یتیم بچہ کے چچا زاد بھائیوں کو مجبور کیا کہ وہ اس کی پرورش کے ذمہ دار ہوں۔ اور ایک دوسرے یتیم کے حق میں فیصلہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود ہوتا تو میں اُس پر اس کی پرورش لازم کر دیتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر کسی یتیم بچہ کا کوئی بعید ترین رشتہ دار بھی موجود نہیں ہے تو وہ پورے معاشرہ کی ذمہ داری سمجھا جائے گا۔

مجملاً یتیم بچہ یا بچی کے سرپرست پر شرعاً لازم ہے کہ اس کے مال کی حفاظت کرے اور جو کچھ اس کی تعلیم و تربیت اور پرورش پر خرچ کرے اس کا دیا نڈاری کے ساتھ حساب رکھے، اگر اس کے ترکہ میں سے حقِ خدمت لے تو معروف طریقہ سے لے (یعنی وہ حق جس کو اکثر مناسب بتائیں)، اور پوشیدگی سے نہ لے بلکہ اعلانیہ طور پر لے، شادی کے لائق عمر ہونے پر اچھی جگہ شادی کرادے، پھر انتظار کرے، جب اُس میں مقررہ شرائط (یعنی بلوغ و رشد) پائے تو کچھ لوگوں کی موجودگی میں تمام حساب پیش کر کے یتیم کی انت اس کو سونپ دے۔ (جاری ہے)

### دقیقہ، عرضِ احوال

کریں گے کہ ان کی امانتوں کی مناسب نگہداشت ہو اور ان کی صحیح خطوط پر تعلیم و تربیت ہو۔ اور اگر ہم بالغ فرض بچوں میں خدمتِ دین کا جذبہ کما حقہ پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو سکے تب بھی ان شاء اللہ اتنا تو ضرور ہو گا کہ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل دنیا کے لئے نکمے بن کر نہیں رہیں گے بلکہ عربی یا اسلامک اسٹڈیز یا اسلامک ہسٹری یا پولیٹیکل سائنس میں ایم۔ اے کے اپنے اُندہ راستہ خود تجویز کر سکیں گے۔

اب جو مقامی حضرات اپنے بچوں کو اس درس گاہ میں داخل کرانے کے خواہش مند ہوں ان سے درخواست ہے کہ وہ جمعہ اور تعطیل کے علاوہ کسی دن صبح ۷ بجے تا ۱۲ بجے تک مدرسہ کے اعزازی ہیڈ ماسٹر جناب محمد یونس صاحب سے خود ذاتی طور پر اور بیرون لاہور والے خواہش مند حضرات بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم فرمائیں۔

# تعارف الكتاب

پانچواں پارہ

## وَالْمُحْصَنَاتُ

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

قرآن مجید کا پانچواں پارہ جو المحصنات کے نام سے موسوم ہے۔ پورے  
کا پورا سورہ النساء پر مشتمل ہے۔ یہ سورہ مبارکہ ایک سو چھتر آیت پر مشتمل  
ہے۔ جن میں تیس آیت سابقہ پارے یعنی چوتھے میں آچکی ہیں۔ ایک سو چوبیس  
آیت اس پارے میں اور تیس آیت چھٹے پارے میں شامل ہیں۔ اس  
سورہ مبارکہ میں بھی دو سابقہ سورتوں کی طرح یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران  
کی طرح امت مسلمہ سے خطاب کیا گیا ہے۔ اور اہل کتاب سے بھی۔ مزید برآں  
اس سورہ میں منافقین کے ساتھ بڑی تفصیل کے ساتھ گفتگو ہوتی ہے۔ جہاں  
ایک مسلمانوں کے ساتھ خطاب کا تعلق ہے، انہیں شریعت کے احکام کی تعلیم دی  
گئی ہے اور اس سورہ میں بالخصوص وہ احکام وارد ہوئے ہیں جو مسلمانوں کی  
زندگی اور مسلمانوں کے مادی نظام سے متعلق ہیں۔ یعنی شادی بیاہ کے قوانین  
اس کے علاوہ اس معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کے لئے ابتدائی  
احکام اور ہدایات بھی اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئیں۔ اور امت مسلمہ کے اصل فرائض  
منصوب یعنی جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کے ذریعے دین کے غلبہ اور شہادت  
علی الناس پر تفصیلی بحثیں سورہ بقرہ اور آل عمران میں آچکی ہیں۔ اس پارے  
میں بھی سورہ النساء کا جو حصہ شامل ہے اس میں بھی مسلمانوں کو انکی طرف توجہ دلائی گئی۔  
بالخصوص شہادت علی الناس کے ضمن میں ایک بڑی عجیب بات اس پارے میں



دارد ہوئی یعنی یہ کہ قیامت کے روز جب انسانوں کا محاسبہ ہوگا تو اُمتوں اور قوموں کے حساب سے قبل اللہ تعالیٰ ان کے رسولوں کو کھڑا کرے گا۔ جو اس بات کی گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ تیرا جو پیغام بذریعہ وحی ہم تک پہنچا تھا۔ وہ ہم نے بلا کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ اپنے طرز عمل کے خود جوابدہ ہیں۔ یہ شہادت علی الناس کا اخروی مظہر ہے۔ وہی چیز جو سورۃ بقرہ میں بیان کی گئی تھی کہ: **وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَفَصَّطَلِيتُكُونُوا شٰهَدًا عَلٰی النَّاسِ وَیَكُونُ الرَّسُولُ عَلَیْكُمْ شٰهِدًا** اسی کا یہ دوسرا رخ اس جگہ پر آیا کہ اسی شہادت کا ظہور قیامت میں بھی ہوگا۔ **فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشٰهِدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰی هٰؤُلَاءِ شٰهِدًا** وہ دن کیسا ہوگا۔ اور اس دن کیا ہوگا کہ جب ہم ہر اُمت کے خلاف ایک گواہ کھڑا کریں گے اور پھر آپ کو کھڑا کریں گے ان کے خلاف گواہ بنا کر۔ اس آیت کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ میں ایک واقعہ آیا ہے ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے فرمائش کی کہ مجھے قرآن سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا حضور! آپ کو سناؤں۔ حالانکہ آپ ہی پردہ نازل ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں لیکن مجھے دوسروں سے سن کر کچھ اور ہی لطف آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے سورۃ النساء کی تلاوت شروع کی۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بس کرو بس کرو۔ حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ اب جو میں نے سنا تھا کر دیکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے ”شہادت اخروی کا وہ خاکہ جو آیات میں پیش کیا گیا اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ شدید اثر لیا۔ اس سورہ مبارکہ میں ویکی اصل مومنوع یعنی توحید کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی گئی۔ **اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ** اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک برتا جائے۔ کسی کو اس کا ہمسرا اور مد مقابل ٹھہرایا جائے۔ اس کے سوا اس سے کم تر جو گناہ

ہیں۔ وہ جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا۔ اہل کتاب کے منمن میں تقریباً وہی باتیں دوبارہ اجمالاً سامنے لائی گئی ہیں جو اس سے پہلے سورہ بقرہ میں اور سورہ آل عمران میں آپکی ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اس سورہ مبارکہ کا جو حصہ اس پانچویں پارے

میں آیا ہے۔ اس میں سب سے تفصیلی گفتگو منافقین کے ساتھ ہوئی ہے۔ اگرچہ ان کو بھی خطاب کیا گیا۔ یا ایہا الذین آمنوا کے الفاظ سے اس لئے کہ منافقین بھی بہر حال قانونی اعتبار سے، ظاہری اعتبار سے اُمتِ مسلمہ میں شامل ہیں منافقین پر جو تین چیزیں سب سے زیادہ گراں گزر رہی تھیں، ان کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ پہلی چیز ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کُل اطاعت اور کامل مطابقت یہ منافقین پر بڑی شاق تھی۔ وہ یوں کہ وہ اس کے لئے تو تیار تھے کہ ان سے نمازیں پڑھوائیں۔ جائیں رونے رکھو لئے جائیں۔ لیکن زندگی کے ہر معاملے میں محمد رسول اللہ کو اپنا مطاع بنانا، انہی کی اطاعت کو لازم ماننا یہ ان کے لئے بڑا گراں گذرتا تھا۔ فرمایا۔ اَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ پھر فرمایا۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا

يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا لَكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اُنہی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تیرت کی قسم یہ لوگ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک آپ ہی کو حکم نہ بنائیں ہر معاملے میں جو ان کے مابین اٹھ کھڑا ہو اور پھر آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کریں۔ انشراح صد کے ساتھ۔ پوری شان تسلیم و رضا کے ساتھ۔ اس کیفیت کے ساتھ کہ ان کے دل میں اس فیصلے کے خلاف کوئی گھٹن ہو جھنڈ ہو۔ اس کے بعد دوسری چیز جو منافقین پر بہت گراں گذرتی تھی وہ جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہے۔ اللہ کی راہ میں جان اور مال کا کھپانا۔ ظاہرات ہے کہ یہ کام تو انہی کے لئے آسان ہو سکتا ہے۔ جو اللہ پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ آخرت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ رسالت پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ اللہ کے وعدوں پر پختہ یقین رکھتے ہوں۔ جن کے دلوں

میں روگ ہو۔ جن کا یقین موجود نہ ہو۔ جو صرف زبان سے ایمان کا اقرار کرتے ہوں۔ اور ان کے دل اس کی تصدیق سے خالی ہوں۔ ان کے لئے یہ بات کسی طرح بھی آسان نہ ہو سکتی تھی کہ وہ اپنی جان اور مال اللہ کی راہ میں کھیا نہیں۔ لہذا بڑی تفصیل کے ساتھ حکم دیا گیا کہ اللہ کی راہ میں قتال کرو۔ یہی ایمان کا تقاضہ ہے اور درحقیقت یہی ایمان کا عملی ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ تیسری چیز جو منافقین پر بڑی گراں گزردی تھی۔ وہ ہجرت کا حکم تھا۔ اللہ کے لئے اور اس کے دین کیلئے اپنے وطن کو خیر باد کہنا، اپنے گھر والوں سے کہنے والوں سے، رشتے داروں سے تعلق منقطع کر کے، آباد اجداد کی سرزمین کو خیر باد کہہ کر مدینہ منورہ دارالاسلام حجاب اسلام کا مرکز بن چکا تھا، وہاں آجانا۔ ان لوگوں کے لئے آجانا تو آسان تھا، جو یقین رکھتے تھے، اللہ پر اور ایمان لائے تھے، پورے صدق دل کے ساتھ لیکن جن لوگوں کو وہ یقین کبھی حاصل نہیں تھا، ان کے لئے یہ چیز بڑی کٹھن تھی۔ لہذا فرما دیا گیا کہ تمہارا ایمان کا ثبوت یہی ہے۔ اور اگر تم اللہ کی راہ میں ہجرت نہیں کرتے، تو جان لو کہ تم اللہ کی شدید مغضوبیت کے حقدار اور سزاوار ٹھہرائے جاؤ گے۔ منافقین کے ذکر میں اس پارے کے آخر میں بڑی شدید وعید وارد ہوئی کہ اللہ کو اگرچہ کفار بھی بہت مغضوب ہیں کہ کھلے کافر اللہ کو انتہائی ناپسند ہیں۔ لیکن منافقین ان سے بھی بڑھ کر اللہ کو ناپسند ہیں۔ جنہوں نے لبادہ اسلام کا اوڑھا ہوا جو زبان سے اسلام کا کلمہ پڑھتے ہوں۔ جو زبان سے مدعی ہوں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کے لیکن جن کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے دین سے اپنی جان و مال زیادہ محبوب رکھتے ہوں۔ جن کے لئے جہاد اور قتال بہت بھاری ہو گیا ہو۔ چنانچہ فرمایا گیا۔ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدِّمِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ اور ان کو کفار سے بھی بڑھ کر سزا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مہلک مرض سے بچائے رکھے۔ آمین

## لَا يُحِبُّ اللَّهُ

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْمِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ط  
 قرآن مجید کا چھٹا پارہ - لَا يُحِبُّ اللَّهُ - کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے  
 اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں پہلے سورہ النساء کی بقیہ آیتیں شامل  
 ہیں۔ اور اس کے بعد سورہ مائدہ کی ایک سو بیس میں سے بیاسی آیات سورہ النساء  
 کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے۔ اُس کا اکثر و بیشتر خطاب اہل کتاب پر مشتمل ہے  
 چنانچہ اہل کتاب کو بالعموم اور یہود کو بالخصوص متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان شرارتوں  
 سے باز آجائیں جو وہ اسلام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کر رہے ہیں۔ ساتھ  
 ہی یہود کے اس مذموم خیال کی نہایت سختی کے ساتھ تردید کی گئی کہ ان کا یہ خیال  
 تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھا دیا گیا ہے۔ فرما دیا گیا - وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا  
 صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ مَثْبُتٌ لَهُمْ ط (رتوجحکہ) انہوں نے انہیں قتل کیا اور  
 نہ سیلاب پر چڑھایا بلکہ اس پورے معاملے میں اُن کو ایک شبہ میں ڈال دیا گیا  
 اس حصے میں بہت اہم مضمون یہ بھی وارد ہوا ہے کہ نبوت اور رسالت کی اصل  
 غرض و غایت کیا ہے۔ چنانچہ بہت سے انبیاء کا نام ذکر کر کے فرمایا گیا۔  
 آیت :- رِسْلًا مَّبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ  
 عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ السُّلْطَانِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ط -  
 یعنی \_\_\_\_\_ اگرچہ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں سماعت  
 و بصارت اور عقل و شعور اور نیکی و بدی کی تیز دے کر بھیجا ہے۔ اور اس اعتبار  
 سے ہر انسان مکلف ہے۔ مسئول ہے اور جوابدہ ہے

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت متقاضی ہوئی کہ انسانوں پر مزید فضل و کرم فرماتے  
 ہوتے۔ نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری فرماتے۔ چنانچہ انبیاء کرام علیہم السلام

کے رسولوں نے حق و صداقت اور عدل کی راہ کو قولاً بھی واضح کیا اور عملاً بھی اس  
 کا نمونہ پیش کر دیا تاکہ انسانوں کے پاس خدا کے یہاں کوئی عذر نہ رہ جائے کہ وہ یہ کہہ  
 سکیں کہ ہمیں معلوم نہیں تھا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے۔ یا وہ یہ کہہ سکیں کہ اے  
 اللہ ہم نہیں جانتے تھے کہ تو کیا چاہتا ہے۔ لہذا انبیاء کرام کی بعثت کے بعد اور  
 رسولوں کے اس دنیا میں تشریف لانے کے بعد اب گویا نوع انسانی پر اتمامِ حجت  
 ہو گئی۔ اور اب ان کے پاس اللہ کے یہاں پیش کرنے کے لئے کوئی عذر باقی نہ رہا۔  
 سورہ مائدہ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے قرآن مجید کی آخری سورتوں میں سے ہے۔  
 اور بالخصوص شریعتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس اعتبار سے ہر پہلو  
 سے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران اور سورہ انبیاء  
 کی طرح اس سورہ مبارکہ میں بھی کچھ آیات میں خطابِ اہل کتاب ہے اور کچھ  
 آیات میں امتِ مسلمہ سے۔ مسلمانوں سے خطاب کر کے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا  
 ہے شریعت کے اخروی احکام عطا کئے گئے۔ چنانچہ بالکل آغاز ہی میں کھانے پینے  
 کی چیزوں میں ملت و حرمت کا اخروی ضابطہ بیان ہوا۔ ساتھ ہی اہل کتاب کی  
 خواتین سے نکاح کی اجازت ملی۔ مزید برآں اسی سورہ مبارکہ میں چوری پر قطعِ ید  
 کی سزا کا اعلان ہوا۔ قتلِ ناحق کی شدید مذمت کی گئی اور فتنہ و فساد اور لہزنی  
 اور ڈاکہ ڈالنے کی سزا انتہائی سختی کے ساتھ مقرر کی گئی اس اعتبار سے سورہ  
 مبارکہ شریعت کی تکمیلی سورہ ہے اور اسی میں وہ آیت مبارکہ بھی وارد ہوئی ہے  
 اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَاَسَمِعْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ  
 لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ ترجمہ: آج ہم نے تم پر اپنے دین کو مکمل فرما  
 دیا اور اپنی نعمت تمام کر دی اور اس دینِ اسلام کو تمہارے لئے پسند کر لیا۔ یہ  
 آیت مبارکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے عجتہ الوداع کے موقع پر نازل ہوئی  
 ہے اور اس میں شریعت کی تکمیل کا اعلان ہو گیا ہے وہ شریعت جو سابق انبیاء  
 کے ذریعہ تدریجی مراحل طے کرتے ہوئے بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تکمیل کی

پہنچی اور خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس کا نزول تدریجاً ہوا۔ چنانچہ اکثر و بیشتر معاملات میں جو ابتدائی احکام ہیں وہ سورہ بقرہ میں وارد ہوئے ہیں۔ اور تکمیلی احکام یہ ہیں جو اس سورہ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔ اس سورہ مبارکہ میں اہل کتاب کے جی بہت مفصل خطاب ہے۔ اور اس اعتبار سے بھی یہ گویا کہ سورہ بقرہ آل عمران و سورہ النساء اس سلسلے کی مہر گویا کہ تکمیل سورۃ ہے۔ چنانچہ ان سے بڑے ہی دلنشین پیرائے میں لیکن ساتھ ہی کان کھول دینے کے انداز میں فرمایا گیا۔ آیت - يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا الشَّرَايِعَ وَالْأَحْكَامَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ ط لَئِيْ اَهْلَ الْكِتَابِ تمہاری کوئی حیثیت نہیں اللہ کی نگاہ میں تمہاری کوئی وقعت نہیں جب تک کہ تم قائم نہیں کرتے تورات کو اور انجیل کو اور وہ جو کچھ کہ تم پر نازل کیا گیا تمہارے رب کی طرف اس میں خود ہم مسلمانوں کیلئے بھی بڑی تہدید ہے۔ اور بڑی تنبیہ ہے ہمیں بھی یہ سوچنا چاہیے کوئی امت جو اللہ کی کتاب کی حامل قرار پاتی ہے۔ شریعت آسمانی کی امین بنتی ہے اسی کے کاندھے پر مانت کا ایک بار گراں آتا ہے۔ اگر وہ اس شریعت کو خود نافذ نہیں کرتی اس پر خود مل نہیں کرتی، اسے خود اپنی زندگی کا لائحہ عمل نہیں بناتی تو گویا کہ وہ خواہ زبان سے اس شریعت کو ماننے کا اقرار کرے اپنے عمل سے تکذیب کر رہی ہوتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی شدید سزا اور عقوبت کا مستحق بنا دیتی ہے۔ چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں یہ فرما کر گویا کہ خود ہمارے لئے یہ ایک پیشگی تنبیہ اس سورہ مبارکہ میں فرمادی گئی۔ گویا کہ ہم اس کو یوں پڑھ سکتے ہیں۔ کہ اے اہل قرآن جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں وارد بھی ہوا۔

لَا تَتَوَسَّلِ الْقُرْآنَ : ترجمہ :- کہ اے قرآن والے قرآن کو صرف

کہہ نہ بناؤ۔ صرف ایک ذہنی معیار ایک قلبی اطمینان کہ ہم حامل کتاب الہی ہیں ہم اللہ کی شریعت کے حامل ہیں۔ بلکہ اس کتاب کے حقوق ہیں۔ جو تم پر عائد ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں بڑی اہم ذمہ داریاں ہیں جو تم پر عائد ہوتی ہیں۔ مندرجہ

بل تقرؤہ اتلوہ حق تلاوتہ فی انامی اللیل والنہار ترجمہ: بلکہ اس کو پڑھا کرو جو کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے رات کے اوقات میں بھی دن کے اوقات میں بھی و تحفظوہ اور اس کو خوش الحانی سے پڑھ کر حفظ اٹھایا کرو۔ واغشووہ اور اسے عام کرو۔ اس کے پیغام کو دنیا میں پھیلاؤ۔ اس کے نور سے چاروا تک عالم کو منور کرو۔ وتذبروہ فیہ لعلکم تفلحون۔ اور اس پر تدبر کرو غور و فکر کرو، اس سے تمہاری صلاح وابستہ ہے۔ اس سے حقیقی بھلائی ملے گی۔ گویا کہ اس سورہ مبارکہ میں جہاں ایک طرف مسلمانوں کو تکمیلی احکام دیدیئے گئے شریعت کے مختلف پہلوؤں کے اعتبار سے آخری ہدایات دے دی گئیں۔ وہیں اہل کتاب کے حوالے سے یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ حامل شریعت ہونا اور حامل کتاب الہی ہونا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ انہیں ادا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔

ساتواں پارہ

## وَإِذَا سَمِعُوا

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ج۔ قرآن مجید کا ساتواں پارہ وَإِذَا سَمِعُوا کے نام سے موسوم ہے اس میں ابتداً سورہ مائدہ کی ۳۸ آیات شامل ہیں اور اس کے بعد سورہ انعام شروع ہوتی ہے۔ اس کی کل ایک سو پینسٹھ آیات میں سے ایک سو دس آیات اسی پارے میں وارد ہوئی ہیں۔ سورہ مائدہ کے بارے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ شریعت کی تکمیلی سورت ہے۔ چنانچہ اس میں شریعت نبی محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے تکمیلی احکام وارد ہوئے ہیں۔ جو حصہ اس ساتویں پارے میں شامل ہے اس میں بھی احرام کی حالت میں شکار کر لینے پر جو سزا یا کاغذ معین کیا گیا ہے اس کا بیان آیا، قسم توڑنے کے کفار سے کا بیان ہوا اور شراب اور چوئے

کے بارے میں بھی آخری حرمت کا حکم نازل ہوا۔ اس شراب اور جوتے کے آخری حکم کی حرمت پر بعض مسلمانوں کو تشویش ہوئی کہ جو لوگ اس سے پہلے اس حرام چیز سے شغل کرتے رہے اور اسی حالت میں انہوں نے نمازیں بھی پڑھیں ان کی نمازوں کا کیا بنے گا۔ یہ تشویش گویا کہ بالکل اسی طرح کی تھی جس طرح کی تشویش مسلمانوں کو تحویل قبلہ کے بعد لاحق ہوئی تھی کہ سولہ سترہ مہینے تک ہم جو نمازیں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھتے رہے اب ان نمازوں کا کیا ہوگا۔ روح دین کے اعتبار سے اس ضمن میں بڑی اہم بات واضح کی گئی کہ دین میں اصل چیز تو تقویٰ ہے۔ خدا کا خوف، مسؤلیت کا احساس، اللہ کے حضور میں حاضری اور اس کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے رہنا اور اس کے احکام کو توڑنے سے بچتے رہنا جن کو ہم تقویٰ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ دین کی اصل روح یہ ہے۔ اگر پہلے تکمیلی احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ اس وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے بھی کوئی کمی ہوتی رہی تھی۔ تو اس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ فرمایا گیا۔ : اِذَا مَا تَقَوُّوْا اٰمَنُوْا شَمَّ اَتَقَوُّوْا اَحْسَنُوْا وَاَللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ :- تقویٰ اگر ہے اور وہ روح تقویٰ انسان کو ایمان کے راستے پر گامزن رکھتی ہے۔ ایمان میں انسان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اعمال میں بھی تدریج ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقام احسان پر فائز ہو جاتا ہے تو یہ روح تقویٰ وہ ہے جو انسان کو آخری منزل تک پہنچا سکتی ہے اور یہی مقام احسان ہے کہ جو اللہ کی پسندیدگی کا احسان ہے اللہ کو محسنین بہت پسند ہیں۔ اہل کتاب کے خطاب کے ضمن میں سورہ مائدہ کے اخیر میں ایک بڑی عجیب بات بیان ہوئی ہے کہ قیامت میں جب امتوں کا محاسبہ ہوگا تو ان کے سامنے ہی ان انبیاء رسل سے بھی پرسش ہوگی۔ یہ بات آگے چل کر سورہ اعراف میں بھی بہت واضح انداز میں بیان ہوگی۔ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (ترجمہ) ان سے بھی پوچھیں گے کہ جن کی طرف ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے



نور رسولوں سے بھی - چنانچہ قیامت میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال فرمائیں گے - آیت - **عَاثَمْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذْ وُفِي وَاُمِّي** **الْهَيْئِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ** الخ آیت ۱۶ المائدہ (ترجمہ) اے عیسیٰ ابن مریم کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو بھی اللہ کے سوا معبود بنالینا اور حضرت مسیح علیہ السلام انتہائی لجاجت سے جواب دیں گے کہ اے اللہ میرے لئے کیسے ممکن تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے حق نہیں ہے - اگر میں نے کہا ہوتا تو وہ میرے علم میں ہوتی - اس سے گویا کہ اشارہ کیا گیا! اس بات کی طرف کہ امتوں کی گمراہیوں کی قیامت کے دن ایک شکل اس صورت میں بھی پیدا ہو گی کہ ان کے انبیاء و رسل کو شرمندگی کا سامنا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کرنا ہوگا۔ اس کے بعد قرآن حکیم میں سورہ النعام شروع ہوتی ہے - قرآن مجید میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ ہے جو مکئی ہے اس کے بعد چار طویل ترین مدنی سورتیں ہیں اور اس کے بعد دو سورتیں مکی ہیں - سورہ النعام اور سورہ اعراف اور یہ ہر اعتبار سے مکی سورتوں کے ایک انتہائی حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں قرآن مجید میں وارد ہوتی ہیں - ان دونوں میں مضامین کی ترتیب بہت عجیب ہے - دونوں میں اسل خطاب کا رخ مشرکین عرب کے بالعموم اور قریش مکہ کی طرف بالخصوص ہے - ان کی گمراہیوں پر ان کے شرک پر دین ابراہیمی میں جو بدعات انہوں نے جاری کر دیں تھیں ان پر سختی کے ساتھ گرفت کی گئی ہے اور توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے البتہ سورہ النعام میں اس کی ساری گفتگو کا دار و مدار امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے الفاظ میں **التذکیر بالآلاء اللہ پر ہے** - یعنی اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے توحید کا بیان اللہ کے احسانات آفاق و انفس میں اس کی توحید کی نشانیاں اس کی کمال صفات کے شواہد جو ہر طرح ہر طرف موجود ہیں، ان کے حوالے سے اس شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت ہے اسی ضمن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑا تفصیل کے ساتھ

ذکر ہوا۔ واضح رہنا چاہیے کہ بالعموم جس میں اہل عرب بالخصوص قریش مکہ اس بات کے مدعی تھے کہ وہ دینِ ابراہیمی پر ہیں۔ بلکہ وہ نسلِ بھی اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی سے وابستہ سمجھتے تھے۔ جہاں تک قریش مکہ کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ چنانچہ اس سورہ مبارکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر دونوں اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اس پہلو سے بھی کہ وہ اعلیٰ الاطلاق۔

پوری نوع انسانی کے اعتبار سے بڑے اہم مقام و مرتبہ پر فائز ہیں۔  
علامہ اقبالؒ نے جو فرمایا ہے کہ

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے  
ہوس چھپ چھپ کے سینے میں بنا لیتی ہے تصویریں

تو واقعہ یہ ہے کہ پوری نسل انسانی کی تاریخ میں توحید کے اعتبار سے امام الناس ابوالانبیاء اور خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بڑا بلند مقام ہے اس سورہ مبارکہ میں ان کی اس حجت کا ذکر ہے جس کا حوالہ خود اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا۔ آیت دَلِیْلُ حُجَّتِنَا اٰتٰیْنٰهَا اِبْرٰہِیْمَ عَلٰی قَوْصِہ طیر ہماری وہ حجت ہے جو ہم ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں عطا فرمائی چونکہ ان کی قوم سورج کی پرستش کرتی تھی چاند اور ستاروں کی پرستش کرتی تھی بت پرست بھی تھی۔ بڑے بڑے ہیکل انہوں نے تعمیر کئے تھے۔ اور کثیر تعداد میں بت انہوں نے رکھے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خاص طور پر ان آیات میں جو کہ سورہ مبارکہ میں وارد ہوئی ہیں۔ ستارہ پرستی اور سورج پرستی کی مذمت کی اور بڑے ہی دلنشین پیرائے میں اس بات کو کھولی دیا کہ نہ سورج میں کوئی الوہیت ہے اور نہ چاند میں تاروں میں یہ سب ڈھب جاننے والے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی نہ دوام ہے اور نہ بقا حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان سے کیسے محبت کروں ان کو کیسے پوجوں جو بالآخر ڈھب جاننے والے ہیں افسانہ کے بعد اتم ہے وہ نعرۂ توحید جو حضرت ابراہیم

علیہ السلام کی زبان پر وارد ہوا۔  
 رَآئِي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلدِّمِ  
 فَطَرَ السَّمُوتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ہ۔ میں نے  
 تو ہر طرف سے یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور  
 زمین کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز اس کے ساتھ شرک کرنے والوں میں سے  
 نہیں ہوں۔

آٹھواں پارہ

## وَلَوْ أَنَّنَا

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ  
 كُلَّ شَيْءٍ قَبْلًا مَا كَانُوا يَؤْمِنُونَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ  
 يَجْهَلُونَ ہ

قرآن مجید کا آٹھواں پارہ ولو اننا کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام  
 سے موسوم ہے۔ یہ پارہ دو برابر برابر حصوں میں منقسم ہے۔ اس کے نصف اول  
 میں سورۃ الانعام کی بقیہ پچپن (۵۵) آیات وارد ہوئی ہیں۔ اور نصف ثانی میں  
 سورۃ اعراف کی ۸۷ آیات ہیں سورۃ الانعام کا جو حصہ اس پارہ میں وارد ہوا ہے  
 اس میں ابتداء رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ آپ دلگیر نہ  
 ہوں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لارہے۔ انھیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تو اپنی شرافت  
 طبع اور مروت کی بناء پر یہ احساس ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کا  
 سبب کہیں میرے ابلاغ اور تبلیغ اور دعوت و نصیحت میں کسی اعتبار سے کوئی  
 نقصان تو نہیں اور دوسرے جیسا کہ اس سورہ مبارکہ کے آغاز میں بھی آیا کفار کی

طرف سے جب مطالبہ کیا گیا کہ ہمیں معجزات دکھائے جائیں ہم ایمان لے آئیں گے تو اس پر بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بر بنائے طبع بشری پیدا ہوا کہ کیوں نہ انہیں ان کی پسند کے معجزات دکھا ہی دیئے جائیں اور ان کے مطالبات پورے کر دیئے جائیں کیا عجب کہ وہ ایمان لے آئیں اور اگر ایمان نہ لائیں تب بھی کم از کم اُن پر حجت تو قائم ہو جائے اس پارے کے آواز میں فرمایا کہ اس خیال میں کوئی حقیقت نہیں انہیں اگر تمام معجزات بھی دکھا دیئے جائیں وہ تمام چیزیں جڑ کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں پوری کر دی جائیں پھر بھی یہ ماننے والے نہیں اس کے بعد مشرکین عرب اور قریش مکہ کی ان بدعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا جو انہوں نے دین ابراہیمی میں اپنے دل سے گھڑ کر شامل کر لی تھیں چنانچہ کھانے پینے کی چیزوں میں ایک لمبا چوڑا سنا بٹا انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر دین ابراہیمی کے نام سے نافذ کر دیا تھا۔ اس کی شدت کے ساتھ مذمت کی گئی ہے اور آخر میں بڑی جامعیت کے ساتھ یہ بتایا گیا۔

قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۚ دِينًا

قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

اُوں میں تمہیں بتاؤں تمہارے رب نے کن چیزوں کو حرام کیا۔ دین ابراہیمی کے اصل اصول کو لے لے ہیں۔ شریعتِ آسمانی کے اصل اور بنیادی احکام کو لے لے ہیں یعنی یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ، چوری سے بچو، یتیموں کا مال ہڑپ کرنے سے باز آؤ، اسی طریقے سے فواحش سے بچو اور بھی جو بنیادی اخلاقی تعلیمات ہیں ان سب کو بڑی جامعیت کے ساتھ اس مقام پر ان سب لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ یہ ہے اصل دین۔

قُلْ إِنِّي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

میں حضور سے کہلوا یا گیا یہ میرا سیدھا راستہ ہے یہی اصل ملتِ ابراہیمی ہے اور یہی وہ امور ہیں کہ جن کی طرف میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں آخر میں رُوح

دین کے اعتبار سے بڑی جامع بات ہے حضور کو حکم ہوا کہ آپ یہ فرما دیں ۔  
 - اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝  
 لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُخْرِجْتُ ۚ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۝  
 میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت یہ سب کچھ اللہ ہی کیلئے  
 ہیں ۔ اللہ ہی کے لئے ہو جانا انسان کی زندگی اور موت کا انسان کے جینے اور  
 مرنے کا انسان کی پسند اور ناپسند اس کا معیار و امد اللہ کی پسند ہے یہ ہے اصل  
 دین اور یہ ہے دین کی اصل حقیقت اور اس کی اصل روح اس کے بعد سورہ الاسراء  
 کا آغاز ہوتا ہے یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی استعمال  
 کردہ اصطلاح کے مطابق تسبین کی بڑھ چیں و جمیل ایک مثال ہے یعنی نسل انسانی کی  
 تاریخ کے اہم واقعات استنبہاد جس میں انبیاء و رسل کے حالات و واقعات  
 بڑی تفصیل کے ساتھ دار و دوئے ہیں ۔ اس سورۃ مبارکہ کا اکثر و بیشتر حصہ تاریخ  
 انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے پہلا رکوع بہت جامع ہے اور اس میں  
 وہ آیت بھی دار و دوئی ہے ۔

وَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ  
 الْمُرْسَلِيْنَ ۝

حکم باز پرس کریں گے اور محاسبہ کریں گے اُن کا جن کی طرف ہم نے  
 رسولوں کو بھیجا اور ہم پوچھیں گے اُن سے بھی جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا اس  
 کے بعد کے دو رکوع میں قصہ آدم و ابلیس بیان ہوا ہے اور اس کے بعد  
 دوسرے پہلو جو سورۃ بقرہ کے چوتھے رکوع میں بیان ہوئے ۔ یہ قصہ قرآن مجید  
 میں ابتدا یا گمراہی کے بعض پہلو تشنہ رہ گئے تھے اُن کی تفصیل بیان کی گئی ہے ۔  
 گویا کہ نسل انسانی کو متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہارا ازل اور بادی دشمن شیطان ہم  
 رہی ہے جس نے تمہارے جدا جدا حضرت آدم علیہ السلام اور تمہاری اماں خواہیلا  
 السلام کو جنت سے نکلوا یا تھا اور اب بھی وہ درپے ہے کہ تمہیں دوبارہ مادی

جنت میں داخل نہ ہوئے دے اپنے اس دشمن کو پہچانو۔ ابتدا فرمیش یا یوں کہیے کہ نسل انسانی کے آغاز کے ان واقعات کے بعد نسل انسانی کے اخروی انجام کا ذکر ہوا چنانچہ تفصیل کے ساتھ بتایا گیا کہ نسل انسانی کس انجام کے ساتھ دو چار ہونے والی ہے ان میں کچھ خوش قسمت لوگ وہ بھی پیدا ہوں گے جو اللہ کی رحمت کے دامن میں جگہ پائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔

آیت۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا يَكْفُفُ لِنَفْسٍ إِلَّا رُسْعُهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ہ ان کا مقسم بنے گا اور کچھ بد قسمت لوگ وہ ہوں گے جو جہنم میں داخل کئے جائیں گے اور عذاب شدید میں مبتلا کئے جائیں گے ساتھ ہی ذکر ہوا اصحاب کہف کا یہ حالات و واقعات ہیں کہ جو گویا نسل انسانی کی تاریخ کے بالکل آخری دور کے واقعات ہیں۔ اس کے بعد شروع ہوتا ہے انبیاء اور رسل کی تعریف کا سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام جو قوم عاد کے طرف بھیجے گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام جو قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے۔ حضرت ہود علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام ان کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا کہ یہ سب دور انسانی کو حق کی طرف دعوت دیتے تھے۔ توحید کی طرف بلانے کیلئے آئے بد اعمالیوں سے فحاشات سے منکرات سے روکنے کے لئے آئے لیکن انسان اپنی بد سنجی میں اپنی سرکشی میں اپنے تکبر میں کھڑا راکھ پر اڑا رہا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تمام قوموں پر ہلاکت کا عذاب نازل ہوا قوم نون کو نوح لیا گیا قوم عاد اور ثمود بھی اس طرح تباہی سے دو چار ہوئی قوم لوط پر آسمان سے بھروں کی بارش ہوئی اور ان کی بستیاں برباد کر دی گئیں۔ یہ تمام حالات واقعات یہی حقیقت کی طرف راہنمائی کر رہے ہیں کہ کامیابی اس دنیا میں بھی بالآخر ان کے حصے میں آنے والی ہے جو خدائے واحد کے پرستار ہوں انبیاء و رسول کی نوت کو قبول کریں اور اس پر لبیک کہیں۔ نیکی اور صداقت راستہ بازی اور سست روی کو اختیار کریں اور بربادی مقدر منتی ہے ان کا جو اس دنیا میں بھی ان کے برعکس روش اختیار کریں اور آخرت میں تو وہ دردناک انجام سے

لئے کہ یہ ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور خود اُن حضور کے فرمانِ مبارک کے مطابق کوئی شخص  
 مومن نہیں قرار پاسکتا جب تک اُسے اُن حضور سے اپنے والدین، اپنی اولاد اور تمام  
 انسانوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو جائے۔ اسی طرح سورہ حجرات میں واشکاف الفاظ میں  
 اہل ایمان کو مقصد فرمایا گیا کہ آنحضور کی شان میں غیر ارادی طور پر ادنیٰ سی گستاخی بھی  
 تمام اعمال کے اکارت جانے کا سبب بن سکتی ہے۔ بقول شاعر؎

ادب کا ہیست زیر آسمان از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید  
 اِس حضور سے ہمارے تعلق کی تیسری بنیاد اطاعت اور اتباع سے یعنی نہ صرف آپ  
 کے ہر حکم کی بے چون و چرا تعمیل، جو منطقی نتیجہ ہے ایمان اور تعظیم کا بلکہ آپ کے ان  
 معمولات کی بھی حتی الامکان پیروی، جن کا آپ نے لفظاً حکم نہیں دیا، جو لازمی نتیجہ  
 ہے عشق و محبت کا!

آنحضور سے ہمارے تعلق کی آخری اور اہم ترین اساس ہے آپ کی نصرت و تائید  
 یعنی آپ کے مشن یا مقصد بعثت کے بین الاقوامی یا عالمی مرحلے کی تکمیل کے لئے اپنا  
 وقت، قوت، صلاحیت اور روپیہ پیسہ صرف کرنا تاکہ رسالتِ محمدی کا پیغام چہار  
 وانگ عالم اور آپ ایک فرد و نوع بشر تک پہنچ جائے اور اللہ کا دین کُل رستے ارضی پر  
 غالب و نافذ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کام کی انجام دہی کا واحد ذریعہ ہے اللہ کی کتاب  
 قرآن مجید و فرقان حمید، کی تبلیغ اور اس کے علم و حکمت اور علیات و ہدایات کی نشرو  
 اشاعت۔ گویا اس نور کا اتباع جو اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نازل کیا گیا۔ چنانچہ  
 یہی بامیں نہایت جامعیت کے ساتھ وارد ہوتی ہیں سورہ اعراف کی آیت مثلاً  
 کے ان الفاظِ مبارکہ میں کہ :-

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ  
 الَّذِي نَزَّلَ مُنْعَةً أَوْ لَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝

یعنی: پس جو لوگ ہمارے اس رسولِ نبی اُمّی پر ایمان لائیں اور اُس کی تعظیم کریں  
 اور اُس کی مدد کریں اور اس نور کی پیروی کریں جو اُس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے  
 وہی لوگ کامیاب اور فائز المرام ہوں گے!

لے اللہ ہمیں بھی ایسے لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!!

آمین یا رب العالمین !!

# مذاکرات قرآنی

۲۳ تا ۳۱ مارچ روزانہ شام کی نشستوں کا  
پروگرام حسب ذیل ہوگا

عصر تا مغرب مختلف سیاسی و قانونی ، معاشی و اقتصادی اور سماجی و عمرانی  
موضوعات پر روزانہ ایک مقالہ پیش ہوگا اور اس پر بحث و گفتگو ہوگی ۔  
مغرب تا عشاء روزانہ قرآن مجید کے کسی مقام کا درس یا حکمت قرآنی کے کسی  
پہلو پر تقریر ہوگی اور اس پر بھی سوالات کا موقع دیا جائیگا ۔

23 مارچ کو ساڑھے آٹھ بجے صبح قرآن اکیڈمی ہی میں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا

سالانہ اجلاس عام

منعقد ہوگا جس میں انجمن کے ناظم اعلیٰ محمد بشیر ملک انجمن کی سالانہ رپورٹ  
پیش کریں گے ۔ ناظم مالیات شیخ محمد عقیل آمد و خرچ کا حساب پیش کریں  
گے اور صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد انجمن کے مقاصد اور پیش نظر  
منصوبوں پر روشنی ڈالینگے

————— نوٹ —————

جملہ پروگراموں میں خواتین کی شمولیت کے لئے پردے کا اہتمام ہوگا  
محدود تعداد کی حد تک بیرون لاہور سے آنے والے حضرات کے قیام کا انتظام  
قرآن اکیڈمی میں کیا جا سکتا ہے ۔ ایسے حضرات سے درخواست ہے کہ فوری  
طور پر اپنے ارادے سے دفتر انجمن کو مطلع فرمائیں۔



مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

کے زیر اہتمام اس سال تین یا چار روزہ

# قرآن کا نفرین

کی بجائے انشاء اللہ العزیز

سوموار ۲۳ تا منگلوار ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء

# قرآن اکیڈمی

۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور

میں روزانہ عصر تا مغرب اور مغرب تا عشاء دو اجلاس منعقد ہونگے اس سے  
بعض تفصیل دوسری جانب ملاحظہ فرمائیے

ع صلائے عام ہے یا ران نکتہ داں کے لئے!



جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ - اپریل ۱۹۸۱ء

دو ماہ کے اس مشترکہ شمارے میں جناب ڈاکٹر  
اسرار احمد کا ایک اہم خطاب جمعہ شامل ہے جو موصوف  
نے ۲ مارچ ۱۹۸۱ء کو مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور  
میں دیا تھا۔ جس میں ملک کے موجودہ حالات کے پیش  
نظر چند مفید اور اہم مشورے پیش کئے گئے تھے (مرتب)

:- مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

اشاعت : ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون : ۸۵۲۶۱۱ - ۸۵۲۶۸۳  
مطابع

و لداخذ ميثا لكم ان كدتم موسنين

# ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۳ | جمادی الثانی و رجب المرجب ۱۴۰۱ھ | عدد

## مشمولات

صفہ

- عرض احوال ۱ جمیل الرحمن
- پاکستان کے موجودہ حالات (تذکرہ و تبصرہ) ۵ ڈاکٹر اسرار احمد
- امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات ۷ ڈاکٹر اسرار احمد
- اسلام کی پندھرویں صدی مولانا عتیق الرحمن منبھلی ۱۵
- اسلام اور حقوق اطفال مولانا غازی عنبر ۱۰
- بلا سود ہنگاری اسلامی نظریاتی کونسل ۳
- تعارف الکتاب ڈاکٹر اسرار احمد ۷
- پردے کے متعلق سوال نامہ ادارہ ۸
- خطوط و آراء - مراسلہ نگار اصحاب ۱

مرتبہ ————— (شیخ) جمیل الرحمن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ★ طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدید پریس - شارع فاطمہ جناح - لاہور

# عرض احوال

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

جمادی الثانی اور رجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل و مئی ۱۹۸۱ء کا مشترکہ شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس اشتراک کا سبب یہ ہے کہ منتخب مضامین اہم بھی تھے اور طویل بھی۔ ایک شمارے کی ضخامت ان کی مٹھل نہیں ہو سکتی تھی، لہذا ماہ رجب المرجب ۸۱ء کا شمارہ بھی شامل کر کے اس شمارے کی ضخامت دو گنی کر دی گئی اس طرح اگلے ماہ کا شمارہ پیشگی قارئین کرام کو پہنچ رہا ہے۔ سابقہ شمارے کے ٹائٹل پر سہواً ”جمادی الثانی“ ٹائپ ہو گیا تھا۔ ناظرین سے التماس ہے کہ وہ نوٹ فرمائیں کہ سابقہ شمارہ ”جمادی الاولیٰ“ مارچ ۸۱ء کا تھا۔

اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک **ڈاکٹر صاحب کا ایک اسم خطاب** | فکر انگیز خطبہ ٹیپے منتقل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس تقریر میں موصوف نے پاکستان کے سیاست دان اصحاب، علماء کرام اور دین کا کام کرنے والے حضرات کی خدمت میں چند مفید و اہم مشورے پیش کئے ہیں۔ ہماری کوشش ہو گی کہ یہ شمارہ ملک کی چند نمایاں شخصیتوں کی خدمت میں غور و فکر کے لئے ارسال کر دیا جائے۔ ہم قارئین میثاق سے گزارش کریں گے کہ وہ اس تقریر کا بالاستغاب مطالعہ کر کے ان تجاویز اور مشوروں کے بارے میں اپنی آراء سے مطلع فرمائیں جن کو ان شاء اللہ میثاق میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

جیسا کہ سابقہ شمارے میں عرض کیا گیا تھا کہ امسال سالانہ **محاضرات قرآنی** | دو قرآن کانفرنس کے بجائے ۲۳ تا ۳۱ مارچ ۸۱ء کو قرآن اکیڈمی

میں علمی مجالسِ مذاکرہ منعقد ہوں گی۔ الحمد للہ والمنة ان مجالس علمی کا انعقاد ”محاضرات قرآنی“ QUURANI SEMINAR کے نام سے نو دن تک جامع قرآن قرآن اکیڈمی میں مسلسل جاری رہا۔ ہر روز دو نشستیں منعقد ہوئیں۔ پہلی بعد نماز عصر تا نماز مغرب اور دوسری بعد نماز مغرب تا عشاء۔ عموماً نماز عشاء تا خیر سے

باجامعت ادا کی گئی۔ ان مجالس میں ملک کے بہت سے علماء اور دانشوروں نے مختلف موضوعات پر قرآن حکیم کی روشنی میں مقالات پیش کئے اور تقاریر کیں۔ عموماً ہر مقالے اور تقریر کے بعد شرکار مجالس کو سوالات کا موقع بھی دیا گیا۔

ہماری بڑی خوش نصیبی تھی کہ ان محاضرات میں پاکستانی علماء و دانشوران کے علاوہ پاک ہند کے نامور عالم دین صاحب تصنیف و تالیف، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اسلامیات کے پروفیسر اور موقر و مشہور و معروف دینی مہنامہ ”برہان“ دہلی (بھارت) کے مدیر جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی مدظلہ العالی نے جوان دنوں پاکستانی تشریف لائے ہوئے تھے۔ چھ نشستوں میں شرکت فرمائی، چند کی صدارت کی اور ایک نشست میں ”قرآن حکیم کی آیات محکمات، متشابہات“ کے موضوع پر نہایت فاضلانہ تقریر فرمائی۔ مزید یہ کہ ان محاضرات قرآنی میں شرکت کرنے اور مقالات پیش کرنے کے لئے کراچی سے ملک کے مشہور و معروف ماہر قانون و دستور جناب خالد ایم اسحق صاحب، جناب مولانا محمد طاسین صاحب ناظم و مہتمم مجلس علمی کراچی اور جناب ڈاکٹر ابوسلیمان شاہجہانپوری مقتدرہ اردو۔ کراچی، نے شرکت فرمائی اور اپنے مقالات و خطابات سے ناظرین کو مستفید فرمایا۔ جناب احمد ظفر فاروقی صاحب رسیکریٹری الیکشن کمیشن حکومت پاکستان اسلام آباد سے اپنا مقالہ پیش کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔

علاوہ ازیں لاہور سے حسب ذیل حضرات سے ان محاضرات قرآنی دیگر شرکار میں صدارت فرمائی یا مقالات پیش کئے یا تقاریر کیں۔ نام حروف تہجی کے لحاظ سے لکھے گئے ہیں۔

- ۱۔ جناب ڈاکٹر انصار احمد صاحب اعزازی ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی (شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب)
- ۲۔ جناب ڈاکٹر ابوبکر صاحب سابق صدر شعبہ حیاتیات۔ جامعہ پنجاب۔
- ۳۔ جناب حافظ احمد یار صاحب سابق صدر شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب
- جناب مولانا اسحق بھٹی رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
- جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن
- جناب ڈاکٹر الطاف جاوید صاحب
- جناب ڈاکٹر امان اللہ صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب

جناب ڈاکٹر برہان احمد صاحب فاروقی (سابق پروفیسر جامعہ پنجاب)  
 جناب ڈاکٹر بشیر احمد صاحب صدیقی (پروفیسر شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب)  
 جناب جعفر ہاشمی صاحب  
 جناب مولانا سید حامد میاں صاحب ناظم و مہتمم اعلیٰ جامعہ مدینہ لاہور  
 جناب حبیب اللہ قریشی آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس لاہور  
 جناب پروفیسر ذوالفقار ملک صاحب صدر شعبہ عربی جامعہ پنجاب  
 جناب پروفیسر رفیع اللہ شہاب (ٹیکسٹ بک بورڈ پنجاب)  
 جناب ڈاکٹر سلیم فارانی صاحب سابق شیخ الجامعہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور  
 جناب منیر الدین صاحب چغتائی - صدر شعبہ علوم سیاسی جامعہ پنجاب  
 جناب ڈاکٹر عبدالخالق صاحب صدر شعبہ فلسفہ جامعہ پنجاب  
 جناب مولانا حافظ عبدالرحمن صاحب المدنی مدیر اعلیٰ ماہنامہ ”المحدث“ لاہور  
 جناب پروفیسر عبدالقیوم صاحب بٹ سابق صدر شعبہ عربی جامعہ پنجاب  
 جناب علامہ سید غلام شبیر صاحب بخاری سابق ڈائریکٹر نظامت تعلیمات پنجاب  
 جناب خواجہ غلام صادق صاحب سید نظامت ثانوی تعلیمات پنجاب  
 جناب ظہیر الاسلام فاروقی (تحریک پاکستان کے مشہور کارکن)  
 جناب ڈاکٹر محمد اسلم صاحب شعبہ تاریخ جامعہ پنجاب  
 جناب پروفیسر منظور حسن صاحب عباسی  
 جناب مولانا محمد حنیف صاحب ندوی رفیق ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور  
 جناب مولانا محمد طاہر القاسمی یونیورسٹی لاء کالج لاہور  
 جناب پروفیسر محمد عثمان صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج آف ایجوکیشن - لاہور  
 جناب پروفیسر مرزا محمد منور صاحب شعبہ اقبالیات جامعہ پنجاب  
 جناب مولانا محمد متین صاحب ہاشمی دیال سنگھ کالج لائبریری - لاہور  
 جناب چودھری مظفر حسین صاحب آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس - لاہور  
 جناب پروفیسر یوسف سلیم صاحب چشتی (معروف دانشور اور تحریک پاکستان کے مشہور لیڈر)  
 جناب حافظ نذر احمد صاحب پرنسپل شبلی کالج لاہور -

الغرض اس نوروزہ محاضراتِ قرآنی میں کل چھتیس حضرات نے اپنے قیمتی خیالات  
ابطور خطباتِ صدارت، مقالات اور تقاریر اظہار فرمایا۔ ان شاء اللہ مستقبل قریب  
ہیں اس کی مفصل روداد اور پیش کردہ مقالات و تقاریر میثاق کی کسی خصوصی اشاعت  
میں پیش کی جائیں گی۔ ————— ان مقتدر اور اہل فکر و نظر

کے علاوہ علی گڑھ (بھارت)، سے جناب مولوی سلطان احمد اصلاحی رفیق ادارہ  
تصنیف جماعتِ اسلامی ہند اور ٹورنٹو (کنیڈا)، سے ڈاکٹر نسیم الدین ڈائریکٹر  
*Consortium on Human Resource Development* اور صدر انجمن خدام القرآن  
ٹورنٹو (کنیڈا) کے مقالے میں محاضرات کے آخری دن ڈاکٹر موصول ہوئے جو ان  
شاء اللہ میثاق کی خصوصی اشاعت میں شامل کئے جائیں گے۔

بھمدا شریہ محاسن ہر لحاظ سے مفید و کامیاب رہیں۔ ملک کے موقر انگریزی روزنامہ  
پاکستان ٹائمز لاہور کے اسٹاپ رپورٹ کی جانب سے ان محاضرات قرآنی کے اختتام  
کے بعد ان کی ایک تفصیل رپورٹ ۴ اپریل کے پرچے میں شائع ہوئی ہے جس میں اس  
رہائے کا اظہار کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے موضوع پر یہ سیمینار افادیت اور فکر انگیزی  
کے لحاظ سے فقید المثال تھا۔ اس سیمینار میں نو دن تک ملک کے نامور علماء دین  
اور دانشوروں نے قرآنی تعلیمات کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی۔ سوالات  
و جوابات کا سلسلہ بھی جاری رہا جس کی وجہ سے اس کی افادیت دو چند ہو گئی،

انجمن کا سالانہ اجلاس | طے شدہ پروگرام کے مطابق ۲۳ مارچ کو صبح  
نو بجے قرآن اکیڈمی میں مرکزی انجمن خدام القرآن

لاہور کا نواں سالانہ اجلاس منعقد ہوا۔ انجمن کے دستور العمل کے مطابق مجلس  
منظومہ کا انتخاب ہر دوسرے سال ہوتا ہے اس لئے اس اجلاس کے ایجنڈے میں  
انتخاب کی شق شامل نہیں تھی بایں ہمہ اراکین انجمن کی کثیر تعداد نے اس اجلاس پر  
شریک کی۔ اس اجلاس میں سال گذشتہ کے سالانہ اجلاس کی روداد  
چودھری نصیر احمد و رک معتمد انجمن نے پیش کی جس کی توثیق کی گئی۔ جناب محمد بشیر  
ملک صاحب ناظم اعلیٰ نے دو سال کی کارگزاریوں کی رپورٹ پیش کی جو اس شام  
کے آخر میں بطور ضمیمہ شامل ہے بعدہ شام کے مالیاتی سال کے حسابات شیخ

## تذکرہ و تبصرہ

# پاکستان کے موجودہ حالات اور

ہماری لئے لمحات فکریہ

ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک حالیہ خطاب جمعہ

جیسا کہ قارئینِ میثاق کے علم میں ہے کہ محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کافی عرصے سے مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطبہ جمعہ اور امامتِ مملوٰۃ جمعہ کا فرض انجام دے رہے ہیں۔ چنانچہ ۶ مارچ ۸۱ء کے جمعہ کو خطبہ اول میں موصوف نے مملکتِ خدا وادِ پاکستان کے موجودہ حالات کے متعلق جو اظہارِ خیال کیا تھا اور جو مشورے پیش کئے تھے ان کو ٹیپے منقل کر کے ’تذکرہ و تبصرہ‘ کے عنوان کے تحت استفادہ عام کے لئے پیش کیا جا رہا ہے (ج۔ ر مرتب)

خطبہ سنو نہ اور درود و سلام کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سورہ آل عمران کی

حسب ذیل آیات کی تلاوت کی :-

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ  
مُسْلِمُوْنَ ۝ وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ  
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ  
اِخْوَانًا ۝ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرٍ ۝ فَاِنْ التَّارِفَا تَعْدَكُمْ مِنْهَا كَذٰلِكَ  
يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ اُمَّةٌ  
يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيُؤْمَرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۝  
اُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (۱۰۲ تا ۱۰۴)



تلاوت کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا :-

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں نے خطباتِ جمعہ میں کبھی ملک کی سیاست کو موضوع نہیں بنایا۔ اس لئے نہیں کہ میرے نزدیک سیاست کوئی شجر ممنوعہ ہے یا ہماری دین کے دائرے سے باہر کی کوئی شے ہے۔ میں اس کا قائل ہوں کہ ہمارے دین میں سیاست بھی ہے، حکومت کے معاملات بھی ہیں اور یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے بلکہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارا دین انسانی زندگی کے تمام گوشوں سے بحث کرتا ہے چاہے وہ انفرادی زندگی سے متعلق ہوں چاہے اجتماعی زندگی سے۔ پھر صرف بحث ہی نہیں کرتا بلکہ ان تمام گوشوں کو اپنے تحت لانا چاہتا ہے۔ مزید برآں ”سیاست“ کا لفظ بڑے ہی مقدس انداز میں حدیث شریف میں آیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کَاثَرُ بَنُو إِسْرَائِيلَ تَسُوءُ سُلُوكُهُمْ إِلَّا نَبِيًّا ؕ۔ ”بنی اسرائیل کا معاملہ یہ تھا کہ ان کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔“ آپ کو معلوم ہے کہ بنی اسرائیل میں نبوت کا تسلسل قائم رہا تھا اور ان کے ہاں ایک نبی کے بعد دوسرے نبی مبعوث ہوتے رہے تھے اور یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ پر ختم ہوا تھا جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے۔ ان کے ہاں معاملہ یہ تھا کہ اصل قیادت و سیادت اور نبی اکرم کے ارشاد کے مطابق ”سیاست“ نبیوں کے ہاتھ ہی میں رہتی تھی۔ تو وہ چیز جو انبیاء کا موضوع رہی ہو وہ اپنی ذات میں نجس اور حرام شے نہیں ہو سکتی معاذ اللہ۔ خطباتِ جمعہ میں اس موضوع سے اجتناب اور صرف نظر کرنے کے دو اہم سبب یہ ہیں۔ پہلا یہ کہ ہمارے ہاں بدقسمتی سے ’سیاست‘ کے معنی صرف انتخابات اور حکومت کے معاملات قرار پا گئے ہیں۔ حالانکہ سیاست ایک بڑی وسیع اصطلاح ہے اور کم از کم میراثِ حق اور میری آج ہی نہیں بلکہ طویل عرصے سے سوچی سمجھی رہتے یہ ہے کہ پاکستان میں بسنے والی اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کا جو عمل ہے، اس کا اصل میدان ’انتخابات‘ کا میدان نہیں ہے بلکہ ’دعوت و اصلاح‘ کا میدان ہے اور ان دونوں کاموں میں اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا فرق بلکہ بعض اعتبارات بڑا تضاد ہے۔ دعوت و اصلاح کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں اور انتخابی سیاست کے تقاضے کچھ اور ہوتے ہیں جن کا اجمالی ذکر میں ان شاء اللہ کر دوں گا۔ دوسرا یہ کہ خطبہ جمعہ کے بارے میں میں جانتا ہوں کہ اس کا اصل مقصد قرآن حکیم کے ذریعے سے تذکیر ہے۔ نبی اکرم کے بارے میں مسلم شریف کی یہ حدیث میں متعدد بار

آپ کو سنا چکا ہوں کہ کانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَذْکُرُ  
النَّاسَ۔ یعنی اُس حضور خطبہ جمعہ میں قرآن کی قرأت اور اس کے پیچھے تذکیر فرماتے تھے۔  
یاد دہانی کرات تھے، نصیحت فرماتے تھے تاکہ مشغولات دنیوی کی وجہ سے اگر جذبات ایمانی  
پر کوئی حجاب پڑ گیا ہو۔ ان پر کچھ غبار آگیا ہو۔ وہ کچھ سرد پڑ گئے ہوں تو ان جذبات ایمانی  
کو از سر نو جلا حاصل ہو جائے۔ غبار دور ہو اور حرارت ایمانی عود کر آئے۔ اس تذکیر کا  
ذریعہ بقولے الفاظ قرآنی :- فَذَکِّرُوا الْقُرْآنَ مِنْ یَخَافُ دَعِیْدُ رَقِیْ لَیْ  
نبی! بس آپ اس قرآن کے ذریعے سے ہر اُس شخص کو یاد دہانی اور نصیحت (تذکیر)  
کرائیے جو میری پکڑ سے ڈرتا ہو۔ خود قرآن مجید ہے۔

چنانچہ میں نے خطبہ جمعہ کے لئے اپنا معمول قرأت قرآن اور تذکیر بالقرآن قرار  
دے رکھا ہے اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ یہاں تقریر اور خطبہ علیحدہ علیحدہ نہیں بلکہ تقریر  
ہی خطبہ اول ہوتا ہے اور اس خطبہ اول میں بفضلہ تعالیٰ میں نبی اکرم کی سنت کا  
اتباع کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ یعنی قرأت قرآن اور پھر اس کے ذریعے تذکیر  
نصیحت اور یاد دہانی تاکہ ہم کو اپنے مسلمان ہونے کا شعور مسلسل حاصل ہوتا ہے اور  
ہم پر ہمارے وہ دینی فرائض واضح ہوتے رہیں جو از روئے دین ہم پر عائد ہوتے ہیں۔  
آپ کے علم میں ہے کہ ان ہی دو اسباب کی بنا پر ان موضوعات پر یہاں گفتگو نہیں ہوتی  
جو عام طور پر مساجد میں ہمارے مقررین و خطباء کو مواد فراہم کرتے ہیں۔ (الامکا  
شاء اللہ) لیکن اس وقت ہمارا ملک جن حالات سے دوچار ہے واقعتاً وہ حالات  
بعض اعتبار سے اتنے اہم ہیں کہ ان پر گفتگو کرنا نہ صرف موجودہ ملکی صورت حال کا تقاضا  
ہے بلکہ ہمارے دین کے مصالح کے اعتبار و لحاظ سے بھی ضروری ہے۔

اسی لئے میں نے آج اس موضوع پر گفتگو کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

داخلی حالات میں صاف نظر آ رہا ہے کہ ہچل شروع ہو گئی ہے۔ اس کے آثار ملک  
کی فضا میں واضح طور پر نظر آنے لگے ہیں حالانکہ صورت یہ ہے کہ ہمارے پاس جو اطلاعات  
آتی ہیں۔ وہ یک طرفہ ہوتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قانونا اور حکماً تو سب سے لیکن ایک  
طرف سے یہ ہٹ گیا ہے اور ایک فریق کے لیڈروں کے اخبارات میں بیانات آنے شروع  
ہو گئے ہیں البتہ ان کے ناموں کے ساتھ ان کی پارٹیوں کے ناموں کی عدم کے لفظ کے

اضافے کے ساتھ گردان ہوتی ہے۔ ان بیانات ہی کے ذریعے ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ دوسری طرف کیا ہو رہا ہے۔ ورنہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ ان بیانات میں جن نو یا سات پارٹیوں کے ”اتحاد“ کا ذکر اور مذمت ہوتی ہے اس اتحاد کے داعی کون لوگ ہیں؟ کونسی پارٹیاں اس میں شامل ہیں اور اتحاد کی اصل بنیاد کیا ہے!! اس اتحاد کی خبروں کا دوسرا ذریعہ ان ممالک غیر کی ریڈیو کی نشریات ہیں۔ جن کا دیرہ ہی پاکستان کے خلاف مہم چلانا ہے۔ لیکن حکومت کے ذرائع ابلاغ اور ملکی اخبارات سے اس اتحاد (Alliance) کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میرے نزدیک یہ صورت حال فی نفسه درست نہیں ہے۔ بلکہ مضرب۔ اس سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور لوگ تذبذب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے بعض مخلص صحافی یہ لکھ رہے ہیں اور صحیح لکھ رہے ہیں کہ اس طرز عمل سے *میں* ختم ہو جاتی ہے اور دوسری طرف کی خبروں میں دائیں بازو کے لیڈروں کے بیانات پر بھی اعتماد نہیں رہتا۔ بہر صورت دوسرے نقطہ نظر کے حاملین بھی اسی ملک کے شہری ہیں۔ ان کا نقطہ نظر کسی درجے میں تو براہ راست ہمارے عوام کے سامنے آنے دیجئے۔ البتہ مناسب پابندیاں لگائی جاسکتی ہیں۔ مثلاً اسلام یعنی نظریہ پاکستان کے خلاف باتوں، اشتعال انگیز بیانیوں اور لاقانونیت اور انتشار پھیلانے والی خبروں اور پروپیگنڈے کو ضرور روکا جانا چاہیے۔ لیکن ان کو اپنا نقطہ نظر کسی نہ کسی مثبت انداز میں عوام کے سامنے پیش کرنے کی اجازت ہونی چاہیے۔ پھر ان کے نقطہ نظر پر محکم استدلال سے تنقید ہو۔ اس کا رد ہو اور اس کے مضمر پہلوؤں کو دلائل کے ساتھ واضح کیا جائے تو میرے خیال میں یہ عمل ہمارے عوام کے سیاسی شعور کی تربیت کا باعث ہوگا۔ بہر حال یہ تو ایک ضمنی بات ہے جو بر سبیل تذکرہ بیان ہو گئی۔

مجھے اصل بات یہ عرض کرنی ہے کہ فی الوقت ہمارا ملک جس صورت حال سے دوچار ہے۔ اس نے ہر محب وطن اور پاکستان کے ہر ہی خواہ کو تشویش میں مبتلا کر دیا ہے اور یہ تشویش فطری ہے۔ ہمارا ایک ہوائی جہاز تخریب کاروں کے ہاتھوں اغوا ہو کر کابل پہنچ گیا ہے اور ہماری حکومت کا افغانستان کی اس انتظامیہ سے براہ راست سابقہ پیش آگیا ہے۔ جس کو ہماری حکومت افغانستان کی جائز و مجاز حکومت تسلیم نہیں کرتی اور جو روسی استبداد کے سلائے اور سرپرستی میں اپنے

حریت پسند اور — اور اسلام کے شیعائی  
افغان بھائیوں کے خون سے ہوئی کھیل رہی ہے۔ اس اغوا شدہ جہاز اور یرغما یوں کی ہلاکت  
کی کیا صورت ہونی ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اس واقعہ سے پورے  
ملک میں غم و غصے اور گہری تشویش کی لہر دوڑ گئی ہے۔ بعض ناخوشگوار واقعات کی وجہ  
سے طلباء میں بھی بے چینی اور اضطراب ہے، کہیں کہیں تصادم بھی ہوا ہے ہماری اکثر  
یونیورسٹیاں اور کالج بند ہیں۔ اور اس طرح اکثر تعلیمی اداروں میں تعطل ہے۔ بعض دوسرے  
ملکات بھی بے اطمینانی اور خوف کی کیفیت سے دوچار ہیں۔

پھر اس ملک میں جو دائیں بازو (Rightists) کی جماعتیں کہلاتی ہیں۔  
اخبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیڈروں کی آپس ملاقاتیں اور کچھ گفتگوئیں ہو رہی  
ہیں اور بظاہر ایسا ہوتا ہے کہ یہ گفت و شنید کا سلسلہ حکومت کی اجازت شروع ہوا  
ہے تو میں اس ضمن میں کچھ مشورے پیش کرنا چاہتا ہوں اگرچہ میں جانتا ہوں کہ اس  
نقار خانے میں طوطی کی آواز کوئی سننے والا نہیں۔ لیکن پھر بھی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے فرمان ”الدین النصیحة“ کی تعمیل میں آج کی اس گفتگو میں چاہوں گا کہ اپنے  
فہم کے مطابق ملک ملت کی خیر خواہی میں اپنے مشورے پیش کر دوں۔

جو حضرات میرے کام سے عرصے سے متعلق ہیں، ان کو یاد ہوگا کہ ایک مشورہ میں نے  
زیر شکہ کی منعقدہ سالانہ قرآن کانفرنس میں دیا تھا کہ ہمارے جو وزراء اس ملک میں  
دین کے نفاذ کے دل سے متمنی ہیں اور جن کو واقعی دین کا مستقبل عزیز ہے۔ خدا کے لئے وہ یہ  
طے کر لیں کہ ان کو الیکشن میں براہ راست حصہ لینے اور حکومت کا کوئی منصب حاصل کرنے  
کی کوشش کرنے سے کوئی سروکار رکھنا نہیں ہوگا۔ وہ تو نفاذ دین کا مطالبہ اور تقاضا کریں  
لیکن حکومت کے مناصب، اس کے عہدے اور وزارت سازی وغیرہ کے کاموں سے خود کو  
مستغنی کر لیں۔ ان کا یہ فیصلہ ان کے اخلاص کا ایک منہ بولا اور جیتا جاگتا ثبوت ہوگا اور  
اس بات کا مظہر ہوگا کہ اسلامی نظام کے قیام کے مطالبے کی پشت پر ان کے ایمان کا تقاضا  
ہے کہ حصول اقتدار کی تمنا دار نہ رہیں۔

میں نے اس موقع پر جو کچھ عرض کیا تھا اسی کا آج پھر اعادہ کر رہا ہوں کہ ہمارے  
ہاں سیاست میں ایک وہ طبقہ موجود ہے جو ”اسلام پسند“ کہلاتا ہے۔ گو مجھے یہ اصطلاح

پسند نہیں ہے۔ اس کے لئے اسلام دوست، کی اصطلاح کچھ غنیمت معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال یہ طبقہ فی الواقع ہمارے سیاسی افق پر موجود ہے اور اس کی خاصی بھلی تعداد ہے جو ربانی کلامی اسلام کو ملنے والا ہے۔ بڑی حد تک شعائر اسلامی کا احترام اس کے دلوں میں موجود ہے اگر وہ اس پر پوری طرح عمل پیرا نہ بھی ہوں تب بھی اپنی قومی روایات کے درجے میں یہی اس طبقے کو اسلام سے ایک قلبی لگاؤ ہے اور اس کے دل میں بھی صرف تمنا اور خواہش کے درجے ہی میں یہی یہ جذبہ موجود ہے کہ اسلام کو فی الواقع اس ملک میں قوتِ نافذہ کا مقام حاصل ہو۔ اس طبقے کے فکر و عمل میں تضادات بھی موجود ہیں۔ دورِ خاپن بھی موجود ہے بایں ہمہ اس طبقے کا شمار دین دشمن عناصر میں نہیں کیا جاسکتا۔ اسلام دوست ہی کہلانے کے مستحق ہیں۔ یہ طبقہ ہمارے ملک میں جیسا کہ میں نے عرض کیا، کثیر تعداد میں موجود ہے۔ نکل سیاست پر اسکا خاص اثر بھی ہے۔ یہ طبقہ زیادہ تر ان عناصر پر مشتمل ہے جو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے تحریک پاکستان میں پیش پیش رہا ہے۔ یا اسی ذہن کا حامل ہے کہ پاکستان کے قیام کا اصل مقصد اسلامی نظام کا نفاذ تھا۔ دوسرا طبقہ ان دینی دیسی زعماء کا ہے جو دین کے ساتھ حقیقی تعلق ر

ارکھتے ہیں اور اس کا اظہار ان کی عملی زندگیوں سے بھی ہوتا ہے اور ان کے متبعین کی اکثریت اسلامی نظام کے قیام و نفاذ کے معاملے میں غلصہ بھی ہے اور وہ محض اپنی قومی روایات یا توارث سے ملنے کی وجہ سے اسلام کے ساتھ ذہنی و قلبی وابستگی نہیں رکھتی بلکہ وہ پورے شعور و ایقان کے ساتھ اسلام ہی کو دنیا و آخرت کی فلاح و صلاح اور نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی ہے۔

اس دوسرے طبقہ کے لئے میں پہلے بھی سکے کی قرآن کا فرانس میں مشورہ پیش کر چکا ہوں اور آج پھر نہایت درد مندی اور اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ خدا را آپ الیکشنی سیاست لا تعلق ہو کر پوری تندہی انہماک اور یک سوئی کے ساتھ اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اپنی قوتیں، اپنے اوقات اور اپنے مال و منال و عوت و تبلیغ کے میدان میں صرف کریں اور عوام الناس کے افکار و نظریات اور عقائد کی خالص اسلام اور توحید کی دعوت کے ذریعے تطہیر اور سیرت کر دار کی تعمیری کو اپنا مقصود و مطلوب بنالیں تاکہ ایک طرف عوام الناس کی

معتد بہ اور اثر کن تعداد منکر اور عمل دونوں اعتبارات کے حقیقی مسلمان بن جاتے  
دوسری طرف اس کی دینی حس اتنی بیدار ہو جائے کہ وہ کسی غیر اسلامی بات کو قبول  
کرنے کے لئے تیار نہ ہو اور حقیقی اسلام کا نفاذ ہی اس کا مقصود و مطلوب ہو۔  
دعوت و تبلیغ کا یہ منہاج جتنا جتنا فروغ پائے گا۔ اسی لحاظ سے یہاں حقیقی  
اسلامی نظام کے قیام اور اس کے نفاذ اور خاص طور پر اس کے استحکام کی بنیادیں فراہم  
ہوتی چلی جائیں گی اور اس اصلاح یافتہ معاشرے کا دباؤ ان لوگوں کو مجبور کر دے گا  
جن کے ہاتھوں میں اقتدار کی زمام کار ہوگی کہ وہ اس مملکت خدا داد میں اسلام ہی  
کو نافذ کریں اور قائم رکھیں۔ اسی طرح ان شاء اللہ وہ مرحلہ بھی آسکے گا کہ بلا طلب  
و بلا کوشش زمام اقتدار بھی سنت اللہ کے مطابق مومنین صالحین کے ہاتھ میں آجائے  
بِقَوْلِهِ وَعْدِهِ الْهٰی، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ  
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (النور: ۵۵)  
”اللہ نے وعدہ فرمایا ہے۔ تم سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل  
کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے  
لوگوں کو بنا چکا ہے۔“ اپنی جماعت یا پارٹی کے لئے یا کسی قومی اتحاد میں شامل ہو کر  
اس کے لئے حصول اقتدار کی جدوجہد کرنے اور الیکشن کے میدان میں اترنے کا ایک راستہ ہے۔  
اور عوام الناس کی فکری و عملی تطہیر و تعمیر کی سعی و کوشش کو مقصود بنانے کا دوسرا راستہ۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔  
پہلا راستہ تحزب و اختلاف اور افتراق و انتشار کا راستہ ہے۔ دوسرا راستہ  
خدا ترسی اور فرض منصبی کے طور پر دعوت و تبلیغ نصح و خیر خواہی اور وفاداری کا  
راستہ ہے پھر ان دونوں راستوں کے تقاضے باہم دیگر متضاد اور متضاد ہوتے ہیں۔  
پہلے راستے پر کامزن ہونے والے دوسرے راستے کے کام اول تو صحیح طور پر انجام نہیں  
دے سکتے اور اگر وہ یہ کام کرتے بھی ہیں تو وہ کام حصول اقتدار کی کوشش کا نتیجہ  
بن جاتا ہے اور اس طرح اس کے صحیح و موثر نتائج مرتب نہیں ہوتے۔ پھر میرے  
نزدیک دوسرا راستہ ہی وہ راستہ ہے جو ایک طرف توشہ آخرت ثابت ہوگا اور دوسری  
الہی کے حصول کا باعث ہوگا اور دوسری طرف اپنی سیاسی کوششوں کے نتیجے کے بجائے  
اللہ تعالیٰ کے خالص انعام کے طور پر تمکنت فی الارض پر بھی منتج ہو سکے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد صحیح مسلم میں موجود ہے کہ :

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: الَّذِينَ النَّصِيحَةُ: قُلْنَا  
 مِنْ يَأْتِي رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: لِلَّهِ وَكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلَا يُمَاتُ الْمُسْلِمِينَ  
 وَعَامَّتِهِمْ۔۔۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین تو بس وفاداری اور  
 خیر خواہی کا نام ہے۔ صحابہؓ نے پوچھا: حضور کس کی؟ آپؐ نے فرمایا: اللہ کی، اس  
 کی کتاب کی، اس کے رسول کی اور مسلمانوں کے رہنماؤں کی اور علوم۔۔۔ سب کی!

پس معلوم ہوا کہ جو لوگ خلوص و اخلاص کے ساتھ دین کے ساتھ تعلق  
 (commitment) رکھتے ہیں اور وہ دین کے لئے واقعتاً کچھ کرنا چاہتے ہیں، ان کیلئے  
 لازم ہے کہ وہ نبی اکرمؐ کے اس قول مبارک کو سامنے رکھ کر اپنا لائحہ عمل مرتب کریں۔ ان  
 کی انفرادی زندگی اسلام کا نمونہ ہو، ان کا عمل یہ شہادت دے کہ واقعی اللہ کے بندے ہیں  
 اور وہ اپنی جدوجہد کا ہدف دعوت و تبلیغ اور اصلاح اعمال کو بنائیں، تاکہ عوام الناس  
 کی دین کے ساتھ وابستگی بڑھے ان میں ذہنی و فکری اور اعتقادی ہی نہیں بلکہ عملی  
 و اخلاقی تبدیلی رونما ہو۔ ان کی زندگی بتائے کہ یہ واقعی اللہ کے بندے اور رسول کے امتی  
 ہیں، پیروکار اور متبذع ہیں اور ان کا مطلوب مقصود نجاتِ اخروی ہے۔ الیکشنی سیاست  
 اور حصول اقتدار کی کشمکش کا میدان 'اسلام پسند' طبقے کے لئے جس کو میں 'اسلام دوست'  
 کہنا زیادہ مناسب سمجھتا ہوں چھوڑ دیں اور خود انتخابی سیاست کنارہ کش ہو کر دین کا کام  
 کریں اور اس طرح بالواسطہ اس طبقے پر خود بھی اثر انداز ہوں اور رائے عامہ کا دباؤ بھی  
 ڈالیں کہ وہ صحیح اسلامی نظام کو اس ملک میں قائم و نافذ کریں۔ جیسا کہ میں عرض کر  
 چکا ہوں یہ مشورہ میں نومبر ۱۹۷۷ء میں قرآن کا فرنس میں بھی پیش کر چکا ہوں اور آج  
 پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں۔

اب میں اس طبقے کے غور و فکر کے لئے جو اسلام پسند، یا اسلام دوست کہلاتا  
 ہے، کچھ مشورے پیش کروں گا۔ لیکن اس سے قبل میں چاہوں گا کہ آپ ایک طاہر انظر  
 اپنے ملک کی سیاسی فضا پر ڈال لیں اور ایک سرسری سا جائزہ اس بات کا لے لیں کہ  
 اس وقت سیاسی میدان میں کام کرنے والی جماعتوں اور پارٹیوں کی نوعیت و کیفیت

کیا ہے! ان کے موقف کیا کیا ہیں! ان کے مقاصد کیا ہیں! یہ تجزیہ میری بات کو سمجھنے کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

آپ میں سے کوئی ایسا فرد ہوگا جو اس حقیقت سے ناواقف ہو کہ ہمارے ملک میں سیاسی جماعتیں بے شمار ہیں۔ درجنوں کے حساب سے ہیں اور اس میں ہرگز مبالغہ نہیں ہے۔ پھر ان جماعتوں کی کیفیات و انواع بھی باہم دگر بہت مختلف ہیں۔ کچھ جماعتیں خالص سیاسی ہیں، کچھ خالص مذہبی اور کچھ نیم سیاسی و نیم دینی جماعتیں ہیں۔ ہمارے ملک میں اس وقت جو محاذ آرائی (Political Front) ہو رہی ہے۔ اس میں سب سے پہلی تقسیم اس بنیاد پر ہے کہ چند جماعتیں اور پارٹیاں وہ ہیں جو اسلام کو اپنی جگہ ایک مکمل نظام زندگی تسلیم کرتی ہیں اور اس میں کسی بیرونی نظام کی پیوندکاری کو ضروری نہیں سمجھیں بلکہ اس کو غلط متصور کرتی ہیں۔ یہی وہ پارٹیاں ہیں جو پاکستان کے وجود میں آنے کو بھی صحیح سمجھتی ہیں اور ان کو دین کے نفاذ کے لئے پاکستان کی بقا اور اس کا استحکام بھی عزیز ہے۔ پھر یہ پارٹیاں اس اہم اور بنیادی بات کی مفروضہ قائل ہیں کہ پاکستان اس مقصد کے لئے قائم ہوا تھا کہ اسکے ذریعے عہد جدید کی ایک مثالی اسلامی ریاست اور عہد حاضر کا ایک مثالی معاشرہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ شہادت علی الناس کی جو ذمہ داری نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے پوری اُمت مسلمہ پر بحیثیت اُمت مجموعی طور پر عائد کی گئی تھی۔ وہ ذمہ داری کم از کم پاکستان کے ذریعے اُمت کے ایک حصے کی طرف سے ادا ہو سکے۔ چونکہ شہادت علی الناس کی ذمہ داری صرف انفرادی طور پر ادا نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے ایک اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کا قیام از بس ضروری ہے۔ اگر دین ہوتا محض انفرادی اخلاقی تعلیمات پر مشتمل تو ایک فرد بھی اپنی انفرادی سیرت سے اس کی کامل گواہی دے سکتا تھا۔ لیکن اگر دین انسان کی پوری اجتماعی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہو، جیسا کہ فی الواقع ہمارا دین کئے ہوئے ہے۔ تو اس کے حق ہونے کی شہادت ایک ایسے اجتماعی نظام، اجتماعی معاشرہ اور اسلامی ریاست کے ذریعے ہی عطا کی جاسکتی ہے۔ جس میں مکمل طور پر ان برکات و جنت لا ظہود ہو رہا ہو جو دین الحق، یعنی اسلام میں اس کائنات کے رب، خالق، مالک اور حاکم نے رکھی ہیں اور جو دین منزل من اللہ ہے۔



پاکستان کے قیام کی صورت میں اس امر کا امکان نظر آیا تھا کہ اس آرژوند، مقناود خواہش کی طرف کچھ پیش رفت ہوگی کہ دنیا کے مسلمہ اسلامی نظام کی برکات و حسنات کا ایک عمل نمونہ پیش (*Practical Demonstration*) کیا جاسکے۔ قیام پاکستان کے محرکات میں ذہنایہ بات بھی شامل تھی کہ قیام پاکستان کے ذریعے عالم اسلام کے اتحاد (*Pan - Islamism*) کی طرف بھی ایک قدم ہوگا، جس سے ہندو قوم بڑی خائف تھی۔ گاندھی جی نے بھی ایک مرتبہ قائد اعظم سے پوچھا تھا کہ آپ کے پاکستان کا مطلب *Pan Islamism* تو نہیں ہے۔ یہ سوال ہی بتا رہا تھا کہ ان کو اس کا اندیشہ تھا۔ چنانچہ تقریباً دو سال قبل بھارت میں ایک مشہور ہندو صحافی نے ایک مضمون لکھا تھا جس میں انہوں نے اس سلسلے کا اظہار کیا تھا کہ وہمارا اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہندو تو صرف بھارت میں ہے جبکہ مسلمان پوری دنیا میں ہے، اس لئے بھارت کا پاکستان سے خائف رہنا حقیقی ہے؟ اسی ضمن میں ایک اور دلچسپ اور عجیب بات آپ کو سناتا ہوں۔ چند سال قبل ایک بڑے ہندو صحافی نے لکھا تھا کہ بھارت کے داخلی اور خارجی مسائل کا بہترین حل یہ ہے کہ تمام ہندو مسلمان ہو جائیں، تب ہی ہم ترقی کر سکیں گے خوش حالی ہمارے قدم چومے گی اور ہمارے لئے تمام مسلم ممالک سے روابط اور تجارت کے راستے کھل جائیں گے۔ اس طرح مشرق وسطیٰ کی وسیع مارکیٹ کی راہ میں پاکستان رکاوٹ (*Barriers*) نہیں بنے گا۔ اس خیال کے پیچھے وہی بنیادین کی ذہنیت کارفرما ہے کہ اصل قدر دنیا ہے اور حصول دنیا کے لئے دھرم بدلنا پڑے تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ یہ بات تو بطور جملہ معترضہ درمیان میں آگئی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ کوئی دیانت دار شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ پاکستان کا قیام اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی توقعات اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے ہوا تھا۔

پھر مجھے معلوم ہے کہ ہمارے ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو نظام اسلامی کے قیام سے قطعی مایوس ہو چکے ہیں۔ ان کا ذہن اس توقع سے خالی ہو چکا ہے کہ فی الواقع اس ملک میں اسلامی نظام آئے گا۔ ایسے بھی کچھ لوگ ہیں جن کی زبان و قلم پر یہ بات آنے لگی ہے کہ پاکستان کا قیام خواہ مخواہ ہمارے اس سے کوئی مستقل فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ اسلامی نظام کا نفاذ جو تحریک پاکستان کی حقیقی منزل تھا ”ہندو

روزِ اول کی کیفیت سے دوچار ہے۔ اس معاملہ میں جتنی تاخیر و تعویق ہوگی وہ اسی اور سب سے  
تناسیب سے اس مایوسی کی کیفیت میں اماندہ کا باعث ہوگی اور کسی قوم کے کسی ایک طبقے کا سب  
مایوسی سے دوچار ہوتے چلے جانا قوم و ملک کے لئے انتہائی تشویش ناک ہے۔ اس طرح  
وعدتِ فکر کے قلعے میں مسلسل شکاف پڑتے رہنے کا احتمال قوی تر ہو جاتا ہے۔

بہر حال میں نے دو نمایاں تقسیموں کا ذکر کیا تھا، جس میں پہلی تقسیم واسطے بازو  
*Rightist* کی جماعتوں کا مختصر طور پر میں نے تجزیہ پیش کیا ہے۔ دوسری  
بڑی تقسیم ان جماعتوں کی ہے جو بائیں بازو *Leftist* کی پارٹیاں کہلاتی  
ہیں۔ ملک میں ان پارٹیوں کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ان پارٹیوں کی ٹھاپیں  
کہیں باہر ہیں۔ ان کے نگہ میں غیر اسلامی نظریات نے ڈیرا جمایا ہوا ہے۔ ان کے متوسلین کی  
اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے کہ جن کا نام کے سوا اسلام سے کوئی وابہی سا تعلق بھی نہیں  
ہے بلکہ نظریہ و عقیدے کے لحاظ سے ان کو اسلام سے ایک طرح کا بیر ہے۔ کچھ واقعات  
و حالات کی وجہ سے ان کے نظریاتی اختلافات کی غلیج اور گہری ہو گئی ہے اور اس پرستزاد  
یہ کہ انتقامی جذبات ان پر شدت سے غالب ہیں اور یہ آگ ان کے دلوں میں روز افزوں  
ہے۔ پھر ہماری مغربی سرحد پر ہمارے ایک مسلم برادر ملک پر توسیع پسند سرخ سامراج  
کی تاغوت و تاراج نے ان کے حوصلے بڑھا دیئے ہیں۔ یہ حقائق ہیں، ان سے انکار نہیں  
کیا جاسکتا۔ ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے ہمارے صدر مملکت جب یہ کہہ سکتے ہیں  
کہ ملک میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو مینکوں کے منظر ہیں اور بے چین ہیں کہ بار بار جانے پوچھنے  
کرنے والوں کے گلوں میں بار ڈالیں۔

ملک کی سب سے زیادہ ذمہ دار شخصیت ان خدشات کا اظہار کر رہی ہے۔ جس کے معنی ہیں  
کہ امر واقعہ تو ہے۔

پس یہ دو نمایاں تقسیمیں ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ اس تقسیم میں دوسری قسم  
کی تقسیم کو مزید تقویت پہنچانے والی چیز ہے "علاقائی" (Regional) مصیبت  
و تعصب اور محاذ آرائی، اس صورتِ حال سے فی الواقع ہمارا ملک اس وقت دوچار  
ہے۔ حقائق کو تسلیم کر کے اس کا حل تلاش کرنا دانشمندی کا تقاضا ہے اور ان سے آنکھیں  
بند کر لینا یا ان کا میرے سے انکار دنیا ناماقبت اندیشی ہے جو ملک کے مستقبل کے لئے

انتہائی مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس دوسری قسم کا شاید ہی کوئی فرد پہلے موجود ہو اگر ہو تو میری درخواست ہے کہ وہ میری اس گفتگو کو توجہ سے سنیں اور اس پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اس موقع پر میں اپنی اس رائے کا بھی اظہار کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں اس بات کا قائل ہوں کہ اس نقطہ نظر کے افراد کو بھی قانون کے دائرے میں آتے ہوئے اپنی بات کہنے کا حق ہونا چاہیے۔ قانونی حدود سے باہر کوئی غلط بات کہیں تو ان کو روکنے، ٹوکنے اور اگر ضرورت لاحق ہو تو ان کے خلاف عدالتی کارروائی کیجئے۔ لیکن ان کو منظر (SEEN) سے بالکل ہٹا دینا درست نہیں۔ یہ طرز عمل فوری طور پر تو کچھ مفید ہوتا ہے، نتیجے کے اعتبار سے مفید نہیں ہوتا۔ اس طرح انہوں کے پھیلنے کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے۔ ان کو اپنی بات *openly* کہنے اور پھر دوسروں کو اس پر رد و قدح (CRITICIZE) کرنا چاہیے۔ بہر حال اس وقت میرے اصل مخاطب وہ نہیں ہیں۔ بھلا میں ان کو کیا مشورہ دوں گا۔ ان کے نظریات کچھ اور ہیں۔ ان کی نگاہیں کہیں اور ہیں۔ ان کی سوچ کچھ اور ہے۔ ان کے عزائم کچھ اور ہیں۔ مشورہ تو وہاں دیا جاتا ہے جہاں کوئی قدر مشترک موجود ہو، وہاں تو بات کرنے کا کوئی فائدہ ہوتا ہے۔ لہذا اس وقت میرے اصل مخاطب پہلی قسم یعنی دائیں بازو کی جماعتوں کے لوگ ہیں۔ ان کی خدمت میں، میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں اس امید پر کہ آج کے اس مجمع میں سے جو حضرات اس طبقے سے کوئی ربط و تعلق رکھتے ہوں تو وہ ان معروضات کو اس حلقے کے ذمہ دار اور صاحب فکر حضرات تک پہنچا کر تعاون کریں گے۔

جو کچھ میں ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں، اسے مشورہ کہہ لیجئے۔ اپیل کہہ لیجئے۔ میری آرزو اور تمنا کہہ لیجئے۔ میری مخلصانہ دروندانہ رائے کہہ لیجئے۔ بہر حال میں اس توقع پر یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اپنے فہم کے مطابق صحیح مشورہ دینا میں اپنی دینی اور قومی ذمہ داری خیال کرتا ہوں اور ان شاء اللہ یہ عمل مانع نہیں ہوگا اگر لوگوں نے قبول کر لیا تو فحشو مطلوب۔ اگر رد کر دیا تو بھی میں اخلاص و حسن نیت کے اجر سے محروم نہیں رہوں گا۔ قول حسن اور قول سدید کی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ بالکل رائیگاں نہیں جاتا اور اگر اس کے ساتھ محنت ہو کوشش ہو اور عمل صالح بھی ہو تو بات اور پراگتی

يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ

ہو سکتا ہے کہ آپ میں سے کسی صاحب کے ذریعے یہ باتیں فیل نہ ہوں۔

پیش نظر ہیں ایک نے بردست رکاوٹ ہیں بلکہ انتہائی تباہ کن ہیں۔ آج پھر ملک میں جو وفا آرائی کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آ رہا ہے تو اس مرحلے پر ان جماعتوں کو اس بات پر سنجیدگی سے غور و فکر اور موثر عملی اقدامات کرنے کی ضرورت ہے کہ کس طرح ان جماعتوں کی تعداد کو کم اور اختلافات و تفرقے کو ختم کیا جاسکتا ہے۔ میں نے اس پر کافی غور کیا ہے اور اسی غور و فکر کا حاصل میں آج پیش کر رہا ہوں۔

میرے نزدیک انتہائی ضروری ہے کہ ان دائیں بازو کی جماعتوں کو شعوری اور ذہنی اعتبار سے یہ تقسیم کر لینی اور یہ بات طے کر لینی چاہیے کہ اسلام اور پاکستان کی بقا اور استحکام کے لئے کون سے دو کام، اور دو میدان ہیں۔ ایک میدان ہے سیاست یعنی انتخابات اور حکومت کا۔ اور دوسرا میدان ہے دعوت و اصلاح کا۔ پہلے تو یہ طے کیا جائے کہ کون کس میدان میں کام کرنا چاہتا ہے۔ یہ گڈ مڈ والا معاملہ انتہائی تباہ کن ہے۔ میں پورے یقین کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر آنے والے مرحلے میں ان دائیں بازو (اسلام پسند) جماعتوں نے شکست کھائی تو وہ شکست سابقہ شکست کے کہیں زیادہ ہولناک اور تباہ کن ہوگی اب معاملہ محض انتخابی شکست تک محدود نہیں رہے گا اب انتقامی جذبات ہیں۔ ایک سپر پاور ہمارے دروازے پر آکر بیٹھ گئی ہے۔ کچھ لوگوں کا اگر یہ خیال ہے کہ شاید انڈونیشیا والا معاملہ یہاں ہو جائے گا اور جیسے وہاں ایک خاص نظریے کے لوگوں کو گاجر مولیٰ کی طرح کاٹ دیا گیا تھا ایسے ہی یہاں بھی ہو سکتا ہے تو وہ اس خیال خام کو ذہن سے نکال دیں اقل تو یہ فعل ہی سرے سے غلط ہے دوسرے یہاں معاملہ بہت مختلف ہے۔ روس کے اپنے مفادات ہیں جن کے لئے وہ ہر مناسب موقع (opportunity) کا منتظر ہے اب وہ ہم سے براہ راست متعلق ہے۔ اس کی نوپیں اس شاہراہ کی طرف لگی ہوئی ہیں جن پر ہمیں بڑا اعتماد اور انحصار ہے افغانستان کے صوبے و اغان کو اس نے پوری طرح قابو یافتہ کر کے وہاں اپنے جو مورچے قائم کئے ہیں اس کی وجہ یہی ہے۔ پس حالات میں بڑا فرق ہے اب اگر ”اسلام پسند“ جماعتوں کو شکست ہوئی تو وہ بہت ہی خوفناک تباہی پر منتج ہوگی۔ اور صرف انسانی جان و مال کے اتلاف ہی معاملہ ختم نہیں ہوگا بلکہ ہمارا ملک پاکستان جس مقصد کے لئے وجود میں آیا ہے اور جو امیدیں اس سے وابستہ ہیں اس اعتبار سے

محاط نہت نیچے چلا جائے گا۔ لہذا جس کے لئے بھی ممکن ہے اور شخص بھی اس طبقے کے کسی ذمہ دار شخص تک رسائی رکھتا ہے، اس کا دینی اور قومی فریضہ ہے کہ وہ ان کی خوشامد کرے۔ ان کے سامنے اگر مزدورت ہو تو گڑگڑائے کہ خدا را اختلافات اور تفرقہ کی غلیج کو پاٹنے کی نعلیضانہ کوششیں کیجئے۔ یہ جماعتوں کی کثرت اور ان کی باہمی رستہ کشی پاکستان کے مستقبل کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔

بظاہر جو فضا میں سکون نظر آ رہا ہے تو اس کی وجہ سیاسی سرگرمیوں پر موجود پابندی ہے ورنہ بڑے دکھ سے عرصہ کرتا ہوں کہ صورت واقعہ یہ ہے یہ جماعتیں ایک دوسرے سے انتہائی خار کھاتی ہیں۔ ان کے زعماء میں سے اکثر کے دل ایک دوسرے کی کدورت سے بھرے ہوئے ہیں۔ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّى والی کیفیت ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ یہ متحد ہیں حالانکہ ان کے دل پٹھے ہوئے ہیں، اندسے یہ ایک دوسرے کو اڑنگے لگا رہے ہیں، ایک دوسرے کی ٹانگیں گھسیٹ رہے ہیں۔ ماضی میں یہ لوگ عوام کے سامنے اگر ایک ساتھ اسٹیج پر بیٹھتے تھے لیکن اندرونی حال یہ تھا کہ ایک دوسرے کو ناک دینے کی فکر دامن گیر رہتی تھی۔ یہ محض قیاس و گمان نہیں ہے بلکہ یہ تمام افسوسناک حالات اخبارات کے ذریعے ملک کے سامنے آچکے ہیں۔ اس صورت حال کو واقعاً ختم کرنے ہی میں مافیت ہے۔ ورنہ ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اس سے آگے ایک اور اقدام ضروری ہے وہ یہ کہ واضح طور پر وہ متعین ہو جائے کہ کس کو کس میدان میں کام کرنا ہے۔ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ ہمارے ملک میں دین کا کام کرنے کے دو میدان ہیں۔ ایک انتخابات میں حصہ لے کر ایوان اقتدار میں کثرت سے پہنچنے کی سعی و کوشش کا میدان اور دوسرا دعوت و تبلیغ کے ذریعے سے لوگوں کے افکار کی تطہیر اور سیرت و کردار کی تعمیر کی جدوجہد کا میدان۔ اصلاح معاشرہ کا عظیم الشان کام ایک رلنے یہ ہے کہ جب تک حکومت کی اصلاح نہیں ہوگی، اس وقت تک اس ملک میں نہ اسلامی نظام کے قیام کی طرف صحیح طور پر پیش رفت ہوگی اور نہ ہی معاشرے کی اصلاح ہو سکے گی۔ مجھے اس سے اختلاف ہو بھی، تب بھی میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ اس نظریے اور رائے میں خلوص ہو سکتا ہے اور یہ عمل کسی نہ کسی درجہ میں شاید مفید مطلب بھی ہو سکے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ اس رائے کا محرک محض اقتدار پسندی

ہی ہو اس میں خلوص و اخلاص ہو سکتا ہے۔ یہ رائے دیانت پر مبنی ہو سکتی ہے۔  
 دوسری رائے یہ ہے کہ کل کا کل معاشرہ بگڑا ہوا ہے۔ باستثنائے چند یہاں ہر شخص  
 ذاتی مفادات کا غلام بنا ہوا ہے۔ ہر شخص چور ہے۔ خائن ہے منافق و منافقت کے روگ  
 میں مبتلا ہے۔ یہاں چراغ لے کر ان لوگوں کو ڈھونڈنا پڑے گا جو دیانت دار اور  
 امانت دار ہوں۔ مجھے بتائیے کہ یہاں وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس کوئی منصب ہوا  
 وہ اس سے ناجائز انتفاع نہ کر رہے ہوں! وہ کون لوگ ہیں جن کے پاس کوئی اختیار  
 ہوا اور وہ اس کو ناجائز طور پر استعمال نہ کر رہے ہوں! حکومت کے وہ کون سے عمال  
 اور اہل کار ہیں جو رشوت کی لعنت میں گرفتار نہ ہوں!۔ وہ کون سے صنعت کار،  
 تجارت، زمیندار اور مزدور و کاشت کار ہیں جو اپنے اپنے دائرہ عمل میں دیانت و امانت  
 کے ساتھ اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہوں! کتنے لوگ ہیں جو کھانے پینے اور  
 ادویہ میں ملاوٹ نہ کر رہے ہوں! کتنے لوگ ہیں جو ڈیوٹی، انکم ٹیکس، جنگی وغیرہ بچانے  
 کے لئے دھاندلی نہ کرتے ہوں!۔ کچھ لوگ ہیں جو ان برائیوں سے خود کو بچاتے ہوئے  
 ہیں، ابھی یہ معاشرہ خیر سے بالکل محروم نہیں ہوا۔ لیکن اس کا تناسب آٹے میں نمک  
 کے تناسب سے بھی کم ہے۔ معلوم ہوا کہ پورے معاشرے میں بگاڑ ہے۔ آدے کا آدہ  
 بگڑا ہوا ہے۔ لہذا حکومت کی اصلاح بھی صحیح معنوں میں اُسی وقت ممکن ہوگی جب  
 معاشرے کے معتد بہ حصے کی اصلاح ہوگی چونکہ کسی ملک کا اقتدار اور حکومت اُسی معاشرے  
 کی اقتدار کا پر تو اور عکس ہوتی ہے۔ کچھ لوگ یہ دوسری رائے رکھتے ہیں اور میری بھی رائے  
 یہی ہے لہذا جو لوگ پہلی رائے رکھتے ہوں کہ ان کو یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ یہ رائے بھی  
 دیانت و اخلاص پر مبنی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ پہلی رائے بھی مبنی بر  
 خلوص و دیانت ہو سکتی ہے کہ مقدم کام حکومت کی اصلاح ہے جب تک اس کی اصلاح  
 نہیں ہوگی۔ کچھ نہیں ہو سکے گا۔ چونکہ اسی کے ہاتھ میں ہر قسم کے وسائل و ذرائع ہوتے  
 ہیں۔ نظام تعلیم، نظام عدلیہ، نظام مالیات اور ذرائع ابلاغ عامہ سب اس کے قابو میں  
 ہوتے ہیں۔ ان کو ہاتھ میں لے کر معاشرے کی اصلاح کا کام موثر طور پر کیا جاسکتا ہے۔  
 اسی طرح دیانتا یہ رائے بھی ہو سکتی ہے کہ حکومت کی اصلاح ہی اس وقت تک ممکن نہیں  
 جب تک معاشرے کے معتد بہ عنصر کی اصلاح نہ ہو، مقدم کام دعوت و اصلاح کا

کا میدان ہے۔ ہمارا معاشرہ فکر و نظر اور اخلاق کردار کے لحاظ سے جس حال میں ہے اس میں ممکن ہی نہیں کہ زمام کار صالحین کے ہاتھیں آسکے اور اگر بخت اتفاق سے ابھی جائے تو حکومت کی مشینری جن کارپردازان پر مشتمل ہے وہ حکومت کی پالیسیوں کو جیسا ہیں اور جس طرح چاہیں ناکام بنا سکتے ہیں۔ لہذا اولین اہمیت اس کی ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر تلہبیر افکار اور تعمیر سیرت و اخلاق کی جدوجہد ہو۔ ایمان باللہ، ایمان بالآخرت اور ایمان بالرسالت کی بنیادیں قلوب و اذان میں جاگزیں اور پختہ ہوں اور حقیقی تقویٰ پیدا ہو۔ یہ ہے کام کی پہلی منزل اور پہلا میدان!

اب کیا ہونا چاہیے! یہ بڑا اہم سوال ہے! اس کا جو صحیح اور مناسب حل میری سمجھ میں آیا ہے، وہ میں پوری دردمندی کے ساتھ پیش کر دیتا ہوں۔ میری رائے میں یہ طے ہو جانا ضروری ہے کہ کون سی جماعت کس میدان میں کام کرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ بہت سی جماعتوں کے مقاصد گڈ ٹڈ قسم کے ہیں۔ کوئی صرف کسی خاصی فقہی یا کلامی عقیدے کی بنا پر یا تعبیر یا رائج و مرجوح اور افضل و مفصول کے اختلافات کی بنیاد پر ملحد جماعت ہے۔ ایک خاص نوعیت کے عقائد رکھنے والا ہے اس جماعت سے وابستہ ہو سکتا ہے پھر وہ جماعت سیاست میں بھی حصہ لے رہی ہے۔ اب ہوتا یہ ہے کہ ایسی جماعت سیاست کے میدان میں بھی اپنے خاص فقہی مسلک کو پیش نظر رکھ کر کام کرتی ہے۔ ہر موقع پر اپنے خاص مسلک کے تحفظ و تشخص کی کوشش ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دوسرے مسلک کے حاملین سے تصادم ہوتا ہے اور اختلافات کی خلیج اور وسیع ہوتی ہے۔ انتشار اور بڑھتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ یہ دو جدا جدا میدان (Fields) طے ہو جائیں۔ جس جماعت کو اپنے فقہی مسلک کا تحفظ کرنا ہے وہ اپنے حلقہ اثر میں یہ کام کرے عوام الناس میں وہ دعوت و تبلیغ کا ہدف اصلاح اعمال و اخلاق کو بنائے اور قرآن و سنت کی روشنی میں لوگوں کو حقیقی مسلمان بننے کی تلقین کرے۔ دلائل سے لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرے۔ اپنے مسلک اور دعوتی کام کو سیاسی نفوذ کے لئے استعمال نہ کرے اور نہ ہی مناظرہ والی کیفیت ہو بلکہ دعوتی اور علمی انداز میں کام ہو۔ ایسی جماعتوں پر لازم ہو کہ وہ سیاسی اور خاص طور پر انتخابی سیاسی میدان میں بحیثیت جماعت کوئی حصہ نہیں لیں گی۔ سیاسی جماعت صرف ایک ہوگی۔ اچھی طرح جان لیجئے کہ اس طرح کی فقہی

وکلومی مسائل کی بنیاد پر جو جماعتیں بھی انتخابی سیاست میں حصہ لیں گی اور دوسرے ملک کی جماعتوں کے مقابلے میں سیاسی میدان میں محاذ آرا ہوں گی تو اس ملک کو تباہی سے بچانا تقریباً ناممکن ہوگا۔ اس قسم کی نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں چار پانچ نہیں اگر سرٹ سٹاک صرف دو بھی رہیں تب بھی مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی انتہائی خطرے کی بات ہے۔ دوسرا طبقہ جو فی الوقت پیش منظر میں موجود نہیں ہے لیکن فی الواقع وہ موجود ہے۔ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ اس کے اثرات کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ ہمارے معاشرے کے تمام مفاد پرست لوگ اس کی پشت پر ہیں۔ اب اس گروہ پر انتقامی خدمات بھی غالب ہیں۔ بیرونی امداد اور آشیرداد بھی اس کو آسانی حاصل ہو سکتی ہے بلکہ ممکن ہے کہ اب بھی حاصل ہو۔ پھر یہ گروہ سیاسی ہتکنڈوں سے بھی بخوبی واقف ہے۔ اپنے مقصد کے حصول کے لئے صحیح و غلط، جائز و ناجائز کا کوئی معیار اس کے سامنے نہیں ہے۔ اخلاق کی ہر قدر سے یہ گروہ تہی دست ہے۔ پھر اس طبقے کے بہت سے لوگ سات سال تک حکومت کے کلیدی عہدوں پر فائز رہے ہیں۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ کتنے آستین کے سانپ اب بھی حکومت کی صفوں میں موجود ہیں اور ان لوگوں کو نہ اسلام سے محبت ہے نہ ملک سے۔ لہذا اگر دانتیں بازو کی جماعتیں زیادہ نہیں بلکہ صرف دو بھی انتخابات میں ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوتیں تو بھی یہ طبقہ ان جماعتوں کے اندرونی اختلافات کو خوب ہوائے لگا اور ان کو آپس میں لڑا کر اپنے لئے کامیابی کی راہ نکال لے گا۔

اس نازک صورت حال سے بچنے کی واحد صورت یہی ہے کہ سیاست کے میدان میں صرف ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں جو صلاحیت ہے جو استعداد ہے اس کو وہ سیاست کے میدان میں ملک اور دین کی زیادہ بہتر اور موثر خدمت میں لگا سکتے ہیں، وہ اس میدان میں بلا تکلف کام کریں۔ لیکن وہ ایک واحد سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم پر جمع ہوں اور اس کے نظم کے تحت کام کریں۔ میں نام نہیں لیتا کہ وہ واحد سیاسی جماعت کونسی ہو! بہر حال ایک واحد جماعت لازمی ہے جس میں یہ پابندی ضروری ہو کہ اس میں وہی لوگ شامل ہو سکیں گے جو اسلام پسند یا اسلام دوست ہوں۔ اس جماعت میں علماء بھی شامل ہوں۔ چاہے پارٹی کی قیادت ان کے ہاتھ میں نہ ہو۔ آخر قیام پاکستان کے وقت بھی تو ایک ہی سیاسی پارٹی تھی۔ جس کی قیادت علماء کے ہاتھ میں



نہیں تھی۔ بلکہ جدید تعلیم یافتہ اسلام و دہشت سیاست دانوں کے ہاتھ میں تھی۔ اگرچہ اُس وقت کے اور اس دور کے سیاست دانوں کے کردار میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو چکا ہے۔ ہم نے بڑا زمین و آسمان کا فرق دیکھا ہے۔ قائد اعظم اور نام نہاد قائد عوام کے مابین۔ معاملہ گوبڑا مختلف ہو چکا ہے۔ بہر حال اُس وقت قیادت علماء کے ہاتھوں میں ہونے کے بجائے ان لوگوں کے ہاتھوں میں تھی جو اسلام پسند تھے۔ گوان میں سے بہت سوں کا اسلام کے ساتھ عملی تعلق کافی کمزور تھا۔ اس حقیقت کو آج بھی تسلیم کیجئے خواہ غلو اپنے آپ کو دھوکہ دینے کا حاصل کچھ نہیں۔ جب اس ملک کے عوام کی فکری اور اخلاقی تربیت کی طرف توجہ دی ہی نہیں گئی۔ اور اگر دی گئی تو بہت کم۔ اس میدان میں جو جماعتیں اور جو لوگ یہ کام کر سکتے تھے وہ سیاسی کھیل میں لگے رہے اور ووٹروں کی خوشنودی کے پیش نظر عوام الناس کی دینی اعتقادی عملی اور اخلاقی اصلاح کے کاموں سے غفلت برعبر کرنے پر مجبور ہوتے۔ لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ تاحال ہمارے عوام میں فکر و نظر اور سیرت و اخلاق کے لحاظ سے کوئی نمایاں اور بنیادی تبدیلی ہمارے معاشرے میں نہیں آئی ہے بلکہ معاملہ نیچے ہی گیا ہے۔ پس سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں آجانے کا فی الحال دور دورا مکان نہیں ہے۔ سیاسی قیادت تو فی الوقت اسی قسم کے لوگوں کے ہاتھوں میں آئے گی جو سیاسی کہلاتے ہیں۔ اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیے۔ جب معاشرے کی اصلاح کا کام انجام نہیں دیا گیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس معاشرے سے وہ قیادت ابھر سکے جو نظری طور پر ہی نہیں بلکہ عملی طور پر بھی اسلامی سیرت و کردار کا مکمل نمونہ ہو، یہ خواہش و تمنا اپنی جگہ بہت مبارک ہے لیکن محض آرزو اور تمنا سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے تو پہلے معاشرے کو تبدیل کرنے کے لئے مسلسل دیہم جدوجہد کرنی ہوگی۔ سیاسی میدان میں صرف ایک ہی جماعت ایک ہی پارٹی از بس ضروری ہے ورنہ انتشار رہے گا اور شکست یقینی ہوگی۔ بلیا کہ ہمیں تجربہ ہو چکا ہے۔ اگر کچھ لوگوں کو واقعتاً اس ملک کا مستقبل عزیز ہے اور وہاں ملک کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے بچانا چاہتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہوں کہ اس کے لئے سیاسی میدان میں کام کرنا ضروری ہے تو ان کے لئے لازم ہے کہ وہ اس امر کی ہر ممکن کوشش کریں کہ اسلام اور پاکستان سے حقیقی وابستگی رکھنے والے تمام لوگوں کی ایک اور سیاسی جماعت ہو، ایک پلیٹ فارم اور ایک جھنڈا ہو۔ اور انتخابی میدان میں یہی

ایک پارٹی دوسرے نقطہ نظر رکھنے والوں سے انتخابی مقابلہ کرے۔

اس ضمن میں یہ بھی عزم کروں کہ اس مقصد کے لئے جماعتوں کا کوئی ”متحدہ محاذ“ ہرگز مفید مطلب نہیں ہوگا۔ کوئی کتنی احتیاط ملحوظ رکھے تخریب اور جماعتی عصبيت بہر نوع باقی اور قائم رہتی ہے اور موقع بموقع گل کھلاتی رہی ہے۔ پہلے مرحلے ہی میں اپنی جماعتوں کی تناسب نمائندگی کا مسئلہ متنازعہ فیہ بنتا ہے۔ پھر ہر جماعت شعوری اور غیر شعوری طور پر اس متحدہ محاذ کو اپنی جماعت کا Image بنانے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ قدم قدم پر جماعتی مفادات اور تحفظات اڑے آتے ہیں۔ پھر انتخاب کے مرحلے پر اسمبلیوں کی نشستوں کے لئے نمائندگی کے تناسب پر کھینچ تان ہوتی ہے۔ یہ مراحل طے بھی ہو جائیں تو ہر وقت یہ اندیشہ لاحق اور یہ خطرہ سر پر منڈلاتا رہتا ہے کہ انتخاب کے بعد اسمبلی میں ان نمائندگان کا جو مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں کردار کیا ہوگا؟ کوئی کسی وقت علیحدہ نہ ہو جائے اور علیحدہ نہ بھی ہو تو تو ازن (Balance) قائم رکھنے کے لئے بے جا دباؤ نہ ڈالے۔ فرانس جیسے سیاسی شعور کے لحاظ سے کہیں ترقی یافتہ ملک میں ”متحدہ محاذ“ والا یہ تجربہ کئی بار ناکام ہو چکا ہے۔ ترکی میں بھی یہی صورتِ مال پیش آچکی ہے اور ابھی مال ہی میں بھارت میں ”جنتا پارٹی“ کے نام سے مختلف پارٹیوں کا جو ”متحدہ محاذ“ بنا تھا اور اس نے اسمبلی میں اکثریت بھی حاصل کر لی تھی، بُری طرح ناکام ہوا۔ لہذا ہمارے ملک کے سیاسی شعور کے معیار کو دیکھتے ہوئے یہ احتمال قوی تر ہے کہ اس قسم کا ”اتحاد“ زیادہ دیر تک باقی نہیں رہ سکے گا اور اسمبلی میں جا کر مختلف عوامل اس ”اتحاد“ کی شکست و ریخت کا باعث بن جائیں گے۔ اس لئے واضح و موثر اکثریت حاصل کرنے اور ایک مضبوط حکومت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے تمام سیاست دان اور علماء ایک ہی جماعت کے نظم اور منشور کی پابند ہوں۔

اب رہا ان حضرات کا معاملہ جو اس بات کو ترجیح دیں کہ ہم کو دعوت و تبلیغ اور اصلاح کے میدان میں کام کرنا ہے اور لوگوں کو فکری و نظری اور عملی طور پر اسلام پر کار بند رہنے کی تربیت دینی ہے۔ اجتماعی شعور کو اسلام کی حقانیت کا مقرر بنانا ہے۔ ان میں تعلق باللہ قائم کرنا ہے۔ ان کو محاسبہ اخروی سے خبردار کرنا ہے۔ ایمان بالرسالت

کے لوازم سے ان کو آگاہ کرنا ہے۔ تو ان لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ انتخابی سیاست سے ہاتھ اٹھالیں اور طے کر لیں کہ انتخابی سیاست کا میدان اداویان اقتدار میں شرکت ان کے لئے شہر ممنوعہ ہے وہ ہر ملگامی و وقتی ترفیبات سے اپنا دامن بچائیں گے پوری یک سوئی کے ساتھ دعوت و اصلاح کے کام میں اپنی توانیاں، صلاحیتیں، اوقات اور وسائل صرف کریں گے۔ ان کے کام میں اس بات کا ادنیٰ شائبہ بھی نظر نہ آئے گا جس سے یہ شک پیدا ہو کہ یہ کام انتخابی میدان میں اپنے تشخص یا اپنی جماعت کی ساکھ قائم کرنے کے لئے انجام دیا جا رہا ہے۔ ان کے عمل میں سے یہ ظاہر ہو کہ ان کا مطلوب و مقصود رضائے الہی کے سوا اور کچھ نہیں۔ حسب ضرورت یہ لوگ حکومت کو فکری و نظری سہنائی دینے اور نفع و خیر خواہی کے جذبے اور فرض کے تحت مفید مشورے دینے کو اپنی دینی ذمہ داری سمجھیں۔ اس نہج پر کام کرنے کی بدولت یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اصلاح معاشرہ کے تناسب کے مطابق ان شاء اللہ حکومت کے معاملات کی بھی تدریج و مسلسل اصلاح ہوتی چلی جائے گی۔

اس ضمن میں، میں یہ نہیں کہتا کہ دعوت و اصلاح کے لئے بھی کوئی ایک جماعت بن جائے چونکہ میرے نزدیک یہ بڑا ہی مشکل کام ہے۔ یہ عقائد اور فقہی مسائل میں اختلافات کا معاملہ ہے۔ یہ جلد اور بہ آسانی بدلنے اور ختم ہونے والے نہیں۔ سیاست کے میدان اور حکومت کے معاملات میں فقہی اور کلامی مسائل سے زیادہ اہم معاملہ اسلام اور پاکستان کے نظریے کے ساتھ وابستگی کا ہے لہذا اس کام کے لئے ایک واحد جماعت کا قیام ممکن بھی ہے اور سہل بھی۔ دعوت و اصلاح کے میدان میں فقہی و کلامی اختلافات سے سابقہ پیش آئے گا۔ مجھے یہ بات پسند ہو یا نا پسند، امر واقعہ میں تو اختلافات موجود ہیں۔ مختلف فقہی مکاتب فکر ہمارے ہاں عملاً موجود ہیں ان کا ایک جماعت میں ختم ہونا بہت مشکل ہے البتہ ضروری ہے کہ اس میدان میں کام کرنے کا صحیح نہج یہ ہونا چاہیے کہ فقہی، فروعی، جزوی اور کلامی نوعیت کے اختلافات میں شدت و مخالفت سے اجتناب کیا جائے۔ اختلاف اور مخالفت میں بڑا فرق ہے۔ معاملہ اختلاف تک ہے تو کوئی مضائقہ نہیں تعبیر و رائے کا اختلاف تو صحابہ کرامؓ اور تابعین میں بھی تھا۔ بایں ہمہ وہ باہم شیر و شکر تھے ایک دوسرے کی مخالفت کا کیا

سوال اسپر افہام و تفہیم اور تعلیم و تعلیم سے ان اختلافات کو دور یا شدہ کو کم سے کم کیا جاسکتا ہے۔ اس میدان میں کام کرنے والوں کو کئی خدا ترسی کے ساتھ یہ اصول رہنا چاہیے کہ اس قسم کے اختلافات کو بھی صرف اپنے حلقوں میں بیان کیا جائے گا۔ عوامی سطح پر ان کو بیان کرنے اور بحث و مناظرہ کے انداز سے پرہیز کیا جائے گا۔ عوامی سطح پر لوگوں کو حقیقی اور عملی طور پر مسلمان بننے کی دعوت دی جائے گی۔ ان کو فرائض و نبی ادا کرنے کی ترغیب دی جائے گی۔ ان کے اذہان سے تشکیک و زہب کے کانٹے نکالے جائیں گے۔ ان کے قلوب میں ایمان کی شمع روشن اور محاسبہ اخروی کا یقین پیدا کیا جائے گا۔ مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو ذمہ داریاں از روئے قرآن و سنت ان پر عائد ہوتی ہیں، ان کو واضح کیا جائے گا۔ وہ نکات اور مسائل بے شمار ہیں جن میں تمام مسالک اور مکاتب فکر کے متعلقین میں مکمل اتفاق ہے، لہذا ان متفق علیہ نکات و مسائل کو اپنی سعی و جہد کا مرکز و محور قرار دینا خدمت دین ہے۔ جب حال یہ ہو کہ ہمارے مسلم معاشرے میں جموع کی نماز کی ادائیگی بھی ہماری آبادی کا بمشکل پانچ فیصد حصہ ادا کرتا ہو۔ وہاں دعوت و اصلاح کے اصل موضوعات، دعوت تجدید ایمان و دعوت توبۃ النصوح اور دعوت تجدید عہد و میثاق ہونے چاہئیں نہ کہ فقہی اختلافات کی نشر و اشاعت، ایمان اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع آخر یہ موضوعات ہی تو ہمارے دین کی اساسات ہیں۔ عوامی سطح پر دعوت و اصلاح کا پہنچ ہی ہونا چاہیے۔ اسی طرح امت میں یکجہتی اور اتحاد پیدا ہوگا۔ ہماری نوجوان نسل اور نئے تعلیم یافتہ لوگ ان فقہی اختلافات کے بحث و مناظرے سے اتنے بیزار ہو چکے ہیں کہ ان کی بیزاری نفس دین سے بیزاری بلکہ بغاوت کی سرحدوں تک پہنچ چکی ہے۔ اس کا بھی علاج یہی ہے کہ ایک دوسرے پر چھینٹے اڑانے سے بچا جائے اور دعوت و اصلاح کا مرکز و محور کتاب و سنت کو بنایا جائے۔ اس کی اسس یہ ہو کہ تَعَاوَا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنُنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ إِنَّ شَاءَ اللَّهُ اسی طرز عمل سے تعاون اور اشتراک اور باہمی روا داری کی فضا پیدا ہوتی چلی جائے گی۔

حالات کی سنگینی اس امر کی متقاضی ہے کہ ہمارے سیاسی اور دینی رہنما و عمار مل جل کر بیٹھیں اور آنے والے خطرات کا تدارک اور مداوا کرنے کی عملی تدابیر اختیار کریں۔

آپ حضرات میں سے جو لوگ بھی اثر انداز ہو سکتے ہوں وہ ان حضرات پر اپنا اثر استعمال کریں۔  
 اس میں اپیل یہ ہو کہ دیکھنے بنیوں کا بھی دستور ہے کہ ساری باقی دیکھتے تو آدمی دیکھنے  
 بٹ، اگر یہ خطرہ نظر آتا ہے کہ یہ ملک ہاتھ سے چلا جائے گا اور یہاں اسلام کا مستقبل  
 بالکل تاریک ہو جائے گا۔ تو خدا را اس خطرے سے بچنے کی عملی تدابیر اختیار کیجئے۔ آپ حضرات  
 نے اخبارات میں حال ہی میں پڑھا ہو گا کہ ہمارے پڑوسی ملک افغانستان سے مختلف طبقوں  
 کے لوگوں کو روس لے جایا جارہا ہے جہاں سے وہ ٹریننگ لے کر آرہے ہیں۔ معاشیات  
 جاننے والے وہاں سے اشتراکی معاشیات کی تربیت حاصل کر کے آرہے ہیں۔ مدرسوں  
 اور کالجوں کے استاذہ کی کھیپ کی کھیپ روس سے وہ تکنیک اور طرزِ یقے  
 (Technique and Methods) سیکھ کر آرہے ہیں جس سے پوری نئی  
 نسل کی ایسی Brain Washing ہوگی کہ ان کا اسلام سے تعلق قائم رہنا تو دور نہ  
 وہ اس سے بالکل باغی ہو جائیں گے۔ ترکستان میں یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ آج تقریباً  
 دو کروڑ کی مسلمان قوم، بڑی جوشیلی اور گرم خون رکھنے والی قوم، بڑی حریت پسند  
 قوم، جس نے کبھی کسی دوسری قوم کی غلامی قبول نہیں کی۔ اسلام سے قلبی تعلق اور محبت  
 رکھنے والی قوم روسی سامراج کے خونی شکنجے میں برسی طرح جکڑی ہوئی ہے۔ اس کا سلسل  
 خون بہہ رہا ہے اور ہماری آنکھوں کے سامنے پوری قوم کی قلبی مایہیت کی کوشش ہو  
 رہی ہے اور یہ بات جان لیجئے کہ نظامِ تعلیم میں جدید نفسیات کو جس قدر کامیابی سے  
 روس نے استعمال کیا ہے کسی نے نہیں کیا۔ نفسیاتی طور پر تعلیم کے ذریعے اذہان کو ایک  
 خاص رخ پر موڑنے اور یکسر بدلنے کے جو ہتکنڈے روس کے پاس ہیں۔ کسی کے پاس  
 نہیں وہ مصیبت کسی بھی وقت ہم پر بھی نازل ہو سکتی ہے لہذا آپ حضرات میں سے جس کی بھی  
 موجود جماعتوں کے ذمہ داروں تک رسائی ہے وہ ان کو اس بات کا قائل کرنے کی کوشش  
 کریں کہ موجودہ حالات کے پیش نظر اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے اختلافات  
 میں اعتدال آئے، ہمارے اختلافات میں شدت کم سے کم ترمو اور ہماری دفاعی قوت  
 مضبوط سے مضبوط تر ہو۔ دفاعی قوت صرف فوج اور اسلحہ کا نام نہیں ہے بلکہ ملک میں  
 مکمل ذہنی و فکری اور عملی ہم آہنگی بھی دفاعی قوت میں شامل ہوتی ہے لہذا ایسا اتحاد  
 ضروری ہے کہ جس کے ذریعے قوم ایک بنیانِ مرموص بن جائے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ تمام فقہی اختلافات کو پس پشت ڈال دیا جائے یا ان کو ختم کر دیا جائے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کا ایک طویل تاریخی پس منظر ہے۔ ہر ایک کے پاس کتاب و سنت سے دلائل ہیں۔ یہ فقہی مسائل انہی دونوں ماخذ سے مستنبط ہیں۔ یہ اپنی جگہ قائم رہیں، اس میں کوئی ہرج نہیں۔ لیکن ان کو صحیح مقام اور حدود میں رکھنا چاہیے۔ ان کی مخالفت اور تردید کے لئے مستقل مورچے بنا کر اپنی توانائیاں اسی کام میں لگانا دین کی خدمت نہیں ہے۔ اس خدمت کا اصل ہدف ہے اسلام و ایمان کی دعوت، تقویٰ و برکت کی دعوت، فرائض کی ادائیگی کی دعوت، اعمال صالحہ کی دعوت، معروفات کے اختیار اور منکرات کو ترک کرنے کی دعوت۔ الغرض پوری زندگی کو اللہ کی بندگی میں دینے کی دعوت اور تلقین۔ یعنی **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلَاسِ كَافَّةً** کی دعوت!

آج ہمارے معاشرہ اس کا شدید محتاج ہے کہ اس کو سمجھوٹا جائے۔ اس میں آخرت کا خوف پیدا کیا جائے اس میں توبہ کی ایک عمومی تحریک بپاکی جائے کہ اللہ کے بندو! باز آؤ معصیت اور نافرمانیوں سے باز آؤ حرام خوریوں سے، باز آؤ میرا پھیر بولے، باز آؤ رشوت دینے اور رشوت خوری سے، باز آؤ ملاوٹ سے وغیرہ اندوڑی سے، باز آؤ سودی کاروبار سے، کم تولتے اور کم ناپنے سے، اپنی تمام بد اعمالیوں اور بے عملیوں سے توبہ کر کے اپنے ایمان کی تجدید کرو۔ اپنے رب کے سامنے ہر نو عہد کر دے کہ اے اللہ ہم تیرے مخلص بندے بن کر خود بھی انفرادی طور پر دین کے مطابق زندگی بسر کریں گے اور اس ملک کو بھی اجتماعی طور پر ایک مثالی اسلامی ریاست بنائیں گے۔ آپ کو یاد ہو گا کہ چند سال قبل ملک گیر پیمانے پر، یہاں ایک ”یوم میثاق“ منایا گیا تھا۔ لیکن حاصل کیا ہوا؟ دن منانے آسان ہیں لیکن فی الواقع قلوب و اذہان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اصلاح قبول کرنے پر رغب کرنا مشکل اور کٹھن کام ہے۔ اس کے لئے تو ہمہ جہتی اور ہمہ وقتی مخلصانہ سعی و محنت کی ضرورت ہے۔ اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہمارے علماء اور وہ لوگ جو واقعی دین سے محبت کرتے اور معاشرے کی اصلاح کا دلولہ رکھتے ہیں، وہ کمر ہمت کسیں، اٹھیں اور توبہ کی منادی کریں کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا ۖ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَكْفِرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ**

”لے ایمان والو! اللہ سے توبہ کرو۔ خالص توبہ، بعید نہیں کہ اس توبہ کی بدولت اللہ تم سے تمہاری برائیاں دود کر دے“ اور ان کی پکاریہ ہو کہ ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا“ لے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل عیال کو نار جنیم سے۔“ خدا کی نافرمانی سے بچو اور توبہ کرو توبہ کا یہ عمل اگر عوام و خواص میں ایک ہمہ گیر اور اجتماعی سطح پر نہیں ہوتا تو جان لیوے کہ اس دنیا میں بھی عذاب الہی سے سابقہ پیش آکر رہے گا اور آخرت میں بھی۔ اجتماعی توبہ سے عذابِ خداوندی مثل مٹا تا ہے۔ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ قوم یونسؑ پر عذاب الہی کے آثار شروع ہونے لگے تھے لیکن ان کی اجتماعی توبہ سے یہ ٹل گیا تھا۔ پس اجتماعی توبہ کی یہ برکت ہے۔ آج داخلی و خارجی طور پر ہم جن حالات سے دوچار ہیں یہ دراصل عذابِ الہی کے آثار ہیں۔ یہ اوجہ بات ہے کہ ہم اس سے غافل ہیں اور اگر یہ تغافل اسی طرح جاری رہا تو عذابِ الہی سے محفوظ رہنا ممکن نہیں۔ اس وقت ہم اجتماعی توبہ کے محتاج ہیں، یہی چیز ہم کو اللہ کی پکڑ سے بچا سکتی ہے۔ بقول جگر مراد آبادی طر

چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی لیکن اس کے لئے مزدوری ہو گا کہ جو لوگ اس میدان میں کام کر رہے ہیں، وہ فقہی و کلامی اختلافات کو ہوا دینے اور اچھلنے کے بجائے لوگوں میں ایمان، تقویٰ، اخلاق اور کردار کی اصلاح کی جو صحیح تعلیمات ہیں ان کی تبلیغ و تلقین پر اپنی توجہات اور توانائیاں مرکوز کریں۔ اس کام کی برکت سے عذابِ الہی بھی ان شاء اللہ ٹل جائے گا اور اختلافات بھی کم ہوتے چلے جائیں گے۔ غور کیجئے کہ ان اختلافات کی نوعیت ہے کیا؟ کوئی رفع یدین کرتا ہے کوئی نہیں کرتا، کوئی آمین زور سے کہتا ہے کوئی آہستہ، کوئی امام کے پیچھے سودہ فاختہ پڑھنے کا قائل ہے کوئی نہیں۔ یہ جزوی اختلافات ہیں۔ ان سے کوئی بڑا فرق واقع نہیں ہوتا۔ دونوں مسالک کے لئے احادیث بھی موجود ہیں اور آثار صحابہؓ بھی۔ اب ان مسائل کی تائید یا تردید پر تمام توجہات مرکوز کرنا کونسی خدمتِ دین ہے! جبکہ حال یہ ہے کہ ہماری پچانوے فی صد آبادی سرے سے نماز کی ادائیگی سے غافل ہے۔ کرنے کا کام یہ ہے کہ منازیوں کو منازہ ادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔ ان کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے۔ ان میں فرائض کی اہمیت کی کاشوق

پیدا کیا جائے ان کی سیرت و کردار اور اخلاق و معاملات کی اصلاح کی کوشش کی جائے جو لوگ نماز کے پابند ہیں ان کے سامنے اخلاقی مسائل کا بیان مفید مطلب ہونے کے بجائے ان کے ذہنی خلبان اور الجھن کا باعث ہوتا ہے اور ان کی اکثریت اس سے اُپر اُتی ہے۔ ان کو بھی صحیح معنوں میں اللہ کے بندے بننے کی دعوت دینا ہی اصل خدمت دین ہوگی۔ غور کیجئے کہ ہمارے عوام الناس اللہ کے نام لیوا، آخرت کے ماننے والے اور نبی اکرمؐ کے امتی ہیں۔ مشرکانہ اور متبدعانہ اوہام اور اسلام کی صحیح تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے عقیدہ توحید میں جو رخ اُگیا ہے اور جو بگاڑ پیدا ہو گیا ہے اس کی اصلاح کی صورت دین کی صحیح تعلیمات کی نشر و اشاعت ہے۔ آخر سب زبان سے توحید کے ماننے والے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ توحید کی مثبت دعوت و تبلیغ پر اپنی توجہات مرکوز کی جائیں چونکہ یہی حقیقی خدمت دین ہے اس کے برخلاف اختلافی مسائل ہی کو موضوع بنا کر اپنی پر اپنی توجہات کو مرکوز رکھنا اور اس کو تبلیغ دین سمجھنا دین کے ساتھ وفاداری ہے۔ اور نہ عامۃ المسلمین کی نفع و خیر خواہی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ملک کی تمام جماعتیں بھی ایک جماعت میں مدغم ہو جائیں۔ یہ ممکن العمل نہیں ہے۔ یہ کام تو سیاسی میدان میں کیا جانا ضروری ہے اس میدان میں یہ کام ناممکنات میں سے نہیں ہے اس کا انحصار مخلصانہ سعی و کوشش اور چند بڑی سیاسی شخصیتوں کے اُتار پر ہے۔ میں آج کی اس تقریر کے بارے میں سوچ رہا تھا تو یہ بات بھی ذہن میں آئی تھی کہ یہ دینی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ہیں لیکن کاش ان کا کوئی ”اتحاد“ عمل میں آسکے۔ سسٹم میں انتخابات کے لئے ”قومی اتحاد“ بنا تھا کاش دعوت و اصلاح اور احیائے اسلام کے لئے کوئی ”اسلامی اتحاد“ وجود میں آجائے۔ اگر اسلام اور پاکستان کی حقیقی خدمت کرنی ہے قطعی نظر اس سے کہ سیاسی چودھراہٹ ملتی ہے یا نہیں ملتی تو کوئی روکاٹ نہیں ہے کہ ایسا ”اتحاد“ قائم نہ ہو سکے۔ یہ اتحاد ایک طرف دعوت و اصلاح کا کام کر سکتا ہے دوسری طرف حکومت وقت کے لئے خیر خواہانہ مشیر اور محاسب کا فرض انجام دے سکتا ہے۔

سیاسی میدان سیادت و اقتدار کی جنگ کا میدان ہے۔ یہ تخریب، تعصب اور حریفانہ طرز عمل کی راہ ہے۔ یہ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور نیچا دکھانے کا راستہ ہے۔



اس راہ میں دلوں میں کمزور تئیں اور تلخیاں بر طبعی ہیں۔ اس راہ میں وودثوں کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اس لئے ان کے غلط افکار و اعمال اور معاملات پر مداخلت اختیار کرنا لازمی ہے اس راہ پر چلنے والے اپنی حریف جماعتوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا موجب ہوتے ہیں جبکہ دعوت و اصلاح خیر خواہی اور نفع کی راہ ہے۔ دلوں کو جینے اور باہمی الفت و مودت اور اخوت پیدا کرنے کی راہ ہے۔

میں اپنی اس دردمندانہ معروضات کو ختم کرنے سے قبل چاہوں گا کہ میں نے آج کی اس گفتگو کے آغاز میں سورہ آل عمران جن آیات کی تلاوت کی تھی ان آیات سے دعوت و اصلاح کے کام کے لئے ہمیں جو رہنمائی ملتی ہے اس کا ایک لائحہ عمل آپ کے سامنے اسیجائے تاکہ آپ کو اسے اپنے حلقہ ہائے اثر تک پہنچانے میں مدد مل سکے۔ ان آیات میں سب سے پہلے تقویٰ اختیار کرنے دعوت دی گئی ہے فرمایا: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ** معنی ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کا تقویٰ اختیار کرنے کا حق ہے۔ ہمارے دین کی اصطلاحات میں ”تقویٰ“ بہت جامع ترین اصطلاح ہے۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ میں اس کی شرح کر سکوں۔ اجمالاً یہ سمجھ لیجئے کہ تقویٰ اس طرز عمل کا نام ہے کہ ایک بندہ مومن اللہ کے غضب اور سزا کے خوف اور اس کے انعام و نیکو کرم اور نظر رحم کے شوق سے نافرمانی و معصیت کے ہر عمل سے بچتا رہا دین کے تقاضوں اور مطالبوں کو ادا کرنے کی فکر کرے۔ آیت کا اگلا حصہ اسی تقویٰ کی زندگی کی شرح ہے کہ **ذَلَا تَمُوتُ شَيْئًا إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ** ”تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو۔“ یعنی زندگی کا کوئی لمحہ بھی شعوری طور پر اللہ کے حکم کی خلاف ورزی میں نہ گزرے۔ لہذا دعوت و اصلاح کا پہلا نکتہ تو ہوگا اسی تقویٰ کی دعوت، تطہیر افکار و اعمال کی دعوت، اخلاق کی درستگی اور تمام منکرات سے اجتناب کی دعوت۔ مسلمان کی حیثیت سے جینے اور مرنے کی دعوت۔ دعوت و اصلاح کا دوسرا نکتہ ہوگا **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** ”اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامو اور تفرقے میں نہ پڑو۔“ اللہ کی رسی سے مراد ”قرآن مجید“ ہے اس میں کسی نوع کا اختلاف نہیں ہے۔ یہ کتاب الہی استقامت کی اولین اور مضبوط ترین بنیاد ہے یہی **الْعُرْوَةُ الْوُثْقَى** ہے۔ اسی کا وصف **لَا انْفِصَامَ لَهَا** ہے اسی کو مضبوطی

سے متانے اور تفرقے سے بچنے کا اُیت کے اس حصے میں حکم دیا گیا ہے۔ تفرقہ اتحاد اور وحدت اُمت کو پارہ پارہ کرنے والا عمل ہے۔ اختلاف اور تفرقے میں بڑا فرق ہے جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ اختلافات دین کے دائرے میں رہیں، کوئی مضائقہ نہیں، لیکن رائے اور تعبیر کے اختلاف کی بنیاد پر باقاعدہ علیحدہ علیحدہ فرقے بنا لینا دینی نقطہ نظر سے بالکل غلط ہے۔ اس سے منع فرمایا گیا ہے۔ وَلَا تَنَازَعُوا فَعُتِفْتُمْ وَتَذْهَبَ رِجَالُكُمْ اور آپس میں جھگڑو نہیں اس سے تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا کھڑ جائے گی۔ یہ حکم صحابہ کرامؓ کو دیا گیا تھا جہان کے درمیان نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنفیس نفیس موجود تھے اور ان کو متنبہ کیا گیا تھا کہ حصہ کے وجود مسعود کے باوجود تنازعات تم کو کمزور کرنے اور تمہاری ہوا خیزی کا باعث ہوں گے یہ سنت الہی ہے۔ یہ ہدایت دائمی ہے۔ اب آپ خود ہی سوچ لیجئے کہ تنازعات اور تفرقہ بازی اُمت کے لئے کتنی ہلاکت آفرین ہو سکتی ہے اور فی الواقع ہو رہی ہے۔ اس تفرقہ بازی کا علاج بھی خود اللہ تعالیٰ نے اعتصام بالقرآن بتا دیا ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اس نعمت اور احسان کا ذکر کیا ہے کہ قرآن مجید اور ایمان و اسلام نے اُن قبیلوں کو باہمی شیر و شکر اور بھائی بھائی بنا دیا جو ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور اس طرح تباہی کی آگ کے گڑھے کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے اللہ تعالیٰ نے اس تباہی سے ان کو بچالیا۔ فرمایا: وَادْكُرُوا لَإِنَّمَا أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا وَالْقُرْآنُ حَكِيمٌ کا اعجاز یہی ہے کہ اس کے وقتی احکام میں ابدال آبادی کے لئے ہدایات موجود ہوتی ہیں۔ چنانچہ غور کیجئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ مبارکہ ہمارے ہی لئے نازل کئے گئے ہیں۔ ہمارے حالات کی اصلاح کے لئے ان آیات کا نزول ہوا ہے اور ان میں ہمارے لئے پوری رہنمائی موجود ہے۔ ہم تفرقے اور انتشار کے تباہ کن اور ہلاکت خیز گڑھے کے کنارے فی الواقع کھڑے ہیں، ہم تباہی اور بربادی سے بچائے جاسکتے ہیں اور ہم پر اللہ کی اس نعمت کا ظہور ہو سکتا ہے کہ ہمارے دلوں میں ایک دوسرے سے الفت، مودت اور اخوت پیدا ہو جائے۔ لیکن اس کی شرط ہم کو پوری کرنی ہوگی اور وہ یہ کہ ہم تقویٰ، اسلام اور

اعتماد بالقرآن کو اپنا لائحہ عمل اور مقصود و مطلوب بنالیں۔ آخرت میں اللہ کی رضا کا حصول ہمارا نصب العین بن جائے ہم تفرقے سے بچیں اور مشقی مسلمان کی طرح زندگی بسر کرنے کی پوری کوشش کریں۔ اگے فرمایا: كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ”اس طرح اللہ تمہارے سامنے اپنی نشانیاں واضح کرتا ہے شاید کہ ان نشانیاں سے تمہیں اپنی فلاح کا راستہ سیدھا نظر آجائے۔“ ان آیات مبارکہ اور ہدایات الہی کی روشنی میں بھی یہ بات بڑی واضح ہو کر ہمارے سامنے آتی ہے کہ انتہائی مزدوری ہے کہ تجدید ایمان، توبہ، تجدید عہد اور اصلاح اعمال کی دعوت اس ملک میں وسیع پیمانے پر اٹھے جس کے کارکن خود بھی جاگیں اور لوگوں کو بھی جگائیں کہ اللہ کے بند و ابھوش میں آؤ کہاں جا رہے ہو! تم مدہوش ہو، تم کو اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی فکر ہے، مزدوری اور جزوی مسائل کے خلاف تم ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو جب کہ حال یہ ہے کہ وہ پورا جہاز ڈوبنے کو ہے جس میں تم سب سوار ہو۔ تم آپس کے جھگڑوں میں لگے ہوئے ہو کہ کون نیچی منزل میں ہے کون اونچی منزل میں۔ تم کو اس جہاز کی سلامتی کی فکر ہی نہیں ہے جو ڈوبنے والا ہے۔ اس آنے والی تباہی کو سمجھو تو شاید آنکھیں کھل جائیں کچھ لوگ بیدار ہو جائیں اور اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن اس کے لئے محنت اور قوت صرف کرنی مزدوری ہے۔ اگلے آیت میں ایسی جماعت کی ضرورت بیان کر کے اس کے مقاصد کی طرف واضح رہنمائی اور ہدایت دی گئی ہے، فرمایا: وَتَتَكُنُّ قِبَلِكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْعُرْوَةِ وَهُمْ عَلَى الْاَمْنِ اُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ”تم میں سے ایک جماعت تو ایسی ضرور چاہیے جو لوگوں کو نیکی اور خیر کی طرف بلانے والی ہو، جو بھلائی کا حکم دے اور بُرائیوں سے روکے۔ جو لوگ اجتماعی طوع پر دعوت کا یہ کام کریں گے، وہی فلاح پائیں گے۔“ اس آیت مبارکہ میں حکم دیا گیا ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت تو ایسی ہونی ضروری ہے جس کی تاسیس کسی فقہی مسئلے کے اختلاف پر نہ ہو بلکہ جس کا مقصد وجود دعوت الی الخیر ہو۔ جس کی بنیاد قیام انتخابی سیاست نہ ہو اور جس کو نہ اقتدار مطلوب ہو نہ حکومت اس جماعت کو اس دنیا میں کسی بدلے اور اجر کی خواہش نہ ہو۔ اس کی کوئی دنیوی غرض اس کے کام میں شامل نہ ہو، نہ سیادت نہ قیادت، نہ لیڈری نہ وزارت نہ سفارت۔ دنیا کا کوئی مفاد

اور کوئی منصب اور کوئی عہد اس دعوتی کام سے وابستہ نہ ہو۔ الغرض اس جماعت کا مقصد وجود دعیات اس دہایت ربانی کے مطابق دعوت الی الخیر اور بالمعروف و نہی عن المنکر کے سوا اور کچھ نہ ہو۔ اس جماعت کے وابستگان بس یہی تین کام کریں ان کے سوا کسی چوتھے کام کے خیال کو اپنے ذہن میں گزرنے بھی نہ دیں۔ وہ علیٰ رؤس الاشہار اعلان کر دیں کہ ہمیں انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ ہمیں اس طرف جانا ہی نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک تو یہ پھندے ہیں بقول علامہ اقبالؒ

الیکشن ممبری کرسی صدارت بنائے خوب آزادی نے پھندے

جو لوگ انتخابی سیاست کے چکر اور پھندے سے اپنا دامن بچا کر ہمہ تن اور پوری یک سوئی کے ساتھ دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سہ نکاتی قرآنی فہمور میں مصروف ہو جائیں گے ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نوید جانفزاسیہ کہ اَذْلٰیكَ هُمْ الْمُفْلِحُونَ یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس بات کو بھی اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب کسی امت میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے تو بگڑے ہوئے معاشرے میں تین طرح کے طبقات ہو جایا کرتے ہیں۔ ایک طبقہ وہ ہوتا ہے جو بگاڑ میں بہت آگے نکل جاتا ہے۔ دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو بگاڑ سے خود تو بچے ہوئے ہوتے ہیں لیکن دوسروں کو روکتے نہیں ان کو نصیحت کرنے میں تغافل شعار اختیار کرتے ہیں۔ تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے جو خود بھی بگاڑ سے مجتنب رہتا ہے اور لوگوں کو روکنے کے لئے وعظ و نصیحت کرتا ہے اور اصلاح احوال کی سعی و کوشش میں لگا رہتا ہے تو اللہ کی سنت یہ ہے کہ یہ تیسرا طبقہ مذاب الہی سے بچایا جاتا ہے اور اگر دنیا میں وہ کہیں اس کی لپیٹ میں آ بھی جائے تو آخرت میں وہ فلاح و فوز سے سرفراز کیا جاتا ہے اور آخرت کی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔

پس ہم آج جس صورت حال سے دوچار ہیں اور جو آنے والے واقعات واضح طور پر پیشگی پتہ دے رہی ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ سیاسی میدان میں دائیں بازو یعنی اسلام پسند اور اسلام دوست سیاسی حضرات کی ایک واحد سیاسی جماعت ہو۔ اور جو لوگ یا جماعتیں اپنا مقصد و مطلوب دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کو بنانا چاہیں وہ انتخابی سیاست سے کنار کش ہو کر دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی

عن المنکر کے فریضے کی ادائیگی میں لگ جائیں۔ تفرقے سے اپنا دامن بچائیں۔ فتنہ سالک کے اختلافات میں امتدال اور میانہ روی اختیار کریں۔ ان مسائل کے حق میں یا تو دین میں اپنی توانائیاں، اپنی صلاحیتیں اور اپنی محنتیں لگانے کے بجائے دنگوالی اخیر میں لگائیں اور فردعی مسائل کے اختلافات کو اپنی حدود میں رکھیں۔ ورنہ اس بات کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے کہ اُسے والے دور میں اختلافات پر بحث و نظر تو ایک طرف اس ملک میں جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، اسلام کا نام لینا ہی ناممکن بنا دیا جائے گا۔ آخر بخارا، بلخ، سمرقند اور تاشقند میں جو کبھی دینی علوم اور اسلامی تہذیب کے گہوارے تھے یہ سورت حال رونما ہو چکی ہے۔ آج ہمارا پڑوسی مسلم ملک افغانستان اس ابتلا میں گرفتار ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی شامت اعمال کی وجہ سے یہ دن ہم کو دیکھنا پڑ جائے۔ یہ دن آیا تو نہ یہ چھوٹے چھوٹے اور فردعی اختلافات ہمارے کام آسکیں گے اور نہ ہی ہمارے حقیر سے ذاتی مفادات، ہماری یہ بلڈ لگیاں، یہ کاروبار یہ کارخانے ہمیں محفوظ رکھنے میں مددگار ثابت ہوں گے۔ یہ سب دھڑکے دھڑکے رہ جائیں گے۔ چ

سب مٹاٹھ پڑا رہ جائے گا جب لا دچلے گا بخارا

وہ وقت سامنے نظر آ رہا ہے۔ دین و ملک کی بھلائی اور خیر خواہی کا تقاضا یہ ہے کہ کچھ لوگ اس عزم سے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں کہ ہمارا امرنا جینا اور ہماری محنت کوشش مروت و عفو تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کی جدوجہد کے لئے وقف ہوگی۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو مجھے جاننے والے جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے وہ اب جان میں کہیں نو عرصہ پندرہ سولہ سال سے اسی کام میں لگا ہوں۔ اسی دعوت الی اللہ اور دعوت نبیؐ الی القرآن کے تقاضے کی ادائیگی کی خاطر یہاں تقریر اور خطبہ جمعہ کے لئے حاضر ہوتا ہوں۔ ورنہ میرا یہ کوئی پیشہ نہیں۔ دروس قرآن کا سلسلہ بھی اسی دعوت کے لئے جاری رہا ہے۔ تجدید ایمان ہو، اصلاح اعمال ہو، دعوتِ توبہ اور تجدید عہد ہو وہ موثر ہوگی اسی قرآن مجید سے ہوگی۔ یہی سرچشمہ و منبع ہدایت ہے۔ اسلامی اتحاد قائم ہوگا اسی کی بنیاد پر ہو سکے گا چونکہ قرآن ہی جبل اللہ ہے اسی کام کے لئے میں نے مسیحا، انجمن خدام القرآن قائم کی تھی تاکہ اس کے ذریعے علوم و حکمت قرآن کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہو سکے۔ اسی کے لئے میں نے مسیحا میں تعظیم اسلامی قائم کی ہے جس

کے مقاصد والی دعوت تجدید ایمان - توبہ اور تجدید عہد ہیں - جس کے نظام العمل میں طے کر دیا گیا ہے کہ الیکشن میں تنظیم کبھی حصہ نہیں لے گی نہ اس کی رفتار اس میدان میں کوئی کام کریں گے - دعوت و اصلاح کا کام بڑا عظیم کام ہے - اس میدان میں کام کرنے کے لئے ہزاروں نہیں لاکھوں افراد چاہئیں جو اسی میں کھپ جائیں، جن کا لائحہ عمل یہ ہو کہ یدھون الی الخیر و یا مسرون بالمعروف وینہون عن المنکر کی سید بنیادی کام دراصل انہی لوگوں اور جماعتوں کے لئے مفید ترین اور انتہائی موثر ہوگا۔ جو سیاست کے میدان میں اسلام کا کام کر رہے ہوں گے - اسی پہنچ سے کامیابی کی توقعات وابستہ کی جاسکتی ہیں، ورنہ جس طرح اب تک کی تمام کوششیں لاعمل رہی ہیں، اسی طرح آئندہ کی محنتیں اور کوششیں نسیا نسیا ہو جائیں گی - جن حضرات کے دلوں کو میری بات نے اپیل کیا ہو، اب انکی دینی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو آگے بڑھائیں۔ سیاسی زعماء کے پاس جائیں ان کو ایک سیاسی جماعت بنانے کی ضرورت کا قائل کریں۔ علماء اور ان حضرات کی خدمت میں حاضری دیں جو دین کے کام کو عزیر تر سمجھتے ہیں اور ان سے دردمندانہ اپیل کریں کہ وہ انتخابی سیاست سے کنار کش ہو کر اپنی تمام توجہات اور مساعی کا ہدف دعوت و تبلیغ اور اصلاح معاشرہ کرنا ہیں - وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ -

بَارَكَ اللَّهُ لِيْ وَلَكُمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيْمِ وَنَفَعْنِيْ وَاَيَّامَكُمْ  
بِآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ اِنَّهُ تَعَالَى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَّكِلَتْ  
بِرَّ شُرُوفُ رَحِيْمٌ ط -

## \* ————— الحلاع عام ————— \*

عبدالرحمن کلرک مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور، کے خلاف  
”چارج شیٹ“ ہو چکا ہے اور ماہ مارچ ۲۳ - تاریخ سے ہی وہ بلا اجازت  
اور خلاف منابطہ دفتر سے غیر حاضر ہے - اور اُس کے خلاف ”محکماتہ تحقیقات“  
زیر تحقیق ہیں - اس لئے تمام حضرات مطلع رہیں کہ وہ اب انجمن کا ملازم نہیں رہا -  
لہذا انجمن یا اُس کے ذیلی اداروں کے لئے اُس سے کوئی لین دین نہ کیا جائے -  
ناظم اعلیٰ :- مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دورے کے تأثرات و مشاہدات

از : ڈاکٹر اسرار احمد

اسباب و علل کی اس دنیا میں سنت الہی یہ کار فرما نظر آتی ہے کہ جو کام بھی خلوص و اخلاص اور سعی و محنت سے کیا جاتا ہے وہ بار آور ہوتا ہے چنانچہ الحمد للہ والمنة دعوت رجوع الی القرآن اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کا تعارف اور اثر و رسوخ جہاں پاکستان میں وسیع تر ہو رہا ہے وہاں بفضلہ تعالیٰ دعوت تحریک بیرون ممالک میں بھی متعارف ہو رہی ہے اور اس کے متعارفین متاثرین و مویدین کا ایک منظم و فعال حلقہ امریکہ اور کینیڈا کے دو تین نمایاں شہروں میں مستقل طور پر قائم ہو گیا ہے۔ ان مقامات پر تعارف کا ایک ذریعہ تو مرکزی انجمن کی مطبوعات ہیں جو بیشتر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے پمفلٹوں پر مشتمل ہیں لیکن دوسرا موثر ذریعہ موصوف کے دوس قرآن حکیم اور مختلف خطابات ٹیپس اور کیسٹ ہیں جو ایسے حضرات کی وساطت سے وہاں پہنچے جو حصول تعلیم کا روبا اور ملازمت کے لئے یا مستقل طور پر نقل و وطن کر کے وہاں مقیم ہیں۔ چنانچہ ان ہی مخلصین کی دعوت کو ڈاکٹر صاحب پہلی مرتبہ دعوتی دورے پر جولائی ۱۹۷۷ء میں اور دوسری مرتبہ ۲۲ اگست ۱۹۷۷ء کو امریکہ اور کینیڈا تشریف لے گئے۔ دوسرے دورے سے ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو موصوف کی مراجعت ہوئی اور ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء کے جمعہ کو مسجد شہداء میں ڈاکٹر صاحب نے پندرہویں صدی عجمی کے آغاز کے موضوع پر تقریر کے ساتھ ساتھ اس حالیہ دعوتی دورے کے تاثرات و مشاہدات بھی بیان کئے۔ اس خطاب کا پہلا حصہ میثاق کے جنوری / فروری ۸۱ء کے مشترکہ شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ اب دوسرا حصہ قارئین میثاق کی

”پندرہویں صدی کے آغاز“ کے موضوع پر تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف

نے فرمایا: ”

اب میں چند باتیں امریکہ اور کینڈا کے حالیہ دعوتی دورے کے متعلق عرض کرنا چاہوں گا جہاں سے میں اس مرتبہ تقریباً پچھون دن ہسپرس کے ۱۶ اکتوبر کو واپس آیا ہوں۔ میں براعظم شمالی امریکہ کے سفر پر پہلی مرتبہ گذشتہ سال جولائی ۷۹ء میں گیا تھا۔ واپسی پر میں نے اس سفر کی مختصر روداد لکھی تھی جس کی پہلی قطعاً جنوری شمار کے مباحث میں شائع ہوتی تھی دوسری قسط لکھنے کی عدیم الفرستی کے باعث نوبت ہی نہیں آئی کہ اگست میں دوسرا دورہ شروع ہو گیا۔ میں نے پچھلے دورے کی روداد سفر کی پہلی قسط میں ذکر کیا تھا کہ سیر و سفر کا ذوق و شوق میری گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ اور اللہ کا فضل ہے کہ مجھے اس کے بے شمار مواقع ملتے رہے ہیں چنانچہ میں بلا تکلف عرض کرتا ہوں کہ پہلے دورے کے موقع پر میرے ذہن پر امریکہ (جنہی دنیا کہلاتا ہے) کی تہذیب تمدن کے قریبی مشاہدے و مطالعے کا ذوق و شوق دعوتی کام پر غالب تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سفر صحیح معلومات کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں بے شمار کھول کیلئے سیر وافی الایمان صی زبایا گیا ہے۔ میں نے گذشتہ جمعہ کو مسجد دارالسلام میں اپنی تقریر میں عرض کیا تھا کہ عربی زبان میں ”س۔ ف۔ ر“ کا سرحرنی مادہ بڑا عجیب ہے۔ اسی سے سفر بنتا ہے۔ جس کے معنی امام راغب نے ”کشف الغطاء“ بیان کئے ہیں۔ یعنی پرے ہٹیں اور اصل حقائق منکشف ہوں۔ زمین میں گھومنے پھرنے کو سفر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے مشاہدات کا موقع ملتا ہے۔ معلومات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے، بسا اوقات نئے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے اور عبر و بشار حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اسی مادے سے سفر بنتا ہے۔ جس کے معنی کتاب“ ہوتے ہیں اس کی جمع اُسفار آتی ہے۔ جیسے سورہ جمعہ میں آیا ”مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا الثَّوْلَةَ شَمَلٌ لِّمَن يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْيَمْرِ يَحْمِلُ

لہ جن لوگوں کو حامل تورات بنایا گیا تھا۔ مگر انہوں نے اس کا بار نہ اٹھایا، ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جن پر کتا ہیں لدی ہوں۔



اَسْفَافِ اَطْلَاقِ۔ ب بھی چونکہ لاعلمی کے پردوں کو چاک کر کے معلومات کے دائرے

کو وسیع کرنے کا سبب بنتی ہے لہذا سفر کہلاتی ہے۔ صبح کے روشن ہونے کے لئے بھی اسی مادے سے فعل اَسْفَرَ آتا ہے۔ جیسے سورہ المدثر میں ”وَالصُّبْحُ إِذَا اَسْفَرَ“ چونکہ صبح اندھیرے کے پردے کو چاک کرتی اور ماحول کو روشن کرتی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ امریکہ کے گزشتہ اور موجودہ سال کے دوروں میں مجھے بہت سی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ عربی کی ایک پرائی کہادت ہے کہ لَيْسَ الْخَبْرُ كَالْمَعَانِدِ ناری میں محاورہ ہے ”شنیدہ کے بود مانند دیدہ“ تو واقعہ یہ ہے کہ دور بیٹھ کر محض ”سمع“ کی بنیاد پر امریکہ کے بارے میں ذہن میں جو تصورات قائم تھے ان میں سے بعض میں دونوں دوروں کے نتیجے میں تبدیلی آئی ہے۔

امریکہ کی خوشحالی | میں پہلے دورے کے بعد کسی موقع پر اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے یہ عرض کر چکا ہوں کہ امریکہ جانے سے قبل

امریکہ کی خوش حالی کا جو کتابی علم حاصل تھا امریکہ کو میں نے اُس سے دس گندے بھی زیادہ خوش حال پایا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانے کی بے شمار دنیوی نعمتوں سے اس خطہ زمین کو نوازا ہے۔ دنیوی لحاظ سے کسی ایسی نعمت کا تصور نہیں کیا جاسکتا جس سے یہ سرزمین مالا مال نہ ہو۔ یہاں بلند و بالا اور برف پوش پہاڑ بھی ہیں اور صحرا و ریگستان بھی۔ یہاں بڑے بڑے دریا بھی ہیں اور متعدد بڑی اور چھوٹی جھیلیں بھی اور آبشار بھی۔ یہاں وسیع ترین مسطح میدانوں کا سلسلہ بھی موجود ہے جن میں اکثر و بیشتر انتہائی شاداب اور زرخیز ہیں۔ جہاں ہر قسم کی اجناس و فواکھات کی کثیر پیداوار ہوتی ہے جس میں سائنٹفک طریقوں سے اسانڈ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ اجناس کی اتنی بہتات ہوتی ہے کہ نہ صرف اپنے ملک کی ضرورت کے لئے کفایت کرتی ہے بلکہ بہت سے دوسرے ملکوں کو قیمتاً یا بطور امداد دینے کے بعد بھی لاکھوں ٹن غلہ بچ رہتا ہے جو مختلف طریقوں سے ہر سال منافع کر دیا جاتا ہے۔ یہاں معدنیات کی بھی کثرت ہے۔ لوہا، سونا، چاندی، تانبا اور دوسری اقسام کی دھاتوں کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ سامعہ ہی کوئلہ، تیل اور دوسرے کیمیکلز کے بھی وافر ذخائر موجود ہیں یہاں موشیوں کی انتہائی بہتات

ہے اور ان کی انفرانسس کے سائینٹفک طریقے رائج ہیں۔ مومن کہ ہر چیز کی بہتات ہے اور دولت و خوش حالی کی ریل پیل ہے۔ وہاں تقریباً ہر گھر میں ہر فرد کے لئے نہ صرف کار موجود ہے بلکہ صورت حال ایسی نظر آتی ہے کہ اگر کسی گھر میں چار افراد ہیں تو پانچ کاریں موجود ہیں۔ فلک بوس، عمارتوں کا صحیح اور کامل اطلاق میرے نزدیک امریکہ کی عمارتوں پر ہی ہو سکتا ہے۔ صنعت تجارت، ٹیکنالوجی اور آئٹمی انرجی کے لحاظ سے بھی دنیا کا کوئی دوسرا ملک شاید ہی امریکہ سے ٹکر لے سکے۔

اخلاق اور حالت اور دولت کی بے نہایت اور بے تحاشہ فردانی کی وجہ سے جو اخلاقی مناسبات کسی معاشرے میں پیدا ہوتے ہیں، امریکہ بھی ان کی لپیٹ میں آیا ہو اسے اور وہاں کی عظیم ترین اکثریت مذہبی و روحانی اخلاقیات کے اعتبار سے تہی دست اور دیوالیہ نظر آتی ہے۔ حیا سوز مناظر وہاں کے معمولات میں شامل ہیں، عریانی عام ہے۔ بصمت و عفت اور پاکدامنی وہاں سرے سے کوئی قدر ہی نہیں ہے۔ بایں ہمہ اس معاشرے میں تہذیب جدید کی ہوسناکی اور روحانی اقدار کی محرومی کے باوصف بہت سے انسانی اخلاقیات مشرقی ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ پائیدار ہیں۔ وہاں انفرادی زندگی میں دنیوی جذبہ کی لگن، مستعدی اور فزمن شناسی اور اجتماعی زندگی میں شائستگی اور سلیقہ مندی موجود ہے۔ تحقیق و جستجو اور ایجاد و اختراع کا انہماک نہ صرف موجود ہے بلکہ عروج پر ہے اپنے ملک کے اجتماعی مفادات، ملکی سلامتی و استحکام سے گہری دلچسپی اور وابستگی موجود ہے۔ تمدنی شعور و احساس (CIVIC SENCE) بھی موجود ہے اور قانون کا احترام بھی۔ پھر میرا تاثر یہ ہے کہ امریکی انگریزوں کی طرح احساس برتری کے شکار نہیں ہیں۔ وہ دوسروں سے الگ تھلگ رہنے کے مادی نہیں بلکہ بہت جلد بے تکلف ہو جاتے ہیں۔ ان کے رویے میں بے اعتنائی نہیں ہوتی۔ البتہ وہ امریکہ کے نیگروؤں کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ سخت ہیں۔ اس کے بھی بہت سے اسباب ہیں جن کا تجزیہ اس مختصر وقت میں ممکن نہیں۔

مذہبی حالت | اسی طرح امریکہ جانے سے قبل میرا تصور یہ تھا کہ امریکی معاشرہ یورپ اور برطانیہ کے مقابلے میں مذہب سے کہیں زیادہ لا تعلق اور دور ہوگا۔ لیکن مشاہدے نے اس تصور کو قطعی ثابت کر دیا۔ میں نے لندن میں دیکھا تھا کہ اتوار کو جو عیسائیوں کے

مذہب میں متبرک اور عبادت کا دن سمجھا جاتا ہے اور اس روز صبح کو وعظ و دعا کے لئے گرجاؤں میں جانا عیسائیت کا اہم ترین شعار ہے لیکن اُس دن لندن میں بڑے نامی گرامی گرجا بھی خالی ہوتے ہیں۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ لندن میں ہر بڑے گرجے کی یہی کیفیت ہے کہ دس پندرہ افراد سے زیادہ ماضی نہیں ہوتی۔ چھوٹے گرجوں کے حال کا اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لندن میں ہر سال گرجاؤں کی کچھ نہ کچھ عمارتیں فروخت ہوتی رہتی ہیں۔ بعض گرجے تو مختلف مسلم اداروں نے خرید کر انہیں اپنا مرکز بنالیا ہے اور بعض تجارتی مقاصد کی عمارتوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔ علاوہ انہیں عیسائیوں کے مذہبی تہوار کرسمس یعنی ۲۵ دسمبر کو بھی لندن کے گرجوں کا تقریباً یہی حال ہوتا ہے حالانکہ عیسائی دنیا میں کرسمس کا مقام وحیثیت سب کو معلوم ہے مگر وہاں کے سب سے بڑے گرجا میں مجھے میرے سبائی سے گئے تو وہاں ستراسی سے زیادہ لوگ نہیں تھے۔ امریکہ میں میری معلومات کی حد تک معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں مذہب کی طرف اچھا خاصہ رجحان پایا جاتا ہے۔ اخلاق یا خلیگی کے باوجود وہاں کے گرجا یورپ اور برطانیہ کے مقابلے میں بہت زیادہ آباد نظر آتے ہیں۔ امریکہ میں ٹی وی کے ذریعے ان کے اپنے مذہب کے مطابق نہایت اعلیٰ اور معیاری پروگرام پیش ہوتے رہتے ہیں۔ یوں سمجھئے کہ ان کے ہاں اپنے مذہب کی تعلیم کا ایک موثر نظام موجود ہے۔ وہاں عیسائیت کی دعوت، تبلیغ اور تعلیم کے لئے بڑے زور و بیان رکھنے والے واعظ اور خطیب موجود ہیں جو انتہائی موثر طریقہ خطابت کی وجہ سے کافی مقبول اور مشہور و معروف ہیں۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان واعظین کے مواعظ و خطابات کا بڑے وسیع عریض ہالوں (HALLS) میں انتظام کیا جاتا ہے۔ جن میں داخلے کے لئے معقول رقم کے ٹکٹ رکھے جاتے ہیں اور لوگ جوق درجوق ٹکٹ خرید کر یہ مواعظ سننے کے لئے جمع ہوتے ہیں اور نہایت وقار اور شائستگی کے ساتھ پوری بات سنتے ہیں اور کافی تاثر لے کر اٹھتے ہیں۔ سامعین کی زبانوں پر ان مواعظ کے لئے انتہائی تحسین و تعریف کے کلمات ہوتے ہیں۔ مجھے جب یہ معلومات حاصل ہوئیں تو میرا ذہن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے اس ارشاد گرامی کی طرف منتقل ہوا کہ **إِنَّ مِنْ الشَّعْرِ لِحُكْمَةً وَإِنْ مِنْ الْبَيَانَ لَسِحْرًا**۔ ”بلاشبہ بعض شعر حکمت سے پڑھتے ہیں اور بلاشبہ بعض بیان جادو کا اثر رکھتے ہیں۔“

**مذہبی تعصب نہیں ہے** | میں نے ان دوروں میں ایک خاص بات یہ بھی نوٹ کی کہ وہاں مذہبی تعصب نہیں ہے۔ بلکہ دوسرے مذاہب کے مطالعے

اور اس کے سمجھنے کا رجحان موجود ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آزاد می اظہار رائے اور حریتِ فکر ان کے ہاں بڑی اعلیٰ قدر سمجھی جاتی ہے۔ یہ ان کے معاشرے کا (CAREN WORD) ہے۔ وہاں یہ خوبی موجود ہے کہ وہ تمام مذاہب کی بات سننے

کے لئے تیار ہیں۔ قبول کریں یا نہ کریں اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ اس کا انحصار اس پر ہے کہ آپ اپنی بات کس اسلوب اور کس محکم استدلال کے ساتھ کہتے ہیں۔ کتنے منظم اور سلیقے اور پُر تاثیر انداز سے پیش کرتے ہیں۔ آپ کے پیغام اور دعوت کی پشت پر آپ کی سیرت و کردار اور آپ کے اعمال و افعال کی قوت کتنی ہے! کامیابی کے عوامل (FACTORS) دوسرے ہیں۔ لیکن وہاں کسی مذہب کی دعوت و پیغام پیش کرنے پر کوئی قدغن نہیں ہے۔ وہاں ریڈیو اور ٹیلی ویژن اسٹیشن حکومت کی گزرت سے بالکل آزاد ہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے بے شمار نجی ادارے موجود ہیں۔ ان کے ذریعہ جو چاہتے مقررہ وقت کی معینہ قیمت ادا کر کے اپنا پروگرام پیش کر سکتا ہے۔ میں نے وہاں چند ٹیلی ویژن پروگرام دیکھے ہیں۔ یہودیوں کے بھی، مسیحیوں کے بھی اور کالے مسلمانوں کے بھی۔

**ظہورِ مسیح کا انتظار** یہودی اپنے پروگراموں میں مختلف اسالیب و انداز بڑی شد و مد اور دلائل کے ساتھ یہ کہہ رہے ہیں کہ ”مسیح کے ظہور کا وقت آگیا ہے۔“ (THE MESSIAH IS COMING) یہ اس وقت یہودیوں کا خاص موضوع (MAIN THEME) ہے کہ ظہورِ مسیح کا وقت دور نہیں ہے۔ یہی موضوع

میں معلوم ہوا ہے کہ ریڈیو پر وقت لے کر ڈاکٹر صاحب کے دوس قرآن مجسم کے کئی کیسٹ نشر کرنے کا وہاں کے کارکنان انتظام کر چکے ہیں۔ (مرتب)

عیسائیوں نے دوسرے انداز سے اپنایا ہوا ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ "بادشاہ (مراد میں حضرت مسیح) آرہا ہے" (THE KING IS COMING) اسی کے STICKER: ان کی کاروں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں گویا کہ یہودی اور عیسائی دونوں بھی ظہورِ مسیح کے قائل اور منتظر ہیں۔ ہمارے دین اسلام میں تو نزولِ مسیح، عقیدہ مسلمہ عقائد میں شامل ہے ہی۔ اصل بات یہ ہے کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام و تینوں مذاہب، ابراہیمی مذاہب، کہلاتے ہیں۔ ان کے بنیاد نبوتِ رست اور وحی آسمانی پر قائم ہے۔ یعنی ان کا اصل منبع علم SOURCE OF KNOWLEDGE ایک ہی ہے۔ لہذا ان مذاہب کی کتب سماوی میں مطابقت اور قدر مشترک ہونی لازمی ہے۔ جو خرابی پیدا ہوئی وہ یہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی اپنی آسمانی کتب میں لفظی اور معنوی دونوں اقسام کی تحریفیات کر دی ہیں حضرت مسیح علیہ السلام اور نبی آخر زماں، رسول کامل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں تورات اور یہودیوں کے دوسرے آسمانی صحیفوں میں موجود تھیں ان ظالموں نے ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی پیشین گوئیاں یا تو حذف کر دیں یا ان میں تحریف کر دی اور جب حضرت مسیح مبعوث ہوئے تو ان بد بختوں نے ان کی رسالت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اور آں جناب کے انصار و اعموان بننے کے بجائے ان کے دشمن بن گئے اور ان کو رچھٹوں نے اپنی دانست میں آں جناب کو صلیب پر چڑھا کر ہی دم لیا۔ چنانچہ یہ یہودی ظہورِ مسیح کے منتظر ہیں۔ پھر یہ یہودی مسد اور نسلی تعصب کی بنا پر، نبی اکرم کو پہچاننے کے باوجود دولت ایمان سے محروم ہے۔ ہمارے عقیدے کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کا ورد و مسعود ہو چکا ہے اور آں جناب کو اللہ تعالیٰ مسیح و سلامت اور زندہ یعنی پورے جسد انسانی کے ساتھ آسمان پر اٹھایا تھا بھولے الفاظ قرآنی: وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ اور وَمَا قَتَلُوهُ لَا يَقِينُوا۔ اور بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ (النساء) اور اِذْ قَالَ اٰلِیٰسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران)

ہمارے مسلمہ عقائد کے مطابق ان ہی حضرت مسیح کا نزول ہوگا اور آں جناب نزول و سلامت بنفس نفیس آسمان سے نزول فرمائیں گے۔ سید المرسلین تمام النبیین

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی کی حیثیت سے ہوگا۔ وہ یہودیوں کے نجات دہندہ کی حیثیت سے تشریف نہیں لائیں گے بلکہ وہ مذاب الہی کا کوٹرا بن کر ان یہودیوں کی پیٹھ پر برسیں گے ان کے ہاتھوں ہی یہودیوں کو عذاب استیصال کا مزاحچھا یا جلے گا جو ان قوموں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے جن کی طرف رسولوں کی براہ راست بعثت ہوتی ہے اور وہ رسول کے انکار کی پاداش میں ہلاک کر دی جاتی ہیں جیسے قوم نوح، قوم لوط، قوم صالح اور قوم شعیب عذاب استیصال کے ذریعے ہلاک و برباد کر دی گئیں۔ دوسری طرف عیسائی بھی ظہور مسیح کے منتظر ہیں ان کا بھی خاص موضوع THE KING IS COMING یہی ہے کہ (MAIN THEME)

یعنی آسمانی بادشاہت آنے والی ہے! وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جو شخص مصلوب کیا گیا تھا وہ لغو ذلالت خود حضرت مسیح تھے۔ صلیب دیتے جلنے کے بعد ان کی نعش ایک غار میں قبر میں رکھی گئی تھی لیکن وہ زندہ ہو گئے اور زندہ ہو کر اپنے بعض حواریں سے ملے بھی پھر ان ہی کی آنکھوں کے سامنے ان کو زندہ اُن کے جسد کے ساتھ آسمان پر اٹھایا گیا۔ وہ یعنی مسیح دوبارہ واپس آئے ہوں گے اور دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے گی اور جس طرح آسمان پر باپ کی مرضی پوری ہوتی ہے اُسی طرح بیٹے کی مرضی زمین پر پوری ہوگی۔ اسی کو وہ آسمانی بادشاہت قرار دیتے ہیں۔ یہودی حضرت مسیح اور نبی اکرمؐ کی بعثت کے منتظر تھے اس کا ثبوت موجودہ تحریف شدہ اناجیل اربعہ سے بھی ملتا ہے۔ متی، لوقا، مرقس اور یوحنا ان چاروں میں یہ بات موجود ہے کہ حضرت مسیح کی بعثت سے متصلاً قبل جب حضرت یحییٰ علیہ السلام نے جو حضرت عیسیٰ سے چھ مہینے بڑے تھے، انہوں نے یہودیوں کو اصلاح حال کی دعوت اور توبہ کی منادی دینی شروع کی تو ان سے یہودی علمائے اُکرم پوچھا۔ ”کیا تم مسیح ہو؟“ یعنی یہودی مسیح کے منتظر تھے حضرت یحییٰ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے دوسرا سوال یہ کیا کہ ”کیا تم ایلہاہ ہو؟“ حضرت الیکس کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ کہیں روپوش ہو گئے تھے۔ اس پر بھی آں جناب نے نفی میں جواب دیا۔ پھر انہوں نے تیسرا سوال یہ کیا کہ ”کیا تم وہ نبی ہو؟“ یہاں صرف اسم ضمیر وہ استعمال ہوا ہے۔ یعنی تشریف

لانے والی یہ شخصیت مبارکہ اتنی معروف تھی کہ صرف اسم منیر ہی سے ذہن ان کی جانب منتقل ہو جاتا تھا۔ حضرت یحییٰؑ نے اس کا بھی نفی میں جواب دیا۔ یہ ”وہ نبی“ کون ہیں! تو یہیں جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن واسطے افسوس کہ جب ”وہ نبی“ مبعوث ہوئے اور ان کا ظہور قدسی ہوا تو یہودیوں کے ساتھ عیسائی بھی دولت ایمان سے محروم رہ گئے۔ حالانکہ یہ بات صراحت کے ساتھ ان اناجیل میں آج بھی موجود ہے جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں۔

آزادی اظہار خیال کی ایک مثال | میں یہ بات کہہ رہا تھا کہ امریکہ میں تعصب نہیں ہے اور اظہار

راتے و خیال کی پوری آزادی ہے۔ اسی گفتگو میں ضمن طور پر ظہور مسیح یا نزول مسیح کا مسئلہ زیر بحث آگیا۔ امریکہ میں کتنی لچک ہے اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگائیے کہ وہاں یہودی فلم ساز حضرت مسیح کی زندگی پر *SON OF THE MAN* کے نام سے فلم بناتے ہیں۔ سوچئے کہ اس ملک میں جہاں عیسائیوں کی پیمپاسی فیصد سے بھی زیادہ آبادی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ مسیح ابن اللہ (*SON OF GOD*) ہیں وہاں یہودی *SON OF THE MAN* کے نام سے حضرت مسیح پر فلم بناتے ہیں جو جلتی ہے۔ لیکن کوئی شہود و غوغا

نہیں۔ ٹھیک ہے ان کا نقطہ نظر (*VIEW*) سننے کے لئے تیار ہیں لیکن اپنا جو عقیدہ ہے وہ بھی برقرار ہے۔ یہ ہے امریکہ میں آزادی اظہار رائے اور حریت فکر کا عالم۔

قوم پرستی (نیشنلزم) نہیں ہے | امریکہ کے سلسلے میں ایک اور اچھی بات مشاہدے میں یہ آئی کہ وہاں

کوئی مضبوط قومی عصیت اور تعصب (*STRONG NATIONALISM*) نہیں ہے۔ وہاں اگر نیشنلزم ایک نسل یا ایک زبان بولنے والوں کی بنیاد پر ہوتا تو یہ بھی کسی دعوت کے لئے بہت بڑی رکاوٹ (*HURDLE*) بن جاتا۔ لیکن امریکہ ایک قوم، ایک نسل اور ایک زبان بولنے والوں کا ملک ہے ہی نہیں۔ وہ پورا ملک نقل و وطن کرنے والوں (*IMMIGRANTS*) پر مشتمل ہے۔ وہاں حال یہ ہے کہ

کوئی آج سے تین چار سو یا ایک دو سو سال قبل ترک وطن کر کے وہاں آباد ہوا اور کوئی پچاس، چالیس، تیس یا اس سے بھی کم مدت قبل وہاں آیا ہے۔ اس سے زیادہ فرق کچھ نہیں ہے۔ پھر آلے والے بھی کسی ایک ہی ملک سے نہیں آئے بلکہ کوئی کسی ایک ملک سے آیا تو دوسرا کسی دوسرے ملک سے۔ اسی لئے وہاں انگریزی زبان بولنے والے بھی ہیں اسپیس اور فرنچ زبان بولنے والے بھی۔ اس لحاظ سے امریکہ کی سوسائٹی ایک COSMOPOLITAN سوسائٹی ہے۔ لہذا وہاں کوئی ایسا نسل، قومی اور لسانی تعصب نہیں ہے جو کسی معاشرے میں دعوت و تبلیغ کے لئے ایک ایسی فاصل بن جاتا ہے جس میں شکاف پیدا کرنا آسان کام نہیں۔

**دعوت دین کے مواقع** | دریں حالات میرا گہرا تاثر یہ ہے کہ امریکہ میں دعوت و تبلیغ دین کا کوئی ایسا منظم ادارہ موجود نہیں ہے جو خالصتاً صحیح نہج پر یکام انجام دے رہا ہو۔ وہاں فی الوقت جو مسلم ادارے موجود ہیں، ان کے روابط کسی نہ کسی طور پر اپنے اپنے ملکوں کی مختلف نیم سیاسی نیم مذہبی تنظیموں اور جماعتوں سے یا حکمرانوں سے قائم ہیں۔ لہذا وہاں بھی شغریں موجود ہیں اور باہمی تعاون و اشتراک کا فقدان ہے اور اگر ہے بھی تو بہت کمزور ہے۔ پھر جو لوگ پاکستان یا ہندوستان سے نقل مکان کر کے وہاں کی شہریت حاصل کر کے وہاں آباد ہیں یا جو لوگ عارضی طور پر حصول تعلیم یا ملازمت کے لئے وہاں گئے ہیں ان میں اکثریت کا مقصد صرف پیسہ کمانا اور خود کو مالی حیثیت سے مضبوط بنانا ہے۔ ایسے حضرات کے حالات کامیاب رہنے جو مشاہدہ کیا ہے۔ اور اس ضمن میں میرے جو تاثرات ہیں ان کو میں حسب موقع آگے بیان کروں گا۔ اس مرحلے پر میں چاہتا ہوں کہ امریکہ کے کالوں (نیگرو) کا کچھ ذکر کروں۔

**امریکہ کے کالے** | امریکہ میں جو مقامی (LOCAL) لوگ ہیں، ان میں گوری نسل کے لوگوں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد آٹے میں نمک کی حیثیت سے بھی کم تر ہے۔ البتہ نیگروز میں جو BLACKS کہلاتے



ہیں اور جو امریکہ کی کل آبادی کا تقریباً ۱۲ سے لے کر ۱۵ فیصد تک حصہ ہیں اسلام نے نفوذ کیا ہے اور نیگروزمیں سے تقریباً ۱۲ - ۱۵ فیصد افراد اپنے خیال میں اسلام قبول کر چکے ہیں۔ ان میں بھی زیادہ تر تعداد ان لوگوں کی ہے جو اپنے معاشرے میں کسی بلند اور قابل لحاظ حیثیت کے حامل نہیں ہیں۔ پھر میرا تجزیہ یہ ہے کہ ان کی اسلام کی طرف پیش رفت میں اسلام کی حقیقی تعلیم سے تاثر کم اور گوروں کے خلاف نفرت اور انتقام کا جذبہ زیادہ غالب ہے ان کے انداز فکر میں مثبت جذبہ کم اور عداوت کا عنصر شدید ہے۔ اسی نفرت و عداوت کے جذبے نے ان کالوں کو گوروں کے مذہب سے بھی بڑی حد تک متنفر کر دیا ہے۔ گوروں کے مقابلے میں ان میں اب اپنے کالے ہونے پر شرمندہ ہونے کے بجائے فخر کا جذبہ روز افزوں ہے اور اب ان کا دعویٰ یہ ہے کہ نسل و رنگ کے اعتبار سے ہم کالے گوروں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔ کالوں کا اپنی رنگت اور نسل پر افتخار کے جذبے کی یہ کیفیت جب میرے علم میں آئی تو مجھ پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کی حکمت مزید منکشف ہوئی جو اُن حضورؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا کہ:

لیس لعرب علیٰ عجمی	نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت
فضل" وَلَا لِعَجْمِی عَلٰی	حاصل ہے اور نہ کسی عجمی کو کسی
عربی فضل" وَلَا لِأَسْوَدَ	عربی پر فضیلت ہے اور نہ کسی
عَلٰی أَبْیَضٍ فضل" وَلَا	کالے کو کسی گورے پر فضیلت حاصل ہے اور نہ کسی
لِأَبْیَضٍ عَلٰی أَسْوَدٍ فضل"	گورے کو کالے پر فضیلت ہے۔
إِلَّا بِالتَّقْوٰی۔	بنائے فضیلت صرف تقویٰ ہے۔

عام طور پر گورے کالے کے مقابل فخر تو سمجھ میں آتا تھا، لیکن کوئی کالا گورے کے مقابلے میں فخر و غرور میں مبتلا ہو، یہ بات فہم و ادراک کی گرفت میں نہیں آتی تھی۔ لیکن امریکہ کے نیگروز (NEGROES) کے اپنی نسل و رنگ پر افتخار و غرور کا حال معلوم کر کے ان آیات الہیہ پر مزید شرح صدر حاصل ہوا کہ دُو وَ مَا یُنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی ؕ یعنی حجۃ الوداع میں اُنھوں نے جو ارشاد فرمایا وہ الہامی (روحی غیر منقول) تھا۔

کالے مسلمان [ان نیگروں کے اسلام کی طرف رجحان کی داستان بھی بڑی عجیب و غریب ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ اس میں تلاش

حق کا مثبت عنصر کم بلکہ معدوم کے درجے میں تھا البتہ گوروں کے ظلم و تعسّی کے سبب ان کا ردِ عمل اتنا شدید تر تھا کہ جس نے ان کو گوروں کے مذہب سے بھی متنفر کر دیا تھا۔

یہ صورت حال تھی کہ جس میں ایجا نامی ایک نیگرو نے اپنے نام کو ایجا سے علی جاہ محمد میں تبدیل کیا اور ویسے تو اس نے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا لیکن درحقیقت اس میں بہت سی گمراہیاں جمع ہو گئی تھیں۔ بلکہ گمراہی تو ایک ہلکا لفظ ہے۔ وہ کفر و ضلالت کی اس حد تک پہنچ گیا تھا جسے ضلّ ضلّلاً، بعیداً ہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

وہ نبوت ہی کا نہیں بلکہ الوہیت تک کا دعویدار تھا۔ وہ خود کو خدا کا اوتار بھی کہتا تھا۔ اس نے مسلم دنیا کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور ان سے روابط قائم کرنے کے لئے خود کو مسلم کہلانے کا ڈھونگ رچایا تھا۔ اور اپنے پیروں کو وہ کالے مسلمان (BLACK

MUSLIM) کہلاتا تھا لیکن درحقیقت وہ ایک نئے اور پراسرار قسم کے مذہب کا بانی تھا۔ جس میں اسلامی عقائد اور عبادات و شعائر کا دور دورہ پتہ نہیں تھا۔ وہ خود

اور اس کے پیرو نماز تک کے نام سے ناواقف تھے۔ انہوں نے جن مقامات کو مسجد قرار دیا تھا، وہ دراصل مسجدیں نہیں تھیں بلکہ ان کے کلب اور اڈے تھے جہاں

کرسیاں بچھی ہوتی تھیں اور وہ مختلف اوقات میں وہاں جمع ہوتے تھے اور اپنے مذموم خیالات کی ترویج کے منصوبوں پر غور کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت جب چاہتی

ہے شرمیں سے خیر پیدا کر دیتی ہے۔ کالے چونکہ افریقی النسل تھے اس لئے فطری طور پر ان میں اپنے قدیم وطن سے ایک تعلق خاطر تھا جس کے نتیجے میں علی جاہ کے

پیروؤں میں سے بعض لوگوں کے وہاں کے لوگوں سے روابط پیدا ہوئے اور چونکہ شمال افریقہ کی آبادی میں مسلمانوں کی عظیم اکثریت ہے جن میں بحمد اللہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کا

غالب عنصر ہے۔ اور وسطی و جنوبی افریقہ میں مختلف مسلم ممالک کے تبلیغی اداروں کی وجہ سے اسلام پھیل رہا ہے لہذا ان روابط کے ذریعے علی جاہ کے پیروں کو صحیح اسلام

سمجھنے کے مواقع میسر آئے اور جب امریکہ کے ان کانوں نے اسلام اور مسلمانوں کو قریب دیکھا تو اثر بھی قبول کیا اور بہت سے لوگوں نے باقاعدہ صحیح اسلام کو اختیار بھی کیا۔

جس میں مالکم الیکس کی ایک نمایاں شخصیت تھی۔ جس نے حجاز کا بھی دورہ کیا تھا اور وہ صحیح معنوں میں حلقہ مجبوش اسلام ہو گیا تھا۔ وہ بہت ہی جاذب نظر پُر وقار اور پکا شخصیت تھا۔ اس نے اس کا امکان تھا کہ اس کی دعوت و تبلیغ اور سعی و جہد سے امریکی بیگروں میں صحیح اسلام نفوذ کرے گا لہذا اس کو راہ سے ہٹا دیا گیا اور سازشوں نے اس کو قتل کر دیا۔ ابھی تک یہ عقدہ نہیں کھل سکا کہ اس کے پیچھے علی جاہ کے لوگوں کا ہاتھ تھا یا امریکہ کے عیسائیوں میں سے کسی متعصب گروہ کا۔

علی جاہ کے انتقال کے بعد ان کے ایک بیٹے والس محمد کے ہاتھ میں بلالی مسلمان اپنے فرقے کی قیادت آئی۔ والس محمد ایک صاحب علم شخصیت ہیں، انہوں نے مشرق وسطیٰ کا کئی بار دورہ بھی کیا ہے اور جامع الاضمر قاہرہ سے علمی استفادہ بھی کیا ہے۔ باپ کی زندگی ہی میں ان کا میلان و رجحان صحیح اسلامی تعلیمات کی طرف منعطف ہو چکا تھا۔ جس کی وجہ سے باپ ان سے ناخوش بھی تھا۔ لیکن چونکہ والس محمد اپنے فرقے میں مقبول و محبوب تھے اس لئے قیادت ان کے ہاتھ میں آئی۔ پچھلے سال تک ان کا نام والس محمد تھا۔ اس سال جب میں وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنا نام والس محمد سے وارث الدین محمد رکھ لیا ہے اور اپنے معتقدین کے لئے جنہوں نے اپنا نام کالے مسلمان (BLACK MUSLIMS) رکھ چھوڑا تھا اب ان کے لئے حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کی نسبت بلالی مسلمان نام تجویز کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب یہ لوگ خود کو بلالی مسلمان کہلاتے ہیں۔ وارث الدین محمد پر سعودی عرب کے بھی خاصی محنت کی ہے۔ ان کو سرکاری مہمان (STATE GUEST) کی حیثیت سے حجاز میں کچھ عرصے رکھا ہے اور وہاں ان کو صحیح اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی سعی تبلیغ کی ہے۔ مزید برآں چند سالوں سے سعودی حکومت اس کمیونٹی کے افراد کو تقریباً تین تین سو کی تعداد میں ہر سال اپنے خرچ پر حج پر بلاتی ہے، اپنا مہمان رکھتی ہے اور ان کو اسلام کی صحیح تعلیمات سے واقفیت بہم پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کرتی ہے۔

ان تمام عوامل نے مل کر الحمد للہ ان میں ایک خوش گوار خوش گوار تبدیلی پیدا ہو چکی ہے۔ شکاگو میں ان کا مرکز ہے اور امریکہ کے

متعدد شہروں میں ان کے ذیلی مراکز قائم ہیں۔ یہی مراکز ان کی مساجد بھی ہیں۔ اور  
 جماعت کی بندہ ہی اور اجتماعی سرگرمیوں کے سنٹر بھی۔ اب ان میں باقاعدہ  
 پنجہ وقتہ نماز باجماعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ اب نقشے بدلے ہوئے ہیں۔ عقیدے اور  
 عمل کے لحاظ سے ان کا رخ صحیح اسلام کی طرف مڑ رہا ہے۔ ان بلائیوں نے تبلیغ  
 کا ایک باقاعدہ اور مضبوط نظم قائم کیا ہوا ہے۔ ان کی طرف سے ہر مہفتہ ٹیلی ویژن پر  
 پراپنی دعوت پیش کرنے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ہر مہفتے ان کو بڑی  
 معقول رقم ملتی۔ وہی والوں کو ادا کرنی ہوتی ہے۔ وارث الدین محمد ثانی وی پر  
 محمد بات کرتے ہیں (MUHAMMAD IS SPEAKING) کے  
 عنوان سے تقریر کرتے ہیں۔ ان کا بلالین نیوز کے نام سے ایک ہفتہ وار رسالہ بھی  
 شائع ہوتا ہے۔ ان لوگوں میں اور نمایاں تبدیلی یہ بھی آئی ہے کہ پہلے یہ دنیا کے تمام  
 گوروں کے خلاف نفرت میں مبتلا تھے چونکہ ان کی اپنی تعریف کے مطابق جیشوں  
 اور نیگروں کے علاوہ دوسرے تمام لوگ ”گورے“ کے ذیل آتے تھے۔ اب اس  
 نفرت میں کمی آرہی ہے اور ان کے نزدیک ”امریکی گورے“ ہی قابل نفرت ہیں  
 پچھلے سال بھی اور اس سال بھی میں  
 بلائیوں کے ایک ذیلی مرکز کا دورہ | نے ان کے بالٹی مور کے ذیلی مرکز کو دیکھا  
 تھا۔ وہاں اجتماع جمعہ سے انگریزی میں خطاب بھی کیا تھا اور نماز جمعہ بھی پڑھائی  
 تھی انگریزی میں درس قرآن بھی دیا تھا۔ آئندہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا اور امریکہ  
 جانا ہوا تو شکاگو میں ان کے مرکز بننے اور وارث الدین محمد سے ملاقات کرنے کا  
 بھی ارادہ ہے۔

وارث الدین محمد کے معتقدین یعنی ”بلالی مسلمان“  
 دو کئے کالے مسلمان | کے علاوہ ایک چھوٹی سی جماعت ان کالے مسلمانوں کی  
 بھی ہے جنہوں نے صحیح اسلام کو باقاعدہ طور پر قبول کیا ہے۔ ان کے حالات بہت اچھے  
 ہیں اور ان کا دینی جذبہ اور اسلامی عقائد و اعمال سے ان کی گہری وابستگی بہت  
 مشرقی ممالک کے نسل مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔ یہ لوگ بلالی مسلمانوں  
 کو صحیح مسلمان نہیں سمجھتے اور علی جاہ کے اصل افکار کے پیش نظر ان کا یہ سمجھنا بالکل

درست ہے۔ لیکن اب جبکہ وارث الدین محمد کے عقائد اور افکار و نظریات میں مایا تھیلی  
 اچکی ہے وہ خود بھی صحیح اسلام سے قریب ہو رہے ہیں اور اپنے معتقدین کو بھی اس راہ  
 پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں تو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان دونوں فرقوں  
 میں مفاہمت ہو جائے۔ یہ مفاہمت امریکہ میں نیگروزم میں اسلام کے فروغ کے لئے  
 ان شاء اللہ مفید ثابت ہوگی۔

ان نو مسلموں کی دینی حس میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ امریکہ کے نیگرو

دبستگی اور تعلقی ہمارے مشرقی ممالک کے نسل مسلمانوں کے مقابلے میں کہیں بہتر ہے۔  
 اس بات کا صحیح اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ ان نیگرو مسلمانوں میں جن  
 میں 'بلالی' بھی شامل ہیں۔ امریکہ جیسے ملک میں جہاں بے حجابی اور نیم عریانی ہی  
 نہیں بلکہ کامل عریانی عین تہذیب ہے، اپنی خواتین کو مستور رکھنے کا پورا اہتمام ہے۔  
 چہرے کا پردہ نہیں ہے لیکن باقی جوستر ہے وہ پورا ڈھکا ہوتا ہے اور ان کی خواتین  
 اپنے لباس کے اوپر ایک OVER-ALL قسم کا کوٹ پہنتی ہیں۔ ان کے مقابلے  
 میں پاکستانی خواتین میں سے کچھ تو بالکل امریکی تہذیب و تمدن کے رنگ میں رنگ گئی ہیں۔  
 ان کے لباس اور امریکی عورت کے لباس میں سرسوفرق نہیں ہے۔ بقیہ خواتین میں  
 سے بھی عظیم اکثریت کا یہ حال یہ ہے کہ وہ ساڑھیاں اور بلاؤز پہنے بازاروں میں گھومتی  
 ہیں جس میں ان کی کمری بھی نیچی اور پیٹ بھی نیچے ہوتے ہیں۔ اور ان کے پستان کسے  
 کسائے اور ابل پڑنے کو تیار۔ جو خواتین کرتا یا قمیص اور شلوار استعمال کرتی ہیں تو ان  
 کا بالائی لباس اتنا تنگ ہوتا ہے کہ تمام نشیب و فراز واضح ہوتے ہیں اور گلا کھلا  
 اور پستان نیم عریاں۔ استغفر اللہ یہ نمونہ ہے جو اسلامی مملکت کہلانے والے  
 پاکستان کی مسلمان خواتین وہاں پیش کرتی ہیں۔ پھر غنیمت یہ ہے کہ یہ خواتین اسی  
 لباس میں مساجد میں بھی پہنچتی ہیں۔ ثم استغفر اللہ میں نے اپنی طبیعت پر جبر  
 کر کے اس شرمناک صورت حال کا تذکرہ کیا ہے چونکہ جب تک تصویر کا حقیقی اور صحیح  
 رخ پیش نہ کیا جائے بات کی اہمیت واضح نہیں ہوتی۔ وہاں کے نو مسلم انتہائی دکھ  
 کے ساتھ ان باتوں پر اعتراض اور کھیر کرتے ہیں اور درست کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

”تم کیسے مسلمان ہو؟ تمہاری عورتیں اپنے لباس سے قلعی مسلمان خواتین نظر نہیں آتیں ان کے اور ہندو خواتین کے پہناوے میں ہمیں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ جن خاندانوں کی یہ خواتین ہیں ان کے متعلق ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ پشتی مسلمان ہیں، ان میں کوئی سید زادہ ہے تو کوئی پیر زادہ۔ لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے ظاہر اور رہن سہن سے کسی طور پر بھی مسلمان دکھائی نہیں دیتے۔“ یہ ہے ان کا شدید رد عمل۔ جو میرے علم میں آیا۔ گویا ہمارے لوگوں کی عظیم اکثریت اپنے اس طرز عمل سے وہاں کے نو مسلموں کو بدظن کرنے کا باعث بن رہی ہے اور تبلیغ و فروغ اسلام کے بجائے اس راہ کا سنگ گراں ثابت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہمارے مجانی اس روش کی اصلاح کریں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگ دنیا میں بھی رسوا کما رہے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے نصیب میں رسوائی کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

اَللّٰهُمَّ نَحُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوكِ اَنْفُسِنَا۔

یہودیوں کی مذہبی حالت | ہیں وہاں انہوں نے خود کو بالکل گم نہیں کیا بلکہ بہت بڑی حد تک انہوں نے اپنا تشخص برقرار رکھا ہے۔ اُن میں جن لوگوں پر اپنے مذہب کا شدید غلبہ ہے جو ORTHODOX یہودی کہلاتے ہیں وہ اپنی وضو قطع اور رہن سہن میں اپنے مذہبی اور قومی شعار اور روایات کی سختی سے پابندی کرتے ہیں۔ مجھے امریکہ کے جن شہروں میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں میٹر نے ایسے یہودی دیکھے جن کو دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان چلا آ رہا ہے ذہبی شرع کے مطابق ڈارٹھی، اُسی طرح کا انداز۔ وہ لمبا کوٹ پہنتے ہیں، ان کی تپون بھی ڈھیلی ڈھالی اور ٹخنوں سے خاصی اونچی ہوتی ہے۔ گویا وہاں اگر کوئی مسلمان اپنے شعار کو اختیار کرنا چاہے تو جس نہج پر وہ اپنا لباس بنائے گا۔ ہو بہو پابند مذہب یہودی وہاں ایسا ہی لباس پہنتے ہیں۔ خنزیر اسلامی شریعت کی طرح موسوی شریعت میں بھی حرام ہے یہی معاملہ ’ذبیحہ‘ کا ہے۔ یعنی جو جانہ اسلامی طریق پر ذبیح نہ ہوا ہو اس کا گوشت حرام ہے۔ یہودی بھی ’ذبیحہ‘ کو لازم سمجھتے ہیں۔ لیکن انتہائی دکھ کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ یورپ اور امریکہ جانے والے

ہمارے مسلمان بھائیوں میں سے بہت سے اس معاملے میں مجرمہ حد تک کے پڑائی برتتے ہیں۔ لیکن اس معاملے میں یہودیوں کی مذہبی حس قابل رشک ہے۔ چنانچہ امریکہ اور یورپ میں یہودیوں کی کوشش سے ان کے لئے ذبیحہ کا انتظام موجود ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یورپ کے اکثر ممالک میں آپ کو بہ آسانی کوئٹریٹ یعنی یہودیوں کا ذبیحہ مل جائے گا۔ میں تو حیران ہوا ہوں کہ آپ کسی بھی ہوائی کمپنی کی ٹروس کے جہاز سے سفر کریں اور آڈرویں کہ مجھے ذبیحہ (کوئٹریٹ) چاہیے تو آپ کو AIR TIGHT پیکٹ میں یہ کھانا مل جائے گا اور ہریکیٹ پر یہ سرٹیفیکیٹ موجود ہوگا کہ یہ کوئٹریٹ ہے۔ اس میں جو ہر تن میں وہ پہلی مرتبہ استعمال ہوئے ہیں، اس کھانے کو خنزیر کی کوئی ہوا بھی نہیں لگی ہے اور اس میں نباتاتی چکنائی استعمال ہوتی ہے، یہ ہے یہودیوں کے غلبے اور اثر کا عالم! انتہائی اقلیت میں ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اپنے مذہب کی باتیں منوہلی ہیں۔

امریکہ میں یہودیوں کی کل امریکی معاشرے پر یہودیوں کے اثرات | تعداد ہاں کی آبادی کے لحاظ

سے زیادہ سے زیادہ پانچ فیصد ہے۔ لیکن چونکہ یہ ایک منظم قوم ہے اور اس میں اپنی تاریخ کے دورِ قدیم کے عروج کی تجدید و احیاء کا جذبہ بھی انتہائی شدید ہے۔ سرزمینِ فلسطین پر ”اسرائیل“ کے نام سے ان کی ایک ریاست قائم ہو جانے کی وجہ سے ان کے حوصلے بھی بلند ہیں۔ پھر ذہنی اعتبار سے یہ قوم بڑی فطین، تعلیم یافتہ بلکہ انتہائی گیارہویں اور سترہویں قومی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس کی گھٹی اور ذہنیت میں بنیادیں بھی رچا بسا ہے لہذا دولت و سرمایہ کے لحاظ سے بھی یہ قوم ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ لہذا اتنی قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود امریکی معاشرے میں یہودیوں کی گرفت (HOLD) بہت مضبوط ہے اور اس وقت امریکہ کو یہودی قوم کے لئے درحقیقت ایک بنیاد (BASE) کا مقام حاصل ہے، جہاں سے اس قوم کے سازشی ذہن کی کرشمہ سازیوں کی ترویج اور ان کے عزائم کی تکمیل ہو رہی ہے۔ اور جیسا کہ میں اپنی تقریر کے اُس حصے میں جو پندرہویں صدی کے آغاز سے متعلق سخن کر چکا ہوں

کہ آج دنیا جس عریانی، فحاشی، جنسی بے راہ روی اور قمار بازی کی لعنتوں گرفتار ہے اس میں بہت بڑا حصہ یہودی دانشوروں اور سرمایہ کاروں کا ہے۔ یورپ کے متعدد ممالک اور خاص طور پر امریکہ میں ذرائع ابلاغ یعنی اخبارات و رسائل، لٹریچر کی نشر و اشاعت، ریڈیو، ٹیلی ویژن اور فلمی صنعت پر زیادہ تر یہودیوں کا قبضہ ہے۔ یہی کیفیت بڑی بڑی صنعتوں اور بینک کاری کی ہے، جس کے مراکز امریکہ ہی میں نہیں بلکہ یورپ، ایشیا اور افریقہ تک وسیع ہیں دنیا میں عالمگیر وسعت اور شہرت رکھنے والے صنعتی و تجارتی اداروں اور بینکوں میں گنتی کے ایسے ادارے اور بینک ہوں گے جہاں یہودیوں کا سرمایہ لگا ہوا نہ ہو۔ یا کلیدی آسامیوں (KEY POSTS) پر وہ فائز نہ ہوں۔ امریکہ میں ان کے نفوذ کا یہ حال ہے کہ وہ اپنی سرمایہ کاری کی وجہ سے ایوان حکومت پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ حکومت میں کئی اہم کلیدی مناصب ان کے پاس ہیں۔ سود خوری ان یہودی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ چنانچہ اقساط پر مکان اور دیگر سامان جس میں کاریں، فرج، ٹیلی ویژن، فریج، قالین ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی گھریلو چیزیں شامل ہیں فروخت کرنے کے جتنے ادارے امریکہ میں کام کر رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر یہودیوں کے کنٹرول میں ہیں اور بعض میں انہوں نے سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ ذرائع ابلاغ پر قابض ہونے کی وجہ سے یہودی فکر عالمی رائے پر کافی اثر انداز ہوتا ہے۔ غرض کہ یہودی اپنی ذہانت و فطانت اور سرمایہ کاری کی وجہ سے امریکہ کی دونوں سیاسی پارٹیوں (ریپبلکن اور ڈیموکریٹک) میں موثر رسوخ و نفوذ رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان پارٹیوں میں سے جو پارٹی بھی برسرِ اقتدار آتی ہے، وہ امریکہ ہی میں نہیں پوری دنیا میں یہودیوں کے مفادات کی محافظت کو پیش نظر رکھتی ہے اور ان کی پشت پناہ بنی رہتی ہے۔ لیکن ہر عمل کا ایک ردِ عمل بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے عوام کے ایک باشعور حلقے میں یہودیوں کے اس اثرِ رسوخ اور نفوذ کے خلاف ایک ردِ عمل پیدا ہو چکا ہے۔ جس کے کچھ شواہد میرے علم میں آتے ہیں۔ جن کو اختصار کے ساتھ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ (جاری ہے)



# اسلام کی پندرہویں صدی

موقر دینی ماہنامہ الفرقان مکتبہ (مبھارت) کے شمارے میں مولانا متقی الرحمن  
سنبھلی خلعت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے مندرجہ بالا عنوان پر جو  
مضمون شائع ہوا تھا وہ قارئین میثاق کے استفادہ کے لئے پیش ہے (مرتب)

سنہ ہجری اسلامی نے سو سال کا سفر اوسط کر لیا۔ اب وہ پندرہویں صدی میں  
گامزن ہے اور چودھویں صدی کا ورق اُلٹ گیا۔

ان الفاظ یا ان جیسے الفاظ کو بولنے یا لکھنے سے یہ بات از خود ظاہر ہو رہی ہے  
کہ ہجری صدی کی یہ تبدیلی کوئی پہلی بار نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ واقعہ اب تک پہلے تیرہ  
مرتبہ اور ہو چکا ہے۔ کیا ان تیرہ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ غلط کہی جلتا ہوگا کہ صدی بدل  
رہی ہے، اسلامی تاریخ نے ہجرت نبوی کے یادگار سفر سے سو سال آگے کا سفر اوسط  
کر لیا۔ اس لئے لوگ جشن منائیں اور جشن کے رسوم و آداب عمل میں لائیں ؟  
تیرہ صدیوں کی پوری تاریخ پر نظر ڈالتے۔ پہلی صدی جب تکمیل کو پہنچ کر دوسری  
کے لئے راہ کھول رہی تھی تو یہ وقت عالم اسلام کے لئے عید فرحت و سرور اور شکر و  
مسترت کا وقت تھا۔ خلافت راشدہ کی تابناک دایمان افروز یادوں پر ملوکار غفلت  
کے اطوار نے جو دل گرفتہ درخجور کرنے والے سلسلے ڈال دیے تھے، مین پہلی صدی  
کے اختتام و سلام میں اس تاریک مطلع پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی خلافت کی  
شکل میں، خلافت راشدہ کی تابانیاں پھر سے نمودار ہوئیں اور دوسری صدی ہجری  
کا آغاز ہوتے ہوتے دنیائے اسلام اس ”آفتاب تازہ“ کی تابانیوں سے ایک بار پھر  
جگمگا اٹھی۔ یہ وقت تھا کہ لوگ جشن مناتے، فرحت و سرور کے مراسم ادا کرتے  
اور قومی پیمانی پر شکر و مسترت کی تقریبات بپا ہوتیں۔ مگر... مگر ہماری تاریخ  
کی کوئی روایت نہیں بتاتی کہ ایسا ہوا اور دوسری صدی کے اس شاندار اور  
انتہائی قابل شکر آغاز پر کچھ قومی تقریبات عمل میں آئی ہوں۔

کیا اس دور کے لوگ ناشکرے تھے، استغفر اللہ، ہمیں اُن سے کیا نسبت

یہ تابعین کا دور تھا، بعض صحابہ بھی حیات تھے۔ ہم اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ یہ وقت ان کے لئے بالعموم کتنا فرحت انگیز اور شکر خیز تھا۔ اور کیسے کیسے سجدائے شکر انہوں نے اپنی خلوتوں میں ادا کیے ہوں گے۔

اسی طرح صدی بہ صدی نظر ڈالتے چلے جائیے، کئی موقع صدیوں کے آفاذ و اختتام کے ایسے ملیں گے جب واقعی لوگوں کو حق تھا کہ مسرت و انبساط کے مظاہر اپنائیں اور دنیا کو جتائیں کہ اسلام ابدی ہے، اس کے گلشن میں خزاں کا عمل کبھی دائمی نہ ہو سکے گا، یہ وقتی اور آئی جانی ہے۔ اس کی اصل فطرت میں بہار ہے، نمو ہے اور یہ فطرت اسی طرح سدائے ہمیشہ کی لیکن دوسری صدی کی طرح یہ تمام موقعے بھی ہمیں کسی جشن آرائی کے تذکرے سے خالی ملتے ہیں۔

پھر یہ کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے پہلی دفعہ ایک نئی صدی شروع ہونے کا عمل سلامی تاریخ میں ہو رہا ہے۔ اور یہ سبھی — کہ گویا کچھ ایسے عظیم کارنامے امت نے گزرنے والی (چودھویں) صدی میں انجام دیے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اب شروع ہونے والی (پندرھویں) صدی کو اپنی اور اسلام کی صدی سمجھ لینے میں حق بجانب اور احساسِ فخر سے بے قابو ہے۔

کون نامراد وہ مسلمان ہو گا جو آرزو نہ کرے اور امید نہ رکھے کہ ہر آنے والا دن بڑے والاہ و سال اسلام کا، اس کی ملت کا دن اور ماہ و سال ہو۔ مگر ہم ہیں کہاں؟ یہ بھی تو دیکھنے کی بات ہے۔ کون سے وہ کارنامے ہم سے ظہور میں آئے ہیں جن سے چودھویں صدی ہمیں دعائیں دیتی ہوئی گئی ہے اور پندرھویں کے متعلق ہم سرا دینا کر کے کہنے کے حقدار ہیں کہ جو کچھ کمرہ گئی ہے وہ اس میں پوری کر دی جائے گی؟

بے شک چودھویں صدی کے وسط تک ہم جس قدر ذلت میں گرفتار تھے جس طرح غیروں کی غلامی کا قلاوہ عام طور سے ہماری گردنوں میں پٹا ہوا تھا، اور غیروں سے مرعوبیت اور خود فراموشی کی جو کیفیت ہمارے اوپر مسلط تھی صدی کے آخری نصف یہ تمام باتیں ختم ہونا شروع ہو گئیں۔

ہمارے غلام ملک آزادی پاتے چلے گئے، ذلت کی بہت سی صورتیں ختم ہو گئیں، مرعوبیت گردن چھوٹنے لگی اور خود کو سمجھنے کا جو ہر بھی اندر سربو جلا پانے لگا۔

لیکن ذرا دیر کے لئے سنجیدہ تجزیہ سے کام لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہم جو غلامی سے آزادی کی ضمائیں آئے تو یہ اُس عالمی لہر کا نتیجہ تھا جو — (COLONIALISM) سامراج شکست و ریخت پروری دنیا میں پیدا ہوئی۔ اسی نے ہماری خود شناسی کو جھجھوڑ کر مروجہ سے نکالا اور ذلت پر عمل راہی ہو جانے کی حالت دور کی۔ اسی ذیل میں ہمارے یہاں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں اٹھیں اور مسلم عوام و خواص کی ایک بڑی تعداد کو انہوں نے اپنے گرد جمع کر لیا، اسلام کو ایک زندہ اور خود کفیل دین اور نظام زندگی کے طور پر پیش کرنے کا بہت سی جگہوں پر بہت بلند آہنگ کام ہوا۔ اور اسے تمام غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے مکمل طور سے ساری دنیا میں غالب کر دینے کی جدوجہد ہوتی نظر آنے لگی۔ مگر ساری دنیا تو کیا اسلامی دنیا پر بھی غالب کیا چیز ہوتی ؟ دیہی شخصی اور قومی نخوت و انانیت جو تمام نوآزاد ممالک میں آزادی کے ساتھ ساتھ برائے کار آئی۔

فضا اسلام کا نام لینے کی بن گئی تھی اس لئے عام طور پر ارباب اقتدار نے ہم سلام ہی کا آگے رکھا۔ مگر عملاً اسلام کے ساتھ برائے نام واسطے سے لیکر صریح اسلام دشمنی تک اُن کا کردار بنی ہوئی پانی گئی۔ کہیں (بادشاہتوں میں) خاندانی اقتدار کو صل مسلح نظر رکھ کر اسلام کے اس حقے کو اپنا شعار ٹھہرا لیا گیا جس کو خاندانی اقتدار کے لئے بے فائدہ ہی نہیں بلکہ مددگار سمجھا گیا۔ کہیں صرف اسلامیت اور اسلام سے وفاداری کے اہل فریب اظہار ہی پر اکتفا کیا گیا۔ اور کہیں اسلام کے نام کے ساتھ وہ نظام زندگی اور طرز زندگی رائج کرنے کی دیوانہ وار کوشش کی گئی جس کو اسلام سے بس ایک منہ کی نسبت تھی، دنیا میں پھیلے ہوئے ملحدانہ اور مادہ پرستانہ (بلکہ کافرانہ) افکار کو اسلام ہی کے نام سے اپنے ملکوں اور دوسرے اسلامی ملکوں میں ٹھونسنے کی مجنونانہ سعی ان لوگوں نے کی۔ یہ عموماً وہ تھے جو اپنے ملک کا نظام کہہ کر انقلابی انداز میں برسر اقتدار آئے تھے۔ اور پھر حالات کی اس رفتار کے نتیجے میں یہ المناک صورت حال بھی دیکھنے میں آگئی کہ جو لوگ اسلام، صرف اسلام اور کامل اسلام کا علم لیکر چلے آئے تھے۔ چاہے وہ کسی ملک کے بھی ہوں۔ وہ ”ایں ہم غنیمت است“ کے فلسفے کی پناہ لیتے ہوئے اسلامی دنیا کے اُن ارباب اقتدار کی گود میں بیٹھے ہوئے نظر آنے لگے جن کی



ہے کہ اپنے پچھلے اعمال نامہ کا جائزہ لیں۔ غلطیوں اور کمزوریوں پر اللہ سے استغفار کریں، اپنی آنکھوں سے مطلوبہ نتائج دیکھ لینے کی بے صبری میں شارٹ کٹ اور وقتی ضرورت کی خود فریبی میں جو کھلی بے راہ رویاں ہم سے ہوتی ہیں اُن سے آئندہ کے لئے تائب ہوں اور اسی طرح یہ بھی دیکھیں کہ دعوتِ اسلامی کی ہماری فکر میں ایسی کوئی غلطی تو نہ تھی جو سارے اخلاص، بڑی مستدبانیوں، اعلیٰ درجہ کی توانائیوں کے صرف اور ایک طویل سلسلہِ جدوجہد کے باوجود بیحد غیر متوقع نتائج کا باعث بن گئی ہو۔ یہ کام ہے جس کے لئے جملے منعقد ہوں۔ اجتماعات ہوں، سمپوزیم اور سیمینار ہوں:

چودھویں صدی کے بارے میں ایک عامیاز شہرت برابر رہی ہے کہ یہ شاید دنیا کی آخری صدی ہوگی۔ اور غیر مسلموں کی تعبیر کے مطابق اسلام کی آخری صدی بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اس شہرت عام کو اور خیال خام کو خاص طور سے اس جشنِ اُرائی کی کامیابی کا ضامن سمجھا گیا ہو۔ اور اگر تحسب کیا جائے تو عوام کی اس سے دلچسپی کے پیچھے یہ بات ضرور نکل آئے گی۔

ایک مدت کے بعد چودھویں صدی میں ایسے غیر معمولی مواقع اللہ تعالیٰ نے عالمِ اسلام کو عطا فرمائے کہ وہ پھر سے سچی اسلامیت اختیار کرتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی بڑی ناقدری ہم نے کی اور اس کی سزا ملنا شروع ہو گئی۔ بات اب بھی ہاتھ سے نہیں گئی ہے، لیکن اس کے لئے پورے طور پر اسلام کو اپنا نا ہوگا، رسمی اور منہ نشی باتوں سے کچھ ہونے والا نہیں۔

انجمن خدام القرآن اور مشران اکیڈمی  
کے مقاصد کی وضاحت کیلئے مطالعہ فرمائیں

## اسلام کی نشاۃ ثانیہ

کونے کا اصل کام  
از قلم :- ڈاکٹر اسرار احمد

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اِسْلَام

اور

# حقوق اطفال

چوتھی قسط ، از قلم : غازی عزیز (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

منہ بولے بیٹے، بیٹیوں اور غیر شرعی اطفال کے متعلق خصوصی احکامات

جن لوگوں کی اولاد نہیں ہوتی وہ دوسروں کے بچے گود لے کر پرورش کرتے ہیں تاکہ ان کے بعد ان کی وارثت و خاندانی عزت و شہرت کا کوئی جانشین رہے نیز ان کی خواہش کی تسکین بھی ہوتی رہے۔ ایسے بچے اپنے اصل والدین کے نام سے منسوب کئے جانے کے بجائے پالنے والے شخص کے نام سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ ان کو متبنی یا لے پالک یا منہ بولا یا گود لیا ہوا کہا جاتا ہے۔ اسلام سے قبل شرف لائے عرب اولاد کی محرومیت کو دور کرنے کے لئے بچوں کو گودے لیتے تھے، آج بھی یہ رواج دنیا کے بعض گوشوں میں اسی طرح رائج ہے۔ اسلام نے متبنی کرنے کو ممنوع قرار دیا چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ

ترجمہ :- اور نہ اس نے تمہارے منہ

أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ  
يَا فُتُوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ  
الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ  
أَدْعُوهُمْ لِأَبَاءِ رِجَالِهِمْ  
عِنْدَ اللَّهِ ج -

بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا بنایا ہے  
یہ تو وہ باتیں ہیں جو تم لوگ اپنے منہ  
سے نکال دیتے ہو مگر اللہ وہ بات  
کہتا ہے جو منہ ہی پر حقیقت ہے اور  
وہی صحیح طریقے کی طرف رہنمائی کرتا

(الاحزاب - ۵۴)

کی نسبت سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ منصفانہ بات ہے۔  
اس آیت کے نازل ہونے کے بعد یہ بات حرام قرار دے دی گئی کہ کوئی شخص اپنے  
حقیقی باپ کے سوا کسی اور کی طرف اپنا نسب منسوب کرے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی  
وقاص سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

من ادعى الى غير ابيه وهو  
يعلم انه غير ابيه فالجنة  
عليه حرام (بخاری، مسلم،  
ابوداؤد)

”ترجمہ: جس نے اپنے آپ کو اپنے  
باپ کے سوا کسی اور کا بیٹا کہا اور اٹھا لیا  
وہ جانتا ہو کہ وہ شخص اس کا باپ  
نہیں ہے اس پر جنت حرام ہے“

اس مضمون کی بعض دوسری روایات بھی احادیث میں ملتی ہیں جن میں اس فعل  
کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کریم کے اس صریح حکم کی تعمیل میں اولاً جو اصلاح  
نافذ ہوئی وہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید کو زید بن محمد کہنے  
کے بجائے اُن کے حقیقی باپ کی طرف منسوب کرتے ہوئے زید بن حارثہ کہا جانے لگا۔ جیسا کہ  
حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: زید بن حارثہ کو پہلے سب لوگ زید بن محمد کہتے تھے۔ یہ آیت  
(الاحزاب - ۵۴) نازل ہونے کے بعد انہیں زید بن حارثہ کہنے لگے۔ (بخاری، مسلم،  
ترمذی، نسائی)

”غیر شرعی اطفال“ سے یہاں ہماری مراد ”ولد الزنا“ ہے۔ خاندان کی سلامتی و پختگی  
اور معاشرہ کی فلاح و پاکیزگی کی خاطر اسلام ذلکے مرتکب ہونے والوں کے لئے شدید تنہید  
اور عقوبت زاجرہ تجویز کرتا ہے لیکن اس جرم کے ثمر یعنی ولد الزنا کی بقاء اور اس کی پرورش

لے النَّارِ ابْنِةً وَالسَّارِ ابْنِ فُلْخِلْدًا

”ترجمہ: زانیہ عورت اور زانی مرد“  
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے لئے خصوصی احکامات بیان کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ قانون بنایا تھا کہ نائز بچوں کی دُن بچوں کی جن کے ماں باپ کا سراغ نہ ملے، پرورش اور نگہداشت کی ذمہ دار حکومت ہے۔ اور وہ سرکاری خزانے سے اُن کی تعلیم و تربیت کے مصارف ادا کرے گی تاکہ ماں باپ کے پاپ کا نیا زہ اُن کی معصوم اولاد کو نہ بھگتا پڑے، HAMMUDAH اس باب سے میں لکھتے ہیں کہ: ”ایسی صورت میں جب کہ بچہ کا کوئی وارث یا رشتہ دار موجود نہ ہو تو وہ بچہ تمام مسلم معاشرہ کی اجتماعی ذمہ داری بن جاتا ہے۔ اس حکم میں حکام و عوام دونوں مساوی طور پر شامل ہیں“ (اسلام ان فوکس باب ۱۷ ص ۱۲۸ مطبوعہ مغربی جرمنی)، آج بیسویں صدی عیسوی میں یورپ اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک کو بھی ایسا ہی قانون وضع کرنا پڑا جیسا کہ حضرت عمرؓ کے اپنے دورِ خلافت میں قائم کیا تھا یہ چیز ایک بار پھر قوانینِ اسلامی کے عملی نفاذ کی ضرورت و حقیقت واضح کرتی ہے۔ حدیث شریف میں ایک واقعہ غامذ یہ، جو قبیلہ جہینہ کی ایک شہزادی کی ایک عورت تھی، کے متعلق ملتا ہے جس میں اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اگر چار مرتبہ اقرار کیا کہ وہ زنا کی مرتکب ہوئی ہے اور اُسے ناجائز حمل ہے۔ آپ نے اُس سے پہلے اقرار پر فرمایا: **وَمَحَلٌّ اَرْحَبُی فَاَسْتَغْفِرُی اَللّٰهُ وَتَوَلٰی اَلِیْسَ (اری علی**

(بقیہ ماشیہ ص ۱۷)

کُلَّ وَاحِدٍ مِنْهَا مَآءٌ اَتَتْ  
جَلْدًا ۱۰ (النور - ۲)

ایک حدیث میں حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں :- ”ترجمہ: اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے دیکھا ہے،  
فکان مما انزل اللہ تعالیٰ آیۃ  
الرحیم رحیم رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم و سرجمعنا  
بعده والرحیم فی کتاب اللہ  
حق علی من زانی اذا احسن  
من الرجال والنساء.....“  
سنگساری (بھی، تھی)۔ رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگسار کیا اور  
آپ کے بعد ہم نے سنگسار کیا۔  
سنگساری اللہ کی کتاب میں مردوں  
اور عورتوں میں سے اس شخص پر تاج ہے  
جس نے محسن ہو کر نہ کیا ہو۔... الخ  
(بخاری و مسلم)



جا، اللہ سے معافی مانگ اور توبہ کر، مگر اُس نے کہا: یا رسول اللہ کیا مجھے ماعز کی طرح ٹالنا چاہتے ہیں، میں زنا سے حاملہ ہوں۔ اس کو چونکہ زنا کے کیسائے عمل بھی تھا اس لئے آپ نے زیادہ جرح نہ فرمائی اور کہا: اچھا نہیں مانتی تو جا، وضع حمل کے بعد آنا۔ وضع حمل کے بعد وہ بچے کو لے کر آئی اور کہا اب مجھے پاک کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: جا اور اس کو دودھ پلا۔ بچے کے دودھ چھوٹنے کے بعد آتیو۔ پھر وہ دودھ چھڑانے کے بعد آئی اور ساتھ روٹی روٹی کا ایک ٹکڑا بھی لیتی آئی۔ بچے کو روٹی کا ٹکڑا کھلا کر رسول اللہ کو دکھایا۔۔۔۔۔ اور کہا یا رسول اللہ اب اس کا دودھ چھوٹ گیا ہے۔ دیکھئے یہ روٹی کھانے لگا ہے۔ تب آپ نے بچے کو پرورش کے لئے ایک شخص کے حوالے کیا اور غامدیہ کو رجیم کئے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ اس واقعے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام زنا جیسے گناہ کی رو سے پیدا ہونے والے بچے کے ساتھ کوئی معاذرہ انداز اختیار نہیں کرتا بلکہ اُس کی حفاظت و بقا اور پرورش کے لئے پورے مواقع فراہم کرتا ہے۔

اسلام غیر شرعی بچہ کا مقام معاشرہ میں گراتا نہیں اور نہ ہی اُس کے ادعام مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کی تفریق پیدا کرتا ہے بلکہ انہیں بھی دوسروں کے مساوی اور اُن کا بھائی بتاتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:-

فَابْتَ لَمْ تَعْلَمُوْا اٰبَاءَهُمْ  
فَاِخْوَانُكُمْ فِى الدِّيْنِ  
مَوَالِيكُمْ (الاحزاب- ۵) دینی بھائی اور رفیق ہیں

المادردی (المتونی رحمہ اللہ) نے لقیط یعنی کسی پڑے ہوئے یا لاوار بچہ کی کفالت کا ذکر ائمہ بالمعروف کے واجبات المحتسب میں کیا ہے اور اس کا شمار حقوق اللہ تعالیٰ اور حقوق الامیین کے درمیان مشترک کیا ہے۔ ویسے بھی کسی لقیط کی کفالت کرنا انساناً، قانوناً، اخلاقاً اور طفل مزوری ہے۔ جو شخص کسی لقیط یا لاوارث کو اُس کی کفالت کے لئے لیتا ہے اُس کے متعلق المادردی فرماتے ہیں: ومن اخذ لقیطاً وقصر فی کفالتہا أمّہا أن یقوم بحقوق التقاطہ من التزام کفالتہا، أو تسلیمہ الی من یتزملہا ویقوم بہا۔“ (الاحکام السلطانیہ ص ۲۵ طبع ثانی القاہرہ ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء)

کسی ناجائز یا غیر شرعی سچے کو "محرمی" یا "لقیط" جیسے ناپسندیدہ الفاظ سے پکار کر اس کی دل شکنی نہیں کرنی چاہیے۔ جوں جوں یہ سچے بڑا ہوتا جلتے اس کے جملہ قانونی حقوق کا تحفظ کرنا بھی ضروری ہے۔ اُس کے اردو سرے بچوں کے درمیان کسی قسم کا فرق پیدا نہ ہونے دینا چاہیے بلکہ مساوات اور عدل کی راہ اختیار کرنی چاہیے مزید اُس کو اُس کے نامعلوم والدین کے گناہ کی پوٹ سمجھ کر اُس سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ ان تمام باتوں کی اسلام میں سخت مذمت و ممانعت بیان کی گئی ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے مجتہد کبیر امام ابن حزم ناجائز بچوں کے متعلق تصریح فرماتے ہیں :-

وشہادۃ ولد الزنا جائزۃ  
فی الزنا وغیرہ ویلی القضاء  
وهو کغیرہ من المسلمین  
..... ولا نص فی  
التفریق بینہ و بین  
غیرہ وهو قول اُبی حنیفۃ  
والشافعی وأحمد واسحق  
وأبی سلیمان وهو قول  
الحسن والشعبی وعطاء  
بن اُبی سباح والنہری  
وروی عن ابن عباس  
وروی عن نافع : لا یجوز  
شہادتہ وقال مالک و  
اللیث یقبل فی کل شیئ  
إلا فی الزنا - وهذا فرق لا  
نعرفہ احد قبلہما قال  
اللہ تعالیٰ (فان لم تعلموا

"ترجمہ: ولد الزنا کی شہادت زنا اور  
اس کے علاوہ بھی جائز ہے۔ وہ قاضی  
بھی رہ سکتا ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں  
کے ہی مثل ہے۔ .... اُس کے  
اور دوسرے مسلمانوں کے درمیان  
فرق کرنے کی کوئی نص (صریح حکم)  
موجود نہیں ہے۔ اس کو کہا امام  
ابو حنیفہ، امام شافعی، امام احمد،  
اسحق، ابوسلیمان رحمہم اللہ نے اور  
یہ بیان کیا حسن و شعبی و عطاء بن  
ابی رباح اور زہری نے اور یہ روایت  
کیا ابن عباس سے۔ اور نافع سے  
مروی ہے کہ اس کی شہادت جائز  
نہیں ہے۔ اور بیان کیا مالک و  
لیث نے کہ اس کی شہادت قابل  
قبول ہے سوائے زنا کے اور یہ وہ  
فرق ہے جسکو ہم ان سے پہلے کسی کے

اباء هم فاخوانكم في الدين ..... ) واذا كانوا  
 متعلق نہیں بنتے - اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رپس اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ ان  
 کے باپ کون ہیں تو وہ تمہارے دینی مالنا وعلیہم ما علینا -  
 (الحلیٰ لامام ابن حزم) بھائی ہیں (.....) اور جب وہ  
 ہمارے دینی بھائی ہیں تو جو چیز ان کے لئے جائز ہے وہ ہمارے لئے بھی ہے اور جو ہمارے لئے ہے وہ ان کے لئے بھی اسی طرح ہے۔“

اولاد کی تعلیم و تربیت | راقم الحروف کے والد محترم (جناب مولانا محمد امین الاثری صاحب) اپنی گرانقدر تالیف ”تحفہ سعادت“

میں اولاد کی تعلیم و تربیت کے زیر عنوان اس طرح رقمطراز ہیں :-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ وَلَدَ لَهُ وَلَةً فَلْيُحْسِنْ إِسْمَهُ وَآدَبَهُ فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَإِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاصْبِرْ إِشْمًا فَإِشْمًا إِشْمًا أَيُّسِرَ (ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کے اولاد ہو اس کو چاہیے کہ بچہ کا بہتر سے بہتر نام رکھے اور اس کی بہترین تعلیم و تربیت کا انتظام کرے اور جب وہ بالغ ہو جائے اُس کی شادی کا انتظام کرے اگر اس نے جلدی شادی (بیہقی)

نہیں کی اور وہ کوئی گناہ کر بیٹھا تو اُسکی بار پرس اُس کے باپ سے ہوگی۔ اولاد کیا ہے؟ انسانی نسل کی بقا اور مستقبل کی آبرو کا نام ہے۔ اس دنیا میں یہی وہ قیمتی لال ہے جس کی صحیح تربیت اور عمدہ پرورش مقصود ہے۔ اور ہمیشہ انسانوں کی توجہ و کوشش کا اولین مصروف رہی ہے۔ کیونکہ دنیا کے مستقبل کی آبرو اس کی اصلاح اور فساد کا دار و مدار انہی پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاد کی صحیح تعلیم و تربیت پر خاص توجہ دلائی (ہے)۔۔۔۔۔“

لے کیونکہ یہ ماں باپ کی غلط تربیت کا نتیجہ ہی ہوتا ہے کہ ایک بچہ جو پیدائشی طور پر مسلمان

”... ان کو بہتر بہتر تعلیم دو کیونکہ بچے صاف اور سفید کاغذ کی طرح ہوتے ہیں۔ ان میں وہی نقش و نگار ابھریں گے جو والدین ان میں ابھارنے کی اور بھرنے کی کوشش کریں گے۔ حکم ہے کہ ان کو علم و عمل کے پاکیزہ اصول اور آداب بتائے جائیں، ان کی پوری دیکھ بھال کی جائے، لغزش پر ان کو سنبھالا جائے، بھول اور غلطی پر ان کی رہنمائی کی جائے اور غفلت اور سستی پر انہیں حکیمانہ انداز میں متنبہ کیا جائے۔ یہی نہیں بلکہ خدا سے ان کے سعادت مند اور نیک ہونے کی دعائیں بھی کی جائیں۔“

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳) ہوتا ہے، بڑا ہونے پر ایک عیسائی یا یہودی یا کافر بن جاتا ہے۔ ایک احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر بچہ اسلام کے ساتھ پیدا ہوتا ہے یہ اس کے والدین ہی ہوتے ہیں جو اس کو ایک یہودی یا ایک عیسائی بنا دیتے ہیں“ (صحیح بخاری: ۲۳: ۷۹)

۱۔ قرآن کریم میں ایک مومن کی دعا اس طرح بیان فرمائی گئی ہے :-  
 وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَنْزَلِنَا وَزُرِّيَّاتِنَا  
 قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْ لَنَا  
 لِمُتَّقِينَ إِمَامًا ۝ (الفرقان - ۲۴)  
 ”ترجمہ :- اور وہ لوگ جو دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد کے انکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا دے“

اور  
 قَالَ رَبِّ اَوْسِعْ عَلَيَّ اِنْ اَشْكُرَ  
 نِعْمَتَكَ اَلَّتِي اَنْعَمْتَ عَلَيَّ  
 وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ  
 صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِي  
 فِي ذُرِّيَّتِي ۚ هَـٓ اِلٰى يُمِيتُ  
 اِلَيْكَ وَاِلٰى مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ  
 ”ترجمہ :- اس لے کہ اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا فرمایا اور ایسا نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میری اولاد کو بھی نیک بنا کر مجھے سکھائے۔ میں تیرے حضور تو بہ کرتا ہوں اور تابع (الاحقاف - ۱۵)

مشرمان (مسلم) بندوں میں سے ہوں“

اولاد کی تعلیم و تربیت سے اچھے اخلاق اور کردار کا بڑھنا مقصود ہے۔ جوانی میں اس مقصود کے متاثر ہونے کا ہر وقت خطرہ اور ہر قدم پر اندیشہ ہوتا ہے۔ اس نازک مرحلہ میں بھی اسلام نے اخلاق کی حفاظت کے لئے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اسلام زنا اور بھائی کے تمام کاموں کو حرام قرار دیتا ہے اور برائی کو انتہائی نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ جنسی خواہش کی تسکین کے لئے نکاح کا قاعدہ مقرر کرتا ہے اور اپنے اوپر ایمان لانے والے کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اسی قانون کے تحت اپنے فطری تقاضوں کو پورا کریں۔ اسکی ہمت و نزاکت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے :- وہ قانون کے تحت زندگی گزارنے والوں کو ایمان میں کامل قرار دیتا ہے اور جو لوگ اس قانون کے تحت زندگی گزارنے کے لائق تو ہیں لیکن اس پر ابھی عمل نہیں کر سکے ان کو ایمان میں ناقص بناتا ہے۔ اولاد کے پرستوں کو ہدایت ہے کہ وہ اولاد میں جوں ہی نکاح کی اہلیت محسوس کریں جلد از بلدان کے لئے ازدواج کا بندوبست کریں۔ اگر خدا نخواستہ وہ اپنی سستی اور غفلت کی وجہ سے انتظام نہ کر سکیں لڑکا اور لڑکی کسی غلط کاری کا شکار ہو جائیں تو نہ صرف وہ حرم قرار پائیں گے بلکہ ان کے سرپرستوں پر بھی فرد جرم لگے گی اور ان کے ساتھ یہی پڑے جائیں گے“ (تحفہ حدیث ص ۳۸)

### اولاد کی پرورش و تربیت میں والدین کا کردار | ایک انسان کو

سی صورت میں کامیاب اور زندگی سے ہم آہنگ کہا جاسکتا ہے جب کہ وہ اپنے حقیقی اعمال اور وظائفِ حیات کے سرگرم عمل ہو۔ چونکہ انسانی تعلقات کی ابتداء ماں سے ہوتی ہے اور پورے خاندان کی فلاح اولاد کی صحیح پرورش و تربیت پر منحصر ہوتی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ یہاں مختصر طور پر والدین کے اعمال و وظائف کا جائزہ لیا جائے۔ خاندان دراصل اس مجموعہ کو کہتے ہیں جو شوہر، بیوی اور بچوں پر مشتمل ہوتا ہے اس کے لئے اسلامی قاعدہ یہ ہے کہ روزی کما تا اور خاندان کی ضروریات مہیا کرنا اور

لے الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ”ترجمہ: مرد عورتوں پر قوام ہیں“  
(النساء - ۳۴)

اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرنا مرد کا فرض ہے اور عورت کا فرض یہ ہے کہ مرد جو کچھ کما کر لائے اس سے وہ گھر کا انتظام کرے، شوہر اور بچوں کو زیادہ سے زیادہ آسائش بہم پہنچا اور بچوں کی تربیت کرے۔“ (دینیات سید مودودی ص ۱۶۲-۱۶۵ مطبوعہ مغربی جرنی) اکثر غریب ممالک میں دیکھا گیا ہے کہ والدین انتہائی قلیل و حقیر مالی منفعت کیلئے بچوں کو کم سنی میں ہی فیکٹریوں (مصانع) میں بھیج کر اُن کی صحت اُن کی نشوونما، اُن کے مستقبل اور اُن کی عمر کو تباہ کرتے ہیں۔ جو عمر اُن کے کھیلنے کو دے، اُن کے اعضائے جسمانی کی نشوونما

۱۔ الرَّجُلُ سَاعٍ عَلَى أَهْلِهِ وَ  
هُوَ مُسْتَوِلٌ۔ (بخاری باب قوا  
انفسکم و اہلیکم نازا کتاب النکاح)  
۲۔ الْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِهَا وَجَا  
وَهُی مُسْتَوِلَةٌ (بخاری باب  
قوا انفسکم و اہلیکم نازا کتاب النکاح)  
”ترجمہ: مرد اپنے بیوی بچوں پر حکمران  
ہے اور اپنی رعیت میں اپنے عمل پر  
وہ خدا کے سامنے جواب دہ ہے“  
”ترجمہ:- عورت اپنے شوہر کے گھر  
کی حکمران ہے اور وہی اپنی حکومت  
کے دائرہ میں اپنے عمل کے لئے جوابیہ  
ہے“

۱۹۷۹ء میں انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن (I.L.O) نے افریقہ، لیٹن امریکہ، ایشیاء اور جنوبی یورپ کے وسط ممالک میں اطفال کے ذریعہ کی جانے والی مزدوری کی تفتیش کی۔ اس تفتیش تحقیق کے بعد رپورٹ پیش کی گئی اس میں کہا گیا تھا:- ”۱۹۷۳ء کے (I.L.O) کنونشن میں مزدور کی کم سے کم عمر پندرہ سال مقرر کی گئی تھی اس وقت پندرہ ممالک میں اس کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ۱۵ سال سے کم مزدوروں کی تعداد پچیس ملین (یعنی پانچ کروڑ پچاس لاکھ) سے زیادہ ہے۔ چونکہ زیادہ تر بچے غیر قانونی طریقے پر کام کر رہے ہیں اس لئے اُن کی اصل تعداد اس تخمینہ سے کہیں زیادہ تصور کی جاتی ہے۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ اکثر حالات میں جو بچے مزدوری کرتے ہیں وہ یا تو نظر انداز حد تک خفیف اجرت پاتے ہیں یا پھر مفت ہی کام کرتے ہیں۔ رپورٹ میں کچھ خوفناک و قابلِ رحم مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے ماچس کے کئی مصانع میں بیس ہزار سے زیادہ بچے ملازمت کرتے ہیں جن میں ۵ سال جیسے کم عمر بھی شامل ہیں۔ یہ بچے سولہ گھنٹے یومیہ

درآن کی تعلیم و تربیت حاصل کرنے کی ہوتی ہے وہ مشینوں اور کارخانوں کی ذہری

رہنمائی (۵۵) پر مشقت ڈیوٹی کرتے ہیں جو رات میں سب سے شروع ہوتی ہے۔  
 لوبیا میں تین ملین (بیس لاکھ) بچے کام کرتے ہیں جن میں سے اکثر ایسے ہیں جو تازہ ہوا کی کمی  
 کے ماحول اور پرخطر کونٹے کی کانوں میں کام کرنے پر مجبور ہیں۔ تائیوان کے کھلونے بنانے والے  
 ۱۱ سے ۱۵ سالہ بچوں کو تنبیہ دیتے ہیں۔ اور ہانگ کانگ کے جیسی کیکولیٹر بنانے والے چودہ  
 سال سے کم نازک انگلیوں والی لڑکیوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسی بہت سی لڑکیاں کام کے  
 دوران حادثات میں اپنی انگلیوں سے محروم ہو چکی ہیں۔ مراکش کی اکثر قالین کی بلوں  
 میں تیرہ سال سے کم لڑکیاں بلا اجرت کام لے کر رہتی ہیں کہ ان کو مفت تربیت  
 دی جا رہی ہے۔ چونکہ مراکش کا ملکی قانون تیرہ سال یا اس سے زیادہ عمر کے ملازم کو اجرت  
 کا حق بخشتا ہے اس لئے عام طور پر قالین کی بلوں والے اس عمر کے بچے سے قبل ہی  
 بٹاکران کی جگہ دوسری کم عمر لڑکیوں کو رکھ لیتے ہیں۔

یورپ کے کچھ بہت زیادہ ترقی یافتہ ممالک بھی بچوں سے مزدوری کر کے ان کا  
 استحصال کرتے ہیں۔ اٹلی کے جوتا بنانے والے گھریلو مصانع (کوٹچ انڈسٹریز) بچوں سے  
 اتھ کشی کی حد تک قلیل اجرت پر کام لیتے ہیں۔ یونان میں بچوں کی ملازمت میں بین الاقوامی  
 مناد ہوا۔ مستقبل میں اس تعداد میں مزید اضافہ کی توقع کی جاتی ہے۔ (انگریزی ترجمہ  
 "ہائم" مورخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۹ء ج ۱۱ شماره ۱۱ ص ۱۱)

نظام اشتراکیت میں بھی بچوں کا استحصال ایک مسلمہ حقیقت ہے چنانچہ جناب  
 ورشیا احمد صاحب اس پر اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:-

"بچوں کی محنت کو قانوناً ممنوع ہے۔ اور یہ ممانعت زار کے زملے سے ہے۔  
 ۱۸۸۱ اور ۱۸۸۵ء کے قوانین کے ذریعے بچوں کی محنت کو روک دیا گیا تھا۔ لیکن  
 پیداوار کو بڑھانے اور منصوبے کو پورا کرنے کے لئے اس سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔  
 رجوانوں کے لئے سرکاری ترجمان "KOMSOMOLSKAYA PRAVDA"  
 نے اپنی ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء کی اشاعت میں اس کا اعتراف کیا کہ بارہ ۱۲ اور چودہ ۱۴ سال کے  
 بچے بارہ ۱۲ اور سولہ گھنٹے یومیہ تک کھیتوں پر کام کرتے ہیں۔ پرچے میں اس نوعیت کے متعدد

فضاء میں گزر جاتی ہے۔ اسلام ان معصوموں پر کیے جانے والے اس طرح کے کسی ظلم کو قطعی پسند نہیں کرتا بلکہ سرپرستوں کو ہدایت کرتا ہے کہ اپنی اولاد کو حسب استطاعت بہتر کھانا، اچھا لباس، عمدہ رہائش اور بہتر علم و مہر کے مواقع فراہم کریں۔ معاش و دیگر ضروریات زندگی تمام فکروں سے انہیں آزاد رکھیں۔ اور اپنی خود مرضی یا مفاد کیلئے کسی طرح ان کو استعمال نہ کریں۔

بلاشبہ اسلام میں اولاد کی اچھی پرورش و تربیت مطلوب ہے اسی باعث اسلام اس امر کا تقاضہ کرتا ہے کہ شادی کے وقت ایسی بیوی کا انتخاب کر جو دین و شریعت، اخلاق و آداب سے اچھی طرح واقف اور باوصف و اعلیٰ کردار کی حامل ہو تاکہ اولاد کی پرورش و تربیت میں اپنے اعمال حسنہ و خوبی اخلاق و بلندی اوصاف و کردار سے پورا پورا فائدہ اٹھا سکے نہ کہ وراثت میں اپنے جسمانی و اخلاقی امراض اپنے بچوں میں منتقل کر دے۔ حدیث شریف میں وارد ہوا ہے: ”تَخَيَّرُوا النِّسَاءَ فَإِنَّ عَرْقَ دَسَاسٍ“ اور ”فَاخْتَرُوا الدِّينَ تَرَبَّتْ بِيَدِ الْكُفَّارِ“

بچوں کی تربیت و پرورش کے متعلق والدین کا ایک غلط رویہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے یعنی یہ کہ وہ اپنے چھوٹے سے بچے کو ایک ننھا سا امر مطلق بنا کر رکھتے ہیں جو صرف حکم دینا اور اطاعت کرانا جانتا ہے۔ ان کی محبت اتنی اندھی ہوتی ہے کہ اپنے بچے کے لایعنی مطالبات اور خواہشات پر وہ کوئی معقول پابندی لگا ہی نہیں سکتے بلکہ اس کی ہر فضول اور نامعقول خواہش کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حد سے بڑے ہوئے لالچ پیار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسا بچہ جب جوان ہوتا ہے تو وہ اپنی خواہشات نفسانی پس

بقیہ حاشیہ ص ۷۰) واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی دی گئی ہیں جن میں بارہ سالہ بچوں نے تین تین دن لگانا کام کیا ہے اور پھر بے ہوش پڑ گئے ہیں۔ روسی اخبارات کے حوالے سے اس قسم کی متعدد مثالیں رانیا گورڈن نے اپنی کتاب ”WORKERS BEFORE AND AFTER LENIN“ میں بھی

نقل کی ہیں۔ (سوشلزم یا اسلام مؤلفہ خورشید احمد ص ۱۹)

لے (اذا جاءكم من ترضون خلقه ودينه فزوجهوا - حدیث)



غلام ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ دوسرے لوگ بلاچوں وچرا اس کے ہر حکم کو بجالائیں۔ لیکن عملی زندگی میں جب اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہوتی تو وہ جھنجھلا جاتا ہے اور اپنی اس جھنجھلاہٹ کا بدلہ اپنے ارد گرد کے لوگوں، مردوں عورتوں اور بچوں سے لیتا ہے۔ اور انہیں اپنے غصہ کا نشانہ بناتا ہے۔ اس لئے بچہ کی تربیت کے دوران اس غلط رویہ سے گریز کرنا چاہیے۔

بعض متمول گھرانوں میں بچوں کو ”آیا“ کے حوالہ کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ اُن کی پرورش و تربیت کے فرائض انجام دیں۔ اس طرح ماں باپ ان کی نگہداشت اور پرورش کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر آزادانہ اپنے مشاغل و تفریحات میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کسی مرکز بھی نہیں دیکھتے کہ کس طرح اُن کی پرورش ہو رہی ہے یا اُن کے بچے کس روش پر چل رہے ہیں۔ اُن کو اتنی فرصت ہی کہا ہوتی ہے کہ ان نوہالوں کی کچھ فکر کریں۔ بچہ کے اس غیر نظری انداز پرورش نے معاشرہ پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بچے ماں باپ کی محبت اور اُن کے فرائض و حقوق سے قطعاً نا آشنا ہوتے ہیں۔ اسی باعث بڑے ہونے پر نہ اُن کی نگاہ میں والدین کی کوئی عزت و وقعت ہوتی ہے نہ اُن کے لئے تکریم و احترام۔ امریکہ و یورپ جیسے ترقی یافتہ ممالک کے نوجوانوں میں آج جو بے راہ روی، بد اخلاقی و جرائم پائے جاتے ہیں وہ انہی آیائی ناقص پرورش و تربیت اور والدین کی غفلت و بعد کا نتیجہ ہیں۔ آیائے کسی بچہ کی پرورش و تربیت کے لئے ویسا ایشیاء و قربانی، ویسا خلوص اور ویسی خود فراموشی ہرگز متوقع نہیں جو ایک ماں کی شان ہے۔ مشہور قول ہے کہ بچہ کی ابتدائی اور موثر ترین درسگاہ ماں کی گود ہوتی ہے لیکن جن بچوں کی قسمت میں آیا کی پرورش ہوتی ہے وہ اس درسگاہ کے فیضان سے محروم رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کوئی بھی معقول انسان انسانیت کی ماں کی حقیقت سے عورت کے کردار کی عظمت کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کی تربیت ہی سے دنیا کو اچھے اور صالح شہری نصیب ہوتے ہیں۔ ماں سے محروم انسانی نسلیں اور انہیں ماں کی اس محبت و شفقت کا نہ ملنا جو نفس انسانی کی برائیوں کا نڈا وابتلا ہے انسانیت کے لئے ایک بہت بڑے خطرے کا لازم ہے۔ ماں کی یہ محبت انسانیت کو صرف ان ماؤں کی گود ہی میں مل سکتی ہے جنہوں نے اپنا سب کچھ اس مقدس فریضہ کی بجا آوری کے لئے وقف کر رکھا ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ماں

کی مامتا، اس کے پاکیزہ جذبات، علی کردار، مصائب و شدائد کے ہجوم میں اس کا صبر و استقامت، ہمدردی اور کارکردگی کا یہ نقطہ کمال اس مخصوص طبعی مزاج کی غیر موجودگی میں ممکن ہی نہیں ہے جو عورت کو اپنے اصل وظائف — حمل اور رضاعت — پرورش و تعلیم اور تربیت — انجام دینے کے قابل بناتا ہے۔ اور جس کی وجہ سے اس کے نفسی ذہنی اور اعصابی نظام کی ایک مخصوص صورت بنتی ہے۔ عورت کی یہ ذہنی، نفسی، عصبی اور طبعی خصوصیات پہلو بہ پہلو پائی جاتی ہیں اور یہ نہ صرف ایک دوسرے کی تکمیل کرتی ہیں بلکہ ان میں باہم ربط اور ہم آہنگی بھی ملتی ہے۔ اس لئے سوائے انتہائی استثنائی صورتوں کے یہ ممکن ہی نہیں کہ ان میں سے کوئی خصوصیت دوسری خصوصیات کی عدم موجودگی میں پائی جائے۔

جذبات کی لطافت و جہان کی نزاکت اور زودحسی سے جو ایک عورت کی خصوصیات ہیں ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کا خمیر بنیادی طور پر عقل سے نہیں بلکہ جذبات سے اٹھایا گیا ہے۔ اس کی یہی جذباتیت مامتا کی زندہ اور دائمی صفات کا سرچشمہ ہے۔ کیونکہ بچے کی پرورش کے لئے جن صلاحیتوں کی ضرورت ہے وہ عقل نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے تیز و تند جذبات کی ضرورت ہے جو عورت کو ٹھڈے دل و دماغ سے سوچنے ہی نہیں دیتے اور اس کو بچے کی ضروریات کے تقاضے پر فوراً اور بلا کسی تاخیر اور سستی کے لبیک کہنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ ماں کے اوپر بچہ کے یہ تمام حقوق مسلم ہیں لہذا اس کو بلا عذر کسی آیا کے حوالہ کرنا اس کے حقوق کو پامال کرنے کے مترادف ہے۔ زندگی میں عورت کا صحیح کردار یہ ہے کہ یہ کردار اس کے وظائف حیات کی انجام دہی میں اس کی مدد کرتا ہے اور اس کے تخلیقی مقصد کے حصول کو ممکن بناتا ہے۔ اسی باعث پروفیسر کیرل جوڈ (PROF. CYRIL JOAD) یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ: ”اگر قدسے معیار زندگی پست کرنے سے عورتیں محض اپنی گرمہستی اور بچوں کی نگہداشت کے لئے وقف ہوں تو مجھے یقین ہے کہ دنیا ایک خوشگوار جگہ بن جائے گی“ (دی ریائیٹی مورخہ یکم دسمبر ۱۹۵۲ء ص ۱۰)

۱۔ مزید تفصیل کے لئے کتاب ”شبہات حول الاسلام“ مؤلفہ محمد قطب، ”پردہ“ مؤلفہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ملاحظہ فرمائیں۔

# بلا سود بینکاری پر رپورٹ

از: اسلامی نظریاتی کونسل

خدا خدا کر کے اسلامی نظریاتی کونسل کی جانب سے بلا سود بینکاری پر اس کی مرتب شدہ رپورٹ سائنکلو اسٹائل صورت میں شائع ہو چکی ہے جس کی ایک کاپی ہمیں بھی موصول ہوئی تھی اور ساتھ ہی لکھا گیا تھا کہ اگر ممکن ہو تو اس کے چیدہ چیدہ حصے شائع کر دیئے جائیں۔ ملک کے اقتصادی معاشی بالخصوص بینک کاری کے نظام کو سود کی لعنت سے پاک کرنا انتہائی کٹھن کام ہے۔ اس رپورٹ میں جو لائحہ عمل تجویز کیا گیا ہے اس پر خالص اسلامی نقطہ نظر سے کلام کی بڑی گنجائش ہے۔ اس میں متعدد خامیاں ہیں۔ تاہم اس اقدام سے یہ امید جو چلی ہے کہ کونسل ملک کے ان علمائے کرام اور ماہران معاشیات کی آراء سے ہر ممکن استفادے کی کوشش کرے گی جو اسلامی فقہ اور موجودہ اقتصادی نظام پر گہری بصیرت رکھتے ہیں۔ اس رپورٹ کا دحرف آغاز، اور تعارف، مباحث میں شائع کیا جا رہا ہے۔ جس سے اس مسئلہ کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے تو قہ ہے کہ کونسل اس رپورٹ پر مطمئن ہو کر بیٹھ نہیں رہے گی بلکہ اس سلسلہ تحقیق اور غور و فکر کے کام کو مسلسل آگے بڑھاتی رہے گی (تبر)

**حرف آغاز** | تحریم ربوہ کے بارے میں قرآن مجید کے قطعی اور انتہائی سخت احکام کے پیش نظر ہر اسلامی حکومت کا یہ بنیادی فریضہ ہے کہ

وہ اپنی حیات اقتصادی کے ہر دائرے اور معاشی زندگی کے ہر پہلو سے ربوہ کے لین دین کو اس کی ہر شکل و صورت میں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکے۔

آئین پاکستان ۱۹۷۳ء کے آرٹیکل نمبر ۲۲ میں یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ اس وقت ملک میں جو قوانین نافذ و رائج ہیں انہیں بدل کر قرآن مجید اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و تعلیمات کے مطابق ایسے قوانین وضع اور جاری کئے جائیں گے جو

ہماری تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی روایات سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ جدید دور کے ہر آن تغیر پذیر کچھ ماڈی تقاضے بھی سمجھنے و خوبی پوچھے کہتے ہوں۔ اور آرٹیکل نمبر ۳ میں کہا گیا ہے کہ ملک کے اندر حکومت کی جانب سے ایسے سازگار حالات پیدا کیے جانے چاہئیں اور ایسے تعمیری اقدامات برتنے کار آنے چاہئیں جو اہل پاکستان کو یہ موقع مہیا کریں کہ وہ اپنی زندگی کے تمام انفرادی اور اجتماعی دائروں میں اپنا طرز عمل اسلام کے بنیادی اصولوں اور اخلاقی تصورات کے مطابق تبدیل کر سکیں۔

اُمت مسلمہ کے تمام مکاتب فکر کا اس رائے پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی اصطلاح ربوہ سود کی ہر شکل و صورت اور نوعیت پر حادی ہے۔ چنانچہ پیداواری مقاصد کے لئے دیتے گئے قرضوں پر سود لینا بھی ایسا ہی حرام ہے جیسا گھریلو مصارف کے قرضوں پر۔ یہی وجہ ہے کہ آئین پاکستان کے آرٹیکل نمبر ۳ میں، جو حکمت عملی کے بنیادی اصولوں سے تعلق رکھتا ہے، اس بات کو ریاست کی منصبی ذمہ داری قرار دیا گیا ہے کہ وہ، جتنی جلدی ممکن ہو سکے، ملک کی اقتصادیات کو سود کے لین دین سے بالکل پاک کر دے۔

لیکن یہ حقیقت بڑی افسوس ناک ہے کہ مسئلہ کی اس اہمیت کے باوجود قیام پاکستان کے بعد تیس سال تک استیصال سود کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی۔ اس سلسلے میں اوّلین عملی اقدام کا شرف صدر مملکت جنرل محمد منیا مالحق کو حاصل ہوا۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لیتے ہی جہاں اور بہت سے اصلاحی اقدامات کیے وہاں انسداد سود کے لئے خصوصیت سے، ۲۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو، اسلامی نظریاتی کونسل سے کہا کہ وہ قرآن و سنت کے پیش کردہ معاشی اصولوں کی روشنی میں ایک ایسا اقتصادی ڈھانچا تیار کرے جو سود کی آمیزش سے پاک ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کی ترقی پذیر معیشت کے لئے موجب استحکام اور باعث ترقی و ترفع ہو۔ صدر محترم نے ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے اس کام کے لئے تین سال کی مدت مقرر کی اور اعلان فرما دیا کہ اس کے بعد قومی معاشیات سے سود کا لین دین بالکل ختم کر دیا جائے گا۔

انسداد سود کے مسئلے سے مدد محرم کی دلچسپی صرف اسی حد تک نہ رہی بلکہ وہ اس سلسلے میں کونسل کے کام اور اس کی رفتار ترقی سے مسلسل اگاہی حاصل کرتے رہے

انہوں نے کونسل کی پیش کردہ سفارشات نافذ کرنے کے لئے بروقت ضروری احکامات صادر کر دیے۔ چنانچہ کونسل کی تجویز کے مطابق ملک میں زکوٰۃ و عشر کا نظام رائج ہو چکا ہے اور حکومت کے قائم کردہ مختلف مالی اداروں مثلاً این آئی ٹی، آئی سی پی اور ایچ بی ایف سی کے لین دین سے سود کا منہر بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔

ملک کے اقتصادی اور مالی نظام کو سود سے پاک کر کے اسے اسلامی احکام و تعلیمات کے مطابق از سر نو مرتب و منظم کرنے کا جو اہم فریضہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد ہوا تھا اسے بحسن و خوبی انجام دینے کے لئے ضروری تھا کہ کونسل کو عملات دین کے علاوہ جدید اقتصادی کے ماہروں اور تجربہ کار بینکاروں کا تعاون بھی حاصل ہو۔ چنانچہ کونسل نے نومبر ۱۹۷۷ء میں ملک کے نامور ماہرین اقتصادیات و بینکاری پر مشتمل ایک پینل قائم کیا جس نے اپنی رپورٹ فروری ۱۹۸۰ء میں کونسل کے سامنے پیش کی۔ کونسل کے متعدد اجلاسوں میں اس رپورٹ کے تمام پہلوؤں کا وقت نظر سے تفصیلی جائزہ لیا گیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی مناسب اصلاح و ترمیم کے علاوہ ضروری حذف و اضافہ سے بھی کام لیا گیا۔ مقصد یہ تھا کہ کونسل کی پیش کردہ رپورٹ ہر پہلو سے شرعی احکام کے مطابق اور اسلامی تعلیمات کے ہم آہنگ ہو۔ اس طرح مکمل غور و خوض اور نوک پلک سنوارنے کے بعد کونسل کے اجلاس ۱۵۔ جون ۱۹۸۰ء منعقدہ کراچی میں اس رپورٹ کو آخری شکل دی گئی۔

جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، استیصال سود سے متعلق کونسل کی زیر نظر رپورٹ اپنے موضوع پر دنیا میں سب سے پہلی گوشتش ہے جس کی تیاری میں نہ صرف صاحبِ بصیرت علمائے دین بلکہ جدید اقتصادیات و بینکاری کے پیچیدہ علمی اور فنی مسائل کا گہرا شعور و ادراک رکھنے والے اہل نظر حضرات کا وسیع تجربہ بھی شامل ہے۔

الحمد للہ آج کونسل کو یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ وہ اپنی اس اہم تاریخی دستاویز کو پورے عجز اور انکسار کے ساتھ پاکستان کے بالغ نظر عوام کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے اپنے خالق و مالک کے حضور گہرے جذبات تشکر و امتنان کے ساتھ سجدہ ریز ہو کہ صرف یہی کی توفیق و تائید سے یہ مشکل کام تکمیل پذیر ہو سکا۔

استیصال سود کے موضوع پر کونسل کی زیر نظر رپورٹ ”تعارف“ کے علاوہ پانچ ابواب و در ایک اختتامیہ پر مشتمل ہے جس میں کونسل کے اخذ کردہ نتائج اور اس کی سفارشات کا

خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔

رپورٹ کے تعارفی باب میں اس امر پر بحث کی گئی ہے کہ وہ کون سے عقلی و نقلی دلائل اور حکمتیں ہیں جن کی بنیاد پر اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے۔ اور اس کا پہلا جس کا عنوان ”مسائل، مشکلات اور ان کے حل کے طریقے“ ہے، اس بحث پر مشتمل۔ کہ ملکی اقتصادیات کو نفع نقصان میں شرکت کی بنیاد پر کس طرح استوار کیا جاسکتا۔ وہ کون سی عملی مشکلات ہیں جو اس راہ میں مائل ہو سکتی ہیں۔ نیز یہ کہ اس ذریعہ کے علاوہ اور کون سی ایسی صورتیں ہو سکتی ہیں جن کے ذریعے سودی نظام کو تبدیل کیا جائے۔ اس باب میں ان اقدامات اور تحفظات پر بھی گفتگو کی گئی ہے جن میں نئے نظام کی کارآمدی کے لئے ہماری معاشی زندگی میں برائے کار آنا چاہیے۔

دوسرے باب میں بڑی تفصیل کے ساتھ ان طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔ جن کے تحت تجارتی بنکوں کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی باب میں بنکوں کے رہنمائی کے لئے وہ اصول درج کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں ان کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ زندگی کے مختلف شعبوں مثلاً صنعت، تجارت، زراعت، تعمیرات اور نقل و حمل وغیرہ میں اپنی سرمایہ کاری اور مالی لین دین کو سود سے پاک بنیادوں پر استوار کر سکیں۔ بینکوں میں رکھی جانے والی امانات کے لئے کونسل نے ایک نیا نظام تجویز کیا جس کے تحت، بچت کھاتوں اور میعادوں پر، ایک عبوری وعدہ کے بعد کسی ماہ شرح سے سود کے بجائے بنک کی آمدنی میں سے حصہ ملے گا جس کی مقدار بنک کو حاصل ہونے والی آمدنی کے مطابق کبھی زیادہ اور کبھی کم ہوگی لیکن ان شاء اللہ کھاتہ داروں کو کے مقابلے میں زیادہ نفع حاصل ہوگا۔

تیسرے باب میں خصوصی نوعیت کے مالیاتی اداروں کے لین دین سے خاتمہ سود کے وسائل و ذرائع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اور چوتھا باب سود سے پاک اقتصادی نظام میں مرکزی بنک کی کاروباری اور زرری پالیسی کے مختلف مسائل پر بحث لاتا ہے۔ اس باب میں سفارش کی گئی ہے کہ سود سے پاک نظام میں وسائل پیداوار کی تخصیص و تعب کے عمل کو منضبط کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سٹیٹ بنک کی جانب سے تجارتی بنکوں اور مالیاتی اداروں کو جو امدادی رقمیں مہیا کی جائیں ان کے منافع میں شرکت کی شرح

مقرر کرنے کا اختیار سٹیٹ بینک کو حاصل ہو۔ اس طرح تجارتی بینک اور مالیاتی ادارے دیگر مزدورت مندوں کو جو مالی امداد دیں اس کی شرح منافع کی تعیین کا حق بھی سٹیٹ بینک ہی کو ملنا چاہیے۔

رپورٹ کے آخری باب میں سرکاری لین دین سے استیصال سود کے مسائل زیر غور آئے ہیں۔ اس میں کہا گیا ہے کہ ملک سے سودی نظام ختم ہو جانے کے بعد حکومت کے لئے یہ ممکن نہ ہو گا کہ وہ مالیاتی اداروں یا عوام سے سود کی بنیاد پر قرضے حاصل کرے۔ لہذا حکومت کو اپنی مالی ضروریات پوری کرنے کے لئے بیشتر صورتوں میں سٹیٹ بینک سے بغیر سود کے قرضے لینے پڑیں گے۔ چنانچہ ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں جن کے ذریعے مرکزی بینک کے سرمائے کی ملکی اقتصادیات میں آمیزش اور گردش کو مناسب حدود کے اندر رکھا جاسکے۔

جہاں تک بیرونی امداد کا تعلق ہے، حکومت کے لئے فی الحال اس کے سوا چارہ نہیں کہ وہ سود کی بنیاد پر غیر ممالک سے قرضے لیتی رہے۔ تاہم کونسل کی رائے ہے کہ ملکی اقتصادیات کو ایسی بنیادوں پر استوار کیا جانا چاہیے کہ ہر قسم کی بیرونی مالی امداد خصوصاً سودی قرضوں پر انحصار کو رفتہ رفتہ کم کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ مسلم ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کے لئے بھرپور کوششیں برتنے کا راستہ چاہئیں تاکہ نفع نقصان میں شرکت یا سود سے پاک دوسری تعمیراتی بنیادوں پر کاروبار سرگرمیوں میں وسعت کے ذریعے سرمائے کی گردش اور نقل و حرکت کے عمل کو بیش از بیش پھیلا جاسکے۔ اگر مسلم ممالک کے درمیان اس قسم کے ترقی پذیر اقتصادی تعاون کی مطلوبہ سطح حاصل کر لی گئی تو امید ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امداد دینے والے غیر مسلم ممالک اور بین الاقوامی مالیاتی ادارے بھی مسلم ممالک کے ساتھ لین دین کے ایسے طریقے اپنائیں گے جو احکام شریعت سے مطابقت رکھتے ہوں۔

کونسل کی تجویز ہے کہ حکومت کو اس رپورٹ کی روشنی میں، دسمبر ۱۹۸۰ء کے آخر تک، ایک ایسا عملی نقشہ کار تیار کرنا چاہیے جس کے ذریعے ملک میں سودی لین دین کو ختم کر کے نیا نظام جاری کیا جاسکے۔ مزید برآں ایسے درگنگ گروپ تشکیل دیتے جانے چاہئیں جو بینکوں اور مالی امور سے متعلق جملہ قوانین اور قواعد و ضوابط میں ضروری تبدیلیوں

اور اصلاح و ترمیم کی سفارشات کو سکیں تاکہ مجوزہ نظام مہمگی اور پوری کامیابی کے ساتھ نافذ کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ بنکوں کی انتظامیہ اور عملے کے ارکان کو سرمایہ کاری اور بین دین کے نئے طریقوں سے آگاہ کرنے نیز انہیں نئے نظام کی کامیابی کے لئے مشنری جوش و جذبہ برپا کرنے کا رول لانے پر ابھارنے کے لئے ضروری اقدامات کئے جانے لازمی ہیں۔

رپورٹ میں اُمید ظاہر کی گئی ہے کہ حکومت پاکستان استیصال سود سے متعلق کونسل کی پیش کردہ اس رپورٹ کو قومی پالیسی کے ایک لازمی عنصر کی حیثیت سے قبول کرے گی اور اس کے عمل نفاذ کے لئے بلاتاخیر تمام ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں گے۔

اگرچہ کونسل کی رائے یہ ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سودی لین دین کا مثالی نعم البدل نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی بنیاد پر سرمایہ کی فراہمی ہے، لیکن ان مشکلات کے پیش نظر جو ان مثالی طریقوں کے فوری اور سختی کے ساتھ رواج سے ہماری اقتصادی زندگی کے بعض دوائر میں پیش آسکتی ہیں، کونسل نے ماہرین اقتصادیات و بینکاری کی اس تجویز سے اتفاق کیا ہے کہ سود سے پاک مجوزہ نظام بینکاری میں بعض دوسرے طریقے مثلاً پٹو داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع مؤجل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری اور عمومی شرح منافع پر، اس دامن شرط کے ساتھ سرمایہ کاری کے حقیقی نفع نقصان معلوم ہو جانے پر لین دین برباق کیا جائے گا، بھی زیر استعمال رہیں گے۔ تاہم کونسل نے اس خطرے کے پیش نظر کہ مبادیہ دوسرے طریقے سودی لین دین کے از سر نو رواج کیلئے چور دروازے کے طور پر استعمال ہوں اس امر پر زور دیا ہے کہ یہ فیصلہ پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہیے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرمایہ کاری کے رواج کو بتدریج وسعت دی جائے گی اور یہ تمام دوسرے متبادل طریقے بالآخر ختم کر دیئے جائیں گے۔

کونسل نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا ہے کہ ملک کے اقتصادی نظام سے سودی لین دین کا خاتمہ اسلام کے مجموعی نظام اقدار کا بس ایک حصہ ہے اور صرف اس اقدام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ہمارا پورا معاشی ڈھانچا اسلامی تصورات کی بنیادوں پر استوار ہو جائے گا۔ لہذا یہ امر لازمی ہے کہ تعمیر اخلاق و کردار اور زندگی کی جھوٹی قدروں کے استیصال جیسے اصلاحی اقدامات کی ضرورت و اہمیت عوام پر واضح کی جائے۔



کونسل نے ملک کے مجموعی نظام محاصل کا از سر نو تنقیدی جائزہ لینے کے علاوہ حسابات کی جانچ پڑتال کے مردوبہ طریقوں کی مکمل اصلاح کی بھی تجویز پیش کی ہے۔ تاکہ سود سے پاک نظام بینک کاری یقینی طور پر کامیاب ہو سکے۔

کونسل ان مشکلات سے اچھی طرح آگاہ ہے جو بین الاقوامی تجارت اور بیرونی امدادی رقوم کے لین دین سے سود کا عنصر ختم کرنے کے سلسلے میں پیش آ سکتی ہیں۔ چنانچہ اس نے سفارش کی ہے کہ ابتدائی طور پر ہمارا مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اندرون ملک تجارتی لین دین سود سے پاک ہو جائے۔ اس سلسلے میں کونسل نے تین مرحلوں پر مشتمل ایک عملی نقشہ کار تجویز کیا ہے جس کی غرض و غایت دسمبر ۱۹۸۱ء تک اندرون ملک تجارتی لین دین سے استیصال کرنا ہے۔ کونسل نے ماڈل بنکوں کے قیام یا موجودہ تجارتی بنکوں میں سود سے پاک مبلجہ کاؤنٹر کھولنے کی شدید مخالفت کی ہے کیونکہ اس کی رلے میں اس طرح کے اقدامات سودی نظام کی بقا و دوام میں مدد و معاون ثابت ہوں گے اور ملک میں سود سے پاک نظام بینک کاری کے قیام کی تمام کوششیں نامکام ہو کر رہ جائیں گی۔

نہ دنیا میں کوئی چیز مکمل ہے نہ یہاں کسی عملی کوشش کو حرف آخر کا درجہ دیا جا سکتا ہے، خصوصاً مغرب کے مادہ پرست معاشرے میں ارتقار یافتہ جدید مالی اقتصادی تصورات اور عملی طور طریقوں کو جو، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، ایک وسیع اور انتہائی پیچیدہ نظام کی شکل اختیار کر چکے ہیں، ان کی صدیوں سے قائم مضبوط بنیادوں سے ہٹا کر اسلامی احکام و ضوابط کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنا ایک ایسا مشکل فریضہ تھا جسے اپنے ذمے لینا ہی جرأتِ رمدانہ کا متقاضی تھا۔ الحمد للہ کونسل نے یہ فریضہ اپنی بساط کے مطابق بہترین صورت میں انجام دیا۔ اگر یہ رپورٹ اسلامی ممالک، خصوصاً پاکستان کے اقتصادی نظام کو سودی عناصر سے پاک کرنے کی راہیں ہموار کر سکی تو سمجھا جائے گا، کونسل کی کوششیں رایگان نہیں گئیں۔

(جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن)

چیرمین

اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان

# تعارف

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی ملک کی اقتصادیات میں سودی لین دین کا رواج موجود ہے، وہاں اسلامی نظام زندگی قائم نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں سود کی مذمت جن الفاظ اور جس شد و مد کے ساتھ کی گئی ہے، اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کی نظر میں سود اتنی بڑی اقتصادی اور معاشرتی بُرائی ہے کہ اسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے اور دستور میں بھی یہ بات طے کر دی گئی ہے کہ سود کا خاتمہ ریاست کی ذمہ داری ہوگی، اس لئے یہ امر ابتدا ہی سے مملکت خداداد پاکستان کی ریاستی پالیسی کا ایک اہم اور لاینفک جزو رہا ہے کہ وہ ملکی اقتصادیات سے استیصال سود کے لئے ضروری اقدامات برعے کار لائے۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسلامی نظریاتی کونسل سے متعدد بار یہ کہا گیا کہ وہ قرآن و سنت کی روشنی میں، ربوہ کا صحیح مفہوم واضح کرے اور یہ بتائیے کہ اسلامی قانون کے ان بنیادی مانعہ میں سود کے متعلق جو احکام اور ہدایات وارد ہوئی ہیں ان کا حقیقی مقصود و مدعا کیا ہے؟ ان استفسارات کے جواب میں کونسل نے ہمیشہ اس نقطہ نظر کا اظہار کیا کہ ربوہ کی اصطلاح سود کی ہر قسم اور نوع پر حاوی ہے۔ خواہ وہ سود گھریلو اشیائے صرف کی خریداری کے لئے دیئے گئے قرضوں پر لیا گیا ہو یا پیداواری مقاصد کے لئے دیئے گئے کاروباری قرضوں پر، اور خواہ وہ سود ذاتی نوعیت کے ہوں یا تجارتی نوعیت کے۔ اور خواہ قرض لینے والا کوئی فرد ہو یا ادارہ یا حکومت، اور خواہ سود کی شرح کم ہو یا زیادہ۔ لیکن افسوس ہے موجودہ حکومت کے قیام سے پہلے اس قسم کے رسمی استفسارات کے سوا استیصال سود کے لئے کوئی قابل ذکر کوشش نہیں کی گئی۔

ملکی اقتصادیات کے استیصال سود کے سلسلے میں عملی اقدام کا شرف صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق کو حاصل ہوا۔ موصوف نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھوں میں لینے کے بعد نہ صرف یہ کہ اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ملک میں سود سے پاک اقتصادی

نظام کا خاکہ تیار کرے بلکہ یہ اعلان بھی کر دیا کہ تین سال کے بعد پاکستان میں سود کا لینا اور دینا قطعاً ممنوع ہوگا۔ مزید برآں تحدید وقت سے متعلق صدر محترم کے اس اعلان کو آئین پاکستان میں اس ترمیم کے ذریعے آئین حیثیت دے دی گئی جس میں کہا گیا ہے کہ مالی امور سے تعلق رکھنے والے قوانین آئندہ صرف تین سال تک شرعی عدالتوں کے اختیارات سماعت سے باہر رہیں گے۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی تشکیل نو کے فوراً بعد اقتصادیات اور بجٹ کاری کے ماحوروں پر مشتمل ایک پینل قائم کیا تاکہ وہ اسلامی احکام و تعلیمات کی روشنی میں ملک کے اقتصادی نظام کی ترتیب و تنظیم جدید کے لئے ضروری خاکہ تیار کرے۔ اس پینل کے سپرد جو کام کئے گئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ وہ استیصال سود کے مسئلے کے تکنیکی اور فنی پہلوؤں کا تفصیلی جائزہ لے کر یہ بتائے کہ وہ کون سے طریقے اور ذریعے ہیں جن سے کام لے کر ملک کے نظام بنک کاری کو شریعت اسلامی کے مطابق از سر نو منظم کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ پینل نے مسئلے کے تمام پہلوؤں کا وقت نظر سے جائزہ لے کر اپنی سفارشات مرتب کیں اور کونسل کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی جس میں ایسی قابل عمل تجاویز شامل تھیں جن کے ذریعے ملکی اقتصادیات سے سود کا عنصر اس حد تک ختم کیا جاسکتا تھا جس حد تک بحالات موجودہ ممکن ہے۔ اس کے علاوہ ان سفارشات میں وہ بڑے بڑے خطوط بھی واضح کر دیئے گئے تھے جن پر نئے نظام کی عمارت استوار ہونی چاہیے۔ کونسل کی زیر نظر رپورٹ بڑی حد تک پینل کی انہیں سفارشات پر مبنی ہے۔ تاہم جہاں ضرورت محسوس ہوئی کونسل نے احکام شریعت اسلامی کے مطابق پینل کی سفارشات میں مناسبت ترمیم و اصلاح اور حذف و اضافہ سے بھی کام لیا ہے۔ کونسل کو پوری امید ہے کہ صدر پاکستان اور ان کے رفقاء کار زیر نظر رپورٹ کو قومی پالیسی کے ایک لازمی حصہ کی حیثیت سے قبول فرمائیں گے۔ اور اس کا عملی نفاذ کر کے بلا تاخیر تمام ضروری اقدامات بروکار لائے جائیں گے۔

۲۔ اس رپورٹ کی تیاری اور ترتیب و تالیف میں ماہرین معاشیات و بجٹ کار کے پینل نے جو دقیق خدمات انجام دی ہیں، کونسل بصمیم قلب ان کا اعتراف کرتی ہے اور پینل کی انتھک کوششوں، مقصد سے اس کے اخلاص، اس کی اعلیٰ ترین ذہنی صلاحیتوں

اور فنی مہارت کو خراج تحسین پیش کرتی ہے جس کے باعث پینل کے لئے یہ ممکن ہوا کہ اس نے سوادہ سال کے نتیجہ مختصر عرصے میں اسلام کے نظام اقتصادیات پر تین قابل متدررپورٹیں پیش کیں۔

پینل کی پہلی رپورٹ، جو عبوری تھی، منتخب مالی اداروں کے لین دین سے استیصال سود کے طریقوں پر مشتمل تھی۔ یہ دونوں رپورٹیں کونسل کے تبصرے اور مشوروں کے ساتھ پہلے ہی حکومت کی خدمت میں پیش کی جا چکی ہیں۔ پینل کی تیسری رپورٹ جو اس وقت قارئین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، اس کی ان کوششوں کی معراج کو ظاہر کرتی ہے جن کی ابتدا اس کام سے ہوئی جو پینل نے عبوری رپورٹ پر کیا۔ اس رپورٹ میں بڑی جامعیت کے ساتھ ان تمام مسائل پر بحث کی گئی ہے جو بحیثیت مجموعی ملک کی پوری اقتصاد سے سود کا عنصر ختم کرنے سے متعلق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس رپورٹ میں خاص تفصیل کے ساتھ ان اقدامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو حصول مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ کونسل کی رائے میں پینل کی یہ رپورٹ ایک ایسی تاریخی دستاویز ہے جس میں نہ صرف یہ کہ اندرون ملک استیصال سود کی عملی بنیادیں منسوخ کر دی گئی ہیں بلکہ اُمید ہے یہ دوسرے ممالک کے لئے بھی اس موضوع پر مزید تحقیق و جستجو اور حکمت عملی کی تیاری میں ایک پڑاؤ محرک اور رہنمائی کا عمدہ ذریعہ ثابت ہوگی۔ اس دستاویز کے موضوع کی وسعت اور اس میں اختیار کئے گئے فنی طریق کار کی خوبیوں کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہوگا کہ عصر حاضر کے عالم اسلام میں یہ سب پہلے سالہ ہے جس کی تیاری اور تصنیف میں اقتصادیات اور بینکار کی مہارت نے حصہ لیا جو نہ صرف یہ کہ معاشی امور اور مالی معاملات کا وسیع عملی تجربہ رکھتے تھے بلکہ انہیں اس اہم اور انتہائی مشکل کام کے عمل اور نظری پہلوؤں کا بھی واضح شعور اور گہری بصیرت حاصل تھی جو ان کے سپرد کیا گیا تھا۔

اب جب کہ الحمد للہ ملکی اقتصادیات استیصال سود کے سلسلے میں بنیادی کام مکمل ہو چکا ہے، حکومت کو چاہیئے کہ وہ مختلف در کنگ گروپ قائم کرے جو نئے نظام کی جملہ تفصیلات طے کرنے کے علاوہ حکومت کو یہ مشورہ دیں کہ وہ کون سی تبدیلیاں ہیں جو مالیات اور بینکاری سے متعلقہ قوانین میں بروئے کار آنی چاہئیں۔ اس کے علاوہ مطلوبہ تبدیلیوں کے موثر نفاذ کے لئے نئے قوانین کے مسودوں اور ایکٹ

جانب اور قابل عمل نقشہ کار کی تیاری کا مسئلہ فیض بھی انہی کے سپرد ہونا چاہیے۔ ان گروپوں کو اپنے کام کا آغاز اس امر کے حقیقی احساس کے ساتھ کرنا چاہیے کہ ایک تو یہ کام وقت کی اہم اور فوری ضرورت ہے اور دوسرے ہماری قومی ذمہ داری ہے۔

(۳) کونسل کو پینل کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے کہ قومی اقتصادیات سے سودی عناصر کا خاتمہ اسلام کے نظام انذار کا بس ایک حصہ ہے اور صرف اس اقدام سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ ہمارا پورا معاشی نظام اور اقتصادی ڈھانچا اسلامی افکار و تصورات کے مطابق ڈھل جائے گا۔ علاوہ ازیں اس سمت میں قدم بڑھاتے ہوئے یہ حقیقت ہماری نظروں سے اوجھل نہ ہونی چاہئے کہ سود سے پاک نظام بنک کاری صرف اس صورت میں کامیاب اور ثمر آور ہو سکتا ہے جب اس کے نفاذ کے ساتھ ساتھ اس امر کے لئے بھی بہترین کوششیں برپا کی جائیں کہ لوگوں میں خدا خوفی، دیانتداری، احساس ذمہ داری، حب الوطنی اور اعتبار کے قابل ہونا جیسی لازمی اخلاقی خوبیاں اجاگر ہوں۔ افسوس ہے اسلامی قوانین رائج کرتے وقت معاملے کے اس پہلو پر اتنی توجہ نہ دی جاسکی جس کا یہ مستحق تھا۔ کونسل نے اس پہلے، جس وقت قوانین محدود اور نظام زکوٰۃ کے سلسلے میں اپنی سفارشات پیش کی تھیں، اس وقت بھی تعمیر اخلاق اور زندگی کی جھوٹی قدروں کے استیصال جیسے اصلاحی اقدامات کی اہمیت پر زور دیا تھا۔ لیکن اب جب کہ ملک میں سود سے پاک نظام بنک کاری رائج ہو رہا ہے۔

ایسے اصلاحی اقدامات کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ لہذا کونسل ایک مرتبہ پھر یسے زور کے ساتھ اپنی اس سفارش کا اعادہ کرتی ہے کہ عوام کو نئے نظام کی تفصیلات آگاہ کرنے اور اس کی افادیت ان کے ذہن نشین کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعے پہلے سے طے شدہ نقشے کے مطابق ایک بھرپور تبلیغی مہم چلائی جائے تاکہ انہیں نئے نظام کی مادی اور اخلاقی خوبیاں معلوم ہوں اور یہ کہ وہ کون سے دنیاوی اور اخروی فوائد و برکات ہیں جو انہیں اس تبدیلی کی صورت میں حاصل ہوں گے۔ علاوہ ازیں انہیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ نئے نظام کی کامیابی کیلئے انہیں کیا کرنا ہے اور اس سلسلے میں ان پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اس مہم کا مقصد صرف یہ نہ ہونا چاہیے کہ عوام مجوزہ نظام کے مطلب مفہوم اور غرض و غایت سے

آگاہ ہوں بلکہ انہیں اس بات کے لئے آمادہ کیا جانا چاہیے کہ وہ اس تبدیلی کے پیش کردہ چیلنج کو پوسے اخلاص، خوش دلی اور مشنری جوش و جذبہ کے ساتھ قبول کریں۔

۴۔ کونسل اس امر پر زور دینا چاہتی ہے کہ بینک کاری کے لئے نئے نظام کو کامیاب کرنے کے لئے یہ امر انتہائی ضروری ہے کہ حکومت ملک کے پوسے نظام محاصل کا از سر نو مکمل جائزہ لے اور خاص طور پر انکم ٹیکس کے طریق کار کو آسان بنائے۔ کونسل نے نظام زکوٰۃ کے نفاذ کی سفارش کرتے وقت بھی اس اقدام کی ضرورت کا اظہار کیا تھا۔ اور لکھا تھا کہ جب تک انکم ٹیکس کے نظام اور اس کی تشخیص کے طریق کار کو سادہ اور آسان نہ بنایا جائے گا زکوٰۃ کی صحیح صورت میں وصولی ممکن نہ ہوگی۔ انسوس ہے کونسل کی اس سفارش پر ابھی تک عمل درآمد نہیں ہو سکا۔ کونسل اپنی زیر نظر رپورٹ پیش کرتے ہوئے اس سلسلے میں ایک مرتبہ پھر اپنی گہری تشویش کا اظہار کرنا چاہتی ہے، خصوصاً اس لئے کہ انکم ٹیکس کے نظام کی مکمل اصلاح سو سے پاک نظام بینک کاری کی کامیابی کے لئے ایک لازمی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی وجہ یہ حقیقت ہے کہ نئے نظام میں بینکوں کی آمدنی کا انحصار بڑی حد تک ان کاروباری اداروں کے منافعوں پر ہو گا جو بینکوں سے مالی امداد لیں گے۔ لہذا اگر انکم ٹیکس کا موجودہ نظام جوں کا توں رہا تو کاروباری ادارے بھی پہلے کی طرح بدعنوانیوں کے مرتکب ہوتے رہیں گے۔ وہ اپنے منافع چھپائیں گے اور دوسرے تہرے حسابات رکھیں گے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ان اداروں کے منافع میں سے بینکوں کا جائز حصہ انہیں نہ ملے گا جس سے بینکوں کی آمدنی متاثر ہوگی۔

(۵) جہاں تک سود سے پاک بینک کاری نظام کے عملی پہلوؤں کا تعلق ہے کونسل اس امر کو ابتداء ہی میں واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں سود کا مثالی متبادل مل نفع نقصان میں شرکت یا قرض حسنہ کی صورت میں سرنائے کی فراہمی ہے۔ اگرچہ اس رپورٹ میں پیش کردہ سفارشات بڑی حد تک نفع نقصان میں شرکت کے اصول پر مبنی ہیں، لیکن بعض سفارشات میں کچھ دوسرے متبادل طریقے مثلاً پٹہ داری، ملکیتی کرایہ داری، بیع موبل، سرمایہ کاری بذریعہ نیلام کاری بھی اپنائے گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ان دونوں ہمارا معاشرہ اخلاق و کردار کی جس سطح پر ہے، اس کے پیش نظر نفع نقصان میں شرکت کے اصول کو پوسے طور پر نافذ کرنے میں بعض عملی

مشکلات پیش آسکتی ہیں۔ تاہم کونسل نے ان متبادل طریقوں میں جہاں ضرورت محسوس کی مناسب تبدیلیاں کیں تاکہ ان کے ذریعے سودی لین دین کے امکان کو ختم کیا جاسکے۔ علاوہ ازیں اس امر کی جانب بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ اگرچہ یہ متبادل طریقے جس صورت میں یہ زیر نظر رپورٹ میں پیش کئے گئے ہیں، سود کے عنصر سے پاک ہیں، تاہم اسلام کے مثالی اقتصادي نظام کے نقطہ نظر سے یہ صرف ”دوسرا بہترین حل“ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ اس کے علاوہ یہ خطرہ بھی موجود ہے کہ یہ طریقے بالآخر سودی لین دین اور اس سے متعلقہ برائیوں کے از سر نو رواج کے لئے چور دروانے کے طور پر استعمال ہونے لگیں۔

لہذا یہ امر ضروری ہے کہ ان طریقوں کا استعمال کم سے کم حد تک صرف ان صورتوں اور خاص حالات میں کیا جائے جہاں اس کے سوا چارہ نہ ہو اور اس بات کی ہرگز اجازت نہ دی جائے کہ یہ طریقے سرمایہ کاری کے عام معمول کی حیثیت اختیار کر لیں۔ لہذا کونسل سفارش کرتی ہے کہ اس امر کا فیصلہ بنیادی پالیسی کے طور پر ہو جانا چاہئے کہ جو ان جوں وقت گزرے گا نفع نقصان میں شرکت اور قرض حسنہ کی صورت میں فراہمی سرمایہ کے اصول کو زیادہ سے زیادہ عمل میں لایا جائے گا اور سرمایہ کاری کے یہ دوسرے طریقے بالکل ختم کر دیئے جائیں گے۔

کونسل کی رائے میں اس وقت دو عوامل ایسے ہیں جو نفع نقصان میں شرکت کے اصول کو وسیع پیمانے پر اپناتے جانے کے خلاف برسر کار ہیں یعنی ایک تو معاشرے میں غیر اخلاقی طریقوں کا وسیع پیمانے پر رواج اور دوسرے جہالت لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک میں ایک مثالی اسلامی نظام قائم ہو تو ہمارے لئے ناگزیر ہے کہ ہم ان دونوں عوامل کے استیصال کے لئے بھرپور جدوجہد کریں۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیانت داری، لین دین کی صفائی اور حصول علم کی اہمیت پر پہلے مدد دے دیا گیا ہے۔ قرآن مجید مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرض کی صورت میں جو لین دین کریں اسے لکھ لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم لین دین میں کھرے پن کی ضمانت مہیا کرتا ہے۔ لہذا ہمیں اپنی تمام صلاحیتیں اور وسائل عوام میں دیا ننداری کا احساس بیدار کرنے اور ملک کی جہالت کی تاریکیاں ختم کرنے میں صرف کرنے چاہئیں۔ جب ہمارا معاشرہ دیانت داری کی مطلوبہ سطح حاصل کرنے کا اور تعلیم کی روشنی عام ہو جائے گی تو مندرجہ بالا متبادل طریقے خود

بخود غیر ضروری قرار پاجائیں گے اور تمام مالی ادارے نفع نقصان میں شرکت یا قرضہ کی بنیاد پر سرمایہ کاری کریں گے۔

۶۔ آج کل کسی ملک کا نظام بنک کاری اس کی معاشیات میں انتہائی اہم کردار ادا کرتا ہے لہذا پاکستان کے بینکنگ سسٹم کو اسلامی اٹھولوں پر استوار کرنے کے لئے یہ بات ناگزیر ہے کہ ایسے تمام قوانین، اور قواعد و ضوابط میں ضروری تبدیلیاں بروئے کار لائی جائیں جو کسی بھی حیثیت سے ہمارے بنکوں کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہوں۔ لہذا مال کی خرید و فروخت، رہن، کرایہ، پیڑ، وکالت، قرض، تولیت، شراکت اور خیانت وغیرہ سے متعلق تمام قوانین میں ایسی تبدیلیاں کی جانی چاہئیں کہ وہ اسلامی شریعت کے مطابق ہو جائیں۔ چنانچہ کونسل سفارش کرتی ہے کہ استیصال سود کی مہم شروع کرنے کے ساتھ ساتھ ان قوانین میں اصلاح و ترمیم کا عمل بھی بروئے کار آنا چاہیے۔

(بقیہ صفحہ ۸۷)

۲۹۔ جالباب (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۹) سے کیا مراد ہے اور قرون اولیٰ میں اس کی کیا شکل رائج تھی؟

۳۰۔ کیا آجکل کا مرد جبہ برقع عبا کے احکامات کے مطابق ہے۔

۳۱۔ اگر سوال نمبر ۳۰ کا جواب نفی میں ہو تو آپ اس کی جگہ کیا استعمال کرتے ہیں؟

۳۲۔ پردے کے احکامات کب نازل ہوئے کن کن سورتوں میں ہیں اور ان میں کیا ترتیب اور ربط ہے؟

۳۳۔ کیا نیلی دیزن پر مسلمان مرد نامحرم خواتین کو اور مسلمان خواتین نامحرم مردوں کو دیکھ سکتی ہیں؟

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم

بَلِّغُو عَنِّي وَلَوْ اِكْتَر

(پہنچاؤ میری جانب سے چاہے ایک ہی آیت ہو)



# تَعَارُفُ الْكِتَابِ

نواں پارہ

## قَالَ الْمَلَأُ

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ لَشُعَيْبٍ  
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ فِي مِلَّتِنَا  
قَالَ أَوْ لَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ه

قرآن مجید کا نواں پارہ ”قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ“ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کے بعد سورۃ انفال کی چالیس آیات سورۃ اعراف کی ابتدا میں وہی مضمون جو سابقہ پارے میں جاری تھا۔ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر اور اس کے بعد بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر شروع ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات واقعات فرعون کے سامعان کی کشمکش مصر میں جن شدا ندو مسائل سے وہ اور بنی اسرائیل دوچار تھے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نبی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ فرعون کے انتہائی شدید عذاب اور اس کی طرف سے شدید مصیبت سے دوچار کیا جا رہا تھا۔ ان حالات واقعات کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ ساتھ ہی یہ واقعہ بھی بیان ہوا کہ فرعون کے عذاب نجات پانے کے فوراً بعد یہ بد بخت قوم وہ ہے جو شرک میں مبتلا ہو گئی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے کوہ طور پر طلب فرمایا۔ تاکہ انہیں تورات عطا کی جاسکے۔ ان کے پیچھے بنی اسرائیل بکھر گئے کی پرستش میں مبتلا ہو گئے۔ گویا انجیل ہی کے الفاظ کے مطابق یہ وہ قوم تھی جس نے پہلی ہی شب میں بیوفائی کی اس پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام

والپس آئے تو انہوں نے انتہائی ناماشگی کا اظہار فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شدید سزا بھی اس قوم کو ملی اور بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ستر سرکردہ افراد کو لے کر اجتماعی توبہ کے لئے حاضر ہوئے اس موقع پر جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی طرف سے اللہ تعالیٰ سے استغفار فرمایا؛ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا کہ جہاں تک میری رحمت کا تعلق ہے وہ اگرچہ عام ہے لیکن تمام اہل ایمان کے لئے اور ان لوگوں کیلئے جن سے اگر گناہ سرزد ہو جائے تو وہ توبہ کریں۔ رجوع کریں۔ ان کے لئے بھی میری رحمت ہے۔ لیکن میری رحمت کا خاص حصہ ان کو ملنے والا ہے جو نبی اُمّی پر ایمان لائیں گے۔ اس ضمن میں چند بڑے جامع اصول سامنے آتے ہیں۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوتًا عِنْدَهُمْ فِي الشُّؤْلِ وَالْإِحْجِيلِ.....

وہ لوگ جو ہمارے اس نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے، ان کا احترام کریں گے، ان کا ادب کریں گے، ان کے مسلک کی پیروی کریں گے، فرائض رسالت کی ادائیگی میں ان کے دست و بازو بنیں گے، اپنے مشن کی تکمیل میں مددگار بنیں گے اور اس نور کا اتباع کریں گے، جو ہم اس کے ساتھ نازل کریں گے۔ (یعنی قرآن مجید) یہ لوگ ہوں گے جو حقیقی فلاح سے دوچار ہوں گے۔ ان الفاظ میں ہم مسلمانوں کے لئے بھی بڑی راہنمائی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ حقوق ہیں جو ہم میں سے ہر فرد پر عاید ہوتے ہیں آپ پر ایمان، آپ کی پیروی، آپ کا ادب آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے جان و مال کا بھپانا وہ دین جو آپ لے کر آئے تھے، جس کے بارے میں مولانا حالی نے بڑے دروانگیر پیرائے میں کہا کہ :-

جو دین بڑی شان سے نکلا ہوتا وطن سے

پر دیس میں وہ آج غریب العسدر ہے!

اس دین کو دنیا میں غالب کرنا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ہے۔ اس کے لئے جان و مال کھپانا اور اس قرآن مجید کا اتباع کرنا۔ اللہ کی اس مضبوط رسی کو پوری مضبوطی کے ساتھ تقام لینا، یہ ہیں اُمتِ مسلمہ میں سے ہر فرد و بشر کے فرائض جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ضمن میں اس پر پائید ہونے ہیں۔ جیسا کہ عرصہ میں کیا گیا تھا۔ کہ سورۃ اطراف اکثر و بیشتر تاریخ انسانی کے اہم واقعات پر مشتمل ہے اور انسان سے جو عہد ازل میں لیا گیا تھا۔

اَللّٰهُتُمْ بِرَبِّكُمْ ط قَالُوا بَلٰی ج

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ اور سب نے اقرار کیا تھا۔ بلی (ہاں) اس عہد کا بھی ذکر ہوا ساکھ ہی تاریخ بنی اسرائیل کی ایک بڑی اہم شخصیت بلعم بن باعور کا بھی ذکر ہوا ہے جسے اللہ نے بہت سا علم عطا کیا تھا۔

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ - فَمِثْلَهُ كَمِثْلِ الْكَلْبِ ج ط

اور ہم چاہتے تو اسے اور بلندی عطا فرماتے اور رفعت و شان عطا فرماتے لیکن جو بد قسمت زمینی خواہشات اور سفلی شہوات ہی کی طرف ہو کر رہ گیا اس کی مثال کتے کی ہے اس کے بعد سورۃ انفال کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ مدنی ہے اور پوری کی پوری سن دو بھری میں غزوہ بدر کے فوراً بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس سورۃ مبارکہ میں ہمارے دین کے دو بنیادی حقوق کو بڑے شرح و سدر کے ساتھ بیان کیا گیا یعنی ایک ایمان دوسرے جہاد چنانچہ آغاز ہی میں مومنین صادقین کے اوصاف کا ذکر ہوا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ -

مومن تو بس وہ ہے کہ جب اللہ کا نام یا ملتے تو ان کے دل لرز اٹھے

آیت :- وَ اِذَا تَلٰیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُہٗ زَاوَوْا مُنَازَعَتًا وَّ عَلٰی رَءِیْسِهِمْ

يَتَوَكَّلُونَ عَلَى الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ يُنْفِقُونَ ۖ  
 اور جب انہیں ہماری آیات پر سمجھ کر سنائی جائیں تو ان کے ایمان یقین میں  
 اضافہ ہوا اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہوں اور وہ نماز قائم رکھتے ہیں اور  
 جو کچھ ہم نے دیا ہے اس میں سے ہمارے لئے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا۔

جن لوگوں میں یہ اوصاف ہیں وہ درحقیقت مومنین ہیں اس کے فوراً  
 بعد غزوہ بدر کا ذکر شروع ہو گیا ہے یہ انتہائی عظیم اور اہم معرکہ جس سے کفر  
 کو کھلی شکست ہوئی اور اسلام کو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے  
 ایک عظیم فتح عطا فرمائی اس کا تفصیلاً ذکر ہوا۔ جن حالات میں یہ جنگ واقع  
 ہوئی بالکل کوئی نسبت نہیں تھی مسلمانوں کے اور کفار کے مابین اس کے  
 باوجود یہ تین سو تیرہ اور بے سرو سامان اور وہ ایک ہزار اور کیل کانٹے سے لیس  
 اللہ تعالیٰ نے فتح مبین عطا فرمائی کفار کے ستر سردار زمین بدر پر کھڑے ہوئے  
 کجھور کی مانند پڑے ہوئے تھے۔ فرمایا گیا مسلمانو! اس مغالطے میں نہ رہنا کہ  
 یہ فتح تم نے اپنے زور و بازو سے حاصل کی ہے ایت۔ قُلْ لَمْ تَقْتُلُوهُمْ  
 وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۖ

تم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا۔ وَمَا رَمَيْتَ  
 إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَرَّحْنِي اُورے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے  
 جو کنکریوں کی مٹی بھر کر کفار کی طرف پھینکی تھی وہ آپ نے نہیں ہم نے پھینکی  
 تھی گویا کہ یہ فتح و نصرت تائید خداوندی سے ہی حاصل ہوئی تھی اور اسی  
 کے لئے تم آئندہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدوار رہ سکتے ہو۔

## وَاعْلَمُوا

قرآن حکیم کا دسواں پارہ **وَاعْلَمُوا** کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اول سورۃ الانفال کی بقیہ ۳۵ آیات شامل ہیں۔ اور اس کے بعد سورۃ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے۔ جس کی ۹۳ آیات اس پارے میں شامل ہیں۔ سورۃ الانفال میں قتال فی سبیل اللہ کا جو مضمون پچھلے پارے سے چلا آرہا تھا۔ اس کا ہدف مقرر کیا گیا تھا **ان الفاظ مبارکہ سے وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ** کفار سے جنگ جاری رکھو۔ یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کل کامل صرف اللہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی انسانی زندگی اپنی تمام تفصیلات سمیت اللہ کی اطاعت کے تحت آجائے۔ اس پارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ اہل ایمان کو قتال کی تحریص دلائیں انہیں ترغیب دیں۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ**۔

اے نبی اہل ایمان کو قتال پر راضی فرمائیے انہیں جہاد فی سبیل اللہ پر ابھاریجے۔ اس سورۃ کے اختتام پر ایمان حقیقی کی تعریف کا دوسرا جزو آیا۔

**وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَهَاجَرُوا أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا**

اور وہ لوگ کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اللہ کی راہ میں اور جہاد کیا اور وہ لوگ کہ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی یہ ہیں اصل مومن اور حقیقی مومن۔ گویا کہ ایک حقیقی مومن کی جامع اور مانع تعریف اس سورۃ مبارکہ میں دو حصوں میں ہو کر آتی پہلے حصے میں ایمان کے داخلی ثمرات ایمان کی قلبی کیفیات عبادات کے ساتھ شغف اللہ پر توکل اور دوسرے حصے

میں جہاد فی سبیل اللہ ہجرت اور قتل فی سبیل اللہ ان دونوں کو جمع کیا جائے تو ایک بندہ مومن کی پوری تصویر مکمل ہو جاتی ہے ۔

اس کے بعد سورۃ التوبہ کا آغاز ہوتا ہے ۔ اس سورۃ مبارکہ کا نام سورۃ براءۃ بھی ہے ۔ اس لئے کہ اس کا آغاز ہی اس لفظ سے ہوتا ہے ۔ اور گویا کہ اس کی ابتداء ہی میں وہ آیات وارد ہوئی ہیں کہ جن کے ذریعے مشرکین عرب سے اعلان براءۃ کرو دیا گیا ۔ یہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اسی سورۃ مبارکہ میں وہ عظیم آیت وارد ہوئی ہے ۔ **هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَ عَلَىٰ الَّذِينَ كَفَرُوا** وہی ہے اللہ جس نے بھیجا اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بالہدی یعنی قرآن مجید اور دین حق دے کر تاکہ غالب کر اس کو پوسے کے پورے دین پر یہ اللہ کے دین کا غلبہ اقامت دین اعلیٰ کلمۃ اللہ ۔ یہ ہے بعثت محمدی کی اصل غرض و غایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مشن کو جزیرہ نمائے عرب کی حد تک یہ نفس نفیس مکمل فرمایا ۔ چنانچہ آپ کی ۲۳ سالہ محنت و مشقت اور جدوجہد کا جو تکمیلی مرحلہ ہے اندرون ملک عرب کی حد تک اس کا ذکر بھی ہے اس سورۃ مبارکہ میں چنانچہ غزوہ خنین کا ذکر بھی ہے کہ جو فتح مکہ کے بعد گویا مشرکین عرب کی طرقت آخری (RESISTA NCE) تھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ اختلاف اور جس کے بعد پوسے جزیرہ نمائے عرب میں کوئی طاقت ایسی باقی نہ رہی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں مزاحم ہو سکتی ہو ۔ چنانچہ اگلے ہی سال ۶ میں جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قافلہ حج کو روانہ فرما چکے تھے ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امارت میں ، اس سورۃ مبارکہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں ۔ چنانچہ آپ نے حضرت علیؑ کو بھیجا جنہوں نے آپ کے ذاتی نمائندے کی حیثیت سے اجتماع حج میں ان آیات کو پڑھ کر سنایا ۔ اعلان کر دیا کہ عشرہ کے خاتمے کے بعد جزیرہ نمائے

عرب کے مشرکین کا قتل عام شروع ہو جائے گا۔ جب یہ محترم مہینہ ختم ہو جائے تو مشرکین کو ختم کرو۔ جہاں کہیں پاؤ۔ یہ درحقیقت اسی سنت اللہ کی تکمیل معنی کہ رسولوں کے انکار کے بعد جن قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا جاتا ہے ان کے ساتھ رعایت نہیں کی جاتی۔ عذاب نازل ہوتا ہے کبھی وہ آسمان سے نازل ہوتا ہے کبھی وہ ان کے قدموں کے تلے زمین سے پھٹ کر نکلتا ہے۔ کبھی وہ اہل ایمان کی تلواروں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے ساتھ ہی اس سورۃ مبارکہ میں اُنھوں نے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت یا بالفاظ دیگر انقلاب محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا جو بین الاقوامی اسلامی دور ہے اس کے آغاز کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے فوراً بعد اطراف و جوانب عرب میں جو ملوک و سلاطین تھے سب کو دعوتی خطوط بھیجے تھے۔ ان دعوتی خطوط میں سے ایک خط جو حضرت حارث ابن عمیر لے گئے تھے رئیس شام کے نام تھا حضرت حارث بن عمیر کو اس رئیس شام نے قتل کر دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قساں کے لئے ایک فوج بھیجی۔ یہ تین ہزار کا لشکر تھا۔ جن کا مقابلہ شرفی بن عمر کی ایک لاکھ فوج سے ہوا۔ یہ جنگ موتہ کہلاتی ہے۔ جو جہادِ الاول شدہ میں واقع ہوئی۔ اگرچہ اس میں کوئی مقابلہ نہ تھا تین ہزار کا ایک لاکھ سے لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑی ہی حکمت کے ساتھ مسلمان فوج کو کفار کے زغے سے نکال لائے لیکن اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا سفر اختیار فرمایا۔ تین ہزار جانثاروں کے ساتھ آپ شام کی سرحد تک پہنچے اور بیس دن تک آپ نے وہاں قیام فرمایا۔ ہر قافلہ اگرچہ قریب ہی موجود تھا۔ اور اس کے پاس لاکھوں کی فوج موجود تھی لیکن وہ مقابلے پر نہ آ سکا اور پورے علاقے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رعب و دبدبہ قائم ہو گیا۔ الغرض اس سفر تبوک کے ذریعے جس کی تفصیلات سورۃ التوبہ میں وارد ہوئی ہیں، دعوتِ انقلابِ اسلامی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بین الاقوامی دور کا آغاز ہو گیا۔

## گیارہ پارہ **يَعْتَذِرُونَ**

قرآن مجید کا گیارہواں پارہ **يَعْتَذِرُونَ** کے نام سے موسوم ہے اس میں اولاً سورۃ توبہ کی بقیہ ۳۶ آیات شامل ہیں پھر پوری سورۃ یونس اور آخر میں سورۃ ہود کی صرف پانچ آیات۔ سورۃ توبہ کے بارے میں پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ رجب سہم میں غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی۔ بعض آیات آغاز سفر سے قبل نازل ہوئیں۔ کچھ دوران سفر نازل ہوئیں۔ اور کچھ واپسی پر۔ یہ غزوہ واقعہ یہ ہے کہ انتہائی نامساعد حالات میں پیش آیا۔ ایک تو وقت کی عظیم ترس عسکری قوت یعنی سلطنت روم سے ٹکراؤ تھا۔ پھر انتہائی سخت گرمی کا موسم تھا۔ قحط کا عالم تھا۔ مسلمانوں کے ایمان کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش بن گئی۔ اور منافقین کے نفاق کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ میں منافقین کے بارے میں بڑی سخت ترین بات وارد ہو چکی ہے حضورؐ سے فرمایا گیا کہ ”اَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ“ اے بنی آپ ان کے لئے خواہ استغفار فرمائیں خواہ نہ فرمائیں اگر آپ ان کے لئے ستر دفعہ استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں فرمائے گا۔“

اس سورۃ مبارکہ کا جو حصہ اس پارہ میں شامل ہے۔ اس میں منافقین کے بالکل برعکس اہل ایمان کے طرز عمل کی تعبیر ان مبارک الفاظ میں کی گئی۔ اِنَّ اللّٰهَ الشّٰرِكُ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ بِاَنْ لَّهُمُ الْجَنّٰتُ يُعَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ قَف

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لی ہیں وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔ اور قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔



یعنی اہل ایمان اللہ کے لئے اس کے دین کی سر بلندی کے لئے نہ اپنی جان سے بیخ کرتے ہیں اور نہ اپنے مال سے اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی اللہ کے ہاتھ اپنی جانیں اور مال فروخت کر چکے ہیں۔ اب ان کے پاس یہ جان اور مال اللہ کی امانت ہے کہ جب بھی اللہ چاہے اور اس کے دین کا تقاضا ہو۔ اسے حاضر کر دیں اور اللہ کی جناب میں سرخرو ہو جائیں اور سبکدوش ہو جائیں۔ اس سورۃ مبارکہ کے اختتام پر ایک بڑی عظیم آیت وارد ہوئی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے بعثت محمدی کی شکل میں امت مسلمہ پر جو احسان عظیم فرمایا ہے۔ اس کا ذکر ہوا۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ

اے مسلمانوں تمہارے پاس آگئے ہیں ہمارے رسول جو تم ہی میں سے ہیں۔ جن پر بہت شاق گذرتی ہے بروہ چیز جو تمہارے لئے باعث تکلیف ہو۔ اور جو تمہارے لئے ہر خیر اور بھلائی کے خواہاں ہیں۔ اور تمہارے حق میں رؤف رحیم ہیں۔ سورۃ توبہ کے بعد گیارہویں پارے میں سورۃ یونس اور اس کے بعد سورۃ ہود وارد ہوئی ہیں۔ یہ دو مکی سورتیں بھی ایک انتہائی حسین و جمیل جوڑے کی صورت میں ہیں۔ اور ان کے مابین بھی وہی نسبت ہے۔ جو پہلے سورۃ انعام اور الاعراف میں تھی۔

سورۃ یونس میں زیادہ تر آفاق و انفس کی شہادتوں میں سے توحید اور نبی اکرم پر ایمان کی دعوت دی گئی۔ جبکہ سورۃ ہود میں زیادہ زولم نبیاء و رسل کے حالات واقعات اور جن امتوں اور قوموں کی طرف رسول بھیجے گئے ان کے انکار کی پاداش میں ان پر جو عذاب ہلاکت نازل ہوا۔ اس کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ سورۃ ہود کے بارے میں نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ مجھے سورۃ ہود اور اس کی ہم معنوں سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے اس لئے کہ ان سورتوں میں بالکل انداز ایسا ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل عرب کو آخری وارننگ دی جا رہی ہو۔ اور

اب بھی اگر وہ ایمان نہ لائے۔ تو گویا کہ عذاب الہی کا بند بالکل ٹوٹے والا ہے۔ اس صورت حال کی وجہ سے نبی اکرمؐ سخت صدمہ سے دوچار تھے۔ ان دونوں سورتوں میں قرآن مجید پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ دونوں کا آغاز ہوا اس بات کی وضاحت ہے کہ یہ قرآن مجید کمال حکمت کی حامل کتاب ہے۔ سورۃ یونس میں منبرایہ الکرآء تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ سورۃ ہود کا آغاز ہوا۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے۔ جس کی آیات پہلے محکم کی گئیں ان کی تفسیر کی گئی اس ہستی کی طرف سے جو حکیم بھی ہے اور خبیر بھی۔ اس کے بعد ان دونوں سورتوں میں قرآن حکیم کے بارے میں کفار کو چیلنج کر دیا گیا کہ اگر تمہارا یہ گمان ہے کہ یہ ہمارے رسول نے خود اپنی طرف سے گھڑ کر تصنیف کر لی ہیں۔ تم بھی ایسی کچھ سورتیں تصنیف کر کے لے آؤ چنانچہ سورۃ ہود میں فرمایا۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ط قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَاتٍ  
وَإِذْعُونَا أَسْتَطِعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ہ  
”کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو خود محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصنیف فرمایا ہے۔ تو ان سے کہیے کہ قرآن جیسی دس سورتیں تم بھی تصنیف کر کے لے آؤ۔“  
یہ چیلنج سورۃ یونس میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ جہاں دس سورتوں کی بجائے یہ فرمایا گیا کہ اس جیسی ایک ہی سورت تصنیف کر کے لے آؤ۔ ”فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ“ ساتھ ہی یہ بات بھی واضح کر دی کہ مشرکین اور کفار کو اصل عداوت و دشمنی قرآن مجید سے ہے جیسے کہ اس سے پہلے سورۃ النعام میں بھی یہ الفاظ وارد ہو چکے ہیں کہ اے نبیؐ آپ غمگین نہ ہوں۔ یہ کفار آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ یہ تو اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں۔ یہاں بھی فرمایا گیا کہ ان کا مطالبہ یہ ہے۔ اَنْ اُتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا اَوْ يُبَدِّلُوْهُ ط۔ کہ لے محمدؐ اس قرآن کے سوا کوئی اور قرآن لے کر آؤ یا اس میں کچھ ترمیم کر لو۔ ارشاد ہوا کہ جواب میں فرمائیے لے نبیؐ۔ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ مِنْ يَلْقَاۤیْ نَفْسِیْ ہ

میرے لئے بالکل ممکن نہیں ہے کہ میں اپنے جی سے اس میں ترمیم کر سکوں۔ اِنْ  
اتَّبَعَ إِلَّا مَا يُوحَىٰ اِلَيْكَ مِنْ تَوْخُدٍ پابند ہوں اس کا جو میری طرف وحی کیا جا رہا ہے  
چنانچہ اس حکم پر یونس کا انتقام بھی ہوتا ہے۔

وَاتَّبَعَ مَا يُوحَىٰ اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَخُذَ اللّٰهُ دَٰلِلَ الْكَافِرِيْنَ  
اے نبی! اتباع کیجئے پیروی کیجئے مضبوطی سے تھلے رکھئے اس کو کہ جو آپ کی  
طرف وحی کیا جا رہا ہے اور صبر کیجئے انتظار فرمائیے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا  
حکم سنا دے اور وہ تمام ماکول سے بڑھ کر ماکم ہے سب بڑھ کر عدل اور  
انصاف سے کام لینے والا ہے۔

سُورَةُ يُونُسَ میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا وہ ایمان حقیقی کے ثمرات  
سے متعلق ہے۔ وہ مومن حقیقی جو اللہ کا ولی، اللہ کا دوست، اللہ کا ساتھی بن جاتا  
ہے۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ  
یعنی وہ کہ جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی معلوم  
ہو کہ ولایت الہی درحقیقت ایمان حقیقی اور تقویٰ ہی کا نام ہے اور اس کا  
ماصل یہ ہے۔

لَهُمْ الْبُشْرٰی فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۗ  
ان کے لئے بشارتیں ہی بشارتیں ہیں۔ خوشخبریاں ہی خوشخبریاں ہیں۔ دُنیا  
کی زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ یہی وہ مضمون ہے جو قرآن مجید  
میں ایک اور مقام پر آیا ہے یہ ایمان حقیقی کے ثمرات ہیں۔ کہ انسان اس دنیا  
میں بھی خوف اور غم سے نجات حاصل کر لیتا ہے۔ اور آخرت میں بھی اسے ان  
دونوں چیزوں سے نجات مل جاتی ہے۔

# سوالنامہ برائے پردہ

عالم اسلام خصوصاً پاکستان میں بے پردگی کا جو سیلاب آیا ہوا ہے اس نے ہر دینی شعور اور حس رکھنے والے مسلمان کو مضطرب کر دیا ہے۔ بعض اذیان میں مہدمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر پردے کے بارے میں چند اشکالات بھی ہیں جن کو ایک مشاورت میں سامنے رکھ کر ایک جامع سوالنامہ مرتب کر کے ماہ نومبر ۸۰ء سے فروغیہ اس کو پاکستان ہند کے تقریباً ۱۰۰ متقدم علماء کرام اور دینی اداروں کو استعواب کے لئے ارسال کیا گیا تھا۔ تا حال صرف جامعہ مدینہ لاہور کے دارالافتاء سے اس کا ایک مجمل جواب موصول ہوا ہے۔ مزید جوابات کا انتظار ہے۔ قارئین میثاق میں سے جو اہل علم اس پر قلم اٹھانا چاہیں ان کو دعوت ہے کہ وہ ان مسائل پر دینی روشنی میں خیالات کا اظہار فرمائیں۔ ہمارے پاس جب اس مسئلہ پر کچھ مواد جمع ہو جائے گا تو اسے شائع کر دیا جائے گا۔ جوابات کے لئے اس سلسلے کے نمبر کا حوالہ دیا جائے گا لہذا جو حضرات اس مسئلہ سے خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں ان سے اس شمارے کو حفاظت سے رکھنے کی درخواست ہے (مرتب)

- ۱۔ کیا بالغ عورت اپنے گھر میں ایسے لباس میں رہ سکتی ہے۔ جس میں سے چہرے ہتھیلیاں ٹخنے سے نیچے پیر کے حصے کے علاوہ جسم کا کوئی اور حصہ ظاہر ہو جائے کی صورت میں وضاحت کیجئے۔
- ۲۔ کیا عورت کے بال بھی ستر میں شامل ہیں اور ڈھپنا لازمی ہے؟
- ۳۔ کیا عورت اس لباس میں گھر سے باہر بھی نکل سکتی ہے۔ جس میں وہ بالعموم اپنے گھر میں ہوتی ہے۔
- ۴۔ کیا گھر سے باہر نکلنے وقت عورت کو اپنے جسم اور لباس کو کسی اضافی چادر یا برقع وغیرہ ڈھانپنا لازمی ہے۔
- ۵۔ کیا باہر نکلنے کے لئے عورت کا چہرہ بھی لازمی ڈھانپنا چاہیئے۔؟

- ۶۔ اگر سوال نمبر ۵ کا جواب نفی میں ہو تو آیا بناؤ سنگھار (MAKE-UP) کے ساتھ بھی چہرے کو ڈھلپے بغیر باہر نکلا جاسکتا ہے۔؟
- ۷۔ کیا محرم صرف وہی لوگ ہیں جن کا ذکر سورہ نور آیت نمبر ۳۱ میں ہے؟
- ۸۔ آیت مذکورہ بالا میں لفظ آبائیں آیا ہے کیا اس کا اطلاق والد اور دادا کے چچا اور ماموں پر بھی ہوتا ہے۔
- ۹۔ کیا آبائیں کا اطلاق خالو پر نہیں ہوتا وہ غیر محرم ہے؟
- ۱۰۔ اسی آیت مذکورہ میں اباؤ بھوئیں کا ذکر ملتا ہے یعنی عورت کے لئے شوہر کے والد اور دادا محرم ہیں کیا اس کا اطلاق شوہر کے چچا ماموں اور خالو پر بھی ہوتا ہے؟
- ۱۱۔ سوال نمبر ۱۰ کا جواب اگر ہاں میں ہو تو کیا اس پر قیاس کر کے بیوی کی ماں دادی چچی پھوپھی اور خالہ کے لئے اس کا شوہر محرم ہوگا؟
- ۱۲۔ کیا بھائی چچا ماموں بھانجے بھتیجے وغیرہ جو محرم قرار دیئے گئے ہیں اس کا اطلاق صرف گئے رشتہ داروں پر ہوتا ہے۔
- ۱۳۔ کیا چچا زاد ماموں زاد پھوپھی زاد اور خالو زاد بھائی بہن اور ان کی اولاد محرم ہے؟
- ۱۴۔ دیور اور بیٹھ کا غیر محرم ہونا تو ثابت ہے پھر ایسے چھوٹے چھوٹے گھروں میں جہاں پورا کنبہ ایک ساتھ رہتا ہو اور ان کے لئے یہ ممکن نہ ہو سکے کہ سب الگ الگ مکان میں رہ سکیں ایک دوسرے کا سامنا ہو جانا ممکن ہے بلکہ ایسا نہ ہونا ناممکن ہے اس سلسلے میں آپ کیا تجویز کرتے ہیں یا کیا حکم لگاتے ہیں۔
- ۱۵۔ کیا غیر محرم بالغ مرد یا نوکر محرم کی غیر موجودگی میں گھر میں آسکتا ہے۔
- ۱۶۔ اگر غیر محرم افراد گھر میں آئیں تو عورت اپنے محرم کی موجودگی میں ان کے سامنے آسکتی ہے۔

- ۱۷۔ ۱ اور عورت ان کے ساتھ بیٹھ سکتی ہے اگر ہاں تو کس لباس میں؟
- ۱۸۔ عورت پر پردے کے احکام کا اطلاق کس عمر سے شروع ہوتا ہے؟
- ۱۹۔ اگر کسی کے بھائی کی عمر اس کی شادی کے وقت ایسی رہی ہو کہ اس کے بھائی کی بیوی نے گود میں کھلایا ہو تو بالغ ہو جانے کے بعد کیا اس دیور کا معاملہ بھی



# خط و آرا

● از جناب مولانا محمد منظور نعمانی - مدیر ماہنامہ الفرقان - لکھنؤ (بھارت)

(۱) محب مکرم محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب احسن اللہ تعالیٰ الیکم والینا

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

غایت نامہ مؤرخہ ۲۵ - ربیع الاول ۱۳۸۷ھ دیکھ فروری ۱۳۸۷ھ، موصول

ہو کر موجب منت ہوا — ہمیشہ مرحومہ کے لئے دُعا کیے مغفرت کا اہتمام اور تعزیت کا دل سے شکر گزار ہوں - جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء -

ڈاکٹر صاحب کے اور آپ کے علاقہ مدلاس کے سفراء و خطابات کا حال معلوم

کے دل مسرت ہوئی اور حسرت بھی -

گرامی نامہ ہی سے آپ حضرات کی مولانا ملی میاں سے بیٹی میں ملاقات کا حال

معلوم ہوا - مولانا ذکر کرنا غالباً سچول گئے - بیٹی سے مولانا کی لکھنؤ واپسی کے بعد

اتفاق سے بس ایک مختصر ملاقات ہو سکی - وہ دوسرے ہی دن راتے بریلی تشریف

لے گئے اور پھر ۳ فروری کو وہاں سے ہو کر مجازہ مقدس کے لئے روانہ ہو گئے —

آپ کا مجھ پر ایک ادب بھی قرض ہے - کئی جتنے ہوئے دلفانہ کی لکھنؤ کی ڈاک کی مہر

سے معلوم ہوا کہ قریباً ڈیڑھ مہینہ ہو گیا، پردہ کے مسئلہ سے متعلق آپ کا ایک

بہت طویل سوالنامہ آیا تھا - میں خود تو اس حال میں نہیں تھا اور نہیں ہوں کہ محنت

کر کے اس کا جواب لکھ سکوں، یہ سوچتا رہا کہ کس کے پیر کردوں - پھر ذہن میں ایک

بات آئی لیکن آپ کو لکھنے کی نوبت ابھی تک نہیں آئی تھی - اب عرض کرتا ہوں میرا

مشورہ یہ ہے کہ کسی ایسے صاحب کے اس کا تفصیلی اور تحقیقی جواب لکھوائیے جو اس کے

اہل ہوں - (میرا خیال ہے کہ مولانا محمد تقی عثمانی دکرچی) اور غالباً مولانا سمیع الحق صاحب

(اکوڑہ خٹک) بھی وہ ہو سکتے ہیں) پھر وہی جواب اُن حضرات کو تصدیق کے لئے بھیج

دیا جائے جن کی تصدیق و توثیق کی آپ ضرورت سمجھیں -

ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام اخلاص و محبت -

وَمَاؤں کا محتاج و طالب دعا گو ہوں - والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

۱۶ - فروری ۱۹۸۱ء  
محرم منظور نعمانی بقلم عبید

- اس مکتوب کے آخر میں مولانا مدظلہ نے اپنے قلم سے حسب ذیل اضافہ فرمایا :-

(۱) ”میشاق“ میں ڈاکٹر صاحب کا وہ ”خطبہ مجبہ“ پڑھ کر جو صدر ضیاء الحق صاحب کے سامنے دیا گیا تھا جس میں زنانہ ہانکی ٹیم کا بھی تذکرہ تھا، دل سے دعا نکل گئی کہ اللہ اَمْثَالَهُمْ فِئْنَا۔ افسوس ہے لوگ نظام، قانون کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اصل مقصد معاشرے میں ایمان اور ایمان والی زندگی کا ہے۔

(۲) میں نے ڈاکٹر صاحب کے عرض کیا تھا کہ آپ کی کتاب کی اشاعت کے بعد سے جو کچھ ہوا ہے (جس نے کتاب کے لفظ لفظ کی تصدیق کر دی ہے)، وہ بھی اس طرح قلمبند ہو جانا چاہیے۔ میرے نزدیک یہ بڑی دینی خدمت ہے۔ ڈاکٹر صاحب غالباً بتلایا تھا کہ آپ یہ کام کر رہے ہیں۔ کیا یہ کام ہو رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کے کام لے لے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ وَالسَّلَامُ  
(۳) مخلص مکرم و محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ

گرامی نامہ مورخہ ۹ فروری وقت پر موصول ہو گا تھا اس سے غالباً ایک ہی دن پہلے میں آپ کی خدمت میں عرض لکھ چکا تھا۔ اس میں پر وہ کے مسئلہ سے متعلق جناب کے سوالنامے کے بارے میں بھی اپنا یہ مشورہ عرض کیا تھا کہ بہتر صورت یہ ہوگی کہ وہیں کے کسی صاحب علم اور صاحب قلم سے اس کا تفصیلی جواب لکھوایا جائے۔ پھر جن حضرات کی تصدیق و توثیق کرانی ہو ان کے پاس اس کی کاپی بھیج دی جائے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ اس کام کے لئے میرا خیال ہو مولانا تقی عثمانی صاحب یا مولوی سمیع الحق صاحب اور مولانا طہسین صاحب بھی شاید موزوں ہوں۔ اس وقت خاص طور سے یہ عرض کرنا ہے کہ ربیع الاول، ربیع الثانی کے میثاق میں صفحہ ۴۹ سے صفحہ ۶۴ تک ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا جو مصل شائع کیا گیا ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہی وہاں کے مسئلہ کا حل ہے اب تو وہاں تحریک شروع ہو گئی میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مشورہ کو مصلیٰ طور پر اپنا کر وہ تحریک کو فیل کر سکتے ہیں۔ میری رائے ہے کہ اس کے لئے ڈاکٹر صاحب



نہی ملاقاتیں کریں یا دوسرے صحیح ان خیال با اثر لوگ یہ کام کریں۔ اس وقت یہ طریقی خاص طور سے ڈاکٹر صاحب کو یہی پیغام پہنچانے کے لئے لکھا رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ اشارہ کافی ہوگا۔ دعا گو اور دعاؤں کا محتاج ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ محمد منظور نعمانی (۲۳/۲/۸۱ء)

● از: مولانا محمد تقی امینی صاحب۔ ناظم شعبہ سنی دینیات۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت)۔  
محترم پیر محمد ڈاکٹر صاحب زید مجدکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ دعوت نامہ مل گیا تھا۔ جواب میں تاخیر ہوتی معذرت چاہتا ہوں، ۱۷ فروری کو بچی سلمہا کی شادی تھی اگرچہ بہت سادی تھی پھر بھی بچی کی تھی۔ سفر کا معاملہ اب تک پہلے ہی جیسا کہ احباب کے ملنے کا بہت جی چاہتا ہے خدا کرے جلد وہ دن آئے کہ آپ حضرات سے ملکر دل کو طمانیت و سکون حاصل ہو۔ آمین۔

قرآن حکیم کے سلسلہ میں آپ کی خدمات و میثاق، کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتی ہیں جو قابل رشک ہیں اللہ ان کو قبول فرمائے آمین کسی کی اس سے زیادہ اور کیا خوش نصیبی ہو سکتی ہے کہ شبِ روز وہ اللہ کے کلام کی تشریح و توضیح اور اس کو اللہ کے بندوں تک پہنچانے میں لگا رہے اس کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ رہ جائے۔

ذکر مجالش فکر و صالحش  
بیچ دگر من کار نہ دارم  
آپ مجھ ناچیز کے لئے بھی دعا فرما دیں کہ وہ اپنے ”کلام“ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور قبول فرمائے آمین۔ اب کل ”حول الدستور القرآنی“ لکھ رہا ہوں اور پھر ”الدستور القرآنی“ لکھنے کا ارادہ ہے۔ درخواست ہے کہ تکمیل کی دعا فرما دیں۔ محترم قاضی صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ سمینار کی کامیابی کے لئے دعا کر رہا ہوں خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہوں۔ والسلام۔ محمد تقی امینی۔

۱۔ وہ دعوت نامہ مراد ہے جو محاضرات قرآنی و سمینار، میں شرکت کیلئے ارسال کیا گیا تھا۔  
جس کا انعقاد ۲۳ مارچ تا ۳۱ مارچ ۸۱ء قرآن اکیڈمی میں ہو رہا ہے (مرتب)

● از: ڈاکٹر ایس نذیر محمد - ایم - بی - بی ایس - مدراس (بھارت)  
محترم جناب قاضی عبدالقادر صاحب، السلام علیکم ورحمۃ اللہ، مزاج گرامی  
مدراس میں ڈاکٹر صاحب اور آپ کا قیام مختصر رہا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر نے  
جو معرکہ الآراء اور نہایت ہی نکتہ پرور اور بصیرت افروز رہیں اہل مدراس پر اپنا گہرا اثر اور  
نقش چھوڑا ہے۔ ان کی تشنگی جوں کی توں رہ گئی ہے وہ چاہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے  
بارانِ خطابت سے سیراب ہوں۔ لیکن انوس ہے کہ یہ تنہا پوری نہ ہو سکی۔ مرکزی میلاد  
کیٹی مدراس اور مسلمانانِ مدراس ڈاکٹر صاحب کے بے حد شکر گزار اور رہین منت ہیں  
کہ آپ نے باوجود بے شمار مصروفیتوں کے اتھلا نا سفر کر کے مدراس آنے اور سیرت النبی  
کے اجلاس کو مخاطب کرنے کی زحمت گوارا فرمائی۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ، ڈاکٹر صاحب  
کی دینی خدمات کے صلہ میں ثواب دارین عطا فرمائے اور آپ کا سایہ بر صغیر کے مسلمانوں  
پر تادیر قائم رکھے تاکہ وہ ان کے مواعظِ حسنہ سے مستفیع ہو کر صراطِ مستقیم پہنچنے پر  
قابل بن جائیں۔ آمین!

ہم تمام کی جانب سے ڈاکٹر صاحب مدظلہ العالی کو سلام کہتے گا۔  
نیز التماس ہے کہ ڈاکٹر صاحب اور آپ اس ناچیز کو دعائے خیر میں یاد رکھیں۔  
طالب دعا۔ ڈاکٹر نذیر محمد۔

● - از: جناب مولوی محمد عبدالجلیل خطیب باقوی - (ناظم تنظیم جمعۃ العلماء دہلی  
برائے جنوبی ہند) - مدراس (بھارت)  
مکرمی محترمی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب زید مجدکم  
سلام مسنون۔ مزاج گرامی عزیز محترم قاضی صاحب زاد لطف کی طرف  
سے آپ کا پیغام پہنچا میں حد درجہ شرمندہ ہوں کہ مجھ سے آپ کا تعاون نہ ہو سکا۔ آپ  
نے ولی کے اندر یاد پیدا کر کے ہمت افزائی فرمائی آپ کے بیانات ماشاء اللہ اپنی نوعیت  
اور موضوع کے لحاظ سے ہر جگہ بہت مفید رہے تشنگی باقی رہ گئی۔ جماعت اسلامی ال  
نے آپ کے جو انٹرویو لیا ہے۔ اس کی تفصیل تو معلوم نہ ہو سکی البتہ اتنا سننے میں آیا کہ ان  
کی طرف سے کہ آپ بالکل جماعت کی اساسی حیثیت کے مخالف نہیں ہیں آپ کی

کتاب میں نے دیکھی مولانا منظور صاحب نے بھی آپ کی کتاب کا حوالہ اچھی کتاب میں دیا ہے اور مولانا وحید الدین خاں نے بھی اگر اس صنف کی آپ نے بھی تنقید مولانا مودودی مرحوم اور جماعت اسلامی پر کی ہے تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے، پھر اچھے و نیم باڑی کے خطاب میں حضرت شیخ الہندؒ کو ان کی خدمات کے اعتراف پر چودہویں صدی کا مجدد ثابت کیا اور مولانا آزاد مرحوم کی خدمات کا اعتراف کیا اور جمعیتہ العلماء ہند کو ملت کی ایک فعال جماعت ثابت کیا مولانا سید عابد میاں صاحب مدظلہ نے اپنے خط میں آپ کی مدح فرمائی ان باتوں سے آپ پر اعتماد بڑھ گیا۔ میثاق خدا کرے ہم تک پہنچنے کی راہ پیدا ہو سکے۔ عزیز محترم قاضی صاحب کی خدمت میں شکریہ کے ساتھ سلام عرض فرمائیں احباب کارکنان رفقاء کو سلام

دعا کا طالب محمد عبد الجلیل عفی عنہ (۱۲ فروری ۱۳۸۷ھ)

● از جناب زبیر عمر صدیقی - مکہ مکرمہ (سعودی عرب)

۱۱۔ مکرم محترم جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب امت فیضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

سب سے پہلے عزیزم ڈاکٹر عارف رشید کی تقریب مسنونہ سلسلہ عقد نکاح کی مبارکباد قبول فرمائیں۔ آپ کا تو عصرانہ کا دعوت نامہ بھی دعوتی پمفلٹ ہے۔ خدا آپ کی دینی عزیمت اور استقامت میں مزید اضافہ فرمائے۔ یقیناً یہ بھی جہاد کی کیفیت کا حامل ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ جس دینی جذبہ سے آپ نے یہ رشتہ عزیزم عارف میاں کا کیا ہے۔ اس کو ویسی ہی رحمتوں اور برکتوں سے خداوند تعالیٰ نوازیں۔ آمین۔

اس بارے پر آپ کی آمد کا منتظر رہا۔ لیکن اس بار آپ ہماری وادی غیر ذمی ذریعہ کو SKMP کر گئے۔ ظاہر ہے نئی دنیا کی زرخیزی کی کیفیت یہاں نہیں۔ بڑی سنگلاخ زمین رہی ہے ہمیشہ سے۔ اہل مکہ کا رویہ داعیان حق کے معاملہ میں گرم جوشیوں سے پُر شاید کبھی نہیں رہا۔ یہاں شعب علی ہے۔ اور نعیم ہے جہاں سے گزرتے ہوئے جناب خبیث کا خیال آتا ہے۔ جناب بلالؒ بھی اس زمین کی گرم ریت پر لٹائے گئے تھے۔

خیات صاحب نے میثاق کے لئے اشتراک کیا تھا۔ لیکن پتہ نہیں ان کو پرچہ قبول نہ

پہنچا۔ آپ ان سے میثاق کے تبادلے میں کرسینٹ، مزور چٹکائیں۔ ممکن ہے کہ ٹورانٹو میں یہ پرچہ آپ کی نظر سے گزرا ہو۔ آپ کے وہاں پروگرام کی خبریں اس میں آئی تھیں، اس میں عالمی تجزیوں سے متعلق بعض چیزیں مفید آ رہی ہیں۔ آپ کی نظر میں گزرنا اس سے ضروری ہے۔

کیا آپ نے شیخ عبدالواحد یحییٰ کی کچھ چیزیں دیکھی ہیں۔ یہ صاحب فرانسیسی نژاد مسلمان ہیں اور اپنے گینوں (RENE GENON) کے نام سے مغرب و مشرق کے علمی حلقوں میں معروف ہیں۔ مجھے ان سے اس سال واقفیت ہوئی۔ اور اس طرح مغرب کے نو مسلموں میں بعض غیر معمولی شخصیتوں کا تعارف ہوا۔ ایک صاحب ہیں۔ FRITH of SHOUN سوئس مسلمان۔ انہوں نے ایک کتاب *Understanding of Islam* تصنیف کی ہے اتنی پر مغز مختصر کتاب شائد ہی کوئی ہو۔ انگریزی شاعر T.S. ELIOT نے کہا کہ اس سے بہتر کسی شخص سے میں واقف نہیں ہوں جس نے مذہب کے فلسفہ پر لکھا ہو۔ یہ کتاب *Union Paper back* کے سلسلہ میں ملتی ہے۔ لیکن شائد بازار میں دستیاب نہ ہو۔

تجدید ایمان کے سلسلے میں آپ جو علمی و فکری سطح پر قرآن فہمی کی راہ ہموار کر رہے ہیں اس سلسلے پر ان مصنفوں سے آپ کو بہت مدد ملے گی۔ اس لئے کہ اس میں انتہائی اعلیٰ علمی اور فلسفیانہ سطح پر بحث کی گئی ہے۔ میں ابھی ان کتابوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر یہ کتابیں آپ کو کسی لائبریری سے دستیاب نہ ہو سکیں تو سراج منیر صاحب کا تعاون حاصل کریں۔ ان کا تعارف، قاضی صاحب کے خط میں کرا چکا ہوں۔

اپنے خطباتِ مداس، کی اشاعت کا ضرور اہتمام فرمائیے۔ اس کے مطالعہ کی کڑو رہے گی۔ جس منبر سے آپ نے یہ تقاریر کی ہیں اس کی وجہ سے بھی اس کی اہمیت ہے۔ دوستوں بزرگوں کی خدمت میں سلام۔ عزیزم عارف رشید اور عاکف میاں کو میرا سلام و دعا کہئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ، آپ کا مہجائی مخلص زبیر

(۲۱) مکرمی و محترمی بھائی قاضی عبدالقادر صاحب و علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ  
 سب سے پہلے بچی کی شادی کی مبارک باد قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں  
 کہ جس جذبہ اور ہمت سے آپ نے ان تقاریب میں دینی رُوح کا خیال رکھا ہے خدا اس کو  
 قبول فرمائے۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تقلید کرنے کی توفیق دے۔

میشاق بڑی تاخیر سے ملا اس کا انتظار رہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات  
 کی تفصیل بڑھ کر دل امنگوں اور آرزوؤں سے بھر جاتا ہے۔ مدراس کے خطبے یقیناً بڑی  
 اہمیت کے افادیت کے حامل ہوں گے۔ ان کے مطالعہ کی آرزو ہے۔ اس خبر سے بہت  
 خوشی ہوئی۔ خدا ڈاکٹر صاحب کو اسی ہمت اور سلیقے سے کام کرنے کی مزید توفیق عطا  
 فرمائے۔

آپ نے اپنے خط میں میری خاموشی کا گلہ کیا ہے۔ اور آگے بڑھنے کی دعوت دی ہے۔  
 یقین کیجئے کہ آپ یاد دہانی نہ بھی کرائیں تو یہ خیال دل سے نہیں نکلتا کہ آخر کب تک اس  
 گوٹو کی کیفیت میں مبتلا رہنا ہے۔ صرف کم ہمتی کی ہی بات ہے۔ دراصل اس ارض  
 مقدس کے قیام نے بھی کمزور کر کے رکھ دیا ہے۔ خدا کے گھر کے سائے میں اتنی عجیب  
 کیفیات اور مشاہدات ہوئے ہیں کہ ذہن *speculative* سا ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ  
 گویا صوفیا و دالی "قبض" کی کیفیت ہے۔ بسط، کامرے اُہی نہیں پاتا۔ مسلسل دعا  
 کرتا ہوں کہ خدا یا ربہائی فرما اور دل کو یکسو کر دے اور کسی ایسی مشغولیت میں لگا دے  
 جس میں نرمی رہنا ہو۔

ڈاکٹر صاحب کے معمولی نوعیت کے اختلاف کا مسئلہ نہیں ہے۔ اتفاق کامل تو کسی  
 دو افراد کے درمیان فکری سطح پر ناممکن سی بات ہے۔ لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی نوعیت  
 کی شمولیت میری کارآمد ہے۔ ڈاکٹر صاحب داعی ہیں اور باقی سب سامعی سامعین سامعی  
 ہیں۔ ان کا قرب میسر آتا تو میری بھی کچھ اصلاح اور تربیت ہوتی پھر بھی آپ  
 کو شاید علم نہ ہو کہ یہاں کے احوال و ظروف کی خاص نوعیت کے باوجود لوگ ڈاکٹر صاحب  
 کی دعوت و تحریک کے بارے میں مجھ سے ہی رجوع کرنے لگے ہیں۔ کوئی ان سے برہم ہوتا  
 ہے تو اپنی برہمی مجھ پر اتارتا ہے۔ اور کوئی ان کے بارے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے تو مجھ سے  
 رجوع کرتا ہے۔ میں بھی موقع و محل کی مناسبت سے بات کرتا رہتا ہوں جو کچھ مواد میرے

پاس ہے لوگوں کو دے دیتا ہوں قرآن کے حقوق کے عربی انگریزی نسخے عرب دوستوں کو بھی پڑھائے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مدہم سے سروں میں ہوتا ہے۔ مالی تعاون البتہ مہلت پاتے ہی کرنے کی سعی کر دوں گا۔ جوہنی اس قرض کا بوجھ اتر جو آ پڑا ہے۔ اس باب میں پیش قدمی کر دوں گا۔ البتہ مجھے احساس ہے کہ سب کچھ بنیادی نہیں ہے۔ جو تعاون اور اشتراک آپ چاہتے ہیں وہ یہاں سے ممکن نہیں ہے۔ اے میرا ارادہ ہے کہ جوہنی قرض کے بارے میں سبکدوش ہوں یہاں سے رخت سفر باندھوں۔ وطن عزیز میں ابھی تک کچھ بندوبست نہیں، وسیلہ معاش کا۔ دُعا فرمائیے کہ وہاں کسی کالج میں یا کسی ایسے ادارہ میں کچھ سلسلے بن جائیں جہاں لکھنے پڑھنے کا کام ہو تو آجادوں اور پھر یقیناً میرے لئے فیصلہ کن مرحلہ ہو گا کہ کس طرح پیش قدمی کروں۔ انجمن سے نہیں بلکہ فی الواقع تنظیم سے ہی مجھ کو بھی اہل دلچسپی ہے۔

نی الحال یہاں بیٹھ کر کچھ صورت حال طور پر یوں بن گئی ہے کہ جس درجہ میں بھی ممکن ہو ہر شخص اور بزرگ سے طالبانہ عقیدت کی وابستگی کے ساتھ تعاون کرتا ہوں اگر اس کے کسی کام سے اخلاص فی عمل کی کوئی خوشبو محسوس ہو۔ اس مقام پر رہنے کا تقاضا ہی نظر آتا ہے

نمازہ شمارے میں ڈاکٹر صاحب نے حالات کا جو تجزیہ کیا ہے وہ فکر انگیز ہے لیکن اس کے تمام اجزاء سے اتفاق کرنا ممکن نہیں۔ بعض امور پر ان سے گفتگو کرنے کو جی چاہتا تھا۔ یہاں سے خط و کتابت کے ذریعے یہ بھی ممکن نہیں۔

فقہی اختلافات کے سلسلے کی تاریخ کے تعلق سے ڈاکٹر صاحب نے ۴۴ علماء کے متفقہ نکات کا گفتگو میں ذکر نہیں کیا۔ ممکن ہے کہ ذہن منتقل نہ ہوا ہو۔ یا تھخیص تیار کرنے میں درج ہونے سے رہ گیا ہو۔ اس پر تبصرہ مزوری تھا۔

آپ کا ایک پرچہ۔ جو مجھے ملتا ہے میرے احباب میں گردش کرتا ہے اور اس کے بعد ہر طرح کے رد عمل سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اُمید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ ڈاکٹر صاحب کے مدراس اور امریکہ کے دوڑے کی تفصیل کا انتظار رہے گا۔ اگلا شام

وقت پر ملنا چاہیے۔ تمام رفقاء کو سلام مسنون عرض کیجئے۔ اور دعاؤں میں مجھے یاد رکھیے۔ آپ کے خط کے لئے بہت شکر گزار ہوں۔ والسلام آپ کا بھائی زبیر

● از جناب ڈاکٹر شیر بہادر خاں پٹی - ایبٹ آباد - پاکستان -  
محترمی، السلام علیکم :- ”میشاق“ ماہ ربیع الاول و آخر کے شمارہ میں  
ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر زیر عنوان ”پندرہویں صدی ہجری کا آغاز“ پر مبنی۔  
یہ تقریر ہر لحاظ سے اُثار قیامت پر احیاء نبویؐ کی بہترین، مدلل اور  
موثر تفسیر ہے اور عرب و بصرہ کا ایک خزانہ ہے۔ لیکن اس تقریر میں سعودی حکومت  
پر تنقید بہ الفاظ ”اس کا نظام حکومت اسلام کے شوریائی نظام سے تہی دست ہے  
اور وہاں ایک خاندان کی بادشاہت کا نظام چل رہا ہے“ بے جا معلوم ہوتی ہے۔  
حالانکہ سب مسلمان ممالک میں سے اس وقت سعودی حکومت ہی میں اسلامی  
نظام شریعت چل رہا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تقریر کی رد و روی میں یہ فقرہ ڈاکٹر صاحب کی زبان  
سے غیر شعوری طور پر نکل گیا۔ اگر اس تقریر کی کتابت کے بعد اُن کو نظر ثانی کا موقع  
مل جاتا تو وہ اس فقرہ کو ضرور قلم زد کر دیتے۔

جہاں تک ایک خاندان کی حکومت کا تعلق ہے۔ تو یہ بات۔ قرآن کریم کے  
نزدیک قابل اعتراض نہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام و حضرت سلیمان علیہ السلام  
رہا پ بیٹا، کی حکومت ایک خاندان کی حکومت تھی۔ یہی نہیں بلکہ حکومت اور نبوت  
بیک وقت ایک خاندان میں رہی لیکن قرآن نے اُن دونوں کو توصیف فرمائی۔

رہی مغربی طرز جمہوریت کی بات تو یہ نہ خلفائے راشدین کے عہد میں نظر  
آئی۔ اور نہ ہی مابعد کسی اسلامی سلطنت میں نہ پر عمل رہی۔ اس وقت شوریائیت،  
اہل حل و عقد کے مشورہ پر منحصر رہی۔ جو عمل اور نتیجہ کے لحاظ سے بہترین جمہوریت تھی۔  
نہ کہ موجودہ مغربی طرز حکومت کہ از مغز دو صدی فکر انسانی نے آید، جس کے نتائج  
سے اہل مغرب اب خود ہی نالاں ہیں اور مدارقی نظام کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

والسلام (ڈاکٹر) شیر بہادر ۲۲، فردری سٹریٹ

### (بقیہ عرض احوال)

محمد عقیل صاحب ناظم مالیات کی جانب سے پیش ہو کر منظور کئے گئے۔ بعدہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب مئجسٹریٹ نے ”پاکستان کا مستقبل“ کے موضوع پر مفصل خطاب کیا جو تقریباً دو گھنٹے جاری رہا۔ جس میں موصوف نے فرمایا کہ ملک کے مستقبل کا انحصار اس ملک میں اسلام کے نفاذ سے وابستہ ہے چونکہ اس کی قیام کی وجہ جواز صرف ”اسلام“ ہے۔ دوسرے مسلم ممالک اپنے یہاں اگر اسلام کو بطورِ نظام حیات جاری نہ کریں تو وہ خدا کے ہاں تو مجرم ہوں گے لیکن ملک قائم رہے گا۔ اس کے برخلاف ہم نے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ سے انعام برتا تو اس کی سلامتی و بقا کو سخت خطرہ لاحق ہو جائے گا۔ اور خدا ہی جانتا ہے کہ یہاں کس قسم کے حالات پیدا ہوں گے اور علاقائی عصبيت کا کس قسم کا عفریت سراٹھائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان لوگوں سے جن کو اسلام اور پاکستان عزیز ہے پُر زور اپیل کی کہ خود بھی صحیح مسلمان بننے کی فکر کریں اور دعوتِ تجدید ایمان - توبہ اور تجدید عہد کے علمبردار بنیں۔ اس اجلاس میں اراکین انجمن کے علاوہ کثیر تعداد میں دیگر اصحاب بھی شرکت کی۔

### جامع قرآن میں نماز جمعہ کا آغاز | قرآن اکیڈمی میں جس جگہ مسجد کی تعمیر منصوبے میں شامل تھی اس

کے محلہ کے ایک کمرے میں تو جنوری ۱۹۷۷ء ہی سے پنج وقتہ نماز باجماعت شروع ہو گئی تھی۔ الحمد للہ قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد کی تعمیر مکمل ہو گئی ہے کچھ معمولی کام باقی ہے۔ اس جامع مسجد کا نام ”جامع قرآن“ لے لیا گیا ہے۔ جمعہ ۲۷ مارچ سے الحمد للہ و المنة اس جامع قرآن میں نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ اس پہلے جمعہ میں خطبہ اور امامت کے فرائض ملک کے مقتدر عالم دین مولانا عبدالغفار حسن عمر پوری مدظلہ نے انجام دیئے۔ مولانا موصوف مدینہ یونیورسٹی مدینہ منورہ میں استاذ الحدیث ہیں اور فی الحال جامع تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد میں درس حدیث کا مہتمم بالشان کام انجام دے رہے ہیں۔

خطبہ جمعہ میں مولانا موصوف نے احکام و حکمت جمعہ پر روشنی ڈالی اور رحم کی سزا کے متعلق شرعی عدالت نے جو موقف اختیار کیا ہے اس پر تنقید کی اور فرمایا کہ احادیث صحیحہ اور تعامل و توازن امت سے یہ بات ثابت ہے کہ رحم تعزیر نہیں بلکہ



حد ششوی ہے۔ اس مسئلہ پر کسی بھی فقہی مسلک میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہ ان مسائل میں سے ہے جو متفق علیہ ہیں۔

خطبہ جمعہ سے قبل دس بجے سے بارہ بجے تک ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سورہ جمعہ کے پہلے رکوع کا درس دیا۔ اور بتایا کہ درحقیقت تذکیر بالقرآن کے مسلسل عمل کے لئے دین میں جمعہ کا نظام رکھا گیا ہے۔ مسلم شریف میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ جمعہ میں قرآن کی قرأت فرماتے تھے اور لوگوں کو تذکیر فرماتے تھے۔ اس طرح کاریہ رسالت کے چہارگانہ عمل کا نظام تلاوت آیات، ترکیبہ، تعلیم کتاب (احکام) اور تعلیم حکمت کا خطبہ جمعہ کے ذریعے امت کے لئے ہمیشہ ہمیش کیلئے مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس پہلے جمعہ میں بفضلہ تعالیٰ ساڑھے چھ سو سے بھی زائد اصحاب شریک ہوئے۔ خواتین کی بھی خاصی تعداد نے شریک کی، جن کے لئے طہارت اور وضو گاہ اور ادائیگی نماز کے لئے جامع قرآن میں بالکل علیحدہ وسیع جگہ کا انتظام کیا گیا ہے۔

**تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع** | محاضرات قرآنی کی نوروزہ مصروفیات اور امیر تنظیم اسلامی کی حضراتی صحت کے پیش نظر تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع کی تاریخوں میں ۲ تا ۶ اپریل منعقد ہونے والا تھا تو وسیع کر دی گئی تھی۔ اب ان شاء اللہ یہ اجتماع یکم تا ۴ مئی ۸۱ قرآن اکیڈمی میں ہوگا۔ یکم مئی ۸۱ کو بعد نماز مغرب اس اجتماع کا آغاز امیر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب عام سے ہوگا۔ جس میں موصوف تنظیم اسلامی کی دعوت پیش کریں گے۔ توقع ہے کہ تمام رفقاء تنظیم اس سالانہ اجتماع میں شرکت کا پورا پورا اہتمام کریں گے۔

**الہدیٰ** | قارئین میثاق کے لئے یہ اطلاع یقیناً موجب مسرت ہوگی کہ ان شمار اللہ ۳۰ اپریل جمعرات، پاکستان ٹی وی "الہدیٰ" کے نام سے درس قرآن کا ایک پروگرام شروع کرے گا جس میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے مرتب کردہ قرآنی منتخب نصاب کا آغاز کریں گے۔ جس کا پہلا درس "سورہ والعصر" ہے اور جس کی فائیت یہ ہے کہ قرآن حکیم کے مختلف مقامات پر یہ بات واضح ہو کر سامنے آجائے کہ نجات اخروی کے ناگزیر لوازم و شرائط کیا ہیں اور قرآن ایک بندہ مومن میں فکر و عمل و دنیا و اعتبار سے کون سے اوصاف حمید اور اخلاق حسنہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔

# فہرست تصانیف ڈاکٹر اسرار احمد

۶ / -	☆ تحریک جماعت اسلامی : ایک تحقیقی مطالعہ
۶ / -	☆ مطالبات دین
۱ / -	☆ اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصل کام
۳ / -	☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت -
۲ /	☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں
۳ / -	☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اردو)
۱۴ / -	☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی)
۵ / -	☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی)
۵ / -	☆ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول
۵ / -	☆ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم
- / ۷۵	☆ قرآن اور امن عالم
۲ / -	☆ راہ نجات : سورۃ العصر کی روشنی میں
۲ /	☆ علامہ اقبال اور ہم
۲ /	☆ عظمت صوم
۱ / -	☆ دعوت الی اللہ
- / ۳۰	☆ آیت الکرسی
۷ / -	☆ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ : الفاتحہ تا الکہف
۳ / -	☆ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

— کی —

دو سالہ رپورٹ

— مشتمل بر —

کارگزاری انجمن دوران سال ۷۹ء، ۸۰ء

— از قلم —

محمد بشیر ملک

ناظم اعلیٰ

— جو —

انجمن سائرانہ اجلاس عام

منعقدہ ۲۳۔ مارچ ۱۹۸۱ء میں پیش کی گئی

## مرکزی انجمنِ تہذیب القرآن لاہور

تصانیف : امام حمید الدین فراہی

- و مجموعہ تفاسیر فراہی ہدیہ - ۴۶ روپے
- و اقسام القرآن اردو ترجمہ الامعان فی اقسام القرآن ۳/۷۵
- و فہم کون ہے ؟ اردو ترجمہ القول الصحیح فی من ہولذبح ۴/۵۰
- مترجم مولانا امین احسن اصلاحی

## تصانیف : مولانا امین احسن اصلاحی

سلسلہ تدبیر قرآن :-

- و مبادی تدبیر قرآن : تدبیر قرآن کے اصول وقواعد پر اہم دستاویز ہدیہ - ۱۴ روپے
- و مقدمہ تدبیر قرآن و تفاسیر آیت بسم اللہ و سورۃ فاتحہ ۳/-
- و تدبیر قرآن جلد اول مشتمل بر مقدمہ و تفسیر از ابتداء تا سورۃ آل عمران ۵۰/-
- و تدبیر قرآن جلد دوم مشتمل بر تفسیر سورۃ نسا تا سورۃ اعراف ۵۰/-
- و تدبیر قرآن جلد سوم مشتمل بر تفسیر سورۃ انفال تا سورۃ بنی اسرائیل ۵۰/-
- و تدبیر قرآن جلد چہارم مشتمل بر تفسیر سورۃ کہف تا سورۃ قصص ۵/-
- حقیقت دین مشتمل بر حقیقت شرک حقیقت توحید حقیقت تقوی حقیقت نماز ۲۴/-
- دعوت دین اور اس کا طریق کار ۱۰/-
- اقامت دین کے لئے انبیاء کرام کا طریق کار ۱/۲۵
- قرآن اور پردہ ۱/-
- اسلامی قانون کی تدوین ۵/-
- اسلامی ریاست ۲۰/-
- پاکستانی عورت دور اسے پر ۱۰/-

## بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به و  
نتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا  
من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادي له ونشهد ان لا اله  
الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله

اما بعد :- اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

معزز اراکین انجمن - اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ مرکزی انجمن خدام القرآن مارچ ۷۲ء میں  
معروض وجود میں آئی تھی اور چونکہ انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے ایک سالانہ  
اجلاس عام ہر سال ماہ مارچ یا اپریل میں منعقد کیا جانا ضروری ہے۔ الحمد للہ  
کہ یہ اجلاس ہر سال منعقد ہوتے رہے اور بحمد اللہ آج مرکزی انجمن کا نواں سالانہ  
اجلاس عام ہو رہا ہے۔

۲۔ حضرات انجمن کی کارگزاری کی سالانہ رپورٹیں جیسے جیسے تیار ہوئیں انجمن  
کے سالانہ اجلاس میں پیش کر دی گئیں۔ مارچ ۷۲ء اور دسمبر ۷۶ء کے درمیانی  
عرصہ کی پانچ سالہ رپورٹ انجمن کے پانچویں سالانہ اجلاس منعقد ۲۱-۱۰ اپریل ۷۷ء  
میں پیش کی گئی۔ اسی کے بعد سال ۷۷ء اور ۷۸ء کی دو سالہ رپورٹ انجمن کے سالانہ  
اجلاس منعقد ۲۷-۱۰ اپریل ۷۹ء میں پیش ہوئی اور اب موجودہ رپورٹ جو آپ  
کی خدمت میں آج ۲۳ مارچ ۸۱ء کو پیش کی جا رہی ہے سال ۷۹ء اور ۸۰ء

کی مشترکہ رپورٹ ہے ۔

۳۔ عرصہ زیر رپورٹ میں انجمن کے مختلف حلقہ ہائے رکنیت میں کمی تو نہیں ہوئی۔ لیکن رکنیت کے تین حلقوں یعنی محسنین، مستقل ارکان، اور عام ارکان میں خاطر خواہ اضافہ بھی نہیں ہو سکا۔

مؤسسین جن کی تعداد دسمبر ۷۸ء میں انیس (۱۹) تھی عرصہ زیر رپورٹ ۷۹ء اور ۸۰ء میں الحمد للہ سب مؤسسین بقیہ و حیات رہے اور ان کی تعداد میں کوئی کمی واقعہ نہیں ہوئی۔

محسنین کی تعداد دسمبر ۷۸ء میں اٹھارہ (۱۸) تھی جو ۷۹ء میں ۲۱ ہو گئی اور ۸۰ء کے اختتام پر ۲۷ تک بڑھ گئی،

مستقل ارکان جو دسمبر ۷۸ء میں ۲۷ تھے سال ۷۹ء میں ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ البتہ ۱۹۸۰ء کے اختتام پر ان کی تعداد ۳۴ ہو گئی۔ اسی طرح عام ارکان کی تعداد جو دسمبر ۷۸ء میں ۱۱۶ تھی۔ ۷۹ء میں ۱۳۲ اور ۸۰ء میں ۱۴۶ ہو گئی۔ یہ صورت حال نیچے دیئے ہوئے نقشے سے ملاحظہ سے بیک نظر سامنے آ جاتی ہے۔

حلقہ ہائے رکنیت	دسمبر ۷۸	۷۹	۸۰ء	۷۹	۸۰ء	اضافہ
مؤسسین	۱۹	۱۹	۱۹	-	-	-
محسنین	۱۸	۲۱	۲۴	۳	۶	۶
مستقل ارکان	۲۴	۲۴	۳۴	-	۷	۷
عام ارکان	۱۱۶	۱۳۲	۱۴۶	۱۶	۱۴	۱۴

۴۔ یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ پہلے اجلاس عام کے موقع پر جو ۲۹-۱۰ اپریل ۷۳ء کو منعقد ہوا مؤسسین کی تعداد ۲۰، محسنین کی تعداد ۳ مستقل ارکان کی تعداد ۲۵ اور عام ارکان کی تعداد ۷۹ تھی۔ اس طرح انجمن کی تاسیس کے بعد سے ۱۹۸۰ء کے آخر تک یعنی گزشتہ ۸ سالوں میں جو مختلف حلقہ ہائے رکنیت میں کمی/بیشی ہوئی نیچے دیئے ہوئے نقشے میں درج کر دی گئی ہے۔ اس کے مطابق مؤسسین کی تعداد میں ایک

رکن کی کمی ہوئی جو نقصانے الہی سے وفات پائے۔ محسین کی تعداد میں ۲۴ کا اضافہ ہوا۔  
مستقل ارکان میں ۲۹ کا اضافہ ہوا۔ اور عام ارکان کی تعداد میں ۶۷ کا اضافہ ہوا۔

حلقہ رکنیت	تعداد اپریل ۱۹۷۳ء	تعداد دسمبر ۱۹۷۸ء
مؤسین	۲۰	۱۹
محسین	۳	۲۴
مستقل ارکان	۵	۳۳
عام ارکان	۷۹	۱۴۶

حضرات ۱۱، انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے انجمن کی ہیئت انتظامیہ ایک صدر اور ایک مجلس منتظمہ پر مشتمل ہے۔ مجلس منتظمہ اپریل ۸۰ء تک بارہ ارکان پر مشتمل تھی جس میں دس ارکان منتخب اور دو ارکان صدر مؤسس کے نامزد کردہ تھے۔ لیکن مجلس منتظمہ نے اپنے ماہانہ اجلاس میں جو ۱۶ مارچ ۸۰ء کو منعقد ہوا ایک ترمیم کے ذریعے جس کی مرکزی ریونیو بورڈ سے بھی منظوری حاصل کر لی گئی مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے بڑھا کر چودہ کر دی۔ اور یہ بھی طے کیا کہ چھ ارکان کو مؤسین اور محسین ملکر منتخب کیا کریں گے۔ اور دو کو مستقل ارکان اور چار کو عام ارکان منتخب کریں گے۔ جب کہ دو نامزد ارکان صدر مؤسس حسب سابق منتخب کیا کریں گے۔ اس طرح جہاں مجلس منتظمہ کے ارکان کی تعداد ۱۲ سے ۱۴ ہو گئی۔ وہاں مؤسین اور محسین کو ملا کر دو انتخابی حلقوں کی بجائے ایک حلقہ بنا دیا گیا۔

۶۔ مجلس منتظمہ کا انتخاب قواعد و ضوابط کی رو سے ہر دو سال بعد خفیہ رائے دہی کے ذریعے سالانہ اجلاس عام کے موقع پر ہوتا ہے۔ ۱۹۷۸ء کے انتخاب کے نتیجے میں اپریل ۸۰ء تک جو مجلس منتظمہ صدر مؤسس کی معاونت کر رہی تھی۔ اس کے ارکان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

- (۱) میاں محمد رشید صاحب
- (۲) چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
- (۳) قمر سعید تشریشی صاحب
- (۴) شیخ محمد عقیل صاحب

محسنین میں سے	(۵) اظہار احمد قریشی صاحب
	(۶) قاضی عبدالقادر صاحب
مستقل ارکان میں سے	(۷) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب
	(۸) محمد بشیر ملک
عام ارکان میں سے	(۹) چوہدری محمد حبیب اللہ صاحب
	(۱۰) حاجی محمد یوسف صاحب
نامزد ارکان	(۱۱) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب
	(۱۲) شیخ محمد یونس صاحب

۱۹۷۸ء میں انتخاب کے فوراً بعد صدر مؤسس نے منتخب ارکان میں سے مندرجہ ذیل ممبران کو انجمن کے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لئے نامزد کیا تھا۔

۱۔ ناظم اعلیٰ	محمد بشیر ملک
۲۔ معتمد	چوہدری نصیر احمد ورک صاحب
۳۔ ناظم بیت المال	میاں محمد رشید صاحب
۴۔ محاسب	حاجی محمد یوسف صاحب
۵۔ ناظم مکتبہ و نشر و اشاعت	قمر سعید قریشی صاحب

اگست ۷۹ء میں ناظم اعلیٰ کی علالت کے پیش نظر شیخ محمد عقیل صاحب کو ناظم اعلیٰ کے فرائض سونپ دیئے گئے اور شیخ صاحب موصوف آئندہ انتخاب تک یہ فرائض ادا کرتے رہے۔

۷۔ ۱۹۷۸ء کے بعد ۱۹۸۰ء انتخاب کا سال تھا۔ اس لئے سالانہ اجلاس عام کے موقع پر جو ۲۲-۱ اپریل ۸۰ء کو قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوا۔ مجلس منتظمہ کا انتخاب بھی کرایا گیا۔ اس موقع پر اقامت الحروف اللہ تبارک و تعالیٰ کی مہربانی سے صحتیاب ہو چکا تھا۔ صدر مؤسس نے ناظم انتخاب کے فرائض میرے سپرد کر دیئے یہ انتخاب ترمیم شدہ قواعد کے مطابق کرایا گیا۔ جس کے نتیجے میں مندرجہ ذیل اراکین انجمن سال ۸۰ء - ۱۹۸۱ء کے لئے مجلس منتظمہ کے رکن قرار پائے۔



- حلقہ مؤسسین اور  
محستین میں سے
- (۱) شیخ محمد عقیل صاحب  
(۲) ڈاکٹر ظہیر احمد صاحب  
(۳) ملک فضل حسین صاحب  
(۴) قمر سعید قریشی صاحب  
(۵) قاضی عبدالقادر صاحب  
(۶) چوہدری نصیر احمد ورک صاحب  
(۷) ڈاکٹر نسیم الدین خواجہ صاحب  
(۸) محمد بشیر ملک  
(۹) چوہدری حبیب اللہ صاحب  
(۱۰) الطاف حسین صاحب  
(۱۱) پروفیسر اختر الحسن بھٹی صاحب  
(۱۲) شیخ محمد اشرف صاحب
- مستقل ارکان میں سے
- عام ارکان میں سے
- مندرجہ ذیل دو حضرات کو صدر موسس نے نامزد کیا -  
(۱۳) میاں محمد رشید صاحب  
(۱۴) میاں ظہور الحق صاحب
- مندرجہ بالا انتخاب کے بعد مجلس منتظمہ کے مابین اجلاس منعقدہ ۲۶ اپریل ۸۰ء  
میں صدر موسس نے مختلف شعبوں کی نگرانی کے لئے مندرجہ ذیل اعزازی ناظمین مقرر  
کئے

- (۱) ناظم اعلیٰ محمد بشیر ملک  
(۲) مختمہ چوہدری نصیر احمد ورک صاحب  
(۳) ناظم بیت المال شیخ محمد عقیل صاحب  
(۴) محاسب شیخ محمد اشرف صاحب  
(۵) ناظم مکتبہ و نشر و اشاعت قاضی عبدالقادر صاحب
- ۸ سال ۷۹ء اور ۸۰ء کی منتخب مجالس منتظمہ اپنے اپنے عہدہ بدت کی  
دوران انجمن کے روزمرہ کے کام کو بہتر طریقہ پر انجام دینے کے لئے اور انجمن کے

مقاصد کے حصول کے لئے صدر مؤسس کی معاونت کرتی رہیں۔ قواعد و ضوابط کے مطابق ماہانہ اجلاس باقاعدگی سے ہوتے رہے جن میں انجمن کو درپیش مسائل اور انتظامی معاملات زیر غور آتے رہے۔ اور ان کے متعلق مفید مشورے دیئے گئے۔ سال ۷۹ء ۸۰ء ۸۱ء میں مجلس منتظمہ کے علی الترتیب گیارہ اور سترہ اجلاس ہوئے۔ ۷۶ء میں ایک اجلاس کورم پورانہ ہونے کی وجہ سے منعقد نہ ہو سکا۔ اور سال ۸۰ء میں ماہانہ اجلاس کے علاوہ پانچ خصوصی اجلاس منعقد کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

حضرات انجمن کی ہیئت تعلیمی کے متعلق مندرجہ بالا گزارشات کے بعد اب انجمن کی دیگر سرگرمیوں کے بارے میں گزشتہ دو سالوں کی رپورٹ پیش خدمت ہے۔

## قرآن اکیڈمی

مرکزی انجمن خدام القرآن کے اغراض و مقاصد میں ایک اہم مقصد جیسا کہ آپ حضرات کے علم میں ہے ایک ایسی قرآن اکیڈمی کا قیام ہے جو قرآن مجید کے فلسفہ و حکمت کو وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر پیش کر سکے۔ انجمن کے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تعمیر کا آغاز ۱۳ جنوری ۷۶ء کو کیا گیا تھا اور اس کے متعلق سابقہ سالانہ رپورٹوں میں بھی معلومات فراہم کی جا چکی ہیں۔ سال ۷۸ء کی رپورٹ میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ قرآن اکیڈمی کی تعمیر کا کام ان شاء اللہ العزیز سال ۷۹ء میں مکمل ہو جائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ہم مفسر سعی و جہد ہی کر سکتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے ہماری پوری کوشش کے باوجود ۷۹ء تک قرآن اکیڈمی کی تکمیل نہ ہو سکی اور تعمیر کا کام اللہ کا شکر ہے کہ اب کہیں جا کر آخری منازل طے کر رہے ہیں اور اس وقت بھی چمک دمک اور نوک پلک درست کرنے کا کام ابھی باقی ہے۔

۱۱۔ قرآن اکیڈمی کی عمارت جس میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے دفاتر بھی ہیں چھ کنال کے پلاٹ ۳۶/ کے ماڈل ٹاؤن لاہور پر تعمیر کی گئی ہے۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر کے مختلف مراحل کے متعلق سابقہ سالانہ رپورٹوں میں بھی بحث کی جا چکی ہے۔ ان کے بعد تعمیر جاری رہی اور جو حصے اب تک معرض وجود میں آچکے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ رہائشی بلاک جو آٹھ کوارٹروں پر مشتمل ہے۔ چار کوارٹر پہلی منزل پر ہیں اور چار کوارٹر دوسری منزل پر۔ ہر کوارٹر میں تین کمرے، بستور، باورچی خانہ، غسل خانہ، اور کمروں کے درمیان نشست گاہ ہے۔ پہلی منزل کے کوارٹروں کے پیچھے صحن ہے اور بالائی منزل میں چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں مہیا کر دی گئی ہیں اور چھت پر ایک برساتی بھی تعمیر کر دی گئی ہے۔ ہر کوارٹر میں پانی، گیس اور بجلی کی سہولت موجود ہے۔  
۲۔ نچلے درجہ کے عملے کے لئے تین سنگل روم کوارٹر تعمیر کئے ہیں اور ہر ایک میں ایک کمرہ ایک برآمدہ، ایک غسل خانہ اور صحن موجود ہے۔ ان کوارٹروں میں بھی پانی، بجلی اور گیس کی سہولت موجود ہے۔

۳۔ قرآن اکیڈمی کے طلباء کے لئے دو منزلہ ہاسٹل تعمیر کیا گیا ہے جسے دارالافتاء کا نام دیا گیا ہے۔ ہر منزل میں پانچ کیوبیکل اور تین ڈار میٹریاں ہیں۔ اس ہاسٹل کی پہلی منزل میں سردست انجمن کے صدر دفاتر کو جگہ دی گئی ہے۔ اور دوسری منزل میں معہد ثانوی جس کا ذکر آگے آئے گا کے طلباء کو رکھا گیا ہے۔ ہاسٹل پر مزید چار منزلیں تعمیر کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

۴۔ تدریس کے لئے دو کلاس روم اور ایک ہال تہہ خانے میں تعمیر کئے گئے ہیں۔  
۵۔ تہہ خانے کے اوپر ایک مسجد ہال تعمیر کیا گیا ہے جسے جامع قرآن کا نام دیا گیا ہے مسجد ہال کے اطراف میں دائیں اور بائیں جانب خواتین کے لئے ہال اور ایک اسٹیج کی تعمیر کی گئی ہے۔ جو مسجد ہی کا حصہ ہیں۔ مسجد کے آگے صحن ہے اور صحن کی دائیں جانب وضو کرنے کی جگہ اور چار غسل خانے ہیں۔ خواتین کے لئے اپنے ہال تک پہنچنے کے لئے الگ گزرگاہ بنائی گئی ہے۔ اور وضو کرنے کی جگہ اور دو غسل خانے مہیا کئے گئے ہیں

۶۔ ہاسٹل کے طلباء کے لئے ایک باورچی خانہ اور متعدد غسل خانے اور طہار خانے الگ الگ تعمیر کئے گئے ہیں۔

۱۲۔ ۲۱۔ اپریل ۱۹۷۷ء کے سالانہ اجلاس میں جو پانچ سالہ رپورٹ پیش کی گئی تھی اس میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ قرآن اکیڈمی کے پورے منصوبے کی تکمیل پر اندازاً پندرہ لاکھ روپے صرف ہوں گے۔ ۱۹۸۰ء کی بیلنس شیٹ کے مطابق دسمبر

۸۰ء تک اس منصوبے پر ۹۹، ۳، ۱۶ روپے خرچ ہو چکے ہیں اور کچھ کام ابھی باقی ہے۔  
۱۳۔ جہاں تک قرآن اکیڈمی میں علمی اور تدریسی سرگرمیوں کا تعلق ہے قرآن اکیڈمی کے قیام کا مقصد تو یہ ہے کہ یہ عمومی دعوت و تبلیغ کا ایک ایسا ادارہ بن جائے جو ایک طرف تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دے اور دوسری طرف ایسے ذہین نوجوان تلاش کرے جو پیش نظر عملی کام کے لئے زندگیاں وقف کرنے کو تیار ہوں۔

حضرات، جہاں تک تو عوام کو تجدید ایمان اور اصلاح اعمال کی دعوت دینے کا تعلق ہے اس ضمن میں جو کام کیا گیا ہے اس کی تفصیلات تبلیغی سرگرمیوں کے عنوان کے تحت اسی رپورٹ کے اگلے صفحات میں درج کر دی گئی ہیں۔ لیکن جہاں تک پیش نظر کام کے لئے نوجوانوں کی تلاش کا تعلق ہے میں چند سنہری الفاظ اور خوبصورت محاورات کا سہارا لے کر اس رپورٹ کے صفحات کو مزین کرنا نہیں چاہتا بلکہ حالات و حقائق پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ آپ کے گوش گزار یہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہم ناامید ہرگز نہیں ہیں گھونسلے تیار کر دیئے گئے ہیں پرندے جب بھی اُکڑ بسیرا کر لیں وہ اپنی نشوونما کا بندوبست موجود پائیں گے۔ اس ضمن میں انجمن کی طرف سے جو کوششیں کی گئی ہیں وہ آپ حضرات کے سامنے ہیں۔ اور جنہیں میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

حضرات، آپ کو معلوم ہے کہ ایک صاحب خیر نے قرآن اکیڈمی کے قیام سے پہلے چھ کنال کا ایک پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے بی بلاک میں انجمن کے نام کر دیا تھا۔ لیکن جامعہ پنجاب کے نوجوان طلباء سے قریبی رابطہ کی غرض سے اس پلاٹ کو فروخت کر دیا گیا اور اس کے عوض اس رقبے کا ایک پلاٹ ماڈل ٹاؤن کے بلاک کے میں خرید لیا گیا جس پر قرآن اکیڈمی تعمیر کی گئی ہے۔ یہ پلاٹ جامعہ پنجاب کے ہاسٹلوں سے صرف نصف میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں جو نہی دو کمرے ایک ہال تدریس کے لئے اور ہاسٹل کی پہلی منزل تعمیر ہو گئی انجمن کی طرف سے مشہری کر دی گئی کہ یونیورسٹی اور کالجوں میں زیر تعلیم جو نوجوان قرآن اکیڈمی میں رہائش رکھنے کے خواہش مند ہوں انہیں رہائش پانی اور بجلی کی سہولتیں بغیر کسی معاوضہ کے

دی جاتیں گی۔ شرط صرف یہ رکھی گئی کہ ایسے طلباء کو حکمت قرآنی، عربی اور حدیث سیکھنے کے لئے ایک گھنٹہ روزانہ قبل از نماز مغرب اور ایک گھنٹہ بعد از نماز مغرب اس مقصد کے لئے وقف کرنا ہوگا۔ ضروری کوائف حاصل کرنے کے لئے ایک فارم داخلہ وضع کیا گیا تدریس کے لئے معلم کا بندوبست کیا گیا۔ صدر مؤسس نے بھی تدریس کے معاملہ میں ذاتی دلچسپی لی اور سولہ لڑکوں پر مشتمل ایک کلاس کا اجراء ہو گیا۔ کچھ عرصہ تک تو یہ کلاس پروگرام کے مطابق جاری رہی لیکن پھر یہ حقیقت سامنے آئی کہ کلاس کے شرکار طالب علم الا ماشاء اللہ اکثر ایسے تھے جو رہائش کے مسئلے سے دوچار تھے اور انہوں نے دینی تعلیم کی بجائے قرآن اکیڈمی میں اقامتی سہولتوں کی خاطر ادھر رجوع کیا تھا۔ اس لئے جوں جوں ان کا اکیڈمی سے باہر رہائش کا مسئلہ حل ہوتا گیا انہوں نے کالج اور یونیورسٹی کے ہاسٹل میں اپنے بھولیوں کے ہمراہ رہنا زیادہ پسند کیا۔ ان طلباء میں ایسے بھی تھے جنہیں مستحق گردانتے ہوئے انجمن کی طرف سے رہائش کے علاوہ طعام کے اخراجات میں بھی امداد دی گئی تھی۔ مگر جونہی ان کی دنیوی تعلیم پوری ہوئی وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ طلباء اس طرح آتے اور جاتے رہے۔ یہاں تک کہ کلاس کی باقاعدگی ختم ہو گئی۔ اور اس وقت صورت حال یہ ہے کہ کالج اور یونیورسٹی کی سطح کے صرف تین چار طالب علم اکیڈمی کے ہاسٹل میں اقامت پذیر ہیں۔

۱۲۔ معہد ثانوی اپریل ۸۰ء میں انجمن کی طرف سے ایک نئی تعلیمی اسکیم کے تحت مڈل پاس یا اس کے مساوی تعلیم کے حامل طلباء سے قرآن اکیڈمی میں ایک اقامتی درس گاہ کے آغاز کا اعلان کیا گیا اس اسکیم کے مطابق طلباء کو اصلاً دو زبانیں سیکھنے پر پڑھائی جانے کا اہتمام تھا۔ یعنی عربی اور انگریزی اور ان کے علاوہ میٹرک کے لازمی مضامین یعنی اسلامیات، اردو، مطالعہ پاکستان اور اختیاری مضامین میں سے جنرل سائنس اور جنرل ریاضی لازمی طور پر اور اسلامیات اور شہریت (سوکس) میں سے کوئی ایک مضمون پڑھایا جانا شامل تھا۔ اور دو سال میں پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دلوانے کا بندوبست تھا اور اگلے سال ادیب عربی کا امتحان دلویا جانا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ اس طرح ایک اضافی سال

کے صرف سے دینی اور دنیوی دونوں میدانوں میں اعلیٰ تعلیم کا راستہ کھل جائے گا۔ اور اگر اللہ کو منظور ہوا تو اس اسکیم کو آگے بڑھا کر ایک جانب بی۔ اے اور دوسری جانب فاضل عربی کے امتحانات دلوا دیے جائیں گے۔ ساتھ ہی اس درس گاہ کے طلباء کی دینی اور اخلاقی تربیت کا بھرپور اہتمام اسکیم کا جزو لاینفک تھا تا کہ طلباء میں نہ صرف صحیح اسلامی اخلاق پیدا ہوں بلکہ اعلیٰ کلمۃ اللہ کی سعی کا جذبہ اور حصول مرتبہ شہادت کا شوق پیدا ہو اور ان ہی میں سے ایک طرف اعلیٰ معیار کے محقق اور مصنفین پیدا ہو سکیں تو دوسری طرف دعوت و تحریک اسلامی کو مخلص کارکن مہیا ہو جائیں۔

اس اقامتی درس گاہ میں قیام و طعام کا بندوبست بھی ضروری تھا۔ لہذا طلباء کے لئے اڑھائی صد روپیہ ماہنامہ کی ادائیگی و وعدہ برائے طعام اور پچاس روپے بطور فیس ضروری قرار دی گئی۔ البتہ باصلاحیت اور ذہین طلباء کو جن کے والدین خرچ برداشت نہ کر سکتے ہوں انجن کی طرف سے ان کو کل یا نصف کے برابر وظیفہ دینے کی گنجائش اسکیم میں رکھی گئی۔

اس اسکیم کے تحت ۱۶ طلباء نے داخلے کی درخواست کی جن میں چودہ رہائشی اور دو غیر رہائشی تھے اور چونکہ یہ تعداد بہت کم تھی اس لئے بغیر ٹیسٹ لئے ان سب کو داخل کر لیا گیا۔ اور ۱۵ مئی ۱۹۸۱ء سے مجوزہ درس گاہ کا آغاز کر دیا گیا۔ اس طرح افتتاحی کلاس میں جہاں چند اچھے طلباء بھی شامل ہوئے وہاں ایسے طلباء بھی داخل ہو گئے جن کا تعلیمی اور ذہنی معیار اول الذکر طلباء سے بہت نیچے تھا۔ ایسے کچھ طلباء رفتہ رفتہ درس گاہ سے کنارہ کش ہو گئے اور اس وقت طلباء کی تعداد کم ہو کر دس رہائشی اور ایک غیر رہائشی رہ گئی ہے۔

اس درس گاہ پر جسے معہد ثنائی کا نام دیا گیا ۱۵ مئی ۱۹۸۰ء سے دسمبر ۱۹۸۰ء تک جو اخراجات ہو چکے ہیں ان کی تفصیل تو آپ کو اس رپورٹ سے منسلک انجن کے اکاؤنٹ کے گوشواروں میں ملے گی۔ مگر کل رقم جو انجن نے معہد ثنائی کے اخراجات پورے کرنے کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے صرف کی وہ ۲۱۲۶۸ روپے ہے۔ اس ضمن میں یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تین مستحق طلباء کے ماہانہ اخراجات

لازمہ انجمن کے وابستگان میں سے دو حضرات نے لیا ہوا ہے۔ اور وہ مقررہ رقم انجمن کو ادا کر رہے ہیں۔

۱۵۔ ایک نئی اسکیم: قرآن اکیڈمی کے نصب العین کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے ایک تیسری اسکیم کا ابتدائی خاکہ صدر مونس نے مجلس منتظمہ کے ماہانہ اجلاس منعقدہ ۱۵۔ اگست ۱۹۸۰ء میں پیش کیا تھا۔ تجویز یہ تھی کہ آئندہ سال سے ایم اے یا ایم ایس سی پاس طلباء کے لئے جو قرآنی تعلیم میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہوں دو سالہ تربیتی کورس منعقد کیا جائے۔ جس کے دوران شرکار کو پانچ صد روپیہ ماہانہ وظیفہ بھی دیا جائے۔ مزید یہ کہ اس کورس میں پی ایچ ڈی حضرات کو بھی دعوت شمولیت دی جائے، بشرطیکہ وہ ہمہ وقت قرآن اکیڈمی کے پروگرام کے مطابق شرکت کر سکیں۔ یہ تجویز منظور کی گئی اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا مگر افسوس کہ اس اسکیم پر لبیک کہنے والا کوئی نہ ملا۔ اس تجویز پر مجلس منتظمہ نے اپنے اجلاس مورخہ ۱۲۔ دسمبر ۸۰ء میں دوبارہ غور کیا اور غور و فکر کے بعد مجلس منتظمہ کی غالب اکثریت اسی حق میں پائی گئی کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان جو ایم اے یا ایم ایس سی پاس کرنے کے بعد اپنی زندگیوں کی حکمت و فائدہ سمجھنے اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے وقف کرنے پر آمادہ ہوں ایسے زیر تربیت طلباء کو ماہانہ وظیفہ پانچ صد کی بجائے ساٹھ سے سات سو دیا جائے۔ لیکن اس بارے میں حتمی فیصلہ آئندہ ماہانہ اجلاس تک التوا میں رکھا گیا۔ اور آئندہ اجلاس میں جب یہ تجویز پھر زیر غور آئی تو فیصلہ یہ کیا گیا کہ اس پروگرام کی تفصیلات آئندہ سالانہ اجلاس کے موقع پر وابستگان انجمن کے عمومی اجلاس میں طے کی جائیں۔ مجھے اُمید ہے کہ جناب معتمد چوہدری نصیر احمد ورک صاحب آج اس تجویز کو حتمی فیصلے کے لئے آپ کے سامنے رکھیں گے۔

## تبلیغی سرگرمیاں

۱۶۔ قرآن اکیڈمی کی تعمیر اور منصوبے کا جائزہ پیش کرنے کے بعد اب میں عرصہ زیر رپورٹ کے دوران مرکزی انجمن خدام القرآن کی تبلیغی سرگرمیوں کے متعلق ایک

تقرر رپورٹ آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں ۔

حضرات ، جیسا کہ آپ کے علم میں ہے انجمن کے دعوتی اور تبلیغی پروگرام کامرکزی کردار انجمن کے صدر موسس کی ذات گرامی ہے ۔ وہی اپنی تحریک کے محرک اور راہی ہیں ان کے اطوان و انصار میں سے بحمد اللہ کچھ نوجوان ان کے راستے پر کامزن ہونے کی سعی کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے ارادوں اور کوششوں کو کامیاب فرمائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ گزشتہ آٹھ سال سے انجمن کی تبلیغی سرگرمیاں اسی ایک محور کے گرد گھوم رہی ہیں نتیجتاً ڈاکٹر صاحب کی صحت پر بخوشگوار اثرات کا مرتب ہونا ایک قدرتی بات تھی اور وہ ایک دفعہ تو ایسا بھی ہوا کہ ان کو بحالی صحت کی خاطر سلسلہ درس بند کر دینا پڑا بہر حال جب تک اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہے ۔ ڈاکٹر صاحب سے سرگرم عمل رہنے کی اُمید قائم ہے ۔

۱۷۔ درس کی مستقل نشستیں تو لاہور ہی میں ہیں جہاں مسجد شہداء میں سلسلہ دار درس قرآن جاری ہے اور ہر جمعہ کو صبح دس بجے سے قریبا ساڑھے گیارہ بجے تک درس دینے کا اہتمام ہے ۔ پھر اس روز مسجد دارالسلام باغ جناح میں اجتماع جمعہ سے خطاب کیا جاتا ہے اور یہاں بھی تذکیر بالقرآن کا سلسلہ ایک عرصے سے جاری ہے ۔ ملکی ریڈیو اور ٹیلیوژن کے ذریعے بھی جب کبھی ان محکموں کی انتظامیہ کی طرف سے دعوت موصول ہوتی قرآن حکیم کا پیغام عوام الناس تک پہنچایا گیا ۔ انجمن کے اپنے جریڈے مابانہ میثاق کے ذریعے تبلیغ ہوتی رہی ۔ اس کے علاوہ لاہور اور بیرون لاہور سے جب بھی کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے کی طرف سے دعوت ملی اس کو نصیحت جان کر بلا تا مل قبول کیا گیا ۔ بیرون ملک کینڈا اور امریکہ سے کچھ احباب کی طرف سے دعوت ملی تو سال ۷۹ء اور ۸۰ء میں ان ممالک کا سفر اختیار کیا گیا ۔ اس طرح اندرون ملک اور بیرون ملک جو تبلیغی کام کیا گیا اس کے متعلق ایک اجمالی رپورٹ آئندہ سطور میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے ۔

۱۸۔ سال ۷۹ء میں عید میلاد النبی سرکاری طور پر باقاعدہ جشن کے طور پر منائی گئی اور سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں سیرت النبی کے اجتماعات منعقد ہوئے تو ابلاغ و تبلیغ کے اعتبار سے ان کی اہمیت کے پیش نظر ڈاکٹر صاحب نے بھی ان اجتماعات میں حصہ لیا اور ۲۹ جنوری ۷۹ء سے لے کر ۷ مارچ ۸۰ء تک ۳۸ دنوں میں



۳۸ تقریریں سیرت النبیؐ کے موضوع پر کہیں جن میں سے ۱۹ لاہور میں اور ۱۹ بیرون لاہور کی گئیں اور اس عرصہ کے دوران دروس قرآن اور خطبات جمعہ کے معمولات میں بھی کوئی فرق نہ آیا ان ایام میں مصروفیت کا یہ عالم رہا جو میں ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ جمعہ ۹ فروری کو ڈاکٹر صاحب نے پہلے مسجد شہداء میں معمول کے مطابق دو گھنٹے درس قرآن دیا پھر مسجد دارالسلام میں خطبہ جمعہ دیا اور نماز پر حلالی پھر تین بجے سہ پہر پاکستان اسکاؤٹ گروپ کے اجتماع میں تقریباً پون گھنٹہ تقریر کی پھر سید فیصل آباد روانہ ہو گئے جہاں بعد نماز عشاء لگ بجگ دو گھنٹے کی تقریر یونیورسٹی کے سینٹ ہال میں ہوئی پھر راتوں رات وہاں سے لاہور واپس آ گئے۔ حضرات! یہ ایک واقعہ میں نے مثال کے طور پر تحریر کیا ہے ورنہ دوران سال اس قسم کی اور بھی مثالی مصروفیات ہیں، جو بیان کی جاسکتی ہیں۔ ایسی مصروفیات ڈاکٹر صاحب کی صحت پر اثر انداز ہوتی رہیں۔ مگر محض اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے طبیعت میں ایک شدید رد عمل کے باوجود انہوں نے ماڈل ٹاؤن کی جامع مسجد امی بلاک، مسجد مڑھیاں، جامع مسجد شاہ جمال کالونی، جامع مسجد پونچھ ہاؤس کالونی، مسجد المدینۃ الفسطی روڈ، مصطفیٰ آباد اور مسجد ذیلداراں ڈھولوال سرکاری محکموں میں دفتر اڈیٹر جنرل پاکستان دفتر کمشنر، انکم ٹیکس، دفتر اے پی پی۔ ریویو ہیڈ کوارٹر آفس دفتر ایس ای واپڈا۔ پی سی ایس آئی اور فوجی جوانوں کا ایک اجتماع پاک اسکاؤٹس گروپ دفتر لائف انشورنس۔ تعلیمی اداروں میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج۔ ایچی سن کالج پاک مدرسہ برائے طالبات اچھرہ۔ گورنمنٹ گرنز کالج برائے خواتین۔ ماڈل ٹاؤن لاہور میں سیرت النبیؐ پر تقاریر کیں۔

۱۹۔ اسی طرح کراچی میں آٹھ تقریریں کی گئیں جن میں سے آخری تقریر تو ایک ایسے اجتماع میں تھی جو جلسہ عام کا منظر پیش کر رہا تھا جس میں دو ڈھائی ہزار افراد شریک تھے۔ اس طرح حیدر آباد۔ سکھ ملتان۔ فیصل آباد اور اسلام آباد کے اجتماعات میں تقاریر کی گئیں۔ یہ سب تقاریر ربیع الاول میں سیرت النبیؐ کے موضوع پر ہوئیں۔ اگر میں عرصہ زیر رپورٹ یعنی سال ۷۹۔ ۸۰ء میں کی جانے والی تمام تقریروں کا ذکر کرنے لگوں تو یہ ایک لامتناہی سلسلہ بن جائے گا۔ اور رپورٹ کی غیر ضروری طوالت کا

باعث بنے گا۔ تقریر کے ذریعہ تبلیغ و ابلاغ قرآن کے لئے جو کچھ ہوا اس کا آپ مندرجہ بالا اجمالی رپورٹ سے اندازہ کر سکتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی تائید و نصرت سے ممکن ہو سکا۔ **قلہ الحمد والمنة**۔

## تبلیغ بذریعہ ریڈیو اور ٹی وی | ۲۰۔ جنوری ۷۹ء میں

ہر جمعہ کی صبح کو ریڈیو پاکستان سے سورہ الاعراف کی احسن ریکارڈہ آیات کی تشریح پر مشتمل چار تقریریں نشر کی گئیں۔ اس طرح فروری ۷۹ء میں بھی سورہ انفال کی ابتدائی دس آیات کی تشریح پر مشتمل چار تقریریں ہر جمعہ کی صبح کو نشر ہوئی اور پھر اس سورہ مبارکہ کی آیات ۱۱ تا ۱۸ پر مشتمل تین تقاریر ماہ مارچ میں پہلے تین جمعوں کی صبح ریڈیو پاکستان سے نشر ہوئیں۔ بعد ازاں دو تقریریں مزید نشر کی گئیں جن میں سورہ انفال کی آیات ۲۰ تا ۲۳ کی تشریح کی گئی پھر سورہ یونس کی آیات ۷۱ تا ۷۶ کی تشریح پر مشتمل ۲ تقریریں نشر کی گئیں۔ ان نشری تقاریر کا سلسلہ عرصہ زیر رپورٹ کے دوران جاری رہا۔ ان میں سے بعض نشری تقریریں انجن کے ماہانہ جریدہ ”میتاق“ میں طبع کر کے قارئین کی نظر کر دی گئی ہیں۔

۲۱۔ ابلاغ قرآن کے لئے جیسا کہ اوپر تحریر کیا جا چکا ہے۔ ٹیلی ویژن کو بھی استعمال کیا گیا اور اس ضمن میں پاکستان ٹیلی ویژن کا رپورٹیشن اور حکومت نے جب بھی موقع فراہم کیا اسے بخوشی قبول کرتے ہوئے اور غنیمت جان کر اپنے مقصد کے حصول کے لئے تقاریر ٹیلی کاسٹ کرائی گئیں۔ ”الکتاب“ کے عنوان سے سال ۷۸ء کے رمضان المبارک میں روزانہ ایک پارہ کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا۔ یہی پروگرام ۷۹ء کے رمضان المبارک میں دہرایا گیا۔ پھر سال ۱۹۸۰ء کے رمضان المبارک میں ”الف۔ لام۔ میم“ کے عنوان سے روزانہ حروف مقطعات والی سورتوں کا خلاصہ بیان کیا گیا۔

علاوہ انہی اپریل ۷۹ء میں پاکستان ٹیلی ویژن لائبریری کے پروگرام ”نظام زندگی“ کے تحت ”اسلام میں اقلیتوں کا مقام“ کے موضوع پر ایک تقریر ریکارڈ کرائی گئی اور ۸۰ء میں پروگرام ”ام الکتاب“ کے لئے تین تقاریر ریکارڈ کرائی گئی جو پاکستان ٹیلی ویژن لاہور نے نشر کیں یہ چند ایک مثالیں ہیں جو آپ کی اطلاع کے لئے یہاں درج کر دی گئیں ہیں۔ ورنہ ٹی وی کے کئی اور پروگرام بھی ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب نے انجن

کے مقصد کے فروغ کے لئے تقریریں کیں اور مذاکرات میں حصہ لیا۔

## بیرون ممالک تبلیغی دوسے | ۲۱ - سال ۱۹۷۹ء اور ۸۰ء کے دوران اللہ تعالیٰ نے بیرونی ممالک

میں تبلیغ کے لئے مواقع فراہم کئے۔ ڈاکٹر صاحب کے دروس کے تذکرے امریکہ، کینیڈا، اور بعض دیگر ممالک میں کچھ عرصہ سے ہو رہے تھے۔ لیکن تعارف کا ایک موثر ذریعہ ڈاکٹر صاحب کے کیسٹ تھے جو لوگ ڈاکٹر صاحب کے درسوں میں شریک ہوتے رہے وہ جب ملازمت یا کاروبار کے سلسلے میں بیرون ممالک گئے تو ان میں سے بعض حضرات دروس کے کیسٹ بھی ساتھ لے گئے ان حضرات کی وساطت سے بیرونی ممالک میں مطالعہ قرآن کے لئے حلقے بھی قائم ہوئے جہاں ڈاکٹر صاحب کے دروس کے کیسٹ سنے گئے اور رفتہ رفتہ دروس قرآن کے لئے حلقوں کی طرف سے دعوت نامہ آنے شروع ہو گئے ۱۹۷۹ء میں امریکہ اور کینیڈا میں قائم اسلامی اداروں کی طرف سے دعوت نامے موصول ہونے پر دورے کا ایک پروگرام متب کیا گیا۔ بالٹی مور (امریکہ) میں نماز عید الفطر کی امامت اور اجتماع کو خطاب کرنے کا پروگرام بنا پھر اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن کے سالانہ اجلاس جو امریکہ کے شہر ویلاس میں ۳۰ اگست کو ہو رہا تھا مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنے اور انگریزی زبان میں پیر پیچے کی دعوت ملی۔ علاوہ ازیں کینیڈا کے شہر ٹرانٹو میں دو ہفتوں کے دوران منتخب قراء نصاب کا درس بھی پروگرام میں شامل تھا اس پروگرام کے دوران جو ۲۱ اگست ۷۹ء سے یکم ۸۰ء اکتوبر کو ختم ہوا۔ بالٹی مور۔ ڈلاس۔ شکاگو۔ ٹرانٹو کے علاوہ کئی دوسرے مقامات پر بھی درس کی محفلیں ہوئیں۔ ۷۹ء کے دورہ کے دوران ڈاکٹر صاحب کے دروس قرآن کا یہ اثر ہوا کہ سال ۸۰ء میں دوبارہ دورے کی دعوت دیں مل گئی جس کے نتیجے میں ۲۳ اگست ۸۰ء سے شروع ہو کر لگ بھگ دو ماہ کینیڈا اور امریکہ کا پھر دورہ کیا گیا۔ ٹرانٹو میں دو ہفتے مسلسل درس قرآن اور خطائے عام کا سلسلہ جاری رہا۔ یہیں سے دو دنوں کے لئے اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارٹھ امریکہ کے سالانہ کنونشن میں شرکت کی جو اس دفعہ نیواگرا میٹ کے ہوٹل شرٹن میں منعقد ہوا۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے ”پندرہویں صدی ہجری کے چیلنج“

خطرات اور توقعات کے عنوان پر مقالہ پڑھا۔ اس سال مسلسل گیارہ دن شکاگو میں قیام رہا۔ جہاں روزانہ درس قرآن کے علاوہ بہت اجتماعات میں خطاب کیا گیا۔ اس دورے کی تفصیلات بھی ماہنامہ میثاق میں چھپ چکی ہیں۔ سال ۸۰ء کے دورے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ انٹو اور شکاگو دونوں شہروں میں ذیلی انجمن خدام القرآن کا قیام عمل میں آچکا ہے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان انجمنوں کے مؤسسين کو استقامت اور بہت عطا فرمائے اور یہ انجمن فعال بن کر کینیڈا اور امریکہ میں دین خداوندی کو پھیلانے کا ایک مؤثر ذریعہ بن سکیں۔

۲۲ - ۱۹۸۰ء کے دورہ کینیڈا اور امریکہ کے متصلاً قبل اسلام آباد میں حکومت پاکستان کے زیر اہتمام علماء کنونشن منعقد ہوا تھا۔ جس میں ڈاکٹر صاحب کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی تھی اور کنونشن سے چار روز قبل ۱۷ اگست کو مجوزہ کنونشن کے ضمن میں جو خصوصی مشاورتی اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اس میں بھی محترم صدر پاکستان کی خواہش کے مطابق ڈاکٹر صاحب نے شرکت کی۔

۲۳ - مارچ ۱۹۸۰ء میں جشن دیوبند منعقد ہوا جس میں شرکت کی دعوت ملنے پر ڈاکٹر صاحب دیوبند تشریف لے گئے۔ اس سے قبل ماہ فروری ۸۰ء میں ڈاکٹر صاحب نے علی گڑھ اور لکھنؤ کا سفر اختیار کیا اور اس سفر کے دوران حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ اور مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کے ملاقاتیں ہوئیں ان دونوں اسفار کی تفصیلات میثاق میں شائع ہو چکی ہیں۔ یہاں اگر انہیں دھرایا جائے تو غیر ضروری طوالت کے مترادف ہو گا۔

۲۴ - دعوت تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ | **شعبۂ نشر و اشاعت** | نشر و اشاعت ہے۔ انجمن کے اس شعبے

میں مرکزی انجمن کا ایک کتب خانہ عرصہ زیر رپورٹ میں بفضل تعالیٰ مسلسل کام کرتا رہا اور انجمن کا ماہانہ جریدہ میثاق بھی اپنی روایتوں کو برقرار رکھتے ہوئے ایک علمی اور دعوتی حیثیت سے جاری ہوتا رہا۔ میں پہلے میثاق کے متعلق کچھ عرض کر دینا اور بعدہ مکتبہ کی کارگزاری آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔

۲۵ - عرصہ زیر رپورٹ یعنی جنوری ۷۹ء سے لے کر دسمبر ۸۰ء کے دوران میثاق

کی اٹھائیسویں اور انیسویں جلد میں شائع ہوئی۔ جنوری فروری ۷۹ء اور مئی جون کے شمارے ایک ساتھ شائع کرنے پڑے لیکن مارچ، اپریل اور جولائی تا دسمبر ۷۹ء میثاق ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا۔ سال ۸۰ء میں ان وجوہات کی بنا پر جو میثاق میں بیان ہوتی رہی یہ رسالہ صرف سات بار شائع ہو سکا۔ فروری۔ اپریل اگست اکتوبر۔ اور دسمبر میں دو۔ دو ماہ کا شمارہ یکجا کر کے شائع کرنا پڑا اور اس طرح ۷۹ء میں کل دس اور ۸۰ء میں کل سات شمارے شائع ہو سکے۔ مگر قارئین میثاق نے محسوس کیا ہو گا کہ باقائمت کہنہ اور باقیمت بہتر کے مصداق ان شماروں میں جو مضامین قارئین کی نظر کئے گئے وہ قدر و قیمت کے اعتبار سے بیش بہا موتیوں سے کم نہ تھے۔

ڈاکٹر صاحب کی نشری تقاریر اور تحریروں کے علاوہ قرآن کا تفسیروں میں بلند پایہ دانشوروں اور علمائے کرام نے جو مقالے پڑھے وہ میثاق میں شائع کئے گئے۔ علاوہ انہیں جید علماء اہل علم حضرات مثلاً مولانا سید وحسی مظہر ندوی۔ مولانا سید حامد میاں۔ پروفیسر حافظ احمد یار۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی۔ محترم غازی عزیز صاحب (علی گڑھ) مولانا عبدالغفار حسن صاحب۔ محمد یونس جنجوعہ۔ حکیم فیض عالم صدیقی۔ پروفیسر رفیع اللہ شہاب حافظ منظور احمد۔ ڈاکٹر اختر الواسع کے تحریر کردہ مقالہ جات و مضامین شائع کئے گئے۔

۲۶۔ مکتبہ انجمن کے مطبوعات کی فہرست تو الگ چھپی ہوئی موجود ہے اس میں جو اضافہ کیا گیا وہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی چند کتب کے انگریزی تراجم ہیں جس کے انگریزی ٹائٹل مندرجہ ذیل ہیں۔

- 1- The obligations Muslims owe to the Quran.
- 2- The way to Salvation in the Right of Sura AL- Ahar.
- 3- Islamic Renaissance the Real Task Ahead

4- The Quran and World Peace.

5- Rise and Decline of Muslim Ummah.

علاوہ ازیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق کا عربی

ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔

۲۷ - ۱۹۷۹ء اور ۱۹۸۰ء میں مکتبہ کی جن کتابوں کے مزید ایڈیشن چھپنے پڑے

۱۰ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ - عظمت صوم اگست ۷۹ء	۲۰۰۰	دو بارہ
۲ - قرآن مجید کے حقوق اردو جولائی ۷۹ء	۵۰۰۰	بار پنجم
۳ - قرآن مجید کے حقوق انگریزی جولائی ۷۹ء	۲۰۰۰	دو بارہ

۱۹۸۰ء

۱ - نبی اکرم سے ہمارے تعلق کی بنیادیں جولائی ۸۰ء	۵۰۰۰	بار چہارم
۲ - اسلام کی نشاۃ ثانیہ اردو جون ۸۰ء	۲۰۰۰	دو بارہ
۳ - دعوت الی اللہ جولائی ۸۰ء	۳۰۰۰	بار سوئم
۴ - مبادی تدبیر قرآن جولائی ۸۰ء	۱۱۰۰	دو بارہ
۵ - حقیقت دین جولائی ۸۰ء	۱۱۰۰	دو بارہ
۶ - علامہ اقبال اور ہم جولائی ۸۰ء	۲۰۰۰	دو بارہ

## سالانہ قرآن کانفرنسیں

۲۸ - مرکزی انجمن خدام القرآن نے رجوع الی القرآن اور اپنی دینی سرگرمیوں کے لئے آج سے آٹھ سال قبل سالانہ قرآن کانفرنسوں کا انعقاد شروع کیا تھا اور ان کے ذریعے مسلمانوں کے مختلف مکاتیب فکر کے علماء کے لئے ایک پلیٹ فارم مہیا کیا۔ ۷۲ء میں مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا قیام عمل میں آیا اور دسمبر ۷۳ء میں پہلی قرآن کانفرنس ٹاؤن ہال (جسے اب جناح ہال کا نام دیا گیا ہے) لاہور میں منعقد کی گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت سے ہر سال

قرآن کانفرنس منعقد ہوتی رہی۔ عرصہ زیر پرچہ ۲۶ سال یعنی سال ۶۹ء میں چھٹی سالانہ قرآن کانفرنس ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۹ء کو راجی انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن کے اڈیٹوریم میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس کے کل پانچ اجلاس ہوئے۔ ملک کے جید علماء اور قانون دان حضرات ماہرین تعلیم اور عدلیہ کے معزز حضرات نے شرکت فرمائی۔ ان میں جسٹس شیخ ظہور الحق، جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمن، ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب مرحوم مولانا ظفر احمد انصاری مولانا محمد طاسین، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا محمد نعیمی عثمانی، پروفیسر ظہیر علی صدیقی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، پروفیسر محمد اسلم اور انجمن کے صدر موسس ڈاکٹر اسرار احمد اور دیگر نامور حضرات نے شرکت کی اور اپنے مقالات اور تقاریر میں قانونی، سیاسی مسائل اور حکمت و فلسفہ قرآنی معاشی و معاشرتی مسائل پر روشنی ڈالی۔ اسی طرح ۱۹۸۰ء میں ساتویں سالانہ قرآن کانفرنس ۱۸ تا ۲۱ اپریل لاہور میں منعقد کی گئی۔ اس کانفرنس کی کل آٹھ اجلاس ہوئے۔ ۱۹-۱۰ اپریل کو صرف دو اجلاس جناح ہال میں ہوئے اور بقیہ اجلاس قرآنی اکیڈمی میں کئے گئے۔ اس کانفرنس میں بھی تقاریر اور مقالات کے لئے جو عنوان تجاویز کئے گئے وہ بھی قرآن حکیم ہی سے متعلق تھے۔ مثلاً معاشی و اقتصادی مسائل اور قرآن حکیم، قومی و ملی مسائل اور قرآن حکیم، قرآن اور سائنس، فلسفہ و حکمت کے مسائل اور قرآن حکیم۔ اس کانفرنس کا آخری اجلاس اپنی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے علامہ اقبال مرحوم اور قرآن حکیم کے موضوع پر منعقد کیا گیا۔ جس میں جناب مرزا منور صاحب، جناب اختر الواسع صاحب علی گڑھ، جناب عبدالغفار شکیل صاحب دلی گڑھ، نے مقالے پڑھے اور تقاریر کیں۔

۲۹۔ معزز اراکین انجمن، اب آخر میں میں مرکزی انجمن خدام القرآن کے شعبہ مالیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے انجمن کے قواعد و ضوابط کی رو سے انجمن کی آمدنی اور خرچ کا باقاعدہ حساب رکھا جاتا ہے۔ جسے انجمن کے اعزازی محاسب دوران سال آڈٹ کرتے رہتے ہیں۔ پھر جملہ حسابات کی سالانہ جانچ پڑتال حکومت کے منظور شدہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ سے کروائی لازمی ہوتی ہے۔ ہر سال بلینس شیٹ - آمدنی اور خرچ کا اکاؤنٹ انجمن کے ذیلی ادارے - معہد ثانوی اور کتبہ کاؤنٹ

بھی تیار ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام اکاؤنٹ آڈٹ کے بعد ہر سال مرکزی ریونیو بورڈ کو ارسال کر دیے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے اختتام پر انجمن کے اکاؤنٹ کے تمام گوشوارے مرکزی ریونیو بورڈ کو ارسال کئے جا چکے ہیں اور ان کی نقول دفتر انجمن میں محفوظ ہیں ان گوشواروں کے مندرجات کو یہاں دہرانے کے لئے چونکہ کافی وقت درکار ہوگا اس لئے میں نے صرف آمد و خرچ کی نمایاں رقم نیچے درج کر دی اور آپ کے گوش گزار بھی کئے دیتا ہوں۔

۱۹۸۰

۱۹۷۹

۶,۳۳,۳۵۹,۸۰

۵,۲۳,۸۹۷,۱۰۸

کل آمدن

۶,۲۱,۷۹۹,۰۴۴

۵,۱۵,۱۱۷,۰۸۶

کل خرچ

آمدن میں جو نمایاں رقم شامل ہیں ان کی تقسیم اس طرح ہے :-

نئے محسنین اور مستقل ارکان سے ابتدائی زر تعاون اور

۵,۳۶,۷۹۱,۱۰۹

۴,۲۸,۵۲۰,۲۵

ممبران سے ماہانہ زر تعاون اور عطیات

۳,۸۰,۷۸۰,۷۰

۲۹,۳۱۳,۹۶

متفرق آمدن مثلاً گریہ کوارٹر بل گیس۔ بجلی پراپیٹی

استعمال ٹیلیفون ٹرانسپورٹ وغیرہ

۷,۲۰۷,۵۹

۸,۷۷,۸۱,۷۱

مکتبہ انجمن سے ایڈوانس کی وصولی

۱۰,۴۹۵,۰۰

معہد ثنائی - طلباء کی فیس وغیرہ

اس طرح اخراجات میں شامل نمایاں رقم کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱,۷۳۷,۳۳

۶,۱۰,۵۹۲

ٹیلیفون بل

۱۰,۷۱۱,۶۰

۱۰,۹۵۷,۴۰

پبلشٹی

۵,۱۷,۵۹,۱۰۸

۴,۳۸۵,۵۴

تنخواہ عملہ

۱۳,۴۷۰,۹۰

۱۵,۲۶۷,۷۶

چھٹی / ساتویں سالہ قرآن کانفرنس

۲,۳۰,۷۰,۱۸

۳,۵۶,۵۰۰,۰۰

قرآن اکیڈمی کی تعمیر کیلئے ایڈوانس

۵۹,۸۲۵,۷۰

آلات لاؤڈ سپیکر سسٹم برائے مسجد

۳۲,۰۰۰,۰۰

سوز و گدین

۶۹,۰۰۰,۰۰

کراچی سب آفس کے لئے ایک مزید کمرہ

۳,۰۲۶,۷۷

معہد ثنائی



## فہرست مطبوعات (سلسلہ)

### تصانیف: ڈاکٹر اسرار احمد

- ۱/- روپے اسلام کی نشاۃ ثانیہ - کرنے کا اصل کام
- ۲/- " نبی اکرمؐ سے ہمارے تعلق کی بنیادیں
- ۴/- " مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ، اردو - ۳/- روپے ، عربی
- ۲/- " راہ نجات - سورۃ العصر کی روشنی میں ، ادنیٰ - ۱/۱ ، اعلیٰ
- ۲/- " علامہ اقبال اور رسم
- ۱/- " عظمتِ صوم
- ۱/- " دعوتِ الی اللہ
- ۵/- " قرآن اور امنِ عالم
- ۵/- " نبی اکرمؐ کا مقصد بعثت
- ۵/- " مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب
- ۵/- " قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ (الغائتہ تا الکہف)
- ۵/- " نشر القرآن

### تصنیف: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

- ۵/- روپے اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار

### تالیف: پروفیسر یوسف سلیم چشتی

- ۵/- " اسلامی تصوف میں غیر اسلامی ، نظریات کی آمیزش

### تصنیف: سید غلام محمد رضوی

- ۵/- " یتیم پوتے کا حق وراثت

## OUR ENGLISH LITERATURE

By : DR. ISRAR AHMAD

- The Obligations Muslims Owe to the Quran.
  - The Way to Salvation—in the Light of Surah al-‘Asr.
  - Islamic Renaissance—The Real Task Ahead.
  - Quran and World Peace.
  - Two Periods of Rise and Decline of the Muslim Ummah.
  - Our Obligations to the Holy Prophet (p.b.u.h.).
  - The Purpose Behind Mohammad's (p.b.u.h.) Prophethood.
- (Under Preparation)

تحریک رجوع الی القرآن کا علمبردار  
دعوت تجدید ایمان ، توبہ اور تجدید عہد کا نقیب

ماہنامہ  
میشاق

زیر ادارت :

ڈاکٹر اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی

صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

فی شہرہ دو روپے سالانہ نور احانت بیس روپے

مولانا امین احسن اصلاحی  
کی شہرہ آفاق تفسیر

# تدبر قرآن

کی

جلد اول - دوم اور سوم کے ہدیے میں سامان طباعت کی قیمتوں میں شدید  
خالی کے باعث یکم اپریل سے اضافہ کر دیا گیا ہے۔ اب ہر جلد کا ہدیہ  
چھتر روپے ہوگا۔ ہر جلد کی ضخامت آٹھ سو صفحات سے زائد ہے۔

● عام تاجروں کو کمیشن ۲۰ فیصد دیا جائے گا۔

● سو جلدیں بہ یک وقت لینے پر ہول سیل کمیشن ۲۸ فیصد دیا جائیگا

فاران فاؤنڈیشن کی شائع کردہ تدبر قرآن کی جلدیں بھی مکتبہ انجمن

سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحی

کی دیگر کتب : حقیقت دین - اسلامی ریاست - اسلامی قانون - مبادی

تدبر قرآن اور پاکستانی عورت دورا ہے پر بھی بحمد اللہ مکتبہ میں دستیاب ہیں

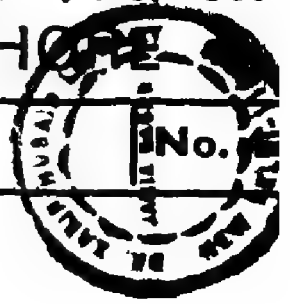
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن - لاہور

Regd. L. No. 7360

MONTHLY MEESAQ LAHORE

Vol. 30

APRIL 1981



ان شاء اللہ العزیز

# تنظیم اسلامی

کا چھٹا سالانہ اجتماع

قرآن اکیڈمی ۳۶/۸ ماڈل ٹاؤن

لاہور میں یکم تا ۸ مئی ۸۱ء منعقد ہوگا

رفقاء کو تاکید کی جاتی ہے کہ جمعہ یکم مئی کو قبل از دوپہر لازماً پہنچ

جائیں۔ اسی روز شام کو نماز مغرب کے فوراً بعد قرآن اکیڈمی کی

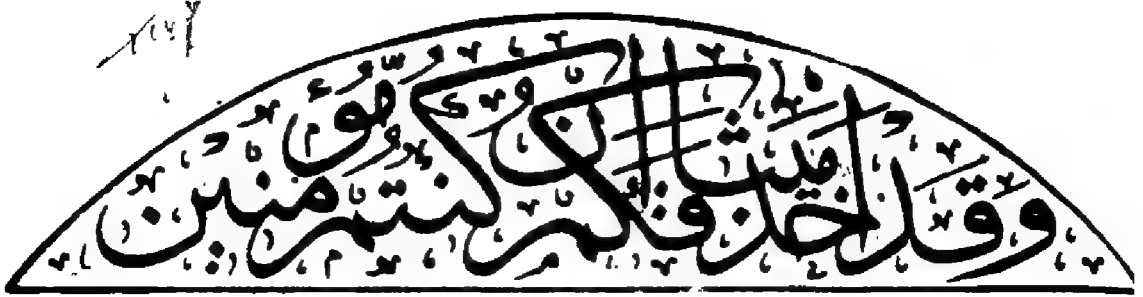
جامع مسجد جامع قرآن میں امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اشرف احمد

تنظیم اسلامی کا پیغام مسلمانان پاکستان کے نام

کے عنوان سے خطاب فرمائیں گے۔

المعلن : قاضی عبدالقادر، قہم تنظیم اسلامی



لاہور

ماہنامہ

A-1285 Z  
87-8

شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ - جون ۱۹۸۱ء

اس شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے شمالی امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات کی آخری قسط اور جنوبی ہند کے دورے کے ”رہورناڑ“ کی پہلی قسط شامل ہے۔ (مرتب)

مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

قام اشاعت : ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون : ۸۵۲۶۸۳ - ۸۵۲۶۱۱

و لداخذ میثا لکم ان کفتم سو مشین

# میثاق

لد ۳۰ | شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ - مطابق جون ۱۹۸۱ء | عدد ۶

## مشمولات

صفحہ

- عرض احوال      ۱      جمال الرحمن
- شمالی امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات      ۲      ڈاکٹر اسرار احمد
- ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے { (ریپورٹاژ) قاضی عبدالقادر ۳۰  
ماتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن

مرتب۔۔۔۔۔ (شیخ) جمال الرحمن

لاشر : ڈاکٹر اسرار احمد      ☆      طابع : چودھری رشید احمد

مطبع : مکتبہ جدیدہ پریس - شارع فاطمہ جناح - لاہور

# عرض احوال

نحمدہ کا ونصلی علی رسولہ الکریم

گذشتہ شمارہ جمادی الثانی ورجب المرجب ۱۴۰۱ھ مطابق اپریل ۱۹۸۱ء کے مشترکہ شمارے پر مشتمل تھا۔ شعبان المعظم ۱۴۰۱ھ مطابق جون ۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ اس شمارے میں ”اسلام اور حقوق اطفال“ اور ”تعارف الکتاب“ کی اقتضا شامل نہیں ہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ”امریکہ کے دورے کے تاثرات و مشاہدات“ کی آخری قسط کافی طویل ہو گئی تھی نیز فروری ۸۱ء میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب جنوبی ہند کے دورے کے ”رپورٹ تاثر“ کی پہلی قسط بھی طویل تھی۔ یہ دونوں مضامین ضروری تھے لہذا شامل اشاعت میں۔

۱۱۰ - ۱۳۰

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تیسری بار ۲۱-۲۲ اگست

## شمالی امریکہ کا دورا

اسی درمیانی شب کو شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ جیسا کہ ناظرین میثاق کو علم ہے کہ الحمد للہ امریکہ کے مشہور شہر شکاگو اور کینڈا کے شہر ٹورنٹو میں مرکزی انجمن خدام القرآن کی ذیلی انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی مقامی تنظیمیں ڈاکٹر صاحب موصوف کے گذشتہ سال کے دورے پر قائم ہو گئی تھیں۔ موجودہ دورہ ان ہی انجمنوں اور تنظیموں کے اشتراک و تعاون سے منظم کیا گیا ہے۔ شکاگو اور ٹورنٹو میں تو درس قرآن حکیم اور خطابات عام کا انتظام ہو گا ہی۔ توقع ہے کہ ان شاء اللہ اس سال چند دوسرے نمایاں شہروں میں بھی یہ انتظامات ہوں گے اور کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کی بدولت اس سال شمالی امریکہ میں انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی چند دیگر ذیلی شاخیں قائم ہو جائیں۔ دُعا ہے کہ اس براعظم میں دعوت رجوع الی القرآن اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے جو پھسے لگے ہیں اور جو بیج بکھیرے گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی آبیاری فرمائے اور یہ پودے تن اور دار خست بنیں اور دعوت و اعجاز قرآنی کی بدولت اس خطہ زمین کے رہنے والے دین حق اسلام سے صحیح طور پر متعارف ہوں اور اس سے ان کے اذیان و قلوب متاثر و مسخر ہو سکیں:

وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ - توقع ہے کہ ان شاء اللہ العزیز (بقیہ ص ۱۱۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# شمالی امریکہ کے حالیہ دعوتی دوسے کے تاثرات و مشاہدات

(خطاب کی دوسری قسط)

ڈاکٹر اسرار احمد

یہودیوں کے خلاف رد عمل | امریکہ کے ٹیکروں کی اکثریت میں چاہے وہ

عیسائی ہوں چاہے مسلمان عام طور پر یہ احساس  
بڑی شدت سے ابھر رہا ہے کہ چند لاکھ یہودیوں کی وجہ سے امریکی حکومت بارہ  
کر وڈ عربوں کی نفرت مول لے رکھی ہے۔ پھر یہ نفرت عربوں تک محدود نہیں بلکہ  
دنیا کے ہر خطے میں بسنے والے عام مسلمانوں کے دلوں میں حکومت امریکہ کی یہود  
نوازی اور اسرائیلی کی سرپرستی کی وجہ سے اس کے خلاف نفرت کے جذبات  
بڑھ رہے ہیں۔ لہذا اس پالیسی میں تبدیلی آنی چاہیے۔ پھر امریکہ کے گورے باشندے  
طبعی میں بھی آہستہ آہستہ شد و مذ کے ساتھ یہی احساس جڑ پکڑتا جا رہا ہے۔  
گو ابھی اس طوفان پر سوچنے والوں کی تعداد قلیل ہے۔ تاہم وہاں بعض معروف  
اہل قلم کی نہایت مدلل اور مبسوط ضخیم کتابیں ان موضوعات پر مارکیٹ میں آرہی  
ہیں اور پھیل رہی ہیں۔ امریکی معاشرہ سیاسی طور پر کافی باشعور ہے۔ وہ اپنے  
نفع نقصان کو مقدم رکھتا ہے۔ یہ مصنفین مستحکم دلائل سے امریکی معاشرے کو  
اس امر کا قائل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ امریکی حکومت کی یہود نوازی اور  
اسرائیل کی بے جا حمایت بڑے گھائے کا سودا ہے۔ پھر امریکہ میں اپنے مذہب  
عیسائیت کی طرف بھی رجحان و میلان پیدا ہو چلا ہے۔ ان کی مذہبی کتابوں میں  
بڑی تفصیل اور اسناد کے ساتھ اس ظالمانہ طرز عمل کے حالات مذکور ہیں جو یہودیوں  
نے حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ روا رکھے تھے۔ ان کتابوں میں صراحت  
کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت مسیح کو ان کے عقیدے کے مطابق مصلوب



کئے جانے میں پوری سازش اور عمل دخل یہودی علماء ہی کا تھا۔ کیسے ممکن ہے کہ وہ ان باتوں کا اثر قبول نہ کریں! یہی سچ ہے کہ امریکہ کی حکومت پر یہودیوں کا کافی اثر و رسوخ ہے اور ذرائع ابلاغ عامہ کے ذریعے انہوں نے امریکی رائے عامہ کو بڑی حد تک متاثر کر رکھا ہے۔ لیکن تاہم اس کا امکان بہر حال موجود ہے کہ چند سالوں کے اندر اندر امریکہ میں بھی وہی صورت حال پیدا ہو جائے جو ہٹلر کے دور حکومت میں جرمنی میں ہوئی تھی کہ وہاں دس سالوں کے اندر اندر چھ لاکھ سے زائد یہودی بڑے بہیمانہ انداز میں قتل کئے گئے اس طوع پر کہ ان کی لاشوں کو بھی جلا کر رکھ کر دیا گیا۔ کیا عجب! یہی صورت حال چند سالوں بعد امریکہ میں بھی پیدا ہو جائے!!

### یہودیوں کے بارے میں قرآن کا فیصلہ | آپ جانتے ہیں کہ اس بات پر یہودی اُمت

کا اجماع ہے کہ سورہ فاتحہ میں ”الْمَغْضُوبُ عَلَيْهِمْ“ سے مراد یہودی ہیں یہ اجماع اُمت قرآن مجید ہی کی بنیاد پر ہوا ہے۔ جس کے متعلق یہ اصول تسلیم کیا گیا ہے کہ ”الْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا“۔ چنانچہ مغضوب علیہم کی تفسیر کئی مقام پر خود قرآن نے یہی کی ہے کہ اس سے مراد یہودی ہیں۔ سورہ بقرہ میں یہود کے بعض جرائم کا ذکر کر کے فرمایا: ”وَضَرَبْتُ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةَ وَالْمُسْكِنَةَ وَجَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ“ (آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ) ان پر ذلت و خواری اور پستی و نکت مستط کر دی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔“ (آیت ۶۱)۔ آگے ان یہود کے متعلق آیت ۹۰ میں فرمایا: ”فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ“۔ پس یہ یہود اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے (غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں)۔ ”مغضوب علیہم“ ہونے کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ان کے لئے جس سزا کے فیصلے کا اعلان فرمایا ہے۔ اس سلسلے کی چند اہم آیات پر آپ کو سناتا ہوں۔ سورہ مائدہ کی آیت ۱۸ کے آخر میں فرمایا: ”لَهُمْ فِي الدُّنْيَا جِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ“ (ان (یہود) کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں سخت سزا)۔ سورہ آل عمران کی آیت ۷۵ میں

یہود کے لئے اس مزا کے فیصلے کا اعلان فرمایا گیا: **صُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلٰتُ اَيْنَ مَا ثَقِفُوا اِلَّا بَحْبِلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُ وُيَغْضَبُ مِّنَ اللّٰهِ وَصُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ** (یہود) جہاں بھی ہوں ان پر ذلت تھوپ دی گئی ہے بس اگر کہیں اللہ کے ذمے یا انسانوں کے ذمے میں پناہ مل گئی (تویہ اور بات ہے) یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں اور ان پر پست ہمتی اور مغلوبیت مسلط کر دی گئی ہے۔ کم و بیش تقریباً ڈھائی ہزار سالہ تاریخ گواہ ہے کہ اس پورے دور میں یہود دنیا میں ذلت و مسکنت کا نشانِ عبرت بنے رہے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے وقت ارضِ شام میں یہودیوں کی جو دو ریاستیں موجود تھیں وہ رومیوں کے زیرِ نگیں تھیں، ان کی وہی حیثیت تھی جو انگریزی حکومت کے دور میں ہندوستان میں حیدر آباد یا اسی پائے کی چند دوسری ریاستوں کو حاصل تھی۔ بعد ازاں جب رومیوں نے عیسائیت قبول کی تو یہ ریاستیں بھی ختم ہو گئیں اور عیسائی دنیا میں ان پر زندگی تنگ ہو گئی اور غلاموں سے بھی زیادہ بدتر حالات یہ دو چار ہوئے۔ ظہورِ اسلام کے بعد ان کو اگر امان اور سکون و اطمینان سے زندگی بسر کرنے کے مواقع ملے تو وہ اسلامی مملکت میں ملے۔ جس کو قرآن مجید نے بحبل من اللہ سے تعبیر کیا ہے۔

**یہودیوں کا مستقبل** | اس زمانے میں یہود کی جو نام نہاد ریاست ”امرائیل“ ارضِ فلسطین میں قائم ہے تو وہ بھی درحقیقت اپنے بل بوتے پر نہیں بلکہ برطانیہ کی مدد سے قائم ہوئی اور فی الوقت خاص طور پر امریکہ کے سہارے پر کھڑی ہے۔ ۱۹۴۷ء کی مصر و اسرائیل کی جنگ میں اگر امریکہ مسلح مداخلت نہ کرتا تو اس کا امکان موجود تھا کہ ”امرائیل“ کا نام دنیا کے نقشے سے محو ہو جاتا۔ یہ تعبیر ہے بحبل من الناس کی۔ لیکن جیسا کہ میں اپنی تقریر کے ابتدائی حصے میں بیان کر چکا ہوں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کے حق میں عذابِ استیصال کی سنۃ اللہ کے پورے ہونے کا وقت قریب ہے۔ دنیا کے گوشے گوشے سے کھنچ کھنچ کر یہودی ارضِ فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور

ان کی زیر قیادت یہودیوں کو عذابِ استیصال کا مزا چکھا یا جلے گا اور ان شمار  
اللہ ان کی یہ مجتہد قوت یک نخت ختم ہو جائے گی اور ان کا دنیا میں نام و نشان  
ہی باقی رہ جائے گا جیسے دو کٹر معذب اقوام رعد و ثنود وغیرہا، کا نام یا ان کے تمدن  
کے کچھ کھنڈرات سامانِ عبرت کے طور پر باقی ہیں۔

یہودیوں پر ابدی لعنت | میں آج کی اس تقریر کے لئے سورہ

لَا يَأْتِيهَا - وَ اِذْ تَاَذَنَ رَبُّكَ لِيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ مَنْ  
يَسُوءُ لَهُمْ سُوَاءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَ اِنَّهُ  
لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ اور یاد کر دو جب کہ تیرے رب نے فیصلہ کیا اور اس کا اعلان  
کیا کہ وہ قیامت تک برابر ان (بنی اسرائیل) پر ایسے لوگوں کو مستط کرتا رہے گا  
جو ان کو بدترین عذاب کا مزا چکھاتے رہیں گے۔ بے شک آپ کا رب جلد اور  
سمت سزا دینے والا ہے۔ بے شک وہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اللہ تعالیٰ  
کے اس فیصلے کی عملی شہادت تاریخ میں موجود ہے۔ بنو خذ نصر اور ٹائٹس رومی  
کے ہاتھوں ان کو جس ہلاکت خیزیوں سے سابقہ پیش آیا ہے اس کی لرزہ خیز  
داستان تاریخ میں آپ کو مل جائے گی۔ پھر بازہ نطنی سلطنت اور ہسپانوی  
عیسائی حکومت کے ہاتھوں ان کی مسلسل جو درگت بنتی رہی ہے، تاریخ کے  
ادراک اس کے گواہ ہیں۔ جرمنی میں پہلی جنگ عظیم کے بعد خصوصاً شلر کے دور  
حکومت میں ان پر جو کچھ بیتی ہے۔ وہ دور کی نہیں بلکہ ہمارے دور کی بات ہے  
جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ ان کو وقفے وقفے سے جو امان ملتی رہی ہے وہ  
یا تو بھل من اللہ ملی ہے یا بھل من الناس۔ یہ عارضی امن ان کے اس انجام بد کو نہیں  
مال سکے گا۔ جو ان کا مقدر ہو چکا ہے اور ارض مقدس میں ان کا اجتماع آخری عذاب  
کی تکمیل کا پیش خیمہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آخری انجام سے قبل ان کو خود امریکہ  
ہی میں خود اپنے بھی خواہوں ہی کے ہاتھوں ایک مزید عذاب کا مزا چکھنا پڑے  
ہمارے لئے عبرت و بصائر | جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے  
روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لِيَأْتِيَنَّ عَلَىٰ أُمَّتِي كَمَا أَتَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَآئِيلَ حَدُّهُ وَالتَّعْلِيلُ بِالتَّعْلِيلِ ...

”میری امت پر بھی وہ تمام احوال وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے، بالکل ایسے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے سے مشابہ ہوتا ہے،“ تو واقعہ یہ ہے کہ جس طرح یہود اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں ذلیل و خوار رہے ہیں۔ آج اُسی طرح ہم بھی ان ہی کرتوتوں کی بدولت جو یہودیوں کی خصلت و عادت بن چکی ہے دنیا میں سامانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔ ہم بھی اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں کے ارتکاب میں یہودیوں کے نقشِ قدم پر چل رہے ہیں۔ اور اپنی اپنی بد اعمالیوں کی وجہ سے راندہ درگاہِ رب العزت ہوئے اور ہم بھی ان کے طرزِ عمل کی تقلید کرتے ہوئے اسی مقامِ ذلت و مسکنت تک پہنچ چکے ہیں۔ حدیث ہے کہ اپنی بد عملیوں کی وجہ سے ہمیں یہ روزِ بد دیکھنا پڑا کہ ”بیت المقدس“ ہم سے اس مغضوبِ علیہم قوم کے ہاتھوں چھن گیا اور سلسلہ سے یہ آج تک اُسی کے قبضے میں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ صادق المصدق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق مستقبل میں یہودی قوم کو عذابِ استیصال کا نوالہ بننا ہوگا اور اسلام کو عروج حاصل ہوگا۔ لیکن سوال اس وقت دنیا میں میں بسنے والے تقریباً ایک ارب مسلمانوں کے انجام کا ہے۔ جن کا حال یہ ہے کہ خدا پرستی کے بجائے دنیا پرستی ان کا مطمح نظر اور نصب العین بن چکی ہے اور وہ اپنے کردارِ سیرت اور اخلاق کے اعتبار سے یہودیوں کی پیروی کر رہے ہیں بلکہ میراثِ توراتیہ ہے کہ یہودیوں کو اس وقت اپنے مذہب اور اپنی نشاۃ ثانیہ سے جو قلبی تعلق ہے، ہمارا بحیثیتِ امت اپنے دین سے تعلق ان کے پاس گ بھی نہیں ہے۔ اَلَا مَا شَاءَ اللہ۔ وہ متحد ہو رہے ہیں، ان میں، بکمالِ ایشاد قربانی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ لیکن ہم ہیں کہ افتراق و انتشار اور تفرقہ بازی کا شکار ہیں۔ شاید ہی کوئی ایسا مسلم ملک ہو جہاں ہم دین کے احیاء اور اس کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی دعوت و تبلیغ کے لئے متحد نظر آتے ہوں۔ خود امریکہ میں یہ حال ہے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کا کوئی متحد پلیٹ فارم نہیں۔ بہت سے ادارے ہیں لیکن ان میں اشتراک (CO-ORDINATION) کے بجائے ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے رجحانات موجود ہیں۔ بَغْيًا بَيْنَهُمْ والی سی کیفیت ہے۔

## حق اور وحائیت کی پیاس | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ مبارک ہے کہ ہر انسان فطرت

اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ یہ تو اس کے والدین ہوتے ہیں جو اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں، یعنی والدین کی تربیت، ماحول کی گرفت، تعلیم کے اثرات اور قومی و نسلی تعصبات اس فطرتِ سیمہ کو مسخ کرنے کا سبب بنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انسان کے قلب اور اس کی فطرت میں اپنی معرفت کی چوچنگاری رکھی ہے، وہ یا بالکل سمجھ جاتی ہے یا باطل نظریات کی راکھ تلے دب جاتی ہے۔ لیکن اگر صحیح پہنچ اور سنتِ رسولؐ کے مطابق دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جائے تو اللہ تعالیٰ لوگوں کے قلوب کو قبولِ حق کی توفیق عطا کرتا ہے۔ آج پوری دنیا مادہ پرستانہ باطل نظریات و افکار اور خدا نا آشنا تہذیب و تمدن کے بوجھ تلے گرا رہی اور سک رہی ہے۔ آج اس کی روح کی پیاس جاگ رہی ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم اپنے سلفِ صالحین کے نقشِ قدم کی پیروی کرتے اور بے نفسی کے ساتھ اور حکمتِ قرآنی کے مطابق دین کی دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیتے اور پھر ان داعیان و مبلغین کی دعوت و تبلیغ کی پشت پران کے اعلیٰ کردار و اخلاق کی قوت بھی ہوتی تو یورپ اور امریکہ میں اس دینِ حق کو قبول کرنے کے مواقع موجود ہیں وہاں یہ دعوت جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی چونکہ یہ عین انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ لیکن ہم اس ذمہ داری کو ادا کرنے سے تغافل اختیار کئے ہوئے ہیں امریکہ میں بدھ مت اور ہندو مت کے ملنے والوں نے وہاں اپنے آشرم بندے ہیں ان آشرموں کے ذریعے اپنے دھرم کی تبلیغ کرنے والے اپنے قول کی زندہ تصویر بنے ہوئے ہیں۔ ان کی زندگیوں کی سادگی کا مظہر اور دنیوی عیش و آرام سے برائ نظر آتی ہیں ان میں کسر و انکسار ہے۔ دنیا سے بے رغبتی ہے۔ لہذا امریکی اس طرف لپک رہے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے کہ ان کی روح پیاسی ہے۔ جس کی تشنگی دور کرنے کا کچھ نہ کچھ امکان ان فلسفوں میں ان کو نظر آتا ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے روح کی تشنگی کو سیراب کرنے کا حقیقی و فطری راستہ صرف دینِ اسلام ہے۔ جو روح کی تشنگی بجھانے کے ساتھ انسان کو ایک اعلیٰ کردار و اخلاق کا عملی

پیکر بنانا ہے۔ لیکن وہاں حسرتا! ہم آج خود ہی دین کی حقیقی تعلیم سے نا بلد ہیں اور محض مورثی اسلام پر مطمئن ہیں (اللہ ما شاء اللہ) ہم خود ہی آج اسلام کی دعوت و تبلیغ کے محتاج ہیں۔ بھلا دوسروں کو دعوت دینے کا کیا سوال! تاہم جو لوگ نقل وطن کر کے یا ملازمت و کاروبار یا حصول تعلیم کے لئے امریکہ گئے ہیں وہ اپنے کہہ دار و اخلاق کے لحاظ سے واقعی مسلمان ہوتے۔ یا حجامدارے وہاں اشاعت اسلام کے لئے قائم ہیں، ان کے متغیبن اسلام کی دعوت و تبلیغ کا بہترین اختیار کرتے تو آج امریکہ میں اسلام کی اشاعت بہت بڑے پیمانے پر نظر آتی۔ اس کا مطلب یہ نکالنے چاہئے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کا سرے سے کوئی کام نہیں ہو رہا۔ کام ہو رہا ہے لیکن اس میں اصلاح کی شدید ضرورت ہے۔ اور سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ وہاں دعوت و تبلیغ کے کام کرنے والے تمام اداروں اور اشخاص میں اشتراکیت و تعاون اور اتحاد (CO-ORDINATION) ہو۔ وہاں اداروں کے ساتھ کسی سیاسی محنت کے نظریات یا کسی فقہی مسلک سے وابستگی کے جو لاحقے ہوئے ہیں، وہ دعوت و تبلیغ کی راہ کے سنگ گراں ہیں۔ وہاں تو دعوت و تبلیغ کا وہ اسلوب اور پنج ہونا چاہیے جس کی طرف قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔

**قرآنی ہدایات** | اہل کتاب کو حکیمانہ طریقے پر دعوت دینے کے لئے قرآن نے ہمیں ہدایات دی ہیں۔ اتنا موقع نہیں کہ میں ان تمام ہدایات کو کما حقہ بیان کر سکوں۔ صرف ایک حوالے پر اکتفا کروں گا۔ سورہ آل عمران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا گیا: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ إِلَّا نَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَخِذْ بَعْضُنَا بَعْضًا الزُّبَانُ مِنَ ذُنُوبِ اللَّهِ۔ اے نبی! آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب، اس چیز کی طرف آؤ ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں مشترک ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی اور کو اپنا رب ٹھہرائے۔ (آیت ۶۴) یہ طریقہ حکیمانہ بھی ہے اور موثر بھی۔ اعتقادی طور پر

توحید کا عقیدہ ہمارے اور اہل کتاب کے درمیان مشترک حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے۔ تورات میں دیگر تحریفات ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود نہایت قطعیت کے ساتھ توحید کی تعلیم اب بھی واضح طور پر اس میں موجود ہے۔ البتہ انجیل کا معاملہ گڑبڑ ہے۔ اس میں بہت سی تحریفات کے ساتھ ساتھ توحید کے چشمہ صافی کو بھی گلا کر دیا گیا ہے۔ بایں ہمہ اب بھی اناجیل اربعہ میں ایسی آیات موجود ہیں جو خالص توحید کی طرف رہنمائی کرتی ہیں مثلاً مرقس میں مذکور ہے ”یسوع نے کسی سائل کو جواب دیا کہ اول بات، یہ ہے کہ اے اسرائیل سن! خداوند ہمارا خدا ایک ہی ہے“۔ تثلیث اور کفارے کا عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ بڑی دلسوزی اور حکمت و موعظت کے ساتھ سلام کی دعوت توحید امریکی معاشرے میں پیش کی جائے۔ قرآن حکیم میں اشارات موجود ہیں کہ اے مسلمانو! تم ان کو اپنے قریب پاؤ گے جو خود کو نصاریٰ کہتے ہیں، افسوس کہ یورپ میں ہمارے دین کی تبلیغ نہیں ہوئی اس کا نتیجہ ہم آج بھگت رہے ہیں۔ پھر چونکہ یورپ ترکمان عثمانی کی فوجی یورش کی زد میں رہا تھا اور ان کے ہاتھوں ہزیمتیں اٹھائی تھیں تو قدرتی طور پر ان کے دلوں میں فاطحین کے دین کے خلاف بھی تعصبات و مخالفت جڑ پکڑ گئے تھے۔ امریکہ میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ وہاں کام کا بڑا میدان ہے۔

**کام کا میدان** | امریکی معاشرے کے مشاہدے اور اس کے نفسیاتی جائزے سے یہ بات بالکل واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس معاشرے میں انسان مشین بن کر رہ گیا ہے۔ مشین میں نہ دل ہوتا ہے نہ حسیات ہوتی ہیں۔ اسی لئے وہاں کا انسان لطیف انسانی جذبات سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں رومی رشتے بھی محبت و شفقت سے یکسر محروم ہیں (اللا ماشاء اللہ) بوڑھے والدین کو ان کی اپنی حقیقی اولاد بھی پوچھتی تک نہیں۔ دوسرے رشتوں کا کیا سوال! اسی وجہ سے وہاں بڑے بڑے شہروں میں بوڑھوں کے ہسٹل قائم ہیں۔ وہاں خاندان اور اس سے متعلقہ روابط اور محبتیں اب ایک داستان پارینہ بن چکی ہیں۔ ان حالات میں شعوری اور غیر شعوری طور پر وہاں ایک ایسے

نظام حیات کی پیاس پتیا ہو رہی ہے جو معتدل و متوازن ہو۔ جس میں رُوحِ نکی  
 تسکین کا بھی کما حقہ سامان ہو اور انسانی تہذیب و تمدن کے تمام داعیات کی جائز  
 تسکین کا بھی۔ جس میں انسانی کو ایک اعلیٰ اور بااخلاق انسان بنانے کی صلاحیت  
 ہو۔ جس میں حق ہو، انصاف ہو، عدل ہو، قسط ہو۔ فرائض و حقوق کا منصفانہ  
 امتزاج ہو۔ جس میں عبادات ہی کا نہیں عمرانیات کے تمام شعبوں کے لئے  
 بھی عادلانہ و منصفانہ نظام ہو۔ جو ایسا نظام ہو جو عقل و فہم اور قلب و نظر  
 کو مطمئن اور قائل کرنے والا ہو۔ یہ نظام موجود ہے منزل من اللہ ہے۔ یہ ہے  
 ہمارا دین اسلام۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ چند درویش صفت لوگ  
 جو ہر لحاظ سے اسلامی تعلیمات کا عملی پکیر ہوں۔ وہاں جا کر مستقل ڈیرہ لگالیں۔  
 وہاں دونوں طبقوں، گوروں اور کالوں میں کام کا میدان موجود ہے۔

**اہم ترین ضرورت** | آج امریکہ میں اسی بات کی ضرورت ہے۔ کہ کچھ درویش  
 صفت اللہ کے بندے دعوت و تبلیغ کے لئے خود کو وقف

کر دیں اور وہاں جا کر بیٹھ جائیں۔ مجھے اس وقت بار بار حضرت معین الدین  
 اجمیری رحمۃ اللہ علیہ یاد آ رہے ہیں۔ جو کفر کے گڑھ میں آئے اور ہم کر بیٹھ گئے۔  
 اس عزم کے ساتھ کہ اب ان کا جینا مرنا اسی کفرستان کے ساتھ وابستہ ہے۔ ان  
 کی زندگی کے شب روز ان غیر مسلموں کے سامنے ہیں۔ وہ سر کی آنکھوں سے  
 دیکھ رہے ہیں کہ ان کے مشاغل کیا ہیں۔ ان کا ذریعہ معاش کیا ہے۔ ان کے  
 مقاصد کیا ہیں۔ یہ یہاں روپیہ تو کمانے نہیں آئے کہ یہاں سے کما کر اپنے گھر  
 والوں کو بھیج رہے ہوں۔ اپنا معیار زندگی بہتر بنانے کی دھن تو ان پر مستط  
 نہیں ہے۔ یہ یہاں کسی دنیوی غرض کے لئے تو نہیں آئے !! اس کے برعکس  
 جب انہوں نے دیکھا کہ یہ شخص انان دوست ہے، لوگوں سے محبت کرنے  
 والا ہے۔ ان کا ہمدرد و خیر خواہ ہے۔ اپنے وطن سے دور یہاں اس لئے آیا  
 ہے کہ اس پر لوگوں کی آخرت سنوارنے کی دھن مستط ہے۔ درویش اور عابد  
 زاہد ہے۔ بے غرض ہے اور صرف اپنے معبود کی رضا کا طالب ہے تو ظلمت کدہ  
 ہند میں خواہ اجمیری کی اس قول و عمل تبلیغ کے جو نتائج نکلے وہ آج ہمارے



ساتنے ہیں — برصغیر پاک و ہند میں آج اسلام کی جو روشنی نظر آرہی ہے وہ خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اور ان جیسے سیکڑوں اُن صوفیاء کرامؒ کی مساعی جلیلہ کا ثمرہ ہے جو خالصتاً دعوت و تبلیغ دین کے لئے برصغیر پاک و ہند میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے اور ایک جگہ مستقل اور جم کر بیٹھ گئے۔ جن کی زندگیاں ان کی دعوت کی علمبردار اور منہ بولتی تصویریں تھیں۔ اس کے برعکس ہمارا دعوت و تبلیغ کا نظام انتہائی ناقص اور شدید اصلاح کا محتاج ہے۔ ہمارا یہ طریقہ کہ ہمارے مبلغین وہاں گئے دو مہینے صرف کئے اور چلے آئے یا یہ کہ ہمارے تبلیغی بھائی جماعتیں لے کر گئے چلے کاٹا پانچ چھ شہروں کا چکر لگایا اور واپس چلے آئے۔ یہ طریقہ زیادہ مفید مطلب نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہم اپنے آپ کو خوش اور مطمئن کر لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس طرح وقت، قوت، صلاحیت اور دولت کا جو مجموعی سرمایہ صرف ہوتا ہے۔ اس کے لحاظ سے میری رائے یہ ہے کہ مفید نتائج نکلنے کا انتخاب انتہائی قلیل ہے۔ میرے نزدیک صحیح طریقہ وہی ہے جس پر عمل پیرا ہوئے برصغیر پاک و ہند میں ہمارے صوفیاء کرام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ میں یہ نہیں کہتا کہ محض کشت کے لئے آمدورفت کا یہ سلسلہ خیر سے بالکل خالی ہے۔ راہ میں پڑا ہوا کوئی پتھر اور روٹا ہوا دینا بھی نیکی کا کام ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ بھی کوئی نہ کوئی مفید اثر چھوڑتا ہے۔ لیکن وقت اور حالات اور ہمارے سلف صالحین کا طریقہ اس امر کا مقتضی ہے کہ امریکہ میں ایسے دعوتی اور تبلیغی مراکز قائم ہوں، جیسے ہمارے صوفیاء کرامؒ نے برصغیر پاک و ہند میں قائم کئے تھے۔ اسی طریقے سے ان شاء اللہ نہایت ہی مفید اور مستحکم نتائج برآمد ہوں گے۔ اس کا ایک موثر و مفید ثمرہ تو یہ حاصل ہو گا کہ وہاں جو مسلمان (IMMI - GRANTS) مہاجرین آباد ہیں۔ ان میں مسلسل دعوتی کام ہو سکے گا ان کا اپنے دین سے تعلق قائم رہے گا اور وہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھ سکیں گے۔ ان کی اولاد پر بھی اسل کے اچھے نتائج مترتب ہوں گے اور دوسرا مفید نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہاں کے باشندوں گوروں میں بھی اور کالوں میں بھی براہ راست اور

ان مسلمان مہاجرین کے توسط سے دعوت و تبلیغ کے بہتر اور مسلسل مواقع حاصل ہوں گے جو مستقبل کے لئے ایک سرمایہ دار ~~دست~~ ثابت ہوں گے۔

چند ناگوار مشاہدات | میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ امریکہ نقل مکانی کرنے والوں کا ملک ہے۔ اس نقل مکانی کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ دنیا کے مختلف حصوں سے لوگ امریکہ اور کناڈا جا کر مستقل طور پر آباد ہو رہے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی بھی اچھی بھلی تعداد ہے۔ ان مسلمانوں میں وہ بھی ہیں جو تقریباً پچاس ساٹھ سال قبل ہجرت کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تر لوگ عرب اور ترکی سے آئے تھے۔ پھر مسلمانوں میں وہ لوگ ہیں جو قیام پاکستان کے بعد مختلف اسباب کی وجہ سے بھارت اور پاکستان سے نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔ میں بڑے دکھ کے ساتھ اپنے اس مشاہدے اور تاثر کا اظہار کرتا ہوں کہ ان پہلے یا بعد میں یا حال میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہونے والے مسلمانوں کی اکثریت کا حال یہ ہے کہ وہ وہاں کے کالے مسلمانوں کے ساتھ بے اعتنائی کا برتاؤ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ خود بھی اصل امریکنوں کے نزدیک کالے ہیں۔ لیکن ان کا حال یہ ہے کہ ان کو کالے مسلمانوں سے میل جول پسند نہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھے کتیا رہیں۔ ان کے ساتھ نفرت کا سا برتاؤ ہے۔ جیسے رنگت کی بنیاد پر متعصب ذہنیت کے امریکن رد رکھتے ہیں۔ یہ طرز عمل انتہائی نقصان دہ ہے۔ اس کا رد عمل کالے مقامی مسلمانوں میں موجود ہے۔ ان کے ایک رد عمل کا میں پہلے بھی اجمالاً ذکر کر چکا ہوں جو مہاجر مسلمانوں کی خواتین کے بے حجابی کو دیکھ کر ان میں نظر آتا ہے۔ ایک رد عمل اس بے اعتنائی کی وجہ سے بھی وہاں کے مقامی کالوں میں نظر آتا ہے وہ برلا کہتے ہیں کہ یہ کیسے مسلمان ہیں جو ہم کو اچھوت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ہم ان کے دینی بھائی ہیں۔ میرے علم میں جب یہ بات آئی کہ ان کالے نو مسلموں نے جب اسلام قبول کیا تو اس کے لئے ان کو لڑی قربانیاں دینی پڑیں تو مجھے مہاجر مسلمانوں کے روئے سے کافی دلی صدمہ پہنچا۔ ایسی ایسی مثالیں میرے سننے میں آئیں جس سے قریب اول کی یاد دل میں تازہ ہو گئی۔ جن نیگرو نوجوانوں نے اسلام قبول

کیا تو ان کے عیسائی والدین نے ان کو گھروں سے نکال دیا۔ ایسے نوجوان بھی تھے، جن کو طویل عرصے تک گھروں میں بند رکھا گیا اور ان کو بھوکا پیاسا رکھنے کی سزا دی گئی۔ جسمانی ایذتیں بھی دی گئیں۔ کچھ نوجوان نو مسلموں کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن ان تمام مظالم و مصائب کو ان نو مسلموں نے خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور اسلام پر جمے رہے۔ مجھے بتایا گیا کہ ان نیگرو نو مسلموں پر ان کے اپنے بھائی بندوں کے علاوہ سفید فام امریکیوں نے بھی جو رد و ستم کے طرح طرح سے پہاڑ توڑے ہیں۔ لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہیں آئی۔ کوئی بھی اس دین سے نہیں پھرا جس کو انہوں نے قبول کیا تھا۔ البتہ چند ایسے واقعات بھی ہوئے کہ ان نو مسلموں میں سے کچھ جو شیعلے نوجوانوں نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا۔ لیکن ایسا شاذ ہی ہوا ہے۔ اس صورت حال کا تقاضا تو یہ تھا کہ ہمارے مہاجر مسلمان بھائی آگے بڑھ کر ان نو مسلموں کو گلے لگاتے، ان کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتے۔ ان کو اپنی سوسائٹی میں جذب کرنے کی کوشش کرتے۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہاں اس اہم ضرورت کی طرف کوئی خصوصی توجہ نہیں دی گئی اگر کما حقہ اس طرف توجہ دی جاتی تو اس کے بہت خوشگوار اثرات وہاں کی نیگرو آبادی پر پڑے اور ان کو محسوس ہوتا کہ اگر ہم سلام لانے کی وجہ سے اپنی سوسائٹی سے کٹیں گے تو دوسری سوسائٹی موجود ہے جو ہمارا خیر مقدم کرے گی اور ہم کو خوش آمدید کہے گی۔ اس طرح ان نیگروؤں میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد اُس سے کہیں زیادہ ہوتی جو آج موجود ہے۔ مجھے جہاں بھی تعاریف کا موقع ملا ہے میں نے اس طرف توجہ دلائی ہے اور اُن سے استدعا کی ہے کہ ان میں اور نیگرو نو مسلموں میں جو بُعد اور بے تعلقی ہے اس کو ختم کرنے کی فکر کیجئے۔ یہ کام بھی ان شاء اللہ اشاعت اسلام میں مدد و معاون ثابت ہو گا۔

## مہاجر مسلمانوں کے مختلف طبقات

مشرق سے یورپ جانے والوں میں گذشتہ جنگ

عظیم دوم سے قبل جا کر آباد ہونے والوں میں اعلیٰ سوسائٹی اور تعلیم یافتہ افراد کی اکثریت تھی۔ لیکن جب ۱۹۱۴ء کی جنگ کے نتیجے میں یورپ خاص طور پر برطانیہ

میں محنت کشوں اور مزدوروں کا قحط پڑا جبکہ ان کو اپنی فیکٹریوں اور اپنی صنعتوں کو از سر نو بحال کرنے کی ضرورت لاحق تھی تو انہوں نے مشرق سے آنے والے محنت کشوں کی پذیرائی کی چونکہ ان کو محنت کشوں کی ضرورت تھی اور مشرق کے لوگ ان کو مقامی مزدوروں کے مقابلے میں سستی اور کم اجرت پر ملنے لگے تھے۔ چنانچہ مختلف ممالک سے مزدور طبقے کے لوگ یورپ کے مختلف ممالک میں پہنچے۔ لگے پھر ان کے قرابت داروں میں سے بھی ہر طرح کے لوگ وہاں پہنچ گئے اور اس طرح تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ کی کوئی قید نہیں رہی۔ لیکن امریکہ کا معاملہ مختلف ہے۔ وہاں مشرقی ممالک سے نقل مکانی کرنے والے تعلیم یافتہ لوگ یا مزید اعلیٰ تعلیم کے حصول کا ذوق و شوق رکھنے والے افراد ہی پہنچے ہیں اور پہنچ رہے ہیں ان میں مسلم بھی ہیں اور غیر مسلم بھی۔ میرے مشاہدے کے مطابق وہاں مستقل نو آباد مسلمان تین نمایاں طبقات میں منقسم ہیں۔

پہلا طبقہ : یہ طبقہ ان مہاجرین (IMMIGRANTS) پر مشتمل ہے جو خود یا ان کے آباؤ اجداد آج سے تقریباً چالیس اور ساٹھ سال عرصے قبل کے زمانے میں نقل مکانی کر کے وہاں آباد ہوئے۔ ان میں زیادہ تعداد مشرق وسطیٰ اور ترکی کے مسلمانوں پر مشتمل تھی۔ یہ تعلیم یافتہ اور متوال افراد تھے۔ لیکن اب اس طبقے کی عظیم ترین اکثریت امریکی معاشرے اور اس کی تہذیب میں جذب ہو چکی ہے۔ اب ان کا حال یہ ہے کہ ان کا اسلام سے برائے نام بھی تعلق باقی نہیں ہے ان میں اور ایک امریکی میں آپکے کوئی فرق و امتیاز نظر نہیں آئے گا۔ بے حیائی اور عریانی اور اسی نوع کے دوسرے تمام مذموم افعال جو خدا نا آشنا اور آخرت سے فاعل لوگوں کے لئے ”پسندیدہ اور مہذب“ افعال کا درجہ رکھتے ہیں، ان میں، یہ لوگ بالکل تہ متوث نظر آتے ہیں۔ حد یہ ہے کہ ان کے ہاں اسلامی نام تک تبدیل ہو گئے ہیں۔ اب یوسف کا نام جوزف سے، یعقوب کا جیکب سے اور اسحق کا آئزک سے تبدیل کر لیا گیا ہے۔ ایسے لوگوں کی اولاد کو سرے سے معلوم ہی نہیں کہ ”اسلام“ کسے کہتے ہیں! ان سے اسلام کے متعلق کچھ گفتگو کیجئے تو بس وہ اتنا کہیں گے۔ کہ O, Yes

my father is (or was) a Muslim ” ہاں ہاں!

میرا باپ مسلم ہے یا تھا؟ اس سے زیادہ وہ اسلام کے متعلق کچھ نہیں جانتے اور نہ جاننے کی کوئی خواہش ان میں نظر آتی ہے۔ ان لوگوں کے اس طرز عمل کی وجہ سمجھ میں آتی ہے۔ وہ جب امریکہ پہنچے تو ان کی تعداد ایک تو بہت کم تھی پھر کسی ایک شہر میں مقیم ہونے کی بجائے وہ امریکہ جیسے وسیع و عریض ملک میں منتشر ہو کر آباد ہوئے ان کے لئے اس معاشرے کے دباؤ کا مقابلہ کرنا آسان نہ تھا۔ لہٰذا وہ چارو ناچار اس معاشرے میں جذب ہو گئے اور اس رنگ میں پوری طرح رنگ گئے اور اس طرح اپنی دنیا بنانے کی خاطر آخرت کے خسارے قبول کر لیا۔ **كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَاتِ ۖ وَتَذَرُونَ الْآٰخِرَةَ ۚ**

**دوسرا طبقہ :** یہ طبقہ ان افراد پر مشتمل ہے جو قیام پاکستان کے بعد ہندوستان اور پاکستان کے حالات کو اپنے مستقبل کے لئے سازگار نہ پا کر نقل مکانی کر کے امریکہ میں مستقل طور پر جا کر آباد ہوئے ہیں۔ میرے نزدیک یہ بڑا قیمتی طبقہ ہے جو وہاں گیا ہے۔ علمی و ذہنی اور اسلامی فکر کے لحاظ سے ہمارا بیش بہا سرمایہ وہاں منتقل ہو گیا ہے۔ ان کے نقل مکانی سے پاکستان کے **Brahmin Trusts** کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے اور اس معیار کے لوگوں کی منتقلی سے مسلسل پہنچ رہا ہے۔ اس بات کی میں آگے کچھ شرح کروں گا۔ اس طبقے میں وہ لوگ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جن میں سے اکثر لوگ تقسیم ہند کے موقع پر یا اس کے بعد چار پانچ سال کے عرصے میں پاکستان آنے کے بجائے ہندوستان ہی سے براہ راست یورپ یا امریکہ نقل مکانی کر گئے۔ ان میں سے بھی زیادہ تر لوگوں نے امریکہ کا رخ کیا۔ ان میں اکثریت حیدر آباد دکن، جنوبی ہند، صوبہ بہار اور مشرقی یوپی کے ان اضلاع کے لوگوں کی ہے جو صوبہ بہار سے ملحق ہیں۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں کے مسلمانوں میں تعلیم کا اوسط دوسرے علاقوں سے بہتر تھا۔ جہاں ذہانت و نظامت بھی زیادہ تھی اور دین و مذہب کے تعلق بھی مقابلاً گہرا اور مضبوط تھا۔ حیدر آباد دکن کے لوگ صاحب ثروت بھی تھے۔ ان کی اپنی تہذیب تھی جس پر اسلامی رنگ غالب تھا۔ ان کی یونیورسٹیوں میں سائنس اور ٹیکنالوجی

کی تعلیم بھی اردو میں ہوتی تھی۔ وہاں اردو میں دینی معلومات کا بڑا قیمتی سرمایہ موجود تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مدظلہ العالی اسی حیدر آباد دکن کے رہنے والے ہیں جو عرصہ دراز سے مستقل طور پر پیرس میں مقیم ہیں اور علمی سطح پر دین کیلئے بڑا اعلیٰ دار فاع کام کر رہے ہیں وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے پورے عالم اسلام اور خاص طور پر یورپ میں مشہور و معروف ہیں۔ اس دور میں جو چوٹی کے اہل علم ہندوستان میں پیدا ہوئے، ان میں میرے نزدیک ڈاکٹر حمید اللہ کا نام نامی بہت سے اعتبارات سے بہت اونچا ہے۔ ڈاکٹر میر ولی الدین مرحوم و مغفور بھی اللہ تعالیٰ ان کے مرقد کو نور سے بھرے اسی حیدر آباد دکن کے رہنے والے تھے جن کی قرآن مجید اور اسلامی تصوف و فلسفے پر انگریزی زبان میں چھوٹی چھوٹی کتابیں یورپ میں قبول عام حاصل کر رہی ہیں۔ صوبہ بہار اور اس سے ملحق مشرقی یوپی کے اضلاع بھی بڑے مردم خیز علاقے رہے ہیں۔ اسلامی منطق اور فلسفے کے چوٹی کے لوگ اسی علاقے سے تعلق رکھنے والے تھے۔ عظیم آباد (پٹنہ)، اور اعظم گڑھ ہمارے دینی علم کے لحاظ سے ہماری تاریخ میں نمایاں حیثیت کا مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں بجلت براہ راست نقل مکانی کرنے والوں میں حیدر آباد اور صوبہ بہار اور اس سے ملحق علاقوں سے تعلق رکھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ہے۔ ان کے اندر اپنے دین سے گہرا شفقت و تاحال قائم ہے۔ ان میں کام کرنے کی لگن اور جذبہ بھی موجود ہے۔ اسی طبقہ میں ان لوگوں کو بھی شامل سمجھئے جو پاکستان آئے۔ زیادہ تر کراچی میں آباد ہوئے جن کو مہاجرین کہا جاتا تھا۔ ان کے ذہین و فطین افراد نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ ہمارا پاکستان میں کوئی مستقبل نہیں ہے۔ خاص طور پر پچھلے جو دس گیارہ سال گزرے ہیں۔ اس میں علاقائی قومیت اور عصیت جو سرا بھلا ہے۔ اس کا سامنے رکھئے۔ اسی عصیت کی وجہ سے پاکستان دو لخت ہوا اور مشرقی پاکستان ”بنگلہ دیش“ بن گیا۔ یہ علاقائی قومیت اور عصیت پاکستانی اُمتِ مسلمہ کے اتحاد اور وحدت کے لئے ستم قاتل ہے۔ بھٹو صاحب کے دور میں یہ فتنہ مزید ابھرا اور باقاعدہ تحریکیں اٹھنے لگیں اور نعرے لگنے شروع ہوئے کہ سندھ سندھیوں کا، پنجاب پنجابیوں کا۔ بلوچستان بلوچیوں کا اور سرحد

پختونوں کا، جب 'Son of the Soil' کا یہ تصور ابھرا اور جڑ بکڑنے لگا تو مہاجرین کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین طبقے کو اپنا مستقبل یہاں تارکب اور غیر محفوظ نظر آنے لگا اور حالات نے ان لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ ہم "پناہ گیر" ہیں 'Son of the Soil' تو نہیں ہیں۔ جب پچاس ساٹھ سال قبل پنجاب سے اگر سندھ میں بسنے والے ابھی تک غیر مقامی متصور ہوئے ہیں تو ہم تو شاید یہاں سو سال تک بھی و مقامی، زمین سکیں گے اور مہاجر بلکہ صحیح معنوں میں "پناہ گیر" ہی رہیں گے۔ یہ نہ سمجھئے کہ علاقائی عصبيت کے عفریت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ یہ زیر زمین موجود ہے اور فی الوقت مارشل لار کے خوف سے دبا بیٹھا ہے۔ ان اسباب کی بنا پر ان مہاجرین نے یہاں سے نقل مکانی ہی میں عافیت سمجھی اور اس طبقے کی اچھی خاصی تعداد یہاں سے نقل مکانی کر گئی اور ان میں سے بھی زیادہ تر افراد نے امریکہ اور کناڈا کا رخ کیا۔ مشرقی پنجاب سے جو لوگ پاکستان آکر پنجاب یا کسی دوسرے علاقے میں آباد ہوئے۔ ان میں یہ جذبات پیدا نہیں ہوئے چونکہ وہ پہلے بھی پنجابی تھے اور اب بھی پنجاب ہی میں آکر بس گئے تھے۔ دوسرے علاقوں میں گئے تو ضرورت پڑنے پر علاقائی تحفظ ان کو پنجاب میں حاصل ہو سکتا ہے۔ ان کے ساتھ، مغارت کا کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے جو ان کے لئے کسی خاص تشویش کا باعث ہو۔ اس لئے پاکستان سے جن لوگوں نے نقل مکانی کی ہے ان میں ان ہی علاقوں کے لوگوں کی اکثریت ہے جو ہندوستان کے حصے میں آئے اور جہاں سے واصل تحریک پاکستان کو اصل قیادت اور مضبوط قوت مہیا ہوئی تھی۔ میرا امریکہ اور کناڈا میں اصل رابطہ اسی طبقے کے لوگوں سے رہا ہے۔ میرا گہرا تاثر یہ ہے کہ طبقہ نہایت ہی قیمتی سرمایہ ہے۔ اس طبقے کی اکثریت میں دین سے تعلق و شغف برقرار ہے۔ ان کو اپنی نئی نسل کے مستقبل کی فکر ہلکان کئے دے رہی ہے پچاس ساٹھ سال قبل آنے والے مہاجرین کی اولاد جس طرح امریکی معاشرے اور امریکی تہذیب میں رنگ چکی ہے اور اپنا اسلامی تشخص گم کر چکی ہے۔ ان لوگوں کو بھی اپنی اولاد کا یہی انجام بد تصور کی آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ: (الحديث)  
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

آپ کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

## نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمارہ	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تعاریف کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱-۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریہ ارتقار اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ اُمت مسلمہ (مبوقع یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں) (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۲ ادبیع الاول) (۶۰-سی) (۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-



نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دور کوغ) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰ / -
۱۵	خلافتِ اشد کی شرعی اور تاریخی حیثیت (۹۰/۶۰ سی دو کیسٹ)	۳۲-۳۳	۵۵ / -
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری دور کوغ) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰ / -
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا دور کوغ) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰ / -
۱۸	شہادتِ حسینؑ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰ / -
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرأت (۹۰-سی ستا کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰ / -
۲۰	سورۃ الحج (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰ / -
۲۱	درس قرآن سورۃ صف والجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰ / -
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰ / -
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰ / -
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰ / -
۲۵	خطاب ہوقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵ / -
۲۶	قرآن کا فلسفہ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰ / -
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخِ امتِ مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵ / -

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلبہ فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ دی۔ پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

انشر القُدان، کیسٹ سید مین لاہور

تَنْظِیمِ اِسْلَامِی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۸۵۲۶۱۱  
۸۵۲۶۸۳

تیسرا طبقہ :- یہ ان پاکستانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جو اصلاً تو اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ یا کینیڈا گئے تھے۔ جن میں مقامی بھی ہیں اور مہاجرین بھی اور مقامیوں میں پنجاب کے لوگ زیادہ ہیں۔ لیکن جن کو امریکی معاشرہ اتنا دل آویز معلوم ہوا کہ وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے جب محسوس کیا کہ ان کے پاس جو تعلیمی ڈگریاں ہیں ان کی امریکہ میں جو قدر و قیمت ہے اور ان کے عوض یہاں جو آسائشیں ان کو میسر آ سکتی ہیں ان کا پاکستان میں میسر آنا ناممکن نہیں تو مشکل تر ضرور ہے۔ اس لئے کہ اول تو پاکستان میں قابلیت و صلاحیت کی قدر کم، اثر و رسوخ اور سفارش کی پہنچ اور اس کا اثر زیادہ ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر کہیں کوئی اچھی ملازمت ملتی بھی جائے تو جو سہولتیں جو آرام جو سکون اور جو نقد و امریکی معاشرے میں حاصل ہے وہ پاکستان میں کہاں میسر! لہذا انہوں نے وہیں مستقل آباد ہونے کا فیصلہ کر لیا اور مختلف اچھی ملازمتوں پر فائز ہو گئے۔ کم و بیش ایسا ہی کچھ ان لوگوں کا حال ہے جو عارضی طور پر تجارت کے لئے گئے تھے لیکن اب انہوں نے مستقل طور پر وہاں اپنے کاروبار چلا لئے ہیں۔ اس تیسرے طبقے میں پہلے طبقے کی خصوصیات کے حامل لوگ بھی ہیں یعنی جو فکر و نظر اور عمل و اخلاق کے لحاظ سے تیزی کے ساتھ امریکی معاشرے میں جذب ہوتے چلے جا رہے ہیں اور جن کا یہ حال نظر آ رہا ہے کہ اندیشہ ہے کہ جلد ہی وہ اپنے مسلمان اور پاکستانی ہونے کا شعور کھودیں گے۔ اسی طبقے کی خواتین کی روش کا میں پہلے ذکر کر چکا ہوں۔ جن سے نیگرو مسلم سخت بیزار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تیزی سے کالے امریکی بننے چلے جا رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کی روش اور حالت پر لسان القوم اکبر الہ آبادی مرحوم کا یہ شعر بالکل راست آتا ہے کہ

ہم تو سمجھتے تھے لئے گی فراغت تعلیم کیا خبر تھی کہ چلائے گا الحاد بھی ساتھ  
ان لوگوں کے ساتھ الحاد اس طرح چپک کر رہ گیا ہے کہ وہ جہاں بھی جائیں گے۔ وہ ان کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔ الایکہ اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔ اس تیسرے طبقے میں دوسرے طبقے کی خصوصیات کے حامل لوگ بھی ہیں یعنی جنہوں نے معاشی طور پر دلفریب خوش گوار حال و مستقبل کی ترغیب میں آ کر وہاں مستقل

آباد ہونے کا فیصلہ تو کر لیا اور تاحال وہ اپنا اسلامی تشخص بھی برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن ان کو بھی اپنی اولاد کے مستقبل کی فکر لاحق ہے اور ان کو بھی وہ انجام نظر آ رہا ہے جس کی عکاسی میں پہلے طبقے کے ذکر میں کر چکا ہوں۔

دوسرے طبقے کے افراد اور تیسرے طبقے کے موخر الذکر گروہ کا اصل مسئلہ یہی ہے۔ انہوں نے متاثر زندگی اختیار کی

ہے۔ صاحب اولاد ہو گئے ہیں اور ڈر رہے ہیں کہ امریکہ جیسے بے دین، بے حیاء، روحانی اخلاقیات و اقدار سے عاری و خالی معاشرے میں ہماری اولاد کا کیا بنے گا؟ جن کے معصوم دل و دماغ پر نقش اول امریکہ کی خدا نا آشنا تہذیب و تمدن اور فکر و عمل کا ثبت ہو رہا ہے۔ ہم تو کچھ نہ کچھ نماز روزے کا اہتمام کر لیتے ہیں اور عیدین کو بطور دینی تہوار منا لیتے ہیں اور اس طرح اپنا کسی نہ کسی حد تک اسلامی تشخص برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن اپنی نسلوں کے سروں پر دینی اتداد کا

خطرہ منڈلاتے دیکھ رہے ہیں۔ شکاگو میں پنجا ب کے کھوکھر خاندان کے ایک صاحب سے مستقل رابطہ رہا۔ بڑے نیک طینت، مخلص اور فعال کارکن ہیں۔ وہ بڑے درد اور دکھ لیکن یقین کے ساتھ کہا کرتے ہیں کہ ہماری ایک نسل تو شاید امریکہ کی اس ملحدانہ اور اخلاق باختہ نظریات و تہذیب سے کچھ نہ کچھ بچ جائے لیکن میں پورے یقین اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہماری دوسری نسل کو یاد بھی نہیں رہے گا کہ ہم مسلمان تھے اور ہمارا مسلمان خاندان سے تعلق تھا، اسی قسم کے خطرات و خدشات اور خوف میں وہاں وہ لوگ مبتلا ہیں۔ جن کو کسی کسی درجے میں دین عزیز ہے اور جو اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھتے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی اولاد الحاد کے سیلاب میں بہنے نہ پائے وہاں نجی مجلسوں اور گفتگوؤں میں یہی مساتل اکثر زیر بحث رہے اور اکثر حضرات نے ان ہی خیالات کا اظہار کیا جس کا کھوکھر صاحب کرتے رہے تھے۔

ان نجی مجلسوں اور گفتگوؤں میں، میں نے ان حضرات سے احساں خوف | عرض کیا کہ آپ میں دین کی دعوت و تبلیغ کے کام کا جو جذبہ نظر آ رہا ہے۔ اس میں دراصل غالب عنصر اپنا اولاد کے مستقبل کے خوف کا شامل ہے

گویا آپ حضرات میں کام کے جذبے کا اصل محرک احساسِ خوف (Fear Complex) ہے۔ پہلے تو اس کی تصحیح کر لیجئے۔ دین کی دعوت و تبلیغ، تو اسی بالحق، امر بالمعروف، نہی عن المنکر غلبہ دین حق کی سعی و جہد ہمارا دینی فرض ہے۔ اس کا اصل محرک احساسِ فرض کی ادائیگی ہونا چاہیے۔ یہ حسنِ نیت ان شاء اللہ باعثِ برکت و اجر ہوگا۔ ویسے اپنی اود اپنے اہل و عیال کی عاقبت و آخرت سنوائی کی فکر بھی مستحسن اور ہمارے دین کا عین تقاضا اور مطالبہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا۔ آپ کی یسوج اپنے احساسِ فرض کے تحت ہونی چاہیے کہ ہم پر تو اسی بالحق کا جو فرض عائد کیا گیا ہے اسی کے ذیل میں ہمارے گھر والے الاقرب فالاقرب میں آتے ہیں۔ میں نے ان حضرات سے عرض کیا کہ پاکستان میں ہم جو کام کر رہے ہیں اس کے لحاظ سے مجھے یہاں کام کی فضا بہتر اور مواقع زیادہ نظر آتے ہیں۔ وہ کہنے لگے، یہ کیسے! میں نے عرض کیا کہ ہمیں پاکستان میں لوگوں کو بہت زیادہ جھنجھوڑنا پڑتا ہے کہ خدا کے لئے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور دین کی دعوت و تبلیغ میں لگ جاؤ۔ اس کے باوجود وہاں کہ عظیم ترین اکثریت شس سے مس نہیں ہوتی، جو جس حال میں ہے، مگن اور مطمئن ہے۔ پھر جن لوگوں میں ٹھوس کام کا کچھ داعیہ بیدار ہوتا تو ہمیں ان کو بتانا پڑتا ہے کہ کام کیا کرو! یہاں آپ میں کام کا جذبہ ہے، آمادگی ہے پھر آپ کے لئے کام کا بڑا میدان ہے۔ غیر مسلموں میں دین کے کام کے مواقع ہیں۔ پھر اپنے بچوں کی اسلامی طرز پر تربیت کا میدان ہے۔ میں نے مزید عرض کیا کہ آپ کو جو خوف کا احساس Fear Complex ہے اس کو بھی غنیمت سمجھئے اور اس کو باقی رکھنے کی کوشش کیجئے۔ بعض اوقات یہ جذبہ بھی بڑے بڑے معرکے سر کر دیتا ہے۔ پاکستان نے پیام میں اس خوف کے عنصر کو بھی بڑا بھی موثر دخل دیا۔ وہاں ہندو کا خوف مقابلاً جو مددی اعتبار سے ہم سے تین گنا زیادہ تھا پھر تعلیم اور رہز کے میدان میں وہ مسلمانوں سے بہت آگے تھا۔ پھر وہ تقریباً سب سے سو سال مسلمانوں کے زیر نگین رہا تھا۔ اس میں ایک انتقامی جذبہ بھی

موجود تھا الغرض ہر میدان میں وہ مسلمانوں سے بہت آگے تھا۔ لہذا خطرہ تھا کہ مزدہم کو اپنی تہذیب میں ضم نہ کرے۔ اس خوف کے احساس نے بھی تحریک پاکستان کو قوت بخشی۔ چنانچہ احساس خوف بھی دنیا میں بڑے بڑے کاموں کی انجام دہی میں ملوث و مددگار

تر بیت کی عملی صورت | میں نے ان کو توجہ دلائی کہ اگر آپ واقعی اپنے اہل و عیال میں مسلمان ہونے کا شعور باقی اور

قائم رکھنا چاہتے ہیں تو محض نصیحت سے کام نہیں چلے گا بلکہ آپ کو عملی نمونہ بننا ہوگا۔ پاکستان میں اپنے ماحول میں آپ کو یہ امید ہوتی کہ چلو میں اگر نماز نہیں پڑھتا، روزے نہیں رکھتا۔ قرآن مجید کی تلاوت نہیں کرتا تو ان بچوں کے دادا، نانا، ماموں، خالو اور ایسے ہی دوسرے قریبی رشتہ دار تو غار پڑھتے ہیں، ہر محلے میں مساجد موجود ہیں جہاں سے ہر روز پانچ وقت حی الصلوٰۃ، حی الفلاح کی ندا بلند ہوتی ہے۔ ماحول کے ان اثرات کا نیچے کچھ نہ کچھ اثر قبول کریں گے۔ لیکن یہاں کوئی دادا، نانا اور اس نوع کے عزیز واقارب نہیں۔ ماحول قطعی ناسازگار بلکہ قطعی مخالف۔ لہذا آپ کے کہنے سے آپ کے بچے نماز نہیں پڑھیں گے اور دوسرے اسلامی شعائر کا اہتمام نہیں کریں گے۔ جب تک آپ خود نماز کی اور دوسرے شعائر اسلامی کی ادائیگی کا اہتمام نہیں کریں گے۔ آپ اگر زبانی کلامی نصیحت کریں گے تو یہاں آپ کی اولاد خاموش نہیں رہ سکے گی۔ وہ الٹی آپ پر تنقید کرے گی اور جب آپ کہے گی کہ *Daddy, you don't say Prayer why do you ask me to say Prayer?*

تو آپ بے بنیاد جھانکنے لگیں گے اور پھر آپ کا منہ نہیں پڑے گا کہ بچوں کو نماز کے لئے کہہ سکیں۔ آپ کو لازماً خود نماز پڑھنی ہوگی اور اپنے بچوں کے لئے نمونہ بننا ہوگا۔ اس کے بغیر آپ کے لئے نئی نسل میں اسلامی شعور باقی اور قائم رکھنا ممکن ہی نہیں۔ ان حضرات نے بڑے صبر و سکون کے ساتھ میری یہ باتیں سنیں اور ان باتوں کو تسلیم کیا۔ یہ بڑی اچھی علامت ہے جس کا میں وہاں مشاہدہ کر کے آیا ہوں کہ آنے والے خطرات کا انہیں پورا احساس ہے اور اس کے تدارک کے لئے وہ بنیاب ہیں اور اس کے لئے احتیاطی تدابیر

سوچ بھی رہے ہیں اور عمل بھی کر رہے ہیں۔

انہی نجی گفتگوؤں میں، میں نے ان کو متنبہ کیا کہ آپ خاص طور پر اپنی بچیوں کی فکر کیجئے۔ آپ ان بچیوں کو اسکولوں میں بھیج کر

**انتباہ**

کیسے اطمینان کی نیند سوتے ہیں! جس معاشرے میں عریانی ایک تہذیبی قدر بن چکی ہے۔ جہاں Sex پر کوئی قدغن نہ ہو،۔ جہاں سوسائٹی میں مادر پدر آزادی ہو۔ جہاں اسکولوں میں غلو ط تعلیم ہو۔ جہاں اسکول کے یونیفارم اختیار کرنے کی پابندی ہو اور جہاں اگر کوئی لڑکی شلوار قمیض پہن کر چلی جائے تو اس کو اسکول میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے اور استہزا اور مذاق کا نشانہ بن جائے۔ جہاں شلوار کیا پینٹ بھی چاہے چست پہنی ہو لیکن اگر پوری پہنی ہو تو لڑکی نکو بن جائے۔ ایسے ماحول میں لڑکیوں کے معاملہ بڑا نازک ہے۔ آپ کو سب سے زیادہ متنبہ۔ ان بچیوں کے مستقبل کے بارے میں کرنی چاہیے۔ چونکہ آئندہ نسل کو انہی کی آغوش میں پرورش پانا

مجھے اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کو اس کا پہلے ہی سے شدت سے

**اضطراب**

کے ساتھ احساس تھا اور ان میں اس مسئلہ کے بارے میں شدید اضطراب ہے۔ چنانچہ وہ لوگ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ اکثر لوگوں

میں آپس میں اچھے روابط ہیں COMMUNITY LEVEL پر کام ہو

رہا ہے۔ ان کی بے شمار انجمنیں ہیں جن کے اچھے خاصے مصارف ہیں جو یہ لوگ

مل جل کر برداشت کر رہے ہیں یہ انجمنیں چرچ اور دوسری عمارات خرید رہے

ہیں اور انہیں مسجدیں اور دینی کام کے مراکز بنا رہے ہیں۔ وہاں اکثر مقامات پر

سنڈے اسکول کا ایک نظام جاری ہے جہاں لوگ بچوں کو لے کر جاتے ہیں۔

وہاں بچوں اور بڑوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دینی تعلیم کا انتظام ہے۔ درس قرآن

کی ہفتہ وار مجالس کے انعقاد کا انتظام ہے۔ لوگ اس میں پابندی اور ذوق و

شوق کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔ غرض کہ ایک مسلسل حرکت موجود ہے۔

عموماً سب ہی لوگ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور آسودہ حال ہیں۔ بیدار ہیں اور بیدار

رہنا چاہتے ہیں۔ یہ بہت ہی خوش آئند بات ہے کہ وہ ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

ان میں کام کا جذبہ ہے اسلام کا درد ہے اور وہ خود بھی اپنا اسلامی شخص قائم

رکھنے کے لئے بیتاب اور اپنی اولاد کو بھی مسلمان ہی رہنے کے انتہائی آرزو مند ہیں۔ یہ بے چینی بہت قیمتی ہے اور یہ جتنی بڑھے گی اتنی ہی ان میں کام کی لگن کو قائم رکھنے میں مدد و معاون ہوگی۔ یہ بے چینی ہی ہے کہ جوان کو ہر دینی کام میں تعاون کرنے اور ہر دینی بات کو قبول کرنے کے لئے ابھارتی ہے۔ اگر یہ بے چینی ختم ہوگئی تو گویا ان کے دل میں اسلام و ایمان کی جو دھیمی سی چنگاری ہے وہ بجھ گئی پھر ان کا یہ حال ہو جائے گا جسے علامہ اقبال مرحوم نے یوں ادا کیا ہے

۵۔ ولے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے حساس نیاں جاتا رہا

**ایک نہایت مبارک بات** | برصغیر ہند و پاک میں دین کی صحیح و حقیقی دعوت کی اشاعت میں جامدہ قسم کی مختلف فقہی مسالک کے ساتھ وابستگی ایک رکاوٹ بنتی ہے۔ یہاں فقہی اختلافات نے شدید نوعیت کی فرقہ واریت اختیار کی ہوئی ہے۔ یہاں عموماً کیفیت یہ ہے کہ لوگوں کی عظیم اکثریت کسی دعوت کو اس کی *Face Value* پر نہیں جانچتی بلکہ یہ دیکھتی ہے کہ کس مسلک کے پیرو کی طرف سے یہ دعوت پیش کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں تو حق بات کہنا انتہائی مشکل ہے ذرا کہہ کر دیکھئے نہ معلوم کتنی مسجدوں میں آپ کا داخلہ بند اور کتنے دارالعلوموں سے آپ کے خلاف فتوے جاری ہو جائیں گے۔ یہاں یہ پوچھا جائے گا کہ کس دارالعلوم کا فائز التحیل ہے۔ سند ہے یا نہیں۔ پیروالا ہے۔ یا بے پیرو ہے۔ یہ بڑی مبارک اور خوش آئند بات ہے کہ فقہی فرقہ واریت یہ دیوثیت اور بریلویت کی چپقلش ابھی امریکہ میں نہیں پہنچی ہے۔ جب تک یہ برطانیہ میں نہیں پہنچی تھی تو وہاں مثبت انداز میں دین کا اچھا بھلا کام ہو رہا تھا۔ لیکن جب یہ فرقہ واریت وہاں پہنچی تو فساد، افتراق اور تفرقے کا بیج بو آئی۔ برطانیہ میں بہت سے مقامات پر اسی فرقہ وارانہ مخالفتوں اور جھگڑوں کی وجہ سے کچھ مساجد میں تالے پڑ گئے۔ خون ریز فسادات اور منہر چلنے کی بھی نوبت آئی۔ مقدمات قائم ہوئے اور اس طرح وہاں اسلام کا جو ایک عمدہ *Image* قائم ہو رہا تھا اس کو اسی فرقہ واریت نے سخت صدمہ پہنچایا۔ برطانیہ میں مزدور طبقے کے لوگ کثرت

سے پیچھے ہوتے ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے، جس کا عملی طور پر تو اسلام سے کوئی مضبوط تعلق نہیں ہونا حتیٰ کہ نہ نماز کی ادائیگی کا اہتمام ہوتا ہے نہ روزہ رکھنے کا۔ لیکن فرقہ دارانہ اختلافات میں یہ اپنے علماء کی پکار پڑ لڑنے بھرنے بلکہ جان تکفینے کے لئے ہر وقت تیار۔ ان کے اسی اندھے جذبے کو مفاد پرست لوگ استعمال کرتے ہیں اور بدترین منافرت پھیلاتے ہیں لیکن الحمد للہ ثم الحمد للہ امریکہ کے مسلمان تاحال اس آفت سے محفوظ ہیں۔ کتب وہاں یہ تفرقے کا بیج پڑ جاتے جو شیطان کا حقیقی اسلام کی دعوت و تبلیغ کی راہ میں رُوڈا اٹکانے کا سب سے موثر ہتھیار ہے، اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہر حال یہ صورت حال بہت مبارک، خوش آئند اور حقیقی دین کے کام کے لئے سازگار ہے۔

امریکہ اور کینیڈا میں برصغیر پاک و ہند سے گئے ہوئے ایک قابل غور بات | بہت سے حضرات سے میرا رابطہ قائم ہوا اور مختلف

مباحث میں تبادلہ خیال کا موقع بھی ملا تو ان ملاقاتوں سے ایک گہرا تاثر میرے دل میں پیدا ہوا وہ یہ کہ بہترین علمی، ذہنی اور انتظامی صلاحیتیں رکھنے والے حضرات اپنے ملک کو خیر باد کہہ کر دیارِ غیر میں آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے ہیں اور ہمارا ملک ان کی صلاحیتوں سے محروم ہو گیا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ ہم نے جس مقصد کے لئے پاکستان قائم کیا تھا، اس کو ہم نے پس پشت ڈال دیا اور تاحال ڈالے رکھا ہے، یعنی ایک صحیح اسلامی نظام کا قیام و نفاذ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس ملک کو پاکستان کا مطلب کیا۔ لا الہ الا اللہ کے مطالبے اور نعرے پر قائم کیا گیا تھا۔ اُسی مطالبے اور نعرے کو ہم نے طاقِ نیان پر رکھ دیا اس کی اس دنیا میں یہ سزا مل رہی ہے کہ بہت سے فتنوں نے سراٹھایا اور اٹھا رہے ہیں اور سلام کی منزل دُور سے دُور ہوتی چلی آ رہی ہے۔ اسی صورت حال سے مایوس ہو کر ہمارے معاشرے کے *Intellegentia* کا معتد بہ حصہ ترک وطن کر گیا۔ اور کر رہا ہے۔ اب ان کی صلاحیتوں، توانائیوں اور قوتوں سے خدا نا آشنا اور طاغوتی نظامِ فائدہ اٹھا رہا ہے۔ شاید آپ کو اندازہ نہیں کہ ہمارے معاشرے کے مکھن کا بہت بڑا حصہ *Export* ہو چکا ہے۔ ہمارے بہترین انجینئرز



بہترین ڈاکٹرز، بہترین ماہران تعلیم، بہترین ماہران معاشیات، و عمرانیات اور  
 سیاسیات۔ بہترین سائنس دان اور فلاسفر امریکہ، کنڈا اور یورپ کے دوسرے  
 ممالک میں مستقل طور پر جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ یہ ایک بہت بڑا قومی و ملی نقصان  
 اور المیہ ہے۔ امریکہ دنیوی لحاظ سے خوش بخت ملک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے  
 خزانے کی جن بے شمار دنیوی نعمتوں سے اس خطہ زمین کو نوازا ہے، اس کا ذکر  
 میں بالکل ابتدا میں کر چکا ہوں۔ مزید براں اس ملک کے رہنے والوں کو اپنے  
 ملک کے ترقی کے لئے باہر والوں سے بڑی مدد ملی ہے۔ آج سے تقریباً دو تین سو  
 سال پہلے زبردستی براعظم افریقہ سے وہاں کے باشندے غلام بنا کر امریکہ لائے  
 جاتے رہے ہیں جن سے سفید فام امریکیوں نے جانوروں کی طرح اپنی ملک کی  
 ترقی کے لئے کام لیا ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ صدی قبل تک جاری رہا۔  
 امریکہ کی زرعی ترقی، کان کنی، تیل کے کنوؤں کی دریافت پھر صنعتی ترقی میں ان  
 افریقی غلاموں کا خون پسینہ شامل ہے۔ یہی افریقی جو نیگرو اور کالوں کے نام  
 سے اب گو امریکہ کے باشندے شمار ہوتے ہیں لیکن جو حقوق سفید فام امریکیوں  
 کو حاصل ہیں ان میں سے اکثر حقوق سے یہ نا حال محروم ہیں۔ یہ لوگ صدیوں  
 قبل زبردستی اور غلام بنا کر لائے جاتے تھے اور ان کی محنت کا تمام ثمرہ سفید  
 فام حاصل کرتے تھے۔ اب زبردستی اور غلام بنا کر لوگوں کو امریکہ لے جانے  
 کا تو دستور نہیں۔ لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ مشرقی ممالک بالخصوص برصغیر  
 پاک ہند کا ذہنی اور انتظامی لحاظ سے بہترین سرمایہ (TALENT) اپنی خوشی  
 سے وہاں جا کر آباد ہو رہا ہے اور وہاں — ایک نوع کی — خود اختیاری  
 معاشی غلامی میں مبتلا ہے۔ سفید فام امریکی پہلے افریقی حقیقی غلاموں سے اپنی  
 ملک کی ترقی کے لئے بالجبر کام لیتے رہے۔ آج مشرقی اپنی رضا سے امریکہ میں  
 چند معاشی آسائشوں کی خاطر اس کی دنیوی ترقی کی مشین کے کئی پرزے بنے  
 ہوئے ہیں اور ایک طرح کی خود اختیاری معاشی غلامی میں گرفتار ہیں۔ ان کی  
 تمام صلاحیتیں اور قوتیں اسی ملک کی ترقی و بہبود کے لئے وقف ہیں۔ اس پر  
 اس کا بھی اضافہ کر لیجئے کہ جن مسلم ممالک اللہ تعالیٰ نے سیال سونے (تیل) سے

نوازا ہے۔ ہماری بدبختی کہ اس سے بھی بھرپور مادی فائدہ امریکہ ہی حاصل کر رہا ہے۔ **فَاغْتَبِرُوا يَا اُولَی الْاَبْصَارِ** — ہماری بہترین ذہنی و فکری اور انتظامی صلاحیتیں ہی ایکسپورٹ نہیں ہوتیں اور ہو رہی ہیں بلکہ ہمارے ملک کا محنت کش طبقہ اور خاص طور پر **SKILLE LABOUR** بھی بڑے پیمانے پر **Export** ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ہمارا ملک نقصان اٹھا رہا ہے۔ لیکن ہم خوش ہیں کہ ان کے ذریعے ملک کو زرمبادلہ حاصل ہو رہا ہے جس سے ملک کی معیشت مستحکم ہو رہی ہے۔ لیکن جائزے لے جاتے ہیں کہ اس زرمبادلہ کا کتنا قلیل حصہ حکومت کو مل رہا ہے اور کتنا کثیر حصہ ملک میں سامانِ تعیش کی درآمد اور اسمگلنگ کی پشت پناہی میں صرف ہو رہا ہے! اور پھر یہ کہ ان کو بیرونی ممالک بالخصوص سعودی عرب اور خلیج کی ریاستوں میں کتنی حقارت سے دیکھا جاتا ہے۔ میرا تاثر یہ ہے کہ اس قسم کے حالات دراصل اس امر کی نشان دہی کر رہے ہیں کہ ہم اپنی شامتِ اعمال کی پاداش میں مختلف نوع کے عذابِ الہی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اور اب ہماری حقیقی اور اجتماعی توبہ ہی بگڑی کو بنا سکتی ہے اور ہم **عَسَىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يَّزَحِّمَکُمْ** کی نوید کے مستحق بن سکتے ہیں۔

گزشتہ سال ۱۹۷۹ء کے شروع میں مجھے کناڈا **دروس قرآن اور تقاریر** اور امریکہ کے دورے کی دعوت ملی تھی۔

اس سے قبل بھی مجھے — اس نوع کی دعوتیں یورپ کے بعض ممالک اور شمالی امریکہ سے ملتی رہتی تھیں۔ لیکن میں نے ان کو سنجیدگی سے نہیں لیا تھا۔ لیکن شمالی امریکہ سے بڑی پُر زور دعوت آئی۔ انجمن کی مجلسِ منتظمہ اور خاص طور پر میرے رفیقِ قاضی عبدالقادر صاحبِ قیمِ تعلیمِ اسلامی نے اصرار کیا کہ اس دعوت کو مزید قبول کرنا چاہیے۔ قاضی صاحب ہی نے خط و کتابت کے ذریعے تمام انتظامات کئے اور میں پہلی مرتبہ ۲۱-۲۲ اگست ۱۹۷۹ء کی درمیانی شب کو کراچی سے شمالی امریکہ کے دعوتی دورے پر روانہ ہوا۔ وہاں بڑا مورچہ تو کینیڈا کے شہر ٹورنٹو میں لگا جہاں بارہ روز تک روزانہ قرآنی منتخب نصاب کا درس ہوا اور تقاریر ہوئیں۔ روزانہ ڈھائی سو کے لگ بھگ حاضری ہوتی تھی۔ جس میں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ پابندی سے شریک ہوتے رہے تھے جن میں کئی حضرات

وہ تھے جو تعلیمی لحاظ سے مجھ سے کہیں بلند درجہ تھے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اور ڈاکٹر آف سائنس کی ڈگریاں رکھنے والے لوگ تھے ایسے لوگ آپ کو یہاں درس میں نظر نہیں آئیں گے۔ یہاں یہ لوگ تو اپنے حال میں مگن اور مطمئن ہیں۔ یہی علم دوسرے دورے کے موقع پر دیکھنے میں آیا۔ جس کے لئے میں ۲۲-۲۳ اگست شدہ کی شب کو کراچی ہی سے روانہ ہوا تھا۔ پچھلے دورے میں بالٹی مور میں عید الفطر کی نماز پڑھائی اور چند مواقع پر اجتماعات جمعہ اور دیگر اجتماعات کو انگریزی میں خطاب کیا۔ کچھ درس قرآن انگریزی میں بھی دیئے۔ گذشتہ سال بھی اور اس سال بھی اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارٹھ امریکہ کے کنونشن میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ اس سال کنونشن کے آخری اجلاس میں، میں نے ”پندرہویں صدی ہجری کے چیلنج - خطرات اور توقعات“ کے عنوان سے انگریزی میں ایک مقالہ پڑھا۔ (جو روزنامہ مسلم اسلام آباد اور ہفت روزہ RADIANCE دہلی (بھارت) میں شائع بھی ہو چکا ہے) جس کے چند اہم نکات میں آج آپ کے سامنے بھی پیش کر چکا ہوں۔ اس دورے دو لے میں اس بار بھی ایک بڑا مورچہ ٹورنٹو (کینیڈا) ہی میں لگا۔ جہاں میں نے قرآنی منتخب نصاب کے بقیہ حصوں کا درس دیا وہاں مکمل نصاب کے بحمد اللہ کیسٹ تیار ہو گئے ہیں۔ جس کے ذریعے ان شاء اللہ امریکہ میں قرآن کی دعوت کی وسیع تر حلقوں میں اشاعت ہوگی اور دعوت قرآنی کی محکم اساس قائم ہو جائے گی۔ خطابات عام کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اس حالیہ دورے میں دوسرا بڑا مورچہ شکاگو (امریکہ) میں رہا۔ جہاں گیارہ روز کے دوران روزانہ درس قرآن کے علاوہ چند اجتماعات میں شمولیت اور خطابات بھی موقع ملا۔ گذشتہ سال کے دورے میں شکاگو اور ڈیلاس (امریکہ) میں صرف دو بائین درس ہوتے تھے۔ شکاگو میں اس مرتبہ روزانہ

حاضری ٹورنٹو سے بھی بڑھ گئی۔ سیرت النبیؐ کے موضوع پر منعقدہ ایک جلسے میں تو حاضری چھ سات صد سے بھی متجاوز تھی۔ یہ جلسہ شکاگو کے ایک وسیع و عریض مرکز تقریبات میں منعقد ہوا تھا۔ شکاگو میں اس بار سورہ حدید کا

تسلسل کے ساتھ درس ہوا جس کے ریڈیو ٹیپ تیار کر لئے گئے تھے جو لوگ بھگ اٹھارہ گھنٹوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ پہلے تو دعوت قرآنی کے اس ”ذروتہ السام“ کے درس کے یہ ٹیپ بعض لوگوں میں دینی ذمہ داریوں کا شعور بیدار کرنے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ وَمَا ذَلِكْ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ

**دعوت قرآنی کا اعجاز** | میں پچھلے سال جب شمالی امریکہ پہنچا تو حیران رہ گیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس براعظم میں مقیم برصغیر پاک و ہند کے رہنے والے مسلمانوں میں دعوت رجوع الی القرآن، اور تحریک تجدید ایمان - توبہ - تجدید عہد کا اتنا وسیع تعارف موجود ہوگا۔ نہ معلوم وہاں کون کون سے شہروں میں میرے درس کے ٹیپ پہنچ چکے ہیں۔ یہ صرف دعوت قرآنی کا اعجاز ہے جس کا مجھے وہاں مشاہدہ ہوا۔ ورنہ من آنم کہ من دانم شمالی امریکہ میں، میں جہاں بھی گیا۔ اجنبی تھا لیکن اللہ تعالیٰ کی اس کتاب عزیز کے طفیل میری توقعات سے بڑھ کر ہی نہیں بلکہ اس کے برعکس وہاں میرا خیر مقدم ہوا میں نے لوگوں میں دعوت قرآنی کے بڑے اچھے اور خوشگوار اثرات دیکھے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ ان درس میں نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات پابندی سے شریک ہوتے رہے اور بڑی بڑی دور سے روزانہ آتے رہے۔ وہاں کی زندگی بڑی معروف زندگی ہے پھر بڑے وسیع و عریض شہر ہیں۔ یہ تو ممکن نہ تھا کہ کسی شہر میں مختلف مقامات پر درس کا انتظام ہوتا۔ اس لئے ایک مرکزی مقام پر انتظام ہوا کہ نہ تھا۔ لیکن معلوم ہوا کہ ان میں شرکت کرنے والوں میں بہت سے وہ لوگ ہیں جو بیسیں اور چالیس میل کے فاصلوں سے پابندی سے شریک ہوتے رہے ہیں۔ اس مرتبہ میں مانٹریال (کناڈا) گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں کیسٹوں کے ذریعے کافی وسیع حلقے میں دعوت پھیل چکی ہے۔ ایک صاحب سے ملاقات ہوئی دوران گفتگو میں کہنے لگے ”آپ کی یہ بات فلاں درس میں ہے“ پھر گفتگو آگے بڑھی اور میں نے کوئی بات کہی تو پھر انہوں نے کہا کہ وہاں یہ بات بڑی وضاحت کے اچھے فلاں درس میں بیان ہوتی ہے، میں نے

کہا کہ ماشاء اللہ آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ کہنے لگے کہ پچھلے سال آپ نے جو ٹوڈٹو میں درس دیئے تھے، میں ان میں باقاعدگی سے شریک رہا ہوں اور ان درس کے کیسٹوں کا مکمل سیٹ میرے پاس موجود ہے۔ ہر درس کو چھ چھ سات سات مرتبہ سنا ہے اور دوسروں کو بھی سنائے ہیں۔ چند اور لوگ بھی ملے جن کو پچھلے درس کی باتیں ازہر ہیں۔ اور وہ اپنے اپنے طور پر کیسٹوں کے ذریعے دعوت پھیلا رہے ہیں۔

**کام کے مواقع** | میں دورانِ تقریر میں کئی بار عرض کر چکا ہوں اب پھر اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ شمالی امریکہ میں دین کی دعوت و تبلیغ کے کام کے بڑے مواقع ہیں۔ وہاں پیاس موجود ہے۔ مہاجرین میں بھی اور امریکی باشندوں میں بھی خاص طور پر نیگروں میں۔ پھر یہ کہ وہاں کے دردمند اور مخلص مسلمانوں میں صحیح دعوت کو قبول کرنے کی استعداد بھی موجود ہے۔ البتہ اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ قرآن حکیم کی مثبت دعوت پیش کی جائے۔ نقہی بحثوں اور وقتی و منہگامی سیاسی اختلافات سے متعلق گفتگوؤں سے پرہیز کیا جائے۔ دعوت کا اصل موضوع 'دعوتِ عبادتِ رب' ہو۔ **يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ**۔ اور اس دعوت کو قرآن کے حکم استدلال کے ساتھ پیش کیا جائے۔ چونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے اور اللہ ہی ہر شے کا فاطر ہے لہذا انسانی فطرت اُسی کی بات جلد قبول کرے گی۔ پھر دعوت میں 'حکمت' کو پیش نظر رکھا جائے جس کے لئے قرآن ہمیں یہ رہنمائی دیتا ہے کہ: **أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ**۔ اپنے رکبے راستے کی طرف دعوت دیجئے حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کیجئے تو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔ وہاں یہ سہولت ہے کہ کھلا اور آزاد معاشرہ ہے۔ بڑے نیکے اور غور و فکر کرنے والوں کا بہت اچھا تناسب ہے۔ ذرائع ابلاغ پر کوئی قہر نہیں۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر ان کی معینہ وقت کی مقررہ قیمت ادا کیجئے اور اپنی دعوت پیش کیجئے۔ وہاں ہر نقطہ نظر کی بات سننے پر

لوگ آمادہ ہیں۔ یہودیت ان ذرائع ابلاغ سے بڑا فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ہندو مت اور بدھ مت نے بھی وہاں اپنے لئے اچھی خاصی گنجائش پیدا کر لی ہے۔ لے کر وہ بڑے منظم اور سائنٹفک انداز سے ان ذرائع ابلاغ کو استعمال کر رہے ہیں اور ان کے رشی مئی وہاں چند بڑے بڑے شہروں میں آشرم بنا کر اور جم کر بیٹھ گئے ہیں اور سادگی کو انہوں نے اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ اسی طرح اسلام کی دعوت کے مواقع بھی وہاں موجود ہیں بشرطیکہ آپ سنانے کے لئے آمادہ ہوں اور آپ میں سلیقے اور استدلال کے ساتھ دعوت پیش کرنے کی صلاحیت ہو۔ آپ خود غور کیجئے کہ جب خالص باطل وہاں پھیل سکتا ہے تو حق کے قبول کرنے کے وہاں کتنے روشن امکانات موجود ہو سکتے ہیں۔ ضرورت ایسے افراد کی ہے جو دعوت و تبلیغ دعوت حق ہی کے لئے زندگیاں وقف کر دیں۔ اور وہاں جا کر ڈیرہ لگا دیں۔

مجھ سے وہاں تقریباً ہر مقام پر یہ کہا گیا کہ جس طرح **شدید تقاضا** تم قرآن حکیم کے مطالب اور اس کی تعلیمات تقاضے سمجھاتے ہو۔ جس طرح تم دس دیتے ہو اس طرح تو ہمیں کسی نے قرآن پڑھا یا ہی نہیں۔ اس طور سے تو ہمارا اس کتاب ہدایت قرآن سے تعارف ہوا ہی نہیں۔ دس بارہ دن کے دورے پر تم ہم کو کتنا قرآن پڑھا اور سمجھا دو گے۔ ہمیں کوئی ایسا آدمی دو جو تمہارا ترمیم یافتہ ہو اور تمہاری طرح تفہیم القرآن کا اہل ہو۔ ہم ایسے شخص کو سر آٹکھوں پر بٹھائیں گے اور ہر طرح اس کی خدمت کریں گے۔ وہاں ایک جگہ سے نہیں کئی مقامات سے یہ مطالبے ہوتے ہیں اور شدت سے ہوتے ہیں۔ لیکن میں کیا کروں! مجھے ابھی تک ایسے نوجوان نہیں ملے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک اور نوید جانفزا کے مطابق اپنی زندگیاں قرآن حکیم کی تعلیم و تعلیم اور دعوت و تبلیغ کے لئے وقف کر دیں کہ :- **خَيُّوْكُمْ مِّنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَتَعْلَمَهُ** ”تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں“۔ اور یہ کہ: **مَنْ قَالَ بِهٖ مَّصَدَقٌ وَمَنْ عَمِلَ بِهٖ اُجْرًا وَمَنْ حَكَمَ بِهٖ عَدْلًا وَمَنْ وَعَا لِيْسِرِ هُدًى اِلٰى صَوَابِ الْمُسْتَقِيْمِ** ”جس نے قرآن کے

موانع، بات کہی اُس نے بھی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا، وہ مستحق اجر و ثواب ہوا، اور جس نے قرآن کے مطابق فیصلہ کیا، اُس نے عدل و انصاف کیا اور جس نے قرآن کی دعوت دی اُس کو صراطِ مستقیم ہدایت نصیب ہو گئی ہے۔ میں آپ کو ایک طویل حدیث کا آخری حصہ سنایا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ جس میں قرآن حکیم کی عظمت و شان بیان ہوتی ہے۔ اس حدیث کے — بالکل آخری ٹکڑے وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هُدًى إِلَى صِرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی دعوت کا کام کرنے والے لئے کتنی عظیم بشارت دی ہے کہ اس مہتمم با شان کام کے سہی اور کو کو حاصل ہو یا نہ ہو، اس کام کرنے والے کو ان شاء اللہ صراطِ مستقیم مل جائے گی۔ ذَلِك فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ — مجھ ہی کہا گیا کہ تم مستقلاً یہاں آ جاؤ۔ یہاں دعوتِ قرآنی کے لئے مسطور غیر مسلموں و دونوں میں کام کے روشن مواقع موجود ہیں۔ یہاں غیر مسلم ایک ایسے عادلانہ نظام کے پیاسے ہیں جس میں روحانیت بھی ہو اور متمدن زندگی گزارنے کے پاکیزہ اصول و ضوابط بھی ہوں۔ یہاں آ کر بیٹھاؤ۔ قُلْ يَا مَعْشَرَ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا أَمْرًا سَوَاءً بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ وَلَا تَشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، کے اصول پر دین کی دعوت پیش کرو۔ ان شاء اللہ۔ یہاں بڑے حوصلہ افزا نتائج نکلیں گے۔ پاکستان تو بالکل سوچا ہے۔ وہاں اس قرآنی دعوت پر لبیک کہنے والے مشکل ہی سے ملیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں کے ماحول سے میں خود بھی کبھی کبھی مایوس ہو جاتا ہوں کہ یہاں کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہاں کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ یہ قوم واقعی مر چکی ہے۔ میں آپ کو واقعہ سناؤں، ایک امریکن نوجوان نے اسلام قبول کیا ہے۔ عبداللہ مصطفیٰ اس کا نام ہے۔ چھ سات سال سے لاہور آتا جاتا رہا ہے۔ تقویٰ، دینداری اور نیکی کا جو ہمارا تصور ہے، اس میں وہ مجھ سے دس گنا آگے ہے۔ وہ اکثر قرآن اکیڈمی میں بھی قیام کرتا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی دن بھی ایسا گزرا ہو کہ وہ روزے سے نہ ہو اور نہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی رات اس نے

بغیر تہجد کے گزار دی ہو۔ وہ شاہ علاؤ الدین صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہے جو سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ اور ان کے زیر ہدایت سلوک کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ وہ عالم اسلام میں بہت گھوما پھرا ہے۔ ایک چار پانچ ماہ قبل جب وہ میرے ساتھ آکر ٹھہرا تو اس نے مجھ سے سوال کیا ؟ *When are you leaving this country?* (تم اس ملک کو کب چھوڑ رہے ہو؟) میں نے کہا کیوں! کہنے لگا ”میں عالم اسلام میں گھوما ہوں ۱۷۱، اور پاکستان کو بھی میں نے بہت اچھی طرح دیکھا بھالا ہے۔“

اس نے بہت اصرار

سے کہا ”خدا کے لئے تم لوہیت ہی چلے جاؤ۔ تزکی چلے جاؤ۔ کہیں اور چلے جاؤ۔ اور وہیں جا کر بیٹھ جاؤ اور کام کرو۔ نتیجہ نکلے گا۔ تم یہاں پتھروں سے سر پھوڑ رہے ہو۔ یہاں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔“ یہ تھی اس کی دیانتدارانہ رائے اور یہ تھا اس کا بے لاگ تبصرہ۔ میں نے اس سے کہا ”نہیں، میں نے کتاب سنت سے جو کچھ سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس جگہ کسی شخص کو پیدا کرتا ہے تو یہ اس کا اختیار ہے اور اس کی حکمت ہے لہذا اس کا دائرہ کار وہی جگہ ہے جہاں اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے مجھے تو یہیں کام کرنا ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں کہ پتھر ہیں یا ابھی ان میں گزار موجود ہے۔“

میرے تجربات | اس پتھر کے لفظ سے میرا ذہن قرآن حکیم کی اس آیت کی طرف منتقل ہوا ہے۔ جس میں یہودیوں کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ: *ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ إِذَا أَشْدُّ قَسْوَةً (البقرة ۷۶)* ”وہی یہودی اللہ کی واضح نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی، آخر کار تمہارے دل سخت ہو گئے، پتھروں کی طرح بلکہ سختی



میں ان سے بھی بڑھے ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ کسی وقت میرے اوپر بھی یہاں کے حالات دیکھ مایوسی کا اس درجے غلبہ ہوتا ہے کہ میں سوچنے لگتا ہوں کہ یہاں لوگ پتھروں سے بھی گزر چکے ہیں۔ سب کچھ سنیں گے، لیکن شس سے مس نہیں ہوں گے۔ زبانی کلامی تحسین ہوگی۔ درس میں توحید پر مفصل گفتگو ہوگئی تو سامعین میں جوابی حدیث مسلک کے ہیں، وہ اسے اپنے کھاتے میں ڈالیں گے اور خوش ہو جائیں گے۔ اگر روحانیت، تزکیہ نفس اور اولیاء اللہ کا کچھ ذکر آگیا تو اس مسلک کے لوگ سردھنیں گے۔ اس سے آگے کی بات نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے اور نہ یہ۔ کوئی سنجیدگی سے نہیں سوچے گا کہ ان کو کس کام کی دعوت دی جا رہی ہے! ان کے دینی فرائض کیا ہیں ان کو اللہ کی عدالت میں کن کن امور کا جواب دینا ہے!۔ پھر جو لوگ آگے بڑھتے ہیں تو ان کے متعلق اپنا تجربہ بیان کر رہا ہوں کہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے عہد اور وعدے پر پورے نہیں اترتے۔ تو یہ ہے ہمارے معاشرے کا حال۔ مجھے اس معاشرے کا بڑا تلخ تجربہ ہے۔ پندرہ سال سے میں اس شہر میں پکار پکار کر اور چیخ چیخ کر دعوت دے رہا ہوں (اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْسَ لَہُمْ دُخَانٌ اَسْوَدُ) کہ چند باصلاحیت لوگ آگے آئیں اپنے دنیوی کیریئر (Career) سچ کر مستقل طور پر تعلیم و تعلم قرآن کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اس طرح آخرت کے لئے اپنا توشہ رکیریں، بنائیں۔ مجھے ابھی تک تو کوئی ایسا شخص نہیں ملا۔ الحمد للہ میرے اعوان و انصار ہیں۔ ساتھی ہیں۔ لیکن سب جزوقتی ہیں۔ تا حال کسی نے بھی اپنے آپ کو اسی کام کے لئے بالکل وقف کرنے کی پیش کش نہیں کی ہے۔ امریکہ اور کینیڈا میں لوگ مجھ سے ایسے مردانِ کار مانگ رہے ہیں جو دعوتِ قرآنی کا وہاں بیٹھ کر مستقل کام کریں۔ خود یہاں پاکستان میں دس بیس اور سو پچاس نہیں بلکہ ہزاروں لوگ درکار ہیں جو ہمہ وقتی طور پر دعوتِ قرآنی اور توبہ کی منادی میں کھسپ جائیں شاید اس طرح اس ملک کی بگڑی سنور جائے۔ لیکن میں کیا کروں! یہ میرے بس میں نہیں۔ میں ایسے لوگ کہاں سے لاؤں؟

## میرا طرز عمل

تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ الحمد للہ شرم  
 الحمد للہ میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنی زندگی اسی کام  
 کے لئے وقت کر رکھی ہے۔ کسی اور کام کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔  
 ان پندرہ سالوں کے درمیان میں نے تین حکومتیں (صدر ایوب، جنرل یحییٰ اور  
 بھٹو کی حکومتیں) دیکھی ہیں۔ چوتھی حکومت کے دور سے گزر رہا ہوں۔ ہر دور میں  
 نہ معلوم کتنے لوگوں نے بہتی گنگاؤں میں ہاتھ دھوئے ہیں۔ کچھ تو ایسے صاحب  
 کمال، لوگ ہیں کہ وہ ہر حکومت کے منظور نظر رہتے ہیں۔ ان ادوار میں مجھے  
 بھی بڑی بڑی پیشکشیں ہوئی ہیں۔ بڑی بڑی ترغیبات کے جال مجھ پر  
 پھینکے گئے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ پورے شعور کے ساتھ  
 میں نے ان سے اپنا دامن بچا یا ہے۔ جاہ و حشمت اور مال و منال کے مواقع  
 حاصل ہونا بہت سخت آزمائش ہے۔ امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے تشدد  
 اور ظلم کی ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے انگیز کیا۔ اُن تک نہیں کی لیکن جب  
 حکومتِ وقت کی مہربانیاں شروع ہوئیں۔ اشرافیوں کے خوانِ خدمت میں  
 پیشکش کئے گئے تو روپڑے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ اے اللہ! مجھے اس  
 آزمائش میں نہ ڈال! یہ بڑی سخت آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے  
 اس مخلص مومن بندے کی دعا قبول کی اور اُسے اپنے پاس بلا لیا۔ الحمد للہ وہ  
 المائدہ اپنے خالق و مالک کی توفیق ہی مجھے حاصل ہے کہ میں ان ترغیبات سے  
 بچا رہا ہوں اور دعوتِ قرآنی اور دعوتِ تجدیدِ ایمان ہی میں لگا رہا ہوں۔  
 اس بات کی شہادت ارض لاہور دے گی اور وہ اصحاب دیں گے جو عرصہ دراز  
 سے مجھے بہت قریب دیکھ رہے ہیں جو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میرے  
 روز و شب جن کے سامنے ہیں مجھے اعتراف ہے کہ مجھ میں بہت سے نقائص  
 ہوں گے اور ہیں، اس کے لئے مجھ پر تنقیدیں کیجئے اصلاح کے مشورے دیجئے۔  
 میں ان شاء اللہ ان پر عمل کی کوشش کروں گا۔ لیکن خدا را اس بات کا جواب  
 دیجئے کہ میں نے پندرہ سال اس ملک خاص طور پر آپ کے اس شہر لاہور میں  
 دعوتِ قرآنی کی نشر و اشاعت کے علاوہ کوئی اور کام کیا ہے؟ وقتی اور

ہنگامی تحریکیں اٹھی ہیں۔ مجھ پر بڑے دباؤ ڈالے گئے ہیں۔ پھبتیاں چست کی گئی ہیں۔ الزامات تراشے گئے ہیں۔ لیکن بفضلہ تعالیٰ و عونہ میں کسی چیز سے متاثر ہو کر اس راستے سے بال بھر بھی نہیں ہٹا جو مجھ پر از روئے کتاب و سنت منکشف ہوا ہے۔ میرے نزدیک امت مسلمہ جن فتنوں میں گھری ہوئی ہے اس کا کوئی وقتی اور ہنگامی کام ملاوا نہیں کر سکتا۔ اس کا صرف ایک ہی مخرج ہے اور وہ ہے اعتصام اور تمسک بالکتاب اللہ۔ حضرت جبریل امین علیہ السلام نے بذریعہ وحی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ذریعے امت کو بتایا کہ ہر فتنے اور ہر آزمائش کا اگر کوئی مخرج ہے، کوئی شافی علاج ہے تو وہ ہے کتاب اللہ۔ یہی کہا علامہ اقبال مرحوم نے

خوار از مہجورئِ قتر آن شدی      شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی  
اے تو چوں شبم بر زمین افتدہ      در بغلِ داری کتابِ زندہ  
اور یہ کہ

گر تو می خواہی سماں زیتن      نیست ممکن جز یہ قرآن زیتن

یہی بات اسارتِ مالٹا کی واپسی کے بعد وقت کے چند علماء کے اجتماع میں سلمہ یا سلمہ میں فرمائی تھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دہلوی نے کہ ”میں نے مالٹا کی اسیری کے دوران جتنا سوچا۔ یہی سمجھ میں آیا کہ ہمارے سارے زوال و انحلال کے سبب وہ ہیں۔ ایک قرآن کو ترک کر دینا اور ایک ہمارے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی“ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ نے ان دو کو بھی ایک بنا دیا۔ ان کا فرمانا یہ تھا کہ ”ہمارے اختلافات کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ہم قرآن مجید کو چھوڑ کر چلے ہیں“ چنانچہ الحمد للہ والمنہ میں نے اسی دعوتِ قرآنی کے لئے اپنی صلاحیتیں، اپنی توانائیاں اور اپنے اوقات وقف کئے ہوئے ہیں اور مجھے واثق اُمید ہے کہ اِنْ اُجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

ایک حوصلہ افزاء بات | پچھلے سال (۱۴۲۸ھ) جب میں شمالی

امریکہ گیا تھا تو وہاں کے اصحاب کا اصرار تھا کہ میں آئندہ ہر سال باقاعدگی سے ڈیرہ دو ماہ کے لئے آتا رہوں۔ میں نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میری آئندہ آمد مشروط ہوگی۔ اگر دعوتِ قرآنی اور غلبہ دین کی سعی کے لئے مستقل نظم قائم نہیں ہوتا تو میری آمد و رفت کا کوئی فائدہ نہیں۔ وقتی اور منگامی جوش و خروش اور سرگرمیاں مفیدِ مطلب نہیں ہوں گی۔ مٹھوس نتائج کیلئے مٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔ اسی سال جب دوبارہ گیا تو الحمد للہ ٹورنٹو (کناڈا) اور شکاگو (امریکہ) دونوں مقامات پر مرکزی انجمنِ خدام القرآن لاہور کی ذیلی انجمنیں اور تنظیم اسلامی کی شاخیں قائم ہو گئیں۔ دعا کیجئے کہ سرزمینِ شمالی امریکہ میں یہ انجمنیں اور تنظیمیں قرآنِ حکیم کے علم و حکمت کی وسیع پیمانے اور اعلیٰ سطح پر نشر و اشاعت اور لوگوں میں اعلیٰ کلمۃ اللہ کا جذبہ صادق پیدا کرنے کی صحیح خطوط پر سعی و کوشش کریں۔ آپ کو معلوم ہے کہ تنظیم اسلامی میں شمولیت ”سمع و اطاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت سے ہوتی ہے۔ وہاں اعلیٰ تعلیم یافتہ اصحاب نے بلا تکلف بیعت کا نظم قبول کر لیا چونکہ وہ مطمئن ہو گئے تھے کہ بیعت کی اصطلاح بھی قرآن و سنت کی اور طریقہ بھی اس کے مطابق اور یہ کہ ہمارے سلف صالحین بھی اس پر کار بند رہے تھے۔ یہاں بیعت کا نام گالی بن چکا ہے۔ بیعت کا لفظ بول کر دیکھیے۔ اچھے اچھے دین کا علم رکھنے والے چونک جاتے ہیں۔ وہ بھی جو خود ”بیعت ارشاد“ کے مقرر اور قائل ہیں۔ لیکن سمع و اطاعت اور ہجرت و جہاد کی بیعت پر قیل و قال کریں گے۔ عام لوگوں کا تو کہنا ہی کیا! ان کے کان کھڑے ہونے کوئی تعجب کی بات نہیں ان کا یہ کہنا اچھنبے کی بات نہیں کہ اس زمانے میں کیا دقیانوسی بات لے کر اٹھا ہے۔ اکبر نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں!۔ پھر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے اس اصطلاح کو بدنام بھی بہت کیا ہے۔ لیکن خدا را مجھے بتائیے کہ ہم نے دین کی کس اصطلاح اور شعار کو بوجھتا ہے۔ اکثر و بیشتر بدنام ہیں لیکن کیا اس بنیاد پر ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔؟ نہیں ہرگز نہیں۔ شمالی امریکہ میں لوگوں نے بیعت

کے نظام کو قبول کرنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کیا۔ وہاں دعوتِ قرآنی کی یہ تاثیر اور اعجازِ قرآنی کے یہ عمل مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے کہ ایک صاحب نے جو بینک سے سود پر لی ہوئی رقم سے پانچ پٹرول پمپ چلا رہے تھے انہوں نے فوراً تین پمپ بند کر دیئے اور صرف دو پر اکتفا کر لی۔ جو وہ اپنے ذاتی سرمایہ سے چلا سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر ایک صاحب کے اپنے مکان کو جو انہوں نے بینک کے پاس رہن، کے اصول پر سودی قرضے پر لیا تھا فروخت کر دیا اور اس میں ان کو اچھا خاصا مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ انہوں نے بتایا کہ ان کی والدہ ان کے اس اقدام پر بیٹھی روتی رہیں اور ان کے حلقہ تعارف کے لوگ ان کو سمجھاتے رہے کہ کیا پاگل ہو گئے ہو۔ یہ کونسا مولوی، آگیا ہے جو تم کو الٹی سیدھی پٹی پڑھا گیا ہے۔ ہم نے بہت سے مولویوں سے دریافت کیا ہے۔ وہ اس طریقے کو ٹھیک کہتے ہیں۔ یہ دو مثالیں میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں۔ وہاں قرآنی دعوت کے یہ اثرات ہوئے ہیں کہ بہت سے لوگ اس فکر میں ہیں کہ اپنے مکان بیچ کر اُس سودی چنگل سے جو بیڑی کیا دون کا وضع کردہ ہے جلد رستگاری حاصل کر لیں۔

میر عمر انجم | اس میں کوئی شک نہیں کہ شمالی امریکہ میں دعوت کے بڑے مواقع ہیں مسلمانوں میں بھی اور غیر مسلموں میں بھی۔

لیکن میرا فیصلہ ہے کہ مجھے تو یہیں پاکستان میں رہ کر کام کرنا ہے۔ ہم سعی و جہد کے مکلف ہیں ہماری کوششوں کا نتیجہ خیر ہونا خالصتہً مشیتِ الہی کے تابع ہے۔ البتہ شمالی امریکہ میں دعوتِ قرآنی اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے جو بیج پڑ گئے ہیں ان کی آبیاری کے لئے ہر امکانی نقصان کو ہمارا فرض ہے۔ ہم اس کام کی نگرانی بھی کریں گے اور ان کو مفید مشورے بھی دیں گے اب میرے سامنے نقشہ کار یہ ہے کہ ہم اس بات پر خصوصی توجہ دیں گے کہ یہاں ایسے مردانِ کار تلاش کریں اور ان کو تیار کریں کہ جو دعوتِ قرآنی اور دعوتِ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے وہاں جائیں اور وہاں بیٹھ رہیں۔ اپنے اسلاف کی سنت پر عمل کریں اور اسی کام کیلئے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔

**میری پکار** | میں جو بات کہنے جا رہا ہوں - بلا تشبیہ عرض کر رہا ہوں۔  
 صرف افہام و تفہیم کے لئے کہیں مغالطہ نہ ہو جائے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ  
 تو تاریخ میں وہ وقت بھی آیا تھا کہ مدینہ والوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہمیں کوئی قرآن پڑھانے والا دیجئے - اور قرعہ قال  
 ایک نوجوان حضرت معصب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاه کے نام پڑا۔  
 - اور وہاں ابھی ہجرت کو کے سرورِ عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم  
 مبارک مدینہ پہنچے بھی نہیں تھے کہ اس قرآن مجید کی تعلیم سے مدینہ میں اسلام  
 مضبوط جڑیں پکڑ چکا تھا اور شاید ہی کوئی اب گھر بچا ہو جس میں کوئی نہ کوئی  
 فرد مشرف باسلام نہ ہو گیا ہو - جس کو ایمان کی دولت میسر نہ آئی ہو - آج  
 میری پکار ہے - شمالی امریکہ میں مجھے تفاسیر کئے گئے ہیں کہ میں ایسے اشخاص  
 دو جو اس طرح قرآن مجید پڑھا سکیں جس طرح تم پڑھاتے ہو - اب میں آپ  
 کو دعوت دے رہا ہوں - کون ہیں وہ باصلاحیت لوگ ! اور کون ہیں وہ  
 باصلاحیت نوجوان ! جو میری اس پکار اور دعوت پر لبیک کہتے ہیں - میرے  
 سامعی الحمد للہ موجود ہیں - وہ جس صلاحیت کے ہیں وہ اللہ کی دین ہیں - اس  
 کا عطیہ ہیں - بہت غنیمت ہیں یہ لوگ جو خالصتہً للہ فی اللہ میرے کام میں  
 میرے دست و بازو بنے ہوئے ہیں - میں ان کو دیکھتا ہوں تو خدا کا شکر  
 ادا کرتا ہوں اور بے اختیار کہتا ہوں کہ عزم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں ہیں  
 اور یہ بھی کہ

گئے دن کہ تنہا تنہا میں انجمن میں یہاں اب میرے راز و داں اور بھی ہیں  
 لیکن مجھے ضرورت ہے تو ایسے باصلاحیت نوجوانوں کی جو ہمہ تن اس کام کے  
 لئے خود کو وقف کر دیں اور خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَ  
 اور مَنْ دَعَا إِلَى الْيُسْرِ هُدًى إِلَى صَوَابٍ الْمُسْتَقِيمِ کی بشارت کے  
 مصداق بنیں - کون ہیں جو میری اس پکار پر لبیک کہتے ہیں - میں ناامید نہیں  
 لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ میری بڑی ڈھارس ہے میں یہ سارا کام

آخرت کے لئے کر رہا ہوں اور مجھے توقع ہے کہ وہ غفور الرحیم مجھے اپنی رحمت کے  
 دامن میں جگہ دے گا۔ میں آج کی گفتگو اسی پر ختم کر رہا ہوں۔  
 أَقُولُ قَوْلِي هَذَا وَاسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِي وَلَكُمْ وَلِلسَّائِرِ  
 الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ ۝

(بقیہ عرض احوال)

ڈاکٹر صاحب جون کے آخر تک واپس تشریف لے آئیں گے اور  
 رمضان المبارک میں لاہور ہی میں موجود رہیں گے۔

**رمضان المبارک کے متوقع پروگرام** | جیسا کہ گذشتہ کسی شمارے میں ذکر

کیا جا چکا ہے کہ الحمد للہ والمنہ قرآن اکیڈمی کی جامع مسجد و جامع قرآن کی تعمیر پائے تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور ۲۷ مارچ ۸۱ء سے باقاعدگی سے نماز جمعہ کی ادائیگی کا بھی آغاز ہو گیا ہے۔ توقع ہے کہ اس آنے والے رمضان المبارک میں قرآن اکیڈمی اور جامع قرآن میں خوب رونق رہے گی۔ نماز تراویح کا تو ان شاء اللہ العزیز انتظام ہو گا ہی۔ توقع ہے کہ نماز تہجد کی باجماعت ادائیگی کا بھی اہتمام ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ گذشتہ چند ماہ قبل شروع سے قرآن مجید کے جس درس کا آغاز ہوا تھا جس میں سورۃ البقرہ کے چوتھے رکوع تک کا مطالعہ ہوا تھا۔ رمضان المبارک میں اس درس کی بھی تجدید ہو جائے۔ مزید برآں ان شاء اللہ رمضان المبارک ہی میں مسجد شہداء کے درس قرآن کے سلسلہ میں قرآن مجید کے دل مد سورۃ یسین کا درس بھی شروع ہو گا۔

**درس قرآن و خطبہ جمعہ** | الحمد للہ ڈاکٹر صاحب کی عدم موجودگی میں

مسجد شہداء میں ہفتہ وار درس قرآن حکیم اور مسجد دارالسلام باغ جناح میں خطبہ جمعہ کا سلسلہ باقاعدگی سے جاری رہا۔ یہ کام ڈاکٹر صاحب اپنے رفیق کار جناب ڈاکٹر عبدالسمیع صاحب کے سپرد کر گئے تھے۔ موصوف کی مستقل رہائش فیصل آباد میں ہے۔ وہ وہاں سے تشریف لا کر ہر جمعہ کو ان خدمات کو باقاعدگی سے انجام دے رہے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

# جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورٹ

از قلم :- قاضی عبدالقادر

عجیب معاملہ تھا، پونے نو بجے شب کی فلائٹ سے کراچی جانا تھا پونے آٹھ بجے بلا یا گیا تھا، اس وقت آٹھ بجے ہیں، پندرہ منٹ ہی تو تاخیر ہوئی ہے لیکن کاؤنٹر بند ہے، لاہور ایر پورٹ کے ہال میں داخل ہوتے ہی میں حیران سا رہ گیا۔ عمارت میاں ساتھ تھے مجھے چھوڑنے آئے تھے وہ بھی حیران تھے، کاؤنٹر کے قریب مسافروں کا ہجوم تھا، جتنے لوگ اتنی باتیں، کوئی کہہ رہا تھا کہ فلائٹ کینسل ہو گئی، کسی کا کہنا تھا کہ تاخیر سے جائے گی۔ کاؤنٹر پر PIA کے ایک کارکن آئے، ان سے پوچھا، انہیں بھی کچھ ٹھیک معلوم نہ تھا یا الہی! ماجرا کیا ہے؟ — پھر پتہ چلا کہ تین بجے سہ پہر کی فلائٹ بھی ابھی نہیں گئی، اُس کے مسافر بھی ہال میں موجود ہیں۔ اگر فلائٹ گئی تو پہلے وہ جائیں گے، پھر کہیں ہمارا نمبر آئے گا۔ اتفاق سے ایر پورٹ پر تنظیم اسلامی کراچی کے ہمارے ایک رفیق سلیم صاحب مل گئے۔ جو PIA میں ملازم ہیں۔ اور لاہور تربیتی اجتماع میں شرکت کے لئے آئے تھے، فارغ ہو کر اپنے گھر سیالکوٹ چلے گئے تھے اور کراچی جانے کے لئے ابھی ابھی سیالکوٹ سے پہنچے تھے اُن کی سیٹ کنفرم نہیں تھی چانس پر تھے۔ اُن سے پتہ چلا کہ کراچی میں PIA کے ایک طیارہ نے CRUSH LANDING کیا ہے، کیونکہ اُس کے پیسے نہیں کھل سکے تھے۔ الحمد للہ مسافر سب خیریت سے رہے، جہاز کو کچھ نقصان پہنچا ہے۔ اس وجہ سے پروازوں کا سارا نظام درہم برہم ہے۔ میں سوچنے لگا کہ آج صبح کے اخبار میں ہی تو یہ



خبر پڑھی تھی کہ راولپنڈی سے لاہور آنے والے طیارہ کو لاہور ایئر پورٹ پر اترنے میں مشکلات پیش آئیں، اُس کے پتے نہیں کھل رہے تھے، کوشش لینڈنگ کے انتظامات ہو رہی رہے تھے کہ اچانک پیسے کھل گئے اور وہ خیریت سے اتر گیا۔ یہ آخر PIA کے ساتھ ہو کیا رہا ہے؟ — دو دنوں میں متواتر ایک جیسے دو واقعات — اور اگر ہمارے طیارہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو گیا تو پھر! — بدن میں ایک جھرجھری سی آگئی جیسے موت سلنے خلا میں گھور رہی ہو۔ واقعہ یہ ہے کہ ہوائی سفر سب سے زیادہ RISKY ہے اور آدمی اس میں موت سے بہت قریب ہوتا ہے لیکن افسوس کہ لوگ پھر بھی موت سے غافل رہتے ہیں جیسے موت دوسروں کے لئے ہے اُن کے لئے نہیں — میں دل کا ویسے بھی کچھ کمزور واقع ہوا ہوں لیکن یہ خیال تسلی دیتا ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے اُس کا خوف نہ کر کیونکہ جو کچھ ہو گا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہو گا اور جو کچھ گزر گیا ہے اُس کا غم نہ کر کیونکہ جو کچھ ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوا ہے اس لئے ایک مسلمان کے لئے نہ خوف ہے نہ غم — میں اپنی خیالات میں گم تھا کہ خیال آیا کہ عارف میاں کا کل امتحان ہے اور انہیں اب رات کو مطالعہ کرنا ہے، میں بلا وجہ ان کو روکے ہوئے ہوں۔ چنانچہ میں نے اُن سے جانے کیلئے کہا اور وہ ہماری بے بسی پر مسکراتے ہوئے رخصت ہو گئے — اب میں مختار اور سلیم صاحب اور فلاٹ کی Uncertainty — ذہن کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ہم تینوں رستوران میں جا بیٹھے، کھانا کھا یا گرم گرم چائے پی اور یوں سلیم صاحب کی میزبانی کا لطف اٹھا ہی رہے تھے کہ اعلان ہوا کہ تین بجے سہ پہر والی فلاٹ کے مسافر لاؤنج میں آ جائیں، فلاٹ تیار ہے — ہماری جان میں جان آئی کہ چلو اب ہماری بھی باری آ ہی جائے گی — کاؤنٹر پہ جا کر پتہ چلا کہ پونے نو بجے اور گیارہ بجے والی دونوں فلاٹوں کو ایک فلاٹ میں تبدیل کر دیا گیا ہے اور یہ فلاٹ گیا رہ بجے جائے گی۔ سلیم صاحب چانس پر تھے وہ اپنا ”کام“ بنانے چلے گئے اور

میں لاؤنچ میں جا بیٹھا۔ خدا خدا کر کے ساڑھے گیارہ بجے جہاز پر قدم رنجہ فرمانے "کاحکم ملا اور ہم اپنے "رنجیدہ قدموں" کے ساتھ اپنی نشست پر جا بیٹھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سلیم صاحب بھی آگئے، اُن کا کام "بن گیا تھا، میرے برابر کی نشست خالی تھی جہاں وہ بیٹھ گئے۔ پونے بارہ بجے طیارہ میں حرکت پیدا ہوئی، سفر آرام سے گذرا، راستہ بھر سلیم صاحب تنظیم کے مسائل اور ان کے ذاتی حالات پر گفتگو ہوتی رہی۔ سوانجے ہم کراچی کے ہوائی اڈہ پر تھے جہاں پر میسر ٹوبیکو انڈسٹریز کے برحان غنی صاحب گاڑی لئے ہمارے منتظر تھے۔

دراصل میرا یہ سفر اس سفر کا ایک حصہ تھا جو مجھے محترم امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ مدراس (بھارت) کے لئے کرنا تھا۔ مدراس کے اس سفر کی شان نزول یہ ہے کہ پریمیر ٹوبیکو انڈسٹریز کے چیئرمین جناب عبدالصمد صاحب ہر سال کراچی میں اپنے بنگلہ کے وسیع لائن میں سیرت النبیؐ پر ایک جلسہ منعقد کراتے ہیں جس میں عام طور پر مولانا احتشام الحق تھانویؒ کو تقریر کی دعوت دی جاتی تھی مولانا کے انتقال کے بعد سوال پیدا ہوا کہ کس کو بلایا جائے۔ کراچی پورٹ ٹرسٹ کے چیئرمین جناب ایڈمرل ایم۔ آئی ارشد نے انہیں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو دعوت دینے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ اُن کی دعوت پر پچھلے سال ڈاکٹر صاحب نے اُن کے ہاں خطاب فرمایا یہ

SELECTED GATHERING ہوتی ہے جس میں شہر کا

ELITE طبقہ مدعو ہوتا ہے۔ جلسہ کے بعد پُر تکلف عشاءِ کا اہتمام

ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر وہاں پر بہت زیادہ پسند کی گئی۔ اس

اجتماع میں جناب عبدالصمد کے ایک کزن جناب ڈاکٹر نذیر محمد بھی موجود

تھے جو مدراس سے آئے ہوئے تھے وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے بہت

زیادہ متاثر ہوئے۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب میلاد کمیٹی مدراس کے سیکرٹری

ہیں جو مدراس میں تقریباً گزشتہ نصف صدی سے ہر سال ربیع الاول کے

مہینہ میں سیرت النبیؐ پر شاندار اجتماعات کا اہتمام کرتی رہی ہے جس میں

ملک و بیرون ملک کے علماء کو خطاب کرنے کے لئے دعوت دی جاتی ہے۔ چنانچہ پچھلے سال مولانا احتشام الحق تھانوی صاحب کو دعوت دی گئی تھی اور مولانا کا وہیں پر ہی حرکت قلب بند ہونے سے انتقال ہو گیا تھا۔ اللہم اغفرلہ وارحمہ۔

ڈاکٹر نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو مدراس آنے کی دعوت دی جو ڈاکٹر صاحب نے منظور فرمائی۔ ادھر ربیع الاول ہی کے مہینہ میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے کی مدراس میں شادی ہونی طے پائی۔ چنانچہ عبدالصمد صاحب نے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور اس خاکسار کو شادی میں شرکت کی دعوت دی۔ جو شکریہ کے ساتھ قبول کر لی گئی۔ مومنٹ لاہور سے مدراس اور واپسی کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ بھی بھیجا دیا تاکہ شادی میں شرکت بھی ہو جائے اور سیرت النبیؐ کے جلسوں کو ڈاکٹر صاحب خطاب بھی کر سکیں۔

فلائیٹ کی دو گڑ بڑیشن کی وجہ سے برہان غنی صاحب کو بھی ایرپورٹ کے چکر لگانے کی شدید زحمت اور کوفت ہوئی۔ آج ہی انہیں کار کے ایک حادثہ سے بھی دوچار ہونا پڑا جس کی وجہ سے ان کی ایک ٹانگ میں چوٹ آئی اور انہیں کھڑا ہونا تک مشکل ہو رہا تھا۔ لیکن آفرین ہے ان پر کہ اس کے باوجود بھی وہ رات کے ایک بجے اس خاکسار کے لئے ایرپورٹ پر موجود تھے۔ میں شرمندہ تھا ان سے عرض بھی کیا کہ آپ زحمت نہ فرماتے لیکن ان کا جواب ایک دلاویز مسکراہٹ تھی جیسے انہیں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!۔ اس طرح کوئی ڈیڑھ بجے میں گھر پہنچ گیا۔ عمارت میاں نے کراچی فون کر کے گھر والوں کو بتا دیا تھا کہ فلائیٹ میں بہت تاخیر ہو جائے گی اس وجہ سے کوئی فکر نہ کریں۔ اس لئے گھر والوں کو اطمینان تھا۔

ڈاکٹر صاحب کو لاہور سے آج رات کراچی پہنچنا تھا۔ ان کے ساتھی بھی تقریباً وہی کچھ پیش آیا جو کل میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ PIA کی پروازوں کا نظام ابھی تک درہم برہم تھا۔ انہیں پونے نو بجے شب کی فلائیٹ سے

روانہ ہونا تھا جس میں تاخیر بڑھتی چلی جا رہی تھی چنانچہ موصوف نے کوشش کر کے اُس سے پہلے کی یعنی سہ پہر تین بجے کی فلائٹ کا بورڈنگ کارڈ حاصل کر لیا جو رات ساڑھے گیارہ بجے روانہ ہوئی اور ایک بجے کراچی پہنچی۔ پونے نو بجے شب والی فلائٹ جس میں دراصل ڈاکٹر صاحب کی نشست تھی وہ دوسرے روز صبح آٹھ بجے کراچی پہنچی جب کہ اسی روز صبح سات بجے کی فلائٹ سے ہمیں ممبئی روانہ ہونا تھا۔ اگر ڈاکٹر صاحب اس فلائٹ سے آتے تو ممبئی کی فلائٹ MISS کر جاتے۔

پریمر ٹوبیکو انڈسٹریز کی کار میں ڈاکٹر صاحب کو لینے میں ایئر پورٹ پہنچا۔ گھر والی ڈیڑھ بجے شب ہوئی۔ ممبئی کی فلائٹ کا وقت صبح سات بجے تھا۔ دو گھنٹہ قبل یعنی پانچ بجے ایر پورٹ بلا یا گیا تھا جس کا مطلب تھا گھر سے ساڑھے چار بجے ایر پورٹ کو روانگی۔ کل تین گھنٹے ہمارے پاس تھے۔ اس میں سونے کا تو سوال نہیں تھا۔ صرف ”آنکھیں جھپکانے“ کا وقت تھا چنانچہ کوشش کر کے جھپکالی گئیں۔ کوشش اس بات کی کی گئی کہ معاملہ ”جھپکنے“ تک ہی محدود رہے۔ نیند کی آغوش میں نہ پہنچ جائیں جو اپنے بازو واگے ہر لحظہ ہمیں اپنے آغوش میں لینے کی دعوت دے رہی تھی۔ دل سمجھا اُس کی طرف مائل تو ہونے لگا تھا لیکن غ۔

کبھی کبھی تو جُتوں بوشیار ہوتا ہے۔ — ضمیر نے احتجاج کیا عقل نے مشورہ دیا کہ کمبخت کے خلاف شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا جائے۔ دل ضمیر اور عقل کی اس ”کشم کشتا“ نے جلد ہی بستر سے اٹھا، یا ڈاکٹر صاحب کو اٹھانے جا ہی رہا تھا کہ گھڑی دیکھی، ایں! ابھی تو صرف ایک گھنٹہ گزرا ہے، اُلٹے پاؤں واپس آگیا۔ اور پھر میں تھا اور بستر اور خراٹے۔ جو ڈاکٹر صاحب کے کمرہ سے آ رہے تھے خراٹوں کا زبردست، اُن کا آہنگ — کافی دیر میں انہی میں کھویا رہا۔ ڈاکٹر صاحب فرمایا کرتے ہیں کہ خراٹے لینا بھی تو سنت ہے اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اُس نے مجھے اس نعمت سے بھی محروم نہیں کیا۔

مدرس میں احباب کو تقسیم کرنے کے لئے میں نے ڈاکٹر صاحب کے اردو اور انگریزی کتابچوں کے کچھ سیٹ لاہور سے ساتھ لے لئے تھے جو ایک کارٹن میں پیک کئے ہوئے تھے۔ خیال آیا کہ کسٹم پر جگہ جگہ کارٹن کو بار بار کھولنا بند کرنا پڑے گا اس لئے کارٹن کو کھول کر کتابوں کو اپنے دیگر سامان کے ساتھ رکھا، نئے سرے سامان کی پکنگ کی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر جلد جلد ہلکا سا ناشتہ کر کے ایئر پورٹ روانہ ہو گئے۔

پانچ بجے ایئر پورٹ پہنچا تھا لیکن پانچ تو گھر پر ہی بچنے والے تھے ایئر پورٹ کا راستہ نصف زائڈ ہو چکا کہ میرا ذہن سنلے میں آ گیا۔ اوہ! میرے سوٹ کیس کی چابیاں گھر پر رہ گئی تھیں۔ ہمیں ویسے ہی تاخیر ہو چکی تھی۔ اُف! اب کیا ہو گا؟۔ چابیاں لینے واپس جائیں تو اور زیادہ تاخیر ہوتی ہے۔ دینے جائیں تو کراچی اور ممبئی دونوں جگہ کسٹم والے اسے کھولوائیں گے اگر تالے توڑتا ہوں تو سوٹ کیس غیر محفوظ ہو جائے گا کیونکہ اسے ہوائی جہاز والوں کے سپرد کرنا ہے۔ چہرہ پر ایک رنگ آتا تھا ایک جاتا تھا۔ خیالات اور کار دونوں کی رفتار تیز تھی اور دونوں ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اب ڈاکٹر صاحب کے کہوں تو کیسے کہوں۔ ہمت نہیں پڑ رہی تھی اور مجھ غریب پر جو بیت رہی تھی ڈاکٹر صاحب اس سے قطعی بے خبر تھے۔ جسم کی پوری طاقت کو مجتمع کر کے آواز نکالی ”ڈاکٹر صاحب“ جو ظاہر ہے بہت آہستہ نکلی۔ ”جی“ جواب ملا۔ اب آگے کچھ کہنے کی تاب نہ تھی ہمت جواب دے رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب میری پریشانی کو کچھ بھانپ گئے۔ ”کہئے“ کیا بات ہے۔ ”ڈاکٹر صاحب۔ سوٹ کیس کی۔ چابیاں۔۔۔۔۔ گھر رہ گئیں۔ میں نے جیسے جیسے فقرہ پورا کر رہی دیا۔ او

اُس کے بعد گاڑی نے واپسی کا رخ بدلا ڈرائیور کو حکم ملا کہ رفتار اور تیز کر دو۔ گھر پہنچا، خبیثہ چابیاں لئے پریشان کھڑا تھا کہ کیا کرے! اتنے میں ہم پہنچے۔ چابیاں لیں اور پھر واپس ایئر پورٹ۔ وہاں جب پہنچے تو گھڑی کی سوئیاں پونے چھ پر تھیں۔ جلد جلد ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل

ہوئے۔ باہر دفتر کے ایک ساتھی رحمن صاحب مل گئے جو اپنے بیٹے زبیر کے ایک دوست ہدایت اللہ کو رخصت کرنے ایرپورٹ آئے تھے۔ جنہیں بیٹی ہوتے ہوئے میسور جانا تھا۔

ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایرپورٹ پر پرمیئر ٹوبیکو انڈسٹریز کے کوئی صاحب موجود ہوں گے جو کسٹم وغیرہ کی FORMALITIE میں ہماری مدد کریں گے برصان غنی صاحب کو آنا تھا لیکن وہ اپنی ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے نہ آ سکے تھے۔ مجھے بیرون ملک ہوائی سفر کا کوئی تجربہ نہ تھا کہ کیا کچھ کرنا ہوتا ہے! — ڈاکٹر صاحب بیرون ملک جب بھی تشریف لے گئے ہیں ایرپورٹ پر تمام کاروائیاں Formalities دوسروں نے کر کے دی ہیں اس لئے اُن کو بھی کوئی ذاتی تجربہ نہ تھا۔ یہاں پر ہر کام کے لئے قطاریں لگی ہوئی تھیں، کوئی بتانے والا نہ تھا کہ کیا کام کہاں پر ہوگا، بیٹی جانے والے مسافروں کی قطار کون سی ہے۔ عجب نفسا نفسی کا عالم تھا۔ سامان کو لئے کبھی ادھر کبھی ادھر — تاخیر نہیں پہلے — سے ہو گئی تھی بہر حال میں نے ڈاکٹر صاحب کو ایک جگہ کھڑا کیا اور ایک قطار میں لگ گیا بورڈنگ کارڈ حاصل کیا اور سامان ہوائی کمپنی کے سپرد کیا۔ امیگریشن کے لئے دوسری قطار میں کھڑا ہونا پڑا۔ حکم پیل کا عجیب عالم تھا۔ کچھ لوگ تھے جو سفارش وغیرہ کے ذریعہ اپنا کام بغیر قطار میں کھڑے کر رہے تھے جن کی وجہ سے قطار میں کھڑے ہوئے لوگوں کا نمبر دیر میں آگیا تھا۔ جہاز کی روانگی کا وقت لمحہ بہ لمحہ قریب آ رہا تھا اور قطار چیونٹی کی طرح رینگ رہی تھی۔ ایسے موقع پر میرے سر میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ جسم کا رواں رواں سراپا احتجاج بن جاتا ہے۔ غصہ بھی آتا ہے اور افسوس بھی ہوتا ہے۔ پیسہ اور سفارش ان دو چیزوں نے قوم کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ ہماری پوری بیوروکریسی کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے پیسہ ہو یا سفارش — ہر کام ہو سکتا ہے، بگڑا کام بن سکتا ہے۔ اب قطار خاصی آگے بڑھ چکی تھی اور میرا نمبر آنے والا تھا کہ ایک صاحب قطار کے بغیر آگئے اور امیگریشن افسران کا کام کرنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا

کہ ہم اتنی دیر سے قطار میں کھڑے ہیں اور تم اس طرح بغیر قطار کے لوگوں کو نشانہ ہو پھر قطار میں کھڑے ہونے سے فائدہ! اُس نے جو جواب دیا وہ اس محکمہ کے لوگوں (الہاماً شاء اللہ) کی رعوت اور بدتمیزی کا شاہکار تھا۔ کہنے لگا ”خاموش کھڑے رہو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں۔“ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ ہمارے ٹیکسوں کے پیسوں سے پلنے والا ہم سے اس طرح بات کرے۔ جی میں آیا کہ اسی وقت اسے بے نقط سنا دوں، چاہے پھر کچھ بھی ہو جائے لیکن پھر ایک خیال یہ بھی آیا کہ ڈاکٹر صاحب جو قریب ہی کھڑے تھے اگر انہوں نے یہ صورت حال دیکھی اور انہیں جلال آگیا تو فلائٹ تو رہی ایک طرف پورا ایرپورٹ ہل کر رہ جائے گا۔ اسی لئے ہوش جوش پر غالب آگیا، مصلحت اسی میں سمجھی کہ صبر کیا جائے اور خاموش رہا جائے جیسے تیسے اپنا کام کرایا اور کسٹم کے ہفت خواں سے گذر کر لاؤنچ میں داخل ہوئے۔

انگریز چلا گیا لیکن یہ کالے انگریزوں کی بیورد کر سیسی اس قوم کے سر پر مسلط ہے۔ نالائق، بدتمیزی، رعوت اور کرپشن کا ہر محکمہ میں دور دورہ ہے۔ کہیں پر بھی کوئی کام بغیر سفارش یا مٹھی گرم کئے نہیں ہوتا جن لوگوں کو قوم کا خادم ہونا چاہیے تھا وہ قوم کے مخدوم بنے ہوئے ہیں اور قوم کو بھڑ بھڑائیوں کی طرح ہانکنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ کرپشن کو روکنے کیلئے انٹی کرپشن محکمہ موجود ہے جو خود کرپشن میں مبتلا ہے۔ اب انٹی کرپشن محکمہ کے کرپشن کو روکنے کے لئے ایک اور انٹی کرپشن محکمہ ہوا اور پھر اس کی کرپشن روکنے کے لئے ایک اور۔ ایک اور۔ ایک اور۔ اور اس طرح یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکے گا۔ جب تک کہ لوگوں کے قلب میں ایمانیات کے عمل کی آبیاری نہ ہو۔ جب تک اُن میں یہ یقین پیدا نہ ہو کہ انہیں مرکز ایک بار اور جی اٹھنا ہے اور اس دنیا میں کئے گئے اپنے ایک ایک عمل کا جواب دینا ہے۔ جہاں نیک عمل کی جزاء اور برائیوں کی سزا ملے گی اور اس سے کوئی نہ بچ سکے گا، دُنیا میں پیسہ اور سفارش سے چھوٹ سکتے ہیں

لیکن وہاں یہ نہیں چلے گا۔ بُرے کاموں کی سزا مل کر رہے گی۔ اگر آج یہ یقین پیدا ہو جائے تو مجال ہے کہ برائیاں سر اٹھا سکیں، کرپشن اپنے جھنڈے گاڑ سکے لیکن افسوس کہ ”اسلام“ کا نام تو بہت لیا جاتا ہے لیکن اس اصل کام کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہا۔ اس ملک میں اسلام کو ایک سیاسی نعرہ تو بنا دیا گیا ہے لیکن اسلام اپنے برپا کرنے والوں سے جن *Pre-requisites* ابتدائی تیاریوں کا مطالبہ کرتا ہے وہ ناپید ہیں یا ناپید کر دیئے گئے ہیں اس لئے کہ ”اس میں لگتی ہے محنت زیادہ“۔ اور اس کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے جتنے بلند بانگ نعرے لگ رہے ہیں اتنا ہی ہم پستی میں گرتے چلے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ ضرورت ہے تجدید ایمان کی تحریک کی، تو سہ کی مسنادی کی تجدید عہد کے توثیق کی۔۔۔ ”اسلامی سیاست“ کے بازوؤں میں رعل رشید ہے جوئے۔۔۔ !!

کسٹم انگریشن وغیرہ کی منازلِ ہفت خواں طے کرنے کے بعد جب ہم لاؤنج میں پہنچے تو کچھ سکون کا سانس لیا۔ لاؤنج مسافروں سے مبرا ہوا تھا۔ ہم بھی ایک کونے میں کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ عبدالصمد صاحب کے سیکرٹری رفعت صاحب نے کہا تھا کہ ایرپورٹ پر نہ صرف اُن کی کمپنی کی جانب سے مختلف کاموں میں ہماری مدد کرتے کے لئے کچھ لوگ موجود ہوں گے (جو کہ موجود نہ تھے) بلکہ انہوں نے دو حضرات کے نام بھی بتائے تھے جو عبدالصمد صاحب کے مدعوین میں سے تھے اور انہیں بھی اسی فلائٹ سے بیٹنی ہوتے ہوئے مدراس پہنچنا تھا۔ رفعت صاحب ایک روز قبل مدراس روانہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ان دو حضرات سے ملاقات کر لینا۔ سفر میں ساتھ رہے گا اور یہ حضرات ڈاکٹر صاحب کا ہر طرح کا خیال رکھیں گے۔ ڈاکٹر صاحب کو ایک کرسی پر بٹھا کر میں نے لاؤنج میں ان حضرات کو دیکھنا شروع کیا۔ میں صرف نام سے واقف تھا صورت آشنا نہ تھا۔ اس وجہ سے دقت ہوئی۔ میں نے سوچا کہ شاید ڈاکٹر صاحب اور شیردانی کی وجہ سے یہ حضرات مجھ کو پہچان کر مجھ سے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں معلوم کریں۔ لیکن لاؤنج میں مجمع آفس قدر تھا کہ یہ ممکن نہ ہو سکا۔ اور پھر شیردانی اور ڈاکٹر صاحب والیاں میں اکیلا



تو نہ تھا۔ چاروں طرف نظر مار کر جب میں اپنی سیٹ پر واپس آیا تو دُور سے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر کی محترمہ بیٹھی ڈاکٹر صاحب کے مصروف گفتگو ہیں۔ ٹیلی ویژن کی وجہ سے وہ ڈاکٹر صاحب کو پہچان گئیں اور کچھ دینی مسائل پر تبادلہ خیال کے لئے ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھ گئیں ایسے موقع پر ڈاکٹر صاحب کو الجھن تو ہوتی ہی ہوگی لیکن کیا کریں کوئی مسئلہ پوچھنے بیٹھ جاتے تو جاتے رفتن نہ پائے ماندن والی کیفیت ہوتی ہے اور جواب دینا ہی پڑتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت اس وقت ڈاکٹر صاحب کی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد جہاز میں سوار ہونے کا اعلان ہوا اور ہم اپنا دستی سامان لے کر جہاز کی جانب روانہ ہو گئے۔ یہ PIA کی ایریس تھی۔ ڈاکٹر صاحب کھڑکی کے قریب کی نشست پسند کرتے ہیں چنانچہ وہ اس پر تشریف فرما ہوئے اور میں اُن کے برابر کی نشست پر۔ پرواز کا وقت صبح سات بجے تھا لیکن کچھ تاخیر ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ سفید و حنظل دونوں ہی مفید رہتے ہیں اور سفر خاص طور پر کہ اس میں سکون سے مختلف مسائل پر بات چیت کا موقع مل جاتا ہے اور میں اس وقت کا پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ ایریس بیٹی کی جانب محور پرواز تھی اور ہم گفتگو میں مصروف۔ ڈیڑھ گھنٹہ کا وقت پلک جھپکتے جیسے گزر گیا۔ راستہ میں بتایا گیا کہ ہم اپنی گھڑیوں کا وقت ہندوستان کے اسٹنڈرڈ ٹائم کے مطابق کر لیں یعنی نصف گھنٹہ پیچھے۔ میں نے تو اپنی گھڑی کا وقت ہندوستان کے وقت کے مطابق کر لیا لیکن ڈاکٹر صاحب نے نہیں کیا فرمانے لگے کہ میں اپنی گھڑی کا وقت پاکستانی وقت کے مطابق ہی رکھوں گا۔ مجھے پہلے تو ڈاکٹر صاحب کی ”پاکستانیّت“ پر رشک آیا لیکن یہ اُن سے بعد میں معلوم ہوا کہ چونکہ اُن کی گھڑی DIGITAL ہے اور اس میں وقت کے آگے پیچھے کرنے کی تکنیک سے ڈاکٹر صاحب پوری طرح واقف نہیں اس لئے . . . . . اب آگے میں کیا کہوں کہیں بے ادبی نہ ہو جائے۔ بہر حال ان چیزوں میں موصوف اپنے بڑے صاحبزادے عارف رشید سلمہ کے محتاج ہیں۔ اب بات اُہی گئی ہے تو سن لیجئے آپسے کیا پردہ کہ ڈاکٹر صاحب کا رُکی ڈرائیونگ تو بہت عمدہ

کرتے ہیں۔ بہت عمدہ ہی نہیں بلکہ بہت ہی عمدہ (اس بہت ہی عمدہ میں Reason ڈرائیونگ بھی شامل ہے!) لیکن کارکی Mechanism سے ذرہ برابر واقف نہیں، حد تو یہ ہے کہ زندگی میں آج تک کار کا مائیکرے تبدیل نہیں کیا۔ اگر مائیکرے بچکر ہو جائے تو گاڑی سڑک کے ایک طرف کھڑی کر کے گھرفون کر کے کسی بچے کو بلا لیں گے یا یونہی واپس چلے آئیں گے اور اپنے صاحبزادوں عارف رشید سلمہ یا عاکف سعید سلمہ سے فرمائیں گے کہ گاڑی فلاں جگہ کھڑی ہے، جاؤ وہاں سے لے آؤ۔ صاحبزادے سمجھ جائیں گے کہ مائیکرے بچکر ہو گیا ہے۔

پی۔ پی۔ آئی۔ اے۔ بھی خوب ہے۔ بعض لوگ اس پر اس لئے ناک مھوں چڑھاتے ہیں کہ لوجی سرکاری زبان اُردو ہے اور نام رکھا ہے ہوائی کمپنی کا انگریزی میں۔ اور وہ بھی پی۔ پی۔ آئی۔ اے۔ یعنی اُردو میں پی۔ آئی۔ اے۔ جیسے کھا آئیے۔ ہمارے ہاں کے ایک مشہور ادیب نے اپنے ایک تصوراتی ملک ”اقباستان“ کی ہوائی کمپنی کا نام رکھا تھا ”بال جبریل“۔ ”اقباستان“ کے لئے کچھ اور نام بھی انہوں نے تجویز کئے تھے۔ منہ کا مزہ بدلنے کے لئے آپ بھی سن ہی لیجئے۔ ریڈیو اسٹیشن کا نام ”ارمغانِ حجاز“ جماعتی و ثقافتی زندگی میں رہنمائی کرنے والے محکمہ کا نام ”اسرار و رموز“ مملکت کے صدر مقام کا نام و خودی آباد“ اور حکومت کے سربراہ کا لقب ”صاحب جنوں“۔ کہتے طبیعت خوش ہو گئی!

۱۰ جنوری کی یہ سہانی صبح تھی کہ ہم بمبئی کے انٹرنیشنل ایر پورٹ کی شاندار عمارت میں داخل ہوئے۔ کراچی ایر پورٹ پر جو بد نظمی ہم نے دیکھی یہاں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ ہر بات میں نظم تھا ہر چیز میں ترتیب تھی۔ EMBAR KATION CAR طیارہ میں ہی تقسیم کر دیئے تھے جو ہم نے وہیں پر کر لئے تھے ہوائی اڈہ کے بال کے دروازہ پر ہمیں فارم دیئے گئے جو ہمیں پُر کر کے دینے تھے۔ فارم تقسیم کرنے والے کارکن ہی مسافروں کی رہنمائی کر رہے تھے کہ انہیں کس کاؤنٹر پر جانا ہے۔ میں نے اپنے اور ڈاکٹر صاحب کے فارم جلدی جلدی پُر کئے۔ اتنے میں ایک مسافر خاتون آگئیں کہ ان کا فارم پُر کر دیں۔ اُن کا فارم پُر کیا۔ پھر دوسری پھر تیسری اب آخر کس کو منع کیا جلتے۔ ہم تو ہوائی اڈہ کی عمارت میں اس وجہ سے جلدی

داخل ہوتے کہ رسمی کاروائیوں سے جلد نمٹ جائیں گے لیکن یہاں تو ہم فارم بھرنے والے منشی بن کر بیٹھ گئے آخر کو میں تو قطار میں لگ گیا اور یہ ”خدمتِ خلق“ ڈاکٹر صاحب نے سنبھال لی۔

ایک لڑکا کھڑا تھا جو ہر مسافر سے پوچھتا تھا کہ با دام پستہ چلغوزہ کچھ ہے۔ ہم سے بھی پوچھا۔ ہمارے پاس کہاں تھا۔ ایگریگیشن سے فارغ ہو کر کسٹم کی طرف چل دیے۔ ہر مسافر کو پرچی مل جاتی تھی جس پر نمبر لکھا ہوتا تھا کہ فلاں کا ڈنٹر پر جانا ہے۔ چنانچہ ہم اپنی پرچی کے مطابق سامان لے کر متعلقہ کاؤنٹر پہنچے۔ کسٹم انسپکٹر نے ایک نظر ڈاکٹر صاحب کو اور مجھے دیکھا۔ پوچھا کچھ ہے۔ ہم نے کہا کچھ نہیں۔ سپرے اور استعمال کی چیزیں ہیں۔ اُس نے بغیر سامان کھولنے لے جانے کی اجازت دیدی۔ اس طرح ہم بلد فارغ ہو کر باہر آ گئے۔

اب ہم ایک نئے مرحلے سے دوچار ہوئے۔ رفعت صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ انہوں نے انتظام کر دیا ہے۔ بمبئی ایرپورٹ پر ہمیں *Receive* کرنے کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ مدراس جانے والے دو حضرت جو ہمارے ہم سفر ہیں ہماری ہر طرح کی مدد کریں گے۔ ڈاکٹر صاحب کا تو لاہور سے مدراس اور واپسی کا مکمل ٹکٹ تھا لیکن میرا ٹکٹ لاہور سے بمبئی اور واپسی کا ملا تھا۔ بمبئی / مدراس / بمبئی سیکڑ کا نہیں تھا۔ اس کے لئے رفعت صاحب نے کہا تھا کہ جو صاحب ہمیں لینے بمبئی ایرپورٹ پر آئیں گے وہی یہ ٹکٹ بھی دیدیں گے۔ ہم یہ سوچتے ہوئے ایرپورٹ بلڈنگ کے باہر نکلے کہ بس گیٹ سے باہر نکلتے ہی ”سلام علیکم“ ”وعلیکم السلام“ ہو جائے گی لیکن کوئی دُور دُور تک نظر نہ آیا۔ کھڑے کھڑے تھوڑی دیر انتظار بھی کیا کہ شاید تاخیر ہوگئی ہو بس پہنچنے والے ہی ہوں اور آتے ہی معذرت کریں گے اور سامان اپنی گاڑی میں رکھتے ہوئے ہم سے کہیں گے کہ، غریب خانہ پر تشریف لے چلتے۔ نصف گھنٹہ گزر گیا، ایک ایک شخص کے سامنے گیا کہ شاید کون پہچان لے اور کہے ”اغاہ آپ میں جنہیں میں اتنی دیر سے ڈھونڈ رہا تھا“ لیکن دائے حسرت ایسا کہنے والا کوئی نہ ملا۔ وہ دو صاحبان جنہیں کہا گیا تھا کہ ہمارے ہم سفر ہیں اور ہمارا خیال رکھیں گے ان کے

رہنے زیبا کو دیکھنے سے بھی ہم ترس گئے تھے۔ اب میں تھا اور ڈاکٹر صاحب، دونوں خاموش کھڑے تھے، کبھی میں اُن کو دیکھ لیتا تھا کبھی وہ مجھے، عجیب سی بے چارگی تھی۔ مسافر اپنی اپنی منزل کو جا چکے تھے، بہت سے ٹیکسی والے ہمارے پاس آئے کہ کدھر جانا ہے اب کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا۔ اتنے میں دیکھا کہ ایک صاحب ابھی کھڑے ہیں، یونہی کچھ دعا سلام سی ہو گئی۔ پوچھا کدھر کا ارادہ ہے کہنے لگے مدراس کا۔ ہم نے کہا ہم بھی مدراس جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ پریمر ٹوبکیو انڈسٹریز کے گوجر خان کے ایجنٹ ہیں نام ان کا شیخ رفیق ہے۔ مدراس میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے کی شادی میں شرکت کریں گے بعد ازاں ہانگ کانگ جانے کا ارادہ ہے۔ واضح رہے کہ یہ صاحب ان دو صاحبان میں سے نہیں تھے جن کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا۔ بہر حال دو نہ شد نہ شد۔ اُن کے بارے میں بھی معلوم ہوا کہ انہیں مدراس کا ہوائی جہاز کا ٹکٹ لینا ہے۔ مجھے بھی ٹکٹ کی ضرورت تھی کہ وعدہ کے مطابق یہاں پر کوئی صاحب ابھی تک ٹکٹ لے کر نہیں آئے تھے۔ رفیق صاحب کے مشورہ کے بعد طے ہوا کہ Domestic ایرپورٹ (سانتا کروزا) چلا جائے۔ جو انٹرنیشنل ایرپورٹ سے کئی میل دُور ہے ٹیکسی پکڑی اور وہاں پہنچے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ مدراس کے لئے سیٹ دو تین روز کے بعد مل سکے گی۔ رش بہت زیادہ ہے ڈاکٹر صاحب کی آج شام کی سیٹ کنفرم تھی۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ آج کی سیٹ مل جائے لیکن کام نہ بنا۔ اب کیا کیا جائے؟ سامان کو کہاں کہاں ساتھ لئے پھریں۔ میں کچھ پریشان جلد ہی ہو جاتا ہوں۔ ایک بار تو دل میں یہ خیال آیا کہ ڈاکٹر صاحب کو کہہ دوں کہ آپ شام کی پرواز سے مدراس چلے جاتیے۔ میرے پاس بیٹی سے کراچی واپسی کا ٹکٹ تو ہے میں واپس کراچی چلا جاتا ہوں۔ پھر مشورہ ہوا کہ رفیق صاحب اور میں کیوں نہ ریل کے ذریعے مدراس چلے جائیں۔ ۳۶ گھنٹہ کا سفر تھا ہم اس کے لئے تیار تھے۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ میں بھی کیوں ہوائی جہاز سے جاؤں، چلو میں بھی تمہارے ساتھ ریل کے ذریعہ ہی چلتا ہوں۔ مجھے احساس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب یہ میری وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ میں تنہائی محسوس نہ کروں انہیں میرا کتنا خیال تھا! — ابھی یہ باتیں ہو ہی

رہی تھیں کہ ذہن کے کسی گوشہ میں ایک خیال بجلی کی طرح گوندا۔ میں نے عرض کیا ڈاکٹر صاحب ہمارے ویزا میں تین مقامات میں سے ایک مقام بھی ہے اور عبدالصمد صاحب نے یہاں پر اپنے ایک دوست کا پتہ لکھوایا ہے۔ کیوں نہ شہر میں اُن کے پاس چلا جائے، شاید وہ ہماری کچھ مدد کریں۔ ڈاکٹر صاحب یکدم تیار ہو گئے جیسے کہہ رہے ہوں کہ یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا تھا۔ فوراً ہم نے ٹیکسی پکڑ لی، ٹیکسی ڈرائیور کو پتہ بتایا اور شہر کی طرف رداں رداں ہو گئے۔ ٹیکسی ڈرائیور ایک سردار جی تھے۔ پتہ نہایت آسان تھا، سڑک کا نام بھی مشہور تھا لیکن سردار جی کو جگہ ہی نہیں مل رہی تھی۔ نہ جانے کیوں؟ کب تو ٹیکسی کا کرایہ بڑھانے کو وہ یہ حرکت فرما رہے تھے یا شاید اُس وقت بارہ بجے کا وقت قریب آ رہا تھا اس لئے وہ کسی اور کیفیت میں مبتلا ہوں گے۔ اگر دوسری بات ہے تو بہر حال یہ ان کی مجبوری تھی اور اس کا الاؤنس انہیں دیا جانا چاہیے۔

ٹیکسیوں کے میٹر یہاں پر ایک روپیہ میل کے حساب سے چلتے ہیں۔ لیکن ہر ٹیکسی ڈرائیور کے پاس ایک ریٹ کارڈ ہوتا ہے اُس پر ۲/۴۵ روپے کے حساب سے ہر میل کا چارٹ دیا ہوا ہوتا ہے۔ دس میل کے فاصلہ پر میٹر تو دس روپے بتائے گا لیکن چارٹ میں دس کے سامنے ۲۴/۵۰ لکھے ہوں گے جو ادا کرنے ہوتے ہیں۔ دراصل پہلے یہاں کرایہ ایک روپیہ میل تھا۔ اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا اب ہر بار میٹر تبدیل کرنے کی بجائے نئے ریٹ کارڈ دیئے جاتے تھے تاکہ اس کے مطابق کرایہ وصول کیا جاسکے۔ کافی پھرنے پھرنے کے بعد اور کئی جگہ معلوم کرنے کے بعد ہم منزل مقصود پر پہنچے۔ یہ دراصل عبدالصمد صاحب کے ایک دوست حاجی عبدالرحیم کا *Popular Soda Hat works* کے نام سے ایک دفتر تھا جو کرا فورڈ مارکیٹ کے عین سامنے کی عمارت میں واقع ہے۔ خوشی ہوئی کہ چلو دفتر تو بلا اب مشکل آسان ہو جائے گی۔ ٹیکسی سے سامان اتار کر اور اُس کا حساب چکا کر ڈاکٹر صاحب اور رفیق صاحب تو فٹ پاتھ پر کھڑے رہے اور میں پہلی منزل پر اُن کے دفتر میں گیا۔ جو صاحب سامنے بیٹھے تھے غالباً دفتر کے مینجر تھے انہوں نے بتایا کہ حاجی صاحب تو بنگلور گئے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ پھر

اپنے کام میں مصروف ہو گئے جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ میں نے کہا کہ ہم کراچی سے آئے ہیں مدد اس جانا ہے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ ایرپورٹ پر کوئی صاحب آئیں گے اور مدراس کا میرا ہوائی جہاز کا ٹکٹ دیں گے ٹکٹ آپ کے پاس تو نہیں ہے؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے کہا زحمت نہ ہو تو میں اپنے ساتھیوں کو نیچے سے بلالوں۔ اور یہ سُنے بغیر کہ وہ ہاں کہتے ہیں یا نہیں، میں تیر کی طرح نیچے گیا۔ ساری صورتحال ڈاکٹر صاحب کو بتائی۔ طے ہوا کہ سامان تو ہم اوپر رکھ دیں اسے کہا کہ اے پھر اور پھر چکی کی کرنا چاہیے۔ چنانچہ سامان لے کر ہم اوپر پہنچ گئے۔ ایک کونے میں سامان رکھا۔ میں نے اُن صاحب سے کہا کہ یہاں پر عبدالصمد صاحب کا کوئی اور دوست بھی ایسا ہو سکتا ہے جن کے پاس میرا ٹکٹ ہو۔ کہنے لگے کہ دراصل ہمارے اُن سے تجارتی تعلقات کم ہیں۔ ایک فرم اور ہے جن کے ہاں اُن کا مال زیادہ آتا ہے اُن سے معلوم کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے فون کیا۔ آخر قدرت کو مجھ پر رحم آ ہی گیا۔ پتہ چلا کہ ٹکٹ موجود ہے اور اُن کے پاس ہے۔ تین مردہ میں جیسے جان آگئی ہو یا ع۔ جیسے دیرانے میں چپکے سے بہا آجائے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ رفیق صاحب کی حالت قابلِ رحم تھی۔ وہ یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ میں ریلوے کی برتن کی کوشش کرتا ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ پھر وہ بھی نہ ملے۔

کرا فورڈ مارکیٹ کے قریب ہی محمد علی روڈ پر **John Barel** کے نام سے جوتوں کی ایک بڑی دکان ہے۔ میرا ٹکٹ وہیں پر تھا۔ میں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ وہاں جا کر اپنا ٹکٹ حاصل کیا۔ آج شام کی پرواز سے سیٹ کنفرم تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ واپس آکر ڈاکٹر صاحب اور میں کھانا کھانے چلے گئے۔ سامنے ہی ایک ہوٹل تھا۔ اس میں بہت رش تھا۔ ہم بھی جا کر بیٹھ گئے۔ سوچا کیا منگایا جائے۔ بھوک بھی شدت سے لگے ہی تھی۔ لوگوں کو دیکھا کہ اُن کے سامنے مقال اُڑ رہے ہیں۔ ہم نے بھی دو مقال کا آرڈر دیا۔ ہوٹل کا انتظام نہایت عمدہ تھا۔ ہر کام کے لئے الگ لڑکے مقرر تھے۔ جو مستعدی سے اپنا کام سرانجام دے رہے تھے۔ ہر میز کے گرد چار نشستیں تھیں۔ کچھ لڑکے صرف پانی کے لئے تھے۔ ہر میز پر ہر وقت چار کلاس بھر

ہوتے موجود رہتے تھے۔ کچھ لڑکے صفائی کے لئے۔ ادھر لوگ کھانا کھا کر اٹھے  
 ادھر صفائی والے لڑکوں نے آکر برتن اٹھا کر میز صاف کی۔ آرڈر کی تعمیل کیلئے  
 الگ لڑکے تھے۔ ادھر آرڈر دیا۔ ادھر حاضر۔ کیا مجال کہ ذرا دیر ہو جائے۔ ہوٹل  
 کے انتظامات دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی ہندو کا ہوٹل ہے  
 اب یہاں پر ہوٹلوں میں ہندو مسلمان کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ — حال ہمارے  
 سامنے آگئی۔ کچھ پوریاں تھیں اور پانچ چھ چھوٹی چھوٹی پیالیوں میں مختلف  
 سبزیاں، دالیں رائتہ اور میٹھا وغیرہ تھا۔ اچار اور چٹنی الگ۔ ادھر ٹوپیاں  
 ختم ہوئیں ادھر چادروں کی پلیٹ لاکر رکھ دی گئی۔ جو لوگ چادل نہیں کھاتے  
 وہ اس کی جگہ مزید پوریاں لے سکتے ہیں۔ — خوب سیر ہو کر کھانا کھایا چائے پی  
 حساب چکایا اور باہر آگئے۔ ایک بات یہ دیکھی کہ برتن اٹھاتے وقت بیہرہ تھا  
 میں خالی پیالیوں اور گچھوں کی تعداد گن لیتا ہے ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی صاحب  
 ایک آدھ پیالی یا چھ چوبیس میں ڈال کر لے گئے ہوں۔ — قریب ہی مسجد تھی  
 جہاں جا کر ظہر اور عصر کی ملا کر نماز ادا کی۔ — اور وہیں دس پندرہ منٹ آرام  
 کیا۔

ہماری روانگی رات کو ساڑھے آٹھ کی فلاٹ سے تھی اس وقت کوئی تین  
 بجے تھے سوچا کہ اب اس وقت کا مصروف نکالا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس  
 یوسف ٹیل صاحب پتہ مخا جن سے اُن کی دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں ملاقات  
 ہوئی تھی۔ شمس پیرزادہ صاحب (سابق امیر جماعت اسلامی بمبئی) کا بھی پتہ  
 تھا۔ سوچا پہلے یوسف ٹیل صاحب سے مل لیا جائے پتہ معلوم کرتے کرتے مین  
 پارہ میں اُن کے گھر پہنچے جو زیادہ دُور نہ تھا۔ وہ گھر پر موجود تھے۔ چائے  
 سے تواضع کی۔ بہت محبت سے پیش آئے۔ ان سے معلوم ہوا کہ مولانا ابوالحسن  
 علی ندوی صاحب آج کل بمبئی آئے ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ سن کر بڑی خوشی  
 ہوئی۔ اُن سے ملاقات کا اشتیاق تھا۔ کیا معلوم تھا کہ بمبئی ہی میں ملاقات  
 ہو جائے گی۔ یوسف ٹیل صاحب کے ساتھ ٹیکسی میں مولانا علی میاں صاحب کی  
 قیام گاہ پہنچے۔ موصوف نہایت شفقت و محبت سے پیش آئے۔ ڈاکٹر صاحب

کو آتے دیکھ کر حیران سے رہ گئے۔ فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب میں واقعی آپ کو دیکھ رہا ہوں یا خواب دیکھ رہا ہوں۔ ڈاکٹر صاحب کو محبت سے اپنے قریب بٹھایا پاکستان کے حالات معلوم کئے، مختلف مسائل پر بات چیت کی۔ اس خاکسار سے بھی نہایت شفقت سے پیش آئے۔ مولانا علی میاں صاحب کی محفل سے دل اٹھنے کو تو نہیں چاہتا تھا لیکن چونکہ ہمیں ایرپورٹ پہنچنا تھا اس لئے اُن سے اجازت طلب کی۔ مولانا علی میاں صاحب کے پاس دس بارہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے۔ یہیں پر نور الدین آزاد صاحب اور الحاج اکبر خان صاحب بھی ملاقات ہوئی جنہوں نے وعدہ لیا کہ واپسی پر ڈاکٹر صاحب روزِ بدی میں قیام فرمائیں تاکہ اُن سے مستفید ہوا جاسکے۔ اب اتنا وقت تو نہ تھا کہ شمس پیرزادہ صاحب سے بھی ملاقات کی جاسکتی اس لئے دفتر سے اپنا سامان لے کر اور یوسف پٹیل صاحب کو خدا حافظ کہہ کر ہم ایرپورٹ پہنچ گئے۔

یہ بمبئی کا Domestic Air Port تھا۔ بورڈنگ کارڈ حاصل کیا۔ مدراس کے لئے پرواز تیار تھی۔ انڈین ایر لائنز کارپوریشن کی ایربس مسٹر میں ہم نے اپنی نشست سنبھالی آٹھ بج کر چالیس منٹ پر طیارہ نے پرواز کی اور کوئی ڈیڑھ گھنٹہ بعد یعنی سوا دس بجے ہم مدراس کے ہوائی اڈہ پر تھے۔ واضح رہے کہ ایکسپریس ٹرین سے یہی سفر چھتیس گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔

لاڈنج میں آنے کے بعد ہم نے باہر نگاہ دوڑائی کہ کوئی شناسا نظر آجائے۔ ہمیں یہاں تو کراچی اور بمبئی ایرپورٹ جیسی امید نہ تھی لیکن کوئی بھی ایسا نظر نہ آیا جو ڈاکٹر صاحب یا میری طرف دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کرتا۔ اب یہاں بھی کوئی نہیں آیا تو ہم کہاں جائیں گے دل کو تسلی ہوئی کہ پتہ تو ہمارے پاس موجود ہے۔ ٹیکسی کر کے پہنچ جائیں گے۔ میں سامان کے انتظار میں تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف نگاہ اٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ کچھ لوگوں نے ڈاکٹر صاحب کو جالیا ہے۔ عبدالصمد صاحب، ڈاکٹر نذیر محمد صاحب اور اُن کے چند دوسرے دوست و احباب قطارِ اندر قطار وہاں موجود تھے۔ رفعت صاحب جو رات ہی کراچی سے یہاں پہنچے تھے وہ بھی آئے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب



نے عبدالصمد صاحب سے فرمایا بھی کہ آپ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوں گے۔ گھر پر بہت سے مہمان آئے ہوئے ہوں گے۔ آپ بچے یہاں آنے کی کیوں زحمت فرمائی، دوسرے احباب کے ساتھ ہم پہنچ ہی جاتے۔ لیکن وہ سراپا تو منع انکساری کا مظہر تھے۔ جیسے کہہ رہے ہوں کہ ڈاکٹر صاحب ہمارے شہر کی دہلیز پر قدم رکھیں اور میں استقبال کے لئے نڈاؤں۔ !! مدراس کے ایرپورٹ پر ہماری آن دو حضرات بھی ملاقات ہوئی جن کے دیدار کو کراچی اور ممبئی ایرپورٹ پر آنکھیں ترس رہی تھیں۔ ان میں ایک صاحب تھے کراچی کی ایک بڑی ایڈورٹائزنگ فرم SASA کے مینجنگ ڈائریکٹر شہزادہ صاحب اور دوسرے تھے کراچی کے مشہور پرنٹنگ پریس الاسٹ پبلشرز کے مالک جناب احمد جمیل مرزا۔

مدراس جتنا بڑا شہر ہم نے سنا تھا اسی لحاظ سے ہمارا اندازہ تھا کہ ایرپورٹ بھی ہوگا لیکن ایرپورٹ دیکھ کر شدید مایوسی ہوئی۔ ایرپورٹ کا ہال بہت چھوٹا تھا۔ ممبئی اور کراچی کے ایرپورٹ سے اس کی نسبت ایسے متقی جیسے شہر اور قصبہ کی۔ اس سے تو لاہور کا ایرپورٹ کہیں بڑا ہے۔

ایرپورٹ سے ہم سیدھے تاج ہوٹل پہنچے جہاں پر مہمانوں کے لئے طعام وغیرہ کا انتظام تھا۔ یہ دراصل ایک طرح کا شادی ہال ہے مہمانوں کے طعام کے انتظامات یہیں پر رکھے گئے تھے۔ مہمان کثیر تعداد میں آئے تھے۔ مکانوں میں متنی گنجائش متقی قریبی رشتہ دار و ماں ٹھیلے گئے۔ دوسروں کے لئے مختلف ہوٹلوں میں کمرے کارپوزیشن کرایا گیا تھا۔ ہمارے لئے مدراس کے ایک اعلیٰ ہوٹل Atlantic Hotel کے ایرکنڈیشنر ڈی کس کمرہ میں ٹھیرانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ تاج ہوٹل سے کھانا کھا کر ہم فارغ ہوئے تو ہمیں اٹلانٹک ہوٹل پہنچا دیا گیا۔ ہمارا کمرہ پانچویں منزل پر تھا۔ جب ہم نے کمرہ میں پہنچے تو بارہ بج چکے تھے۔ اور ۱۱ جنوری شروع ہو چکی تھی۔

صبح سو کر اٹھے۔ کمرہ ہی میں نماز باجماعت کی۔ پانچویں منزل کے کمرہ کی بالکونی سے جب شہر کی جانب نگاہ ڈالی تو منظر نہایت حسین نظر آیا۔ یہاں پر ممبئی اور کراچی جیسی اونچی اونچی عمارات نہیں ہیں۔ ناشتہ کے لئے

بیرے کو بلایا۔ اُس سے ناشتہ کے بارے میں معلوم کیا کہ کیا کچھ ہے۔ اب جو اُس نے بتایا وہ ہماری سمجھ سے بالاتر تھا۔ یہاں پر ٹامل زبان بولی جاتی ہے۔ اور ہم اس سے ناواقف۔ زبانِ یارمن ترکی دمن ترکی نمی دامن خیر سے بیرا انگریزی محفوظ رہا بہت سمجھ لیتا تھا چنانچہ اُس سے کہا جو ہے سو لے آؤ۔ ساتھ میں کافی کو کہہ دیا۔ کافی تو ہم سمجھ گئے لیکن باقی چیزیں نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہیں کیوں ہیں اور کیسے ہیں۔ سب مدراسی کھانے تھے۔ ہوٹل Vegetarian تھا اس لئے کھانے بھی اسی طرح کے تھے۔ ناشتہ میں جو چیزیں تھیں اُن کا تلفظ کچھ یوں یاد رہ گیا اٹلی۔ ڈوسا۔ سب چیزیں پھکی پھکی سی تھیں اب آئی تھیں تو کھالی گئیں لیکن ہم جیسے مصالحہ دار کھانا کھانے والوں کو کچھ مزہ نہیں آیا میٹھا منگایا تو گلاب جامن لے آیا۔ بہر حال کافی پی اور خدا کا شکر ادا کیا۔

دس بجے امپریل ہوٹل میں عبدالصمد صاحب کے صاحبزادے امتیاز صاحب کا نکاح تھا۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے ساتھ ہم امپریل ہوٹل پہنچے۔ کافی وسیع پنڈال تھا۔ سامنے ایسٹج پر کرسیاں بچھی ہوتی تھیں جن پر دو لہا اور اُس کے قریبی اعزاء اور دلہن کے اعزاء خاندان کے بڑے اور چند سربراہ اور وہ حضرات تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی نشست بھی ایسٹج پر تھی۔

مکان حضرت قطب دیور کے سجادہ نشین حضرت مولانا ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب نے نکاح پڑھایا۔ نکاح سے قبل ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اسلام کے معاشرتی نظام میں نکاح کی اہمیت پر مختصر تقریر فرمائی جو بہت پسند کی گئی۔ بہت سے حضرات کا کہنا تھا کہ ایسی باتیں تو انہوں نے زندگی میں پہلی بار سنی ہیں۔ کچھ غیر مسلم بھی تھے۔ وہ بھی ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے متاثر تھے شادی کے ہنگامہ میں ڈاکٹر صاحب نے مختصر تقریر کی جو نصف گھنٹہ سے بھی کم تھی لیکن نہایت چچی تلی اور موثر۔ مدراس میں بارش کا یہ پہلا چھینٹا تھا۔ نکاح کے بعد لوگ ڈاکٹر صاحب سے نہایت تپاک سے ملے۔ ہر کوئی اُن کی تقریر کی تعریف کر رہا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے قبل ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا تفصیل

سے تعارف بھی کرا دیا ۔

نکاح کے بعد کھانے کا اہتمام تھا ۔ کھانے سے قبل اور بعد بھی بہت سے عزرات ڈاکٹر صاحب کے گفتگو کرتے رہے ۔

دوپہر سے شام تک ہم اپنے ہوٹل میں رہے اور آرام کرتے رہے ۔ رات کا کھانا تاج ہوٹل میں کھایا یہاں پر بھی لوگ ڈاکٹر صاحب کے مختلف مسائل پر گفتگو کرتے رہے ۔

رات گئے ہم واپس اپنے ہوٹل آ گئے ۔ اور صبح تک چین کی نیند سوئے ۔ ۱۲ جنوری ۸۱ء ناشتہ میں آج پھر وہی مسئلہ درپیش تھا ۔ آج ہم نے ٹسٹ جام اور بٹر منگوا یا ۔ کافی پی اور آرام کیا ۔ سی آئی ڈی ۔ آفس میں ہمیں اپنی مدراس آمد کی رپورٹ لکھوانی تھی ۔ چنانچہ ہمارے پاسپورٹ اور ویزے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے اپنے ایک رفیق کار عظیم صاحب کو دیدئے جنہوں نے CID آفس جا کر رپورٹ درج کروا دی ۔

ہندوستانی سفارتخانہ ہندوستان میں تین جگہوں سے زیادہ کاویرا نہیں دیتا شاید ہی معاملہ پاکستان کے لئے بھی ہے ۔ دنیا کے تمام ممالک میں ویزا پورے ملک کے لئے ہوتا ہے کہ جہاں جا ہو جاؤ لیکن ہندوستان و پاکستان کیلئے ہی یہ مخصوص ہے کہ یہاں ویزا ملک کی بنیاد پر نہیں بلکہ شہروں کی بنیاد پر دیا جاتا ہے اور تین مقامات سے زیادہ کاویرا نہیں ملتا ۔ عبدالصمد صاحب کے ہمارے لئے جو تین مقامات لکھوائے وہ مدراس بمبئی اور آمبور تھے ۔ آمبور مدراس سے کوئی ایک سو میل کے فاصلہ پر مسلمانوں کا ایک بڑا قصبہ ہے ۔

دس بجے کے قریب ایک نوجوان باسط صاحب جو پرسوں رات ہمیں ہوٹل میں داخل کر کے گئے تھے ۔ تشریف لائے ۔ آتے ہی کہنے لگے کہ تیار ہو جاؤ ۔ ہم نے پوچھا کہاں کیلئے ؟ کہنے لگے کہ مدراس کے اہم مقامات کی سیر کرانا ہے ۔ نیچے وین کھڑی ہے کراچی سے آئے ہوئے اور لوگ بھی موجود ہیں ۔ ہم جلدی سے تیار ہو کر ان کے ساتھ چل دیے ۔ وین میں کراچی کے رفعت صاحب چوہدری صاحب اور رحمن صاحب (ان سب کا تعلق

پر میرٹوبیکو انڈسٹریز (سے ملاقات ہوئی - سب سے پہلے مدراس کامیونزم دیکھا - پھر اسٹریٹنگ روڈ ہوتے ہوئے ایک یادگار سے گزرے معلوم ہوا کہ یہ یہاں کے مشہور شاعر ٹریوٹر کاٹون کی یادگار ہے - بوڑم باکم پل سے گزرے۔ وجے ہسپتال کی شاندار عمارت دیکھی - عثمان روڈ، ماؤنٹ روڈ ہوتے ہوئے چڑیا گھر (200) دیکھنے گئے - راستہ میں ایک بازار میں رُکے جہاں ہمارے ساتھی معلوم ہوا کہ یہاں کی ایک دوکان میں ساڑھیاں دیکھنے گئے بہت مشہور دوکان ہے بتایا گیا کہ اس کی روزانہ کی فروخت لاکھوں روپے کی ہوتی ہے۔ ہم گاڑی میں بیٹھے رہے - اور لوگ بغیر کچھ خریدے خالی ہاتھ گاڑی میں واپس آگئے - راستہ میں ایک جگہ رُک کر کچے ناریل تڑوا کر جی بھر کر اس کا پانی پیا - اس کے بعد ہمارے دوست باسط صاحب ہمیں Woodland Drive Inn ریسٹورینٹ لے گئے - جہاں انہوں نے ہماری بہت ہی خاطر تواضع کی - اس ہوٹل میں قسم قسم کے جتنے بھی مدراسی کھانے تھے ایک ایک کر کے سب ہی منگوائے گئے اُن کا اصرار ہوتا تھا کہ کھاؤ اور خوب کھاؤ - ان میں بعض کھانے تو واقعی بہت لذیذ تھے - میرا اندازہ ہے کہ درجن بھر سے زیادہ کھانے منگوائے گئے ہوں گے ہم بارہ افراد تھے - بل جب آیا تو کل ایک سو چھ روپے کا تھا ہم حیران تھے - میرا خیال تھا ڈھائی تین سو روپے سے کم کا بل نہیں ہوگا - جو کھانے یا درمگے وہ یہ ہیں : بونڈا - دوسا چولا پٹورا - مصالحہ ڈوسا اور بریڈ پیس مصالحہ وغیرہ - باسط صاحب ہرائیور کو اکثر یہ فقرہ کہتے تھے ”نیرا پونگو“ ”نیرا پونگو“ ہم حیران تھے کہ یہ کیا لفظ ہے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ٹائل میں اس کا مطلب ہے ”سیدھا چلو“ - دو ایک الفاظ اور یاد رہ گئے - ”اینگوا“ یعنی آؤ - ”سور سا پٹیا“ یعنی کھانا لاؤ - اس طرح انے مطلب کے کچھ الفاظ ہم نے سیکھ لئے - کھانے سے فارغ ہو کر ڈرائیور کو حکم ہوا کہ ساحل سمندر MARINA BEACH چلے - وہاں کا منظر ہمیں بہت پسند آیا - ساحل سمندر کے کنارے مدراس یونیورسٹی کی عمارتیں تھیں اور ساحل سمندر پر خوبصورت تفریح گاہیں بنی ہوئی تھیں - معلوم ہوا کہ مدراس کا ساحل انڈیا پاکستان کا سب سے

خوبصورت ساحل ہے۔ یہاں کا منظر دیکھ کر ڈاکٹر صاحب بھی بہت متاثر تھے کہنے لگے کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ مدراس میں آتے ہیں۔ یہاں پر بت

Slater (Slater) یوں تو عام ہیں کہ ہر چور اسے پرکسی نہ کسی کا بت ملے گا کیونکہ ہندو قوم میں ہندو (Hindu) کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے لیکن ساحل سمندر پر ہر نفوذی دور پر بت بنے ہوئے ہیں جو ہندوؤں کی مشہور شخصیتوں کے ہیں۔ ساحل سمندر ہی کے کنارے ANNA SQUARE ہے۔ بہت ہی خوبصورت بنایا ہے۔ اتنا یہاں کا ہیرو ہے۔ ٹامل ناڈو کی تحریک کا بانی وہی تھا۔ ٹامل ناڈو کا الگ موبہ اُس نے بنوایا تھا۔ اور اُس کے بعد یہاں کا وز براہم مقرر ہوا تھا۔ سلسلہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں مقبول تھا۔ یہ اُس کی یادگار کے طور پر بنا ہوا ہے۔ اُس کی یادگار پر جوتے انا کر جانا ہوتا ہے باسط صاحب نے بتایا کہ ساحل سمندر کا حسین منظر تورات کا ہوتا ہے۔ اپنے قیام مدراس کے دوران کئی بار ارادہ کیا کہ رات کو وہاں کا منظر دیکھا جائے مگر مصروفیات کی وجہ سے اس کا موقع نہ مل سکا۔ اور یہ حسرت باقی رہ گئی!

میر سپاٹے کے بعد کوئی چار بجے ہم اپنے ہوٹل واپس پہنچے تھکن کافی تھی۔ آتے ہی بستر پر گر گئے۔

رات کو امتیاز صاحب کا دلیمہ تھا۔ مغرب کے قریب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ہمیں لینے آگئے۔ انہیں ڈاکٹر صاحب سے بڑی محبت تھی۔ پرکٹیس کے اوقات تک میں یہاں آجاتے ہیں۔ اُن کا بس پتہ ڈاکٹر صاحب کے پاس ہے۔ (جاری ہے)

## اعتذار

گذشتہ شمارے کے صفحہ ۹۹ پر غلطی رہ گئی۔ سوال ۸ اور ۹ میں سورہ نور کی آیت ۳۱ کے جس لفظ کا حوالہ دیا گیا ہے وہ ”یا اےہین“ ہے غلطی سے ”ابا“ لکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس غلطی پر معاف فرمائے۔ ناظرین سے درخواست ہے کہ وہ اس کو درست کر لیں۔

# فہرست تصانیف

## ڈاکٹر — ابرار احمد

- ☆ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ - ۶ / روپے
- ☆ مطالبات دین - ۶ / -
- ☆ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام - ۱ / -
- ☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت - ۲ / -
- ☆ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے تعلق کی بنیادیں - ۲ / -
- ☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اُردو) - ۳ / -
- ☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی) - ۴ / -
- ☆ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی) - ۵ / -
- ☆ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول { یکجا
- ☆ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم
- ☆ قرآن اور امن عالم - ۷ / -
- ☆ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں - ۲ / -
- ☆ علامہ اقبال اور ہم - ۲ / -
- ☆ عظمت صوم - ۱ / -
- ☆ دعوت الی اللہ - ۱ / -
- ☆ آیت الکرسی - ۳۰ / -
- ☆ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف - ۷ / -
- ☆ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ) - ۳ / -

(بقیہ مکتوب امریکہ)

طہمت پر کافی بوجھ ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہاں جتنے Religious Speakers آئے ہیں ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کی تقریر ان سب سے بہتر رہی ہے۔

M. S. A. یہاں کے مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے اس کے کنولشن میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کی اس میں باقاعدہ تو کوئی تقریر نہیں ابھی البتہ ایک روز فجر کے بعد سورہ آل عمران کی تین آیات کا درس دیا جس کا بہت اچھا تاثر رہا۔

اس سلسلہ ڈاکٹر صاحب نے یہاں Black Muslims کے رہنماؤں سے بھی ملاقاتیں کیں۔ سب سے بڑا گروپ Bilalians کا ہے جس کا لیڈر علیجاہ کا بیٹا امام وارث دین مجدد ہے۔ اپنے باپ کے برعکس اس کے عقائد بہت حد تک درست ہیں اور یہ بتدریج اپنے گروہ کی اصلاح کر رہا ہے۔ یہاں درس کے حلقہ میں ایک صاحب کے توسط سے ان سے ڈاکٹر صاحب کی بڑے اچھے ماحول میں ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد امام صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے مرکز میں درس لے لے مدعو کیا حالانکہ یہ لوگ عموماً کسی دوسرے فرقہ کے آدمی کو اپنے مرکز میں تقریر کیلئے مدعو نہیں کیا کرتے۔ ڈاکٹر صاحب نے ملاقات کے وقت انہی اپنے دو کتابچے ("قرآن مجید کے حقوق" اور "راہ نجات" کے انگریزی تراجم مطالعہ کیلئے دئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر سورہ آل عمران کی چند آیات کا درس دیا۔ درس کے بعد امام صاحب نے اعلان کیا کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کے دونوں کتابچے پڑھے ہیں اور اب وہ خود اپنے یہاں انہیں شائع کرائیں گے اسے یہاں پر ہمارے حلقہ کے لوگوں نے بڑی کامیابی قرار دیا ہے۔ ایک دوسرے گروہ جو اگرچہ تعداد میں کم ہے لیکن بہت زیادہ Violent ہے اس کے امام شیخ عمر فاروق سے بھی ڈاکٹر صاحب نے ذاتی ملاقات کی۔ یہ لوگ اپنے آپ کو حنفی مسلمان کہتے ہیں۔ شیخ صاحب نے بھی ڈاکٹر صاحب کا بہت اکرار کیا اور اپنے بہت سے کتابچے پڑھنے کیلئے دئے۔ Black Muslim میں کام وسیع میدان موجود ہے اور ان شاء اللہ اس دورہ کے خوشگوار نتائج نکلیں گے۔

شکاگو میں ہمارا پروگرام اللہ کے فضل سے مکمل ہو چکا ہے کل ہم ان شاء اللہ کیلئے فورنیا کیلئے روانہ ہو جائیں گے اور ایک ہفتہ کے بعد شکاگو سے ہونے والے ٹورنٹو پہنچیں گے۔ جہاں سے لندن ہوتے ہوئے ڈاکٹر صاحب ان شاء اللہ ۲۰ جون کی دوپہر کواچی اور ہی۔ آئی۔ اے کی پرواز سے رات کو دس بجے لاہور پہنچ جائیں گے۔

چوتھے چوتھے

## مکتوب امریکہ

۱۱ اور ۱۲ مئی کی درمیانی شب کو ہم کراچی سے بذریعہ سی۔آئی۔اے عازم سفر ہوئے۔ ۱۲ مئی کی شام کو لہو ہارک پہنچے۔ اس وقت وہاں پر عصر کا وقت تھا۔ آئین روز لہو ہارک میں قیام کے بعد ۱۶ مئی کو شکاگو پہنچے۔ ہمارا قیام ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے ہاں ہے جو شکاگو کے مضافات میں (تقریباً تیس میل دور) رہتے ہیں یہ بڑی پرفضا جگہ ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی طبیعت کراچی میں خراب رہی۔ لہو ہارک میں بھی ٹھیک نہ تھی۔ شکاگو آنے کے بعد الحمد للہ بہت بہتر ہے۔ یہاں پر موصوف کے دروس و خطابات جاری ہیں۔ جس کی تفصیلی رپورٹ بعد میں دی جائے گی۔ ان شاء اللہ۔ کل ۲ جون کو یہاں (شکاگو میں) تنظیم اسلامی کا اجتماع ہوا جس میں عام Invitation تھی۔ کہ جو لوگ تنظیم میں شامل ہونا چاہیں یا تنظیم کے بارے میں مزید سوال و جواب کے ذریعہ افہام و تفہیم کرنا چاہیں وہ اس اجتماع میں شرکت کر سکتے تھے۔ چنانچہ اس دعوت کے جواب میں تیرہ چودہ افراد جمع ہوئے جن میں دو وہ بھی تھے جو پہلے سے تنظیم میں شامل تھے۔ دو گھنٹے کی نشست کے بعد مزید پانچ افراد نے ہمت کی اور اس طرح اللہ کے فضل سے شکاگو میں رفقاء تنظیم کی کل تعداد سات ہو گئی ہے۔ ایک ہفتہ بعد جب ہم کیلے فوراما کے Visit کے بعد واپس شکاگو آئیں گے تو تنظیم کا ایک اجتماع اور ہوگا۔ اور توقع ہے کہ اس اجتماع میں مزید دو تین حضرات تنظیم میں شامل ہو جائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ دو روز قبل یہاں انجمن خدام القرآن کا بھی اجلاس ہوا تھا بعض رکاوٹوں کے باعث ابھی تک انجمن کا نشکولی ڈھانچہ وجوہ میں نہیں آیا تھا لیکن اس مرتبہ Founder Members کا تعین کر کے قواعد و ضوابط کو آخری شکل دیدی گئی ہے اور ان شاء اللہ جلد ہی الیکشن کے ذریعہ ورکنگ کمیٹی کی تشکیل ہو جائے گی۔ موسسین کی تعداد الحمد للہ پندرہ ہے۔

یہ اطلاع آپکے لئے دلچسپ ہوگی کہ اس مرتبہ یہاں کے لوگوں کے اصرار پر ڈاکٹر صاحب نے درس الکریزی زبان میں دئے ہیں۔ شروع میں کچھ جھجک تھی لیکن اب الحمد للہ بہت اعتماد اور روانی سے درس دیتے ہیں۔ البتہ اس سے (باقی ٹائٹل کے صفحہ ۳ پر)

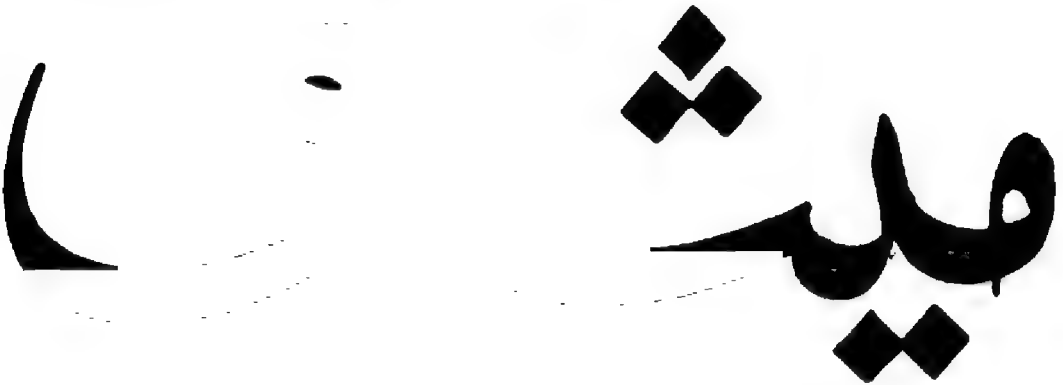


وَقُلْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ مِنْ دُونِہٖ وَلَدًا ۚ سُبْحٰنَہٗٓ عَمَّا یُشْرٰکُونَ



A-78 ✓  
21-2-21  
ماہنامہ

لاہور



رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ - جولائی ۱۹۸۱ء

مضمولات

- عرض احوال ● "ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ جنوبی
- ہند میں پندرہ دن" رپورٹاژ - دوسری قسط ● حقوق اطفال
- تعارف الکتاب ● قرآن و سنت

مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اسرار احمد

یکے از مطبوعات

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت : ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون : ۸۵۲۶۸۳ - ۸۵۲۶۱۱  
اس سال کی قیمت :-

مولانا امین حسن اصلاحی  
کی شہرہ آفاق تفسیر

# تدبر قرآن

کی

جلد اول - دوم اور سوم کے ہدے میں سامان طباعت کی قیمتوں میں شدید اضافے کے باعث یکم اپریل سے اضافہ کر دیا گیا ہے - اب ہر جلد کا ہدیہ پچھتر روپے ہوگا - ہر جلد کی ضخامت آٹھ سو صفحات سے زائد ہے -

● عام تاجروں کو کمیشن ۲ فیصد دیا جائے گا -

● سو جلدیں بہ یک وقت لینے پر ہول سیل کمیشن ۲۸ فیصد دیا جائیگا

● فاران فاؤنڈیشن کی شائع کردہ تدبر قرآن کی جلدیں بھی مکتبہ انجمن سے دستیاب ہوسکتی ہیں -

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

۳۶-۷، ماڈل ٹاؤن - لاہور 14

طابع : چودھری رشید احمد ● مطبع مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح - لاہور

# عرض احوال



نحمدہ و نصلى على رسولہ الکریم  
 رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ مطابق جولائی ۸۱ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔ گذشتہ  
 شمارہ ۶ جون ۸۱ء کو سنسٹر طباعت اور جلد بندی کے مراحل طے کرنے کے لئے تیار تھا۔ ان  
 مراحل میں غلات توقع کافی وقت لگ گیا اور رسالے کو ۲۲-۲۳ جون کو پوسٹ کرنے  
 کی نوبت آئی۔ اب یہ شمارہ ۲۴ جون تک مکمل ہو کر طباعت کے مراحل سے گزرنے  
 کے لئے تیار ہے۔ اب یہ کس تاریخ تک پوسٹ ہو سکے گا اس کا متعلق صرف  
 یہ عرض ہے کہ اللہ اعلم۔

ڈاکٹر صاحب کی مراجعت | اطلاع ملی ہے کہ ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر اسرار احمد  
 صاحب شمالی امریکہ کے میسر و موتی دوسے سے ۳۰ جون کی شب کو لاہور تشریف لے  
 آئیں گے گویا یہ پرچہ ناظرین کے ہاتھوں میں پہنچنے سے قبل ہی موصوف کے مراجعت  
 ہو چکی ہوگی۔ واپسی کے بعد ان شاء اللہ معمولات کے مطابق ڈاکٹر صاحب کی  
 مصروفیات شروع ہو جائیں گی بلکہ رمضان المبارک کی وجہ سے ان میں اضافہ ہی متوقع  
 ہے۔ جس کی طرف گذشتہ شمارے میں اشارات کئے جا چکے ہیں۔

ماہ رمضان اور ہم | اس ماہ مبارک کی آمد پر اس کے پروگرام، اس کی حکمت اور  
 اس کی برکات و حسنات کے متعلق ذیل میں ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے کتا پچے  
 ”علمت صوم“ کا ایک اہم اقتباس پیش کرتے ہیں۔ توقع ہے کہ اس کا مطالعہ  
 تذکیر یاد دہانی اور افادیت کا باعث ہوگا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ اقتباس حسب  
 اقتباس حسب ذیل ہے:-

”اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ رمضان المبارک کے پروگرام کی دو شقیں ہیں ایک دن  
 کا روزہ اور دوسرے رات کا قیام اور اس میں قراوت و استماع قرآن اور اگرچہ  
 ان میں سے پہلی شق فرض کے درجے میں ہے اور دوسری بظاہر نفل کے، تاہم قرآن  
 مجید اور احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام دونوں نے اشارہ اور کنایہ

واضح فرمادیا کہ یہ ہے رمضان المبارک کے پروگرام کا جزو لاینفک! (یہی وجہ ہے کہ احناف کے نزدیک نماز تراویح واجب کے درجے میں شمار ہوتی ہے) —————  
چنانچہ قرآن نے وِصاحت فرمادی کہ روزوں کے لئے ماہ رمضان معین ہی اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا: گویا یہ ہے ہی نزول قرآن کا سالانہ جشن!

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي  
أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ  
رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن  
مجید نازل ہوا۔

۱ اور احادیث نے تو بالکل ہی واضح کر دیا کہ رمضان مبارک میں 'صیام' اور 'قیام' لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں: چنانچہ :-

۱۔ امام بیہقیؒ نے رمضان المبارک کی نصیحت کے ضمن میں جو خطبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعب الایمان میں نقل کیا ہے، اُس کے الفاظ ہیں :-

جَعَلَ اللَّهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً  
وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا -  
اللہ نے قرار دیا اس میں روزہ رکھنا  
فرض اور اس کا قیام اپنی مرضی پر۔

گویا قیام اہل اگرچہ "تَطَوُّعًا" ہے تاہم اللہ کی جانب سے واجب و معمول، بہر حال ہے! ۲۔ بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَ  
اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ  
مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ  
إِيمَانًا وَ اِحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ  
مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ ط  
جس نے روزے رکھے ایمان میں  
ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے  
گئے اُس کے تمام سابقہ گناہ۔ اور  
جس نے راتوں کو قیام کیا رمضان میں  
ایمان و احتساب کے ساتھ بخش دیئے  
گئے اُس کے جملہ سابقہ گناہ۔

۳۔ امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کو ابن العاد سے روایت کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

الصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يُشْفَعَانِ  
رَوْزَهُ اور قرآن بندہ مومن کے حق

لِلْعَبْدِ يَقُولُ الصَّيَامُ أَمْرِي  
رَبِّ اِنِّي مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ  
وَالشَّهَوَاتِ بِالسَّهْلِ كَأَنِّي  
فَشَفَعْنِي فِيهِ وَيَقُولُ  
الْقُدَّانُ مَنَعْتُهُ الشَّوْمَ  
بِاللَّيْلِ فَشَفَعْنِي فِيهِ  
فَلْيُشْفَعَا لَهُ ط  
میں سفارش کریں گے۔ روزہ کیے  
گائے رب! میں نے اسے روکے  
رکھا دن میں کھانے اور خواہشات  
سے پس اس کے حق میں میری سفارش  
قبول فرما اور قرآن کہے گائیں نے  
روکے رکھا اسے رات کو نیند سے  
پس اس کے حق میں میری سفارش  
قبول فرما۔ تو دونوں کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اور اب غور فرمائیے صوم رمضان کی حکمتوں پر !  
حقائق متذکرہ بالا کے پیش نظر صیام و قیام رمضان کی اصلی غایت حکمت  
اور ان کا اصل ہدف و مقصود ایک جگہ میں اس طرح سمویا جاسکتا ہے کہ : —  
ایک طرف روزہ انسان کے جسد حیوانی کے ضعف و اضمحلال کا سبب بنے تاکہ  
روح انسانی کے پاؤں میں پڑی ہوئی بیڑیاں کچھ ہلکی ہوں اور بہیمیت کے بھاری  
بوجھ تلے دبی ہوئی اور سسکتی اور کراہتی ہوئی روح کو سانس لینے کا موقع ملے۔  
— اور دوسری طرف قیام اللیل میں کلام ربانی کا روح پرور نزول اس کے  
تغذیہ و تقویت کا سبب بنے — تاکہ ایک جانب اس پر کلام الہی کی عظمت  
کما حقہ منکشف ہو جائے اور وہ اچھی طرح محسوس کر لے کہ یہی اُس کی بھوک کو میری  
اور پیاس کو اُسودگی عطا کرنے کا ذریعہ اور اُس کے دکھ کا علاج اور درد کا  
درماں ہے ! — اور دوسری جانب روح انسانی از سر نو قوی اور  
توانا ہو کر ”اپنے مرکز کی طرف مائل پرواز“ ہو گیا اس میں قرب الی اللہ کا دائم  
شدت سے بیدار ہو جائے اور وہ مشغول دُعا و مناجات و جو اصل روح ہے عبادت  
کی اور کتب کباب ہے رشد و ہدایت کا !

لے بغولتے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام : ”الدَّعَاءُ مَخِ الْعِبَادَةِ“ اور  
”الدَّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ“ ”دُعَا عبادت کا مغز ہے“ اور ”دُعَا ہی اصل عبادت ہے۔“

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجیم میں صوم و رمضان سے متعلق آیات ہیں :-  
 اولاً ————— مجز و صوم کی مشروعیت اور اُس کے ابتدائی احکام کا ذکر ہوا  
 اور اُس کی غرض و غایت بیان ہوئی ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ“ کے الفاظ میں اور  
 ثانیاً ————— صوم رمضان کی فرضیت اور اُس کے تکمیلی احکام کا بیان ہوا  
 اور اُس کے ثمرات و نتائج کا ذکر ہوا و طرح پر :-

ایکٹ ————— ”وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُم وَلَعَلَّكُمْ  
 تَشْكُرُونَ“ کے الفاظ میں جو عبارت ہے انکشافِ عظمتِ نعمتِ قرآن اور اُس پر  
 اللہ کی جناب میں ہدیہ تکبیر و شکر پیش کرنے سے ————— اور  
 دوسرے ————— ”وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ  
 أُجِيبُ دَعْوَةَ السَّادِعِ إِذَا دَعَا . . . . . لَعَلَّكُمْ يَزِيدُ مِنِّي“  
 کے الفاظ میں جمہارت ہے انسان کے متوجہ الی اللہ و متلاشیِ قربِ الہی اور مشغول  
 دعا اور محوِ مناجات ہونے سے جو اصل عامل ہے عبادتِ رب کا !

الغرض ! صیام و قیام رمضان کا اصل مقصد یہ ہے کہ رُوحِ انسانی  
 بہیمیت کے غلبے اور تسلط سے نجات پا کر گویا حیاتِ تازہ حاصل کر لے  
 اور پوری شدت و قوت اور کمالِ ذوق و شوق کے ساتھ اپنے رب  
 کی جانب متوجہ ہو جائے !

۱۷ کافرِ مشرک ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق  
 لب پہ درود و سلام دل میں درود و سلام ! (اقبال)

روزہ کے بارے میں حدیثِ قدسی کے الفاظ

”فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزَى بِهِ“

متفق علیہا ہیں، یعنی صبحِ بخاری اور صبحِ مسلم دونوں میں موجود ہیں :-  
 توجہ کہ :- روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا۔

# مُضَانِ الْمُبَارَكِ كَا بَہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی مقبول عام تالیف

”مُسْلِمَانوں پر

## قرآن مجید کے حقوق“

خود پڑھئے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفہ پیش کیجئے  
رانِ ماورِ مضان اہل دعیال اور اعزہ و اقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجئے!

یہ اس کتابچے کا انگریزی اور عربی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، فارسی ترجمہ زیرِ طبع ہے۔  
اس کے حقوق اشاعت نہ ڈاکٹر صاحب کے حق میں محفوظ ہیں نہ انجمن کے۔  
———— شائع کردہ ————

### مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ فون: ۸۵۲۶۱۱

# ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایکے رپورٹاژ

از قلم :- قاضی عبدالقادر ء دوسری قسط

۱۳ جنوری ۱۹۸۱ء | آج بھی صبح اُسی سج دج سے آئی جس طرح روز آرزو تھی۔ ہم تھے ہوٹل کی پانچویں منزل تھی، ہوٹل کا تھا اور سامنے ناشتہ تھا جس میں وہی کچھ تھا جس سے روز سابقہ پیش آ رہا تھا۔ اللہ کا شکر ادا کیا جس نے ہمیں ان نعمتوں سے نوازا۔

پچھلے دو روز ہم نے اچھی طرح آرام کیا تھا، خوب سوئے تھے میری طبیعت تو بہت ہشاش بشاش تھی لیکن رات سے ڈاکٹر صاحب کی طبیعت خراب تھی، ہم کے ملق میں INFECTION تھا میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہا بھی کہ کسی ڈاکٹر دکھا دیا جاتے لیکن ڈاکٹر صاحب ٹال گئے۔ ڈاکٹر صاحب یوں بھی کسی کو زحمت گوارا نہیں کرتے اور خاص طور پر یہاں تو انہیں بالکل گوارا نہ تھا لیکن میں ڈاکٹر کی طبیعت کو دیکھ رہا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ فوری طور پر علاج معالجہ نہ ہوا تو بڑھ بھی سکتا ہے اور ابھی تو ڈاکٹر صاحب کے پروگرام شروع ہی نہیں ہوئے جب حال ہے آگے معاملہ کیسے چلے گا۔! پردیس میں طبیعت کا زیادہ خراب ہونا وہ بھی تشویش کا باعث ہوتا ہے دو پہر کو جب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ملاقات کو تشریف لائے تو میں نے انہیں علیحدگی میں ڈاکٹر صاحب کی طبیعت کی خرابی کا بتایا، وہ ڈاکٹر بھی ہیں اور میزبان بھی اس لئے انہیں تشویش ہونا فطری تھا۔ اُن کے ایک دوست ڈاکٹر عبید اللہ صاحب ENT اسپیشلسٹ ہیں۔ اس وقت ایک تھا یہ اُن کے کلینک کے بند ہونے کا وقت تھا۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ڈاکٹر کو فوراً ڈاکٹر عبید اللہ صاحب کے پاس چلنے کو کہا ڈاکٹر صاحب نے پہلے تو چلنے میں ہکا کیا لیکن پھر یہ سمجھ کر کہ میں 'راز' افشا کر چکا ہوں اُن کے ساتھ ہوئے دونو



ڈاکٹر جب پہنچے تو ڈاکٹر عبید اللہ صاحب اپنا کلینک بند کر کے کار میں بیٹھ کر جانے ہی والے تھے۔ بڑے تپا کسے ملے۔ دوبارہ اپنا کلینک کھولا اور ڈاکٹر صاحب کا تفصیل معائنہ فرمایا اور دوائیں تجویز فرمادیں۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے راستہ میں دوائیں خریدیں۔ جن کا ڈاکٹر صاحب نے فوری استعمال شروع کر دیا اور الحمد للہ کہ نمایاں فائدہ محسوس ہوا۔ ڈاکٹر عبید اللہ صاحب کا دین سے بہت لگاؤ ہے۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند ہیں۔ پورے عرصہ ڈاکٹر صاحب کی تقریریں نہایت ذوق و شوق اور پابندی سے سنتے رہے۔

جماعت اسلامی کی رُوداد حصہ اول میں مدراس کے مولانا صبغتہ اللہ بختیاری صاحب کا نام پڑھا تھا۔ موصوف جنوبی ہند کی نمایاں شخصیت اور جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ تقسیم ہند کے بعد آپ صوبہ مدراس ہی میں رہے اور بعض اختلافات کے باعث چند سال کے بعد جماعت سے مستعفی ہو گئے۔ پاکستان سے جب میں روانہ ہوا تھا تو اشتیاق تھا کہ مدراس میں مولانا کی زیارت نصیب ہو جائے گی۔ ۱۱ جنوری کو امپیریل ہوٹل میں امتیاز صاحب کے نکاح کے موقع پر گریڈ ۱۲ کے ایک اسکول کے اردو کے استاد (جسے دیاں پر منشی کہتے ہیں) مولوی عبد الحمید حامد صاحب سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں میں نے اُن سے مولانا صبغتہ اللہ بختیاری صاحب کا ذکر کر دیا کہ اُن سے ملنے کی بہت خواہش ہے، اُن کا پتہ ہو تو بنائیں۔ کہنے لگے کہ وہ نکاح کی اس محفل میں شریک ہیں۔ یہیں کہیں ہوں گے۔ میں چونکہ اُنہیں پہچانتا نہیں تھا اس لئے حامد صاحب میرے ساتھ ادھر ادھر ہانی گھومتے پھرے لیکن مولانا نظر نہ آئے۔ خیال ہوا کہ واپس چلے گئے ہوں گے معلوم ہوا کہ موصوف یہاں سے تقریباً سومیل دور ویلور کے مدرسہ باقیات الصالحات میں درس ہیں۔ اور پھر ایسا ہوا کہ رات امتیاز صاحب کے ولیم کے موقع پر تاج ہوٹل میں کیا دیکھتا ہوں کہ حامد صاحب مولانا کو لئے ہوئے میرے پاس چلے آ رہے ہیں۔ بس دُور سے ہی پہچان گیا کہ ہونا ہوا یہ مولانا صبغتہ اللہ بختیاری صاحب ہی ہیں۔ بس قریب آئے تو تعارف ہوا، انتہائی خلوص، محبت، شفقت اور گرمجوشی سے ملے۔ میں فوراً انہیں ڈاکٹر صاحب کے پاس لے گیا جو قریب ہی کی ایک کمری پر لوگوں

لے ایک مقام کا نام ہے۔

سے معروف گفتگو تھے ڈاکٹر صاحبؒ بھی یہ اُن کی پہلی ملاقات تھی لیکن ”تقریب جماعت اسلامی“ ایک تحقیقی مطالعہ کے ذریعہ مولانا کو ڈاکٹر صاحبؒ غائبانہ تعارف حاصل تھا بل کر بہت خوش ہوئے۔ رات خاصی ہو گئی تھی اس لئے تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ تفصیلی ملاقات ان شاء اللہ پھر ہوگی۔

میں یہاں یہ بتانا چلوں کہ ڈاکٹر صاحب جب کسی محفل میں تشریف فرما ہوتے تو ابتداء میں تو میں ڈاکٹر صاحبؒ کے پہلو والی کرسی پر بیٹھتا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب کہ ڈاکٹر صاحب کی کچھ گفتگو ہو چکی ہوتی تو پھر میں قریب ہی کی کسی اور کرسی پر جا بیٹھتا۔ اب وہ لوگ جو ڈاکٹر صاحبؒ گفتگو کے بعد ڈاکٹر صاحب کی ذات اور اُن کے دعوتی کام کے سلسلہ میں مزید کچھ معلوم کرنا چاہتے وہ وہاں سے اٹھ کر میرے پاس آنا شروع ہو جاتے لوگوں کا ایک حلقہ ڈاکٹر صاحبؒ کے گرد ہوتا اور وہ میرے ساتھ۔ موقع کی مناسبت سے میں لوگوں کے نام دیتے نوٹ کر لیتا بھنڈا باتیں جو لوگ تکلف کی وجہ سے ڈاکٹر صاحبؒ نہ پوچھ پاتے وہ مجھ سے آکر معلوم کر لیتے۔

ذکر ہو رہا تھا مولانا صیغۃ اللہ بختیاری صاحب کا رات اُن سے مختصر ملاقات رہی تھی۔ صبح گیارہ بجے کے قریب موصوف مع مولوی عبد الجلیل باقومی صاحبؒ کے ہوٹل تشریف لے آئے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تھوڑی دیر قبل باسط صاحب ہمارے ہوٹل گاڑی لے کر آگئے اور مدراس کے مصنفات میں کسی تفریحی جگہ چلنے کو کہا وہ سیر کا پروگرام گھر سے بنا کر آئے تھے۔ ہم اُن کے ساتھ جانے کے لئے لفٹ تک پہنچے ہی تھے کہ لفٹ کا دروازہ کھلا اور اُس میں سے دو عدد مولانا صاحبان ایک مولانا صیغۃ اللہ بختیاری صاحب اور دوسرے مولوی عبد الجلیل صاحب برآمد ہوئے ہم نے باسط صاحبؒ کے معذرت کی اور ان حضرات کو لے کر اپنے کمرہ میں آگئے۔ اس لئے کہ مولانا صیغۃ اللہ بختیاری صاحبؒ ایک ملاقات پر ایسی لاکھ تفریحیں قربان

اے دوست! کسی ہمدم دیرینہ کامِلنا  
بہتر ہے ملاقات میما وخصر سے

مولوی عبدالمجید صاحب ہمراہ تھے۔ اُن کی شخصیت بھی خوب ہے۔ عالم دین ہیں۔ جنوبی ہند میں جمیئت علماء ہند کے ناظم ہیں۔ دیوبندیت رگ و پے میں رہی بسی ہے۔ بہت محبت اور خلوص سے ملتے ہیں۔ جس سے محبت کرتے ہیں خوب کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ بھی ان سے اسی طرح محبت کرے۔ یہی حال نفرت کا بھی سمجھ لیجئے۔ دل کے صاف ہیں۔ کسی کو بات اچھی لگے یا بُری بلا کم و کاست اپنا نقطہ نگاہ بیان کر دیتے ہیں۔ ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے اور یہ میں نے علماء میں بہت کم پائی ہے کہ اگر اُن کی غلطی واضح کر دی جائے تو فوراً تسلیم کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ گفتگو میں بار بار ایسے مواقع آئے کہ ایک اُدھ ہی جلے کے بعد ڈاکٹر صاحب کے آگے SURRENDER ہو گئے اور میں اُن کی عظمت کا قائل ہو گیا۔ — رات ولیمہ کے موقع پر ڈاکٹر صاحب پہلی بار ملے اور نہایت ہی گرمجوشی سے ملے۔ کہنے لگے کہ ڈاکٹر صاحب کے بارے میں پہلے میرا تاثر یہ تھا کہ ان کا تعلق جماعت اسلامی سے ہے چنانچہ میں نے اپنے تمام شاگردوں اور دوست و احباب کو بتایا کہ ان سے بچ کر رہنا جماعت اسلامی کا آدمی ہے لیکن جب کسی نے غالباً مولانا بختیاریؒ نے مجھے ”جماعت اسلامی ایک تحقیقی مطالعہ“ کتاب دی اور اسے میں نے جتنہ جتنہ پڑھا اس کے علاوہ شیخ الہندؒ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے خیالات معلوم ہوئے تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس کے بعد میں ایک ایک کے پاس گیا اور کہا کہ بھائی یہ جماعت اسلامی کا آدمی نہیں ہے اپنا ہی آدمی ہے، جاؤ جا کر اُن سے ملو۔ اُن کے یہ ”اپنا ہی آدمی ہے“ کہنے پر واقع یہ ہے کہ مجھے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا جماعت اسلامی سے انہیں خدا واسطے کا بیر ہے۔ اپنے قیام مدراس کے دوران ڈاکٹر صاحب نے کمالِ حکمت انہیں جماعت اسلامی کے ساتھ مخالفت اور مخالفت ترک کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اس لئے کہ اختلاف تو کسی سے کیا جاسکتا ہے لیکن مخالفت اور مخالفت پسندیدہ چیز نہیں۔

مولانا بختیاری صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب کے ساتھ یہ نشست کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک رہی۔ دونوں کے آپس میں بہت ہی بے تکلفانہ تعلقات ہیں۔ زیادہ وقت مولانا بختیاری صاحب ہی باتیں کرتے رہے۔ برصغیر ہند و پاک میں دعوت

اسلامی کے مسائل اور جماعت اسلامی کا ماضی و حال زیر گفتگو رہا۔ مولوی عبدالمجمل صاحب بار بار درمیان میں گفتگو کو سیاسی مسائل کی طرف لے جانا چاہتے تھے لیکن مولانا بختیاری صاحب انہیں ٹوک دیتے تھے۔ اور وہ ہر بار خاموش ہو جاتے تھے لیکن اُن کی سیما بی طبیعت انہیں سیاسی مسائل پر گفتگو کے لئے بے چین کئے دے رہی تھی جس کا اس نشست میں موقع نہیں مل سکا۔

اُندہ ملاقات کے وعدہ پر مولانا بختیاری صاحب رخصت ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اُن کو اتنی محبت ہو گئی تھی کہ جب تک ڈاکٹر صاحب مدراس میں رہے وہ بھی مدراس ہی میں رہے اور ویلور نہیں گئے اور تقریباً روز ہی ڈاکٹر صاحب کے ملاقات کے لئے تشریف لاتے رہے اُن کا طرزِ تکلم اتنا میٹھا اور پیارا ہوتا تھا کہ بس دل میں گھر کر جاتا تھا بظاہر صوفی معلوم ہوتے تھے۔ گیر دے رنگ کے کپڑے اور سبز رنگ کا صاف۔ لیکن ظاہری صوفی کے باطن میں فکر ابھی تک ”تھرکی“ تھی جس کو گھر چاہتے نہ جاسکتا تھا۔ اکثر احسان کے مومنوع پر گفتگو فرماتے تھے اور اپنے سلسلہ کو ”سلسلہ احسانی“ قرار دیتے تھے۔ مختلف ملاقاتوں پر ڈاکٹر صاحب کے کوشش کی کہ مولانا کا کسی نہ کسی حد تک جماعت اسلامی سے سلسلہ قائم ہو جائے۔ امیر جماعت اسلامی صوبہ ٹاٹل ناٹو سے بھی ڈاکٹر صاحب کی جب ملاقات ہوئی تو ڈاکٹر صاحب نے انہیں توجہ دلائی کہ وہ حضرات مولانا سے تعلقات بڑھائیں، انہیں اپنے سے قریب لائیں اور اُن کی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھائیں یہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ ہم ٹھیرائے ہوٹل میں گئے تھے اس لئے کہ شادی کی وجہ سے ہمارے میزبان کے گھروں پر اُن کے قریبی اعزاء و اقرباء قیام پذیر تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مہمانوں کے رخصت ہونے کے بعد ہمیں گھر پر منتقل کر لیں گے۔ ساڑھے تین بجے سہ پہر محمد حیات صاحب تشریف لائے۔ اور ہوٹل سے ہمیں سیٹھ محمد امین صاحب کے ہاں لے گئے۔ جو ہمارے نئے میزبان قرار پائے۔ سیٹھ محمد امین صاحب کا تعلق احمد آباد سے ہے مدراس میں چمڑے کی تجارت شروع کی اور یہیں ہو کر رہ گئے کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ اُن کی بیگم مع بچوں کے اپنے میکے کراچی گئی ہوئی تھیں۔ گھر خالی تھا۔ میزبانی کے لئے انہوں نے پیشکش

نرمائی جسے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے قبول کر لیا۔ چند روز قبل قلب میں تکلیف کی کچھ شکایت ہو گئی تھی اس لئے ہوٹل ہمیں لینے نہ جاسکے جس کی ڈاکٹر صاحب نے بار بار معذرت کرتے رہے اور اپنے دوست ملنگ محمد حیات صاحب کو بھیج دیا جو خود بھی چمڑے کے یو پارٹی ہیں۔

بھارت میں چمڑا برآمد کرنے کا سب سے بڑا مرکز مدراس ہے امرتسر تکس کھالیں یہاں پر آتی ہیں۔ یہ کاروبار تمام کا تمام مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ مدراس اور س کے آس پاس مسلمانوں کی بڑی بڑی ٹینریاں ہیں جنہوں نے اس کاروبار میں بڑی ترقی کی ہے۔ لکھتی ہونا تو کوئی بات نہیں یہاں پر مسلمان کروڑ پتی تک ہیں۔ پھران یو پارٹیوں کی اکثریت دین دار اور فرائض دینی کے پابند ہے۔ خدمت خلق اور دینی کاموں میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔ ہندوستان کے کسی خطہ میں مسلمانوں پر کوئی پتا آئے یہاں کے مسلمان فوراً اُن کی مالی اعانت کے لئے اپنی تجوروں کے منہ کھول دیتے ہیں۔ دیوبند اور دیگر دینی اداروں کی مالی اعانت کا بہت بڑا انحصار یہاں کے مسلمان تاجروں کا جذبہ دینی ہے۔ دیوبند اور دیگر دینی مرکوزوں کے علماء و سفر و اکثر یہاں کے دورے کرتے رہتے ہیں۔ اور یہاں کے تجارت اُن کی نہایت عظیم و محکم کرتے ہیں اور بھرپور مالی امداد کے ساتھ رخصت کرتے ہیں۔ ان تاجروں میں جماعت اسلامی سے متاثرین کا بھی ایک چھوٹا سا حلقہ ہے لیکن اکثریت دیوبند زدہ اور دیگر دینی اداروں سے وابستہ ہے۔

سیٹھ محمد امین احمد صاحب اور ملنگ محمد حیات صاحب جماعت اسلامی کے بارے میں دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ دونوں نہایت خلیق اور ملنسار ہیں۔ سیٹھ محمد امین صاحب ہمارے بہترین میزبان ثابت ہوئے۔ ہماری ذرا ذرا سی ضرورت کا خیال رکھتے تھے ہماری نہایت ہی خاطر مدارات کرتے تھے اور ساتھ ہی معذرتیں بھی کرتے جاتے تھے کہ جیسے کچھ نہ کر سکے ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزا خیر دے۔ آمین! مجھ سے خاص طور پر پوچھا کرتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب کو کوئی تکلیف تو نہیں، انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں! اُن کا نوکر کھانا بھی پکاتا تھا اور گھر کا دیگر کام بھی کرتا تھا وہ بھی دن رات ہماری خدمت میں لگا رہتا تھا۔ ہمارے

آنے سے قبل انہیں دل کی تکلیف ہو گئی تھی جس کے لئے مکمل آرام ضروری تھا لیکن ہمارے قیام کے دوران ہر وقت ہماری خدمت کے لئے کمر بستہ رہتے تھے حالانکہ ہم اُن سے بہت کہتے تھے کہ آپ آرام کریں لیکن اُن کا جواب صرف ایک ہی ہوتا تھا کہ مجھے دل کی کوئی شکایت نہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ افسوس ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت نہیں کر پا رہا۔ اور اس طرح ہم شرمندہ ہو کر رہ جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین! ان تمام کاموں میں ملنگ محمد حیات صاحب بھائی امین صاحب کے دستِ راست تھے۔ انہیں جب بھی ذرا موقع ملتا گھر پر آ موجود ہوتے۔ اُن کا بس چلتا تو ہمارے پاس سے ذرا نہ ہٹتے۔ اُن کا ایک انداز مجھے اب تک یاد ہے کہ جب اپنی کار میں وہ ہمیں کہیں لے جاتے اور گاڑی سے ہم اُترتے تو میں گاڑی کے شیشے چڑھا دیا کرتا جس کی مجھے عادت ہے تاکہ صاحب کار کو تکلیف نہ ہو۔ اس پر وہ مسکراتے ہوئے بڑے ہی پیارے انداز میں مجھے "THANK YOU" کہتے۔ اُن کا یہ انداز مجھے ہمیشہ یاد رہے گا۔

مرکزی میلاد کمیٹی مدراس جس نے ڈاکٹر صاحب کو مدراس میں میرت نبویؐ پر خطاب کرنے کی دعوت دی تھی اس کے زیرِ اہتمام ہر سال یکم ربیع الاول تا ۱۲ ربیع الاول روزانہ جلسوں کا اہتمام ہوا کرتا ہے۔ اس میں شروع کے پانچ روز تو کسی مقامی عالم دین کی تقاریر ہوتی ہیں اور آخری سات روز ملک یا بیرون ملک کی کسی اہم شخصیت کو دعوتِ خطاب دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس سال یکم ربیع الاول تا ۱۲ ربیع الاول مطابق ۸ جنوری تا ۱۲ جنوری ایک مقامی عالم دین کی تقاریر ہوئیں۔ یہ جلسے شہر کی تاریخی جامع مسجد والا جاہی کے وسیع احاطہ میں رات کو دس بجے منعقد ہوتے تھے کیونکہ یہی وقت یہاں کے لوگوں کی شرکت کے لئے موزوں ہوتا تھا۔ ۱۳ جنوری تا ۱۹ جنوری منگل تا پیر ڈاکٹر صاحب کے خطابات ہوئے جن کی ترتیب حسب ذیل تھی :-

۱۳۔ جنوری - اسلام میں نبوت و رسالت کا تصور

۱۴۔ جنوری - ختم نبوت اور تکمیل رسالت

- ۱۵ - جنوری - حیاتِ طیبہ کا مکی دور
- ۱۶ - جنوری - اندرونِ ملک عرب مقاصد رسالت کی تکمیل
- ۱۷ - جنوری - رسالت محمدی کا بین الاقوامی مرحلہ
- ۱۸ - جنوری - نبی اکرمؐ سے ہمارا تعلق
- ۱۹ - جنوری - نبی اکرمؐ کے مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض -
- مرکزی میلاد کمیٹی نے ان اجتماعات کی پبلسٹی کا اچھی طرح بندوبست کیا۔ سب سے پہلے ایک پوسٹر شائع کیا جس میں ایک مقامی عالم اور ڈاکٹر صاحب کے خطابات کی اطلاع تھی۔ اس کے بعد دوسرا پوسٹر نکالا جس میں ڈاکٹر صاحب کے ساتوں دنوں کے خطابات کی تفصیلات تھیں یہ دونوں پوسٹر جہاز میں سائز میں شائع کئے گئے۔ علماء کرام اور مولوی حضرات کی طرح ہم نے آج تک کبھی ڈاکٹر صاحب کے نام کے آگے پیچھے القابات کی گردان نہیں لگائی۔ لیکن یہاں جو پوسٹر شائع ہوئے ان میں ان حضرات نے ڈاکٹر صاحب کا نام ہر جگہ اس طرح لکھا:۔
- خطیب پاکستان رئیس الواعظین الحاج مولانا ڈاکٹر اسرار احمد صاحب صدر مؤسس انجمن خدام القرآن لاہور پاکستان۔ میں نے ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے کہا بھی کہ بھائی یہ القابات لگانے کی کیا ضرورت تھی ڈاکٹر صاحب کا نام ہی کافی تھا۔ مسکرا کر کہنے لگے اس سے آپ کو کوئی مطلب نہیں یہ جلسہ کے منتقلین کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے کہ اس میں بھی حکمت ہے۔ یہاں پر جب تک لمبے جوڑے القابات نہ لگائے جائیں لوگ تقریر سننے نہیں آتے، — ان دو پوسٹروں کے علاوہ ۱۲ ربیع الاول کی تقریر کے سلسلہ میں ایک علیحدہ پوسٹر بھی شائع کیا گیا۔

انگریزی کے کثیر الاشاعت روزنامے (THE DAILY HINDU) اور

(DAILY 'INDIAN EXPRESS) میں روزانہ اعلانات شائع کرائے گئے۔

اردو کے واحد روزنامہ ”مسلمان“ میں روزانہ بڑے بڑے اشتہارات شائع کئے گئے۔ جس میں روزانہ کے پروگراموں کی تفصیل شائع ہوتی تھی۔

مسجد والا جاہی کے احاطہ میں آج رات کو ساڑھے دس بجے ڈاکٹر صاحب کی

پہلی تقریر ”اسلام میں نبوت و رسالت کا تصور“ کے موضوع پر ہوئی۔ کافی وسیع پنڈال تھا۔ ہمارے ہاں کی طرح یہاں پر شامیانے نہیں لگائے جاتے بلکہ بانسوں اور چٹائیوں سے پنڈال بنایا جاتا ہے۔ اسٹیج کی جگہ پر پنڈال کی چھت اونچی بنائی جاتی ہے۔ جہاں کپڑا لگایا جاتا ہے۔ اسٹیج کی جگہ تخت پر تین کرسیاں تھیں۔ ایک صاحب صدر کے لئے، ایک مقرر کے لئے اور ایک اسٹیج سیکرٹری کے لئے۔ جلسوں کی صدارت مرکزی میلاد کمیٹی کے صدر جناب الحاج سلیمان محمد ابراہیم سیٹھ فرماتے تھے اور اسٹیج سیکرٹری کے فرائض کمیٹی کے جنرل سیکرٹری ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ادا کرتے تھے۔ پنڈال لوگوں سے بھرا ہوا تھا دورانِ تقریر بارش بھی ہو گئی۔ پنڈال جگہ جگہ سے ٹپکنے لگا لوگ بھٹکتے رہے لیکن صبر و سکون کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی تقریر سنتے رہے۔ تقریر کے بعد سیٹھ سلیمان صاحب ہمیں ماؤنٹ روڈ پر واقع بلال ہوٹل لے گئے جہاں لذیذ چائے سے ہماری تواضع کی۔ رات کو ایک بجے سیٹھ امین صاحب اور حیات صاحب کے ساتھ ہم واپس گھر لوٹے۔

میلاد کمیٹی کے جوائنٹ سیکرٹری محمد عظیم صاحب بہت شریف اور نیک نوجوان ہیں۔ سرکاری ملازم ہیں۔ ہم سے بہت محبت ہے۔ جہاں ملتے ہیں آنکھیں بھپکتے ہیں پہلا سوال یہی ہوتا ہے کہ ”میرے لائق کوئی کام“۔ پولیس میں ہمارے پاسپورٹ وغیرہ کا اندراج انہوں نے ہی کرایا تھا۔ روزانہ جلسہ میں بڑی محبت سے مجھے ایک میٹھا پان ضرور پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ میں پان کا عادی نہیں لیکن کتھے اور چونے کے ساتھ ساتھ محبت اور خلوص کا لگایا ہوا ان کا پان میں بڑے شوق سے کھاتا ہوں۔ ایک زمانہ میں پان کا بڑا عادی تھا (تبا کو کا نہیں) ہر وقت منہ میں پان کا ایک بیڑہ ہوتا تھا۔ یہ سبب یا شہد کی بات تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے ایک بار کہہ دیا کیا بات ہے پان بہت کھانے لگے ہو۔ اُن کا یہ فرمانا تھا کہ اُسی وقت سے پان کھانا چھوڑ دیا۔ کم از کم دو سال تک ایک پان بھی نہیں کھایا۔ دوست احباب پان پیش بھی کرتے اور کہتے میاں کھا کو کبھی کبھار ایک ادھ کھانے میں کیا حرج ہے۔ کچھ میرا جی بھی لپچتا لیکن سوچتا کہ یکمی کبھار کا معاملہ بڑھتے بڑھتے پھر عادت نہ بن جائے اس لئے اس سے دُور رہنے میں ہی



مانیت ہے۔ دو سال کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ساتھ کہیں گیا ہوا تھا غالباً منظر صاحب کے ہاں۔ وہاں پر پان کی ملشتری آئی۔ ڈاکٹر صاحب نے پان کھا کر ملشتری میری طرف بڑھا دی۔ عرصہ دراز کے بعد پہلا پان میں نے وہ کھایا اور اس کے بعد مہینوں میں کبھی ایک آدھ بار کسی کے گھر پر کھا لیتا ہوں اور بس۔ لیکن یہاں ہمارے دوست عظیم صاحب روزانہ ہی پان سے تواضع کرتے رہے۔ اللہ پان کو ”عادت“ میں نے آج تک نہیں بنے دیا۔ پان ہی پر کیا موقوف ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کسی چیز کو عادت کے طور پر نہیں رہنے دیا۔ ایک آدھ عادت دیر تک چھٹی رہی لیکن اس کے خلاف سخت جدوجہد کر کے اس سے گلو خلاصی میں کافی حد تک کامیاب رہا ہوں۔

آج صبح میں نے مولانا وحید الدین خان صاحب مدیر ”الرسالہ“ کو دہلی فون کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اُن سے گفتگو کی۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ ایک سیمینار میں شرکت کے لئے ممبھوپال آ رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے انہیں بمبئی آنے کی دعوت دی تاکہ ملاقات کی جا سکے۔ مولانا نے فرمایا کہ وہ ممبھوپال آنے کے بعد اپنے بمبئی آنے کی اطلاع دیں گے۔

مدرسہ کی ٹیلی فون ڈائریکٹری میں جماعت اسلامی کے دفتر کا ٹیلی فون نمبر نکال کر میں نے دفتر جماعت فون کیا۔ ناظم دفتر محمد عتیق صاحب گفتگو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ امیر حلقہ جناب اعجاز احمد اسلم صاحب باہر دورے پر گئے ہوتے ہیں۔ میں نے عتیق صاحب کو ملاقات کی دعوت دی۔ انہوں نے وقت کا تعین بھی کر لیا لیکن پھر کسی شدید مصروفیت کی بنا پر ٹیلی فون کر کے معذرت کر لی۔ جب سے میں مدراس آیا تھا میں نے علی گڑھ اپنے بہنوئی اور کانپور اپنے چھوٹے بھائی کو ٹرنک کال تک کرانے کی روزانہ کوشش کی لیکن پورے قیام مدراس کے دوران دونوں جگہ کی لائن نہیں مل سکی۔ ٹیلی فون آپریٹر کو روزانہ نمبر دیا جاتا تھا مگر معلوم ہوتا تھا کہ لائن خراب ہے نہیں مل رہی۔ معلوم ہوا کہ وہاں پر ٹیلی فون کا یہی حال رہتا ہے۔ اس لحاظ سے ہمیں اپنے ملک کا ٹیلی فون

کا نظام بہت بہتر معلوم ہوا۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ انڈیا نہایت وسیع و بڑا ملک ہے اور جتنا بڑا ملک ہے اتنے ہی وہاں کے مسائل ہیں۔ دوسرے یہ کہ PRIORITIES ہم نے کچھ در منتخب کیں اور انڈیا نے کچھ اور —

سیٹھ محمد امین صاحب اور محمد حیات صاحب آج دوپہر ہمیں ۱۴ جنوری | حفیظ الرحمن صاحب کے گھر لے گئے۔ جنہوں نے ہمیں کھانے پر

مدعو کیا تھا۔ حفیظ صاحب، حیات صاحب کے قریبی عزیز ہیں۔ چمڑے کے بہت بڑے تاجر اور ریمیزی کے مالک ہیں۔ جماعت اسلامی کے ہمدردوں میں سے ہیں۔ ان کے بھائی عبید اللہ صاحب جو جماعت کے رکن ہیں وہ بھی موجود تھے۔ حفیظ صاحب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں۔ انتہائی ذہین ہیں۔ تجارت کے مسائل پر دینی نقطہ نگاہ سے سوچنا اہل علم سے ان مسائل پر تبادلہ خیال کرنا اور تجارت کو دینی اصول پر استوار کرنے کی کوشش ان کے محبوب مشاغل ہیں۔ سرکاری محکموں کے تحت قائم کردہ مختلف کمیٹیوں میں بھی وہ شامل ہیں۔ جہاں وہ مسلمانوں کی بہتر نمائندگی کرتے ہیں اور حکومت ان کے مشوروں کو اہمیت دیتی ہے۔ بڑی تجارتوں اور

صنعتوں کو سود سے پاک رکھنے میں انہیں نہایت دقت اور مشکلات کا سامنا ہے۔ ان کے سامنے یہ مسئلہ ایک THEORY کے طور پر نہیں ہے بلکہ انہیں عملی طور پر (PRACTICALLY) درپیش ہے۔ یہ ان کا اپنا اور دیگر ہم پیشہ برادری کا مسئلہ ہے۔ انہیں بڑی بڑی تجارتیں اور صنعتیں بھی چلانی ہیں اور وہ سود سے بچنا بھی چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے خاصا مطالعہ کیا ہے۔ بہت کچھ سوچ بچار کیا ہے۔ علماء اور اہل علم سے ملاقاتیں بھی کی ہیں اور آج کی نشست میں بھی یہی مسئلہ ڈاکٹر صاحب کے ساتھ زیر گفتگو رہا۔ گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی گفتگو میں معاملہ کے بہت سے پہلو سامنے آئے۔ کچھ پہلو ڈاکٹر صاحب نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح فرمائے۔

حفیظ الرحمن صاحب نے مسئلہ کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ آج کی دنیا میں تجارت اور صنعت کا زیادہ تر دار و مدار بینک اور دیگر مالیاتی اداروں کے FINANCES پر ہوتا ہے۔ کسی صنعت یا تجارت میں تاجر یا صنعت کار

کا اپنا پیسہ بہت کم ہوتا ہے زیادہ تر رقم بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کی مثال انہوں نے یوں دی کہ قرض کیجئے ایک شخص اپنے پاس سے ۳۳ روپے INVEST کرتا ہے۔ اس کی دگنی رقم یعنی ۶۷ روپے مالیاتی ادارے قرض دیدتے ہیں۔ مزید برآں اس کی دگنی رقم یعنی ۱۳۴ روپے بینکس WORKING CAPITAL کے طور پر قرض دیدیتا ہے اب تین سو روپے کی تجارت یا صنعت میں ایک شخص کا اپنا حصہ صرف ۳۳ روپے ہوتا ہے۔ یعنی کل رقم کا صرف دس فی صدی۔

انڈیا کے ٹیکس کے نظام کو سامنے رکھتے ہوئے انہوں نے ایک تاجر یا صنعت کار کے منافع کا تعین دو صورتوں میں کیا پہلی صورت جس میں وہ بینک اور مالیاتی اداروں سے رقم سود پر لیتا ہے اور دوسری صورت جب کہ وہ تمام رقم اپنے پاس سے لگاتا ہے اور کوئی رقم کہیں سے سود پر قرض نہیں لیتا۔ ان دونوں صورتوں کے لئے انہوں نے جو مثالیں دیں بہتر ہو گا کہ وہ بھی پیش کر دی جائیں۔

پہلی صورت :-

لاکھ	3.3	ایک شخص کا اپنا سرمایہ
لاکھ	6.7	مالیاتی اداروں سے قرض لیا

میزان

لاکھ	20	ورکنگ سرمایہ (بینک کا قرضہ)
لاکھ	80	فروخت (GROSS PROFIT)
لاکھ	4.8	اندازاً منافع - فروخت کا چھ فی صد
لاکھ	0.70	مالیاتی اداروں کو سود کی ادائیگی
لاکھ	3.20	بینک کو سود کی ادائیگی
لاکھ	0.90	بقایا
لاکھ	0.60	ٹیکس کی ادائیگی
لاکھ	0.30	حتمی منافع (NET PROFIT)

یعنی اُس شخص کی اپنی INVEST کی ہوئی رقم کا دس فی صد -  
دوسری صورت

تجارت اور صنعت کی دوسری شکل یہ ہے کہ سود کی لعنت سے بچنے کے لئے بینکوں یا مالیاتی اداروں سے کوئی قرض نہ لیا جائے بلکہ تمام سرمایہ کاری اپنے ذرائع سے کی جائے۔ اس صورت میں ایک شخص کو تیس لاکھ روپے اپنے پاس سے یا اپنے ذرائع سے (سود پر کوئی رقم لئے بغیر) لگانے ہوں گے تو پوزیشن یہ رہے گی۔

فروخت (TURN-OVER) 80.00 لاکھ

منافع (فروخت کا چھ فی صد) 4.8 لاکھ

ٹیکس کی ادائیگی 2.4 لاکھ

مقی منافع (NET-PROFIT) 2.4 لاکھ

یعنی کل لگائی ہوئی رقم کا آٹھ فی صد -

حفیظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ پہلی صورت میں ایک شخص جب کہ سود پر بینک اور مالیاتی اداروں سے قرض حاصل کرتا ہے۔ اپنی لگائی رقم 20.00 لاکھ پر دس فی صد منافع حاصل کرتا ہے لیکن دوسری صورت میں جب کہ وہ سود کی لعنت سے بچتے ہوئے بینکوں اور مالیاتی اداروں سے قرضہ لئے بغیر کاروبار کرتا ہے تو اپنے پاس سے دس گنا مزید رقم لگانے کے باوجود بھی کم منافع یعنی صرف آٹھ فی صد حاصل کرتا ہے۔ اس طرح ظاہر ہے کہ سرمایہ کا بہاؤ تو اسی طرف رہے گا جہاں منافع زیادہ ملتا ہو۔ اور ایک نسلی مسلمان کے لئے دوسری صورت میں کوئی کشش نہیں ہوگی۔ کشش اس صورت میں تو پیدا کی جاسکتی ہے اگر حکومت اسلامی ہو اور وہ ٹیکسوں اور بینک کے نظام میں ایسی اصلاحات کرے جن سے ایک تاجر اور صنعت کار کو دین پر چلنا آسان ہو لیکن یہاں تجارت میں تو اس کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

حفیظ الرحمن صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اگر نفع و نقصان میں شراکت کے اصول پر بھی تجارت اور صنعتوں کو چلایا جائے تب بھی ایک شخص کو اپنے سرمایہ پر نہایت ہی کم NEGLIGABLE منافع ملتا ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں سرمایہ

کا تناسب یہ ہوگا۔ تین سو کی تجارت میں ۳۳ روپے اُس شخص کے اپنے ہوں گے اور ۲۶۴ روپے بینک اور مالیاتی اداروں کے۔ یعنی تقریباً ایک اور نو کی نسبت ہوگی۔ اس طرح اُس شخص کو اپنے سرمایہ پر تین فی صد سے زیادہ منافع نہیں مل سکے گا۔ جو ظاہر ہے نہ ہونے کے برابر ہے۔

حفیظ الرحمن صانے کہا کہ اگر ہم بانٹ اسٹاک کمپنی بناتے ہیں تو اس صورت میں **DIVIDEND** دینے سے قبل ۶۰ سے ۷۵ فی صد رقم انکم ٹیکس کے طور پر چلی جاتی ہے۔ اگر ایک کمپنی اخراجات وغیرہ کی منہائی کے بعد بیس فی صد منافع حاصل کرتی ہے تو انکم ٹیکس کی ادائیگی کے بعد آٹھ فی صد سے زیادہ **DIVIDEND** نہیں دے سکتی۔ اور ۲۰ سے ۳۵ فی صد منافع بھی وہ کمپنیاں کماتی ہیں جو بہت پرانی اور **WELL - ESTABLISHED** ہیں اور جن کے پاس **RESERVE** کی دافر مقدار ہے۔

ڈاکٹر صاحب اور ہم حفیظ الرحمن صاحب کی گفتگو نہایت نوجبہ سے سن رہے تھے۔ یہ سب کچھ بیان کر کے حفیظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ ہم نے سود سے پاک تجارت اور صنعتیں چلانے کے لئے موجودہ ٹیکس کے نظام کے تحت ایک حل سوچا ہے جس میں سود کی لعنت سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ اور معقول منافع بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور وسیع پیمانے پر کاروبار یا صنعت بھی چلائی جاسکتی ہے۔ اُن کے نزدیک اس کا حل یہ تھا۔

اوپر جو دو صورتیں درج کی گئی ہیں اُن میں تیس لاکھ کی رقم درکار تھی وہ اس طرح حاصل کی جائے چار پارٹنرشپ فرم قائم کی جائیں۔ ہر فرم میں پندرہ پارٹنرز ہوں اور ہر پارٹنر پچاس پچاس ہزار روپے فراہم کرے۔ چاروں پارٹنرشپ فرمیں آزاد ہوں لیکن کاروبار مشترکہ ہو اور اس کے لئے ایک

**COMMON** منتظم ہو۔ اس سرمایہ پر منافع **RETURN** جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں دیا ہوا ہے ۸۔۴ لاکھ ہو گا جسے ۶۰ شرکاؤں میں تقسیم کر دیا جائے گا اور ہر شریک ۸۰۰۰ روپے کے حصے میں آٹھ ہزار روپے آئیں گے جو انکم ٹیکس کی حد سے کم ہیں۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے سرمایہ پر سولہ فی صد

منافع ملے گا جب کہ اوپر دی ہوئی دلوں مثالوں یعنی پہلی اور دوسری صورت میں بالترتیب دس اور آٹھ فی صد منافع ملتا ہے۔

حفیظ الرحمن صاحب نے بتایا کہ انڈین پارٹنرشپ ایکٹ کے تحت شرکاء کی تعداد ۱۹ تک ہو سکتی ہے۔ پارٹنرشپ کا منافع اگر پیرٹنر کی حد میں آجائے اور یہ ادا کرنا ہو تب بھی شرکاء (PARTNERS) کو معقول منافع اور پہلی درج شدہ دو صورتوں سے زیادہ ملتا ہے۔

حفیظ الرحمن صاحب نے فرمایا کہ ہم نے اپنے ملک کے حالات اور قوانین کے تحت اس طریقہ کو بہتر سمجھا ہے۔ تاکہ ایک طرف سود کی لعنت سے بھی بچے رہیں اور دوسری طرف معقول منافع بھی حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے انہوں نے ”المیزان“ کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی ہے جس کے تحت ملک کے مختلف حصوں میں اس طریقہ پر کاروبار چلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حفیظ الرحمن صاحب اور ان جیسی سوچ رکھنے والے دوسرے حضرات کو جزائے خیر دے اور کامیابی عطا فرمائے۔

آمین! ورنہ واقع یہ ہے کہ اچھے خاصے دیندار لوگ جن کے معتقدین کے نزدیک وہ اگر دامن پنجوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں، اپنی تجارتوں اور صنعتوں میں سود کی آمیزش ان کے ضمیر میں ذرا بھی غلش پیدا نہیں کرتی اور سود ان کے لئے ہنیا مریا بنا ہوا ہے۔ مگر کہ ہم نے انقلابِ حریخ گردوں یوں بھی دیکھا ہے۔

حفیظ الرحمن صاحب جتنے نفیس آدمی ہیں انہی کے ذوق کے مطابق ان کی خوبصورت کوٹھی ہے اور اتنا ہی لذیذ ان کے ہاں کا کھانا تھا۔

کئی گھنٹہ کے تبادلہ خیال کے بعد ہم اپنی قیام گاہ پر واپس آئے۔ حفیظ الرحمن صاحب کو ہم نے ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کا ایک سیٹ ہدیہ کیا۔ حفیظ الرحمن صاحب کے ہاں کھانے پر رحمت اللہ صاحب بھی مدعو تھے جو کراچی میں یونائیٹڈ بینک میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز ہیں اور امتیاز صاحب کی شادی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔ بعد نماز مغرب مسجد پیری میٹ میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ پیری میٹ یہاں کا وہ علاقہ ہے جہاں پر چمڑے کے تمام کاروباری اداروں کے دفاتر ہیں۔ پورے انڈیا میں مدراس چمڑے کی سب سے بڑی منڈی ہے اور اس منڈی کا مرکز پیری میٹ

ہے کروڑوں اور اربوں روپے کا کاروبار یہاں پر ہوتا ہے۔ جو سب کا سب مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ یہاں پر چمڑے کے کاروباری حضرات نے ایک خوبصورت مسجد بنوائی ہے جس میں آج ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ چمڑے کے ایک بڑے بیوپاری نذیر احمد صاحب اس مسجد کے سیکرٹری ہیں جنہوں نے ڈاکٹر صاحب کو اس مسجد میں تقریر کے لئے مدعو فرمایا تھا۔ ورنہ اس مسجد میں عام طوع پر دینی مدرسوں اداروں اور خصوصاً دیوبند کے علمائے کرام یہاں کے دورہ کے موقع پر خطاب کیا کرتے ہیں۔ نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے سلسلہ میں ایک پورٹ بھی شائع کرایا۔ مسجد کا ہال، دالان اور صحن لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے مولوی عبدالجلیل باقومی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا اپنے مخصوص انداز میں تعارف کرایا مولانا صبغتہ اللہ بخاری صاحب بھی موجود تھے۔ ڈاکٹر صاحب تقریر کے موضوع کا آخری وقت تک فیصلہ نہ کر سکے تھے لیکن جب تقریر کرتے کھڑے ہوئے تو تقریر کی اور خوب کی۔ سوا گھنٹے کی تقریر لوگوں نے نہایت صبر و سکون کے ساتھ سنی، تقریر کا موضوع ”پندرہویں صدی ہجری اور اس کے ہم سے تقاضے“ تھا۔ لوگ تقریر سے بہت متاثر ہوئے۔

عشاء کی نماز کے بعد ملنگ محمد حیات صاحب کے گھر پر تکلف کھانا کھایا۔ تھوڑی دیر آرام کیا اور پھر احاطہ مسجد والا جا ہی چلے گئے جہاں آج ڈاکٹر صاحب کی دوسری تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا: ”ختم نبوت اور تکمیل رسالت“۔ آج بھی بادل چھائے ہوئے تھے۔ کل چونکہ بادشس ہو گئی تھی اسلئے منتظبین نے آج کا جلسہ مسجد کے ہال میں رکھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کوئی بارہ بجے رات ختم ہوئی۔

آج سہ پہر پر بمیر ٹوبیکو کمپنی کے چیرمین جناب عبدالصمد صاحب اپنے سیکرٹری رفعت صاحب کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے ملاقات کے لئے ہماری قیام گاہ پر تشریف لائے۔ شادی کے مہمانوں کی وجہ سے ان کو اتنی مصروفیت رہی تھی کہ پہلے انہیں سکے تھے۔ بہت معذرت کر رہے تھے۔ انہیں ڈاکٹر صاحب بڑا خیال رہتا تھا۔ وہ اتنی سادہ طبیعت کے آدمی ہیں، ان میں اتنی تواضع اور

منکسر المزاجی ہے اور ان کی باتوں میں اس بلا کی سادگی ہوتی ہے کہ انہیں دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا کہ یہی وہ شخص ہے جو پرمیئر ٹوبیکو کمپنی جیسے ادارہ کو نہ صرف چلا رہا ہے بلکہ ترقی کی بند یوں کو چھو رہا ہے۔

صبح دس بجے مولانا سید صبغتہ اللہ شاہ بختیاری  
**۱۵ جنوری (جمعرات)** | صاحب تشریف لائے اور ظہر تک ڈاکٹر صاحب سے

مختلف مسائل پر تبادلہ خیالات کرتے رہے۔ حیدر آباد دکن میں موصوف کی نوجوانی کا دور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے ساتھ گزرا ہے اُس دور کے مولانا بہت سے واقعات سناتے رہے۔ مولانا مرحوم کے ساتھ شاہ صاحب کی بہت بے تکلفی رہی تھی۔ تحریک جماعت اسلامی میں عرصہ دراز تک ساتھ کام کیا تقسیم برصغیر کے بعد جماعت اسلامی ہند کی قیادت سے شاہ صاحب کے اختلافات پیدا ہو گئے اور انہوں نے رکنیت سے استعفیٰ دیدیا۔ جماعت اسلامی کی فکر اب بھی ان میں رچی بسی ہے۔ مولانا مودودی صاحب مرحوم و مغفور کے اب بھی انتہائی عقیدت مند ہیں اور ان کا نام نہایت ہی محبت اور احترام سے لیتے ہیں۔

میرے ساتھ گفتگو میں ایک دفعہ پشاور یونیورسٹی کے صدر شعبہ عربی مولانا محمد اشرف صاحب کا نام بہت عقیدت کے ساتھ لیا۔ میں نے جب انہیں بتایا کہ میرا لڑکا اُسامہ اُن سے بیعت ہے تو بہت خوش ہوئے۔ زمانہ قیام مدراس میں کئی بار مجھ سے کہا کہ اپنے بیٹے اُسامہ سے کہنا کہ ہمارا اسلام اپنے پیر صاحب تک پہنچا دے۔ مولانا محمد اشرف صاحب کے نام مجھے ایک خط بھی دیا جو میں نے انہیں لاہور سے حوالہ ڈاک کر دیا۔

عصر کے بعد دو نوجوان تشریف لائے۔ چہرے پر چھوٹی خوبصورت سی داڑھی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی تقاریر کے دوران کئی بار علیک سلیک ہوئی تھی لیکن تعارف نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ دو نوجوان اور اُن کے ساتھی مدراس میں ایک عربک اسٹڈی سرکل اور ایک لائبریری - صفحہ لائبریری کے نام سے چلا رہے ہیں۔ دین حق کے غلبہ اور قرآن مجید کی زبان عربی کے فروغ کے لئے بہت جوش و جذبہ سے کام کر رہے ہیں۔ ان میں ایک صاحب کا نام تھا سید کرامت اللہ بہمنی اور دوسرے



نوجوان تھے رشید صاحب۔

یہ نوجوان دن میں مختلف تجارتی اداروں میں ملازمت کرتے ہیں اور شام و رات کے فارغ اوقات میں تعلیمی تبلیغی کام کرتے ہیں۔ عربی اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کا قیام ۱۹۷۱ء میں عمل میں آیا تھا۔ عربی کورس کا پہلا گروپ (BATCH) جنوری ۱۹۷۲ء میں داخل ہوا۔ شہر میں تین جگہ عربی پڑھانے کے مراکز قائم ہیں جن میں ایک سو سے زائد طلباء عربی کی تحصیل کر رہے ہیں۔ ایک سال کا کورس ہوتا ہے۔ اسٹڈی سرکل اور لائبریری غیر تجارتی بنیادوں پر چلائے جا رہے ہیں۔

صفہ لائبریری میں مختلف زبانوں میں بہت سی کتابیں ہیں جو لوگوں کو مطالعہ کے لئے جاری کی جاتی ہیں۔ دارالمطالعہ میں انڈیا کے علاوہ سعودی عرب، کویت، شام، ملائیشیا، جاپان، امریکہ، جنوبی افریقہ، ایران، مغربی جرمنی، پاکستان اور دوسرے بہت سے ملکوں سے اردو عربی اور انگریزی میں رسائل و جرائد آتے ہیں۔ دارالمطالعہ اور لائبریری عام لوگوں کے لئے کھلی رہتی ہے۔

عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کی متحرک شخصیت سید کرامت اللہ بہمنی صاحب کی ہے جو ان اداروں کے سیکرٹری ہیں۔ انہوں نے مجھ سے شکایت کی کہ پاکستان سے رسائل و جرائد انہیں بہت کم ملتے ہیں۔ ہم ان کا پتہ درج کئے دیتے ہیں اور پاکستان کے رسائل و جرائد کے ذمہ دار حضرات سے گزارش کرتے ہیں کہ دیارِ ہند میں خاموشی کے ساتھ تعمیری کام کرنے والے ان نوجوانوں کی مدد کی جائے اور انہیں اپنے رسائل و جرائد اعزازی طور پر جاری کر دیئے جائیں۔ ان کا پتہ

یہ ہے - ARABIC STUDIES CIRCLE AND

SUFFAH LIBRARY

55, STRAHAN'S ROAD

MADRAS-600-012 (INDIA)

دینی و تعمیری موضوعات پر کتب ارسال کر کے بھی ان کی مدد اور حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے۔ دونوں نوجوان کافی دیر تک ڈاکٹر صاحب سے مصروف گفتگو کیے اپنے کام کا تعارف کرایا اور اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب سے مفید مشورے حاصل

وہ تو اچھے تن و توش والے تھے یہ تو ایک مثال ہے دیگر کے اس ایک پاول سے آپ کو پوری دیگر کا پتہ چل جائے گا۔ — ہائے سہ  
 متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی  
 یہ کس کا فرادا کا غمزدہ خونریز ہے ساقی  
 ان کی تقریر کا انقباض تنظیمیں جلسہ میں سے اکثر حضرات کے چہروں پر  
 عیاں تھا بعد میں معلوم ہوا کہ مولوی عبدالجلیل صاحب اور دیگر حضرات نے تقریر  
 کے بعد کسی مجلس میں مولانا موصوف کو توجہ بھی دلائی کہ آپ نے یہ کس قسم کی  
 تقریر کی ہے۔ !

جامع مسجد پیری میٹ میں نمازِ عشاء پڑھ کر اور کچھ دیر گھر پر آرام کر کے  
 احاطہ مسجد والا جا ہی پہنچے جہاں آج سیرتِ نبوی کے جلسہ میں ڈاکٹر صاحب کی تیسری  
 تقریر تھی۔ آج کی تقریر کا موضوع تھا: ”حیاتِ طیبہ کا مکی دور“۔  
 جلسہ میں حاضرین کی تعداد روز بروز بڑھ رہی تھی۔ اس لئے کہ جو لوگ تقریریں  
 کر جاتے تھے وہ اپنے احباب کو بھی ساتھ لے کر آتے تھے کیونکہ ڈاکٹر صاحب  
 کی تقریر عام ڈگر سے ہٹ کر ان کے لئے نہایت متاثر کن تھی۔ جلسہ میں تعیم  
 یافتہ حضرات کثیر تعداد میں موجود ہوتے تھے۔ آج چونکہ مطلع صاف تھا اس  
 لئے جلسہ پنڈال میں ہوا۔ اور آخر تک تمام جلسے پنڈال ہی میں ہوتے رہے۔  
 رات حسبِ معمول تقریباً بارہ بجے گھر واپسی ہوئی۔

۱۶ جنوری (جمعہ) | آج بھی ملاقات کے لئے لوگوں کا تانتا بندھا رہا۔  
 مولانا سید صبغۃ اللہ شاہ بختیاری صاحب، چڑے  
 کے بیوپاری اور مسجد پیری میٹ کے سیکرٹری نذیر احمد صاحب اور مولوی عبدالجلیل  
 صاحب کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب (جو طباعت کا کام کرتے ہیں، ملاقات  
 کے لئے تشریف لائے۔ نذیر احمد صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی کہ وہ  
 مسجد پیری میٹ میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمائیں جسے ڈاکٹر صاحب نے قبول فرمایا۔  
 عربک اسٹڈی سرکل کے کرامت اللہ بھنی صاحب اور رشید صاحب آج  
 پھر ملاقات کے لئے تشریف لائے۔

عبدالصمد صاحب اور ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ملاقات کے لئے تشریف لائے ان کے ساتھ نذیر احمد صاحب اور عبدالباقی صاحب بھی تھے جو صبح بھی تشریف لاکچے تھے۔ آئے کا مقصد یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا آمبور، وائٹ باڑی اور ویلور کا پروگرام طے کیا جائے یہ تینوں مقامات مدراس سے کوئی ایک سو میل دور مشرق میں ہیں۔ یہاں پر مسلمانوں کی اکثریت ہے یا وہ خاصی بڑی تعداد میں ہیں۔ مدراس میں جو چمڑے کے تاجر حضرات ہیں ان کی کثیر تعداد ان مقامات کی رہنے والی ہے اور یہیں پر ان کی بڑی بڑی TANNERIES ہیں۔

عبدالصمد صاحب نے ہمارے ویزا کے تین مقامات میں سے ایک مقام آمبور بھی لکھوایا ہوا تھا۔ طے یہ پایا کہ ہم لوگ کل صبح بذریعہ کاران مقامات کے لئے روانہ ہو جائیں گے اور پرسوں شام تک واپس آجائیں گے۔

جامع مسجد پیری میٹ میں ڈاکٹر صاحب نے خطبہ بعد از شاد فرمایا جس میں سورۃ جمعہ کی روشنی میں خطبہ جمعہ کی اہمیت بیان کی۔ لوگوں نے بر ملا کہا کہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر دینی اداروں کے علماء کرام اپنے اداروں کی مالی اعانت کے سلسلہ میں اکثر یہاں کے چکر لگاتے رہتے ہیں اور اس مسجد میں خطبہ جمعہ بھی بیٹے ہیں۔ اکثر حضرات کی وہی گھسیٹی تقریریں ہوتی ہیں۔ جن میں سیاسی مسائل ہوتے ہیں، فقہی مسائل ہوتے ہیں۔ فرقہ وارانہ مسائل ہوتے ہیں اور نہیں ہوتی تو دعوتِ قرآن — وہ ذکر جس کے لئے دین میں خطبہ جمعہ کا التزام کیا گیا ہے۔ لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ خطبہ جمعہ کی اصل اہمیت تو اب ہمارے سامنے آئی ہے

جامع مسجد پیری میٹ کے سیکرٹری نذیر احمد صاحب نے ہمارے لئے ایک پرنٹنگ ظہرانہ کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ جس میں بہت سے دیگر شرکاء کے علاوہ مولانا سید صبغة اللہ شاہ بختیاری صاحب اور مولوی عبدالحمید صاحب بھی موجود تھے۔ کھانے کے دوران بھی لوگوں نے ڈاکٹر صاحب سے مفید گفتگو کی۔

نقی الدین اسٹریٹ پر ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کا کلینک ہے اور اس اسٹریٹ پر ذرا آگے چل کر جماعت اسلامی حلقہ ٹائل ناڈوکا دفتر بھی۔ ایک روز میں دفتر جماعت کا چکر لگایا تھا۔ جہاں ناظم دفتر محمد عتیق صاحب سے ملاقات ہوئی۔ امیر

ابھی تک دورہ پر تھے۔ محمد عتیق صاحب بہت اچھی طرح پیش آئے اور لنڈیچا اور لسکٹوں سے خاطر تواضع کی۔ آج بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب اور میں دفتر جماعت اسلامی گئے۔ محمد عتیق صاحب موجود تھے۔ امیر حلقہ ابھی تک صوبہ کے دورہ سے واپس نہیں آئے تھے۔ ہم نے ڈاکٹر صاحب کی اُردو اور انگریزی کی کتاب کا ایک سیٹ دارالمطالعہ کے لئے پیش کیا۔ عتیق صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا بہت اکرام کیا اور بڑی خاطر تواضع کی انڈیا اور خصوصاً صوبہ ٹائل ناڈو میں جماعت کے کام کے سلسلہ میں عتیق صاحب نے ہمیں تفصیلات سے آگاہ کیا۔ حیدر آباد دکن میں ہونے والے سالانہ اجتماع کی تیاریاں زوروں پر تھیں۔ اس وجہ سے امیر حلقہ کا دورہ کچھ زیادہ طویل ہو گیا تھا۔ عتیق صاحب کے اخلاق سے ہم بہت متاثر ہوئے انہوں نے ہمیں محسوس تک نہ ہونے دیا کہ ہم کسی ”غیر ملکہ“ ہیں۔

حافظ مسجد والا جابی میں سوادس بچے ڈاکٹر صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ آج چوتھی تقریر تھی — اس کا موضوع تھا! ”اندرون ملک عرب مقاصد رسالت کی تکمیل“

ان تقریروں میں ڈاکٹر صاحب کو دو مشکلات کا سامنا تھا۔ ایک تو یہ کہ یہاں پر قاعدہ ہے کہ تقریر کے بعد ہر شخص مقررہ سے معاف بلکہ ہاتھ چومنے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہمارے ڈاکٹر صاحب بڑے لمبے چوڑے القابا والے مولانا صاحب، تو ہیں نہیں جو اپنے ہاتھوں پر بوسوں کی بارش سے پھولے نہیں ساتے۔ ڈاکٹر صاحب تو ان چیزوں سے دور بھاگتے ہیں۔ دوسری مشکل یہ تھی کہ تقریر کے بعد باؤز بلند سلام کا پڑھنا یہاں پر لازمی (MUST) تھا جس سے مفرک کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی اور جو اس سے بھاگا اُس پر وہابی کا ٹھپہ لگ جاتا تھا۔ جامع مسجد پیری میٹ اس لحاظ سے بہتر تھی کہ وہ ان بدعات اور خرافات سے پاک تھی ڈاکٹر صاحب نے ان مشکلات کا ذکر ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کیا ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ہمارے ڈاکٹر صاحب کی مشکل کو سمجھ گئے اُن کا خود اپنا معاملہ ”بین بین“ تھا۔ ان دو مشکلات کا حل یہ نکالا گیا کہ ڈاکٹر صاحب

کی تقریر کے بعد ڈاکٹر نذیر محمد صاحب یا کوئی اور صاحب مختصر سی تقریر کر دیا کریں اور ڈاکٹر صاحب اپنی تقریر کے بعد اس دوسری تقریر کو صبر و سکون کے ساتھ سننے کی تلقین کر کے ”موقعہ سے فائدہ اٹھالیا کریں“۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس دوران ڈاکٹر صاحب آہستہ سے ”کھسک“ باتے تھے۔ لیکن اسٹیج سے کار تک تیز تیز قدم سے پہنچتے پہنچتے بھی کچھ نہ کچھ لوگ اٹھ کر مصافحہ کرنے کی کوشش کر ہی ڈالتے تھے۔ شروع شروع میں تو کافی کانام پھوسی ہوتی رہی کہ یہ مولوی تو وہابی معلوم ہوتا ہے سلام نہ صرف یہ کہ پڑھتا نہیں بلکہ سلام کے وقت موجود بھی نہیں رہتا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب کی پُر اثر تقریر نے رفتہ رفتہ اس کانام پھوسی کے غبارہ سے ہوا نکال دی اور لوگ ان سب باتوں کے عادی سے ہو گئے۔ واضح ہے کہ جلسہ کی حاضری میں کوئی کمی نہیں آئی بلکہ روز بروز حاضری بڑھتی ہی رہی اور ان جلسوں میں وہ لوگ بھی رفتہ رفتہ آنا شروع ہو گئے جو اپنے مخصوص عقائد کی وجہ سے ان جلسوں میں آنے کا نام تک نہ لیتے تھے بلکہ لوگوں کو جاننے سے روکتے تھے اور جو نہیں رکنا تھا اُس پر ”بدعتی“ کا ٹھپہ لگا دیتے تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے اکثر علماء فرقہ دارانہ سطح سے نیچے آنے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ اپنی ڈفلی اپنا راگ ہے۔ اُن کا کام بس یہ رہ گیا ہے کہ اپنے فرقہ کی مسجدوں میں اپنے فرقہ کی خوبیاں بیان کر دے اور دوسرے فرقہ کے خلاف دھواں دھار تقریروں کی توپوں سے گولے داغے۔ اور لوگ خوش ہو جاتے ہیں کہ ”واہ کیا کمال دکھایا ہے میرے مولوی نے“ یہ تو ہیں تقریباً ہر فرقہ کی طرف سے ایک دوسرے کے خلاف دائمی جاتی ہیں اور دائمی جاری ہیں مولوی بیچارہ اس کے لئے مجبور بھی ہے اس لئے کہ اُس کی تعلیم بھی اسی نہج کی ہوتی ہے اور اُس کا ملوہ مانڈا بھی اُسی سے چلتا ہے (الہاماً شاء اللہ) اس مقام پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر نے ہوا کا رخ کچھ بدلا ہے۔ اتحاد بین المسلمین کا کچھ مظاہرہ ہوا ہے گلشن میں کچھ تو پھول کھلے ہیں۔ کاش کہ ان پھولوں کو پھر بادیہ صمر اُڑا کر نہ لے جائے۔ کاش کہ فرقہ واریت نے دور، ”اسلامیت“ کا شخص ابھرے۔ ہندوستان میں مسلمان جس صورت حال سے دوچار ہیں اُس میں تو یہ اور بھی ضروری ہے کہ وہاں اُن کے درمیان فقہی کلامی

اور اس نوع کے اختلافات ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم ان میں اعتدال تو پیدا ہوتا کہ  
ایک اُمتِ مسلمہ کا تصور اُبھرنے میں مدد ہو سکے۔ شاعر مشرق نے کیا خوب کہا ہے  
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں  
کیا دنیا میں پینے کی یہی باتیں ہیں  
اور

یوں تو سید بھی ہو۔ مرزا بھی ہو افسان بھی ہو!  
تم سبھی کچھ ہو، بناؤ تو مسلمان بھی ہو!  
اسپین کی سر زمین سے جہاں ہم نے سینکڑوں سال نہایت شان و شوکت  
سے حکومت کی تھی ہم مٹا دیے گئے ہم نسیا منسیا ہو گئے۔ جیسے کہ ہم وہاں کبھی  
تھے ہی نہیں۔ بھارت میں بھی کبھی خاموشی سے اور کبھی منظر عام پر ہماری  
نسل کشی کی کوشش ہو رہی ہے۔ اس صورت میں تو اتحاد بین المسلمین کی  
شدید ضرورت ہے۔ سیدہ پلائی ہوئی دیوار بننے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ نہیں  
تو پھر کچھ نہیں۔ اسپین کی مثال ہمارے سامنے ہے۔  
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندی، مسلمانو! ملے  
مہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں  
ہے کوئی رمل رشید۔ جو ہماری اس بات پر کان دھرے!

(جاری ہے)

**ضروری تصحیح :-** جنوبی ہند کے دورہ کے رپورٹار کی پہلی قسط میں صفحہ ۵۲  
پر عبارت کی کتابت میں کچھ غلطی ہو گئی ہے۔ اس کو اس طرح پڑھا جائے۔  
”ہم اے ہاں کے ایک مشہور ادیب نے اپنے تصوراتی ملک ’اقباستان‘ کی ہوائی کپنی کا نام  
رکھا تھا ”بال جبریل“۔ ”اقباستان“ کے لئے کچھ اور نام بھی انہوں نے تجویز کئے تھے  
منہ کامزہ بدلنے کے لئے آپ بھی سن ہی لیجئے۔ ریڈیو اسٹیشن کا نام ”بانگ درا“ میوزیم  
کا نام ”ارمغان عجاز“ جماعتی و ثقافتی زندگی میں رہنمائی کرنے والے محکمہ کا نام ”اسرار و  
روز“۔ مملکت کے صدر مقام کا نام ”خودی آباد“ اور حکومت کے سربراہ کا لقب ”مہاراجہ  
جنوں“۔ کہئے طبیعت خوش ہو گئی!“ (ق - ۶ - ۷ - ۸)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ: (الحديث)  
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

آپ کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

## نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپیے
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تعاریف کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱-۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریہ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	عظمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (مبوقت یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے اسکام (سورۂ احزاب کی روشنی میں) (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دور کو ع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰ / -
۱۵	خلافتِ اشدھ کی شرعی اور تاریخی حیثیت (۶۰-سی دو کیسٹ)	۳۲-۳۳	۵۵ / -
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) (۹۰-سی دو کیسٹ)	۳۴-۳۵	۶۰ / -
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا رکوع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۳۶-۳۹	۱۰۰ / -
۱۸	شہادتِ حسینؑ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰ / -
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرأت (۹۰-سی ستا کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰ / -
۲۰	سورۃ الحج (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰ / -
۲۱	درس قرآن سورۃ صاف والجمعہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰ / -
۲۲	سیرتِ نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰ / -
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰ / -
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰ / -
۲۵	خطاب بموقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵ / -
۲۶	قرآن کا فلسفہ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰ / -
۲۷	خطاب جمعہ (تاریخِ اُمتِ مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵ / -

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلبہ فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ دی۔ پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القُدان، کیسٹ سیدین لاہور ۱۴۰۴ھ

تنظیم اسلامی ۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۸۵۲۶۱۱  
۸۵۲۶۸۲



## تعارف الکتاب

بارہواں پارہ

### وَمَا مِنْ دَابَّةٍ

قرآن مجیم کا بارہواں پارہ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس کے نصف زاید پر سورۃ ہود پھیلی ہوئی ہے۔ اور لقیہ حصے میں سورۃ یوسف کا تقریباً نصف حصہ آگیا ہے سورۃ ہود کے باقیے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس کے وہ مضامین سورۃ اعراف کے مضامین سے بہت مشابہہ ہیں۔ یعنی اس کے اکثر حصے میں بھی اولو العزم من الرسل یعنی ان چھ اولو العزم رسولوں کا ذکر ہے۔ جن کی قوموں نے ان کی دعوت سے انکار کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ہلاک کر دیا۔ یعنی قوم عاد جن کی طرف حضرت نوح بھیجے گئے تھے۔ قوم ثمود جن کی طرف حضرت صالح مبعوث ہوئے۔ قوم لوط، اسحاب مدین جن کی طرف حضرت شعیب بھیجے گئے۔ اور آل فرعون جن کی طرف حضرت موسیٰ بھیجے گئے۔ ان قوموں کے حالات کا ذکر قرآن مجید میں جو بار بار آتا ہے، تو درحقیقت اہل عرب کو بالعموم اور قریش مکہ کو بالخصوص تنبیہ کے لئے کہ اگر تم نے بھی وہی روش اختیار کی ہمارے رسول کے ساتھ تو تمہارا حشر اور انجام بھی وہی ہوگا۔ جو سابقہ امتوں اور قوموں کا ہو چکا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے حالات قرآن مجید میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورۃ مبارکہ میں وارد ہوئے ہیں۔ اور ان کے احوال کے ضمن میں وہ دردناک نقشہ بھی پیش کر دیا گیا ہے کہ جب عذاب الہی نازل ہو گیا اور سیلاب اور طوفان آگیا اور حضرت نوحؑ اور اہل ایمان کشتی میں سوار ہو گئے تو حضرت نوحؑ نے اپنے ایک بیٹے کو دیکھا کہ وہ بھی اسی سیلاب میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ تو حضرت نوحؑ نے پکارا۔

يٰبُنَيَّ اَرْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝

حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کو آواز دی کہ اے میرے بیٹے آؤ اور اس کشتی

میں سوار ہو جاؤ۔ اور کافروں کا ساتھ نہ دو۔ اس بد بخت نے جواب دیا۔

قَالَ سَأُوْحٰی اِلٰی جَبَلٍ لِّیَحْصِرَنِیْ مِنَ الْمَآءِ ط

اس کی نگاہ اسباب و وسائل پر تھی۔ اس نے جواب دیا کہ میں عنقریب پہاڑ

پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے اس پانی سے اس سیلاب سے بچالے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے انتہائی دردناک پیرائے میں فرمایا۔ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَکَ مِنْ اَمْرِ الَّذِیْ لَا مَنَّ سِوَ حِمْطِ اَیَّامِکَ الْیَوْمِ ط آج کے دن اللہ کے حکم سے کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ اللہ ہی کسی پر رحم کھائے اسی اشار میں ایک بڑی موج باپ اور بیٹے کے مابین حائل ہو گئی اور بیٹا غرق ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں رشتہ داروں کا معاملہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اگر ایک جلیل القدر پیغمبر کا بیٹا بھی کفار کے ساتھ تھا۔ تو انہی کے انجام کے ساتھ دوچار ہوا۔ اور پیغمبر کی نگاہوں کے سامنے وہ بھی غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو گیا۔ یہی بات ہے جو بنی اکرم نے ایک بار اپنے انتہائی قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کو ایک جگہ جمع کر کے فرمائی۔ اے فاطمہ! محمد کی بیٹی خود اپنے آپ کو اگلے بچانے کی فکر کر دو۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے بارے میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

سُورۃ ہود کے بعد قرآن مجید میں سورۃ یوسف آتی ہے یہ سورۃ مبارکہ

پورے قرآن مجید میں اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس پوری سورۃ میں ایک نبی کے حالات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے احوال۔ حضرت یوسفؑ حضرت ابراہیمؑ کے پڑپوتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کو حجاز میں آباد کیا بیت اللہ میں آباد کیا۔ ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ ہیں۔ جن کا لقب اسرائیلؑ ہے اور انہی سے بنی اسرائیل ایک عظیم قوم اور ایک بڑی امت دنیا میں چلی۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے۔ دس بڑے بیوی سے اور دو چھوٹی بیوی سے۔ یہ دو حضرت یوسف اور ان کے حقیقی

بھائی بنیامین تھے۔ حضرت یعقوب کو ان دونوں سے بہت پیار تھا۔ بڑے بیٹوں میں اس سے حسد اور رقابت کا مادہ پیدا ہوا انہوں نے حضرت یوسفؑ کا کانٹا اپنے راستے سے نکالنے کے لئے باہمی مشاورت سے حضرت یوسفؑ کو ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت اللہ تعالیٰ نے ان کی اس عداوت و دشمنی کو حضرت یوسفؑ کے دنیاوی عروج کا زینہ بنا دیا۔ چنانچہ قافلے نے جو اس راستے سے گذر رہا تھا۔ جب ان کے پانی بھرنے والے نے اپنا ڈول اس کنویں میں پھینکا۔ تو حضرت یوسفؑ اس کی رسی پکڑ کر باہر آ گئے۔ قافلے والوں نے انہیں غلام بنا لیا اور بڑی جلدی سے کہ مبادی کوئی طلب دار یا دعوی دار آجائے فوراً گھر پہنچ کر انہیں اونے پونے داموں فروخت کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت دیکھئے کہ حضرت یوسفؑ کا خریدار مصر میں اس وقت کا ایک بہت بڑا عہدیدار عزیز مصر تھا۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو خریدا اور اپنی بیوی کو خصوصی ہدایت دی کہ اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر دو۔

ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے لئے مفید ثابت ہو اور کیا عجب کہ اسے ہم اپنا بیٹا ہی بنالیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے پر عمل درآمد کے لئے مختار مطلق ہے۔

اکثر لوگوں کو اس کا فہم نہیں ہے۔ لوگ جس کا بُرا چاہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کا بُرا چاہنے ہی سے اس کے حق میں کسی خیر کا فیصلہ صادر فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ خود نبی اکرمؐ نے اپنے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کو خصوصی تلقین فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ کہ اس حقیقت کو ذہن نشین کر لے کہ اگر سب لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو نہ پہنچا سکیں گے۔ مگر بس اتنا کہ جتنا اللہ نے لکھ دیا ہو۔ اور تمام انسان مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہیں۔ تو نہیں پہنچا سکیں گے۔ مگر صرف اتنا کہ جتنا اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہو۔ عجیب بات یہ ہے کہ عزیز مصر نے اپنی بیوی کو تلقین کچھ اور کی تھی۔ لیکن اسکی

نیت کسی اور طرف بھٹک گئی۔ اس نے حضرت یوسفؑ کو گناہ کی دعوت دی۔ حضرت یوسفؑ پر اللہ کا فضل ہوا کہ انہوں نے اس کی گناہ کی دعوت ٹھکرا دی۔ لیکن وہ بد بخت اس سے تملکا کر رہ گئی اور اس نے حضرت یوسفؑ سے عداوت اور دشمنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں حضرت یوسفؑ کو بالآخر جیل میں ڈال دیا گیا۔ لیکن انبیاء اور رسل اور اللہ کی طرف بلانے والوں کی یہ عجیب سنت کہ وہ ہر حال میں اپنے مشن کی طرف راستہ نکال لیتے ہیں چنانچہ حضرت یوسفؑ نے جیل میں بھی دعوت توحید کا آغاز کر دیا۔ اپنے جیل کے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

يٰصَاحِبِ السِّجْنِ اَسْرَبْتُ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ اَمِ اِلٰلٰهٍ  
الْوَحِدِ الْقَهَّانِ ط

میرے جیل کے ساتھیو! کیا یہ بہت سے معبود بہتر ہیں یا صرف اللہ جو سب پر چھایا ہوا ہے۔ سب پر حاوی ہے۔

اس کے بعد توحید کا وہ لغزہ مستانہ ان کی زبان پر آتا ہے۔

اِنَّ الْحُكْمَ اِلَّا لِلّٰهِ ط۔ اَمْرًا لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ط  
حکم کا اختیار سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں۔ حاکمیت صرف اسی کے لئے ہے۔  
جیسا کہ علامہ اقبال نے فرمایا۔

سرورِ زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے ؎

حکمران ہے اک وہی باقی بتانِ آذریٰ ؎

تو ارشاد فرماتے ہیں اپنے جیل کے ساتھیوں سے کہ حکم صرف اللہ کے لئے ہے۔ اور اس نے صرف یہ حکم دیا ہے۔ کہ اسکی سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ اسکے سوا کسی کی پرستش نہ کرو۔ یہی ہے دینِ قیم یہی ہے سیدھا دین۔ یہی ہے دینِ حق جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم رہنے والا ہے۔ اللہ ہمیں بھی اس دینِ حق پر کاربند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

## تیرھواں پارہ وَمَا أُبْرِيْ

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

قرآن مجید کا تیرھواں پارہ ”وَمَا أُبْرِيْ نَفْسِي“ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سورہ یوسف کا نصف شامل ہے اور اس کے بعد دو نسبتاً چھوٹی سورتیں یعنی سورہ رعد اور ابراہیم پوری پوری شامل ہیں اور آخر میں ایک آیت سورہ حجر کی شامل ہے۔ سورہ یوسف کا جو حصہ اس پارے میں آیا ہے۔ اس کا آغاز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قدرت کے اس ظہور سے کہ جس کے نتیجے میں حضرت یوسفؑ مصر کی جیل سے نکل کر حکومت مصر کے ایک انتہائی با اثر عہدے پر فائز ہوئے۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں مصر میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا۔ اور اس کے ساتھ ہی بادشاہ کا وہ خواب جس کی تعبیر حضرت یوسفؑ نے یہ بتائی تھی کہ سات سال تو بڑی خوشحالی کے آئیں گے۔ اور اس کے بعد سات سال ایک شدید قحط پڑنے والا ہے۔ تو جب اس قحط کا زمانہ آیا۔ اور یہ قحط صرف مصر میں نہیں تھا۔ بلکہ اس کے اطراف و جوانب میں بھی تھا۔ چنانچہ اس کے اثرات سرزمین فلسطین تک بھی پہنچے۔ جہاں حقہ یعقوبؑ کے دس بیٹے یعنی حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائی مصر میں آئے تاکہ غلہ حاصل کریں۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو پہچان لیا۔ لیکن ان کے دیم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ عزیز مصر کی صورت میں ہمارا وہی بھائی تخت پر بیٹھا ہے۔ جسے ہم نے اپنے ہاتھوں ایک اندھے کنویں میں پھینک دیا تھا۔ اس کے بعد جب وہ دوبارہ غلہ لینے کے لئے توان کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہو چکی تھی۔ حضرت یوسفؑ نے اصرار کر کے اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی

بلایا۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے پاس غلہ کی قیمت ادا کرنے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اور انہوں نے انتہائی عاجزی کے ساتھ خیرات کی استدعا کی۔ اس پر حضرت یوسفؑ سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔ اور انہوں نے اپنے آپ کو اپنے بھائیوں پر ظاہر کر دیا۔ یہ وہ وقت ہے جبکہ کوئی بھی دنیا دار انسان یا جس کے ظرف میں کسی قسم کی بھی کمی ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کو یاد دلاتا۔ کہ تم نے مجھ پر کیا مظالم ڈھائے تھے۔ لیکن اللہ کے بنی اور رسول کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کچھ معذرت پیش کرنے کی کوشش کی تو حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

لَا تَثْرِيْبٌ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ  
الرّٰحِمِيْنَ ۝

آج کے دن تم پر کچھ عتاب (ولامت) نہیں ہے۔ خدا تم کو معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

لَا تَثْرِيْبٌ - آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے یا درہنا چاہیے کہ یہی وہ الفاظ تھے جو تقریباً دو ڈھائی ہزار سال بعد مکے کی سرزمین میں حضورؐ کی زبان مبارک سے اس وقت نکلے جب آپ فاتح کی حیثیت سے مکے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ لوگ آپ کے سامنے مفتوحین کی طرح کھڑے تھے۔ جنہوں نے آپ کو مکے سے نکلنے پر مجبور کیا تھا۔ اور اس کے بعد بھی تقریباً آٹھ برس تک مدینہ میں چین سے بیٹھنے نہ دیا تھا۔ ان حضورؐ نے اس وقت فرمایا۔ کہ میں بھی آج تم سے وہی بات کہوں گا۔ جو میرے بھائی یوسفؑ نے کہی تھی۔ لَا تَثْرِيْبٌ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ۔

آج میں تمہیں ملامت کا کوئی لفظ بھی نہیں کہنا چاہتا۔ جاؤ تم سب سب آزاد ہو۔ حضرت یوسفؑ نے اس کے بعد اپنے بھائیوں کو کہہ کر اپنے والدین کو بھی مصر بلایا۔ ان کے والدین اور سارے گیارہ بھائی تعظیماً ان

کے سامنے سجدے میں گر گئے تو گویا کہ حضرت یوسف کا وہ خواب جو کہ انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ وہ واقعہ بن کر سامنے آگیا۔ اس سورۃ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ ظاہری حالات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ انتہائی مایوس کن حالات میں بھی کامیابی کی صورتیں فراہم کر سکتی ہے۔ آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی میں فرمایا گیا کہ اے نبی آپ ان کفار کے افکار سے رنجیدہ نہ ہوں۔ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝

آپ کو ان کے ایمان کی خواہ کتنی ہی خواہش و تمنا ہو۔ ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ وہ اپنے کفر اور اپنے ارادہ انکار پر اڑ گئے ہیں۔ ایک اور بڑی عظیم حقیقت جو بیان فرمائی گئی اس سورۃ مبارکہ کے تقریباً اختتام پر وہ یہ ہے کہ دنیا میں انسانوں کا معاملہ عجیب ہے۔ کہ وہ اللہ کو مانتے تو ضرور ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کا شرک بھی ضرور کرتی ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ۝  
لوگوں کی اکثریت اللہ کو مانتی تو ہے لیکن اس کے ساتھ کسی نہ کسی نوع کا شرک ضرور کرتی ہے۔ ساتھ ہی حضور کو حکم دیا گیا۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ قَدْ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۝  
وَسُبْحَنَ اللَّهِ ۝ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝

لوگو یہ میرا راستہ تو حید کا راستہ ہے۔ خدا کی بندگی اور خدائے واحد کی پرستش کا راستہ ہے۔ میں اسی کی طرف تمہیں بلارہا ہوں۔ اور علی وجہ البصیرت بلارہا ہوں اور میں بھی بلارہا ہوں۔ اور وہ بھی جو میری پیروی کر رہے ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور دوسرے صحابہؓ۔

سورۃ یوسف کے بعد جیسا کہ میں نے عرض کیا۔ قرآن حکیم میں دو نسبتاً چھوٹی سورتیں یعنی سورۃ رعد اور سورۃ ابراہیم ہیں۔ سورۃ رعد میں سورۃ یونس اور

سُورۃ انعام کی طرح آفاق و انفس کے دلائل سے اور اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور معنوی نعمتوں کے حوالے سے توحید کی دعوت دی گئی ہے۔ آخرت کا اثبات کیا گیا ہے۔ نبوتِ محمدی کا اثبات کیا گیا ہے۔ ایک عجیب پر ایہ بیان اختیار کیا گیا کہ یہ لوگ آخرت پر تعجب کرتے ہیں کہ کیسے جب ہم سب مر جائیں گے اور مٹی ہو کر مٹی میں مل جائیں گے تو ہمیں اٹھالیا جائے گا۔ فرمایا۔

اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ؕ اِذَا كُنَّا تُرَابًا ؕ اِنَّا لَعِنٌ خَلِقْ جَدِیْلٌ  
کہ اے مخالف اگر تمہیں تعجب کرنا ہی ہے۔ تو قابلِ تعجب ان کی بات ہے کہ وہ اللہ کی قدرت سے بعید سمجھتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے اگر تو انسان اللہ کا ہی انکار کر دے تو وہ بات دوسری ہے۔ لیکن اگر وہ اللہ کو مان لے اور یہ تسلیم کر لے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ تو پھر آخرت پر اس کا تعجب کرنا یقیناً قابلِ تعجب ہے۔ سُورۃ ابراہیم کچھ دیگر انبیاء اور رسل کا ذکر ہے لیکن قدرے تفصیل سے حضرت ابراہیم کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ وہ امام الموحدین ہیں۔ توحید اور ایمان باللہ کے سلسلے میں اس سورۃ مبارکہ میں ایک جگہ بڑے عجیب الفاظ وارد ہوئے۔ اِنِّی اللّٰهُ شَكُّ فَا طِیْرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

”لوگو! کیا اللہ کے بارے میں کوئی شک لاحق ہو سکتا ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے۔“ آخرت کے احوال کے ضمن میں فرمایا گیا وہ شیطان لعین جس کی پیروی کر رہے ہو۔ جس کے اغوا و اضلال کی وجہ سے تم گمراہیوں میں بھٹک رہے ہو۔ قیامت کے دن وہ تم سے اظہارِ ربّات کرے گا۔ اور یہ کہے گا۔ فَلَا تَلُوْا مُوْنِیْ وَلَوْ مُوْا اَنْفُسَکُمْ ؕ

مجھے ملامت نہ کرو۔ ملامت کرو اپنے آپ کو اپنے نفس کو کیونکہ میں نے تو تمہیں صرف گناہ کی دعوت دی تھی اس دعوت کو قبول کرنا یا نہ کرنا تو تمہارے اختیار میں تھا۔ مجھے تم پر کوئی اختیار حاصل نہیں تھا۔ تم نے اگر گناہ کی دعوت پر لبیک کہا۔ تو اصل مجرم تم خود ہو۔ اب تمہیں بھی اپنے کئے کی



# اسلام اور

## حقوق اطفال

از قلم: غازی عزیز (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب

پانچویں قسط

بچوں کو عقیدہ کی بنیادی تعلیم دینا | بچوں کو عقیدہ توحید کی بنیادی

کیونکہ اسلامی عقائد میں سب سے افضلیت اسی عقیدہ کو حاصل ہے۔ جناب ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے اپنے تبلیغی پمفلٹ ”نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے“ کے زیر عنوان عقیدہ توحید کی بہت جامع تعلیم پیش کی جو ذیل میں ہدیہ ناظرین ہے:-

”یاد رکھو! کہ عقیدہ کے اندر معمولی سے معمولی خرابی بھی ناقابل معافی جرم ہے۔ اس کے علاوہ اعمال کی ساری خرابیاں انشاء اللہ معاف ہو جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”میں شرک کو ہرگز معاف نہ کروں گا، اس کے علاوہ ہر خرابی کو جس شخص کے لئے چاہوں گا معاف کر دوں گا۔“ حدیث قدسی میں ہے کہ: ”اگر کسی شخص نے ساری زمین گناہوں سے بھر دی ہو مگر شرک پر اُس کی موت نہ آئی ہو تو اللہ تعالیٰ ان گناہوں کے برابر معافی کے ساتھ اس شخص سے ملاقات کرے گا۔“ (مسلم)

دنیا کی تاریخ میں جس قدر قومیں برباد ہوئی ہیں اُن کی اصلی خرابی شرک یا بتی اور آج ہماری مسلم قوم بھی اسی چیز کی وجہ سے بربادی کے کنارے تک پہنچ گئی ہے۔ قُلْ سَيُرَوُّا فِي الْأَرْضِ فَنَنْظُرُوكَ كَيْفَ كَانَتْ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ كَان أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ۔ (سورۃ روم - آیت ۴۲) ”ترجمہ: اُن سے کہو کہ زمین پر چلو پھرو اور دیکھو کہ تم سے پہلے کتنی ہی بستیاں تھیں کہ آخر کار تھیں نہیں کر ڈالی گئیں (اُن کا جرم یہی تو تھا کہ) اُن کی اکثریت مشرک بن گئی تھی“ (سورۃ روم - آیت ۴۲) خدا گواہ کہ ذلت و بربادی سے ہمکنار اس ملت کے لئے صرف ایک ہی راہ نجات

لَهُ اِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ لَهٗ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَالنَّسَاءُ - ۱۶

ہے اور وہ یہ کہ اس کے سچے فرزند اٹھیں اور پکاریں کہ دنیا چند روزہ ہے، آخرت کی کامیابی کے حصول کی منکر کرد، شرک سے بچو، توحید پر قائم رہ کر سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپناؤ، صرف اسی طرح تمہاری بربادی آباد کاری میں اور ذلت و رسوائی عزت و سرمنازی میں بدل سکتی ہے۔ یہ کام اب بھی نہ کیا گیا تو پھر قصہ پاک ہے۔ (الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلمٍ اولئک لہم اجر الامن و ہم فہتدون ۵ (الانعام - آیت ۸۲) ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک کی ملاوٹ نہیں کی انہیں کے لئے امن و سلامتی ہے اور وہی راہ راست کو پا گئے۔ (اس آیت میں ”ظلم“ کے معنی ”شرک“ زبان نبوت نے خود بیان فرماتے ہیں، (بخاری و مسلم)

آذکر کلمہ ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ کو پوری طرح سمجھ کر شرک و بدعت سے بیزاری اور توحید و سنت کے ساتھ اپنی وابستگی کا اعلان کریں، پھر اللہ کا نام لے کر اس راہ میں قدم جما دیں۔ اللہ ہمارا حامی و ناصر اور تمہارا بھی۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں جو خالق و مالک کہلاتے جانے کا مستحق ہو، جسے عالم الغیب، حاضر و ناظر، مختار کل سمجھا جائے، نفع و نقصان جس کی مٹھی میں ہو، دستگیری، حاجت روائی، مشکل کشائی، اور فریاد رسی جس کی صفت ہو، اٹھتے بیٹھتے جس کو پکارا جائے، جس سے غائبانہ خوف کھایا جائے، امیدیں وابستہ کی جائیں جس پر توکل کیا جائے، واسطہ و وسیلہ کے بغیر جس سے دعائیں مانگی جائیں، جس کے حضور رکوع و سجود ہو، جس کے نام کی نذر و نیاز کی جائے، قانون سازی جس کا حق ہو، سب جس کے بندے اور محتاج ہوں، کسی کو اُس پر زور یا زبردستی کا یا ر نہ ہو۔

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ کے اقرار کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں۔ ان کے قول و عمل کے سامنے کسی کا قول و عمل ہرگز قابل قبول نہ ہوگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کی وہی تعبیر معتبر ٹھہرے گی جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔ قیامت تک سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے ہر شعبہ میں سفر آخری ہے اور ہر قسم کی بدعت قابل رد اس عقیدہ

کا مالک گناہگار سے گناہگار بندہ آخر کار جنت کی بادشاہی میں پہنچ کر رہے گا (انشاء اللہ)  
اور اس کے خلاف عقیدہ رکھنے والا جنت کی خوشبو تک نہ پاسکے گا چاہے وہ دن میں ہزار  
نمازیں پڑھنے والا ہر روز تہجد ادا کرنے والا، ہمیشہ روزہ رکھنے والا صائم الدہر ہو۔“

**بچوں کو سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ کی تعلیم دینا** | اس بنیادی تعلیم

کے ساتھ اساس اسلام یعنی سنتِ نبویؐ و آثارِ صحابہؓ کی تعلیم بھی دینی چاہیے تاکہ وہ  
صحیح دین کو سمجھیں اور ان میں اسلامی فکر بیدار ہو۔ بلاشبہ اسلام کی اساس صرف  
انہی دو چیزوں پر قائم ہے (۱) قرآن کریم (۲) احادیثِ نبویؐ۔ بعض روایات میں ملتا  
ہے کہ آپؐ نے فرمایا میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑتا ہوں (ایک کتاب اللہ دوسری  
اپنی سنت)، جب تک ان پر قائم رہو گے حق پر رہو گے ”ترکت فیکم افسرین  
لن تعزلوا ما تمسکتم بہما“ کتاب اللہ و سنتہ رسولی“ (رواہ  
مالک فی الموطاء) اسلام کے ان دو کامل ترین ماخذ کے علاوہ اگر کسی تیسری چیز کو ملاوی  
ماخذ تسلیم کیا جائے اور وہ ماخذ کتاب اللہ و سنت رسولؐ کی تعلیمات کے علاوہ کوئی تیسری  
چیز پیش کرتا ہو تو یقیناً گمراہی و ضلالت ہوگا۔ بچوں کو یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی اتباع کے ساتھ آپ کے خلفاء راشدین کی اتباع  
اور اولین ہدایت یافتہ مہاجرین و انصار و صحابہ کرام کے آثار کا لحاظ ہی دراصل شریعت  
و دین ہے۔ ابی نجیح العریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے تمام مسلمانوں کو وصیت فرمائی ہے۔

۱۔ .... وَإِنْ تَطِيعُوا تَهْتَدُوا  
ترجمہ: اگر تم اس کی (رسول اللہ کی) اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔  
(النور- ۵۴)

اور  
وَمَا أَسْكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوا  
وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا  
ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسولؐ سے  
اس کو پکڑ لو اور جس چیز سے روکے  
(یعنی منع کرے) اس سے بچو۔  
(الحشر- ۷)

فَانْ مِنْ يَعْشُ مِنْكُمْ فَيَسْرِ  
اِخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ  
بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ  
الَّتِي شَدَّيْنِ الْمُهَدَّيْنِ ،  
عَضُّوا عَلَيْهَا بِالسَّوْاجِدِ وَ  
اِيَّاكُمْ وَحَدَّثَاتِ الْأُمَمِ ،  
فَإِنَّ كُلَّ مُحَدِّثٍ بَدْعٌ  
وَكُلُّ بَدْعٍ ضَلَالَةٌ  
كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّاسِ -  
(رواه البودادوي والترمذي وقال  
حسن صحيح)

”ترجمہ: بلاشبہ وہ جو تم میں سے باقی  
رہتا ہے (بعد میرے)، بہت اختلاف  
دیکھے گا۔ پس تم سب پر لازم ہے کہ  
میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ  
خلفاء راشدین کی سنت کو معنوی  
سے تھامے رکھو۔ اور محدثات سے  
ہوشیار رہو کہ دین میں ہر نئی بات  
پیدا کرنا ایک بدعت ہے اور ہر  
بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم  
کو لیجانے والی ہے۔“

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:-

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ  
وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللَّهَ  
وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِي فَقَدْ  
أَطَاعَنِي وَمَنْ عَصَى أَمِيرِي  
فَقَدْ عَصَانِي - (صحیح بخاری)  
”ترجمہ:- جس نے میری اطاعت  
کی پس اس نے اللہ کی اطاعت کی  
اور جس نے میرے ساتھ شدت  
اختیار کی اُس نے اللہ کے ساتھ  
شدت اختیار کی اور جس نے میرے  
امیر کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے امیر کیساتھ  
شدت اختیار کی اس نے میرے ساتھ شدت اختیار کی۔“

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے تمام امت مسلمہ کو خبر دیا  
کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ان میں سے  
ایک فرقہ کے علاوہ (یعنی جو میری سنت اور میرے صحابی کی سنت پر عمل کرنے والے ہوں)  
راہ حق پر ہوں گے، بقیہ سب دوزخی ہوں گے۔ ذیل میں حدیث ملاحظہ فرمائیں:  
وَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
سَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثَةِ  
”ترجمہ:- اور بیان فرمایا رسول اللہ  
ﷺ اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت

وسبعين فرقة، كلهم في النار إلا ملة واحدة. قالوا: من هي يا رسول الله؟ قال ما أنا عليه اليوم وأصحابي - (رواه أحمد و أبو داود وغيرهما) پر عمل کرنے والی ہوگی )

بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی یہ سب جہنمی ہوں گے، مگر ایک ملت۔ کسی نے پوچھا یہ (ایک ملت) کونسی ہے؟ آپ نے فرمایا جس چیز پر آج میں اور میرے صحابی ہیں (یہ جماعت بھی انہیں چیزوں

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم“ (صحیح مسلم) ایک اور روایت میں ہے کہ ”لو تركتم سنة نبيكم ضل الله عليه وسلم لكفرتم“

بچوں کو اخلاق و آداب و حسن معاملہ و مسابغات و اخوت کی تعلیم دینے کی ضرورت

بچوں کو اخلاق و آداب و حسن معاملہ و مسابغات و اخوت کی تعلیم دینا بھی بہت

ضروری ہے۔ یہ وہ صفحات ہیں جن سے انسان کے کردار میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام میں ان تمام باتوں کی بہت تاکید بیان ہوتی ہے اور ان کا شمار ”شعب الایمان“ میں کیا گیا ہے۔

امام ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الايمان بضعة وسبعون شعباً أعلاها قول لا اله الا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق والحياء شعباً من الايمان - (متفق علیہ)۔ امام بیہقی نے ”شعب الایمان“ میں سترہ چیزوں کا شمار کیا ہے اور ان کی شرح کئی جلدوں میں بیان کی ہے۔ الشیخ الامام ابو جعفر عمر القزوينی نے ان کو مختصراً اپنے ایک رسالہ ”مختصر شعب الایمان“ میں جمع کیا ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

(۱) الایمان باللہ، (۲) الایمان برسول اللہ، (۳) الایمان بالملائکہ، (۴) الایمان بالقرآن

مکام اخلاق کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں مثلاً :-  
 قبل ائى الایمان افضل یکا مع ترجمہ :- کسی شخص نے سوال کیا :  
 رسول اللہ قال خلق حسن رسول اللہ کون سا ایمان سب سے  
 افضل ہے آپ نے فرمایا اچھا اخلاق (حدیث)  
 ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا :-

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲) دیگر کتب آسمانی، (۵) الایمان بالقدر (خیر و شر کا اللہ کی طرف سے  
 ہونا)، (۶) الایمان بالیوم الآخر (۷) الایمان بالبعث بعد الموت والجزاء (۱۸) - الایمان  
 بحشر الناس (عذاب قبر)، (۹) - اس بات پر ایمان کہ دار المؤمنین جنت اور دار الکافرین  
 جہنم ہے، (۱۰) الایمان بوجوب محبتہ اللہ، (۱۱) الایمان بوجوب الخوف من اللہ (۱۲) الایمان  
 الرجا من اللہ (۱۳) الایمان بوجوب التوکل علی اللہ (۱۴) الایمان بوجوب تفویض الامر الیہ (۱۵) الایمان  
 بوجوب محبتہ النبیؐ اور آپ کی اتباع و طاعت، (۱۵) الایمان بوجوب تعظیم و تجلیل و توقیر النبیؐ  
 (۱۶) شیخ المزیبدینہ حتی یکون القنن فی النار أحب الی من الکف من (۱۷)  
 صحیح علم کو حاصل کرنا جس سے باری تعلق اور اس کے دین کی معرفت حاصل ہوتی ہو۔  
 (۱۸) علم نافع کو پھیلانا (یہ کتاب سنت کا علم ہے) (۱۹) قرآن کریم کی تعظیم کرنا خود پڑھنا،  
 دوسروں کو پڑھانا، اس کے احکام و حدود اور حلال و حرام کو حفظ کرنا، اس کے حفاظ کا احترام  
 کرنا، (۲۰) احداث و نجاسات طہارت حاصل کرنا (۲۱) مردوں کا پانچ وقت باجماعت  
 نماز پڑھنا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا :- اِنَّمَّا یُعْمَرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مِنْ اَمَنٍ بِاللّٰهِ -  
 سورۃ التوبہ آیت - ۱۸) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا سرائتم الرجل  
 یعتاد المسجد فاشهدوا له بالایمان (رواہ الترمذی وقال حدیث  
 حسن) (۲۲) اپنے مال میں سے زکوٰۃ نکال کر مستحقین کو دینا، (۲۳) روزہ (۲۴)  
 حج (۲۵) - جہاد فی سبیل اللہ (مال سے یا جان سے) (۲۶) اللہ کی اطاعت کے لئے  
 مسجد میں اعتکاف (۲۷) - فی سبیل اللہ کامرابطہ جو بلاد اسلامیہ کی حدود اور اخافتہ العدا  
 کے لئے ضروری ہے (۲۸) الثبات للعدو وقت القتال وعدم فرار (۲۹) امام یا اس  
 کے عامل کو مال غنیمت میں سے خمس ادا کرنا (۳۰) اللہ کے تقرب کے لئے عقیقہ، (۳۱)

اُکمل المؤمنین ایسکانا ترجمہ :- وہ شخص جس کا اخلاق  
 احسنہم خلقاً (تومذی) سب زیادہ بلند و احسن ہو اس کا  
 ایمان سب مومنوں میں کامل ترین ہے۔“

بقیہ حاشیہ ص ۶۵) واجب کفارات کا ادا کرنا جو چار ہیں کفارة الیمین، کفارة الظاہرۃ، کفارة القتل، کفارة الجماع (جو روزہ کی حالت میں کیا جاتے) (۳۲) الایفار بالعتود ریعنی اللہ نے کیا حلال کیا ہے اور کیا حرام کیا ہے اور کیا فرض کیا ہے اور قرآن میں کیا مد ہے) (۳۳) اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرنا اور اُس کے استعمال پر اُس کی تناء کرنا (۳۴) حفظ اللسان (۳۵) امانات کی حفاظت کرنا اور اُن کے مالک کو ادا کر دینا (۳۶) تحریم قتل النفس (مگر حق و جنایات کے ساتھ) (۳۷) تحریم و حفظ الفروج اور غرض الالبصار (۳۸) حرام مالوں پر ہاتھ کاٹنا (اس میں چوری، رشوت، سود اور غش شامل ہیں) (۳۹) کھانے پینے میں تورع اور اجتناب کا وجوب (۴۰) ایسے لباس کی تحریم جو مسلمانوں کی شان و تہذیب کے مخالف ہوں (۴۱) ملاہی و ملاعب (جن کی شریعت میں اجازت نہ ہو) کی تحریم (۴۲) نفقہ میں اقتصاد اور مال کو باطل طریقہ سے کھانے کی حرمت (۴۳) غل، حد، حقد اور اسی قسم کی چیزوں کو ترک کر دینا (۴۴) غیبت اور غیبت جیسی چیزوں کی تحریم (۴۵) ریا کو ترک کرنا اور اللہ کے لئے نیت و عمل میں اخلاص پیدا کرنا (۴۶) اچھی چیزوں پر خوشی اور بُری چیزوں پر غم (۴۷) تمام گناہوں کا علاج توبہ سے (۴۸) اللہ کے نام سے ذبح کرنا خواہ عقیقہ ہو یا اُضغیۃ (۴۹) اولی الامر کی اطاعت کرنا (اس میں وہ امراء و علماء شامل ہیں جو معروف کا حکم کریں) (۵۰) اپنے عقائد و اعمال اخلاق اہل سنت و الجماعت کے مطابق رکھنا (۵۱) انسانوں کے درمیان عدل کا حکم دینا (۵۲) معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا (۵۳) برا اور تقویٰ پر تعاون کرنا (۵۴) حیا (۵۵) والدین کے ساتھ برا و احسان کا سلوک رکھنا (۵۶) صلۃ الارحام و الاقارب (۵۷) حسن الخلق اور تواضع (۵۸) اپنے مملوک کے ساتھ احسان (۵۹) ممالیک پر اس کے آقا کا حق (اس میں ممالیک پر آقا کی بیوی کا حکم ماننا بھی شامل ہے) (۶۰) بیوی اور بچوں کے حقوق (۶۱) اہل الدین میں مفاربت و مودت اور سلام کا آپس میں افشاء کرنا (۶۲) رد اسلام (۶۳) مرہقن کی

حضرت ابوذر مکارم اخلاق کے بارے میں فرماتے ہیں : لما بلغه مبعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، قال لأُضیہ اربک الی هذا الوادی فأسمع من قولہ فرجع فقال رأیتہ یا ہریمکارما لاخلاق (صحیح بخاری) اور آپ نے فرمایا : ان من اُخیرکم اُحسنکم خلقا (صحیح بخاری)

اسلام بچوں کو آداب سکھانے کا بھی تقاضا کرتا ہے ۔ جیسے جیسے بچہ سمجھدار ہوتا جائے اُسے رہن سہن ، اُٹھنے بیٹھنے اور بات چیت کرنے کے طور طریقے سکھانے چاہئیں ۔ بچہ کی نشوونما کے دوران اُس میں مختلف عقلی و جسمانی تغیرات پیدا ہوتے ہیں ۔ اسلام اس دوران کے تمام مراحل و مدارج کے متعلقات و احکام بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے ۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر بچہ کی زندگی میں پیدا ہونے والے ایک اہم تغیر کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے ۔ **الطِّفْلُ التَّذِیْبُ لَمْ یَظْهَرْ عَلٰی عَوْرَاتِ النِّسَاءِ** یعنی وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوتے ہوں ۔ (النور : ۳۱) اس آیت میں ”**الظہور علی عورات النساء**“ (یعنی عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے واقف ہونا) کا فقرہ استعمال ہوا ہے جو واضح طور پر بچہ کی زندگی کے دو مختلف مراحل کے درمیان فصل و فرق بیان کرتا ہے ۔ اس آیت سے مراد ایسے بچے ہیں جن میں ابھی صنفی احساسات بیدار نہ ہوئے ہوں ۔ یہ تعریف زیادہ سے زیادہ دس (یا بارہ) برس کی عمر تک لڑکوں پر صادق آسکتی ہے ۔ اس سے زیادہ عمر کے لڑکے اگرچہ نابالغ

(بقیہ حاشیہ ص ۶۶) عیادت (۶۴) مردہ لوگوں کی نماز جنازہ پڑھنا اور پڑھانا (۶۵) تشمیت العاطس (۶۶) کفار اور مفسدین سے مبادعت (۶۷) پڑوسی کے ساتھی بھلائی (۶۸) اکرام الضیف (۶۹) جرائم کی پردہ پوشی (اس حالت میں کہ مجرم اس سے توبہ کرے) (۷۰) مصائب پر صبر (۷۱) لذت و شہوت پرستی سے کنارہ کشی اور زہد کا اختیار کرنا (۷۲) غیرت اور اختلاط مرد و زن سے بچنا (۷۳) غوی چیزوں سے اعراض (۷۴) چھوٹوں پر رحمت اور بڑوں کی توقیر (۷۵) اصلاح بین الناس (۷۶) جو چیز اپنے لئے پسند کرنے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرے اور جس چیز کو خود بڑا بنے اسے اپنے بھائی کے لئے بھی بُرا جانے (۷۷) الجود و الاسخار و الکرم (۷۸) اللہ تعالیٰ کا ذکر اپنے دل و زبان سے کرتا رہے اور اس پر قائم رہے ۔



ہوں مگر ان میں منفی احساسات بیدار ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس تحقیق کے بعد بچہ کچھ اور خصوصی احکام کا مقتضی ہوتا ہے۔ اس ”ظہور“ کے بعد بچہ ایسے دور میں داخل ہوتا ہے جب اُسے موعظت، علم و ادب سے روشناسی، نصائح و ہدایات، آداب شرعیہ سے واقفیت، طہارت و توحید و ایمان و نماز و روزہ کی تعلیم اور حلال و حرام میں فرق محسوس کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ بچہ کو عمر کے ساتویں سال سے نماز کی عادت ڈالو لیکن اگر دسویں سال میں ادائیگی نماز میں سہل کرے تو تادیر یا سزا دو۔ آپ کے اس فرمان نبوی سے بھی بچہ کی نشوونما کے ہر دو مراحل اور ان کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے۔ بچہ کی تربیت سلوک و عادات سے متعلق کچھ آداب قرآن کریم میں اس طرح بیان کئے گئے ہیں :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَأْذِنُوا	”ترجمہ :- اے لوگو جو ایمان لائے
الَّذِينَ مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ	ہو لازم ہے کہ تمہارے مملوک
وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا	اور تمہارے وہ بچے جو ابھی عقل کی
الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ	حد کو نہیں پہنچے ہیں، تین اوقات
..... ثَلَاثُ عَوَّلَاتٍ لَكُمْ	میں اجازت لے کر تمہارے پاس
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ	ایا کریں .... یہ تین وقت تمہارے
جُنَاحٌ بَعْدَ هُنَّ طَوَّافُونَ	لئے پردے کے وقت ہیں ان کے
عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ	بعد وہ بلا اجازت آئیں تو نہ تم پر
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ	کوئی گناہ ہے نہ ان پر تمہیں ایک
الْآيَةَ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ	دوسرے کے پاس بار بار آنا ہی
وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمْ	ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ تمہارے
الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا	لئے اپنے ارشادات کی توضیح
اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ	کرتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔
كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ	اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ

لے عقل کی حد کو پہنچا یعنی بالغ ہو جانا۔ لڑکوں کے معاملے میں اختلاف اور لڑکیوں کے معاملہ میں

اٰیٰتِہٖ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حٰکِیْمٌ ؕ  
جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت  
لے کر آیا کریں جس طرح اُن کے  
(النور- ۵۸، ۵۹)

بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔ اس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے  
کھولتا ہے اور وہ علیم و حکیم ہے۔  
سورۃ عنکبوت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ  
حُسْنًا وَاِنْ جَاهَدَاكَ  
لِتَشْرِكَ بِیْ مَا لَمْ يَكْ بِہِ  
عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ  
”ترجمہ:- اور ہم نے انسان کو وصیت  
کی ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ  
نیک برتاؤ کرے لیکن اگر وہ تجھ پر  
دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی  
کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو  
اُن کی بات برگز نہ مان۔“ لے

(العنکوب: ۸)

البتہ حاشیہ ۶، آیام مہجوری کا آغاز علامت بلوغ ہے۔ لیکن جو لڑکے اور لڑکیاں کہ  
وجہت دین تک ان جسمانی تغیرات خالی رہ جائیں اُن کے معاملے میں فقہائے اسلام کے در  
مختوٰر اس اختلاف ہے۔ امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام احمد رحمہم اللہ  
نزدیک اس صورت میں ۱۵ برس کے لڑکے اور لڑکی کو بالغ تصور کیا جاتے گا۔ امام ابو حنیفہ  
کا بھی ایک قول اسکی تائید میں ہے۔ لیکن ایک اور مشہور قول یہ ہے کہ اس صورت میں  
۱۶ برس کی لڑکی اور ۱۸ برس کے لڑکے کو بالغ قرار دیا جائے گا۔ ان دونوں قوموں کی بنیاد  
شرعی نفس پر نہیں بلکہ محض فقیہانہ اجتہاد پر ہے چنانچہ ضروری نہیں کہ دنیا کے ہر خطہ میں  
ہمیشہ ۱۵ یا ۱۶ اور ۱۸ برس کی عمر ہی کو غیر مختلم لڑکوں اور غیر حائضہ لڑکیوں کی حد بل  
مانا جائے۔ اس لئے بھی کہ دنیا کے مختلف خطوں اور مختلف زمانوں میں انسانوں کی  
ساخت اور نشوونما کے حالات مختلف ہو کرتے ہیں۔

لے لا طاعة لمخلوق في معصية الله ”ترجمہ:- خالق کی معصیت میں مخلوق

الخالق (حدیث) کی اطاعت لازم نہیں“

اسی طرح اگر مسلم حاکم وقت کوئی خلاف شرع بات (معصیت الخالق) کا حکم دے

مورۃ لقمان میں بھی بچوں کی تربیت و سلوک سے متعلق کچھ آداب قرآن مجید بیان ہوئے ہیں :-

وَاِذْ قَالَ لِقْمَنٌ لِابْنِهِ وَهُوَ  
يُعِظُنْكَ يَبْنٰى لَا تُشْرِكْ  
بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ  
عَظِيْمٌ ۝ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ  
بِاٰلِ ذِيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهُ  
وَهُنَّ عَلٰى وَهْنٍ وَفَضَّلَتْ  
فِيْ عَمَیْنٍ اِنْ اَشْكُرْ لِيْ  
وَلَوْ اِلٰدَيْكَ ۙ اِلَی الْمَصِيْرِ  
وَ اِنْ جَاهَدَكَ عَلٰى اَنْ  
تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهَا  
عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبُهَا  
فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۙ وَاَتَّبِعْ  
سَبِيْلَ مَنْ اَنْابَ اِلَیَّ ۙ ثُمَّ  
اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ

”ترجمہ :- اور یاد کرو جب لقمن اپنے  
بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اس نے  
کہا ”بیٹا خدا کے ساتھ کسی کو شریک  
نہ کرنا، حق یہ ہے کہ شرک بہت  
بڑا ظلم ہے۔ اور یہ حقیقت  
ہے کہ ہم نے انسان کو اپنے والدین  
کا حق پہنچانے کی خود ناکید کی ہے۔  
اس کی ماں نے صنعت اٹھا کر اسے  
پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا  
دودھ چھوٹنے میں لگے، اسی لئے ہم  
نے اس کو نصیحت کی کہ، میرا شکر کر  
اور اپنے والدین کا شکر بجالا میری  
ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔ لیکن اگر  
وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ

النبیہ ماشیہ ص ۶۹، اُس کی اطاعت لازم نہیں، مشہور واقعہ ہے کہ خلیفۃ الرسولؐ نے زمامِ خلافت  
تھامنے کے بعد فرمایا تھا : اطیعونی ما أطعت اللہ ورسولہ فیکہ فان عصیت  
فلا طاعة لی علیکم سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۱۱، بعض اور احادیث میں بھی یہی حکم  
منا ہے :- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : السمع والطاعة علی  
المسلم المسلم فیما احب وكره ما لم یؤمر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة  
(رواہ البخاری)، اور لا طاعة فی معصیة انما الطاعة فی المعروف  
(رواہ البخاری)، السمع والطاعة حق ما لم یؤمر بمعصیة فلا سمع ولا  
طاعة (رواہ البخاری)

يَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ.....

يُسَبِّحُ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَامْرُؤُ

بِالْمَعْرُوفِ وَإِنِ انْصَرَفَ

الْمُنْكَرُ وَاصْبِرْ عَلَى مَا

أَصَابَكَ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ

عَزْمِ مِرَالٍ مُّوَيَّدٍ وَلَا تَصْغُرْ

خَدَاكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ

فِي الْأَرْضِ مِنْ مَرَحًا ۚ إِنَّ

اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

فَخُؤُوسٍ ۚ وَاقْصِدْ فِي

مَشْيِكَ وَاعْصُصْ مِنْ

صَوْتِكَ ۚ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ

لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ۚ (بقمان ۱۲ تا ۱۹)

تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں

جانتا تو اُن کی بات ہرگز نہ مان -

دنیا میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ

کرتا رہ مگر پیروی اُس شخص کے

راستے کی کہ جس نے میری طرف

رجوع کیا ہے - پھر تم سب کے پلٹنا

میری ہی طرف ہے - اُس وقت

میں تمہیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل

کرتے رہے ہو .... بیٹا نماز

قائم کر، نیکی کا حکم دے، بدی

سے منع کر اور جو مصیبت بھی پڑے

اس پر صبر کر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن

کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اور لوگوں

سے منہ پھیر کر بات نہ کر نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ کسی خود پسند اور فخر

جنانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔ اپنی چال میں اعتدال اختیار کر

اور اپنی آواز ذرا پست رکھ کہ سب آوازوں میں زیادہ میری آواز

گدھوں کی آواز ہوتی ہے۔“

تربیت کنندگان پر لازم ہے کہ زیر تربیت بچوں کو والدین کے ساتھ محبت، اُن

کی خدمت، اُن کی اطاعت و فرمانبرداری، اُن کی عزت و تکریم اور اُن کے ساتھ

حسن سلوک کا معاملہ رکھنے کے لئے تیار و آمادہ کریں۔ مندرجہ بالا آیات سے اس

امر کی اہمیت کا اندازہ ہو گیا ہوگا۔ سورۃ الاحقاف میں بھی خدا تعالیٰ والدین کے

ساتھ نیک برتاؤ کی تاکید فرماتا ہے۔

وَصَيِّتُ الْإِنْسَانَ بِالذِّبْرِ

إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ

كُرْهًا ۖ وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۚ

و ترجمہ :- ہم نے انسان کو ہدایت

کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ

نیک برتاؤ کرے، اس کی ماں

وَحَمْلُهُ وَفِصْلُهُ ثَلَاثُونَ  
شَهْرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ  
أَشَدَّهُ -  
(الاحقاف - ۱۵)

نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں  
رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی اُس کو  
جنا اور اُس کے محل اور دودھ  
چھڑانے میں تیس مہینے لگ گئے  
یہاں تک کہ وہ اپنی پوری طاقت  
کو پہنچا۔

سُورَةُ الاحقاف کی یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اگرچہ اولاد کو  
ماں اور باپ دونوں ہی کی خدمت کرنا چاہیے لیکن ماں کا حق اپنی اہمیت میں اس  
بنامہ پر زیادہ ہے کہ وہ اولاد کے لئے زیادہ تکالیف برداشت کرتی ہے۔ یہی بات  
اُس حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو متنوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ بخاری، مسلم، ابوداؤد  
ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور امام بخاری کی ادب المفرد میں وارد ہوئی ہے کہ ایک  
صاحب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کس کا حق خدمت مجھ پر زیادہ  
ہے؟ آپ نے فرمایا تیری ماں کا۔ انہوں نے پوچھا اُس کے بعد کون؟ فرمایا تیری ماں۔ انہوں  
نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا کہ تیری ماں۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون؟ فرمایا  
تیرا باپ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ٹھیک ٹھیک اس آیت کی ترجمانی کرتا  
ہے کیونکہ اس میں بھی ماں کے تہرے حق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے یعنی ۱۔ اُس کی ماں نے  
مشقت اٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا ۲۔ مشقت اٹھا کر اُسے جنا ۳، پھر اُس کے  
دودھ چھڑانے میں تیس مہینے لگے ۴۔ اولاد پر والا (باپ) کے جو فرائض و حقوق عائد ہوئے  
ہیں اُن میں سے چند اہم حقوق یہ ہیں جن کی احادیث نبوی میں بہت تاکید اور تصریح  
ملتی ہے،

”ترجمہ:- تم اور تمہاری ملکیت  
و دولت سب تمہارے باپ کی ہے“

انت و مالک لا بیك  
(حدیث)

لے فقد جاء رجل وقال يا رسول الله من احق بحسن صحابتي؟ قال اُمك  
قال ثم من قال اُمك، قال ثم من قال اُمك قال ثم من قال ابوك (رواه البخاری)

من ابتر الیوصلۃ الترحل      ”ترجمہ :- سب بڑی نیکیوں میں سے  
 اہل و ذابہ بعد الن      ایک نیکی انسان کا اپنے دادا کے  
 یوقی - (مستم)      دوستوں کے ساتھ اُس کے انتقال  
 کے بعد حسن سلوک ہے۔“

بچوں کو اپنے بڑوں کی عزت و تعظیم کرنا اور چھوٹوں سے شفقت و محبت کرنا بھی  
 سکھانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-

من لم یرحم صغیرنا ولم      ”ترجمہ :- جو اپنے فرد پر شفقت نہ  
 یوقر کبیرنا فلیس منا۔      کرے اور اپنے بزرگ کی توقیر نہ کرے  
 (حدیث)      وہ ہماری جماعت میں سے نہیں ہے“

والدین کی نافرمانی اور دل آزاری کرنا سخت منع ہے اور یہ بھی بڑی خطاؤں میں  
 سے ایک بڑی خطا ہے کہ انسان اپنے والدین کو لعن کرے یا اپنے والدین کے لئے دُعا  
 پیوڑ کر کسی غیر باپ کے لئے دُعا کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :-  
 ان من اکبر الکبائر ان یلعن الرجل والدیہ قیل یا رسول اللہ کیف  
 یلعن الرجل والدیہ ؟ قال لیسب الرجل ابا الرجل فیسب اباہ و  
 یسب امہ (صحیح بخاری) لعن اللہ من لعن والدیہ (رواہ مسلم)  
 اور لیس من رجل ادعی لغير ابيه وهو یعلمہ الکفر ومن ادعی  
 تو ما لیس لرفیہم فلیتبوأ مقدہ من النار (صحیح بخاری) اور فرمایا :-  
 من اعظم الفری أن یدعی الرجل لغير ابيه أو یری عینیہ ما لم  
 تری أو یقول علی رسول اللہ ما لم یقل (صحیح بخاری)

زیر پرورش اور موجودہ نسلوں میں مندرجہ ذیل اسلامی و اخلاقی صفات پیدا  
 کرنے کے لئے عمل تربیت کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے والدین کو مزدور جدوجہد کرنی  
 چاہیے۔ استاذ کا ادب و احترام، عورت کی عفت مآبی، ازدواجی و ناداری، آقا کی  
 نمک حلائی، نوجوانوں کی اخلاقی استقامت، شرفاء کا معاملہ و سلوک، دوستوں کے  
 لئے ایثار و قربانی و ہمدردی، فرائض و حقوق کی ادائیگی، تعلقات و ملاقات و اوقات  
 و معمول و لباس و معاشرت میں کامل یکسانیت و وضع داری، دیانت داری و امانت داری، ایقانہ

سبر و قناعت، قیاضی و رحمہ دلی، شجاعت، مساوات و اخوت، خدمت و اشاعتِ دین، خدمتِ خلق، خود اعتمادی، قوتِ فیصلہ، حق گوئی و حمایتِ حق، مظلوم اور کمزور کی مدد، پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک، مریض کی عیادت کرنا، حق الضیف، ترویجِ سلام مکشون،

لہ واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن واللہ لا یؤمن  
بؤمن واللہ لا یؤمن قیل  
من یارسول اللہ قال الذی  
لایا من جاسر بوائقہ  
”ترجمہ: اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے۔ اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے کسی شخص نے پوچھا یا رسول اللہ کون مومن نہیں ہے؟“  
(مشکوۃ المصابیح)

وہ شخص جس کے پڑوسی اُس کی وجہ سے امن میں نہ ہوں۔“

۱۰ اطعموا الجائع وعودوا المریض وفکرا العانی، قال سفیان العانی  
الاسیر (بخاری) اور عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: من عاد  
مریضاً لم یحضر اجلہ فقال عندہ سبع مَرَاتٍ: اَسْأَلُ اللہَ الْعَظِیْمَ  
رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَنْ یَشْفِیْکَ اِلَّا عَافَاہُ اللہُ (حدیث)

۱۱ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: اِذَا نَزَلْتَ بِقَوْمٍ فَامْرُکْہِمَا یَبْغِیْ لِلضَّیْفِ  
فَاتَّبِعُوْا فَاِنْ لَمْ یَفْعَلُوْا فَخُذْ وَاَمْرُہُمْ حَقُّ الضَّیْفِ (صحیح بخاری) اور  
نہرایا: من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارا ومن کان  
یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم  
الآخر فلیقل خیرا اُولی صمت (صحیح بخاری)

۱۲ لَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُوْمِنُوْا وَلَنْ تُوْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَفَلَا  
اَدْرٰکُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمْ تَحَابُّتُمْ اَفَشَوِا السَّلَامَ بَیْنَکُمْ (صحیح مسلم)  
یعنی رائے مسلمانو! تم اُس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک کہ مومن نہ  
بنو، اور مومن اُس وقت تک نہیں بن سکتے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت  
نہ کر و۔ کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتا دوں جس کے کرنے سے تمہارے درمیان محبت پیدا ہو  
داور وہ یہ ہے کہ، سلام کو پھیلاؤ اپنے درمیان۔“ بعض اور احادیث میں رسول اللہ

طہارت کا اختیار کرنا، عضو درگزر، بُرائی کو بھلائی سے بدل دینا، دنیاوی محبت اپنے  
 اوپر غالب نہ آنے دینا اپنے لئے جو پسند کرنا وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرنا،

(بقیہ حاشیہ ص ۷۷) ، سَلَّى اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے : تَطْعَمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ  
 عَلَى مَعْرِفَتٍ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ (بخاری) ، يَسْلِمُ الرَّاكِبُ عَلَى الْمَاشِي وَالْمَاشِي  
 عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ (بخاری) ، يَسْلِمُ الصَّغِيرُ عَلَى الْكَبِيرِ وَ  
 الْمَاسِرُ عَلَى الْقَاعِدِ وَالْقَلِيلُ عَلَى الْكَثِيرِ (بخاری) ، اور انسؓ جب ایک مرتبہ  
 بچوں کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے ان کو سلام کیا اور کہا کہ رَسُوْلُ اللہ ایسا ہی کیا کرتے  
 تھے : اِنَّهُ مَرَّ عَلَى سَبْيَانَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ وَفَالِ كَانَ الْبَنِي صَلَّى اللہ علیہ  
 وَسَلَّمَ لِيَفْعَلَهُ (بخاری)

۱۔ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے : الطَّهَوُسُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ ” (رداء مسلم  
 ص ۷۷) مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ  
 فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيْمَانِ (رداء مسلم)  
 یعنی تم میں سے جو کوئی کسی مُنْكَر (بُرائی) کو دیکھے اُسے چاہیے کہ اپنے ہاتھوں سے اسے بھلائی  
 سے بدل دے لیکن اگر ایسا کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو زبان کو استعمال کر کے  
 بدلے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھتا ہو تو دل سے اس کو برا جانے اور یہ سب سے  
 کمزور ایمان ہے۔“

۲۔ رَسُوْلُ اللہ صَلَّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو کندھے سے اٹھا کر فرمایا : كُنْ فِي  
 الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيْبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ یعنی دنیا میں اس طرح رہو جیسے کہ ایک پرہیزی  
 یا ایک مسافر۔“ اور إِذَا أُمْسَيْتَ فَلَا تَنْظُرِ الصَّبَاحَ وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا  
 تَنْظُرِ الْمَاءَ وَخَذْ مِنْ صَحْتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ (رداء  
 البخاری) یعنی شام کے وقت صبح تک رہنا رہنے کا انتظار نہ کر اور صبح کو شام تک زندہ  
 رہنے کا انتظار نہ کر۔ اپنی صحت سے اپنی بیماری کو اور اپنی حیات سے اپنی موت کو لے۔“

۳۔ لَا يَوْمَ مِنْ أَحَدٍ كَمْ حَتَّى يَجِبَ لِأَخِيْبٍ مَا يَجِبُ لِنَفْسِهِ (رداء بخاری مسلم) یعنی تم میں  
 سے کوئی اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہو



(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ)

میں خیانت نہ کرنا، بغض و حسد و کینہ و دروغ گوئی و غیبت و منہاش و فسق و فجور و مصیبت سے پرہیز کرنا۔ وغیرہ

(بقیہ ماشیہ ص ۶) مسلم أن یهجر أخاه فوق ثلاثة أيام (بخاری) ولا یحل لرجل أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیل، یتقیان فیعرض هذا یعرض هذا وخیرهما الذی یبدأ بالسّلام (بخاری) نہی أن یتبع بعضکم علی بیع بعض ولا یخطب الرجل علی خطبة أخیه حتی یترو الخاطب قبله أو یأذن له الخاطب (بخاری)

۱۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اَعْدِلُوا هُوَ اقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (سورۃ المائدہ - ۸) یعنی عدل کرو کہ یہ تقویٰ کے قریب ترین شے ہے۔ ”یا ایہا الذین آمنوا کونوا قَوَّامِینَ بِالْقِسْطِ (النساء - ۳۵) یعنی اے تم جو ایمان لا ہو عدل پر سختی کے ساتھ جمع رہو۔“ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (المائدہ - ۲) یعنی تقویٰ اور بھلائی میں ایک دوسرے کی مدد کرو لیکن برائی اور عدوان میں ایک دوسرے کیساتھ تعاون نہ کرو۔“ وَانْزُلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (الحدید - ۲۵) یعنی اور ہم نے نازل کیا ہے اُن کے ساتھ کے ساتھ میزان اور کتاب تاکہ انسان عدل پر قائم رہ سکے۔“ اور یا ایہا الذین آمنوا کونوا قَوَّامِینَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ (المائدہ - ۸) یعنی اے تم جو ایمان لائے ہو! ہمیشہ اللہ کے لئے شاہد عدل قائم کرنے کے لئے کھڑے رہو۔ وغیرہ۔

۲۔ ان کنتم ثلاثہ فلا یتناجی رجلان دون الاخر حتی تختلطوا بالناس اجل ان یخزنہ (بخاری) وقد نہی صلی اللہ علیہ وسلم أن یقیم السّجل اخاه من مقعدہ ولا یجلس فیہ۔ (بخاری)

۳۔ اصلاح و تقویت معاشرہ اور اتحاد بین المسلمین کے لئے اسلام و ملی و قومی تفاخر کو برداشت نہیں کرنا اور نہ ہی جغرافیائی تقسیم کا لحاظ اس کی نظر میں کوئی معنی رکھتا ہے۔ قوم پرستی، عصبیت اور گروہ بندی کو ”محبت جاہلیت“ قرار دینا اور اس سے

ترتیب کے ان صالح وارفیع اصولوں کو اپنانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہندو شخصیت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷) کنارہ کشی کا مطالعہ کرتا ہے۔ بچوں کو ان برائیوں سے بہت دور رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے :-

لیس منا من دعا الی عصبیۃ ولیس منا من قاتل علی عصبیہ و  
لیس منا من مات علی عصبیۃ (ابوداؤد) یعنی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے  
جو کسی جتھ بندی کی دعوت دے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو کسی جتھ بندی اور  
پاسداری کے لئے جنگ کرے، وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو جتھ بندی کی حالت میں  
مرے۔ اور فرمایا :- من قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب لعصبیۃ او یلعن  
الی عصبیۃ او ینصر عصبیۃ فقتل فقتلہ جاہلیۃ (مسلم و نسائی) یعنی  
جو شخص کسی اندھا دھند جھنڈے کے نیچے کسی جتھ بندی کے جوش حمایت میں یا کسی جتھ  
بندی کی دعوت میں یا کسی جتھ بندی کی امداد میں جنگ کرے گا اور مارا جائے گا تو اس  
کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ اور ومن قاتل تحت رایۃ عمیۃ یغضب  
للعصبیۃ ویقاتل للعصبیۃ فلیس من امتی (مسلم) یعنی جو کسی اندھا  
دھند جھنڈے کے نیچے کسی پاسداری کے جوش میں یا پاسداری کی جنگ میں مارا جائے گا  
تو وہ میری امت میں سے نہیں ہے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:  
اے لوگو! بیشک اللہ نے تم سے جاہلیت کے عیب کو دور فرما دیا اور آباء اجداد پر فخر کرنے کی  
رسم ختم کر دی انسانوں کی دلوں ہی قسمیں ہیں نیک اور خدا ترس اور اللہ تعالیٰ کے یہاں  
مشرکین دوسرے بد عمل بد بخت اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ذلیل و خوار۔ (ابن ابی حاتم) جابر  
بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں تھے ایک مہاجر نے ایک انصاری کو کچھ کہہ دیا اور انصاری  
پکارا مٹھا انصاریو! اور مہاجر پکارا مٹھا مہاجر! تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھوڑو  
اس جتھہ بندی کے نفروں کو یہ نجس ہے (صحیح بخاری) دور جاہلیت کی ان برائیوں کو اگر موجودہ  
اور آنے والی نسلوں سے دور کیا جاسکے تو بلاشبہ انسانی معاشرہ ایک بے خار گلہ ستہ ہوگا  
جس کا ہر پھول اور ہر پتی اس کے لئے باعث زینت ہوگی اور نوع انسانی کے تمام افراد ایک  
خاندان میں تبدیل ہو جائیں گے نہ کسی عرب کو کسی بھی پر فضیلت ہوگی اور نہ کسی عجمی کو کسی

بلند کردار و با عظمت نوجوان پیدا ہوتے ہیں جن سے ایک پائیدار صالح و مثالی معاشرہ ظہور میں آتا ہے ہمارے سامنے ایسے ہی تربیت یافتہ ایک مسلم بچہ کی دلیری و جرات کی مثال موجود ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمان بچوں میں سے ایک بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا۔ ادھر سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، جن کے جلال و عظمت بڑے بڑے لوگوں کے دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، کا گزر ہوا۔ بچہ آپ سے خائف ہو کر وہاں سے بھاگا نہیں بلکہ وہیں کھڑا رہا اور حضرت عمرؓ سے مخاطب ہوا: لِمَ اُكِنْتَ مَذْبَنًا فَاخَافَ مِنْكَ، وَلَمْ تَكُنْ الطَّرِيقَ ضَيِّقَةً فَاَوْسَعَ لَكَ وَلَمْ تَكُنْ جَبَارًا فَاُسْرِهَبَكَ“ یعنی میں نے کوئی بُرا کام نہیں کیا ہے کہ آپ سے خوفناکوں اور نہ ہی یہ راستہ آپ کے لئے چھوٹا ہے جو ہٹ کر اسے وسیع کروں اور نہ ہی آپ جا ب رہیں جو آپ سے ڈر کر بھاگ جاؤں۔

(جاری ہے)

بقیہ ماشیہ ص ۱) عرب پر فوقیت، ہاں اگر کسی کو کسی شخص پر فضیلت ہوگی تو محض تقویٰ کی بنا پر جیسا کہ آپ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا تھا: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، لَيْسَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰی عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰی عَرَبِيٍّ وَلَا لِحُمْرِيٍّ عَلٰی اَبْيَضٍ وَلَا لْأَبْيَضِ عَلٰی أَحْمَرٍ فَضْلٌ إِلَّا بِالتَّقْوٰی۔“

۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الْخَاسِرُ الْمُسْلِمُ إِلَّا مِمَّنِ الَّذِي يَنْفَذُ وَدْعًا قَالَ يُعْطٰی مَا أَمْرٌ بِهِ كَامِلٌ وَمَوْفُورٌ طِيبٌ بِهِ نَفْسُهُ فِيهِ فَعْدٌ إِلَى الَّذِي أَمْرٌ لَهُ بِهِ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِينَ رِجْهَارِي، اِسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امانت میں خیانت کو نفاق کی علامت بتایا ہے: اُسْرِيعَ مَنْ كُنْ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰی يَدَّعِيَهَا، اِذَا اُوْتِمِنَ خَانَ، وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ رِجْهَارِي، ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا: آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اُوْتِمِنَ خَانَ (صحيح بخاری،

# قرآن و معیار حق و باطل اور

## سُنّت و صراطِ مستقیم کا عملی نمونہ

از قلم: محمد یونس جمجوعہ - ایم اے - ایم ایڈ  
قرآن پاک ۲۳ سال کے عرصہ میں رسول پاکؐ پر نازل ہوتا رہا۔ خالق  
ارض و سما نے جن جن چیزوں کو پسند کیا اُن کے اختیار کی انسان کو ترغیب  
دی اور جن چیزوں کو ناپسند کیا ان سے رُک جانے کو کہا۔ گو یا قرآن پاک  
کو غلط اور درست حق و باطل، مفید و مضر، حرام و حلال، ناقص اور کامل  
میں تمیز کا معیار قرار دیا۔ چونکہ قرآن پاک محدود ضخامت کی ایک کتاب ہے  
جس میں زمانے مہر کے تقاضوں کی شناخت بتائی گئی ہے تو صاف ظاہر ہے کہ  
اس کی جامعیت اصولوں کی حد تک ہی ہو سکتی ہے۔ آج قرآن پاک سے کئی گنا زیادہ  
ضخیم کتب موجود ہیں۔ جن میں زندگی کے کسی ایک پہلو یا علم کے کسی معمول سے  
شعبے پر بحث کی گئی ہے مگر جزئیات پر عادی وہ بھی نہیں ہیں۔

قرآن پاک میں اصولوں اور ضابطوں کی مختصر ٹیکل تعلیم ہے اور انسان کی  
سہولت اور امتحان کے پیش نظر اس کو ناقابلِ تغیر بنا دیا گیا ہے۔ سہولت یہ کہ وہ  
اُسانی سے اصول راہنمائی تو قرآن سے لے اس یقین کے ساتھ کہ یہ کتاب واقعی  
شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اور امتحان اس لئے کہ آیا انسان قرآنی حقائق کو  
خدائی تعلیم سمجھنے کے باوجود ————— اس کے فیصلوں کو اٹل غیر متبدل بہترین  
اور اپنے حق میں معیاری سمجھتا ہے یا ادھر ادھر کے پُر از شکوک و شبہات ذرائع  
و وسائل سے متاثر ہو کر اُن کی راہ نمائی قبول کرتا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ مسلمان جس طرح قرآن پاک کو منزل من اللہ اور لاریب  
سمجھتا ہے وہ اس کی تعلیمات کو بھی حتمی جانتا لیکن بد قسمتی سے وہ بھی فریب

نفس میں مبتلا ہو گیا اور قرآنی تعلیمات کی مہن مانی تاویلات کرنا شروع کر دیں اور سیرت النبیؐ کی روشنی سے منہ پھیر لیا۔ حالانکہ خود قرآن میں سیرت النبیؐ کو اپنانے کی تعلیم ہے مثال کے طور پر قرآن شریف میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے لیکن رکوع وسجود اور قیام کے اشاروں کے سوا رکعات کی تعداد، اوقات کی حدبندیاں۔ اذان کے الفاظ نماز باجماعت کے مسائل کے متعلق بحث نہیں کی گئی۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ قیام نماز کی اہمیت اور حکم کے پیش نظر پیغمبر اسلام اس کو عملی طور پر اختیار کریں گے اور اُن کے ساتھ اُن کو دیکھ کر قیام نماز میں ان کے ساتھ شامل ہو جائیں گے۔ اس طرح وقتاً فوقتاً نماز میں پیش آنے والے استفسارات خود زبان نبویؐ حل ہوتے جائیں گے۔ پیغمبر کو قرآن پاک میں اُسوہ حسنہ قرار دیا گیا ہے اس لئے نماز کی ادائیگی کی جو جزئیات آپؐ عملاً ظاہر ہوں گی وہی امت کے لئے معیاری ہوں گی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے وفات تک قیام نماز کا سختی کے ساتھ اہتمام کیا اور صحابہ کرامؓ نے بھی اسی طرز عمل کو اپنایا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ عہد نبویؐ میں کوئی مسلمان بے نماز نظر نہیں آتا۔ اسی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کو سمجھتے کہ عہد نبویؐ میں کوئی مسلمان زکوٰۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا نظر نہیں آتا اور بالفرض اگر کوئی مسلمان قیام الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ کی پابندی نہ کرتا تو اُسے جماعت مسلمین سے الگ تصور کیا جاتا۔ یہی عمل نمونہ قرآن کو معیار حق و باطل سمجھنے اور آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کو اُسوہ حسنہ جاننا کا۔ اب بھی اصولی طور پر مسلمان قرآن کو معیار حق و باطل اور سنت کو صراطِ مستقیم سمجھتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر گریز اور فرار کی راہ اختیار کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود خود کو محبِ نبیؐ اور عاشقِ رسولؐ کا نام دیتے ہیں۔ نماز کا اہتمام۔ اکل حلال کی تلاش۔ ارکانِ اسلام کی پابندی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کا احساس۔ خوفِ خدا۔ فکرِ آخرت اور دیگر اخلاقی تقاضوں کی پابندی تو اُس کے پروگرام میں شامل نہیں اور اگر شامل ہیں تو صرف نظری اور سطحی طور پر لیکن وہ خود ساختہ رسومات جن کا اُسوہ حسنہ میں ذکر تک نہیں اُن میں شمولیت کو ذہنِ اولین اور ترک کو گناہِ کبیرہ سمجھتے ہیں۔ ان رسومات کو دین بتاتے اور حُبِ نبیؐ اور نجاتِ آخری کے لئے انہیں ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان رسومات کو جن کا

وجودِ اسوۂ حسنہ اور عہدِ خلفائے راشدین میں نہیں ہے بدعات کہا جاتا ہے اور بدعات کو شریعتِ اسلامیہ میں سخت مذموم سمجھا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کے فرمان کے مطابق دین تو اسوۂ حسنہ یعنی سنت اور طریقِ صحابہ ہی میں محدود ہے۔ جو رسم و رواج عہدِ نبویؐ اور دورِ صحابہ کرام میں مفقود تھیں ان کی مستردِ عبیت کا کیا ثبوت ہے اور اگر ہماری یہ خود ساختہ رسومات مشروع ہوں تو صحابہ کرام کی زندگیاں تشنہ ماننا پڑیں گی حالانکہ صحابہ کے طریقے کو خود آنحضرتؐ نے قابلِ اعتماد تصور کرتے ہوئے علیکم بسنتی و سنت خلفاء راشدین فرمایا اور اپنے طریقے کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے طریقے کو بھی پوری اُمت کے لئے لازم قرار دیا۔

اصول سے انحراف کی اس غلطی کا سبب ہے کہ دین کے نام پر فرقہ وارانہ رسومات اور اجتماعات میں کردار کے اعتبار سے رسوائے زمانہ لوگوں کو نمایاں جگہ پر دیکھا جاتا ہے ایک نام نہاد مذہبی جلوس میں غش غلوں کا دھندا کرنے والے آدمی کو قیادت کے منصب پر دیکھا گیا وجہ ظاہر ہے کہ جب کوئی بدکردار آدمی نماز کی امامت کے لئے کھڑا ہوگا تو لوگ حدیثِ نبویؐ اور عملِ صحابہ کی روشنی میں ایسے شخص کی امامت پر معترض ہوں گے لیکن خود ساختہ جلوس کی قیادت کرنے والے ایسے شخص پر سنت اور عملِ صحابہ کی روشنی میں کیا اعتراض ہوگا جب کہ ایسے جلوس کی نظیر ہی قرونِ اولیٰ اور خیر القرون میں نہ ملے گی۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ تن آسان لوگ جو حقیقی سنتوں پر عمل کر کے صدقہ اور خیرات یعنی مالی اور بدنی قربانیوں سے فراہم چاہتے ہیں انہیں خود ساختہ - وقتی، عارضی اور ہنگامی پروگراموں میں شرکت کر کے اپنے کو مطمئن کرنے کا جھوٹا فریب حاصل ہو جاتا ہے۔ اسی فریبِ نفس کی بنا پر ہمارے ہاں جرائم اور بے راہروی کی شرح حد سے زیادہ ہے۔ حالانکہ اسلامی معاشرے میں جرائم کا وجود نہ ہونے کے برابر ہونا چاہیے۔

قرآن و سنت کے احکام کو ٹال کر چند نمائشی نعروں اور جذباتی جلوسوں سے اللہ اور اُس کے رسولؐ کو راضی کرنے کا طریقہ عہدِ رسالت اور دورِ صحابہ میں رائج نہ تھا۔ وہاں اُلفت تھی تو سنت کے اپنانے میں محبت تھی تو احکام قرآنی پرعمل کرنے سے۔ لیکن اب مسلمانوں کی کثیر تعداد نے مسلمان ہونے کے باوصف اپنے

طریق کو تبدیل کر لیا ہے۔ سنت نبوی کے نمونے پر شریفانہ زندگی کے خلاف جس مسلمان نے رشوت - چور بازار - حقوق العباد کی پامالی اور لوٹ کھسوٹ کا دھندا شروع کر رکھا ہے اُس سے بات کرو تو وہ بھی نجات آخروی کا امیدوار نظر آئے گا کیونکہ دوران سال چند مخصوص دنوں میں ہونے والے خود ساختہ اور نام نہاد اسلامی پروگراموں میں وہ بڑی مستعدی سے حصہ لیتا ہے۔ اور وہ گناہ کی زندگی اور ارکان اسلام کی طرف سے اعراض کی کوئی اہمیت نہیں سمجھتا۔ گویا حقیقت کو چھوڑ کر سراب پر مطمئن ہے، قرآن اس کیفیت کو تِلْكَ اَمَّا نَبْتُهُمْ کہتا ہے۔

یہ صرت سنت نبویؐ کو اپنانے اور قرآن پاک پر عمل کرنے کا نتیجہ ہے کہ مسلمان کی زندگی معصیت کی آلودگی سے پاک ہو جاتی ہے۔ ناز بے حیائی اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے حج شعار اللہ سے محبت اور خدا کی راہ میں مال و دولت اور وقت خرچ کرنے کا سبق دیتا ہے۔ ذکر اللہ یعنی تلاوت قرآن قابو و اذہان میں صفائی پیدا کرتا ہے۔ سنت کی پیروی کرنے والے بزرگان دین کی صحبت اخلاق کی بلندی۔ کردار کی پختگی - توحید پر یقین محکم - سنت کو اپنانے کا شوق اور دین اسلام کی حقانیت سکھاتی ہے۔

کیا یہ لمحہ فکریہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کی کثیر تعداد ارکان اسلام سے غافل اور اصول اسلامی تعلیمات سے منہ موڑے ہوئے ہے لیکن فلاح و کامیابی کو اپنا مقدر سمجھتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شخص اپنا بلا تعصب محاسبہ کرے اور قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لے اس طرح راہ راست پر آنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ نیز قرآن و سنت کی اہمیت کا صحیح فکر رکھنے والے افراد پر لازم ہے کہ وہ قرآن پاک اور سنت نبویؐ کی تعلیم عام کریں اور اس کام میں اپنا زماں اور وقت بے دریغ خرچ کریں۔

## افطار کی دعا

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُومْنَا وَ عَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْنَا فَتَقَبَّلْ مِنَّا  
اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِیْمُ



(رَبِیْعَہ، الکتاب)

سزا بھگتی ہوگی۔ اور مجھے بھی اپنے اعمال کی سزا بھگتنا ہوگی۔

مَا اَنَا بِمُصْرِخٍ كُمْ وَمَا اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ط  
نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں۔ اور نہ تم میری فریاد رسی کر  
سکتے ہو۔ حضرت ابراہیم کی جو دعا اس سورۃ مبارکہ میں آئی ہے۔ وہ

بہت عظیم ہے۔

رَبِّ اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بُوَادِ غَیْرِ ذِیْ حِ  
مْرِیْعَ ط رَبَّنَا لَیْقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۔

اے میرے رب میں نے اپنی اولاد کا ایک حصہ اپنی نسل کی ایک شاخ  
اس وادی میں آباد کر دی ہے کہ جس میں کوئی زراعت نہیں ہے۔ کوئی  
چیز پیدا نہیں ہوتی۔ تیرے گھر کے پاس تاکہ وہ نماز کا نظام قائم کریں۔  
یہ ہے درحقیقت خانہ (خدا) کی تعمیر کا اصل مقصد۔ (جاری ہے)

## روزے کے آداب

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمُ :  
لَیْسَ الصَّیَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشَّرْبِ اِنَّمَا الصَّیَامُ مِنَ اللُّغْوِ وَ  
الرَّفَثِ فَاِنْ سَابَكْتَ اَحَدًا اَوْ جَهِلَ عَلَیْكَ فَقُلْ اِنِّیْ صَائِمٌ  
اِنِّیْ صَائِمٌ ۔

”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے فرمایا: صوم کھانا پینا چھوڑ دینے کا نام روزہ نہیں ہے۔ بل  
روزہ تو یہ ہے کہ آدمی بے ہودہ اور بے کار باتوں اور شہوانی گفتگو  
سے بچے۔ پس اے روزہ دار اگر تجھے کوئی گالی دے یا بہالت  
پر اتر آئے تو تو کہہ میں روزے سے ہوں میں روزے سے ہوں۔“

میتاق

جلد ۳ | رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ - مطابق جولائی ۱۹۸۱ء | عدد

ڈاکٹر اسرار احمد

کے جماعت اسلامی سے تنظیم اسلامی تک  
کے ذہنی سفر کی تفصیل سے آگاہی کے لئے  
حسب ذیل مطبوعات کا مطالعہ ضروری ہے

- تحریک جماعت اسلامی - ایک تحقیقی مطالعہ قیمت ۱/-
- اسلام کی نشاۃ ثانیہ - کرنے کا اصل کام ۱/-
- تنظیم اسلامی کی قرارداد تأسیس مع توضیحات ۱/۵۰
- تنظیم اسلامی - شرائط شمولیت و نظام العمل ۱/-
- سرافگندیم - بسم اللہ مجرہا و مرساہا ۱/-
- مطالبات دین - مشتمل بر عبادت رب - فریضہ شہادت علی الناس اور فریضہ اقامت دین ۱/-
- تنظیم اسلامی کے تأسسی اجتماع تا پانچویں سالانہ اجتماع کی روداد کا خلاصہ - زیر طبع
- تنظیم اسلامی کے چھٹے سالانہ اجتماع کی روداد معہ ڈاکٹر اسرار احمد کے تفصیلی افتتاحی و اختتامی خطابات زیر طبع
- نقض غزل (میثاق ۶۶ - ۶۷ء کے چند شمارے) -

۱۔ ملتے ملتے

مکتبہ تنظیم اسلامی - م-۱۷۱ منزلک روڈ - لاہور - (فون : ۱۱۶۶۸)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن ۳۶-۳۷، ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون : ۲۶۱۱

مرکزی انجمن خدام القرآن کواچی آفس ۱۴۴۳ سنہی پلازا

حسرت مومنانہ روڈ - نزد نگار ہوٹا - کراچی

خیر و کم من تعلم القرآن و علمہ - (الحديث)

ڈاکٹر اشرف احمد



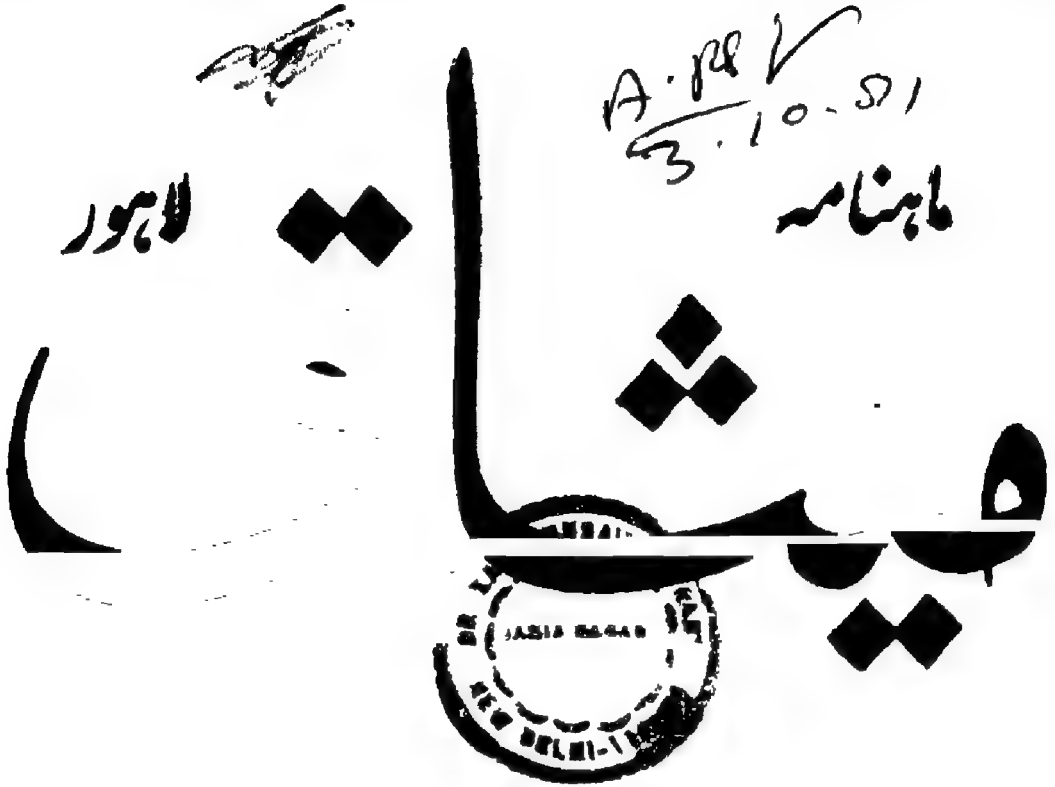
کے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

نشر القرآن کیسٹ سیریز

الحمد لله و المنة دعوت رجوع الى القرآن اور اعلائے کلمۃ اللہ کی ترویج و اشاعت کے لئے احباب کے اصرار پر نشر القرآن کیسٹ سیریز کے سلسلے کو از سر نو منظم طور پر شروع کیا گیا ہے تاحال ستائیس موضوعات (مشمول پر دروس قرآن و خطابات) پر تیار کیسٹ موجود ہیں۔ ریکارڈنگ کی عمدگی کا خیال رکھا گیا ہے۔

تفصیلات اس شمارے کے اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

وَقَالَ خَدَّاجُ بْنُ خَدَّاجٍ كُنْتُ مِنْ مَنِينٍ



شوال المکرم و ذیقعدہ ۱۴۰۱ء

:- مدیر مسئول :-

ڈاکٹر ارشد احمد

بکے از مطبوعات

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

ام اشاعت : ۳۶-۳۷ ماڈل ٹاؤن - لاہور - ۱۴ - فون : ۸۵۲۶۸۳ - ۸۵۲۶۱۱  
 سالانہ زر معاوت :- ۲۰/- روپے — اس شمارے کی قیمت ۵/-

و قد اخذ مہشا لکم ان کدتم موسنین

# میثاق

۲۰۰ | شوال المکرم و ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ | عدد ۸-۱

## مشمولات

- عرض احوال ڈاکٹر اسرار احمد ۱
- شادی ایماء کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک ۲۰
- نشر القرآن (ربطہائی تقاریر) ۳۳
- تعارف الکتاب (پانچویں قسط) ۶۵
- الحمد لله (مقالہ) علامہ منظور احسن عباسی ۸۱
- اسلام اور حقوق اطفال (چھٹی قسط) غازی عزیز ۹۶
- افکار و آراء ادارہ ۱۱۱
- ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن (رپورٹاژ) (تیسری قسط) قاضی عبد لقادر ۱۲۱

مرتب : (شیخ) جمیل الرحمٰن

ناشر : ڈاکٹر اسرار احمد ✱ طابع : چودھری رشید احمد  
مطبع : مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح - لاہور



بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسرار احمد

## عرض احوال

اس مرتبہ بہت عرصے کے بعد قارئین، میثاق، سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ اگرچہ اس پورے عرصے کے دوران اس ضمن میں محدود محمی اور کوتاہی دونوں کا احساس شدت کے ساتھ رہا تاہم غرض ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا۔ کے مصداق دل کو یہ اطمینان رہا کہ یہ صورت حال مجبوری کے سبب ہے اور مجبوری بھی کوئی ذاتی نوعیت کی نہیں بلکہ اُسی مقصد کے لئے بھاگ دوڑ میں مصروفیت اور مشغولیت کی جس کا ایک شعبہ، میثاق، کی اشاعت بھی ہے۔

چٹکی کے دو پاٹوں کے مابین پس جانا، عام محاورہ ہے لیکن رو آتی چٹکی کا صرف ایک پاٹ حرکت کرتا ہے، دوسرا ساکن رہتا ہے، جبکہ راقم کے معاملے میں چٹکی کے دونوں پاٹ مخالف سمت میں تیزی سے حرکت کر رہے ہیں، یعنی ایک جانب مصروفیات کی شدت بھی روز افزوں ہے اور ان کا دائرہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے اور دوسری طرف جسمانی صحت اور قوت کار میں تیز رفتاری کے ساتھ کمی واقع ہو رہی ہے۔ بہر حال یہ اطمینان دل کو بدرجہ اتم حاصل ہے کہ جسم و جان کی ناگزیر ضروریات اور اہل و عیال کے کم از کم حقوق کی ادائیگی کے علاوہ قوت و صلاحیت کی کوئی رمت کسی ذاتی یا دنیوی غرض کے لئے استعمال نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت عمر کا ہر لمحہ اور اس کی بخشی ہوئی توانائیوں اور صلاحیتوں کا اکثر و بیشتر حصہ اُسی تم کے دین متین اور اُسی کی کتاب عزیز کی خدمت میں صرف ہو رہا ہے، بقول شاعر مہ

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا !!

اس سال ماہ جنوری کا اکثر حصہ جنوبی ہند کی، یا ترائی، کی نذر ہو گیا تھا جس کی قد سے، مزدورت سے زیادہ مفصل، روداد کی دو قسطیں قارئین کی نظر سے گذر

چکی ہیں، تیسری اس اشاعت میں شامل ہے اور غالباً ابھی اتنی ہی اور ہوں گی۔  
 بعض حضرات نے اس روداد کی طوالت اور غیر ضروری تفصیل کی بجا طور پر شکایت  
 کی ہے۔ ان شاء اللہ بقیہ اقساط میں یہ دونوں خامیاں بہت کم پائی جائیں گی۔

ڈائری پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوا کہ ماہ فروری ۸۱ء کے دوران ایک  
 دوپہے تین چکر کراچی کے لگے۔ جن میں سے ایک خود اپنے طے کردہ تنظیمی اور  
 دعوتی پروگرام کے سلسلہ میں تھا اور دو مختلف اداروں کی دعوت پر میرٹ النبیؑ  
 کی تقاریر کے ضمن میں — زمانے کی ترقی اور ذرائع رسل و رسائل کی تیزی  
 کے ساتھ اپنی مصروفیات کی چکی کے پاٹ کی تیز رفتاری کا اندازہ ایک مثال  
 سے ہو سکتا ہے :- جمعہ ۳۰ جنوری ۸۱ء کو راقم نے دس بجے صبح سے بارہ بجے  
 دوپہر تک مسجد شہداء ریگل چوک لاہور میں درس قرآن دیا۔ وہاں سے بھاگ  
 بھاگ مسجد دارالسلام، باغ جناح پہنچا ہوا جہاں خطبہ جمعہ دیا اور نماز پڑھائی۔  
 وہاں سے سیدھے ایئر پورٹ جانا ہوا۔ جہاں سے پونے تین بجے کی فلائٹ سے  
 کراچی روانگی تھی۔ فلائٹ لیٹ تھی لہذا کراچی ساڑھے پانچ بجے پہنچا ہوا،  
 جہاں بعد نماز مغرب آدم جی سائنس کالج کے آڈیٹوریم میں کالیکس پاکستان ملٹیڈ  
 کے زیر اہتمام لگ بھگ پونے دو گھنٹے تک مکمل رسالت اور اس کے لوازم  
 کے موضوع پر خطاب ہوا۔ چنانچہ احباب اور مشفقین میں سے بعض نے بجا طور پر  
 تبصرہ کیا کہ اب تک تو ہمارا خیال یہی تھا کہ آپ ایک انگریزی محاورے کے  
 مطابق اپنی موم بتی کو دونوں سروں سے جلا رہے ہیں لیکن اب یہ احساس  
 ہو رہا ہے آپ نے اسے درمیان سے بھی جلانا شروع کر دیا ہے۔ دوسرے  
 روز یعنی ۳۱ جنوری کو اسلامیہ لاء کالج کراچی میں بعد نماز عصر ایک تقریر ہوئی  
 جس کا عنوان تھا ”دین اور مذہب کا فرق اور فریضہ اظہار دین حق علی الدین  
 کلمہ“ اور مغسّر تاعشاء مسجد لغمانیہ واقع نزدیکی پی ای سی ایچ ایس میں  
 درس قرآن ہوا۔ جو اگلے دو دن بھی انہی اوقات میں جاری رہا اور تین دنوں  
 میں پوری سؤدہ تغابن کا درس مکمل ہو گیا۔

۱۸۔ فروری کو آئی ڈی بی پی کی دعوت پر سیرت النبیؐ کے موضوع پر تقریر کیلئے دوبارہ کراچی جانا ہوا۔ اور تیسری بار ۲۴ تا ۲۷ فروری چار دن پھر کراچی میں گزے جہاں ۲۴ اور ۲۶ فروری کو تو علی الترتیب سٹیٹ بینک آف پاکستان اور کسٹمز کلب کیمپس کراچی میں سیرت کی تقاریر ہوئیں۔ اور جمعہ ۲۷ فروری کو بڑے بیٹے عارف رشید سلمیہ کا عقد نکاح رفیق مکرم قاضی عبدالقادر کی صاحبزادی سے جامع مسجد فاروق اعظمؑ، نارنگھ ناظم آباد، کراچی میں ہوا۔ جہاں جمعہ کی نماز سے قبل ایک مفصل خطاب ”اسلام کے عائلی نظام“ کے موضوع پر ہوا۔ اس نکاح میں کراچی کے احباب و رفقاء اور محبتین و مشفقین نے جس کثیر تعداد میں شرکت فرمائی اس کا دل پر بڑا گہرا اثر ہوا۔ اللہ تعالیٰ سب حضرات کو اس تکلیف فرمائی پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ پھر یکم مارچ ۸۱ء کو لاہور میں آل عزیز کے عصرانہ ولیمہ میں بھی احباب جس گرمجوشی کے ساتھ شریک ہوئے اس کا بھی دل نے نہایت گہرا اثر قبول کیا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

لاہور میں مسجد شہداء کا درس، مسجد دارالسلام کا خطبہ جمعہ اور کسی نہ کسی مقام پر مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس تو گویا معمولات ہی میں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ نیپا (NIPA) اسٹاف کالج اور اکیڈمی فار ایڈمنسٹریوٹریفنگ ایسے سرکاری تربیتی اداروں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہیں تقاریر و خطابات کا سلسلہ بھی چلتا ہی رہتا ہے۔ ان پر مزید اضافہ رفقاء احباب کے حلقے میں شادی اور غمی کی تقاریب میں شرکت اور خطاب کا ہو گیا ہے۔ اور ان سب پر مستزاد ہیں تنظیم اسلامی کے خصوصی اجتماعات اور مجالس مشاورت اور مرکزی انجمن خدام القرآن کی مجلس منتظمہ کے اجلاس اور قرآن اکیڈمی، معہد ثانوی اور دارالمقامہ کے انتظامی معاملات کا ”در در“ بقول علامہ اقبال:-

سے خدائی اہتمام خشک و تر ہے خداوند خدائی در در ہے ۱۱

اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ صحت تیزی سے گورہی ہے اور بڑھا پائیزی سے دوڑتا ہوا آتا نظر آتا ہے تاہم جیسے کہ اس سے پہلے عرض کیا گیا، یہ اطمینان دل کو حاصل



ہے کہ :- ”جنہوں میں جتنی بھی گزری بکار گزری ہے!“

اس ”اہتمام خشک وتر“ کی نہایت نمایاں مثال ”محاضرات قرآنی“ کے انتظام و انصرام کی بجاگ دوڑ تھی جن کا سلسلہ قرآن اکیڈمی میں ۲۳ ستمبر ۱۳ مارچ تک مسلسل نو دن جاری رہا۔ اور جن میں چھتیس<sup>۳۶</sup> اصحاب علم و فضل اور ارباب دانش و بیش نے حصہ لیا۔ یوں کہنے کی تو یہ بات ایک جملہ میں آگئی لیکن اتنی کثیر تعداد میں مقررین اور مقالہ نگار حضرات کو جمع کرنا کتنا بڑا ”دردِ سر“ ہے اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس قسم کے سیمینار منعقد کرانے کا کبھی تجربہ ہوا ہے، ان محاضرات کی مختصر روداد اور اس کے شرکاء کے اسماء گرامی کی فہرست ”میشاق“ بابت اپریل مئی ۸۱ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ابتداءً خیال یہ تھا کہ ان مجالس میں جو مقالات پیش ہوئے ان پر مشتمل ”میشاق“ کا ایک خصوصی شمارہ شائع کر دیا جائے گا۔ بعد میں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور کی قائم کردہ ”آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کانگریس“ کے ڈائریکٹر صاحبان نے ازراہ کرم اپنے پرچے ”حکمت قرآن“ کا ڈیکلریشن انجمن کے نام منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ تو خیال ہوا کہ آئندہ ”میشاق“ کو تو ایک دعوتی، تبلیغی اور تنظیمی پرچہ بنا دیا جائے (جو تنظیم اسلامی کے زیر اہتمام شائع ہوا) اور ”حکمت قرآن“ کو خالص علمی جریدے کی حیثیت دیدی جائے اور اس کی پہلی اشاعت ان ہی ”محاضرات قرآنی“ پر مشتمل ہو۔ انسوس کہ توقع کے خلاف انتقال ڈیکلریشن کی دفتری کارروائی کا سلسلہ دراز ہو گیا اور تاحال یہ مرحلہ طے نہیں ہو پایا۔ تاہم توقع ہے کہ اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی۔ دریں اثناء اس شمارے میں ”تبرکات“ علامہ منظور احسن عبتسی کی ایک خوبصورت تحریر بعنوان ”الحمد للہ“ پیش کی جا رہی ہے جو ان ہی محاضرات کی ایک نشست میں خطبہ صدارت کے طور پر پیش کی گئی تھی۔

ماہ اپریل میں ایک تو اپنی دوسری بچی کی شادی کی ذمہ داری سے فراغت حاصل کی، دوسرے پاکستان میٹل سٹیر اسلام آباد کی دعوت پر ایک چپکڑ راولپنڈی اسلام آباد کا لگا۔ جہاں دو دنوں میں دو تقریریں سیرت النبی کے موضوع

پر ہوئیں۔ ان میں شرکار کی تعداد، اور ان کا ذوق و شوق ویدنی تھا۔ وہاں کے کارکنوں کا کہنا تھا کہ اتنے کامیاب پروگرام اس ادارے کے تحت اس سے قبل کبھی نہیں ہوئے۔ **فللہ الحمد والممنۃ!** اس دورے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ انجمن خدام القرآن راولپنڈی اسلام آباد، جو کچھ عرصے سے تعطل کا شکار چلی آرہی ہے اسے از سر نو فعال و متحرک بنایا جائے۔ لیکن انہوں نے یہ مقصد حاصل نہ ہو سکا!

یکم تا ۴ مئی قرآن اکیڈمی لاہور میں تنظیم اسلامی، کا چھٹا سالانہ اجتماع منعقد ہوا۔ اس میں ایک مفصل تقریر تو راقم نے جمعہ یکم مئی کو بعد نماز مغرب افتتاحی اجلاس میں کی جس کی نوعیت جلسہ عام کی تھی جس میں تنظیم اسلامی کی دعوت کو حسب ذیل سوالات کے جوابات کی صورت میں بیان کیا گیا کہ:-

### ۱۔ اذرتے قرآن حکیم

ہمارے بنیادی دینی ذرائع کیا ہیں؟  
اور آیا ان کی ادائیگی انفرادی طور پر ممکن ہے؟

### ۲۔ سنت رسول کا مقام کیا ہے؟

اور موجودہ دور میں اتباع رسول اور احیاء سنت کے تقاضے کیا ہیں؟

### ۳۔ طریقت اور سلوک کی حقیقت کیا ہے؟

اور تقرب الی اللہ کے ذرائع و وسائل کون سے ہیں؟

### ۴۔ مزید برآں یہ کہ

ملک و ملت کے بقاء و استحکام کے ضمن میں ہم اپنی ذمہ داریاں کس طرح ادا کر سکتے ہیں؟

اور دوسری اس سے بھی مفصل تقریر رجوتین گھنٹے سے بھی زائد میں مکمل ہو سکی تھی، اختتامی اجلاس میں کی جس میں نہ صرف یہ کہ تنظیم اسلامی کی مخصوص مقصدی تنظیم جس کی اساس شخصی بیعت پر قائم ہے، کے بارے میں تفصیلی وضاحت کی گئی

بلکہ اس کے لازمی تقاضے کے طور پر راقم نے اپنی ذات سے متعلق بھی شرح و بسط کے ساتھ کلام کیا اور اپنی خامیوں اور کوتاہیوں اور مختلف پہلوؤں سے اپنی ذاتی LIMITATION کو کھول کر بیان کر دیا تاکہ جسے بھی میرا ساتھ دینا ہو وہ خالصہً اپنے احساسِ فرض کے تحت ساتھ دے اور مجھ سے وہ توقعات وابستہ نہ کرے جو میں پوری نہیں کر سکتا۔ ان دونوں تقریروں کو ٹیپس صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کا ہفت خواں، تو محترم شیخ جمیل الرحمن نے طے کر لیا ہے۔ ابھی اُس پر میری نظر ثانی کا مرحلہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بھی طے کرانے تو انشاء اللہ یہ دونوں تقریریں تنظیمِ اسلامی کی دعوت و ہیئت سے متعلق جملہ سوالات کا تشفی بخش جواب بن جائیں گی اور ان سے تنظیم کے کام کو آگے بڑھانے میں بڑی مدد ملے گی۔ اور کیا عجب کہ اللہ چاہے تو جیسے ہی ممکن قرآن کا پہلا شمارہ 'محاضراتِ قرآنی' پر مشتمل شائع ہو۔ 'میشاق' کا ایک خاص نمبر تنظیم کے زیرِ اہتمام ان تقاریر پر مشتمل شائع ہو جائے، ذمہ اللہ علی اللہ بعزیز!

اس سال امریکہ کے احباب کی جانب سے ادائل اپریل ہی میں ثقافتی شروع ہو گئے۔ دراصل وہ ایم ایس اے (مسلم سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نارٹھ امریکہ) کی سالانہ کنونشن میں میری شرکت کے شدت سے خواہاں تھے۔ جو ۲۳ تا ۲۵ مئی منعقد ہونے والی تھی انکی خواہش تھی کہ میں اس کنونشن سے خطاب کروں۔ مجھے گزشتہ دو سالوں کے دوران ایم ایس اے کی ایک ذیلی تنظیم آئی ایم اے (اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن آف نارٹھ امریکہ) کا جو تجربہ ہو چکا تھا اس کی بنا پر میں جانتا تھا کہ یہ بیل منڈے چڑھنے والی نہیں۔ تاہم کچھ اس وجہ سے کہ اس زمانے میں امریکہ اور پاکستان کے مابین نہ ڈاک کا نظام تسلی بخش ہے نہ فون کا لہذا افہام و تفہیم ممکن نہ تھی کہ کچھ اپنی اس طبعی کمزوری کے باعث کہ احباب کی فرمائش رد نہیں کر سکتا اور کچھ اس خیال کے تحت کہ جس کنونشن کا ذکر بہت عرصے سے سننے میں آتا رہا ہے اس کی میری سہی میں نے ان کے

مطالبے کے آگے ہتیار ڈال دیئے اور طے پایا کہ مئی کے پہلے ہفتے میں تنظیم کے سالانہ اجتماع کے فوراً بعد امریکہ کے لئے رختِ سفر باندھ لیا جائے۔ ادھر مارچ کے اواخر میں پاکستان ٹیلیوژن کی جانب سے ”الہدٰی“ کے عنوان سے مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کے سلسلہ وار درس کا ایک ہفتہ وار پروگرام طے پایا جس کا آغاز اواخر اپریل سے ہونا تھا۔ نتیجہً ماہ اپریل کا معتد بہ حصہ ٹیلیوژن اسٹیشن پر اپنی ملک سے غیر ماضی کے عرصہ کے لئے ”الہدٰی“ کی پیشگی ریکارڈنگ میں گذرا۔ الحمد للہ کہ سورۃ العصر، آیہ بر سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع، سورۃ فاتحہ اور سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰ تا ۱۹۶ پر مشتمل پانچ اسباق کی ریکارڈنگ سولہ نشستوں میں مکمل ہو گئی جو لگ بھگ چار ماہ کے لئے کافی تھی۔

یہ معاملہ بھی غالباً ایسے سب ہی لوگوں کے ساتھ پیش آتا ہے جن کے دل میں کسی مقصد کی لگن ہو اور سر پر اُس کی دھن سوار ہو کہ جب کوئی مشقت نمر پر اُن پڑتی ہے تو جسم و جان کی جملہ **RESERVE** توانائیاں بروئے کار آکر اُس مرحلے کو طے کر دیتی ہیں لیکن اُس کے فوراً بعد ردِ عمل کا ظہور ہوتا ہے اور صحت ایک دم جواب دے جاتی ہے چنانچہ اس سال جنوری تا مئی جو شدید مشقت رہی اس کے نتیجے میں ایک بار تو وسط مارچ میں شدید علالت کا دورہ ہوا۔ اور دوسری بار تنظیم کے اجتماع سے فراغت کے فوراً بعد اسی کیفیت کا اعادہ ہوا۔ بنا بریں اس سال امریکہ کے سفر میں میں نے اپنے دوسرے بیٹے عزیزم عاکف سعیدؒ کو ساتھ لے لیا، جنہوں نے اکیٹ جانب تو اسی سال ایم اے (فلسفہ) کی تکمیل کی ہے اور دوسری جانب بفضلہ تعالیٰ گزشتہ سال حفظ قرآن کی تکمیل بھی کر لی تھی اور گزشتہ رمضان المبارک میں تراویح میں ہمیں قرآن مجید سنا بھی لیا تھا۔ لاہور سے ہم باپ بیٹا ۱۰ مئی کو کراچی کے لئے — اور وہاں سے ۱۲ مئی کو علی الصبح (ڈھائی بجے) نیویارک کے لئے روانہ ہوئے جہاں ہم اسی تاریخ کی شام کو ساڑھے چار بجے پہنچ گئے (کوئی مغالطہ نہ ہو، ان چودہ گھنٹوں پر وقت کے فرق کی بنا پر دس گھنٹوں کا اضافہ کیجئے تو صحیح

مدت سفر سامنے آئے گی، یعنی چوبیس گھنٹے!) عجیب بات ہے کہ راقم تو اس سال پھر ٹھیک ۴۲ دن سرزمین شمالی امریکہ پر بس کر کے ۲۳ جون کو واپس روانہ ہو گیا۔ امریکہ کے پہلے سفر کی جو روداد راقم نے قلمبند کی تھی اس کا عنوان تھا، ”امریکہ میں ۴۲ دن“ اور پانچ دن لندن میں قیام کر کے ۳۰ جون کی صبح کراچی اور اسی شام کو لاہور پہنچ گیا۔ البتہ عزیزم عاکف سعید کو احباب شگاکو نے روک لیا کہ رمضان میں یہیں تراویح پڑھا کر جائیں۔ چنانچہ وہ وہاں اکیسویں شب کو ختم قرآن کے بعد روانہ ہوئے اور راستے میں عمرہ سے مشرف ہوتے ہوئے ٹھیک ایک ماہ بعد یعنی ۳۰ جولائی کو لاہور پہنچے!! بسم اللہ ولجنا وعلیکم بنا توکلنا ائبونا تائبون لربنا حامدون۔

امریکہ کے ۴۲ دنوں میں سے اس بار نیویارک میں تو جلتے ہوئے دو دن اور واپسی پر صرف چند گھنٹے رکنا ہوا۔ سب سے زیادہ وقت شگاکو میں لگا، یعنی بیس دن، چار دن بلومنگٹن میں ایم ایس اے کنونشن کی نذر ہوتے، چھ دن لاس اینجلس میں صرف ہوتے، سات دن ٹورنٹو میں گزرے، صرف دو دن مانٹریال کے لئے نکل سکے، اور صرف ایک دن واشنگٹن اور بالٹی مور کے علاقے کے احباب کے تجدید ملاقات کے لئے نکل سکا۔

اس سفر کی روداد اور اس کے تاثرات کو تفصیلاً قلمبند کرنے کے لئے نہ وقت و فرصت ہی موجود ہے نہ ہی اس کی کوئی خاص ضرورت یا افادیت ہے۔ ویسے بھی اگرچہ غلامہ اقبال نے تو مشرق و مغرب کے مابین ایک فرق یہ بھی بیان کیا ہے کہ ”وہاں دیگر گوں ہے لحظہ لحظہ یہاں بدلتا نہیں زمانہ!“ لیکن وہاں کے بھی گذشتہ سال اور اس سال کے حالات میں اتنا لمبا چوڑا فرق نہیں ہے کہ تاثرات، از سر نو بیان کرنے کی ضرورت ہو۔ تاہم اس بار تین باتیں ایسی نئی ہوئی ہیں جن کا ذکر یقیناً قارئین ”میشاق“ کی دلچسپی کا موجب ہوگا۔ ایک تو وہی ایم ایس اے کنونشن کی ”سیر“۔ جس پر اسماعیل میرٹھی کا یہ شعر ذرا سے تصرف کے ساتھ خوب چسپاں ہوتا ہے کہ ”دل میں شوق کا سودا دیکھا۔“ کنونشن ہم نے بھی جا دیکھا!“۔ اس میں ہرگز کوئی شک

لے گذشتہ دورے کی تفصیل تاثرات و مشاہدات قسط وار اسی سال ”میشاق“ میں شائع ہو چکے ہیں (مرتب)

نہیں کہ یہ اجتماع امریکہ کے نوآباد، مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی زندگی کے ایک اہم منظر کی حیثیت رکھتا ہے اور اگرچہ ایم ایس اے کے مخالفین نو اس پرنیم مذہبی اور نیم سماجی میلے، یا اس سے بھی بڑھ کر ”رشتوں کی منڈی“ وغیرہ کی پھبتیاں چست کرتے ہیں لیکن راقم کی رائے میں اس کی افادیت اپنی جگہ مستحکم ہے۔ امریکہ ایسے ”دیار غیر“ میں تین چار ہزار کی تعداد میں مسلمانوں کا جمع ہونا بجائے خود ایک نہایت دل خوش کن اور مبارک بات ہے خصوصاً جبکہ شرکار کی غالب اکثریت کا بھی کسی نہ کسی درجے میں دین و مذہب سے لگاؤ ہوا اور کنونشن کے پروگراموں پر توفیق ملنے چھاپ ہی دین کی ہو۔ افسوس کہ کارکنوں کے باہمی اختلافات اور قائدین کی رستہ کشی سے گزشتہ چند سالوں کے دوران ایم ایس اے کی ساکھ اور شہرت کو شدید نقصان پہنچا ہے تاہم تقریباً پورے شمالی امریکہ ریو ایس اے اور کینڈا کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے اپنے وسیع تنظیمی ڈھلنچے اور نہایت وسیع سلسلہ مطبوعات کی بنا پر نوجوانوں کی یہ تنظیم امریکہ کے مقامی اور قدیم و جدید نوآباد، مسلمانوں کی وقیع خدمت سرانجام دے رہی ہے۔

— باہمی اختلافات اور رستہ کشی کے اسباب کچھ تو وہی ہیں جو ہر جگہ ہوتے ہیں یعنی نمایاں کارکنوں کی شخصیتوں کا ٹکراؤ، اس پر مزید اضافہ ہوا ہے مختلف مسلمان ملکوں میں نظریاتی اور سیاسی کشمکش کے انعکاس سے اور اس جلتی پر تیل کا کام کیا ہے وپٹر و ڈالر کی بارش نے — چنانچہ غالب کے دو جوہر اندیشہ کی گرمی“ کی مانند اختلاف کی شدت کا عالم یہ ہے کہ ایم ایس اے کے موستسین میں سے ایک نہایت فعال شخصیت، جو ایک طویل عرصے تک اُس کے ”ٹاپ باس“ میں شامل رہی ہے لیکن اب ”معتوبین“ کی تہرست میں شامل ہے، کی زبان سے راقم نے خود یہ سنا کہ اس کنونشن میں ایم ایس اے اور اس کے جملہ ذیلی تنظیموں کے نگران ادارے کی حیثیت سے جس عظیم تر تنظیم یعنی ”اسلامک سوسائٹی آف نارٹھ امریکہ“ کے قیام کا فیصلہ ہوا اُس کے INITIALS یعنی ”ISNA“ کو انہوں نے

“IN-BREEDING OF THE SCHIZOPHRENICS  
AND NEO-PARANOID OF AMERICA”

کے مترادف قرار دیا۔ یعنی ”امریکیہ کے چند ذہنی عدم توازن اور احساس بڑی کے شکار لوگوں کی انجمن امداد و استقرار باہمی“۔ ایم ایس لے پر ایک بہت بڑا اعتراض یہ ہے کہ اُس پر صرف ایک ذہن کا قبضہ ہے یعنی بلاد عرب کی والاخوان المسلمون، اور بلاد ہند و پاک کی ”جماعت اسلامی“ کا وجود حقیقت ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ میری رائے میں اسی میں اس تنظیم کے استحکام کا راز منظر ہے۔ ورنہ اگر فعال شخصیتوں کے ٹکراؤ کے ساتھ ساتھ فکری اور نظریاتی رستہ کشی بھی اس میں در آتی تو اس کا شیرازہ کبھی کا منتشر ہو چکا ہوتا۔ بہر حال اسی کا ایک مظہر یہ ہے کہ کنونشن میں مہمان مقررین صرف ان دو حلقوں سے بلائے جاتے ہیں اور کسی ایسے شخص کا اُس کے سیٹج پر آنا ممکن نہیں ہے جو اُن میں سے کسی کے نزدیک کسی اعتبار سے ”نا پسندیدہ“ ہو۔ چنانچہ اس سال کے مہمان مقررین میں نمایاں حضرات مصر کی اخوان المسلمون کے پروفیسر محمد قطب تھے جو آجکل سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ امیر جماعت اسلامی ہند مولانا محمد یوسف تھے، مدیر تجارت، کراچی جناب صلاح الدین تھے اور نائب امیر کا لعدم جماعت اسلامی پاکستان چودھری رحمت الہی تھے۔ راقم کے احباب نے اپنے خلوص اور جذبے کی تحت جو کوشش کی تھی اسے ناکام ہی ہونا تھا۔ سو وہ ناکام ہوئی۔ البتہ ایک روز فجر کی نماز کے بعد پروگرام کے مطابق جن صاحب کو درس قرآن دینا تھا وہ تشریف نہ لائے اور سرکاری، مقررین و مدرسین میں سے بعض دوسرے حضرات کے نام پکارنے پر معلوم ہوا کہ اُن میں سے بھی کوئی موجود نہیں ہے تو منتظمین کی جانب سے چار و ناچار راقم کو دعوت دی گئی۔ راقم کے لئے اس اچانک صورت حال کا سامنا کافی پریشان کن تھا اس لئے کہ مجمع اردو، انگریزی اور عربی بولنے والوں کا ملا جلا سامتا اور درس یا خطاب انگریزی ہی میں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ راقم نے پہلے تو خیال کیا کہ معذرت کر لے لیکن پھر اپنے احباب کے جذبات و احساسات کے لحاظ کی وجہ سے:- ”تاب لاتے ہی بنے گی غائب، مرحلہ سخت ہے اور جان عزیز!“ کے مصداق کھڑے ہوتے ہی بنی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور سورہ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ کے مفہیم پر

مشتل تیس چالیس منٹ کا خطاب رہا۔ جسے احباب نے تو بہت ہی کامیاب قرار دیا لیکن میری رائے میں اس میں ان کی ”حوصلہ افزائی“ کا تناسب واقعہ اور حقیقت سے زیادہ ہے!! — اس کے علاوہ کنونشن کے مین ہال کے باہر لائنچ میں جہاں بہت سے اداروں کے اسٹال لگے ہوئے تھے وہاں ہمارے ساتھیوں نے ”انجمن خدام القرآن شکاگو“ کا اسٹال بھی اہتمام کے ساتھ لگایا جہاں کتابوں اور کیسٹوں کی فروخت کے علاوہ وی سی آر کے ذریعے راقم کے دروس کی فلم مسلسل دکھائی جاتی رہی اور اس طرح ہماری دعوتِ قرآنی کا تعارف وسیع پیمانے پر ہو گیا۔ مزید برآں بعض مشاہیر بالخصوص مولانا محمد یوسف صاحب مفضل ملاقاتوں کا موقع ملا جو میرے نزدیک اس کنونشن میں شرکت کا اصل حاصل ہے!!

دوسری نئی بات جو اس بار ہوئی وہ یہی راقم کا انگریزی زبان میں درس و خطاب کا حادثہ ہے۔ راقم کی پوری زندگی برصغیر ہندوپاک کی فضا میں گزری ہے۔ اور اس کا بھی اکثر و بیشتر سجدۃً و منبر و محراب، کے آس پاس بسر ہوا ہے۔ بیرونی سفر ہوئے بھی تو اکثر و بیشتر ”ملا کی دوڑ مسجد تک“ کے مصداق حج یا عمرے کے لئے دیارِ مقدس کے سینتالیس برس کی عمر تک دیارِ مغرب میں صرف ایک بار جانا ہوا تھا اور وہ بھی صرف ایک ماہ کے لئے چنانچہ انگریزی زبان میں تقریر کا تو کیا سوال کبھی گفتگو کا موقع بھی نہیں ہوا۔ چنانچہ اس معاملے میں راقم کی جھجک کا عالم یہ رہا ہے کہ امریکیہ کے گذشتہ دو دوروں کے دوران کسی کو فون کرنے سے بھی صرف اس لئے کتراتا تھا کہ معلوم دوسری جانب سے کون لیسوا اٹھائے اور کسی آپریٹر وغیرہ سے انگریزی میں گفتگو کرنی پڑگئی تو مصیبت بن جائے گی۔ دوسری طرف احباب کا شدید تقاضا تھا کہ دروس و خطابات کا سلسلہ انگریزی میں بھی شروع کیا جائے۔ بصورتِ دیگر یہاں کے غیر مسلموں تک تو دعوت پہنچانے کا سوال ہی کیا ہے، مقامی مسلمانوں کے علاوہ لاتعداد عربوں، ترکوں، ایرانیوں، اور افریقیہ، انڈونیشیا اور ملائیشیا وغیرہ کے مسلمان ”نوادروں“ سے بھی کوئی رابطہ قائم نہ ہو سکے گا۔ بلکہ اس



سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود ہندو پاکستان کے اردو بولنے والے ”تازہ واردانِ بساطِ  
ہوائے دل“ کی نوجوان نسل بھی بالکل محروم رہے گی اس لئے کہ وہ بھی صرف  
گھریلو استعمال کی اردو سے واقف رہ گئی ہے۔ علمِ ادب سے اس کا ذہنی رابطہ  
بھی اردو کے حوالے سے بالکل نہیں ہے اور فی الوقت مسلمانانِ امریکہ کا اہل  
مسئلہ اسی نوجوان نسل کا ہے، — راقم کو احباب کے ان دلائل سے تو انکار  
نہ تھا لیکن ”لا یكلفُ اللہ نفساً الا وُسْعَہَا“ کی قرآنی دلیل کے سہارے  
انگریزی میں خطاب کی کوشش سے اُس کا انکار علیٰ حالہ قائم رہا۔ چنانچہ گزشتہ  
دو دوروں کے دوران راقم نے انگریزی زبان میں یا تو جمعہ کے خطبے لکھ کر پڑھے  
تھے یا ایک مقالہ ”پندرہویں صدی ہجری :- اس کا چیلنج، توقعات اور اندیشے“  
کے موضوع پر پڑھ کر سنایا تھا۔ اس سال ایک تو جاتے ہی شکاگو کے احباب  
بالخصوص ڈاکٹر خورشید احمد ملک صاحب نے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا چنانچہ  
اتوار ۱۷ مئی ہی کو قبل از نماز ظہر ایم سی سی میں انگریزی میں ایک ”منہ زبانی  
تقریر ہو گئی تھی، دوسرے ایم ایس اے کنونشن کے موقع پر بوئنگٹن میں متذکرہ  
بالا حادثہ پیش آگیا۔ اُسے امریکہ کے رفقاء احباب نے جس طرح -  
کیا اُس کا اندازہ ڈاکٹر نسیم اللہ خاں (پی ایچ ڈی) صدر انجمن خدام القرآن  
ٹورنٹو (کینیڈا) کے اس خط سے لگایا جاسکتا ہے :-

” ۲۶ - مئی ۱۹۸۱ء

السلام وعلیکم - آج صبح خورشید سے فون پر گفتگو ہوئی۔ امید ہے  
ان کی اور میری ادھیہاں کے بہت سے احباب کی درخواست منظور  
کرتے ہوئے آپ یہاں کا سارا پروگرام انگریزی ہی میں کریں گے۔  
یہاں کے سارے دینی کاموں میں تفرقہ بندی کی ایک وجہ زبان بھی  
ہے۔ سارا دینی مواد اردو یا عربی میں ہے۔ انگریزی کی کتب ایسی  
نہیں ہیں جنہیں حلقوں کا نصاب بنایا جاسکے۔

ہم اپنی ہفتہ وار مجلسوں میں آپ کے اردو دروس کے ٹیپ  
کے بعد انگریزی میں خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ لیکن اصل ٹیپ اردو

میں ہونے کے باعث ہم مقامی عرب، ایرانی اور دیگر مسلمانوں میں دعوت کے کام کو بہت سست پاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امسال بلومنگٹن میں جو غیر متوقع موقع پیدا کیا اُس سے انشاء اللہ اب آپ کی انگریزی کی جھجک ہمیشہ کے لئے نکل گئی ہوگی۔ کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اس تحریک کو عالمی تحریک بنانے کے لئے یہ موقع بہم پہنچایا ہو!

والسلام، خاکسار نسیم

بہر حال احباب کی اس نوع کی یقین دہانیوں اور حوصلہ افزائیوں کی تقویت پا کر اور خود اپنی جگہ پر بھی اسے ایک اشارہ غیبی سمجھتے ہوئے راقم نے انگریزی میں درس و خطاب کے لئے کمر کس لی۔ چنانچہ اس سال شکاگو اور ٹورنٹو میں اگرچہ درس قرآن کا اصل سلسلہ تو اُڑ رہی ہیں رہا جس میں مطالعہ قرآن کے منتخب نصاب کے جو اسباق گذشتہ دو سالوں کے دوران ٹورنٹو اور شکاگو کے سلسلہ درس میں رہ گئے تھے ان میں سے اکثر کی تکمیل ہو گئی (اور اس طرح تقریباً پورے منتخب نصاب کے دروس کے کیسٹ مقامی طور پر تیار ہو گئے) تاہم ان دونوں مقامات پر بھی متعدد درس اور خطاب انگریزی میں ہوئے اور لاس اینجلس میں تو تقریباً پورے کا پورا پروگرام ہی انگریزی میں ہوا جس میں منتخب نصاب میں شامل دو اہم سورتوں یعنی سورہ صف اور سورہ جمعہ کے کامل اور سورہ حجرات اور سورہ شوریٰ دونوں کی آیات ۱۳ تا ۱۵ کے دروس شامل ہیں۔ (ان کو آج کل ایک امریکی نو مسلم دوست عبداللہ مصطفیٰ ٹیپ سے صفحہ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں، اگر مناسب سمجھا گیا تو ان سب کو نیچا شائع کر دیا جائے گا) بہر حال اس معاملے میں راقم خود حیران ہے کہ ایک شخص جسے انگریزی میں گفتگو میں بھی تکلف ہوتا ہے اُس نے ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے کے خطاب انگریزی میں کیسے کر لئے!۔ لیکن یہ بھی غالباً وہی لگن اور دھن والا معاملہ ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے اور جو بسا اوقات ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے!!

عالمیہ سفر کا تیسرا خیلا و اہم واقعہ امریکہ کے افریقی الاصل مسلمانوں کی سب سے بڑی اور سب سے منظم جماعت کے ساتھ باقاعدہ رابطہ اور اُس کے قائد و امام وارث دین محمد سے مفصل ملاقات ہے۔ — راقم کا رابطہ اپنے پہلے دورے ہی میں بالٹی مور میں اس گروپ کے لوگوں سے ہو گیا تھا اور وہاں مسجد میں راقم نے خطاب بھی کیا تھا۔ اس وقت بھی معلوم ہوا تھا کہ اُن کا مرکز شکاگو میں ہے اور ان کے امام سے ملنا آسان کام نہیں ہے۔ دوسرے دورے میں بھی یہی معلوم ہوا کہ اُن سے ملاقات کے لئے خاصے ہفت خواں طے کرنے پڑتے ہیں۔ لیکن اس سال ”تیسیر“ خداوندی سے جس آسانی سے اور جس قدر مفصل ملاقات ہوئی اس پر شدید حیرت ہوتی ہے۔ — اور سورۃ یوسف کے الفاظ مبارکہ کے سوا اور کوئی توجیہ سمجھ میں نہیں آتی کہ ”وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ“

یہ ملاقات عبد الحمید ڈوگر صاحب کے مکان پر ان ہی کے توسط سے ہوئی اور راقم حیران رہ گیا جب اُس نے دیکھا کہ جو کچھ سننے میں آیا تھا اُس کے بالکل عکس امام صاحب بغیر کسی ظاہری شان و شوکت کے اپنے ایک چودہ پندرہ سالہ بچے کے ہمراہ خود ہی کار چلاتے ہوئے ڈوگر صاحب کے مکان پر آگئے۔ جہاں ہم نے ساتھ ہی کھانا بھی کھایا، ساتھ ہی مغرب کی نماز بھی پڑھی جس میں میرے اصرار کے باوجود وہ ’امامت‘ کے لئے آگے نہیں بڑھے بلکہ اُن کے اصرار پر امامت مجھے ہی کرنی پڑی۔ راقم نے انہیں ایک دھمے مزاج کا حامل اور ذہین و فہیم انسان پایا۔ جس سے ان کی پوری کمیونیٹی کے مستقبل کے بارے میں اچھی امیدیں پیدا ہوئیں۔ میں نے اپنے پانچ انگریزی کتابچوں کا سیٹ بھی اُن کی خدمت میں دے دیا۔ پیش کیا ان الفاظ کے ساتھ کہ ”آپ کے پاس ان کو پڑھنے کا وقت تو یقیناً نہیں ہوگا۔ ذرا ورق گردانی کر جائیے گا!“ جس کا انہوں نے وعدہ کیا۔ انہوں نے میرے پروگرام کے بارے میں دریافت کر کے وعدہ کیا کہ ہفتہ ۲۰ مئی کو ایم سی سی میں میری تقریر میں شرکت کریں گے۔ یہ بات بھی اپنی جگہ بہت غیر معمولی تھی، اب تک سننے میں ہی آیا تھا کہ وہ خود تو کئی کئی تقریر کرتے

ہیں لیکن کسی اور کی تقریر سننا کسرِ شان سمجھتے ہیں — لیکن مجمعہ کے روزِ پیغام ملاکہ ایک شدید مصروفیت کے باعث وہ خود تو نہیں آ سکیں گے البتہ مجھے دعوت ہے کہ اتوار کو بعدِ ظہران کے ہفتہ وار مرکزی اجتماع سے خطاب کروں، یہ بات وہاں کے جملہ رفقا و احباب کے لئے حد درجہ حیران کن تھی۔ اس کے یہ حضرات اپنے اسٹیج پر کسی دوسرے شخص کو کبھی نہیں آنے دیتے — بہر حال اتوار ۳۱ مئی کو شکاگو کے سٹونی آئی لینڈ (STONY ISLAND) میں واقع ان حضرات کے مرکز میں بعدِ نمازِ ظہر راقم نے ایک گھنٹہ خطاب کیا جس میں موقع کی مناسبت سے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۰۲ تا ۱۰۴ اسی کے مطالب بیان کئے گئے۔ الحمد للہ کہ تمام مجمع نے نہایت سکون اور توجہ کے ساتھ بات سنی اور میں خود یہ محسوس کر رہا تھا کہ ”از دل خیزد بر دل ریزد“ والا معاملہ ہو رہا ہے۔ فلاذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم“ !! امام وارث وہاں بنفس نفیس موجود تھے۔ بعد میں انہوں نے مختصر سے خطاب میں میرا شکریہ بھی ادا کیا۔ نیز ان پانچ کتابچوں کے بارے میں فرمایا کہ میں نے ان سب کو اچھی طرح پڑھا ہے اور بہت مفید پایا ہے اور ہم ان شاء اللہ ان کتابچوں کو خود شائع کریں گے۔ اس ضمن میں یہ تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہمارا ان پر کوئی حقِ طباعت و اشاعت محفوظ نہیں ہے۔ اس وقت مزید یہ اضافہ بھی کر دیا کہ اگر آپ چاہیں تو آپ کو اجازت ہے کہ ان پر مصنف کی حیثیت سے میرا نام بھی شائع نہ کریں۔ بہر حال یہ ایک اہم پیش قدمی ہے جو خالصۃ اللہ کے فضل و کرم اور بالکلیہ اُسی کی تدبیر و تصرف سے حالیہ دورے میں ہوئی۔ اس سے اگر کوئی خیر کی راہ نکلی تو وہ سراسر اُستی کے لطف و کرم کا مظہر ہوگی۔ اور اگر ہم کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے تو یہ کلیۃً ہماری نااہلی اور کوتاہی ہوگی۔ اللہم وفقنا لہما ننجب و شرضی و تقبل منا انک انت السميع العليم ہ

امریکہ سے واپس آتے ہوئے اس سال پانچ روز کا قیام لندن میں بھی ہوا۔ وہاں راقم کا پورے دس سال بعد جانا ہوا تھا۔ پہلے پاکستان اور سعودی عرب

سے لندن جانا ہوا تھا تو لندن بہت عظیم شہر معلوم ہوا تھا اب امریکہ سے وہاں آمد ہوئی تو اُس کے مقابلے میں وہ گاؤں سا نظر آیا۔ وہاں پانچ روز برادر مہیب حسن سلمہ کی شب و روز معیت میں ملاقاتوں اور درس و خطاب کی مجلسوں میں گزرے اُن کی داستان بجائے خود بہت طویل ہے۔ وہ ان شاء اللہ اُنڈہ کسی صحبت میں گوش گزار ہوگی۔

پاکستان واپسی ہوئی تو ایک تو بفضلہ تعالیٰ ”الہدیٰ“ کی مقبولیت کا چرچا سننے میں آیا۔ بالخصوص اس خبر کے حوالے سے کہ درمیان میں اخبارات میں کہیں یہ اطلاع آگئی تھی کہ یہ پروگرام اُنڈہ سہ ماہی میں بند کر دیا جائے گا۔ اور اس کی جگہ کوئی اور مذہبی پروگرام ہوگا تو اس پر تاروں اور خطوں کا سیلاب آگیا جس کا ذکر ایک سے زائد بار ٹیلی ویژن کے پروگرام ”اپنی بات“ میں بھی ہوا۔ اس کے علاوہ نجی گفتگوؤں اور خطوط وغیرہ میں جو تنازعات سامنے آئے ان پر اللہ تعالیٰ کا شکر قلب کی گہرائیوں سے نکلا اور ساتھ ہی بحمد اللہ یہ احساس بھی شدت کے ساتھ ہوا کہ اس میں میرا ہرگز کوئی کمال نہیں، یہ سب اللہ کی کتاب کا اعجاز اور اس کی قوت تسخیر کا منظر ہے۔ یہ فوری حیرت کا معاملہ صرف اس لئے ہے کہ بد قسمتی سے ہم نے اس کتاب کو بالکل بند کر کے طاق نسیان پر رکھ چھوڑا تھا۔ اب جو اُس کے علوم و معارف کا قدرِ قلیل لوگوں کے سامنے آیا تو اُس سے بھی وہ متحیر و مبہوت ہو کر رہ گئے۔ یقیناً مسلمانوں نے اللہ کی کتاب کا حق تبلیغ و تبیین کسی درجے میں بھی ادا کیا ہوتا تو وہ اس ذلت و رسوائی سے دوچار نہ ہوتے جو فی الوقت ان کا مقدر بن گئی ہے۔

— بقول علامہ اقبال مرحوم، —

وہ زلمے میں معزز تھے مسلمان ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر  
اور خوار از مہجوریِ تشرآن شدی شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی !  
اے چو شبنم بر زمیں افتندہ در بغل داری کتابِ زندہ  
بہر حال اس صورتِ حال میں خود میرے لئے جو فتنہ مضمر ہے الحمد للہ  
کہ میں اس پر پورے طور سے متنبہ ہوں۔ اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک

حدیث مبارکہ میں یہ معنوں وارد ہوا ہے کہ جس شخص کی جانب اشارے ہونے لگیں وہ سخت خطرات سے دوچار ہو جاتا ہے ”الہدی“ چونکہ پورے ملک میں دیکھا جا رہا ہے اور یہ ”باتصویر“ ہوتا ہے لہذا صورت یہ بن گئی ہے کہ جہاں جانا ہوتا ہے اشارے ہونے لگتے ہیں۔ میں اللہ ہی کی پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ ”اعجاب المرء بنفسہ“ کے فتنے میں مبتلا ہو جاؤں جسے آنحضرتؐ نے تین ”مہلکات“ میں شمار فرمایا ہے اس صراحت کے ساتھ کہ ”رہی اشدٰ هُنَّ“، قارئین ”میشاق“ سے بھی استدعا ہے کہ وہ بھی راقم کے حق میں اس کی دعا کرتے رہیں۔

دوسرے ۱۴ اگست کی صبح اخبار دیکھا تو حکومت کی جانب سے خطابات کی فہرست میں ”ستارہ امتیاز“ کے ضمن میں اپنا نام بھی نظر آیا۔ اور پھر مبارکباد کے تاروں، ٹیلیفونوں اور خطوں کا تانا باندھ گیا۔ اس ضمن میں راقم کے جو قلبی احساسات و جذبات ہیں ان کا اندازہ اُس خط سے ہو سکتا ہے جو راقم نے شکر یہ ادا کرنے کے لئے صدر مملکت کو لکھا ہے۔ — وَهٰذَا:

”محترم و مکرم جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر و صدر پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

آپ نے اس ناچیز کو ”ستارہ امتیاز“ عطا فرمایا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ آپ کی ذرہ نوازی ہے۔ ”ورنہ“ من آمم کہ من داعم“ خصوصاً عالم دین ہونے کا تو میں سرے سے مدعی ہی نہیں ہوں۔ میری اصل حیثیت قرآن حکیم کے ایک ادنیٰ سے طالب علم کی ہے اور زیادہ سے زیادہ حیثیت اس کے ایک خادم کی — اسے میں ”زیادہ سے زیادہ“ اس لئے قرار دے رہا ہوں کہ میرے نزدیک واقعہً اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے کسی بندے کا سب سے بڑا اعزاز و اکرام یہی ہے کہ وہ اُسے اپنی کتاب عزیز کی خدمت کی توفیق عطا فرمادے۔ اس لئے کہ اس میں ایک ادنیٰ سی مناسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُس شانِ جلالت

نشان سے قائم ہو جاتی ہے جو سورۃ قصص کی آیت ۸۵ میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ ”إِنَّ الْكَذِبَ يَنفُورُ عَنْكَ الْقُرْآنَ“ میں بیان ہوئی ہے۔  
بہر حال یہ سراسر اُتھی کا احسان ہے کہ اس بندہ ناچیز کو اس نے اس خدمت کے لئے قبول فرمایا۔ سہ

مشت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمی کئی  
مشت شناس از او کہ بخدمت گذاشت!

میرے دل میں آپ کے اس ’عطیہ‘ پر آپ کی قدر و منزلت میں خصوصی اضافہ اس لئے بھی ہوا کہ میرا رویہ آپ کے لئے ہمیشہ چاہلوسی اور خوشامد کے بالکل برعکس تنقید و تنبیہ کا رہا، جس میں کبھی کبھی میں نے خود بھی محسوس کیا کہ قدرے تندی اور تیزی بھی آئی۔ اس سب کے باوجود اگر آپ میرا اعزاز و اکرام فرما رہے ہیں تو یقیناً یہ آپ کی عالی ظرفی اور بلند حوصلگی کی دلیل ہے۔۔۔“

پاکستان ٹیلیوژن کے تمام اسٹیشنوں سے گزشتہ تین سالوں کے دوران نورِ رمضان المبارک میں مسلسل پورے مہینے میرے ہی پروگرام چلتے رہے تھے۔ یعنی پہلے دو سال ”الکتب“ اور تیسرے سال ”السر“۔ اس سال رمضان المبارک کے دوران دینی اور مذہبی پروگرام بلاشبہ پہلے سالوں سے زیادہ رہے لیکن میں چونکہ آغازِ ماہِ مبارک سے دو دن پہلے ہی بیروتی سفر کر کے واپس پہنچا تھا اور ویسے بھی میری طبیعت اب ”الہدی“ کے سوا کسی اور پروگرام پر بشکل ہی آمادہ ہوتی ہے۔ لہذا ان میں میرا حصہ بہت کم رہا۔ تاہم لاہور ٹی وی سے جو پروگرام ”اسمائے ربانی“ کے عنوان سے ہوا اس میں چھ یوم کا پروگرام میرا رہا۔ اور آل پاکستان سطح کے پروگرام ”القرآن“ میں سے بھی طبیعت کی شدید عدم آمادگی کے باوجود دو پروگرام خصوصی فرمائش پر کرنے پڑے ایکٹ ”اکل حلال“ کے موضوع پر جو بھمد اللہ اس درجہ پسند کیا گیا کہ ’چاند رات‘ کو اسے دوبارہ بھی ٹیلی کاسٹ کیا گیا، اور دوسرا ”بنیادی حقوق“ کے موضوع پر۔ اس میں احترامِ جان کے ضمن میں راقم نے فقہ اسلامی کا متفق علیہ مسئلہ بیان کیا کہ کسی بھی انسان کی جان صرف چار حالتوں





# شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

ڈاکٹر اسرار احمد

جمعات ۲۷ اگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقد نکاح اپنے چچا زاد کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ بغیر دعویٰ انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے اودھ گھنٹہ قبل جامع القرآن، یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶) کے ماڈل ٹاؤن (لاہور) کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر اس نعت قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آتے اور بیٹھ گئے۔ بعد ازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبہ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کرا دیا مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درس قرآن شروع ہو سکے۔ بعد ازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوہاروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درس قرآن کا آغاز ہو گیا۔ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زنانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے

لے اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :-

”اَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ“ (نکاح کا اعلان عام کیا کرو) پر عمل کی موزوں

ترین صودت یہی ہے !!

بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔  
اس پر انگریزی روزنامے ”پاکستان ٹائمز“ نے بھی *AN AUSTERE* ”

*MARRIAGE* کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا ہے اور جناب م۔ ش نے تو اپنی  
ڈائری میں رونائے وقت ۳۰ اگست ۱۹۸۷ء) مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور  
”ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!“ کی سُرخی  
جمائی۔ اب جب کہ اس طور سے ”رسوائی“ ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے  
علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے  
روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!  
شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طواریتے  
جس طرح ایک سماجی بُرائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحبِ نظر  
اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لئے تو یہ تقریبات  
و رسومات صرف ”چونچلوں“ یا پھر اپنے ”کالے دھن“ کے نمائش و اظہار کے ذرائع  
کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ بیا  
بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں۔ جن کے باعث شادی  
میں تاخیر ہوتی ہے اور اس ”ام الحبابت“ (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور  
نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۷ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے  
خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوئی ہیں۔  
ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان  
طوقوں سے نجات دلائیے گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے، *وَقَدْ  
يَصْنَعُ عَنْهُمْ إِضْرَهُمْ وَلَا تَخْلُ السَّيِّئَاتُ كَانَتْ عَلَيْهِمْ* (لہذا آپ کے نقش  
قدم پر چلنے کی خواہش اور آپ کے طریق کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی ملاح  
کا داعیہ رخنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے  
نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں  
اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

# شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

## ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷ اگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقد نکاح اپنے چچا زاد کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اپنے قریب ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے یقین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے اودھ گھنٹہ قبل جامع القرآن، یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶) کے ماڈل ٹاؤن، لاہور، کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر استماع قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ بعد ازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبہ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کرادیا مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درس قرآن شروع ہو سکے۔ بعد ازاں کوئی پانچ سات منٹ چھو باروں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درس قرآن کا آغاز ہو گیا۔ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زمانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے

مٹھے اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :-

”اعلنوا هذا النکاح“ (نکاح کا اعلان عام کیا کرو) پر عمل کی موزوں

ترین صودت یہی ہے !!

بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔  
اس پر انگریزی روزنامے ”پاکستان ٹائمز“ نے بھی *AN AUSTERE* ”

*MARRIAGE* کا چوکھٹا منایاں طور پر لگایا ہے اور جناب م۔ ش نے تو اپنی  
ڈائری میں رونے وقت ۳۰ اگست ۱۹۸۱ء مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور  
”ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!“ کی سُرخی  
بجائی۔ اب جب کہ اس طور سے ”رسوائی“ ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے  
علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے  
روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!  
شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طواریں  
جس طرح ایک سماجی بُرائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحبِ نظر  
اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لئے تو یہ تقریبات  
و رسومات صرف ”چونچلوں“ یا پھر اپنے ”کالے دھن“ کے نمائش و اظہار کے ذرائع  
کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ بیا  
بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں۔ جن کے باعث شادی  
میں تاخیر ہوتی ہے اور اس ’ام الحباثت‘ (شادی کا ناخیر) کے بطن سے اخلاقی اور  
نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۹ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے  
خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوتی ہیں۔  
ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان  
طوقوں سے نجات دلائیے گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے، وَ  
يُضَعُّ عَنْهُمْ اَصْرَهُمْ وَالْاَعْلَالِ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (لہذا آپ کے نقشِ  
قدم پر چلنے کی خواہش اور آپ کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی ملاح  
کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے  
نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں۔  
اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

اس ضمن میں جہاں تک 'سادگی' کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر کہنے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات وقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادی تامل سمجھ میں آ جاتی ہے۔ یعنی "سادگی" ایک مبہم اور اضافی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ غرباء کے لئے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لئے بالکل اور !! تو جس اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہوگی اس کا حاصل و نتیجہ پیشگی ظاہر ہے۔

راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اولاً اُس وقت پیش آیا جب سلسلہ میں راقم نے لاہور میں 'دعوت رجوع القرآن' کا آغاز کیا اور درس و مطالعہ قرآن حکیم کے حلقے قائم کئے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ راقم کے قریب آتے، ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسن ظن اور ایک گودہ عقیدت پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نکاح خوانی، کسی فرمائشیں بھی آتی شروع ہوئیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس سے احتراز کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضوں اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پر جانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اولین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے 'خطبہ نکاح' کو محض "جنتر منتر" بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت، تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو 'خطبہ جمعہ' کے ساتھ "خطاب جمعہ" کا اضافہ کرنا پڑا تا کہ خطبہ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے "مَا لَا يَذْبُكُ كَلْدٌ لَا يَتْرُكُ كَلْدٌ" کے مطابق اُس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اُسے اضافی خطاب جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے 'خطبہ نکاح' سے قبل و خطاب، کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی غنچہ

تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل ہیں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر حدیث مبارکہ ”النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي“ کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ ”اتِّبَاعُ سُنَّتِ“ کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں تو یہیں یہ طے کر ہی لینا چاہیے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرات کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے۔! مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیے۔ جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ گھروں کی قرینہ آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیے۔ اور دعوتِ طعام صرف ایک ہونی چاہیے۔ یعنی ”دعوتِ ولیمہ“۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسلل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سن کر لگا ہیں نیچی کر لیتے تھے، فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بعد میں بہت سے لوگ اس ’وعظ‘ کی تائید و تصویب ہی نہیں تحسین بھی فرماتے تھے۔ لیکن جب موقع آتا تھا تو ”زمین جنبہ نہ جنبہ گل محمد“ کے مصداق پر نالہ وہیں گرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس ”لیک“ سے ہٹنا تقریباً ممکن ہے۔ تا آنکہ ۱۳۷۷ء کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد نکلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آگئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا۔ وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں گویا ہمارے خاندان کی ایک نسل لی سطح پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا

لے یہ بات بہت قابل توجہ ہے اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ”اصلاح الرسوم“ کیلئے احد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف ”اتِّبَاعُ سُنَّتِ“ کا اصول ہے اس کے سوا جو و شش کی جاہلی وہ اُسی طرح غیر موثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح ”سادگی کا دھڑا“

عزم کیا۔ اس لئے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اُس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کہنا چھوڑ دینا چاہیے گویا بقول علامہ اقبالؒ ”یا سراپا نالہ بن جایا زار پیدا نہ کرو“ خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا وہ خود بہت پختہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی وقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ رکھا، انہوں نے ہر صفا و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں بعض دوسرے اعزہ و اقارب نے معاملے کو سخت ردِ قدح اور طعن و استہزا کا موضوع بنایا اور کسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیکہ سنت نبوی صلی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ *‘CHARITY BEGINS AT HOME’* والا معاملہ ہو گیا۔ !

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے کا فیصلہ کیا ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوتِ طعام نہ ہو اور تیسرے یہ کہ ’بارات‘ کا تصویر بالکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم کے قلم سے نکل کر ’میشاق‘ لاہور کی اشاعت بابت فروری ۱۹۸۷ء کے ’تذکرہ و تبصرہ‘ کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علمدہ چارہ درتے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) میں دُعا ”۱۔ جہاں تک نکاح کی تقریکے مصاحد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ

ایسی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں (جن کا ذکر آگے آئے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین کی پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں۔ اور ان کے چہروں پر حقیقی تاثر کے اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تاجدارِ عالم اور محبوبِ ربِّ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تحتِ جگر اور دُخترِ نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو انھیں

سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سیدۃ النساء اہل الجنتہ سے افضل سمجھتا ہو اور  
اُسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے مار محسوس ہو؟ — اور دوسرے یہ کہ  
ہمیں شرم آنی چاہیے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے  
لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے۔ تا حال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا  
اور لڑکی دونوں نکاح کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ  
ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جانتے  
ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس  
کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازت ہے ایجاب، دتیلے۔  
اس طرح جب لڑکی کا خود مجلس نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس  
کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ راقم کے خیال  
میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور موثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو  
اکثر لوگ تقریب نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برہنا و رغبت آمادہ ہو جائیں  
گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابل لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اولاً نکاح  
کے بعد جو دعائے خیر دلیا اور دُھن کے لئے کی جاتی ہے اس کا بہترین ماحول  
مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں۔ اللہ کے  
کسی گھر میں کسی نماز کے متبادلہ یہ تقریب منعقد ہو اور اس کے بعد اس  
پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوش حال اور دین و ایمان کی سلامتی  
اور باہمی اُلفت و محبت کی دعا کی جائے تو امید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم  
وہ چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قناتوں، قالینوں، سوفوں  
اور کرسیوں اور رنگارنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا  
جیسے کسی اور نیک کام کے لئے صرف کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی  
گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم  
ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے  
نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق



مقتل ہدایات دے دی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم غمخیز سے کہتے ہیں کہ ہمارے ہی نے  
 ہمیں استعجاب اور طہارت تک کی بھی مقتل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال  
 ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی  
 رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے۔ اگر اس سوال کا  
 جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ جب  
 آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوت ولیمہ کی تاکید  
 فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ ”يَشْنُ الطَّعَامُ  
 الْوَلِيمَةُ يُدْعَى إِلَيْهَا غَنِيَاءُ وَيَتْرُكُ الْمَسَاكِينُ“ (یعنی دعوت  
 ولیمہ بھی کیا ہی بری دعوت ہے جس میں صاحب حیثیت لوگوں کو بلا یا جاتا ہے  
 اور مسکینوں سے صرف نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مثبت حکم بھی دیا کہ ”إِذَا دُعِيَ  
 أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا“ (جب تم میں سے کسی کو ولیمہ میں  
 بلا یا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہذیب بھی فرمائی کہ ”فَمَنْ  
 لَّمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ (یعنی جو دعوت میں  
 بلا غدر) شریک نہ ہوگا اس نے (گویا) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا  
 ارتکاب کیا) واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں ”مسلم شریف“ سے ماخوذ ہیں۔  
 پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوت طعام کوئی  
 اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسولؐ ہمیں  
 اس کا حکم نہ دیتے؟ — یا کم از کم درجہ استعجاب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟  
 اور جب اس کا کوئی ذکر نہیں

— کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟  
 اور کیا یہ اُن اضر اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں  
 کی گردنوں کا آزا کرنا مقاصد نبوت میں شامل ہے؟

دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحب عقل سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ  
 شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے  
 والوں کے لئے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے

کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے اور لڑکے والے گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو رہا ہوتا ہے لہذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا۔ لڑکی کے والدین کو اس کی شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساسِ اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کا ندھے سے اڑ گیا لیکن صحیح معنی میں اُن کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لئے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہل خانہ شکوہ ہوتے ہیں۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پلی ہوئی بچی بہنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں جانی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں۔ اس پر مستزاد میں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے خرم و احتیاط کے باوجود بہر حال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور بیل منڈے چڑھے یا نہ چڑھے۔ ان حالات میں اس گھر پر اور ان ہی گھروالوں کے ہاتھوں قورمے اور متنجن اڑانا یقیناً بڑی ہی دنائتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے۔ ایک غیرت مند اور باحمیت انسان کے لئے یہ چہرہ لا اَنکھ ذہن ادھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابلِ عذر ہے۔

۳۔ اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس ہیں: یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (E.L.I) کر دیا جائے تو خود بخود بارات کا پورا تصور ہی ختم ہو جاتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کئے جانے کے لائق بلکہ مدلائقِ اخلا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی احادیث کے پوسے ذریعے، یہاں تک کہ جتنی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ 'بارات' کیا جاسکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے یہ ایک جتنے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدگی

”چڑھائی“ کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولالے کر  
 ”فاتحانہ“ انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصور ہے جس کی بیخ کنی لازماً کی جانی  
 چاہیے۔

بات کا تذکرہ بالا تصور نہ مسترد یہ کہ خالص غمی ہی نہیں خالص  
 ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ  
 بھی لئے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور  
 لڑکی والوں پر پورا رعب بھاڑتے ہوئے بطرز استحقاق بلا قہر و اڑنا  
 اور پھر فاتحانہ شان میں ”مالِ غنیمت“ سے لدے پھندے واپس آنا! حیرت  
 ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اُس دین سے کسی طور پر  
 کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروت، وقار و  
 منانت اور دوسروں کے جذبات کے پاس دلچاط کی تعلیم دیتا ہے۔

بہر حال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث ہے۔

(۱) ہے جو مل جل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں

کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی (

(۲) اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضرب

کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں

فوراً اس تیسری کو بھی از سر نو زندہ کر لیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں

کا یہ خیال بالکل درست نہیں کہ رفتہ رفتہ اور ندریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھانے

جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار

بھی۔“

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے  
 نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کر لیں گے لیکن جب موقع آئے گا تو ”مجبوریوں“ کا ایک  
 کوہ گراں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ  
 ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات

کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا 'میتاق' کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضر اسمن آباد کے اجتماع جمعہ میں بھی — وہ تین فیصلے یہ تھے کہ: راقم الحروف آئندہ نہ کسی بارات میں شامل ہوگا۔ نہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوتِ طعام میں شریک ہوگا۔ نہ ہی کسی ایسی تقریبِ نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔!

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر شدت کی صورت پیدا ہوتی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوتا۔ الحمد للہ کہ میرے رفقاء و احباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہوگئی۔ بعد ازاں کسی دعوتِ طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارہ کر لیا۔ اور ان کی 'مجبوریوں' کے پیش نظر میں نے بھی ان پر کبیر نہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکریاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا۔ اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں۔ لیکن الحمد للہ والہ اللہ کہ اس نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پستے ثبات میں لغزش نہ آنے دی!

اس معاملے میں میرے لئے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی سچی کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بتنگڑ بن جائے گا اور سارے کئے کرانے پر پانی پھر

جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بچی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لے گیا۔ نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کہینچ تان کر کے بھی مہربانی، کے لفظ کا اطلاق کیا جاسکتا!۔

اس کے بعد بڑے بچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو مہربانی، کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی۔ یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی۔ راقم خود ان دنوں دعوتی و تبلیغی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا، دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس ”مہربانی“ میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کو نماز جمعہ کے متعلق بعد عقد نکاح ہونا تھا، اُسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اُسی شام کو وطن کو لے کر لاہور واپس ہو گئے۔ دوسری طرف رفیق مکرّم قاضی عبدالقادر صاحب نے رجن کی بچتی سے عقد نکاح ہونا تھا، راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچتی کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد بحمد اللہ سال رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طرز سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ کی آخری یعنی حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م۔ ش نے ازراہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ ”میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری رُوح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کئے وہ انٹ می تھے“ اس میں راقم نے ایک تو اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی شان مبارکہ کے حوالے سے جو ”وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ“ کے الفاظ قرآنی میں بیان ہوئی ہے حاضرین کو جرات مندانہ اقدام کی ترغیب

دلالتی تھی اور دوسرے سورہ الشراح کی آیات مبارکہ ”فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا“ کے حوالے سے تحدیثاً لِلتَّعَمُّدِ عرض کیا تھا کہ اپنی ان مساعی کے ضمن میں جس آخری اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس کا تو میں محتاج ہوں ہی رَبِّ اِنِّیْ لِمَا اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ“ — اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ وہ آسانی اور سہولت ہے جس کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی اُن پہاڑ ایسی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پر لرزہ طاری کر دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی ان ذمہ داریوں کو زمانے کے دستور معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہتا کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لئے بچوڑ دیتا۔ نتیجہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب عزیز کی کسی خدمت کے لئے نہ میرے پاس کوئی وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت — یہ سراسر اُتسی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم و جان کی تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دین متین اور بالخصوص اس کی کتاب عزیز کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباع سنت کے اس رُخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے ”اِصر“ اور ”اغلول“ کے خلاف جہاد کا بیڑہ اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت فرمادی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں اس عظیم مردِ یعنی ”وَ یُسِّرْ لَکَ الْیُسْرَی“ اور ”فَسَنُیْسِرْکَ الْیُسْرَی“ کی صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اندر اپنے چار بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی باریگرائی کا احساس تک نہیں ہوا۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِثْنَةُ ۝۱۱

جہاں تک ”جہیز“ کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور خالص ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابتداء میں نے اس کے ضمن میں صرف

’عدم نمائش‘ پر زور دیا تھا۔ اب اللہ ہمت دے اور فقار احباب کمر ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اسے بیان کر دینے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہوگا۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لیکر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجود زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق ”بہیز“ کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم مالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمد اللہ قدر مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹیچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے!!۔

خدا گواہ ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ ”عجب“ کو دخل ہے نہ ہی اس سے ”تعلی“ مقصود ہے۔ ان تمام تفصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کمر ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طور مار کے ”اصو“ اور ”اغلال“ کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ اِنْ اُرِيدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

### ہدیٰ تشکر

دستارہ امتیاز کے ضمن میں محترم صدر مملکت کو شکریہ کا جو خط لکھا گیا تھا، اسی کے ملحقہ مشتمل خطوط ان حضرات کی خدمت میں ارسال کئے گئے ہیں جنہوں نے مبارکباد کے خطوط یا تار ارسال کئے۔ بعض حضرات نے جو تار ارسال کئے ان پر ان کا اپنا پتہ درج نہ تھا اور بہت سے حضرات نے ٹیلیفون پر مبارکباد دی۔ ایسے تمام حضرات کا شکریہ بذریعہ سطور ہذا حاضر ہے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؕ

خاکسار: اسرار احمد عفی عنہ

# نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی نشری تقاریر

## سورۃ ہود

(آیات نمبر ۷ تا ۸۰)

(۱)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ  
وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ وَقَبِيحَ مَا كَانُوا  
فَعَالَ هَٰذَا يَوْمُ مَرْعَبٍ ۚ وَجَاءَهُمْ قَوْمُهُ بِهَيْئَةٍ مُّسْتَعْزِلَةٍ  
مِّنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَتَقَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي  
هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْزَوْا فِيْ ضَيْعِيْ مَا لِيْ بِمَنْكُم مِّنْكُمْ  
يَجْبُلُ رَمِيْدٌ ۚ قَالُوا الْقَدُّ عَلِمْتَ مَا لَنَا بِبَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَ  
لَكَ لَتَعْلَمَ مَا نُرِيدُ ۚ قَالَ لَوْ أَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً أَوْ إِنِّيٰ إِلَى  
لَكِن شَدِيدٌ ۚ سورة ہود آیات ۷ تا ۸۰ کا ترجمہ یہ ہے :-

”اور جب ہمارے پیغمبر لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کے بارے میں بہت  
نمکین اور مضطرب ہوا اور اس نے کہا کہ آج کا دن تو بہت ہی کٹھن ہے۔ اور  
میں اُس کے پاس اُس کی قوم کے لوگ بگٹ دوڑتے ہوئے اور بدکاری کے  
نودہ پہلے سے خوگر تھے ہی، اس نے کہا: ”اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں  
ہیں۔ وہ تمہارے لئے کہیں زیادہ پاکیزہ ہیں، پس اللہ کا خوف کھاؤ اور مجھے  
میرے مہانوں کے معاملے میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک بھی شریف آدمی  
نہیں رہا؟“ انہوں نے جواب دیا:- ”تجھے خوب معلوم ہے کہ تیری بیٹیوں پر ہمارا  
کوئی حق نہیں اور تجھے یہ بھی خوب معلوم ہے کہ ہم کس چیز کے طالب ہیں!“ لوط



نے کہا :- ”کاش خود میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ ہی حاصل کر سکتا !“

قرآن حکیم میں مکی سورتوں کا طویل ترین سلسلہ وہ ہے جو سورۃ یونس سے سورۃ مومن تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی دو سورتوں یعنی سورۃ یونس اور سورۃ ہود میں ایک حسین جوڑے کی نسبت تمام وکمال موجود ہے۔ چنانچہ ”انبیاء الرسل“ یعنی اولوالعزم رسولوں کے حالات کے ضمن میں بھی ان دونوں سورتوں میں عکسی نسبت پائی جاتی ہے، قرآن حکیم میں اس ضمن میں جن چھ رسولوں کے حالات اور ان کی قوموں کے انجام کا ذکر تکرار و اعادہ آیا ہے ان میں سے اولین یعنی حضرت نوح کا ذکر سورۃ یونس میں تقریباً نصف رکوع میں ہے لیکن سورۃ ہود میں پورے دو رکوعوں میں، اور آخری یعنی حضرت موسیٰ کا ذکر سورۃ یونس میں تقریباً ڈیڑھ رکوعوں پر پھیلا ہوا ہے تو سورۃ ہود میں درجہ اجمال سے ہے۔ اسی طرح درمیانی چار رسولوں یعنی حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب کا ذکر سورۃ یونس میں بغیر نام لئے نہایت اجمال سے صرف ایک آیت میں ہو گیا ہے جبکہ سورۃ ہود میں ان سب کے لئے ایک ایک رکوع مخصوص ہے۔

جن آیات کا ترجمہ ابھی آپ نے سماعت فرمایا ہے وہ سورۃ ہود کے ساتویں رکوع میں شامل ہیں۔ اس رکوع میں قرآن مجید کی بعض دوسری سورتوں کی طرح حضرت لوط جس قوم کی جانب مبعوث ہوئے تھے اس کے انجام بد کے ذکر کی تمہید کے طور پر حضرت ابراہیم کا ذکر بھی آیا ہے۔ یعنی وہ فرستے جو اس قوم کی ہلاکت کے حکم الہی کی تنفیذ کے لئے بھیجے گئے تھے۔ ان کی طرف جانے سے قبل حضرت ابراہیم کے پاس حضرت اسحق کی ولادت کی خوشخبری پہنچانے آئے تھے اور اسی موقع پر انہوں نے حضرت ابراہیم کو مطلع کر دیا تھا کہ جن بستیوں کی جانب حضرت لوط مبعوث ہوئے ہیں اب ان کی آخری ہلاکت کا وقت آپہنچا ہے جس پر حضرت ابراہیم نے اپنی نرم دلی کے باعث ان سے کچھ مجادلہ بھی کیا۔ جس کا آخری جواب انہیں یہ ملا کہ ”یا ابراہیم

اعرض عن هذا ج إنا قد جاء أمر سرك وانشهد  
 انهم عذاب غير مردودہ ”یعنی اے ابراہیم اب اس معاملے سے  
 قطع نظر کر لو، اس لئے کہ تمہارے رب کا حکم صادر ہو چکا ہے اور اب ان لوگوں  
 پر وہ عذاب آکر ہی رہے گا جو کسی کے لوٹائے لوٹ نہیں سکتا!“

اس کے بعد وہی فرشتے حضرت لوطؑ کے پاس پہنچے۔ اور خود قرآن مجید  
 کے فحوائے کلام سے بھی متبادر ہوتا ہے اور تفسیری روایات سے بھی تائید  
 ہوتی ہے کہ وہ خوبصورت لڑکوں کی صورت میں تھے جن کو دیکھتے ہی وہ مرد  
 پرست لوگ شہوتِ نفسانی سے مغلوب ہو کر بگٹٹ دوڑتے ہوئے حضرت لوطؑ  
 کے گھر آدھکے۔ واضح رہے کہ قرآن نے اگرچہ مجازاً ان لوگوں کو ”قوم لوط“ کہا  
 ہے لیکن حضرت لوط ہرگز ان میں سے نہ تھے۔ انجنابؑ تو حضرت ابراہیمؑ کے بھتیجے  
 تھے جو ان کے ساتھ ہی ہجرت کر کے عراق سے بلادِ شام پہنچے تھے اور پھر حضرت  
 ابراہیمؑ کے حسبِ ہدایت بحرِ مردار کے ساحل پر واقع سدوم اور عمورہ کی بستیوں میں  
 دعوتِ الی اللہ اور عقائد و اخلاق کی اصلاح کی سعی فرما رہے تھے۔ اس علاقے کے  
 لوگ مشرک کے ساتھ ساتھ بدترین اخلاقی پستی سے دوچار ہو چکے تھے اور ان میں  
 مردوں کا مردوں ہی سے جنسی لذت حاصل کرنے کا حد درجہ غیر فطری اور قبیح عمل  
 نہ صرف یہ کہ عام ہو چکا تھا بلکہ اُس میں اُن کی ڈھٹائی اور بے حیائی اس درجے  
 کو پہنچ گئی تھی کہ وہ یہ خبیث حرکت برسرِ عام لوگوں کی نگاہوں کے عین سامنے کرتے  
 تھے۔ اور حضرت لوطؑ ان کی اصلاح کی ہر ممکن سعی کے باوجود اپنے مشن میں بالکل  
 ناکام ہو چکے تھے۔ چنانچہ اللہ کے آخری فیصلے کا وقت آپہنچا اور اس کے ضمن میں  
 اللہ نے اپنی حکمت بالغہ کے تحت ایسی صورت اختیار کی کہ از خود کی ظاہر ہو جائے  
 کہ یہ قوم اخلاقی دیوالیہ پن کی کس انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور پوری طرح مستحق  
 ہو چکی ہے کہ اسے ہلاک اور نیست و نابود کر دیا جائے۔

حضرت لوطؑ کا ماتھا تو اپنے خوبصورت اور نو عمر مہمانوں کو دیکھتے ہی ٹھنک گیا  
 تھا کہ آج بہت کٹھن مرحلے سے گزرنا ہو گا۔ جب انہوں نے لوگوں کے تیور دیکھے  
 تو آخری اتمامِ حجت کے طور پر دو باتیں فرمائیں ایک یہ کہ یہ میرے مہمان ہیں اور

مہمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا ذمہ دار میزبان ہوتا ہے۔ لہذا اگر تمہارے اندر شرافت اور مروت کی کوئی ادنیٰ رمت بھی باقی رہ گئی ہے تو مجھے اس معاملے میں ذلیل و رسوا نہ کرو۔۔۔۔۔۔ یہ قدیم زمانے اور بالخصوص اقوام عرب کے اعتبار سے سب سے زیادہ مؤثر اپیل ہو سکتی تھی جسے نظر انداز کر کے گویا انہوں نے اپنی شرافت اور مروت کے دیوالہ نکل جانے کا ثبوت فراہم کر دیا۔ دوسرے یہ کہ اگر تم اپنے جذبہ شہوت کی تسکین چاہتے ہو تو میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے تم اپنے جذبے کی تسکین فطرت کے عین مطابق اور فی نفسہ پاکیزہ طریقے پر کر سکتے ہو۔ یہاں ”بیٹیوں“ کے مفہوم و معنی کے بارے میں سلف ہی سے رائے موجود ہیں اور دونوں ہی کا احتمال یکساں و برابر ہے یعنی ایک یہ کہ حضرت لوطؑ نے خود ان کی بیویوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا ہو۔ اس لئے کہ ہر عمر رسیدہ شخص بالخصوص وہ جو نیک اور پارسا بھی ہو اور دوسروں کو بھی نیکی اور پارسائی کی تلقین کرتا ہو تو م کی تمام عورتوں کے لئے بمنزلہ باپ ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔ اور دوسرے یہ کہ حضرت لوطؑ نے قوم کے سرداروں کو پیشکش کی ہو کہ میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کئے دیتا ہوں۔ اور یہ بھی بغرض اتمام حجت و قطع عذر!!۔۔۔۔۔۔ لیکن اس کا جو جواب لوگوں نے دیا۔ اس میں جہاں یہ دھڑائی نقطہ عروج کو پہنچی نظر آتی ہے کہ ”اے لوط! خواہ مخواہ ادھر ادھر کی باتوں میں ہمارا وقت ضائع نہ کرو۔ تمہیں خوب معلوم ہے کہ ہم کس ارادے سے آئے ہیں اور ہمیں فی الواقع کیا مطلوبہ ہے!“۔۔۔۔۔۔ وہاں ان کا یہ منافقانہ کردار بھی انتہا کو پہنچا نظر آتا ہے کہ حیوانیت کی اس اسفل ترین سطح تک پہنچے ہوئے ہونے کے باوجود حق کا لفظ بھی ان کی زبان پر آتا ہے اور وہ بڑے حق پرستانہ انداز میں کہتے ہیں۔ (اگرچہ فی الواقع اس میں گہرا طعن نہایت ہے)۔۔۔۔۔۔ کہ ”اے لوط! تم خوب جانتے ہو کہ تمہاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے!“ چشم تصور سے بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ ان الفاظ کو ادا کرتے ہوئے ان میں سے بعض کے ہونے پر متبسمانہ ہر خند بھی ہو گا۔

اس صورت حال پر جو کیفیت حضرت لوط علیہ السلام کی ہوئی وہ ان کے

ان الفاظ سے بخوبی ظاہر ہے ————— ”لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي  
إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ“ یعنی کاش کہ میرے پاس اتنی طاقت ہوتی کہ تمہارا  
مقابلہ کر سکتا ————— یا کوئی مضبوط سہارا ایسا ہوتا جس کی پناہ حاصل کر لیا!“  
واضح رہے کہ حضرت لوط کے نہ تو اولاد نہ زینہ تھی کہ بیٹوں کے ہاتھ ان کی مدافعت  
میں اٹھ سکتے نہ ہی ان کا کوئی کنبہ قبیلہ ہی ایسا تھا جو اس اڑے وقت میں ان کا  
سہارا بن سکتا۔ جیسا کہ آگے حضرت شعیبؑ کے ذکر میں آ رہا ہے کہ ان کے  
مخالفین نے کہا تھا کہ ”لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجُمْنَاكَ“ یعنی اے شعیب اگر ہمیں تمہارا  
قبیلے والوں کا ڈر نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے یا جیسے کہ خود ہمارے نبی کریم  
صلی اللہ علیہ وسلم کو سلسلہ نبوی تک یعنی ہجرت سے تین سال قبل تک ابوطالب  
کی وساطت سے اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کی حمایت حاصل رہی حضرت  
لوط کا معاملہ یہ نہ تھا وہ اس بستی میں اجنبی تھے اور جیسا کہ ترمذی کی حدیث  
میں صراحتاً مذکور ہے۔ ان کا کوئی کنبہ قبیلہ وہاں موجود نہ تھا —————  
گویا ظاہری اور مادی اعتبار سے وہ اس وقت بالکل بے  
سہارا اور بے یار و مددگار تھے ————— چنانچہ انتہائی کس مپری اور بے چارگی  
کے عالم میں یہ الفاظ ان کی زبان پر آ گئے۔ حالانکہ فی الحقیقت  
تو تمام ظاہری سہاروں سے بڑھ کر مضبوط سہارا ہر بندہ مومن کو ہر جگہ اور ہر وقت  
حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اللہ کی مدد اور اس کے سہارا۔ چنانچہ یہی ہے وہ بات جو  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد و رجاء بصورت الفاظ میں ادا فرمائی —————  
”وَجِئْنَا لَوْطًا مِّنَّا“ ”كَانَ يَأْوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ“ —————  
”اللہ لوط پر رحم فرمائے، مضبوط ترین سہارا تو انہیں حاصل ہی تھا!“ اس سے  
معلوم ہوا کہ بزبانے طبع بشری اسباب ظاہر سے کسی وقت کسی درجے میں  
فوری اور عارضی طور پر متاثر ہو جانا شانِ نبوت و رسالت سے بعید نہیں ہے  
جیسے کہ حضرت موسیٰ کوہ طور پر عصا کے اڑدھابن جانے سے وقتی طور پر خوفزدہ  
لگتے تھے اور جادو گروں سے مقابلے میں ان کی رستیوں اور چھڑیوں کے سانپ کا  
دب دھا رہنے سے فوری طور پر متاثر ہو گئے تھے۔ بالکل یہی معاملہ اس موقع

پر حضرت ٹوٹ کے ساتھ پیش آیا۔ حالات اتنے نامساعد اور صورت حال اتنی شدید تھی — گویا غم ”مرحلہ سخت ہے اور دُآن، عزیز!!“ والی کیفیت سے اس شدت سے سابقہ پیش آیا تھا کہ شدت تاثر میں یہ الفاظ آنجناب کی زبان پر آگئے — اور اغلباً یہ بھی مشیتِ خداوندی کے تحت ہوا تاکہ ایک صالح و مصلح اور ناصح مشفق شخص کو اس درجہ زچ کر دینے والی قوم کے بارے میں یہ بات از خود ثابت ہو جائے کہ وہ اب کسی رعایت کی مستحق نہیں رہی اور عذابِ استیصال کی پوری حقذا رہن چکی ہے بقول شاعر —

تا دلے صاحب نے نامد بہ درد

صحیح تو مے را خدا رسوا نہ کرد!

اللہ تعالیٰ ہمیں اس انجام بد سے بچائے، اور خیر و صلاح کی جانب رغبت اور مصلحین و ناصحین کی باتوں کو توجہ سے سننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین  
وَآخِرَ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

(۲)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِ الْكَرِيمِ :-

اما بعد :-

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ      بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
قَالُوْا يٰلُؤْلُؤُا اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ  
بِقَطْعِ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا اَمْرًا نَّكَ إِنَّهُ مُصِیْبُهَا  
مَا اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ فَلَمَّا جَاءَ  
اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلٰیهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلٰیهَا حِجَابًا مِّنْ  
سَجَبٍ ۗ فَانْصُرُوْهُ ۗ مُسَوِّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۗ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ  
بَعِيْدَةٌ (سُورَةُ هُوْدِ آيَات ۸۱ تا ۸۳) ان آیات کا ترجمہ یہ ہے :-

”فرشتوں نے کہا: ”لے لو! ہم تو تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہرگز تم پر دست و درازمی نہ کر سکیں گے، پس تم کچھ رات رہو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جاؤ۔ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر نہ دیکھے! سوائے تمہاری بیوی کے، اس پر بھی وہی کچھ بتنا ہے جو ان سب پر بتنے والا ہے! ان کی ہلاکت صبح کے وقت طے ہے، کیا صبح آیا ہی نہیں جا رہی؟ — پس جب آپہنچا ہمارا حکم تو ہم نے اس بستی کو الٹ کر رکھ دیا اور اس پر پتھروں کی بارش کی، تہہ در تہہ اور تیرے رب کے پاس نشان زدہ، اور وہ ان ظالموں سے بھی ہرگز دور نہیں!“ —

(آیات کا ترجمہ ختم ہوا)

گذشتہ درس کا اختتام حضرت لوط کے ان حدودِ جہ یا س آئینہ الفاظ پر پورا ہوا تھا کہ: ”لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اَوْى اِلَىٰ رُكْنٍ مَّشْدُودٍ“ — سورۃ ہود کے متصلاً بعد سورۃ یوسف ہے اور اس کے آخر میں بھی اس کیفیت کا نقشہ ایک عمومی قاعدے کے طور پر کھینچا گیا ہے کہ ”حَتّٰى اِذَا سُئِلَ الرَّسُوْلُ“ یعنی جب رسول اپنی قوم کی جانب سے بالکل مایوس ہو جاتے ہیں تب اللہ کی آمد آپہنچی ہے۔ ”جَاؤْهُمْ نَصْرُنَا فَنُخْرِجُهُمْ مِّنْ اَنْشَاءٍ مَّوْلًا يُّرَدُّ بِاَسْنَانٍ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ“ — ”پھر نجات دی گئی جسے ہم نے چاہا، اور نہیں لوٹایا جاسکتا ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے!“

حضرت لوط کے پاس بھی اللہ کے فرشتے اسی قانونِ خداوندی کے تحت پہنچے تھے لیکن انسانی شکل میں ہونے کے باعث آنجناب انہیں پہچان سکے اور وہ صورت پیش آئی جو آیات ۷۷ تا ۸۰ میں بیان ہو چکی ہے۔ واضح ہے کہ بعینہ یہی معاملہ اس سے قبل حضرت ابراہیم کے ساتھ پیش آچکا تھا۔ وہ بھی ان ہی فرشتوں کو عام مہمان اور معمولی انسانی سمجھ کر معاملہ کر چکے تھے۔ اور ٹھیک یہی معاملہ حدیث جبریل کی بعض روایات کی رو سے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی پیش آیا۔ کہ جب حضرت جبریلؑ انسانی صورت میں آکر گفتگو کر کے چلے گئے تب آپؐ نے فرمایا ”سَرُّوْا اِلَیَّ“ — ”انہیں میرے پاس واپس لاؤ!“ — اور جب تلاشیں بسیاہ کے باوجود

ان کا کوئی سراغ نہ مل سکا تو آپؐ نے فرمایا: ”اچھا! یہ جبریلؑ تھے۔۔۔۔۔ اور یہ پہلی بار ہے کہ میں انہیں پہچان نہیں سکا!“

بہر حال جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا تو فرشتوں نے اپنی حقیقت کو ظاہر کر دیا کہ اے لوطؑ! ہمیں انسان اور عام مہمان نہ سمجھ، ہم اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں اور تم پوری طرح مطمئن رہو کہ یہ خبیثہ ہمارا یا تمہارا کچھ بگاڑنا تو درکنار تم تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔۔۔۔۔ اس کے بعد فوری طور پر کیا صورت معاملہ پیش آئی اس کی تفصیل قرآن حکیم میں موجود نہیں ہے لیکن بعض تفسیری روایات میں جو تفصیل آئی ہیں وہ صورت واقعہ سے پوری مطابقت رکھتی ہیں اور ہرگز نہ خلاف عقل ہیں نہ خلاف قیاس۔ یعنی یہ کہ فرشتوں نے حضرت لوطؑ اور ان کے اہل خانہ کو تو گھر کے اندر کی جانب بھیج دیا اور اپنے بازو کو ذرا سا ان ملعونوں کی جانب لہرایا جس کے باعث وہ سب کے سب دفعۃً اندھے ہو گئے اور لڑناں و ترساں راہ فرار اختیار کر گئے۔۔۔۔۔ اس کے بعد جیسا کہ آیات زیر درج میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کا حکم حضرت لوطؑ کو وحی کے ساتھ پہنچا دیا کہ اس قوم پر عذابِ استیصال کا وقت آپہنچا ہے اور ان کی ہلاکت کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔ جواب طلوع ہوا ہی چاہتی ہے لہذا تم جلدی کرو اور اپنے اہل و عیال سمیت صبح ہونے سے پہلے پہلے اس بستی سے دور نکل جاؤ۔۔۔۔۔ اور خبردار! تم میں سے کوئی اس بستی کی جانب پلٹ کر بھی نہ دیکھے!۔۔۔۔۔ اس کے دو مفہوم ممکن ہیں ایک یہ کہ عذاب اتنا ہولناک ہو گا کہ کوئی انسان اس کو دیکھنے کی تاب بھی نہ لاسکے گا اور دوسرے یہ کہ اس گندمی بستی اور اس کے خبیث رہنے والوں کی جانب کوئی ادنیٰ سا میلان بھی غیرتِ الہی کو گوارا نہیں ہے۔۔۔۔۔ ساتھ ہی فرشتوں نے یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت لوطؑ کی بیوی عذابِ الہی سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اس کا انجام بھی وہی ہونا ہے جو اس پوری بستی کا اس لئے کہ وہ اقلباً متی بھی اسی قوم سے اور اس کا سارا جھکاؤ بھی ان ہی کے جانب تھا۔ حضرت لوطؑ کی بیوی کے بارے میں تو یہ صراحت قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے ہی، سورہ تحریم سے معلوم ہوتا ہے کہ

بعینہ یہی معاملہ حضرت نوح کی ایک بیوی کے ساتھ بھی ہوا۔ وہاں ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کی بد نصیب بیویوں کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اور صراحت فرمادی گئی ہے کہ ”فَلَمْ يُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ مَقْتًا وَقِلَّ اَدْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیْنَ“ کہ وہ دونوں جلیل القدر پیغمبر اپنی بیویوں کو عذاب الہی سے بچانہ سکے اور دونوں کے حق میں حکم الہی صادر ہو گیا کہ داخل ہو جاؤ آگ میں داخل ہونے والوں کے ساتھ۔ گویا نہ صرف یہ کہ یہ دونوں اس دنیا میں عذاب استیصال سے دوچار ہونے کے معاملے میں اپنی قوم کے ساتھ رہیں بلکہ آخرت میں عذاب جہنم بھی اپنی قوم کے ساتھ ہی مبتلا ہوں گی۔ گویا ہر انسان اللہ کے یہاں اپنے ہی کئے کی جزا یا سزا پائے گا۔ کسی دوسرے کی بزرگی یا نیکی اس کے کام نہ آئے گی خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہوں۔

آیات ۸۲ و ۸۳ میں عذاب الہی کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے وہ واقعہ نہایت ہولناک ہے۔ یعنی یہ کہ اس بدکار قوم کی بستیوں پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہوئی۔ جو مسلسل بھی رہی اور وقفے وقفے سے بھی یعنی تہہ بر تہہ۔ نتیجتاً عمارتیں ڈھ گئیں، ان کی بلندیاں نیچے آ رہیں، اور تمام بستیاں اور انیس بسنے والے تمام لوگ نیست و نابود اور نسیا منسیا ہو کر رہ گئے۔

دافع رجبہ کہ یہ بستیاں جن کا اب نام و نشان بھی مٹ چکا ہے، اغلباً بحرہ مُردار کے جنوبی ساحل پر آباد تھیں۔ ان کا مقام سدوم تھا اور دوسرا بڑا شہر عامورہ تھا۔ ان کے علاوہ چند بڑے شہر اور بھی تھے اور ان کا درمیانی پودا علاقہ نہایت سبز و شاداب تھا۔ گویا ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتے تھے۔ مذکورہ عذاب الہی جو آسمان سے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد غالباً کوئی زلزلہ وغیرہ بھی آیا جس نے ان بستیوں کے آثار کو بھی بحرہ مُردار یا بحرہ لوط میں غرق کر دیا۔ ”مُسَوَّهٌ عِنْدَ رَبِّکَ“ کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ عام پتھر نہ تھے بلکہ خاص اسی مقصد کے لئے بنائے اور نشان زد کئے گئے تھے اور دوسرے یہ کہ ہر پتھر جس ظالم کی ہلاکت کا ذریعہ بننے والا تھا اس پر گویا اس کا نام پہلے سے کندہ موجود تھا۔ اسی طرح آخری ٹکڑے یعنی ”وَمَا



ہی مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ“ کے بھی کئی مفہوم ممکن ہیں۔ ایک یہ کہ جی کی ضمیر پتھروں کی جانب راجع مانی جائے۔ اور معنی یہ مراد ہوں کہ اللہ کو ان کی ہلاکت کے لئے یہ پتھر کہیں دُور سے نہیں لانے پڑے بلکہ وہ ان کے آس پاس ہی سے اٹھائے گئے تھے، دوسرے یہ کہ جی سے مراد وہ بستیاں ہوں جو ان عذاب کا نوالہ نہیں اور ”الظالمین“ سے مراد قریش ہوں جن کو یہ داستان سنائی جا رہی تھی۔ اور جو انکار و اعراض کی اس روش پر چل رہے تھے جس پر سابقہ معذب قومیں چلی تھیں اور مراد قریش کو اس جانب متوجہ کرنا ہو کہ یہ واقعات کہیں دور دراز مقامات پر پیش نہیں آئے مہارے قرب و جوار ہی میں پیش آئے ہیں تو چاہیے کہ تم ان سے عبرت پکڑو۔ اور تیسرے یہ کہ جی میں اشارہ اُن پتھروں ہی کی جانب ہو اور قریش کو دھمکی دی جا رہی ہو کہ عذابِ الہی کے یہ پتھر تم سے بھی دُور نہیں ہیں بلکہ گویا تمہارے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہیں! ————— یہ آخری بات اس لئے راجع معلوم ہوتی ہے کہ قرآن میں ان حالات و واقعات کا تذکرہ ظاہر ہے کہ داستانِ سرائی کے لئے نہیں ہے بلکہ ان کا نام تر مقصد انذار و تحوّل ہے۔ چنانچہ اس سورۃ مبارکہ آخر میں ان ”اَنْبَاءُ الرُّسُلِ“ کے بیان کا مقصد یہی بیان کیا گیا ہے کہ ان سے ایک جانب اُنْخُذُورُ صَلَّی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی صحابہ کرامؓ کے دلوں کو ڈھارس بندھے اور تقویت حاصل ہو اور دوسری جانب اہل کفر و شرک کو یہ تنبیہ ہو جائے کہ ”اَعْمَلُوْا عَلٰی مِکَانَتِکُمْ اَنَا عَمَلُوْنَ“ یعنی اپنا کام کئے چلے جا رہے ہیں، تم بھی جتنا زور لگا سکتے ہو لگا لو۔ بالآخر حکمِ خداوندی سے وہی کچھ ہو گا جو ہمیشہ ہوتا آیا ہے ————— یعنی نجات و کامیابی اور فوز و فلاح رسولوں اور ان پر ایمان لانے والوں کا حصہ قرار پائے گی اور دیوبلی ہلاکت و تباہی اور اخروی عذاب کا فزوں کا مقدر بن کر رہے گا۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

## نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد :-

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
وَ اِلٰی مَدِيْنَةِ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ  
اِلٰهِ غَيْرُهُ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا السِّكِّيَالَ وَ الْمِيزَانَ اِنِّیْۤ اَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَّ  
اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ؕ وَ یَقُوْمُۤ اَوْثُوۤا السِّكِّيَالَ  
بِالْقِسْطِ وَلَا تَحْسُوا النَّاسَ اَشْیَاءُ هُمْ وَلَا تَغْشُوا فِی الْاَرْضِ  
مُفْسِدِیْنَ ؕ بَقِیْتُ اللّٰهَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ؕ وَمَا  
اَنَا عَلَیْكُمْ بِمُحْفِیْظٍ ؕ قَالُوۤا لِشُعَيْبٍ اَصْلَحْ لَكَ قَوْمُكَ اِنْ تَتْرُوْكَ  
مَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا وَاَنْ تَفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ اِنَّكَ لَوَ تَشْكُ  
الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ؕ قَالَ یَقُوْمُۤ اَرۡیٰیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ  
مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقْنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِیْدُ اَنْۢ اُخَالِفَکُمْ  
اِلٰی مَاۤ اَنْهَیْکُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الصَّلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ  
وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْہِ تَوَكَّلْتُ وَ الْیَسْرَیْنِیْ ؕ وَ یَقُوْمُ  
لَا یَجْبُرُ بِکُمْ شِقَاقِیْۤ اَنْ یُّعَیِّبَکُمْ مِّثْلُ مَاۤ اَصَابَ قَوْمَ سُوْحٍ  
اَوْ قَوْمَ هُودٍ اَوْ قَوْمَ مَلِجٍ ؕ وَمَا تَوْمَرُوْۤا بِمَنْکُمْ بِعَبِیْدٍ ؕ وَ  
اسْتَغْفِرُ وَاَرۡیٰکُمْ شِمًا تَتَوَبَّوۤا لِّلۡیَمْرِ اِنْ رَّبِّیْ رَحِیْمٌ وَّ دُوۤدَہٗ قَالُوۤا  
لِشُعَیْبٍ مَا نَفَقَہٗ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰکَ فِیۡنَا ضَعِیْفًا  
وَلَوْلَا رَهْطُکَ لَوَجَّہْنَاکَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیۡنَا بِعَزِیْزٍ ؕ

(سورہ ہود آیات ۸۴ تا ۹۰)

ترجمہ :- اولاً، مدین کی طرف رہم نے، ان کے بھائی شعیب (کو بھیجا)  
اس نے کہا : اے میری قوم رکے لوگوں ! اللہ ہی کی بندگی کرو ، اس کے سوا  
نہارا کوئی معبود نہیں ہے ۔ اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو ، رنی الوقت میں  
تمہیں اسودہ حال دیکھ رہا ہوں ( لیکن ) مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے

دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو رحیلہ مصائب کو گھیرنے والا ہوگا۔ اور اے میری قوم (کے لوگو!) پورا کیا کرو ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ اور نہ کم کیا کرو لوگوں کے لئے ان کی چیزیں۔ اور نہ دیناؤ زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے۔ اللہ کی دہی ہوئی، بچت ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم مانو (اور نہ ظاہر ہے کہ) میں تم پر پہرہ تو نہیں دے سکتا! انہوں نے جواب دیا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آباد و اجداد کے معبودوں (کی پرستش) ترک کر دیں یا (اس سے دستبردار ہو جائیں کہ) اپنے اموال میں جو (تصرف) چاہیں کریں۔ واقعی ایک تم ہی رہ گئے ہو دشمن اور راستباز! (شعیب نے) کہا: ”بھائیو! (ذرا سوچو!) اگر میں اپنے رب کی جانب سے واضح ہدایت پر بھی ہوں اور اس نے مجھے اپنے (خاص خزانہ فضل) سے رزق حسن سے مزید نوازا ہے (تو پھر میں اس دعوت و تبلیغ اور سعی اصلاح سے کیسے باز رہ سکتا ہوں!) اور میرا یہ ارادہ ہرگز نہیں ہے کہ تمہاری مخالفت کر کے خود وہی کچھ کروں جس سے تمہیں روک رہا ہوں۔ میں تو بس اصلاح کا طالب ہوں۔ جہاں تک میرا بس چلے! اور نہیں ہے میری توفیق مگر اللہ ہی (کی مدد) سے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میں رجوع کرتا ہوں۔ اور اے میری قوم کے لوگو! (دیکھنا کہیں) میری ضد (اور مداوت) کے باعث تم پر بھی وہی کچھ نازل نہ ہو جائے جو قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر نازل ہو چکا ہے۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ (زیادہ) دور بھی نہیں (یعنی)۔ اور اپنے رب سے مغفرت چاہو پھر اسی کی جناب میں توبہ کرو۔ یقیناً میرا رب نہایت مہربان بہت محبت کرنے والا ہے!“

یہاں پر ترجمہ ختم ہوا۔

دیگر متعدد نگی سورتوں کی طرح سورہ ہود میں بھی ان اقوام کے ذکر میں جن کی جانب رسول مبعوث ہوئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت کو رد کر دیا اور اس کے نتیجے میں اللہ کے عذاب استیصالی کا نوالہ بن کر نیست و نابود اور نسیا منسیا ہو گئیں قوم نوح قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط کے بعد پانچویں نمبر پر قوم شعیب یا اہل مدین کا ذکر آتا ہے۔ یہ لوگ حضرت ابراہیم علی نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

تیسری زوجہ محترمہ حضرت قطورا کے بطن سے تولد ہونے والے فرزند مدین یا مدیان کی نسل سے تھے، اس طرح گویا ذریتِ ابراہیم ہی کی ایک شاخ سے تعلقات رکھتے تھے۔ — بحیرہ قلزم کے شمالی سرے اور خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ آباد تھے اور ان کی بڑی بستی کا نام بھی مدین ہی تھا۔ جیسا کہ ہوتا آیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں میں بھی اعتقادی اور اخلاقی مگر امیاں پیدا ہوئیں اور رفتہ رفتہ عروج کو پہنچ گئیں۔ چنانچہ ایک جانب عقیدہ توحید کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور مشرکانہ ادھام نے اس کی جگہ لے لی اگرچہ صراحت اور تعین کے ساتھ قرآن حکیم میں یہ مذکور نہیں ہے کہ ان میں شرک کی کونسی صورتیں زیادہ رائج ہوئیں۔ دوسری جانب تجارت میں دھوکہ اور فریب کا رواج ہو گیا اور لین دین اور ناپ تول میں عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور خیانت کی روش عام ہو گئی۔ آخر کار رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا ایک جلیل القدر اور اولوالعزم پیغمبر مبعوث فرمایا جن کا اسم گرامی شعیب تھا۔

واضح رہے کہ جن چھ اقوام مذہب کا ذکر قرآن حکیم کی کئی سورتوں میں باعادہ و تکرار آیا ہے ان میں سے پہلی تین یعنی قوم نوح، قوم ہود اور قوم صالح کے تذکرے میں ان کی صرف اعتقادی گمراہی یعنی شرک کا ذکر ہے، ان کے کسی عمل یا اخلاقی بگاڑ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ملتا۔ ایسے محسوس ہوتا ہے کہ ان اقوام ثلاثہ کا تعلق نسلِ انسانی کی تاریخ کے اس ابتدائی عہد سے ہے جبکہ تمدن کی پیچیدگیاں اور نام نہاد تہذیب کی ستم ظریفیاں ابھی شروع نہیں ہوئی تھیں بلکہ عملی اعتبار سے انسان ظہرت کی سادہ رہنمائی ہی میں چل رہے تھے۔ البتہ ذہن و فکر میں سمجھی نے راہ پالی تھی اور ایک معبودِ برحق اور خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کچھ دوسرے معبودوں کی پرستش شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ ان کی جانب جو رسول مبعوث ہوئے ان کی دعوت بھی کسی شرک کے مؤثر ابطال اور اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی پر زور اپیل ہی پر مشتمل تھی۔ قوم لوط کے ذکر میں ہمیں شرک کے ساتھ ساتھ ایک عملی و اخلاقی گمراہی کا تذکرہ ملتا ہے۔

یعنی جنس نامار کی بے راہ روی — (SEX PERVERSION) کا جو تمدن انسانی کے حق میں ستم قاتل ہے اور جس کے نتیجے میں انسانی معاشرہ ایک متعقبات شدہ اس کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے بعد قوم شعیب کے ذکر میں شرک کے ساتھ ساتھ تذکرہ ملتا ہے ایک دوسری تمدنی خرابی یعنی معاشی و اقتصادی معاملات میں نا انصافی اور بے راہ روی یا بالفاظ دیگر —  
**ECONOMIC EXPLOITATION** کا جو ایک دوسرے اعتبار سے انسانی تمدن میں فساد کا موجب ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ باہمی اعتماد کی فضا ختم ہو جاتی ہے اور سکون اور اطمینان رخصت ہو جاتے ہیں اور رفتہ رفتہ باہمی محبت و مؤاسات کی جڑیں کٹ جاتی ہیں اور خود غرضی اور نفرت و عداوت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد ذکر آتا ہے آل فرعون کا۔ جنہوں نے بنی اسرائیل کو غلامی کے شکنجے میں کس کر جبر و استبداد کی بدترین مثال قائم کی تھی اور یہ **Political Repression** گویا کہ تمدن انسانی کے بگاڑ کا وہ عرض ثالث ہے جس سے فسادِ ارضی کی العباد ثلاثہ (THREE DIMENSION) کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

جغرافیائی طور پر قوم شعیب دو قدیم تجارتی شاہراہوں کے سنگم پر آباد تھی جس کے باعث انہیں تجارتی منافع بآسانی اور بافراط حاصل ہوتے جس کی جانب اشارہ کیا حضرت شعیب نے الفاظ سے کہ ”اِنِّیْ اَسْلُکُمُ بَحْیِرٍ“ یعنی ”میر تمہیں آسودہ و خوش حال دیکھ رہا ہوں“ لیکن بیدار کام مشاہدہ ہے جب ایمان باللہ اور ایمان بآخرت کی گرفت کمزور پڑتی ہے تو انسان پر حرص و ہوس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور لالچ اور طمع میں اندھے ہو کر لوگ عدل و انصاف اور راست سالگی یعنی **FAIR DEALING** کی روش تنج کر دھوکہ و فریب اور مکاری و دغا بازی کی روش اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ ”فساد فی الارض“ ہے۔ اس کیفیت کا نقشہ حضرت شعیب نے بالفاظ میں کھینچا : وَلَیْقَوْمٍ اَوْفُوا الْمِکَالَ الْمِیزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ اَشْیَاءَ هُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ۔ اس ضمن میں ”بَقِیَّتُ اللّٰہُ“ کے الفاظ بہت معنی خیز ہیں۔

تجارت اور بیع و شرا اگر دیانت اور امانت کے ساتھ ہوں اور ان میں دھوکہ اور فریب نہ ہو تو جو نفع بچ رہتا ہے اس کی نسبت ”اللہ“ کی جانب سے، یعنی اللہ کی عطا کردہ بھت — اسی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا کہ :- ”التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصديقین والشهداء“ — یعنی ”ایک صادق القول اور امانت دار تاجر کو انبیاء اور صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہوگی!“ لیکن اس کے لئے بنیادی شرط ایمان ہے۔ یعنی توحید اور معاد پر پختہ اور غیر متزلزل یقین۔ جس کے بغیر نہ صداقت میسر آسکتی ہے نہ امانت!! اس کی جانب اشارہ فرمایا حضرت شعیبؑ نے ”ان کنتم مومنین“ کے الفاظ سے۔ اس مراحت کے ساتھ ان چیزوں کی جانب میں تمہیں دعوت ہی دے سکتا ہوں۔ تمہیں عملاً راہ ہدایت پر لے آنے کا میں ذمہ دار ہوں نہ مختار!“ وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِیْظٍ! —

اس مخلصانہ اور خیر خواہانہ دعوت کا جو جواب قوم نے دیا اس میں جہاں قدیم انسانی گمراہی یعنی آبا و اجداد کی روش کے تقدس کی جانب اشارہ ہے وہاں جدید سرمایہ دارانہ ذہنیت کی بھی پوری عکاسی موجود ہے۔ یعنی یہ کہ مال ہماری ملکیت ہے اور اس میں تصرف کا کامل اختیار ہمیں حاصل ہے۔ ”ان نفعل فی اموالنا ما نشاء“ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے یہ الفاظ حضرت شعیبؑ کی بات سے کوئی منطقی ربط نہیں رکھتے۔ آئینہ بے ان کے حق تصرف کو چیلنج نہیں کیا تھا بلکہ صرف راست معاملگی یعنی FAIR DEALING کی نصیحت کی تھی۔ لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اسل ذہنی و فکری گمراہی یہی تھی جو ان کے جواب کے ظاہر ہوئی گویا حضرت شعیبؑ کی نصیحت نے ایک نشتر کا کام کیا جس نے پھوڑے چیرا دیا تو اندر سے متعفن مواد ابل پڑا۔ اگر مزید گہرائی میں اتر کر غور کیا جائے تو صاف نظر آجائے گا کہ جملہ معاشی و اقتصادی بے راہ رویوں کا اصل سبب اور گویا فساد کی اصل جڑ یہی نظریہ ملکیت مطلقہ ہے۔ یعنی یہ کہ ہم اپنے اموال کے مالک مطلق ہیں۔ ان میں جس طرح ماہر تصرف کریں۔ جبکہ اسلام میں یہ تعلیم دیتا ہے کہ کائنات

کی ہر شے کا مالک مطلق تو صرف اللہ ہے، انسان کو جو کچھ اس نے عطا فرمایا ہے وہ امانت ہے جس میں تصرف کا حق اسے اصل مالک کی منشا اور اجازت کے مطابق ہی حاصل ہے، غیر مشروط یا لامحدود نہیں! - بقول شیخ سعدی مرحوم سے

”و این امانت چند روزہ ز دامت در حقیقت مالک ہر شے خدا است!“

قوم شعیبؑ کے جواب کا آخری ٹکڑا ان کے کھیانے پن کی کامل غمازی کر رہا ہے

”إِنَّكَ أَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ“ یعنی بھتی واقعی تم بہت ہی دانشمند اور راستبا ہو!“ ان الفاظ میں انہوں نے گویا اپنی ذہنی و فکری ہی نہیں اخلاقی شکست کا بھی پورا اعتراف کر لیا -

حضرت شعیبؑ کے جواب الجواب میں دو اہم معنوں قابل توجہ ہیں: ایک نیکی اور ہدایت کے دو اجزائے ترکیبی یعنی اولاً ہدایتِ فطرت جس کی جانب اشارہ ہے۔ ”إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي“ کے الفاظ میں اور ثانیاً ہدایتِ وحی و نبوت جس کا ذکر ہے۔ ”وَرِزْقِي مَسْرُورًا حَسَنًا“ کے الفاظ مبارکہ میں۔ یہی ہے وہ حقیقت جو سورۃ نور کی حد درجہ بلیغ تمثیل میں ”نُورٌ عَلَىٰ نُورٍ“ کے الفاظ میں بیان ہوئی ہے۔ اور یہ زبردس سورت یعنی سورہ ہود میں تقریباً تمام رسولوں کی زبان سے لگ بھگ ان ہی الفاظ میں ادا ہوئی جن میں یہاں حضرت شعیبؑ کی زبان سے ادا ہوئی ہے۔ اور دوسرے ایک داعیِ حق اور مصلحِ مخلص کا اندازِ مخاطب۔ جس میں نرمی بھی ہے اور گرمی بھی۔ تشویق و ترغیب بھی ہے اور تہدید و تنبیہ بھی، لیکن ساتھ ہی خود اپنے لئے تواضع بھی ہے اور انکساری بھی لیکن نہ مصنوعی نہ متکلفانہ۔ کتنا سادہ لیکن بلیغ کلام ہے: بھائیو! خدا غور کرو۔ اگر میرے رب نے مجھے سلامتی فطرت سے بھی نوازا اور مزید ہدایتِ نبوت بھی عطا فرمائی تو کیا مجھ پر واجب نہیں ہے کہ اس بھلائی میں تمہیں بھی حصہ دار بنانے کی کوشش کروں۔ بھائیو، یہ مطلق خیال نہ کرنا کہ میں تمہیں کچھ چیزوں سے روک کر خود ان ہی کا ارتکاب کرنا چاہتا ہوں۔ میری زندگی اور سیرت تمہارے سامنے ایک کھلی کتاب کے انداز میں موجود ہے۔ میری کوئی غرض سوائے اصلاح کے نہیں ہے۔ اور اس کے لئے میں حتی المقدور کوشاں ہوں، اور

اس پر بھی نہ کوئی غرور، یہ سب میرے رب ہی کی توفیق بخشی کا ثمرہ ہے، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی جانب میں رجوع کرتا ہوں۔ بھائیو! دیکھنا کہیں ایسا نہ ہو کہ میری ذات سے کوئی عناد تہیں اس دعوت کو قبول کرنے سے روک گئے اور نتیجتاً اس مذاب استیصال کا نوالہ بن جاؤ جس کا شکار اہم سابقہ ہو چکی ہیں۔ پس خواہ غمخوار کے لیت و لعل میں قیمتی مہلت ضائع نہ کرو۔ اور استغفار اور توبہ کے ساتھ اپنے رحیم اور دود و دبت کا دامنِ عفو و کرم متھام لو!!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

————— (۴) —————

نَحْمَدُكَ يَا رَسُولَ الْكَرِيمِ -

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
 قَالُوْا اِلَيْشُعَيْبٍ مَا لَفَقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰكَ فِىْ نٰفَا  
 ضَعِيْفًا وَلَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَا اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝  
 قَالَ يَقُوْمُ رَاھِطٍ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاَتَاخُذُ تَمْوَةً وَّرَآءَكُمْ  
 ظَهْرِيًّا اِنَّ رَّبِّيْ يَمَّا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيَقُوْمُ رَاھِطًا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ  
 اِنِّىْ عَامِلٌ ۝ سَوَّوْنَ تَعْلَمُوْنَ لَا مَن يَّاتِيْهِ عَذَابٌ يُخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ  
 كَاذِبٌ ۝ وَاَرْتَقِبُوْا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا  
 شُعَيْبًا الَّذِى نَبَا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتْ الذَّوْبُ  
 ظَلَمُوْا الصَّيْحَةَ فَاَصْبَحُوْا فِىْ دِيَارِهِمْ جُثَمِيْنٍ ۝ كَاْنَ لَكُمْ رِغْوٌ  
 فِىْ مَا كَانُوْا لَا يَبْعُدُوْنَ اِلَيْكَ يَنْ كَمَا بَعْدَتْ شَمُوْدُ ۝

(سُورَةُ هُودُ آیت ۹۱) کا ترجمہ یہ ہے :-

”انہوں نے کہا: ”اے شعیب! جو کچھ تم کہتے ہو اُس کا بہت سا حصہ تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم (بناستِ خود) ہم میں بہت کمزور ہو، اور اگر تمہارے خاندان کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ اور تم خود ہم پر کچھ بھاری نہیں ہو!“ شعیب نے جواب دیا: ”اے میری قوم! کیا



میرا خاندان تم پر اللہ سے بھی بڑھ کر بھاری ہے، اور اسے تو تم نے بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔ یقیناً جو کچھ تم کر رہے ہو وہ میرے رب کے حیطہ قدرت سے باہر نہیں! — اور اسے میری قوم کے لوگو! تم بھی کر دیکھو انہی سی، میں بھی کئے جاؤں گا (اپنا کام) یہ کوئی دیر کی بات ہے کہ تم خود دیکھ لو گے کہ کس پر آتا ہے وہ مذاہب جو اسے رسوا کر کے رکھ دے اور کون ہے وہ جو جھوٹے سو اب راہ دیکھو، میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، اور جب آپہنچا ہمارا حکم تو تم نے شعیب اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت خصوصی سے بچا لیا، اور جو ظلم کے مرتکب رہے تھے ان کو ایک کوڑک دار آواز نے دبوچ لیا جس کے نتیجے میں وہ اپنی بستیوں میں ایسے اوندھے پڑے رہ گئے جیسے کہ وہ ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔ خوب کان کھول کر سن لو! نابود ہونے والے جیسے نابود ہوتی تھی قوم نمودا! — آیات کا ترجمہ ختم ہوا!

سورہ ہود کے آٹھویں رکوع میں جو بارہ آیات پر مشتمل ہے پہلے حضرت شعیب کے قول کی صورت میں ان کی اساسی دعوت کا خلاصہ آیا ہے۔ پھر قوم کے جواب کی صورت میں اس کا ابتدائی رد عمل بیان ہوا ہے۔ جس کی تان ٹوٹی ایک مدد درجہ کھسیانے مگر شدید چنبھے والے طنز و طعن پر کہ: لے دے کر ایک تم ہی تو دانشمند اور لاستناز رہ گئے ہو، پھر حضرت شعیب کی جوابی تقریر آئی جس پر گزشتہ درس ختم ہوا تھا اور جو واقعہ یہ ہے کہ داعیانہ طرز خطاب اور حکیمانہ طرز تبلیغ کا پیغمبرانہ شاہکار ہے، اس کا جواب قوم نے دیا وہ آج کی زیر سر آیات کے آغاز میں وارد ہوا ہے، اس میں ایک جانب تو وہ اعتراف شکست اپنی منطقی انتہا کو پہنچا ہوا نظر آتا ہے جس کا کسی قدر اظہار پہلے بھی ہو چکا ہے اور دوسری جانب ان کی جھنجھلاہٹ نقطہ عروج کو پہنچی نظر آتی ہے۔

جہاں تک قوم کے اعتراف شکست کا تعلق ہے تو اخلاقی میدان میں شکست تو وہ پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے جب وہ اپنی بد اعمالیوں کا نہ تو انکار کر سکے نہ ہی ان کے لئے کوئی وجہ حواذ پیش کر سکے۔ اور کھسیانی بلی کھسا نوچے، کے مصداق اگر کچھ کر سکے تو صرف یہ کہ خود حضرت شعیب پر نیکی اور پاکبازی کا طعنہ جڑ دیا

بالکل ایسے جیسے کہ وہ شخص جو چپ ہو گیا ہو زمین پر لیٹے ہوئے سینے پر سوار حریف کے منہ پر محسوس دے۔۔۔۔۔ اس سے آگے بڑھ کر معاملہ سب سے ذہنی و فکری شکست کے اعتراف کا کہ پیغمبرانہ دعوت اور حکیمانہ طرز خطاب کے آگے بے بس اور لا جواب ہو کر قوم نے آخری پتلہ جہالت اور قصور فہم کے اعتراف میں لی کہ وہ اے شعیب، تمہاری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی سے باہر ہیں اہل کی سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ تم کہتے کیا ہو! ”گو یا کہ ان کی سیٹی گم ہو چکی اور عقل کی محکمت اور فطرت کی بدیہیات پر مبنی پیغمبرانہ دعوت نے انہیں بالکل بے بس اور ناپا کر کر کے رکھ دیا۔

اور یہی وہ مرحلہ ہے جس پر جھنجھلاہٹ ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ آگے ان کا قول نقل ہوا کہ جہاں تک تمہاری اپنی ذات کا تعلق ہے تم ایک کمزور و ناتواں انسان ہو اور ہم پر ہرگز تمہاری نہیں اگر تمہارا کنبہ قبیلہ نہ ہوتا جس کی حمایت و حمایت ہماری راہ میں حاصل ہے تو ہم کبھی کا تمہیں پھرنے کی طرح مسل چکے ہوتے۔ یہ مقام دو اعتبارات سے قابل توجہ ہے: ایک یہ کہ اس پہلو سے اس سورۃ مبارکہ میں ایک فوری تقابل یعنی — SIMULTANEOUS CONTRAST

سامنے آتا ہے کہ حضرت شعیب کے تذکرے سے متصلاً قبل ذکر آیا ہے حضرت لوط کا۔ جو ایک غیر قوم کی جانب مبعوث کئے گئے تھے جہاں ان کا اپنا کوئی کنبہ یا قبیلہ موجود نہ تھا جس کی حمایت و حمایت کا کوئی حصار کسی درجے میں ان کی حفاظت کر سکتا، لہذا شدت احساس میں آنجناب کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ ”لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةٌ اَوْ اَوْ اِلٰى دُكْنٍ مِّنْ دِهٍ“ یعنی ”کاش کہ میرے پاس تمہارے مقابلے کے لئے طاقت ہوتی یا میں پناہ ہی لے سکتا کسی مضبوط پناہ گاہ میں!“۔۔۔ اس کے برعکس صورت حال ہے حضرت شعیب کے ساتھ کہ ان کے دشمن جھنجھلا رہے ہیں اس بات پر کہ اگر ان کے گرد کنبے یا قبیلے کی حمایت و حمایت کا حصار نہ ہوتا تو وہ انہیں کوئی مہلت نہ دیتے اور کبھی کے سنگسار کر چکے ہوتے۔ دو سطرے یہ کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے حالات و قائلے کے بیان میں سے

خوشتر آں باشد کہ سر دلبران گفتہ آید در حدیث دیگران!

کے مسدوق ملکوتی ہو رہی ہے خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ اور آپ کی حیات طیبہ کے دوران پیش آمدہ حالات و واقعات کی۔ بنظر غائر دیکھا جائے تو آغاز وحی اور حکم تبلیغ کے بعد قیام مکہ کے بارہ تیرہ سالوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دونوں ہی قسم کے حالات سے رہا۔ چنانچہ پہلے دس سالوں کے دوران آپ کو اپنے خاندان یعنی بنی ہاشم کی حمایت و حمایت کی پشت پناہی حاصل رہی۔ اس لئے کہ خاندان کی سربراہی کا منصب ابوطالب کو حاصل تھا جو اگرچہ حضور پر ایمان نہیں لاتے تاہم اپنی ذات میں بھی ایک شریف النفس انسان تھے اور آنحضور سے بھی شدید محبت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قریش آنحضور کے خلاف کوئی فیصلہ کن اقدام نہ کر سکے۔ اغلباً سلسلہ نبوی میں ان کا وفد فیصلہ کن گفتگو کے لئے ابوطالب کے پاس آیا اور آخری الٹی میٹم دے گیا کہ اب ہمارے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے، یا تو اپنے بھتیجے کی حمایت سے دستکش ہو جاؤ یا پھر میدان میں آکر مقابلہ کر لو۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر ابوطالب کی ہمت بھی جواب دینے لگی اور جب اس کا اظہار آنحضور کے سامنے ہوا تو خود آپ کی آنکھیں بھی نم ہو گئی تھیں لیکن چچا کی اس بات کے جواب میں کہ ”بھتیجے! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جسے میں برداشت نہ کر سکوں!“ جب آپ کی زبان مبارک سے یہ پرعزم الفاظ نکلے کہ ”چچا جان“ اب تو یا تو یہ کام پورا ہو کر رہے گا یا میں اسی میں اپنے آپ کو ہلاک کر لوں گا“ تو عزیمت نبوت سے سہارا پا کر ابوطالب کی ہمت بھی دوبارہ قائم ہو گئی اور ان کی زندگی میں قریش اپنے الٹی میٹم کو عملی جامہ پہنانے کی جرأت نہ کر سکے!! البتہ سلسلہ میں ان کے انتقال کے بعد خاندانی حمایت و حمایت کا یہ دفاعی حصہ ختم ہو گیا اور قیام مکہ کے باقی تین سالوں کے دوران آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اس صورت حال سے دوچار رہے جو حضرت لوطؑ کے تذکرے میں سامنے آتی ہے! یہی وجہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کا باطنی سہارا تو انبیاء و رسل کی تو بڑی بات ہے ہر بندہ مومن کو ہر آن اور ہر حال میں حاصل رہتا ہی ہے تاہم عالم واقعہ میں الفاظ

قرآنی ”وَاعِدُ وَاللّٰهُمَّ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ کے مطابق ظاہری و مادی اسباب کے حصول کی کوشش بھی لازم و واجب ہے لہذا آنحضورؐ نے سترہ نبوی ہی میں طائف کا سفر اختیار کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ حکمت الہی اور مشیت ایزدی میں دارالہجرت قرار پانے کا شرف طائف کی قیمت میں نہ تھا بلکہ یثرب کے لئے مقدر تھا! چنانچہ طائف تو آنحضورؐ بنفس نفیس تشریف لے گئے پھر بھی بات نہ بنی اور یثرب کے لوگ خود چل کر حاضر ہوئے اور کو نبویؐ کو ساتھ لے گئے!۔

اس سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشند خدائے بخشندہ!“  
 واضح رہے کہ انبیاء و رسل کے حالات و واقعات کے بیان کی جو اصل غرض اسی سورۃ مبارکہ کی آیت نمبر ۱۱ میں بیان ہوئی ہے وہ یہی ہے کہ ”وَ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْشِئُ بِهَا نُصُوْدًا لِّكَ“ یعنی ”(اے نبی) ہم آپ کو رسولوں کے یہ تمام اہم واقعات سنا کر آپ کے دل کو تقویت دے رہے ہیں!“ تاکہ ان میں جاری و ساری سنت اللہ کے مشابہے سے آپ اور آپ کے سامعی اہل ایمان کے دلوں کو تقویت حاصل ہو!

قوم کے انکار و اعراض پر جو آخری قول فیصل حضرت شعیبؑ کا ان آیات مبارکہ میں نقل ہوا ہے اس میں اَدْلَا اُن کی نادانی اور جہالت پر حسرت کا اظہار ہے کہ ”نادانوا! تمہیں میرے خاندان کی طاقت و قوت کا تو اتنا خیال ہے شدید جھنجھلاہٹ کے باوجود مجھ پر دست درازی کی جرأت نہیں کر رہے۔ لیکن اللہ کی قدرت و اختیار کو تم بالکل بھلا بیٹھے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے وجود کے منکر تو وہ لوگ نہ تھے البتہ وہ اُن کے شعور سے دور ہو گیا تھا۔ اور فی الواقع مشرکانہ ادھام و عقائد کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اگرچہ ایک خدا کے بزرگ و برتر کے وجود کا انکار نہیں ہوتا تاہم اس کے اور بندوں کے درمیان بہت فرق فرمودہ معبود خالق ہو جاتے ہیں چنانچہ ایک تو اس کی ذات بھی ان کے ذہنی سوچ بچار اور شعوری غور و فکر کے دائرے سے دور بہت دور ہو جاتی ہے۔ جس کی جانب اشارہ ہے آیات زیر درس میں ”وَ اتَّخَذَ شُصُوْدًا وَّرَءَاکُمْ

ظہریؒ یا ”کے الفاظ مبارکہ میں یعنی ”اس کو تو تم نے ڈال دیا ہے بالکل پس پشت“ اور دوسرے اس کی صفات کمال کا ادراک بالکل معدوم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نہ وہ ”علیٰ کل شیء متدبیر“ نظر آتا ہے نہ ”بجملہ مشیٰ علیہم“ یہی وجہ ہے کہ ایمان باللہ کے ضمن میں قرآن حکیم ایک جانب تو ذاتِ باری تعالیٰ کے قرب پر درویشا ہے جیسے آیاتِ مبارکہ ”وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ“ اور ”مَنْ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ“ میں اور دوسری طرف اللہ کے اسماء و صفات کا بیان اس درجہ اعادہ و تکرار کے ساتھ کرتا ہے کہ وہ قاری کے ذہن و شعور میں پوری طرح مرتسم ہو جاتی ہیں۔ آخر میں حضرت شعیبؑ کا اپنی قوم سے اعلانِ برأت ہے کہ ”تم اپنی سی کر دیکھو میں اپنی سی کر رہا ہوں۔“ ”لَيَقْوِمَ أَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ“ اور اس کے لگ بھگ الفاظ سے بعض نامحجہ لوگوں نے رواداری کا مضمون اخذ کرنے کی سعی لا حاصل کی ہے۔ ان الفاظ کے تیور بالکل جدا ہیں اور ان میں رواداری کے بالکل برعکس بیزارى اور برأت بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تحدی اور چیلنج کا مفہوم پنہاں ہے کہ اگر اب تک تم لوگوں نے میرے کسی ذاتی یا خاندانی لحاظ کی وجہ سے میری مخالفت اور دشمنی میں کوئی کسر اٹھا رکھی ہے تو اب میں تمہیں اس سے بھی فارغ خطی دیتا ہوں جو بھی کچھ تم سے بن آئے کہ گزرو۔۔۔ جو کچھ میرے مکان میں ہے میں کر رہا ہوں۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے ظاہر ہونے میں زیادہ دیر نہیں ہے۔ کوئی دیر کی بات ہے کہ تم خود دیکھو لو گے کہ رسولِ اکرمؐ عذاب کس پر مسلط ہوتا ہے۔ اور ہم میں سے جھوٹا اور خود غلط کون تھا میں یا تم؟۔۔۔ واضح رہے کہ اس یقینِ محکم کے ساتھ جو ان الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ قومِ عذاب کی مستحق بن چکی ہے اور وہ ان پر مسلط ہو کر رہے گا و اسے تقبوا انی معکم رقیب“ کے الفاظ میں اشارہ ہو گیا کہ اس وقت معین کا علم کہ عذاب کب آئے گا صرف اللہ کو تھا، لہذا حضرت شعیبؑ بھی اس کا انتظار ہی کر سکتے تھے۔ بہر حال وہ اپنے وقتِ معین پر اگر رہا، نتیجہ صرف رسول

اور ان کے ساتھ اہل ایمان بچائے گئے اور باقی پوری قوم کو ایسے نیست و نابود کر دیا گیا۔ جیسے کہ وہ کہی تھے ہی نہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذَٰلِكَ  
وَآخِرُ دَعْوَانَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؕ

(۵)

اعوذ باللّٰه من الشیطن الرجیم بسم اللّٰه الرحمن الرحیم  
وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۙ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَ  
مَلَآئِهِ فَاتَّبَعُوْهُ أَسْرَفِرْعَوْنٌ ۙ وَمَا أَسْرَفِرْعَوْنُ بِرَشِيْدٍ ۙ  
يَقْدُرُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۚ وَبِئْسَ الْوَرْدُ  
الْمُورُوْدُهُ ۚ وَاتَّبَعُوْا فِيْ هٰذَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ بِئْسَ السَّوْدُ  
الْمُورُوْدُهُ (آیت ۹۶ تا ۹۹)

ترجمہ: "اور ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور واضح سذ کے ساتھ  
فرعون اور اس کے اعیان مملکت کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تو انہوں نے فرعون  
نبی کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کا معاملہ درست نہ تھا۔ قیامت کے دن وہ  
اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا اور انہیں لے جا تا رہے گا آگ پر، اور وہ بدترین  
گھاٹ ہے جس پر اتر جائے، اور پیچھے لگا دی گئی ان کے لعنت اس  
دنیا، میں بھی اور قیامت کے دن بھی، کتنا بُرا سلسلہ ہے جو کسی کو نصیب  
قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط اور قوم شعیب کے بعد سورہ  
ہود کی ان آیات مبارکہ میں قصہ فرعون و موسیٰ مختصراً ذکر ہوا ہے۔ جیسکہ  
اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے۔ اس اعتبار سے سورہ یونس اور سورہ ہود  
میں ایک یکس نسبت ہے۔ سورہ یونس کی ۱۰۹ آیات سے صرف ۲۳ انبیاء الرسل  
پر مشتمل ہیں جبکہ سورہ ہود کی کل ۱۲۳ آیات میں سے ۷۵ میں ان واقعات  
کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح وہاں حضرت نوح اور ان کی قوم کے حالات بہت مختصر  
طرح پر بیان ہوئے ہیں اور حضرت موسیٰ اور آل فرعون کا ذکر مقابلہ نہایت  
تفصیل سے آیا ہے۔ جبکہ سورہ ہود میں حضرت نوح کا ذکر دو رکوعوں میں  
ہوا ہے اور قصہ فرعون و موسیٰ صرف چار آیات پر مشتمل ہے۔ یہ قرآن حکیم کی

سورتوں میں نسبت زوجیت کی نہایت نمایاں مثال ہے۔

حضرت موسیٰؑ "اولوالعزم من الرسل" یعنی چوٹی کے پانچ یا سات برگزیدہ ترین رسولوں میں سے ہیں اور جگہ انبیاء و رسل میں بہت سے اعتبارات سے رسولِ کامل و اکمل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے زیادہ مشابہ محسوس ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ان کا ذکر کے بعد سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اور باقاعدہ و تکرار آیا ہے۔ چنانچہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی نے اپنی تالیف "قصص القرآن" میں قرآن حکیم کی ان آیات کی کل تعداد ۵۱۴ بتائی ہے جن میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہما السلام اور بنی اسرائیل اور آل فرعون کے حالات و واقعات بیان ہوتے ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید کا لگ بھگ تیر حوال حصہ ان کے ذکر پر مشتمل ہے۔ تازہ ترین اثری تحقیقات کے مطابق آنجناب تیرھویں صدی قبل مسیح میں مصری حکمرانوں کے انیسویں خاندان کی حکومت کے دوران رمنیسس دوم نامی فرعون کے زمانے میں پیدا ہوئے اور مشیتِ ایزدی کے تحت انہوں نے اسی فرعون کے محل اور اسی کی آغوش میں تربیت پائی حالانکہ وہ بنی اسرائیل کے حق میں نہایت ظالم و جابر تھا اور اُس نے ان کو تاریخِ انسانی کے بدترین مظالم کے شکنجے میں جکڑا ہوا تھا۔ اس شخص نے بہت طویل عمر پائی لیکن اُس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے ڈیڑھ سو بیٹوں میں سے تیرھویں بیٹے منفتاح کو حکومت سنبھلا دی تھی۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰؑ مدین سے واپسی پر رسالت سے سرفراز ہوئے تو فریضہ رسالت کی ادائیگی کے لئے جس فرعون کے سامنے پیش ہوئے وہ یہی منفتاح تھا۔ واضح رہنا چاہیے کہ جس طرح ہمارے رسول اکرمؐ دو بعثتوں کیساتھ مبعوث ہوئے ہیں یعنی ایک بعثت خاص الی اہل العرب یا الی بنی اسماعیل اور دوسری بعثت عام الی کافۃ الناس، اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی بعثت بھی دوہری تھی۔ چنانچہ آنجناب کی نبوت تو عام تھی بنی اسرائیل کے لئے بھی اور آل فرعون کے لئے بھی، لیکن رسالت کا رخ صرف آل فرعون کی جانب تھا۔ چنانچہ اس کی صراحت موجود ہے قرآن حکیم کے دوہرے متعدد مقامات کی طرح

اس مقام پر بھی کہ ”وَلَقَدْ ارسلنا موسىٰ بايتنا و سلطن مبين الىٰ فرعون و ملائکہ۔ یعنی ہم نے موسیٰؑ کو بھیجا فرعون اور اس کے امین کی سلطنت کی طرف۔ ان الفاظ سے ایک اور حقیقت بھی واضح ہوتی ہے اور وہ یہ کہ مصر میں اس وقت وہ نظام ملکیت پوری طرح رائج و نافذ تھا جس کے شکنجے میں کم و بیش تین ہزار برس تک تقریباً پوری نوع انسانی جکڑی رہی ہے۔ یعنی یہ کہ حاکم اعلیٰ ایک بادشاہ ہوتا تھا اور اس کی حکومت قائم ہوتی تھی جاگیرداروں اور منصبداروں یعنی *Feudal Lords* کے بل پر۔ اس کی حکومت میں عوام الناس کی حیثیت فی الواقع کالانعام، یعنی حیوانوں کے مانند ہی ہوتی تھی اور جملہ مسائل و معاملات کا باگ ڈور بادشاہ وقت اور اس کے درباریوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ وقت کو بھی براہ راست ان ہی کے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کا حکم ملا۔ اس مقصد کے لئے جو چیزیں حضرت موسیٰؑ کو حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوئیں ان کو یہاں دو اصطلاحات کے ذریعے بیان کیا گیا ایک ”ایتنا“ اور دوسرے ”سلطن مبین“۔ ان کے مفہوم کے تعین میں مفسرین کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ بعض نے آیات یعنی نشانیوں سے مراد عصا اور بیڑا سمیت وہ نو نشانیاں لی ہیں۔ جن کا ذکر سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۱۷ میں وارد ہوا ہے۔ اور سلطن مبین سے مراد ان میں سے سب سے اہم معجزہ یعنی عصا موسیٰؑ کو مانا ہے۔ اس طرح گویا یہ عطف الخاص علی العام کا معاملہ ہوا۔ بعض حضرات کے نزدیک آیات سے مراد جملہ معجزات ہیں اور سلطن مبین سے مراد حضرت موسیٰؑ کی وہ تقریر ہے جس نے فرعون کو بالکل لاجواب کر کے رکھ دیا تھا اور اس طرح گویا ان کو کھلا غلبہ عطا کر دیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب!۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ فرعون کے اعیانہ سلطنت نے فرعون ہی کی پیروی کی حالانکہ فرعون کا معاملہ یا اس کی رائے یا اس کی راہ راست نہ تھی۔ ”فَاتَّبَعُوا اَمْرَ فرعونَ و ما اَمْرُ فرعونَ بِرَشیدٍ“ امر کا لفظ بہت وسیع المعنی ہے، اس میں رائے، مسلک اور معاملات سب کی جانب اشارہ ہے اور الفاظ قرآنی میں ایک تصویر حال سامنے آتی ہے کہ



بیب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے دربار میں دعوتِ حق پیش فرمائی اور فرعون نے نئی جبرج بھی ان پر کی اس سب میں اسے لاجواب کر کے رکھ دیا اور وہ بالکل ہسیانا سا ہو کر رہ گیا تو ہر دیکھنے والی آنکھ نے دیکھ لیا تھا کہ حق کس جانب ہے اور موقف کس کا قومی ہے لیکن چونکہ اصل اہم معاملہ مفادات کا ہوتا ہے اور باگیر داروں اور منصبداروں کے مفادات اُس نظام سے وابستہ تھے جس کے رکن و محور کی حیثیت فرعون کو حاصل تھی جس کی جانب واضح اشارہ سورہ زخرف ۱۱ منقول فرعون کے ان الفاظ میں موجود ہے کہ :- اَلَيْسَ لِي مَلِكٌ مِّصْرَ هَذِهِ اَلَا نَهَارٌ تَجْسِي مِثِّي تَحْتِي ! ” یعنی کیا مصر کی حکومت میرے ہتھ میں نہیں ہے اور یہ نہروں کے ذریعے آبپاشی کا نظام بھی میرے زیرِ انتظام نہیں ہے ؟ ” لہذا انہوں نے من حیث الجماعت اپنا پورا وزن اُسی کے پلٹے بس ڈالنے میں عنایت سمجھی ۔ بالکل ایسے جیسے علامہ اقبال مرحوم نے اپنی نظم ” ابلیس کی مجلس شوریٰ ” میں ابلیس یا اس کے کسی نائب کی زبان سے کہلوا رہا ہے کہ ” نظام کہنے کے پاسبانو ! یہ معرض انقلاب میں ہے ! “ — اس کے بعد آیات نمبر ۹۸ اور نمبر ۹۹ کے الفاظ قرآن حکیم میں *Pathos* یعنی حزن و تاسف کے اظہار کے اعتبار سے درودہ سنام یا نقطہ عروج کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ يَقْدُمُ قَوْمَكَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَاَوْسَرُ دَهُمُ النَّارُ وَلَيْسَ لِيَوْمِ دَالْمُؤْمِرُ وَوَدَّ ” یعنی وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہو گا قیامت کے دن اور بالآخر انہیں لے جا اتارے گا جہنم کے گھاٹ پر اور کیا ہی بُرا ہے وہ گھاٹ جس پر اتر جائے ۔ یعنی قوم فرعون نے جس طرح دنیا میں اپنی عقل سے کام لینے اور اپنے شعور کو بروئے کار لانے کی بجائے اندھے بہرے ہو کر فرعون کی پیشوائی کو اختیار کیا اس طرح قیامت کے دن وہ جلوس کی صورت میں فرعون کی قیادت میں جہنم کا رخ کرے گی اور وہ اسے بالآخر جہنم میں لے جا گرائے گا ۔ اور کس قدر بُرا ہے وہ انجام جس تک یہ لوگ پہنچیں گے ۔ ” وَابْتَغُوا فِي هَذِهِ لَعْنَةً وَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يَلْسَنُ الْوَفْدُ الْمَرْفُودُ ” یعنی فرعون کے درباری و حواری ۔ اور ان کے اتباع میں

اُن کی قوم کے عوام کا لانا انعام جس کیفیت کے ساتھ فرعون کے پیچھے لگے وہ بالکل ایسے تھا جیسے لعنتِ خداوندی ان کو پیچھے سے دھکیل رہی ہو اور وہ اندھے بہرے ہو کر آگے بڑھے جا رہے ہوں۔ اور یہی نقشہ ان کا قیامت کے روز بھی ہوگا۔ بلکہ اس روز تو حقائق معنوی مجسم ہو کر سامنے آجائیں گے۔ اور لعنتِ خداوندی ان پر پوری طرح مستط نظر آئے گی۔

آخری الفاظ یعنی ”بئس المرشد المرشود“ میں خزانہ کیفیت عروج کو پہنچی نظر آتی ہے۔ مرشد کے معنی سنے یا عطیے کے ہیں۔ اور یہ نظام ملکیت کا ایک جانا پہچانا معاملہ ہے کہ بادشاہ اپنے منظورِ نظر اور وفادارِ نابین سلطنت کو گامے بگا ہے انعام و اکرام اور اعلیٰ پوشاکوں اور خلعتوں سے نوازتے رہے ہیں۔ تو گویا یہ ہے۔ لعنتِ خداوندی کا وہ اصل انعام و اکرام اور ابدی ذلت و رسوائی کی خلعتِ فاخرہ جو فرعون کی جانب سے اپنے وفاداروں اور حواریوں کو ملی اور کیا ہی بگا ہے یہ ملہ اور کتنا بھیانک ہے یہ انجام!

یہ واضح رہے کہ یہ معاملہ ”حکم الاکثر حکم الکل“ کے مطابق ہے ورنہ قرآن حکیم سے ثابت ہے کہ فرعون کے درباریوں میں سے کم از کم ایک صاحبِ توبہ ایسے حق پرست نکلے۔ جنہوں نے ایمان کی دعوت پر لبیک کہا اور کچھ عرصہ تک تو اپنے ایمان کو چھپائے رکھا لیکن جب نوبت بایں جا رسید کہ فرعون حضرت موسیٰ کو قتل کرنے پر تیار گیا تو انہوں نے تمام مصلحتوں وغیرہ کا پردہ چاک کر کے نعرہ حق بلند کر دیا اور ایسی فصیح و بلیغ اور موثر تقریر دربار میں کی کہ خود فرعون کے چھکے چھوٹ گئے اور اس کا سارا دبدبہ اور مظنہ ہوا ہو گیا اور وہ کھسیانا ہو کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ ”مَا اَرِيكُمْ اِلَّا مَا اَسْرٰی وَاَمَّا اَهْدٰیكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ التَّشَادُّۃِ“ یعنی ”میں تو تم لوگوں کو وہی کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہوں جو خود مجھے سمجھائی دے رہا ہے۔ اور میں نہیں رہنمائی کر رہا تمہاری مگر بھلائی کی راہ کی جانب“ جس کے جواب میں اس مردِ حق اور بندہ مومن نے بھرے دربار میں جوابی نعرہ لگایا کہ ”يَقُوْمُ اَتَّبِعُوْنَ اَهْدٰیكُمْ سَبِيْلَ التَّشَادُّۃِ“ یعنی ”ایک میری قوم کے لوگو! فرعون کے بھڑے میں نہ آؤ بلکہ میری پیروی کرو۔ میں تمہارے رہنمائی کروں گا“

بھلائی کی اصل راہ کی جانب! — یہ دوسری بات ہے کہ قوم کی عظیم اکثریت کی مت بالکل ماری جا چکی تھی اور وہ اپنے دنیوی مفادات کے باعث بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ نتیجہً وہ بدترین انجام سے دوچار ہو کر رہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ — اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ —  
وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝

(۶)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

فَاعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاِ الْقُرْاٰی نَقِصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيْدٌ  
وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنَتْ عَنْهُمْ اِلٰهَتُهُمُ الَّتِي  
يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ ط وَمَا زَادُوْهُمْ  
غَيْرَ مَتِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخَذُ رَبُّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرْاٰی وَهِيَ ظَالِمَةٌ ط  
اِنَّا اَخَذَ الْاَيْمُنَ مِنْهُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ  
الْاٰخِرَةِ ط ذٰلِكَ يَوْمُ تَجْمُوْعُ لَكَ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمُ مَشْهُوْدَةٍ وَمَا  
نُؤَخِّرُهٗ اِلَّا لَآجِلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ رِيَّاۡتٍ لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاٰذِنِهٖ ج  
فِيْنَهُمْ شِقَیٌّ وَسَعِيْدٌ ۝ (سورہ ہود آیت ۱۰۰ تا ۱۰۵)

ترجمہ :- ”یہ بستیوں کی سرگزشتوں میں سے چند ہیں جو ہم تمہیں سنارہے ہیں، ان میں سے بعض (تعالیٰ)، قائم ہیں اور بعض کی فصل (کبھی کی) کٹ چکی اور ہم نے ان پر (ہرگز) ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم ڈھایا تو جب تیرے رب کا حکم (عذاب) آپہنچا تو ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے اُن کے وہ (مزعوم) معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے اور انہوں نے ان کی بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہ کیا۔ اور ایسے ہی ہوتی ہے تیرے رب کی پکڑ جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظلم پر کاربند ہوتی ہیں۔ یقیناً اس کی پکڑ نہایت دردناک بھی ہے اور مدد درجہ سخت بھی بے شک اس میں اس انسان کے لئے بڑی نشانی ہے جو عذابِ آخرت کا خوف رکھتا ہو۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام

انسان جمع کئے جائیں گے - اور وہ (سب کی) عاصزی کا دن ہوگا - اور ہم اسے  
 ٹال نہیں رہے مگر صرف، ایک گنی جینی مدت کے لئے - جس دن وہ آدمی کے گاتو  
 کسی جان کو اس کے اذن کے بغیر بولنے کا یا را نہ ہوگا - پس ان میں سے کچھ  
 نیک نجات ہوں گے اور کچھ بد نجات! ترجمہ ختم ہوا! -

قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط، قوم شعیب اور آل فرعون پر رسولوں  
 کی دعوت پر لبیک نہ کہنے بلکہ اعراض و انکار اور کفر و تکذیب کی روش پر چم جانے  
 کے باعث جو عذاب استیصال نازل ہوا اس کے تذکرے کے بعد اب ایک نہایت  
 جامع تبصرہ آیات زیر درس میں ہو رہا ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: ”ذَٰلِكَ  
 مِنْ أَنْبَاءِ الْقُرَىٰ نَقُصُّهُ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيدٌ“ یعنی ”اے نبی!  
 نسلِ آدم کی تاریخ کے دوران جن بستیوں پر ان کے رہنے والوں کے کفر پر اصرار کے  
 باعث عذابِ ہلاکت نازل ہوا ان میں سے ہم صرف چند کے حالات ہیں جو ہم آپ  
 کو سنارہے ہیں، ان بستیوں میں سے بعض تو وہ ہیں جو بالکل ملیا سیٹ ہو گئیں اور  
 ان کا نام و نشان بھی مٹ گیا - جیسے کہ قرآن حکیم میں دوسرے مقامات پر آتا ہے  
 کہ ”كَانَ لَكُمْ تَخَنٌ بَلَا مَسٍ“ یعنی جیسے کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں!“  
 (یونس: ۲۴) یا جیسے ”كَانَ لَكُمْ يَغْنَوُا فِيهَا“ یعنی ”جیسے کہ کل وہاں کبھی آبادی  
 نہ تھی!“ (الاعراف: ۹۲، ہود: ۶۸ و ۹۵) یا جیسے ”لَا يَسِرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ“  
 یعنی ”صرف مسکن رہ گئے ان میں سکونت رکھنے والوں کا نام و نشان تک مٹ  
 گیا“ (الاحقاف: ۲۵) - اور بعض ان میں سے تاحال قائم ہیں یہ معاملہ ہے  
 مصر کا کہ آل فرعون پر عذاب ان کی بستیوں میں نہیں آیا بلکہ مشیتِ ایزدی نے انہیں  
 ان کی بستیوں سے نکالا اور سمندر میں غرق کر دیا - چنانچہ قوم تو ہلاک ہو گئی لیکن ان  
 کی بستیاں جوں کی توں قائم رہ گئیں - اس کے بعد فرمایا: ”وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ لَكِن  
 ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ“ یعنی ہم نے ان پر ہرگز کوئی زیادتی نہیں کی وہ خود ہی ہمارے  
 قانونِ مجازات کی زد میں آ گئے - گویا انہوں نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھایا -  
 اور اللہ تعالیٰ نے جو عقل و شعور کی استعدادات ان کو عطا فرمائی تھیں ان کو بے کار  
 کر کے رکھ چھوڑا اور اندھے بہرے ہو کر شہوات و خواہشات کی پیروی میں لگ

گئے۔ ”فما اغنت عنهم الهتهم التي يدعون من دون الله من شيء لئلا جاء امر ربك“، یعنی جب ان کی اس شامت اعمال کے باعث ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تو ان کے وہ نام نہاد دیوی دیوتا ان کے کچھ بھی کام نہ آ سکے جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے۔ اس لئے کہ ان کا حقیقی وجود تو کوئی تھا ہی نہیں، وہ تو سرتاسر ان کے اپنے ذہن کے تراشیدہ اور وہم کی پیداوار تھے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم سے ”می تراشد فکر ماہر دم خداوندے و گھر۔“

وَمَا نزل دُوهُم غَیْزٌ مُّبِیْنٌ“ یعنی انہوں نے ان کے حق میں کسی چیز کا اضافہ نہ کیا سوائے تباہی و بربادی کے۔ اس لئے کہ وہ اپنے ان ہی جھوٹے ذہنی سہاروں کے باعث اپنی غلط کاریوں اور کج رویوں میں جبری ہوتے چلے گئے تھے۔ اگر یہ غلط سہارا نہ ہوتا تو ممکن ہے کبھی حقیقت ان پر منکشف ہو ہی جاتی اور ان کے قدم راستی کی جانب اٹھ ہی جاتے۔ مذکورہ معذب اقوام میں سے صرف قوم نوحؑ کے بارے میں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بت بعض فوت شدہ بزرگوں کے نام پر بنائے گئے تھے۔ گویا ان کا طرز عمل وہی تھا جو بعد میں پوری شدت کے ساتھ نصاریٰ نے اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر حضرت مسیحؑ ہی کو معبود بنالیا ان کے معاملے میں ”وَمَا نزل دُوهُم غَیْزٌ مُّبِیْنٌ“ کا یہ اضافی مفہوم بھی سامنے آتا ہے کہ محاسبہ آخروی کے وقت اللہ کے ان پیغمبروں اور اولیاء کی اپنے نام نہاد پرستاروں سے بیزاری و براءت ان کی ذلت و خواری میں مزید اضافے کا سبب بنے گی۔ عین ممکن ہے کہ بعض دوسری اقوام کے منزعومہ معبودوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہو۔ واللہ اعلم! آگے ارشاد ہوتا ہے: ”إِنِّیْ ذَٰلِكَ لَا یَبْرَأُ لِمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ“ یعنی نبی اکرمؐ کے اس قول مبارک کے مصداق کہ ”السَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْزٍ“، یعنی ”اصل نیک بہت وہ ہے جو دوسروں کے احوال سے سبق حاصل کرے!“، ان حالات و واقعات میں بڑا سبق ہے اور بڑی عبرت ہے ہر اس شخص کے لئے جو کسی بھی دہے میں عذاب آخروی کا خوف رکھتا ہو۔ واضح رہے کہ ”قرآن حکیم کے بے شمار مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر اصل چھاپ ایمان بالاحسنیت ہی کی پڑتی ہے، اگر انسان

کو سڑے آخرت کا یقین ہی نہ ہو۔ یا اُس کا اقرار تو ہو لیکن کسی دوسرے غلط عقیدے جیسے شفاعتِ باطلہ کی اُمید موبہم کے باعث سزا اور عقوبت کا خوف بالکل زایل ہو جائے تو ایسے شخص کا راہ ہدایت پر اُنا محال ہے۔ اس کے برعکس اگر عذابِ اُخروی کا خوف کسی دہجے میں بھی برقرار ہو تو جلد یا بدیر ہدایت نصیب ہو جائے گا امکان بھی برقرار رہتا ہے۔ آگے قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا: ”ذَالِك يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لِّلنَّاسِ وَذَالِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ“ یعنی ”وہ دن ایسا ہوگا کہ امتی پوری نوعِ انسانی جمع کی جائے گی اور وہ دن ہوگا حاضری اور پیشی کا! — یہ بالکل وہی اسلوب بیان ہے جو سورۃ تغابن میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے کہ ”يَوْمَ يَجْمَعُكُم لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذَالِكِ يَوْمُ التَّغَابُنِ“ یعنی ”یاد کرو اُس دن کو جس دن کہ وہ تم سب کو جمع کرے گا جمع کرنے کے دن۔ وہی دن ہوگا بار اور جیت اور سود و زیاں کے اصل فیصلے کا!“ اُس دن تمام انبیاء و رسل اور کل داعیانِ حق بھی موجود ہوں گے اور گواہیاں دیں گے۔ بخوانے الفاظِ قرآنی ”فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا“ ان کی دعوت پر لبیک کہنے والے بھی ہوں گے اور ”شهداء علی الناس“ کی حیثیت سے پیش ہوں گے۔ اور کافر و مشرک بھی موجود ہوں گے جن کے خلاف داعیانِ حق ہی نہیں خود ان کے اپنے ہاتھ پیر اور اعضاء و جوارح بھی گواہیاں دیں گے۔ آگے فرمایا: ”وَمَا نُؤَخِّرُهُ اِلَّا لِاَجَلٍ مُّعَدَّدَةٍ“ یعنی وہ وقت اگر فوراً نہیں آ رہا تو اس دھوکے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نہیں آئے گا۔ یا یہ کہ وہ ابھی اتنی دور ہے کہ فوری طور پر اپنے عیش کو منقطع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بہ تاخیر و تعویق بس ایک گنی چنی مدت کے لئے ہی ہے۔ یہ الفاظِ مبارکہ ہرگز کسی مبلغے پر مبنی نہیں ہیں بلکہ مینِ حق ہیں اس لئے کہ ایک تو بندوں کا حساب اور ہے اور اللہ کا حساب اور۔ اُس کی تقویم کا ایک دن انسانوں کے حساب کے ہزاروں سال کے برابر ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے علمِ ازیٰ میں ہر شئی بآں واحد موجود ہے۔ سورۃ معارج میں فرمایا کہ ”انہم یرونہ بعیداً و شواہ قریباً“ —

”یہ لوگ اُسے دُور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے بالکل سامنے دیکھ رہے ہیں“ اور  
 نیٹرے یہ کہ تمام انسانوں کی اجتماعی قیامت چاہے ابھی کچھ دُور ہی ہو ہر انسان  
 کی انفرادی قیامت یعنی موت تو ہر دم اُس کے سر پر منڈلا رہی ہے۔ جیسے کہ فرمایا  
 نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ: ”مَن مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ“۔ یعنی جس شخص  
 کی موت آگئی اس کی قیامت تو قائم ہو ہی گئی!“۔ آخر میں فرمایا: ”يَوْمَ لَا  
 تَكَلُمُ نَفْسٌ إِلَّا بِذَنْبِهَا فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ“۔ یعنی ”وہ جس دن  
 وہ وقت اُن پہنچے گا۔ تو کوئی ذمی نفس کلام تک نہ کر سکے گا سوائے اُس کے جسے اللہ  
 تعالیٰ اجازت مرحمت فرمائیں۔ اس میں قطعی نفی ہو گئی مشرکین کے تصورات کی جو وہ  
 بالخصوص شفاعت باطلہ کے منمن میں رکھتے ہیں یعنی یہ کہ ان کے مَرُومِ معبود اللہ کے  
 یہاں اُن کے سفارشی بنیں گے۔ بفحوائِ الفاظِ قرآنی: ”هُؤُلَاءِ شَفَعَاءُ عِنْدَ اللَّهِ“  
 (یونس: ۱۸) یعنی ”ہمارے یہ معبود اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی بنیں گے!“۔  
 وہاں تو صورت یہ پیش آئے گی کہ: ”يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا  
 لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا“۔ یعنی وہاں  
 اوّل تو بغیر اذن رب کوئی بول ہی نہیں سکے گا اور جب بولے گا تو سوائے حق اور صحیح  
 بات کے اور کچھ زبان سے نکال نہ سکے گا!۔ نتیجۂ نوعِ انسان دو گروہوں میں  
 منقسم ہو جائے گی ایک گروہ نیک نجتوں پر مشتمل ہو گا دوسرا بد نجتوں پر۔ ان کے انجام  
 کی تفصیل آگے آئے گی۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنِّ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

مولانا امین احسن اصلاحی کی تالیف

# پاکستانی عورت

دورِ السہیر

صفحات ۱۸۴ : قیمت ۱۰/-

# تعارفِ الكتاب

چودھواں پارہ

## رُبَمَا

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیل  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کا چودھواں پارہ رُبَمَا کے نام سے موسوم ہے اور اس میں دو سورتیں پوری پوری شامل ہیں۔ یعنی پہلے سورۃ حجر جس کی صرف پہلی آیت تیرھویں پارے میں ہے باقی پوری سورۃ اس چودھویں پارے میں شامل ہے اور دوسری سورۃ النحل۔

سورۃ حجر کے بارے میں اس کے انداز کے اعتبار سے یہ بات نمایاں معلوم ہوتی ہے کہ یہ قرآن مجید کی بالکل ابتدائی عہد کی نازل شدہ سورتوں میں سے ہے۔ اس لئے کہ اس میں آیات چھوٹی چھوٹی ہیں۔ اور سادہ بہت تیز ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں بالکل آغاز میں قرآن مجید کے بارے میں ایک بڑی اہم حقیقت بیان ہوئی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ہ اس قرآن کو جو ذکر ہے یاد دہانی ہے۔ نصیحت ہے ہم نے ہی نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ یعنی قرآن مجید کو ہر قسم کی لفظی اور معنوی تحریف سے بچانے کا وہ اللہ تعالیٰ نے خود لے لیا ہے۔ یہی وجہ ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک عظیم



معجزہ ہے کہ چودہ سو برس گزر جانے کے باوجود یہ کتاب من و عن موجود ہے اور اسلام کے کسی دشمن کو بھی یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ اس کتاب میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یہ حضور اکرمؐ کی ختم نبوت کی ایک بہت بڑی دلیل ہے کہ چونکہ آپؐ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا۔ لہذا اللہ نے جو کتاب آپؐ کو عطا فرمائی ہے۔ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔ سورۃ حجر میں

قَصَّةٓ اٰدَمَ وَاٰبٰیہٖیۡسِ بَہٗیۡ اَیۡکَیۡ نَہٗیۡ شَآءَ وَاٰرَاسِیۡمِیۡ اَیۡکَیۡ اَیۡتِیۡ بَہٗتِ اَہِیۡمِیۡ ہِیۡ۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی تخلیق سے قبل فرشتوں سے یہ کہہ دیا تھا۔  
وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَہٖ اِنِّیۡ خَالِقٌۭ اَبَشَرًا مِّنْ صَّلٰصَلٰلٍ مِّنْ حَمَآءٍ مَّسْکُوۡنٍ ہ

میں ایک بشر بنانے والا ہوں۔ اس سے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر کھٹکھٹانے لگا ہو۔

فَاِذَا سَوَّیۡتَہٗ وَنَفَخْتُ فِیۡہِ مِنْ رُّوْحِیۡ فَقَعُوۡلَہٗ سَیِّدِیۡنَ ہ  
تو جب میں اسے مکمل کر لوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں۔ تو گر پڑنا اس کے سامنے سجدے میں۔

معلوم ہوا کہ یہ انسان کا شرف ہے۔ یہ اس کی وہ فضیلت ہے جو کہ اسے تمام موجودات اور مخلوقات پر حاصل ہے۔ کہ اس میں روح ربانی پھونکی گئی ہے۔ یہ انشرف المخلوقات اسی بنیاد پر ہے۔ اور سجود ملائک بنا۔ یہ عظیم امانت ہے۔ جس کا انسان حامل ہے۔ یہی وہ امانت ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا۔ ”ہم نے اپنی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا۔ لیکن سب ڈر گئے اس کا تحمل نہ کر سکے اس کو اٹھایا ان نے۔“  
اس سورۃ مبارکہ کے اخیر میں نبی اکرمؐ کے سامعہ و لجوئی کا معاملہ فرمایا گیا ”اے نبی ہمیں خوب معلوم ہے۔“

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ لَا  
 کہ جو کچھ یہ کفار مشرکین آپ کے معاندین اور مخالفین کہہ رہے ہیں۔  
 آپ کو اس سے دکھ پہنچتا ہے۔ آپ کا سینہ اس سے بھجھتا ہے آپ کو اس  
 سے رنج پہنچتا ہے۔ لیکن آپ صبر کیجئے جھیلے۔ برداشت کیجئے۔  
 فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝  
 اپنے رب کے سامنے سجدہ میں اور راتوں کو اس کے سامنے کھڑے ہو کر  
 راتیں بسر کیا کیجئے۔

اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیے۔  
 اس کے بعد سورۃ نحل آتی ہے۔ یہ نسبتاً ایک طویل سورۃ ہے سورہ رکوعوں  
 پر مشتمل ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے بیان میں  
 غالباً جامع ترین سورۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ظاہری اور باطنی نعمتوں کا بیان  
 جس جامعیت کے ساتھ اس میں ہوا ہے وہ غالباً کسی اور مقام پر نہیں ہے۔  
 چنانچہ اس میں مختلف انواع و اقسام کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد کیا جاتا ہے۔  
 اِنَّا فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝  
 اس میں نشانیاں ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو تفکر کریں، غور و فکر سے کام  
 لیں پھر کچھ اور نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر الفاظ آتے ہیں۔  
 اِنَّا فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝  
 اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیں۔ کچھ اور  
 نعمتوں کا ذکر فرما کر پھر عادہ ہوتا ہے۔  
 اِنَّا فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّا فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ  
 لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ -

پھر ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو۔ تو گن نہ سکو گے۔

اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ تمہاری گنتی سے باہر ہیں۔ کہیں ارشاد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ بد نصیب اللہ کی نعمتوں کا انکار کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں آیا تو ان کے ضمن میں بھی خاص طور پر یہ الفاظ وارد ہوئے۔  
 اِنَّ اِبْرٰهٖمَ كَانَ اُمَّتًا قَانِتًا لِلّٰہِ حَنِیْفًا وَّلَمْ یَلِدْ  
 مِّنَ الْمُنْثَرِکِیْنَ ۔ شَکِرْ لِّاٰنْعِمَہٗ ط اَجْتَبَہٗ وَہٰذَا الْکَ  
 صِدَاقُ مُسْتَقِیْمٍ ۝

ابراہیمؑ اپنے رب کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔ شکر ادا کرنے والے۔ تو نعمت خداوندی اللہ کی نعمتوں کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں واقعہ یہ ہے کہ انتہائی جامعیت کے ساتھ آیا اور انسان کو دعوت دی گئی کہ اللہ کی نعمتوں کے حوالے سے اللہ کو پہنچانے۔ اس کی صفات کمال کی معرفت حاصل کرے۔ اس کی توحید کا علم حاصل کرے یہ بات بھی جان لے کہ جس نے نعمتیں دی ہیں وہ نعمتوں کا حساب لے گا۔ محاسبہ آخری کی دلیل بھی درحقیقت یہیں سے فراہم ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کی چند اور اہم آیات میں سے مثلاً ایک بڑی جامع آیت ہے جس پر عموماً جمعہ کا جو خطبہ ثانی ہے وہ ختم ہوتا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَّلَا یُحْسِنُ وَ اٰیٰتِیْ ذِی الْقُرْاٰنِ لَیْذِ  
 یُنْفِیْ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَ الْبِغْیِ ط ۔

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے عدل و انصاف کا احسان کا قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا۔ اور روکتا ہے فحش کاموں سے اور منکرات سے اور ہمتیوں سے۔

یہ بڑی جامع آیت ہے۔ اور سورۃ بنی اسرائیل جو سورۃ نحل کے بعد آتی ہے۔ اس کے دور کو عموماً میں گویا کہ انہی کی تفصیل آئے گی۔ ایک اور عظیم آیت ہے۔ فرمایا گیا۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ

جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۝

اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ۔ یہ بلانا اولاً حکمت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ وائائی کے ساتھ ہونا چاہیے۔ عقلی دلائل کے ساتھ انسان کے ذہن کو اپیل کرنے والی دلیلوں کے ساتھ۔ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ۔ دوسرے درجے میں دعوت ہے۔ وَالْمَوْعِظَةُ الْحَسَنَاتُ انتہائی دلنشین پیرائے میں نصیحت کی بات جو سیدھی دل میں جا لگے۔ جو انسان کے دل میں گھر کر جائے۔ اور آخری درجہ مبادل کی بھی اجازت ایسے بھی لوگ ہوتے ہیں جن کے متعلق علامہ اقبالؒ نے کہا کہ:-

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے پیرے کا بگڑ

مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر

ایسے مرد ناداں بھی ہوتے ہیں جن پر کلام نرم و نازک اثر نہیں کرتا۔ بلکہ نوار تلخ ترمی زن چوں ذوقِ نغمہ کیا بی۔

کچھ تلخ باتیں بھی کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن وہاں بھی ایک بندہ مومن کو شرافت اور متانت و سنجیدگی اور وقار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ نو فرمایا۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۝

اگر کہیں مبادل اور جھگڑا اور بحث اور نزاع کی صورت پیدا ہو جائے تو پھر تمہارا طرزِ عمل احسن ہونا چاہیے۔ آخری آیت میں فرمایا۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۝

اے نبی اگرچہ حالات انتہائی نامساعد ہیں۔ مخالفتوں کا طوفان ہے۔ ہر چار طرف سے رکاوٹیں ہیں۔ لیکن آپ جبرے رہیے۔ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہیے۔ صبر کیجئے۔ جھیلئے۔ اور برداشت کیجئے۔ جو کچھ بھی آپ کو اس راہ میں برداشت کرنا پڑے اور آپ کا صبر اللہ ہی کے سہارے ہے۔ اسی کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوطی کے ساتھ قائم رکھیے اور اسی کے حکم اور فیصلے کا

# پندھواں پارہ سُبْحَنَ الَّذِي

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم  
بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کا پندرہواں پارہ سُبْحَنَ الَّذِي کے نام سے موسوم ہے اس میں  
اولا سورۃ نبی اسرائیل مکمل اور پھر سورۃ کہف کے تقریباً دو تہائی حصے شامل  
ہیں۔ یہ دونوں سورتیں مصحف کے بالکل وسط میں واقع ہیں۔ اور حکمت قرآنی  
کے عظیم خزانوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان دونوں میں بہت سے پہلو مشابہ ہیں۔  
اور بعض اعتبارات سے یہ دونوں مل کر مضامین کی تکمیل کرتی ہیں۔ گویا کہ یہ دونوں برابر  
ہیں۔ چنانچہ دونوں بارہ بارہ رکوعوں پر مشتمل ہیں۔ اور سورۃ بنی اسرائیل کی ایک  
سو گیارہ آیات ہیں۔ اور سورۃ کہف کی ایک سو دس پھر دونوں کا آغاز اللہ تعالیٰ  
کی تسبیح اور حمد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔ بُسْمَانَ  
الَّذِي . . . اور سورۃ کہف کا آغاز ہوتا ہے۔ الحمد للہ سے . . . گویا کہ ایک  
کے آغاز میں تسبیح باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اور دوسرے کی ابتدا حمد باری تعالیٰ سے ہوتی  
ہے۔ اور ان دونوں کے مابین جو نسبت ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس  
قول سے معلوم ہوتی ہے۔ سبحان اللہ سے میزان نصف ہو جاتی ہے۔ اور الحمد سے پرہ  
ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دونوں سورتوں کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم  
کا ذکر ہے۔ اور دونوں میں آپ کی نسبت عبدیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ بُسْمَانَ  
الَّذِي اسْرَعِيَ بَعْدَهُ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ معلوم ہوا کہ  
حضور صلعم کی اصل نسبت یا عروجی نسبت یا آپ کا طرہ امتیاز مقام عبدیت ہے۔  
اور آپ عبدیت کا ملکہ کے مقام پر فائز ہیں۔ اگرچہ ہم آپ کی عبدیت کو اپنی عبدیت  
پر قیاس نہیں کر سکتے۔ بقول علامہ اقبالؒ :-

عبد و بکر عبدہ چیمزے دیگر ماسراپا انتظار او منتظر  
اسی طرح دونوں سورتوں کا اختتام بھی توحید باری تعالیٰ کی اہم آیات پر ہوتا  
ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت ہے۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَمَّ يَتَّخِذُ وَاوَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكَ  
فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الدَّلٰلِ وَكَثِيْرَةً تَّكْبِيْرًا ۝۱۰  
اے نبی کہہ دیجئے ساری حمد و ستائش اور سارا شکر اس اللہ کے لئے ہے جس نے  
کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا نہ کوئی حکومت میں اس کا شریک ہے اور نہ ہی کوئی  
اس کا دوست ۱۰۔ اس وجہ سے کہ اسے کسی کی امداد اعانت کی احتیاج ہو اور  
اس کی تکبیر کیجئے جیسا کہ اسکی تکبیر کا حق ہے۔ سورۃ کہف کے آخر میں یہ آیت مبارکہ  
دارد ہوئی۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلٰى اَنْبَاِ الْهٰكُمِ اِلٰهٌ وَّ اَحَدٌ ۝۱۰  
اے نبی کہہ دیجئے میں تم جیسا ہی ایک انسان ہوں۔ مجھ پر وحی ہوتی ہے کہ تمہارا  
اللہ بس ایک ہی اللہ ہے، اللہ واحد جس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔  
اس طرح ان دونوں سورتوں کے وسط میں قصۃ ابلیس و آدم کا ذکر ہوا  
ہے۔ پھر ان دونوں سورتوں میں ہجرت کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ سورۃ بنی اسرائیل  
میں فرمایا کہ

اے نبی اللہ سے دُعا کیجئے وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مَدْخَلَ صِدْقٍ وَّ  
اَخْرِجْنِيْ مَخْرَجٍ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۱۰  
اور چونکہ ہجرت کے سفر کے دوران غارِ ثور کا واقعہ پیش آنے والا تھا تو اسی  
نسبت سے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ کہف میں اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا۔  
ان دونوں سورتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی وساطت سے تمام  
مسلمانوں کو قرآن مجید کے ساتھ ایک محکم اور مضبوط تعلق قائم رکھنے کا حکم ہوا۔  
سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا۔

اقِمِ الصَّلَاةَ لَدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ  
نَ قُلْتَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ط

اور سورۃ کہتے ہیں ارشاد فرمایا وَقُلْ مَا أَوْحَى إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ

رَبِّكَ ط

گویا کہ بندہ مومن کے صبر و ثبات اور استقامت کا اصل راز بندہ مومن کی  
نوت کا اصل منبع اور سرچشمہ تعلق باللہ ہے جس کا سب سے موثر ذریعہ قرآن مجید  
لو مضبوطی سے تمام لیتا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز اور اختتام پر بنی اسرائیل کی تاریخ  
کے بعض اہم واقعات کا ذکر ہے اور اس کے تیسرے اور چوتھے رکوع میں  
بنی اسرائیل کو جو احکام عشرہ دیئے گئے تھے۔ یعنی تورات کے

(ان کا بیان ہوا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی

بھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ درحقیقت اس میں تورات کے احکام عشرہ ہی کی  
تفصیل قرآن مجید نے اپنے الفاظ میں کر دی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں قرآن مجید  
کا ذکر اور اس کی اہمیت اور اس کی عظمت کا بیان کرنے کے بعد بنا ہوا ہے  
پورے قرآن مجید میں لفظ قرآن ساٹھ مرتبہ وارد ہوا ہے۔ اور اس ایک سورۃ  
میں سولہ مرتبہ لفظ قرآن وارد ہوا ہے۔ چنانچہ اس میں وہ چیلنج بھی ہے۔

قُلْ لِّیْنَ اِجْتَمَعَتْ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا  
الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ط  
اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی کوشش کریں تو اس جیسا قرآن تصنیف  
نہ کر سکیں گے۔ خواہ وہ ایک دوسرے کی کتنی ہی مدد کریں۔ اس سورۃ  
مبارکہ کے آغاز میں فرمایا۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِتٰی هِیْ اَقْوَمُ۔

یہ قرآن وہ کتاب ہے جو رہنمائی کرتی ہے اس راستے کی طرف اقوم جو  
سب سے زیادہ سیدھی اور مستقیم راہ ہے۔ جس میں نہ کوئی کجی ہے اور نہ کوئی پرچ۔

اور اس کا اختتام ہوتا ہے ان انتہائی پر جلال اور پر ہیبت الفاظ پر۔  
وَالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ لَمُوسَ بِالْحَقِّ نَزْلًا اِس قرآن مجید کو ہم نے حق کے ساتھ  
ازل کیا اور حق ہی کے ساتھ وہ نازل ہوا ہے۔ یعنی اب یہ فیصلہ کن کتاب بن کر  
ئی ہے۔ امتوں اور قوموں کا فیصلہ اب اسی کتاب کے ذریعے ہوگا۔ جیسا کہ حفرة  
مر فاروق فرماتے ہیں۔ اَنَحْضُورُ صَلَّى اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ تعالیٰ  
ب اسی کتاب کی بدولت قوموں کو عروج عطا فرمائے گا اور اس کتاب کے ترک  
کرنے کے باعث ان کو ذلیل و سوا کر دے گا۔ گویا کہ سورۃ بنی اسرائیل کا مرکزی  
مضمون قرآن مجید ہے۔ جبکہ سورۃ کہف کا مرکزی مضمون اس حیات دنیوی  
کی حقیقت کو نمایاں کرنا ہے۔ کہ یہاں کی ساری زمینیں اور آرائشیں یہاں  
کی ساری چہل پہل یہاں کی ساری رونقیں صرف اس لئے ہیں کہ تمہارا امتحان  
لیا جائے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی الْاَرْضِ زِينَةً لِّہَا لِنَبْلُوہُمْ اَیُّہُمْ اَحْسَنُ  
عَمَلًا ۝

ہم نے زمین پر جو کچھ بھی ہے اسے اس کا سنگھار بنا دیا ہے۔ اس کی  
ریائش اور آرائش بنا دیا ہے۔ تاکہ تمہیں آزمائیں کہ کون ہیں وہ لوگ  
جو صرف اس پر رشک کر رہ جاتے ہیں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں وہ  
ہمت مردانِ خدا جو یہاں رہتے ہوئے بھی اس کی محبت میں گرفتار نہیں جوتے۔  
بلکہ اللہ سے لو لگائے رکھتے ہیں اور اس کی محبت کرتے ہیں۔

سورۃ کہف کا جو حصہ اس پندرہویں پارے میں آیا ہے اس میں اصحاب  
کہف کا قصہ بیان ہوا تفصیل کے ساتھ اور یہ بھی درحقیقت انسان کی آزمائش  
کا ایک اہم واقعہ ہے کہ کچھ نوجوان جو توحید باری تعالیٰ پر پوری طرح قائم  
ہو گئے۔ ان پر شائد اور مصائب کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ یہاں تک کہ ان کی جان کو  
نڈیشہ لاحق ہو گیا تو انہوں نے توحید پر اپنے آپ کو مستقیم اور ثابت قدم رکھا۔



وردہ اپنی آبادی کو چھوڑ کر ایک غاریں جا کر پناہ گزین ہو گئے ۔

إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَذَلَّلْنَاهُمْ هُدًى ۝

قرآن مجید ان کا ذکر کرتا ہے ۔ وہ کچھ ایسے نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا ۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت اس کا قانون اور ضابطہ یہی ہے کہ جو اسکی طرف بڑھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے لئے اپنی راہیں کھولتے چلے جاتے ہیں اور اس کے لئے نیکی کی راہ کو آسان فرماتے چلے جاتے ہیں ۔

سُورَةُ نَبِيِّ اسْرَائِيلَ اور سُورَةُ كهف ان مرکزی مضامین میں جو نسبت ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان سے بڑی واضح ہو جاتی ہے ۔ ”ان دلوں پر بھی زنگ آجاتا ہے ۔ جیسا کہ لوہے پر زنگ آجاتا ہے جبکہ اس پر پانی پڑتا ہے“ صحابہؓ نے دریافت کیا ، ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان دلوں کے زنگ کو کس طرح دُور کیا جائے اس کا علاج کیا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا ۔

(حدیث ) کثرة ذکر الموت وتلاوة القرآن ”کثرت کے ساتھ موت کو یاد کرنا ۔ اس حقیقت کو پیش نظر رکھنا کہ یہ دُنیا ہمارا وطن نہیں ہے ۔ یہ مستقل ٹھکانہ نہیں ہے یہاں سے بہر حال جانا ہے ۔ اور کثرت کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت پر کاربند رہنا ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں باتوں کی توفیق عطا فرمائے ۔

سولہواں پارہ

قَالَ اَلَمْ

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قرآن مجید کا سولہواں پارہ قَالَ اَلَمْ کے نام سے موسوم ہے اس کے

نصف اول میں سورۃ کہف کی بقیہ چھتیس آیات اور سورۃ مریم مکمل شامل ہیں۔  
اور اس کا نصف آخر سورۃ طہ پر مشتمل ہے۔

سورۃ کہف کے مرکزی مضمون میں انسانوں پر یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ  
حیات دنیوی محض ایک امتحانی وقفہ ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ انسان کا امتحان  
لیتا ہے۔ کبھی وہ تنگی سے اور کبھی کشادگی سے آزماتا ہے یہاں کی اونچ نیچ سے  
متاثر نہیں ہونا چاہیے بلکہ جاننا چاہیے کہ انسان کی اصل منزل آخرت ہے۔ اس  
پارے میں اس سورۃ مبارکہ کا جو حصہ شامل ہے اس میں اولاً حضرت موسیٰ  
علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ ہے اس واقعہ کا حاصل یہی ہے  
کہ اس دنیا میں جو واقعات و حوادث رونما ہوتے رہتے ہیں ان کے ظاہر سے  
دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز انسان کو انتہائی ناگوار ہو۔  
لیکن اس کے پردے میں انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر کا کوئی پہلو ہو  
جیسا کہ سورۃ بقرہ میں ارشاد فرمایا۔

وَعَلَىٰ آتٍ تَكْرَهُهُوَ شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ

وَعَلَىٰ أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَ

أَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ وہ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو۔ دراصل تم کو

وہ تمہارے حق میں خیر پر مشتمل ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔ اس کے

بعد ذوالقرنین کا ذکر ہوا۔ یہی ایک خدا ترس اور نیک دل بادشاہ تھے جنہیں

تاریخ میں کینخس و یاساترس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کے آغاز

میں اصحاب کہف کا ذکر ہوا۔ جن کا اللہ تعالیٰ نے شہاد و مساب کی صورت میں امتحان لیا۔

ان کے لئے توجید پر کاربند رہنا ناممکن ہو گیا۔ اور وہ مجبور ہو گئے کہ آبادی کو چھوڑ

کر ایک غار میں پناہ لے لیں۔ امتحان کی انتہائی کیفیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی

بندے پر اپنے انعامات و نوازشات کی بارش کر دے اسے دنیاوی وجاہت و

اقتدار اور دولت و ثروت عطا فرمائے۔ اور دیکھے کہ وہ اللہ کا شکر گزار بندہ ہو

کر رہتا ہے یا مغرور ہو کر اللہ کو بھلا بیٹھتا ہے۔ حضرت ذوالقرنین اس دوسری

آزمائش کی ایک بڑی عمدہ مثال ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین میں تمکن اور غلبہ عطا فرمایا۔ لیکن وہ اللہ تعالیٰ کے نیک دل بندے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے اور عدل و انصاف پر کار بند رہنے والے انسان کی حیثیت ہی سے اس دنیا میں رہے۔ سورۃ کہف کی آخری آیات بڑی اہم ہیں۔ ان میں پھر اس حقیقت کو کھولا گیا ہے کہ انسان کی تباہی کا اصل سبب یہی ہے کہ وہ دنیا کو اپنا مطلوب مقصود بنالے۔ فرمایا:۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۚ الَّذِينَ صَنَعُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا دَمَيًّا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزَنَاهُ

اے لوگو! کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنی سعی و جہد اپنی کدو کاوش کے اعتبار سے سب سے زیادہ گھٹے اور خسارے میں رہنے والے لوگ کون سے ہیں۔ وہ لوگ کہ جن کی سعی و جہد اس دنیا کی زندگی ہی میں بھٹک کر رہ گئی۔ انہوں نے دنیا ہی کو اپنا مطلوب مقصود بنایا۔ ساری بھاگ دوڑ صرف دنیا اور اس کے لذائذ اور اس کی آسائشوں ہی کے حصول کے لئے وقف کر دی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ آخرت میں ان کے لئے کچھ نہیں۔ قیامت کے دن ان کی سعی و جہد کا کوئی وزن نہ ہوگا، میزانِ ربانی میں ان کی ساری جدوجہد پر کادہ کے برابر بھی وزن نہ رکھے گی۔ سورۃ کہف کے بعد قرآن مجید میں سورہ مریم وارد ہوئی۔ اس سورۃ مبارکہ میں انبیاء کرامؑ کا ذکر ہے۔ اس اعتبار سے نہیں کہ جس اعتبار سے اس سے پہلے کی مکی مورتوں میں ہوتا رہا ہے یعنی رسولوں کے انکار پر قوموں کی ہلاکت کا معاملہ اس سورۃ مبارکہ میں اس طرح کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت ذکر کیا اور حضرت یحییٰؑ کا بیان ہے۔ پھر حضرت مریم سلامؑ علیہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور اس ضمن میں بڑی شدت کے ساتھ نفی کی گئی ہے الوہیت حضرت مسیح علیہ السلام کے عقیدے کی۔ چنانچہ ان کا قول نقل ہوا۔

إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ إِنِّي أَتَانِي الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا - ه  
 ”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے۔ یعنی انجیل اور  
 مجھے اپنا نبی بنایا ہے۔“

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالانبیاء امام الناس خلیل اللہ کا ذکر  
 ہے۔ اور انہوں نے اپنے والد کو جس لجاجت کے ساتھ، جس عاجزی کے ساتھ،  
 جس انکساری کے ساتھ اور جتنے پرسوز اور جتنے پردرد لہجے میں خدائے واحد پر  
 ایمان لانے کی دعوت دی اس کا بڑے ہی دلنشیں پیرائے میں ذکر ہوا۔ اس کے  
 بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ادریس علیہ السلام  
 کا ذکر ہے۔ اس کے بعد ایک مضمون بڑا اہم آیا ہے۔ نبی اکرم کو قرآن مجید سے  
 جو عشق تھا۔ وہ معلوم ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے حضور نے شکوہ کیا کہ  
 آپ وقفے وقفے سے آتے ہیں۔ ہمارا شوق اور ہمارا اشتیاق اس دوران میں  
 بڑھتا چلا جاتا ہے۔ آپ جلد جلد جلدی وحی لایا کریں۔ حضرت جبرائیل کا جواب  
 اس سورۃ میں نقل ہوا۔ وَمَا تَنْزِيلُ الْإِلَهِ بِأَمْرِ رَبِّكَ جِئْتُ بِمِثَرٍ لِّمَنْ  
 آپ کے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہو سکتے۔

لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ  
 رَبُّكَ نَسِيًّا

ہمارے سامنے جو کچھ ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ ہمارے پیچھے جو کچھ  
 ہے اس کا اختیار بھی اسی کو ہے۔ اور ان دونوں کے مابین جو کچھ ہے اس کا  
 اختیار بھی اسی کو ہے۔ اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں ہے۔

یعنی اگر وحی قرآنی میں وقفہ نہیں رہا ہے تو نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ  
 یہ کسی نسیان کی بنیاد پر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں حکمت خداوندی کا راز ہے۔  
 اس سورۃ مبارکہ کے آخر میں ایک اور عظیم آیت وارد ہوئی۔ وَكُلُّهُمْ  
 اَتِيْهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا -

قیامت کے دن ہر ہر انسان کو اللہ کی عدالت میں انفرادی حیثیت میں پیش

ہونا ہوگا۔ کوئی اور اس کی طرف سے جواب دہی نہ کر پائے گا۔ ہر اک کو اپنا محاسبہ خود FACE کرنا ہوگا۔

اس کے بعد سورۃ طہ ہے۔ یہ سورۃ مبارکہ سورۃ یوسف سے کچھ مشابہہ ہے۔ اس اعتبار سے کہ اس کی ۱۳۵ آیات میں سے ۹۹ آیات میں ایک ہی رسول کا ذکر ہے۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حالات کا۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے دوران، ایک بڑی عجیب بات ارشاد ہوئی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب فرمایا گیا، تو آپ اپنے شوق اور اشتیاق کے باعث وقفہ معینہ سے قبل پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا: وَمَا عَجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يَهُوسَىٰ۔ ”اے موسیٰ تم یہ پہلے کیسے آگئے“ حضرت موسیٰ نے جواب دیا: عَجَلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِیَرْضَىٰ۔ میں اس لئے جلدی آیا کہ تو راضی ہو جائے۔ لیکن جواب میں ارشاد ہوا۔

فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ۔

تمہاری اس جلدی کا ایک نتیجہ نکل چکا ہے۔ اور تمہاری قوم گمراہی میں مبتلا ہو گئی ہے۔

اس کے بعد حضور کو بھی ایک بڑے لطیف پیرائے میں یہ تلقین فرمائی گئی۔ کہ اگرچہ قرآن مجید سے عشق اپنی جگہ انتہائی مبارک و مسعود لیکن اس کے معاملے میں آپ بھی جلدی نہ کیجئے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُتْلَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ۔

اور اے نبی جلدی نہ کیجئے قرآن کے لئے اس سے پہلے کہ حکمت الہی میں اس کی تنزیل کے لئے جو تدریج معین ہے۔ اس کے مطابق اس کی وحی مکمل ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ عجلت اور جلد بازی خواہ خیر کے لئے ہو اچھی چیز نہیں ہے۔ ہر کام کے لئے ایک تدریج معین ہے۔ اور اس تدریج ہی کے تحت ہر کام کو پائیدار تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ (جاری ہے)

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ: (الحديث)  
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

۷ دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

## نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱-۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریہ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	غلط قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (مبوق یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۂ احزاب کی روشنی میں) (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۲ ربیع الاول) (۶۰-سی، ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دور کو ع) (۶۰-سی چار کیسٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰ / -
۱۵	خلافتِ اشدھ کی شرعی اور تاریخی حیثیت ۹۰/۶۰ سی دو کیسٹ	۳۲-۳۳	۵۵ / -
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) ۹۰ سی دو کیسٹ	۳۴-۳۵	۶۰ / -
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا رکوع) ۶۰-سی چار کیسٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰ / -
۱۸	شہادتِ حسینؑ کا اصل پس منظر (۶۰-سی دو کیسٹ)	۴۰-۴۱	۵۰ / -
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل مصری قرأت (۹۰-سی سا کیسٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰ / -
۲۰	سورۃ الحج (مکمل) (۹۰-سی تین کیسٹ)	۴۹-۵۱	۹۰ / -
۲۱	درس قرآن سورۃ صف والجمہ (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۲-۵۳	۶۰ / -
۲۲	سیرت نبویؐ کا عملی پہلو (۹۰-سی دو کیسٹ)	۵۴-۵۵	۶۰ / -
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیسٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰ / -
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دو کیسٹ)	۶۱-۶۲	۶۰ / -
۲۵	خطابِ موقعِ تقریبِ نکاحِ مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵ / -
۲۶	قرآن کا فلسفہ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰ / -
۲۷	خطابِ جمعہ (تاریخِ امتِ مسلمہ) (۶۰-سی)	۶۵	۲۵ / -

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیسٹ جاپان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک طلبہ فرمانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ وی۔ پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القادان، کیسٹ سیویں لاہور

فون ۸۵۲۶۱۱  
تنظیم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۸۵۲۶۸۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
الحمد لله

از قلم :- علامہ منظور احسن عباسی (لاہور)  
(مندرجہ بالا عنوان سے یہ مقالہ محاضرات قرآنی، منعقدہ ۲۳ تا ۳۱ مارچ  
۱۹۷۲ء کی افتتاحی نشست میں علامہ موصوف نے پیش فرمایا تھا)  
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم - اما بعد -

بھدا اللہ کہ مملکتِ خدادادِ پاکستان کی سر زمین حاصل خیز ہے۔ اس خطہ ارض  
بہت ہوا سونا بھی ہے اور منجمد جوہرات کا خزانہ بھی۔ ماہرین ارضیات کا کہنا  
ہے کہ کسان کے دست و بازو اور اہل دانش کی فکری قوتوں سے کام لے کر پاکستان  
وہ کچھ حاصل کیا جاسکتا ہے جو کرۂ ارض کے کسی بھی خطہ میں تصور کیا جائے۔  
طرح مشاہدہ آپ کو بتائے گا کہ کچھ عرصہ پہلے آپ کے چابکدست مالی نے کہیں  
لا کر ایک شاخ جو لگائی تھی وہ آج گلاب کا ایک پودا ہے اور اس کی ٹہنیوں  
سکراتی ہستی کلیاں آپ کو مسرت کا پیغام دے رہی ہیں۔ آپ اپنے مالی کی اس  
کردگی پر اُس کی تحسین و تعریف میں رطب اللسان ہیں اور اُس کا سر فخر سے  
ہے۔

لیکن — کیا ایک لمحہ کے لئے بھی کوئی شخص تصور کر سکتا ہے کہ کاشتکار  
وہ محنت اور باغبانی کی اُس بعیرت کے سوا کوئی اور بھی ہے جو آپ کے لئے  
گی کا رزق اور فراغت کا سامان مسرت فراہم کرنے میں لگا ہوا ہے۔ حالانکہ  
اس سے زیادہ واضح طور پر ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔ اور انسان کی غنمی  
حیوتوں سے کہیں زیادہ شش جہت کائنات میں پھیلا ہوا ہے۔

اب ذرا ایک خوشہ گندم یا گلاب کے ایک پھول کو توڑ کر دیکھیے اور ہر دانہ  
ساخت اُس کی غذائیت اور پھول کی نگہت و لطافت اور قلمونی رنگ پر نظر  
لئے کہ کیا اُس کی یہ صلاحیتیں بھی جو تنے بونے والوں کی صلاحیت کا رکا نتیجہ ہیں؟



أَقْوَامُ يَسْتَمُّ مَا تَحْرُثُونَ ۝  
وَإِنَّكُمْ تَزْرَعُونَهُ أَمْ  
نَحْنُ الرَّاسِعُونَ ۝

یعنی تم دیکھ رہے ہو نا کہ جو کچھ  
تم نے (زمین میں) بویا اُس کے  
اگانے والے تم بویا ہم اگانے

والے ہیں؟

(واقعہ ۶۵)

یقیناً انسان کی تمام کوششیں رائیگاں ہیں اگر قدرت کے عطا فرمودہ اسباب نشوونما سازگار نہ ہوں۔ اُس کا مہیا کرنے والا کون ہے ؟

وَهُوَ الَّذِي أُنْزِلَ مِنْكَ

السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ  
نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا  
مِنْهُ خَضِرًا نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا  
مُتَرَكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِن  
طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَ  
جَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ  
وَالسَّكَّانُ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ  
مُتَشَابِهٍ انْظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ  
إِذَا أَشْمَرَ وَيَنْعِهِ -

وہی ہے جس نے آسمان سے بارش نازل فرمائی (اُس کا کہنا ہے کہ) یہ ہم ہی ہیں جس کی بدولت ہر طرح کی کونپلیں پھوٹیں پھر اس سے ہری بھری شاخیں نکلیں جن میں ہم ہی گتے ہوتے دانے لگاتے ہیں اور کھجور کے گامبے میں لٹکے ہوئے خوشے اور انگور و زیتوں کے باغات اور انار ملتے جلتے اور مختلف شکلوں کے ہیں۔ تو ذرا

(الانعام ۱۰۰)

تم ان لگے ہوئے بہت سے پہلوں اور ان کی پختگی کو تو دیکھو۔

یہ تو وہ نمایاں اشیاء ہیں جنہیں ہر شخص ملاحظہ کرتا ہے۔ اب ذرا کسی بھی پھول کو شاخ سے توڑ کر پھر گہری نظر سے دیکھئے۔ ہر پتھری میں حُسن کی ایک کائنات بسی ہوئی نظر آئے گی۔ میں نے تو اپنے لان میں لگے ہوئے بہت سے پھولوں کو دیکھا اور لطفِ نظارہ سے بہرہ یاب ہو کر چلا گیا۔ لیکن جب کسی پھول کو بنظرِ معائنہ دیکھا تو اس کی لطافت۔ رنگت اور نگہت سے مسحور ہو کر رہ گیا۔ کارگاہِ قدرت کی اس لامحدود صناعتی کا ادنیٰ سے ادنیٰ نمونہ بھی دانش و بصیرت کی پوری

کائنات پیش نہیں کر سکتی۔ قرآن حکیم اسی امعانِ نظر کی دعوت سے بھرا ہوا ہے۔  
کیونکہ یہ اللہ کی مخصوص صفات کا آئینہ دار ہے۔

آسمان - زمین چاند سورج اور ستاروں کی تخلیق - اُن کا نظامِ عملِ پابا  
دریا سمندر - حیوانات و نباتات و معدنیات - اُن کی افادیت - اربعہ عناصر اُن  
کے خواص و آلاتِ کار اور اُن کی صلاحیتیں - انسانی حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی  
اجسام کے ابعاد و اغلاطِ ثلاثہ اور جملہ مریات و محسوسات اور ایسی تمام اشیاء  
بھی جو انسان کے حسی و سائل معلومات کے دائرے سے باہر یا مادی آنکھوں سے  
ادھل ہیں - مثلاً عرش - کرسی - میزان - بہشت و دوزخ - جنت - نہر  
حور و قصور - نیز اشیاء مابعد الطبیعیات میں سے بیشتر کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا  
اور انفس و آفاق کی ہر شے پر قرآن حکیم نے غور و فکر کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ  
رب العالمین کی مخلوقات میں ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق میں بھی ربوبیتِ خالق کا وہ  
نظم جو جاری ہے - اُڑتے قرآن حکیم تمام کائنات کی اجتماعی کوششوں سے بھی  
ممکن نہیں ہے کیا کوئی شخص خیال کر سکتا ہے کہ تمام جہان کے عظیم الشان کارخانے  
اور سربلک تجربہ گاہیں مکڑی کے سفید جال کی تنجیل بنا سکتی ہیں یا ایک دانہ گندم  
یا آم کی گٹھلی میں لاکھوں ایکڑ اراضی کا غلہ پیدا کرنے یا بے شمار آم کے باغات کی  
پیداوار می صلاحیت رکھی جا سکتی ہے۔ پھر کیا ممکن ہے کہ دُنیا بھر کی عقل و فراست  
مچھر جیسے حقیر وجود یا شہد کی مکھی جیسے نازک جسم میں نوکِ سوزن سے زیادہ بڑا  
نلکی کے ذریعے پوسٹین انسانی سے خون چوسنے یا پھول کی پتیوں سے جو ہر چاشنی  
کھینچ لینے کی قوت بخش سکتی ہے۔ یا کوئی کارخانہ کسی باندار کے جوف میں ایسا  
نظمِ ہنرمند و تحیل قائم کر سکتا ہے کہ ایک ہی غذا سے بیک وقت خون، دودھ اور  
فضلہ معرین وجود میں لایا جاسکے ایسی بے شمار باتیں ہیں کہ اگر ان سب کو ضبط  
تحریر میں لانے کی کوشش کی جائے تو اس کی روشنائی کے لئے بھوائے قرآن حکیم  
لِنَفِدِ الْبَحْرِ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمَاتُ رَبِّیْ - سمندروں کے پانی سے سیاہی  
کا کام لیا جائے۔ تب بھی سمندر ختم ہو جائیگا لیکن رب العالمین کی باتیں صفو  
قراس پر نہیں لائی جاسکتی گی۔ قرآن حکیم کی تلاوت کے درمیان بڑی شدت سے



وہ تمہارے حوصلہ مقاصد کے لئے ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ  
فِي أَسْفَلِ السَّمَاءِ بَنَاءً وَ  
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً  
فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ  
رِيشًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا  
لِلَّهِ أَدَاةَ ادِّاَوْ أَنْتُمْ  
تَعْلَمُونَ ۝

یعنی اللہ وہ ہے جس نے زمین کو  
تمہارا فرش اور آسمان کو چھت  
بنایا۔ یعنی زمین پر رہتے ہو اور  
آسمان کے نیچے بسیرا کرتے ہو اور  
اُسی نے آسمان سے پانی اتارا اور  
زمین سے تمہارے لئے رزق اُگایا۔  
تو ان باتوں کو مانتے ہوئے اللہ  
کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔

(البقرہ ۲۲)

مقصود یہ ہے کہ بقول اقبال

جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

اور یہی ایقان و ایمان را ہنما ہے سورۃ فاتحہ کے ابتدائی الفاظ

الْحَمْدُ لِلَّهِ

کا یعنی تمام نعمتیں الہیہ کی تحمید و تحسین کا مستحق اللہ ہے۔ اور چونکہ ان نعمتوں کا  
کوئی شمار نہیں، اِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا (ابراہیم ع ۵) کہ اگر  
چاہو کہ سب کو دائرہ بیان میں لا سکو تو ممکن نہ ہو گا لہذا ان کا احصا بھی محال ہے  
سعدی نے کتاب گلستان کا آغاز حمد الہی سے کیا ہے۔ اور بتایا ہے۔ کہ سانس  
اندر گیا تو زندگی آئی اور باہر نکلا تو فرحت بخش ہوا۔ پس ہر سانس میں دو نعمتیں  
ہیں۔ اور ہر نعمت مستوجبِ شکر ہے۔ لہذا

از دست و زبان کہ بر آید ؟

کز عہدہ شکرش بدر آید

اب چونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ ان سب کی حمد اور ان کا شکر محال  
ہے۔ اور اللہ امر محال کا حکم نہیں دیتا۔ اس لئے قرآن حکیم نے انسان کے ہر قول  
فعل کے لئے ایک دستور العمل۔ دائرہ کار یا نظام حیات مقرر فرمایا یہی انسانی  
نعمتوں کا شکر ہے اور اس دائرے سے باہر نہ نکلنے ہی کو عبادت قرار دیا ہے جبر

کی بنا محمدؐ ہے ۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ  
إِلَّا لِيَعْبُدُونِي

(پ ۲۴۶)

یعنی ہم نے (مخلوق غیر مرقی یعنی)  
جن اور (مخلوق مرقی یعنی) انسان  
کو عبادت کے سوا اور کسی کام کے  
لئے پیدا نہیں کیا ۔

پس عبادت نام ہے ہر عمل حیات میں اللہ کے مقرر فرمودہ دائرہ عمل کے  
اندر رہنے اور حدود اللہ سے تجاوز نہ کرنے کا ۔ اور یہی ایمان و عمل صالح کی بنیاد  
ہے ۔ قرآن حکیم نے اسی کو فلاح دین و دنیا کی بنیاد قرار دیا ہے ۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ  
إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا  
الصَّالِحَاتِ

یعنی بلاشبہ انسانی زندگی میں خسار ہی  
خسارہ ہے ۔ تا آنکہ ایمان لائے اور  
عمل صالح پر عمل پیرا ہو ۔

اور اس کا شاہد ”العصر“ ہے یعنی زمانہ یا عرصہ حیات

مثال عمر سربر کردہ شمع ست کہ کوثرِ بازمی باشد و مادم  
و یا برف گہ ازاں بر سر کوہ کثر دہر لحظہ جزوے مے شود کم

یعنی وہ شخص جو اپنے دوران حیات میں ایمان و عمل صالح کو نظر انداز کر دیتا ہے  
ایسے اشخاص کو قرآن نے خود اپنا دشمن قرار دیا ہے ۔ ایسے ہی اشخاص ہیں جن کی  
بابت قرآن حکیم نے فرمایا ہے کہ اُن کے چشم و گوش تو ہیں لیکن نہ دیکھتے ہیں نہ سنتے  
ہیں ۔ لَہُمْ اَعْنُنْ لَا یُبْصِرُونَ بِهَا وَلَہُمْ اَذَانٌ لَا یَسْمَعُونَ بِہَا (اعراف)  
نہ چشم بینا نہ گوش شنوا

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ انسان کائنات کے ذرے ذرے میں رب العالمین کی کار  
فرمائی دیکھے لیکن اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو کار ساز جانے ۔ اور یہ کیسی ناشکر گزری  
ہے کہ انسان اللہ کی عطا فرمودہ ہر نعمت سے بہرہ ور ہوا اور اس کا  
شکر نہ بجالائے ۔ مع

اے پرو باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند  
تا تو نالے بکف اُری و بغفلتِ نخوری

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و سرماں بردار  
شرط انصاف نباشد کہ تو فرماں نہ بری (سعدی)  
یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف ہی اُس کی طاعت و فرمانبرداری ہے۔ اگر  
کارشاد ہے۔

لَا تَسْجُدْ لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدْ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ  
یعنی نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو اور سجدہ کرو تو اللہ کو  
جس نے انہیں پیدا کیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیغمبرانہ بعیرت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ان کو دیکھا اور  
لا احب الا فلین اور انی وجہت وجہی للذی فطرا السموات و  
الارض کا عزم کیا کہ میں ان فنا پذیر اشیاء میں سے کسی کو پسند نہیں کروں گا۔ میں  
تو ان کے پیدا کرنے والے کی طرف رُخ کروں گا۔ اور یہ تو ہر عقل رکھنے والا انسان  
سمجھ سکتا ہے کہ خالق کو چھوڑ کر مخلوق کے آگے پالیسی اشیاء کے آگے جنہیں اللہ نے  
انسانی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے خود اپنے خدام کے آگے سجدہ ریز ہو جانا کیسی  
غلطی اور کتنی ذلت آمیز حرکت ہے۔ اس کے برعکس وہ راستہ کتنا صحیح ہے۔ ہمدار اور  
منزل مقصود سے قریب تر ہے جو خود اللہ نے اپنے بندوں کے لئے متعین فرمایا۔ اس  
کا نام ”حمد“ ہے اور اس کا لازمی نتیجہ توحید الہی یعنی اللہ کے سوا کسی کو بھی  
حقیقی معنوں میں قابل حمد و ستائش اور کار ساز تصور نہ کرنا ہے تاکہ عزت نفس  
کو محفوظ رکھا جاسکے۔

ترجمان حقیقت اقبال کے تمام پیغام کا پنچر خودی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ  
انسان اپنے کسی قول و فعل سے شرفِ انسانیت کو مجروح نہ کرے اور اللہ کے تقویٰ سے  
غافل نہ ہو۔ اُس کے نزدیک درسِ خودی کے معنی درسِ توحید کے ہیں اس کے علاوہ  
اس کا مطلب اگر محض دنیوی فلاح و بہبود۔ مادی ترقیات۔ صلاحیت کار۔ ایجاد و  
اختراع یا حکومت و اقتدار لیا جائے تو اُس مردِ مومن پر بہت بڑا ظلم ہوگا۔ جس نے  
نہایت وضاحت سے بتا دیا ہے کہ

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ

خودی ہے تیغِ فاس لا الہ الا اللہ

قرآن حکیم میں مَدَنی یُکْفَرُ بِالطَّاغُوتِ وَیُؤْمِنُ بِاللّٰهِ کے معنی بھی یہی ہیں کہ انسان طاغوت (گمراہ کرنے والی ہر شے) کا کافر ہو اور اللہ کا مومن ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا ایک خدا پرست طبقہ ہے، صوفی، کہا جاتا ہے۔ جب کبھی کسی خوشنما منظر، حسین شکل، خوشنما چہول اور خداداد ذہن و فراستِ انسانی کی صنعت کاری یا مال و جاہ و اولاد و فراغت و صحت و قوت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو بے اختیار اُن کی زبان پر سبحان اللہ اور ماشاء اللہ کا لفظ جاری ہو جاتا ہے یعنی یہ سب کچھ اللہ کی پاک ذات کی بدولت ہے۔ قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر قل الحمد لله کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ یعنی یہ کہو کہ ہر گونہ ستائشوں کا سزاوار اللہ کی ذات ہے، اور اسی لئے قرآن حکیم کی سب سے پہلی آیت الحمد لله میں بصورتِ خبر جو مستلزم امر ہے حمدِ باری تعالیٰ کا حکم ہے۔ ساتھ ہی اس کی توثیق الفاظ ”رب العالمین“ سے ہوتی ہے کہ جب تمام جہاں کا پروردگار اللہ اور تمام خوبیوں کا مرکز بھی وہی ہے۔ جس سے مشرکین عرب بھی انکار نہیں کر سکتے تھے۔

وَلَیْنِ سَأَلْتَهُمْ مِّنْ خَلْقِ  
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَیَقُوْلُنَّ  
اللّٰهُ، قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ -  
یعنی اگر آپ ان مشرکین پوچھیں  
کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا  
کیا تو یقیناً وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔  
تو ان سے کہہ دیجئے کہ تمام ستائش بھی اللہ کے لئے ہیں۔

چنانچہ خود آسمان و زمین کے باب میں ارشاد ہے۔  
تَسْبِیْحٌ لِّهِ السَّمٰوٰتِ السَّبْعُ  
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ  
فِیْ شَيْءٍ اِلَّا لَّیَسْبِیْحُ بِحَمْدِہٖ  
وَلٰکِنْ لَا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَہُمْ  
یعنی اللہ کی پاکیزگی سب بیان کرتے  
ہیں ساتوں آسمان اور زمین اور  
جو بھی ان میں ہیں۔ اور کوئی شے  
ایسی نہیں ہے جو اس کی حمد کے  
ساتھ اس کی پاکیزگی نہ بیان کرتی  
(پ ۵ ع ۵)

ہو۔ لیکن اُن کی تسبیح حمد و ثنا کو تم نہیں پہچانتے۔  
اس سے عیاں ہے کہ رب العالمین کی جملہ مخلوقات کی حمد و ثنا کے طریقے مختلف ہیں

جس کا سمجھنا انسان کی فہم سے بالاتر ہے۔ پھر وہ کونسا طریق حمد و ثنا ہے جو انسان کیلئے متعین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مدعا کو قریب الفہم اور ممکن العمل بنا دیا۔

حمد کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کا تعلق قول سے ہے اور دوسری صورت کا فعل سے یہی ہے۔ اُس کے لئے دست و زبان کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اہل علم و تجربہ نے اُس کے منابطہ کار یا دستور العمل کو عبادات۔ معاملات اور تعزیرات کے تین ابواب میں تقسیم فرمایا۔ اور ہر عمل کو دستور حیات قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ الناس میں انسان کے جملہ معاشی۔ سیاسی اور اخلاقی مسائل کا حل صرف ایک بتایا ہے کہ اللہ کی پناہ میں آ جاؤ۔ یعنی وہی مقام اختیار کرو جو اللہ نے انسانیت کی بقا کے لئے متعین فرمایا ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِوَجْهِ النَّاسِ کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضرورت یعنی روٹی کپڑے کے مسائل کو رب الناس (پروردگار) کے بتاتے ہوئے طریقے سے حل کرے۔ کیونکہ سامان پرورش کے لئے پروردگار کے سوا اور کون ہے جس کا سہارا لیا جائے سیاسی مسئلے کا حل اس میں ہے کہ وہ مَلِکِ النَّاسِ (مالک برحق) کے سوا اور کسی کو اقتدارِ اعلیٰ کا مستحق نہ جانے۔ کیونکہ طوائف الملوک دُنِیائے سیتا کا بدترین جرم ہے۔ پس لازم ہے کہ صرف اُس کو مقتدرِ اعلیٰ یا فرماں روا لئے مطلق تصور کرے۔ یعنی کسی ایسے قانون کو تسلیم نہ کرے جس میں استحصال بے جا۔ ربا۔ جبر و استبداد۔ ظلم و ستم۔ بدکاری مے خواری۔ قمار بازی۔ ذخیرہ اندوزی۔ بے ایمانی۔ عصمت درسی۔ کشت و خون وغیرہ انسانی اور اخلاقی جرائم کی ترقیب ہوتی ہو۔ اس طرح اخلاقی مسائل کا حل اللہ الناس (معبود مطلق) کی پناہ حاصل کر لینے میں مضمحل ہے۔ کہ انسان اللہ کے سوا کسی کو نہ معبود تصور کرے اور نہ کار ساز جانے۔ یعنی کبھی یہ خیال نہ کرے کہ خدا کو چھوڑ کر قبروں کے آگے سجدہ گزار ہونے میں مقصد براری ہے یا چاند۔ سورج۔ ستاروں آگ۔ درخت۔ بندہ یا کسی انسان کی پرستش میں نجات ہے۔ ان تمام امور کے عملی اور ذہنی مظاہرہ کا نام اسلام ہے۔ اور یہی وہ حمد و ثنا ہے جو مجموعہ قوانین الہی کے پہلے لفظ الحمد



کا مفہوم ہے۔

## احمد صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مکمل نظامِ حیات ہے جس کو انسانی زندگی کیلئے معراج قرار دیا جاسکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ  
يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ  
وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا -  
یعنی تم لوگوں رہا بنائے نوع  
انسانی کے لئے رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کا طریق زندگی  
ایک نمونہ ہے بشرطیکہ تم یومِ آخر  
کی بہور چاہتے ہو پس لازم ہے کہ اللہ کی یاد میں کثرت کے ساتھ  
لگے رہو۔

اور یہی تصور الحمد للہ کی تکمیل ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ہر گوشہ حمدِ الہی سے پُر ہے۔ سونا۔ جاگنا۔ ہنسنا۔ بولنا۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا پھرنا۔ نماز۔ روزہ۔ بات چیت۔ کاروبار۔ نشست و برخاست۔ جہاد۔ حکومت و فرماں روائی۔ عبادت و شب بیداری۔ خلق و احسان۔ مروت و سخاوت۔ شجاعت و ہمت۔ پند و نصیحت۔ معرفت و حکمت۔ تعلیم و تربیت۔ لباس و خوراک۔ قید و بند۔ اختیار و اقتدار۔ محنت و ریاضت، امانت و صداقت۔ مشکلات فقر و احتیاج۔ صبر و قناعت۔ تدبیر و سیاست۔ رشد و ہدایت۔ رافۃ و مرحمت۔ طہارت و نظافت۔ عدل و انصاف اور بالآخر رحمت و شفاعت۔ غرضیکہ امورِ حیات و مابعد الحیات میں سے کوئی امر ایسا نہیں جس کی بجا آوری میں توحید و تمجید و تسمیہ و تسبیح باری تعالیٰ کو نظر انداز کیا گیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے پانچ سو سال پہلے بعثتِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تو فرمایا:-

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اُسْمُهُ  
اَحْمَدُ (صَف) -  
میرے بعد جو پیغمبر آنے والے ہیں  
اُن کا نام احمد ہوگا۔ یعنی سب سے  
زیادہ حمد کرنے والے۔

گویا الحمد للہ جو تمام احکاماتِ قرآنی کی بنیاد یا روح ہے اُس پر سب سے زیادہ اہم پیرا ہونے والی ہستی ذاتِ بابرکات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئی۔ چنانچہ ولادتِ باسعادت کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اُن کا نام ہی ”احمد“ رکھا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حیاتِ انسانی کے ہر شعبہ میں خواہ اُس کا تعلق تہذیبِ نفس سے ہو یا تدبیرِ منزل سے یا سیاستِ مدین سے کہ علمائے اخلاق کے نزدیک انسانیت یا مدنیت کے یہی تین ابواب ہیں۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم جس کا دوسرا نام قرآن حکیم ہے، رہنمائی حاصل ہوتی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا فرمانا ہے کہ سَبِيْرَةُ الْقُرْآنِ - یعنی قرآن میں جو کچھ بھی ہے بس وہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -

مَا تَأْكُمُ الرَّسُولُ فُخْذُهُ  
وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا  
یعنی رسولؐ نے جس بات کا حکم دیا اس کو اختیار کرو اور جس بات سے منع فرمایا اُس سے باز رہو۔  
(حشر رکوع ۷۱)

اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی کہتے ہیں جو اللہ فرماتا ہے :

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ  
إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ  
یعنی وہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے وہی کہتے ہیں جو بذریعہ وحی انہیں بتایا جاتا ہے۔  
(انجم ۳)

انسانی معاشرے میں اس کی مثال حکومت یا سربراہِ مملکت کے اُن گماشتوں کی سی ہے جو قانون یا حاکم کے حکم کی تعمیل کرانے پر مامور ہوں۔ ایک ادنیٰ درجہ کا چپڑا سی بھی جب سمن کی تعمیل کرانے کے لئے کسی کے پاس آتا ہے تو خواہ وہ شخص کتنا ہی ذی وقار ہو اُس کی تسبیح سے انکار کرنے پر مجبور اور مستوجبِ سزا قرار پاتا ہے۔ بس اُن حکمِ الحاکمین کے اُس پیغام سے جو انبیاء کی معرفت تعمیلِ ارشاد کے لئے بھیجا جاتا ہے سرتابی کرنے والا کتنا بڑا مجرم ہو گا اور صغیر کو حکم ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أَرْسَلَكَ اللَّهُ بِهِ مِنْ رُسُلِهِ  
اے رسولؐ تم پر تمہارے پروردگار کے

اَنْزَلَ اِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ  
وَ اِنْ لَسْتُمْ تَفْعَلُوْا  
فَمَا  
مَلَغْتَ رِسَالَتَكَ  
کی طرف سے جو وحی نازل ہوئی  
وہ سب کو بتا دو۔ ایسا نہ کیا تو  
گویا خدا کی رسالت کا فرض  
ادا نہ کیا۔ (مائدا ۱۰ ع)

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی امت دونوں کے لئے قولاً فعلاً فرض  
الہی کی بجا آوری ہی حقیقی معنوں میں اللہ کی پاکیزگی اور برتری کا اظہار ہے۔  
ظاہر ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل ارشادات  
الہی کے مطابق ہے تو یہی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہے اور وہ مقدس ہستی جس کے  
ہر قول و فعل سے حمد الہی کا مظاہرہ ہوتا ہو تو اس سے بڑھ کر حمد کرنے والا (الحمد)  
کون ہو سکتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے۔

مَسْبُحُ اسْمِ رَبِّكَ الْاَعْلٰی  
الَّذِیْ خَلَقَ فَسُوِّیْ  
یعنی اے پیغمبر اللہ تعالیٰ کی  
پاکیزگی بیان کرو جس نے تمہیں  
پیدا کیا اور خوب بنایا۔ (سورہ الاعلیٰ ۲)

ادائے شکر کا یہی حکم سورۃ کوثر میں ہے۔

اِنَّا اَعْطٰیْكَ الْکُوْثَرَ فَصَلِّ  
لِ رَبِّکَ وَ انْحَرِ  
یعنی اے پیغمبر ہم نے تم کو بہت کچھ  
عطا کیا تو اپنے پروردگار کی نماز  
پڑھو اور متدربانی دو۔ (پارہ ۳ ع ۳)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ اسْتَغْفِرْ  
یعنی اپنے پروردگار کی حمد کے  
ساتھ تسبیح کرو اور اس سے  
مغفرت مانگو۔

تسبیح کے معنی نماز کے بھی ہیں اور قربانی کے بھی چنانچہ نماز بھی حمد ہے  
اور قربانی بھی۔ خدائے پاک کی پاکیزگی (حمد) کے اظہار کا طریقہ اُس کی طاعت  
و عبادت کے سوا نہیں اور دل میں اُس کے مستوجب طاعت و اطاعت  
ہونے کا یقین ہو تو وہی ایمان ہے۔

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ  
وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ (روم ۲۵)

یعنی لازم ہے کہ تم صبح و مسا  
اللہ کی پاکی (یعنی اس کے معبود  
ہونے کا ذکر کرتے رہو متام  
آسمانوں اور زمینوں میں اُسی کی  
ذات مستوجب حمد ہے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر لمحہ خواب ہو یا بیداری۔  
حمد باری تعالیٰ میں بسر ہوا۔ لہذا حقیقی معنوں میں وہی اَحْمَدُ یعنی سب  
سے زیادہ حمد الہی بجالانے والے ہیں۔

### محمد صلی اللہ علیہ وسلم

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کی حمد سب سے زیادہ بجالانے والا ہی سب سے زیادہ مستو  
ستائش بھی ہے یہی وجہ ہے کہ سب سے بڑے اقا کے سب سے بڑے غلام کا نام  
”محمد“ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب ہے اللہ تعالیٰ کے  
زودیک ہر امرِ مستحسن کی جزا اُس عمل سے چند در چند زیادہ ہے۔ قرآن حکیم میں  
بھی - ع - احمد ہے ایک بار محمد ہے چار بار

کہا جاتا ہے کہ سعدی کی یہ رباعی

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجلی بجمالہ  
حسنت جمیع خصالہ صلوٰ علیہ وآلہ

جو قولاً مدح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ اُن کے لئے بشارتِ نجات  
کا موجب بن گئی۔ اور عجب نہیں کہ غالب کا یہ شعر بھی اُن کی امرزش کا سبب  
ہو جائے۔

غالب شائے خواجہ بہ ریزواں گزاشتم

کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ”احمدیت“ کا سب سے بڑا حیلہ

جو عطا فرمایا وہ ان کی صفتِ رحمتہ للعالمین ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً يٰعِزُّ  
یعنی اے پیغمبر بالیقین ہم نے آپ کو

لِلْعَالَمِينَ - سارے جہانوں کے لئے رحمت

(انبیاء - ۷۰) بنا کر مبعوث فرمایا۔

اور ان کی صفات و کردار میں جہاں اُن کے رکوع و سجود اور فضل و رضائے الہی کی لگن کا ذکر فرمایا ہے اُن کی اور ان کے رفقاءے کار کی یہ خصوصیت بتائی ہے کہ

مُحَمَّدٌ تَسْوُلُ اللّٰہِ مُحَمَّدًا وَہ اصحاب جو ان کے  
وَالَّذِیْنَ مَعَكَ ساتھ ہیں۔ خدا کے نافرمانوں  
اَشَدَّ اَعْرَافًا عَلَى الْکُفَّارِ کے حق میں نہایت سخت ہیں  
رَحْمًا اَوْ بَیْنَهُمْ اور باہم ایک دوسرے پر مہربان

(۲۱) ہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت خاص کے ساتھ ہی یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وہ شخص کتنا بد بخت ہوگا جو اس ارشاد کے علی الرغم کافروں کا دوست اور مسلمانوں کا دشمن ہو جائے پھر اللہ تعالیٰ نے

علیہ وسلم کی بخت کو اپنے بندوں پر احسان سے تعبیر فرمایا ہے۔

لَقَدْ اَمَنَّ اللّٰہُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی یقیناً اللہ کا مسلمانوں پر  
اِذْ بَعَثَ فِیْہُمْ رَسُوْلًا مِّنْ بڑا کرم ہے کہ اُس نے نوع  
اَنْفُسِہُمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ انسانی ہی میں سے ایک پیغمبر  
آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْہُمْ وَیُعَلِّمُہُمْ بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں  
الْکِتَابِ وَالْحِکْمَۃِ پڑھ کر انہیں سناتا ہے اور  
اَلْاٰلِ عِمْرَانَ ۱۷) انہیں برائیوں سے پاک بناتا

اور قرآن حکیم کی تعلیم دیتا اور اس پر عمل کا طریقہ بتاتا ہے۔

نیز اُس نے حکم دیا کہ

قُلْ اِنْ لَّدُنْکُمْ مَّحَبَّۃٌ لِلّٰہِ اے پیغمبر آپ اعلان کر دیجئے  
فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمْ اللّٰہُ وَ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے  
یَغْفِرْ لَّکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ہو۔ تو میری راہ پر چلو اس

کا نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ یہ اللہ سے تمہاری محبت کا ثبوت ہوگا بلکہ (خود اللہ

تم پر مہربان ہو گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ (اَلْاِمْرَان)

غرض اللہ تعالیٰ کی حمد ہی نے ذاتِ اقدس کو اُحمدیت سے محمدیت کے مقام پر پہنچا یا اور آج یہ عالم ہے کہ تمام کائنات مجبور ہے کہ انہیں شرفِ انسانیت کے اُس معراج پر تسلیم کرے جہاں انس و جن کا کوئی فرد نہیں پہنچ سکا۔

بسکہ میں وہ محمّد و احمدؐ حُمد کے پیکرِ عجبم میں

صد۔ ہٹ یا بد بختی کا کوئی علاج نہیں لیکن حقیقتِ نفسِ الامری یہ ہے کہ

چار دانگِ عالم میں نہ تو اسلام کے سوا کوئی دین ہے نہ پیغمبرِ اسلام کے سوا کسی کی پیغمبری ہے۔

نہ قرآن کے سوا کوئی قانون ہے اور نہ اللہ کے سوا کوئی معبود۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ ط

ہاں اگر کوئی شخص لا دینی کو دین۔ متبئی کو نبی۔ احادیثِ نفس کو کتاب اللہ اور گادر یا شجر و حجر کو معبود بنالے تو اسے اختیار ہے۔ لیکن یہ بہر حال ضائق کائنات و دشمنی ہے دوستی نہیں اُس کی توہین ہے حمد و ثنا نہیں ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ

یعنی اللہ کے نزدیک دین (یا مذہب) صرف اسلام ہے۔ اور وہ اس لئے آیا ہے۔

لِيُطَهِّرَهُ عَلَى الدِّينِ كَلِمًا

کہ وہ تمام ادیان پر چھا جائے۔ چنانچہ اللہ کی ذات و صفات کا چرچا (یا حمد الہی) صرف دین اسلام کا خاصہ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے کائنات میں پھیلتا جا رہا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: عَسَى أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مُمَكَّدًا یعنی جلد ہی آپ کا پروردگار آپ کو مقامِ محمود پر پہنچا دے گا (۱۵)

روزِ قیامت میں بھی حضور کی قیام گاہ مقامِ محمود ہوگی اور جو جھنڈا سید البشر کے ہاتھ میں ہوگا۔ اس کا نام یَوْمَ الْحَمْدِ ہوگا اور ہر وہ شخص جو اس کے سامنے میں ہوگا۔ وہی نجات کا مستحق قرار پائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اللہ کے نجات یافتہ بندوں کی صفات میں انکی صفتِ حَامِدُونَ، بھی بیان فرمائی ہے یعنی اللہ کی حمد کرنے والے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

# اسلام اور

## حقوق اطفال

از قلم :- غازی عزیر دعل گڑھیا حال مقیم سعودی عرب  
چیٹی قسط

بچوں کو تعلیمی سہولت بہم پہنچانا :- | بچوں کو ذہنی و شعوری  
تعلیم دینا بھی اُن کے سیاسی

### ایک ضروری گزارش

پچھلے چند ماہ سے ہمیں کچھ حضرات کی طرف سے 'میشاق' کے نہ ملنے کی شکایات  
موصول ہوئی تھیں۔ اس میں جہاں عکسہ ڈاک کی بد نظمی کو دخل تھا وہاں کچھ کوتاہی  
ہمارے دفتر کی طرف سے بھی تھی۔

ہم نے دفتر کے انتظامات کے سلسلہ میں ضروری تبدیلیاں کی ہیں اور ہمیں  
اُمید ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ ہمارے کسی کرم فرما کو شکایت کا موقعہ نہیں ملے گا۔  
ہم نے خریداروں کے رجسٹر بھی نئے سرے سے ترتیب دیے ہیں۔ اگر اب بھی  
کسی کو پرچہ موصول نہ ہو تو ہمیں فوری طور پر مطلع کیا جائے تاکہ ہم نئے رجسٹر کے  
اندراجات کو چیک کر سکیں۔

ایک مزید گزارش یہ ہے کہ اس ماہ سے ہم نے خریداری نمبر بھی تبدیل کر دیئے ہیں۔ آپ  
کا خریداری نمبر لفاظہ کے اوپر درج ہے۔ براہ کرم آپ اسے نوٹ فرمائیں اور آئندہ  
خط و کتابت کرتے وقت اس کا حوالہ دینا نہ بھولئے۔ ناظم ادارہ

حقوق اور واجبات تربیت میں شامل ہے۔ چنانچہ مردی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے مشرک امیر کو دیشل مسلمان بچوں کی تعلیم (قرأت و کتابت سکھانے) کے بدل آزاد فرمایا۔ (امتاع الاسماع للمقریزی) تعلیم کی فرضیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے ارشادات منقول ہیں مثلاً آپ نے فرمایا: طلب العلم فرضیۃ علی کل مسلم (رواہ مسلم) یعنی علم کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

یہ فرض صرف مسلمان مردوں پر ہی نہیں بلکہ مسلمان عورتوں پر بھی یکساں عائد ہوتا ہے۔ اس امر کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ :- طلب العلم فرضیۃ علی کل مسلم و مسلمة (حدیث) یعنی علم کا طلب

لڑکوں کی طرح لڑکیوں کو تعلیم دلانا اور اُن کی ذہنی و شعوری صلاحیتوں کو اجاگر کرنا والدین کا فرض ہے۔ جو لوگ تعلیم نسواں کی مخالفت کرتے ہیں وہ محض ایک غلط نظریہ اور جاہلانہ تعصب کی بنا پر ہی ایسا کرتے ہیں۔ ہاں مخلوط تعلیمی درسگاہوں یا جہاں شرعی احکام کی پابندی نہ کی جاتی ہو یا ایسی درسگاہیں جہاں سے معاشرہ میں بُرائی پھیلنے کا خدشہ ہو اور ایسی تربیت گاہیں جہاں علم فضول کی ہی تعلیم دی جاتی ہو، ایسی جگہوں پر مسلمان لڑکیوں کو بھیجنا قطعاً ناجائز اور معاشرہ انسانی کے لئے ایک زبردست خطرہ ہے۔ اگر ہم قدیم تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہمیں تعلیم نسواں کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں مثال کے طور پر البلاذری نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ نے سیدہ شفاء العدویہ (جو سیدات بنی عدی میں سے تھیں، اور دُور جاہلیت میں لڑکیوں کو لکھاتی پڑھاتی تھیں) کو حاصل کیا جن سے سیدہ حفصہ اُم المؤمنین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آنے سے قبل لکھنا اور پڑھنا سیکھا۔ جب اُن کی شادی رسول اللہ سے ہو گئی تو آپ نے سیدہ شفاء العدویہ کو اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی تعلیم کے لئے طلب فرمایا۔ پس انہوں نے حضرت حفصہؓ کو تحسین الخط کی ویسی ہی تعلیم دی جیسی کہ انہوں نے خود حاصل کی تھی۔ (فتوح البلدان) اور واقدی نے روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ اور اُم سلمہؓ نے پڑھنا اور سیکھا تھا۔ سیدہ نفیسہ بنت الحسن الانور بن زید الالبج بن الحسن



کرنا بلاشبہ ہر مسلم مرد اور مسلم عورت پر فرض ہے۔“ امام ابن حزم نے مسلمان کم کے اوپر لازم کیا ہے کہ وہ اہل علم حضرات کو جمع کر کے مسلمان بچوں کی تعلیم کا انتظام و اہتمام کرے۔“ الاحکام فی اصول الاحکام لا امام ابن حزم و مقالہ ”تقریر حقوق الإنسان بین الشریعة الاسلامیة والفکر والقانون العربی“ کلیة العلوم الاجتماعیة التابعة لجامعة الامام محمد بن سعود الاسلامیة بالریاض - العدد ۲ - ۱۳۹۸ھ

بعض اور احادیث میں علم حاصل کرنے کی تاکید و فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل اللہ حتی یرجع (جامع الترمذی باب فضل العلم و رواہ ابن عبد البر) یعنی جو شخص علم حاصل کرنے کی غرض سے اپنا گھر چھوڑتا ہے تو وہ خدا کی راہ میں ہوتا ہے حتیٰ کہ وہ واپس گھر پہنچے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حکم فرمایا: اطلبوا العلم ولو بالصین فان طلب العلم فريضة علی کل مسلم (جامع بیان العلم و فضله للمحدث ابن عبد البر النمري ج ۱ ص ۹) یعنی علم حاصل کرو خواہ وہ چین میں ہو کیونکہ بلاشبہ علم کا حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فريضة ہے۔“ اور آپ نے فرمایا: من سلك طريقاً يطلب فيه علماً سهل الله له طريقاً إلى الجنة (رواة الترمذی و مفتاح دار السعادة لابن القيم) ان مثل العلماء فی الارض کمثل نجوم السماء یتدی بہا فی ظلمات البر والبحر فاذا اظلمت

ایقینہ حاشیہ ابن علی بن ابی طالب، جن کی مصر میں مجلس عام تھی، حضرت امام شافعیؒ خود وہاں پر حاضر ہوئے اور ان سے احادیث سنیں۔ انہوں نے اسلامی تعلیم و ثقافت کو اپنے جوار میں خوب پھیلایا اور ان میں اکثر سے آگے نکل گئیں۔ ایک روایت المقرئ سے ہے کہ ابن المطرف اللغوی جاریہ نے نحو اور لغت کا علم اپنے دلی سے حاصل کیا اور ان میں ملکہ و نوقیت حاصل کی۔ اسی طرح عروض میں بھی آپ نے اپنی مہارت کے باعث ”العرضیۃ“ کا خطاب پایا۔ (نفح الطیب) ابن خلکان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور جاریہ کی کتابت کی شہادت اس طرح دی ہے کہ: در حقیقت ان کے علم و ادب اور خط جمیل میں کوئی غبار یا شق موجود نہیں

النجوم يوشك أن تصل الهداة - (رواة الخطيب في الفقيه و  
 المتفقه ج ٢ ص ٢٠٠ و ترغيب والترہیب لحافظ المنذرى) وفضل العالم  
 على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب (جامع مع  
 بيان العلم وفضله لحافظ ابو عمر بن عبد البر ج ١ ص ٣٧٩) يشفع  
 يوم القيامة الانبياء ثم العلماء ثم الشهداء - (جامع بيان  
 العلم وفضله لابن عبد البر ورواه ابن ماجه بسند مختلف)  
 اسی طرح بعض اکابرین اسلام کے چند مشہور اقوال یہ ہیں: اطلب العلم من  
 المهد الى اللحد، من عظم العلماء فقد عظمی اور یومناں یومہ  
 القيامة مداد العلماء - وغیرہ - اور - امام بیہقی نے علم حاصل کرنے فریضہ کو  
 شعب الایمان میں شمار کیا ہے -

ماہر تعلیم و ماہر نفسیات کی تحقیق کے مطابق بچہ کی ابتدائی تعلیم کی مناسب  
 عمر چھ سال ہے - اس سے کم عمر بچہ کی ذہنی و جسمانی نشو و نما کے لئے مخصوص ہے  
 لہذا اس عمر سے قبل اگر اُس پر تعلیم کا بوجھ ڈالا جائے تو اُس کی صحت یقیناً متاثر ہو  
 گی - چھ سال سے کم عمر بچوں کو کھیل و شرارت کرنے سے روکنا یا ڈانٹنا اور ڈرانا مناسب  
 نہیں ہے اور نہ ہی چھ سال کی عمر پوری ہونے پر ایک ساتھ اُس پر تعلیم کا بوجھ  
 ڈالنا مناسب ہے - ابتداءً ہلکے ہلکے بچہ کو علم کی طرف راغب کرنا چاہیے -

اسلام کی چند ابتدائی صدیوں کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ  
 میں آج جیسے کالج اور اسکول نہ تھے بلکہ مساجد تعلیم و عرفان کی مرکز ہو کر تھیں  
 جن میں مشاہیر علماء منصب تدریس پر مقرر ہوتے تھے - یہ علماء اکثر مناظرہ و مجاہدہ  
 کی محاسن میں شرکت کے لئے دور دراز سفر بھی کرتے تھے - ان فاضل علماء کے  
 چاروں طرف مسلمان بچے و نوجوان و بوڑھے جمع ہو کر صحیح علمی فکر و شعائر اسلامی  
 اور تطہیر نفوس کی نعمت فیضیاب ہوتے تھے - حضارۃ الاسلامیہ کی تاریخ میں  
 ایسے تعلیمی و مباحث علمی کے مراکز کا بکثرت ذکر ملتا ہے - انہی مراکز دین نے جو دینی

ماہ قال حملا هذا حدیث حسن غریب -

دلی و علمی و ادبی خدمات انجام دی ہیں اُن نظیر ملنا محال ہے۔ مشہور فقیہ امام شاطبیؒ المتوفی ۷۹۸ھ اپنی فنِ اصول پر لکھی جانے والی کتاب میں 'مراعاة الفروق الفردیة' اور 'المیول لدی المتعلمین' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

فان كان كل واحد قد غرض فيه التصرف اليك فلا بد في غالب العادة من غلبة البعض عليه فيرد التكليف عليه معلماً مؤدباً في حالته التي هو عليها ، فعند ذلك ينتهض على كل مكلف في نفسه من تلك المطلوبات بما هو ناھض فيه ويتعين على الناظرين فيهم الالتفات إلى تلك الجهات فيراعونهم بحسبها ويراعونها إلى أن تخرج في أيديهم على الصراط المستقيم - ويعيدونهم على القيام بها ويحضونهم على الدوام فيها حتى يبرز كل واحد فيما غلب عليه ومال إليه من تلك الخطط . . . . الخ

اسلام صرف دینی تعلیم حاصل کرنے پر ہی مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ اور دنیاوی علوم و فنون و مثلاً علوم عمرانیات ، طب ، ادب ، سائنس ، دستکاری ، تجارت ، کاشتکاری ، صنعت و حرفت اور فن سپہ گری وغیرہ ، بھی سیکھنے کی یکساں ترغیب دلاتا ہے ۔ چنانچہ فقیہ امام شاطبیؒ تعلیم النظری و تدریب المنہجی و اشتکاک بالمیزین اور خبرۃ العلویہ کو خصوصی اہمیت دیتے ہوئے لکھتے ہیں : اُھلہا فیعالمونہم بما یلیق بہم لیکونوا من اُھلہا اذا صارت لہم کالاولیاء الفطریۃ و المدرت الضروریۃ ، فعند ذلك یحصل الاستفعا و تظهر نتیجۃ تلك التربیۃ - "الموافقات للشاطبی - تعلیق عبداللہ دراز - طبعۃ دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۹۵ھ بمطابق ۱۹۷۵ء ما ص ۱۷۹-۱۸۱

لے مزید تفصیل کے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں ۔

ایہا الولد للغزالی ، آداب المعلمین لمحمد بن سحنون ، التریبۃ الاسلامیۃ أو التعلیم عند القابی تألیف أحمد فؤاد الأھوازی القاھن ، آداب المتعلمین و رسائل آخری فی التریبۃ الاسلامیۃ تحقیق أحمد عبدالغفور

## متفرقات :-

(۱) بچوں کو جسمانی ریاضت حفظانِ صحت سے روشناس کرانا | بچہ کو ذہنی و شعوری تعلیم

کے ساتھ جسمانی صحت سے متعلق ریاضت و حفظانِ صحت کے ضروری قوانین بھی سکھانا چاہئیں۔ بلاشبہ اسلام میں بچوں کی صحیح جسمانی و معنوی قوت و صحت مطلوب ہے۔ حدیث شریف میں مذکور ہے اَنْ الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَاحِبٌ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ یعنی طاقتور مومن اللہ کے نزدیک زیادہ اچھا اور پسندیدہ ہے بر نسبت کمزور مومن کے۔ ”رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم“ نے جسمانی صحت کے لئے ریاضت اور مصارعہ کو پسند فرمایا ہے۔ مروی ہے کہ حسن و حسین رضی اللہ عنہما رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے ہاتھوں میں مصارعہ کرتے تھے اور آپ اس سے راضی و خوش ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ اُن میں سے ایک کو آپ نے مخاطب فرمایا: ”ہیہ یا حسن، اخذ حسینا“ آپ کے اس قول سے مصارعہ کی ہمت افزائی کرنا ثابت ہے۔ ایک دوسرا واقعہ بھی بہت مشہور ہے کہ غزوہ کے موقع پر آپ نے مسلمان بچوں میں سے ایک کو جہاد کی اجازت دے دی اور دوسرے کو اُس کے چھوٹے قند یا چھوٹی ٹممر کے باعث رد فرمادیا۔ جس بچہ کو آپ نے رد فرمایا تھا یعنی سمرۃ بن جندب نے، کہا: یا رَسُولَ اللّٰهِ آپ نے رافع (رافع بن حدیج) کو اجازت دے دی اور مجھے رد فرمادیا۔ حالانکہ میں بہت تیز لڑتا ہوں۔ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّاتُ اللّٰهِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دونوں کو مقابلہ کا حکم فرمایا ”فَدَنَّاكَ فِصَادًا“ انہوں نے بہت تیز مصارعہ کیا۔ پس رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّاتُ اللّٰهِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے دونوں بچوں کو جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کی اجازت دیدی۔

مسلم بچہ کی تعلیم و تربیت کے ساتھ ذمہ داروں پر یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر

(بقیہ حاشیہ ص ۸۳) عطار بیروت ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۹۶۶ء، التزییۃ الاسلامیۃ  
تألیف أحمد شلبی، الدراسات النفسیۃ عند المسلمین وعند الغزالی بوجہ  
خاطی لعبد الکرم عثمان، اور دراسات اجتماعیۃ فی العصور الاسلامیۃ  
لعمر رضا کمال، دمشق ۱۳۹۳ھ بمطابق ۱۹۷۳ء وغیرہا۔

ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی و شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو یا عجز و تخنث پیدا کرتی ہو۔ عریاں سحافت نگاری، فحش اور لمحد ادب نیز موسیقی و رقص و سرود کی بیخ کنی کے ساتھ ساتھ ایسی تمام چیزوں کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نفاق، بے حیائی، معصیت، فسق و فجور اور شہوت پرستی کی تبلیغ کر رہی ہوں۔

(ب) بچوں کو جہاد کی تربیت دینا :- | تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہوں

کایہ بھی فرس ہے کہ وہ بچوں کو اتنا ناز و نعم میں زندگی گزارتے نہ دیں کہ ان کے جسم کمزور ہو جائیں بلکہ فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت، خود اعتمادی، قوت فیصلہ، قائدانہ صلاحیت، استقامت کی اہلیت اور مصائب پر سہر و تناعت کی خصوصیت پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ فوجی زندگی تعلیم و تربیت مجاہدانہ ریاست کے لئے ناگزیر ہے اس لئے ورزش، تیراکی، نشاندہ بازی، شمشیر زنی و شہسواری کی ہمیشہ مشق کرانا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

آپ کا ارشاد ہے: **إِلَّا إِنْ الْقُوَّةَ**  
**الرَّحْمَةِ إِلَّا إِنْ الْقُوَّةَ الرَّحْمِيَّ**  
 (مسلم)

”ترجمہ: یاد رکھو قوت (جس کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے، وہ تیر اندازی ہے وہ تیر اندازی ہے“

”ترجمہ:- اے اہل عرب! تیر اندازی کی مشق رکھو اس لئے کہ تمہارے خدا مجد (حضرت اسماعیلؑ تیسر انداز ہے۔“

کل شیء من لہو الدنیا باطل  
 الا تلثہ انتصا لک بقوسک  
 وتادیبک فرسک و  
 ملا عقبک اہلک فابہن  
 من الحق - رواہ حاکم فی

”ترجمہ: دنیا کے لہو یعنی کھیل و تفریح کی تمام چیزیں باطل ہیں سوائے ان تین چیزوں کے (۱) تمہارا اپنی تیر و کمان سے مشق کرنا (۲) تمہارا اپنے گھوڑے پر مشق کرنا (۳) اور

المسقدارک وقال حدیث  
صحیح علی شرط مسلم،

اسموا سربوا وان ترموا  
احب الی من ان ترکوا  
من علم السرمی ثم ترکہ  
فلیس منا (حدیث)

بازی، سیکھی اور اُس کو ترک کر دیا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ان الله یدخل بالسهم  
الواحد ثلاثہ فی الجنة،  
صانعه یحتسب فی  
صنعه الخیر، السرمی  
به ومنبلہ (حدیث)

اور استعمال کے لئے دینے والے کو۔

ستفتح علیکم ارضون و  
یکفیکم الله فلا یعجز  
احداکم ان یرہو بسهمہ  
(حدیث)

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، غمی ممالک میں اپنے عرب  
کو تاکید لکھتے ہیں :-

ایاکم والتعمد و سرمی  
العجم و علیکم بالشمس  
فانہا حمار العرب و  
تمعد دوا و اخشو شنوا  
واخلو لقوا و اعطوا الکرب  
استہا و انزوا و انزوا

ترجمہ: تن اسانی و راحت طلبی  
کی زندگی اور غمی لباسوں سے  
ہمیشہ دور دور رہنا، دھوپ  
میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار  
رکھنا کہ وہ عربوں کا حمار ہے۔  
جفاکشی سادہ زندگی و تحمل موٹے

و اسی مولانا غلام احمد - جھوٹے پینے کے عادی رہو گھوٹے  
(بقوی)

پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی  
مشق رہنی چاہیے اور نشانے  
دست ہوں۔“

خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے  
بچوں کو نشانہ بازی دتیرا کی اور گھوڑے پر جست لگا کر چڑھنے کی مشق و تعلیم کی وصیت  
فرمائی تھی۔ چنانچہ رفیق المعظم اپنی مشہور تالیف اشہر مشاہیر الاسلام میں حضرت  
عمر بن الخطاب مناقب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:- ”وقد روى عن  
الخليفة عمر بن الخطاب رضي الله عنه الوصية بتعليم الاولاد  
الرمي والعموم وأمرهم بالوثوب على الخيل وثبالاً لاسر كورها فحسب“  
نوٹ:- اس حکم میں جدید اوزار حرب (مثلاً توپ، ٹینک، رائفل،  
میٹرائل، ہلکارہ شکن توپ، بمبار طیارہ، بم، آب دوزکشی، بحری بیڑہ وغیرہ)  
کی تعلیم و تربیت بھی شامل ہے۔

اسلام کی بقا کے لئے لازم ہے کہ خود اور اپنی نسلوں کو ہمیشہ جہاد فی سبیل اللہ  
کے لئے مستعد رکھا جائے۔ مسلمانوں پر جہاد فی سبیل اللہ ایک اہم فریضہ ہے۔  
ماں باپ کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو صحابہ کرامؓ و مجاہدین اسلام کے دلولہ انگیز کارنامے  
سنا کر ان میں جذبہ جہاد و شوق شہادت ابھاریں ایسے واقعات بخاری و مسلم و  
دیگر کتب احادیث و تاریخ و سیر میں بکثرت مل جائیں گے۔ فن حرب و واقفیت  
کے لئے بچوں کو باقاعدہ ٹریننگ دنیا بھی ضروری ہے۔ ان تربیت یافتہ مسلم  
نوجوانوں سے اسلام کو یقیناً ایک نئی زندگی اور تازہ روح مل جائے گی۔

۱۔ اسلام میں فریضہ جہاد کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا ایک بہتر و جامع خاکہ مولانا سید  
ابوالاعلیٰ مودودی صاحب (مرحوم) نے اپنی معرکہ الاراکت اب ”الجهاد في الاسلام“  
میں پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ضرور ملاحظہ فرمائیے۔

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص کی مندرجہ ذیل وصیت تمام مسلمانوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہیے۔ (یہ وصیت آپ نے مصر کے مسلمانوں کو فرمائی تھی)۔

”اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ تم آیات تک خطرہ کی حالت میں ہو۔ اور ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہوئے ہو۔ اس لئے تم کو ہمیشہ ہوشیار اور مسلح رہنا چاہیے کیوں کہ تمہارے چاروں طرف دشمن ہیں اور اُن کی نگاہیں تم پر اور تمہارے ملک پر لگی ہوئی ہیں“ (تاریخ مصر از جرجی زیدان)

جب ان نو عمروں کو اپنے گرد و پیش پھیلے ہوئے خطرات کا احساس ہوگا اور ساتھ ہی مجاہدین و شہدائے اسلام کے جوش ایمانی و ایثار و قربانی سے لبریز منہ آنے لگا ہوں گے سامنے آئیں گے تو انشاء اللہ دنیا میں پھر ایک بار بلال و عمار و جناد و خبیب و صہیب و مصعب بن عمر و عثمان بن مظعون، انس بن النضر، عمرو بن جحوج، عمر بن حمام انصاری اور سعد بن معاذ وغیرہ جیسے جان نثار پیدا ہوں گے، جنت کی ہوائیں اور قرنِ ادل کے ایوانِ جہنم کے دوبارہ چلیں گے اور ایک نیا اور طاقتور عالم اسلام ظہور میں آئے گا۔

(ج) بچوں کے ساتھ خصوصی رحم و شفقت کا حکم | اسلام بچوں کے ساتھ خصوصی رحم و شفقت

سے پیش آنے کا حکم دیتا ہے، اور اُن پر ظلم و تشدد سے روکتا ہے حتیٰ کہ دورانِ جنگ اگر کوئی دشمن قوم کا بچہ ملے تو اُس پر ظلم سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہدایت دیتے ہوئے فرمایا: ”اللہ کا نام لے کر جاؤ اور اُس کی راہ میں جا کر لڑو۔ جو خدا سے بغاوت کرے اُس سے لڑو مگر عہد شکنی نہ کرنا، نہ لاشوں کا مثلہ کرنا اور نہ کسی بچے کو قتل کرنا (مسلم، ابوداؤد، ترمذی)

بچوں کے ساتھ امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی خصوصی شفقت و محبت کے بہت سے واقعات عنوان ”حقوق العظیم“ کے تحت بیان کئے جا چکے ہیں۔ آپ سے متعلق ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک مرتبہ آپ (حضرت عمرؓ) نے ایک بچہ کو اُس کے ولی کے سامنے پایا کیا تو اُس بچہ کے ولی نے آپ سے کہا: اَلتَّحِيْلُ اَطْفَا لَكَ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَوَاللّٰهِ اِنْ اَنَا لَا نَفْعَلُ ....“ تو حضرت عمر بن الخطابؓ



نے فوراً جواب دیا :- وماذا أفعل إذا كانت الرحمة قد نزعَتْ من قلوبكم ؟ اور جب آپؐ نے مسلمانوں میں بچوں کے لئے محبت و رحم کے اس نقص جو بری کو دیکھا تو بہت تعجب فرمایا :- رجلة الفیصل مکترا لمکرمه العدد ۱۷۷  
فما اگست ۱۷۷۷)

سُنّت مطہرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بچوں سے شفقت و محبت کا ایک پُر اثر واقعہ منقول ہے جو اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ باجماعت نماز ادا فرمائیے تھے ۔ نماز میں آپؐ نے سجدہ فرمایا تو سجود کو طویل دیا ۔ جب نماز ختم ہو چکی تو آپؐ کے اصحاب نے اس کا سبب پوچھا ۔ آپؐ نے فرمایا ”ان ابنی اسر تحلنی فکسر هت أن أعجله“ ۔۔۔۔۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اکرمؐ کی پست مبارک پر آپؐ کے نواسہ سجدہ کے دوران چڑھ گئے تھے تو آپؐ نے نہ انہیں ڈانٹا اور نہ ہٹا کر اپنے سے الگ فرمایا بلکہ سجدہ کی حالت میں رُکے رہے حتیٰ کہ وہ اتر سکیں ۔

(د) شوہر کے مال میں سے بلا اجازت اولاد کا خرچ لینا جائز ہے | مکہ معظمہ میں جب

عورتوں سے بیعت لی جا رہی تھی اس وقت حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی ہند بنت عقبہ نے اُس حکم جو سورۃ الممتحنہ کی آیت مَلا میں ان الفاظ میں بیان ہوا ہے : وَلَا یَسْرِقْنَ اور چوری نہ کریں گی :- کی تشریح دریافت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : یا رسول اللہؐ ابوسفیانؓ ذرا بخیل آدمی ہیں ۔ کیا میرے اوپر اس میں کوئی گناہ ہے کہ میں اپنی اور بچوں کی ضروریات کے لئے اُن سے پوچھے بغیر اُن کے مال میں سے کچھ لے لیا کروں ؟ آپؐ نے فرمایا : نہیں ، مگر بس معروف کی حد تک (یعنی بس اتنا مال لے لو جو فی الواقع جائز ضروریات کے لئے کافی ہو) ۔ (احکام القرآن ابن عربی)

(س) اولاد بکثرت سامانِ ازمالش | اسلام نے بچوں کے ساتھ رحمہ دلی ، ایشاء جاں نثاری ، محبت اور شفقت

کرنے کا حکم ضرور دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کی تنبیہ بھی کر دی ہے کہ اولاد کی محبت کہیں اتنی نہ بڑھ جائے کہ جو تمہیں تمہارے فرائض سے غافل کر دے یا اللہ کی محبت

پر غالب آجائے۔ قرآن کریم میں خدا تعالیٰ بار بار اولاد کو والدین کے لئے سامان آزمائش بتاتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ  
أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ  
عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ ج (المنفقون - ۹)  
وَاعْلَمُوا أَنَّمَا أَمْوَالُكُمْ  
فِتْنَةٌ ۖ

”ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو  
تمہارے مال اور تمہاری اولادیں  
تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں“  
”ترجمہ: اور جان رکھو کہ تمہارے  
مال اور تمہاری اولاد درحقیقت

سامان آزمائش ہیں“ (الاتفال - ۲۸)

أَنْتُمْ أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَاكُمْ  
فِتْنَةٌ ۚ وَاللَّهُ عَزِيزٌ  
أَحْبَرٌ عَظِيمٌ

”ترجمہ: تمہارے مال اور تمہارے  
اولاد تو ایک آزمائش میں اور  
اللہ ہی ہے جس کے پاس بڑا اجر

ہے۔“ (التغابن - ۱۵)

ان آیات قرآن میں مذکور کیا گیا ہے کہ اولاد اور مال سے ہوشیار ہو یعنی ان کی دنیا بنانے کے لئے اپنی عاقبت نہ برباد کر لو۔ اُن کی محبت کو کبھی اپنے دل میں اس حد تک نہ بڑھنے دو کہ وہ اللہ اور رسول کے ساتھ تمہارے تعلقات اور اسلام کے ساتھ تمہاری وفاداری میں حائل ہو جائیں۔ اُن پر کبھی اتنا اعتماد نہ کرو کہ تمہاری بے احتیالی سے مسلمانوں کی جماعت کے اسرار انہیں معلوم ہو جائیں اور وہ دشمنوں تک پہنچیں۔ یہ وہی بات ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں مسلمانوں کو ان الفاظ میں خبردار کیا ہے :-

يُؤْتِي بَرَجِلْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ  
فَيَقَالُ أَكَلْ عِيَالَهُ حَسَنَاتِهِ  
”ترجمہ: ایک شخص قیامت کے  
روز لایا جائے گا کہ اس کے بال  
بچے اس کی ساری نیکیاں کھا گئے“ (حدیث)

کیا ہی عمدہ بات کہی ہے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے کہ :-  
”جن بہنوں کو اللہ نے اولاد دی ہے اُن کے ہاتھ میں تو گویا اللہ نے امتحان کے وہ  
پرچے دے دیئے ہیں جن پر اگر وہ کامیابی کے نمبر نہ لیں سکیں تو پھر دوسرا کوئی پرچہ

بھی اُن کے اس نقصان کی تلافی نہ کر سکے گا۔ اُن کی توجہ کی مستحق سب بڑھ کر اُن کی اولاد ہے جسے دین اور دینی اخلاق کی تربیت دینا اُن کی ذمہ داری ہے۔“ (بحوالہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ ماہ اپریل ۱۹۸۸ء ص ۱۷۱)

اولاد والدین کے لئے خدا تعالیٰ کا بڑا انعام اور رحمت کا باعث ہوتی ہے خواہ اُس کی جنس لڑکا ہو یا لڑکی۔ اولاد کے لئے والدین کی اُنسیت و محبت ہونا فطری چیز ہے لیکن اس بات کو ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ یہ خدا تعالیٰ کے انعام سے کہیں زیادہ اُس کی امانت ہے، جس کی پرورش و تربیت کی تمام ذمہ داری والدین پر عائد کی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اپنی امانت جب چاہے اُن سے واپس لے لے۔ ایسے حالات میں والدین کو صدمہ و رنج ہونا ایک فطری عمل اور شانِ بشریت ہے، لیکن اولاد کی موت پر صبر کرنا اور خدا تعالیٰ کے فیصلے و حکم پر ثابت قدم و قانع ہونا مقامِ عزیمت ہے، اور اس کا بڑا اجر و انعام ہے۔ خدا تعالیٰ کبھی بندے کو اولاد کی نعمت و انعام سے نواز کر اُس کی آزمائش فرماتا ہے تو کبھی اُس سے اپنی امانت واپس لے کر جوہر و حالات میں اُس پر ور دگار کا شکر بجالائیں وہی دنیا و آخرت میں شاد کام ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”جب کسی بندے کا بچہ مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے: تم نے میرے خلاف بندے کے بچے کی رُوح قبض کر لی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہاں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم نے میرے بندے کے تحتِ جگر کی رُوح قبض کر لی ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں: ہاں لے پروردگار۔ اس پر اللہ تعالیٰ اُن سے پوچھتا ہے: اس موت پر میرے بندے نے کیا کہا؟ فرشتے کہتے ہیں: اس نے آپ کی حمد فرمائی اور اِنَّا لِلّٰہ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ کہا۔ یہ شکر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے: میرے اس بندے کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اُس کا نام بیتِ الحمد رکھو۔“ (ترمذی)

بعض انگریزی تعلیم یافتہ گھرانوں (من) بچہ کی سال گزرہ منانا:- | میں بچہ کی سال گزرہ منانے کا رواج

پایا جاتا ہے۔ اس موقع کے لئے ایک خصوصی کیک بنایا جاتا ہے اور بچہ کی عمر کے مطابق اُس پر شمعیں روشن کی جاتی ہیں، کیک پر بچہ کا نام اور یوم ولادت لکھا ہوتا ہے،

تمام اعزاء و احباب کو پہلے سے دعوت دیکھاتی ہے اور اُن سب کی موجودگی میں بچہ ان شمعوں کو پھونک مار کر گل کرتا ہے بعد ازاں کیک کاٹتا ہے۔ اعزاء و احباب قیمتی تحائف پیش کرتے ہیں۔ حاضرین مجلس تالیاں بجاتے اور بچہ کی پیدائش کے پُر مسرت، انگریزے بند کرتے ہیں۔ اگر بچہ صغیر سنی کی بنا پر شمعوں کو گل نہ کر سکے یا کیک نہ کاٹ سکے تو اُس کا کوئی قریبی رشتہ دار مثلاً ماں باپ، یا کوئی اور اہم شخص یہ فرائض انجام دیتا ہے۔ ہم مسلم معاشرہ میں پائی جانے والی اس غیر اسلامی دے بنیاد رسم کو مٹا دینا چاہتے ہیں کہ یہ یہود و نصاریٰ اور غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی نقالی یا اُن سے مشابہت کرنے سے تمام اہل اسلام کو منع فرمایا ہے :-

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من تشبه بقوم فهو منهم  
(رواه ابو داؤد عن ابن عمر و رواه الطبرانی عن مزلقه مرفوعاً) و س دی عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما : من تشبه بجمہ حتی یموت یموت حشر معہم۔  
قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : ليس منا من تشبه بغيرنا لا تشبهوا باليهود ولا بالنصارى فان تسليما لليهود الاشارة بالاصابع و تسليما للنصارى الاشارة بالاكف (رواه الترمذی عن ابن عمر و ابن العاصم)

رس، اپنی اولاد کے درمیان عدل کا راستہ اختیار کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا حکم ہے کہ جب اپنے کسی ایک بچہ کو تحفہ دیا یا لباس بنا دیا اچھا طعام اور اچھی تعلیم کی سہولت فراہم کرو تو تم پر لازم ہے کہ اپنے دوسرے بچوں کو بھی اسی طرح تحائف دو، نئے لباس بناؤ، اچھا طعام و بہتر تعلیم دو تاکہ اُن کے درمیان عدل قائم رہے۔ اور ان میں سے کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ نفسیاتی اعتبار سے بچے بہت حساس فطرت ہوتے ہیں اس باعث اگر اُن کے درمیان عدل و مساوات کا رویہ اختیار نہ کیا جائے تو اُن میں ایک دوسرے کے لئے نفرت و دشمنی کے جذبات پیدا ہونے لگتے ہیں۔ عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ ماں باپ اپنی پہلی یا آخری اولاد پر نسبتاً زیادہ مہربان ہوتے ہیں یا پھر لڑکے کو لڑکی پر ترجیح دیتے ہیں جس سے عدل کا قائم ہونا محال

ہے اسلام ان تمام باتوں سے روکتا ہے۔ نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اعدلوا بین ابنائکم، ترجمہ : اپنی اولاد کے درمیان  
اعدلوا بین ابنائکم، عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان  
اعدلوا بین ابنائکم، عدل کرو، اپنی اولاد کے درمیان  
عدل کرو، عدل کرو

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا : اعدلوا بین اولادکم فی العطیۃ وھل للوالد ان یرجع فی عطیۃ وما یأکل من مال ولداہ بالمعروف ولا یتعدی (رواہ البخاری)

# جامع القرآن<sup>المحدث</sup>

یعنی قرآن اکیڈمی ۳۶- کے جامع مسجد میں  
ماڈل ٹاؤن کی

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا

ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب

قرآن حکیم کے ابتداء سے مسلسل درس قرآن کا وہ سلسلہ جاری ہے جس کا آغاز مسجد خضراء سمن آباد میں ہوا تھا اور جو بعد میں مسجد شہداء میں جاری رہا۔ سورہ یس المجدلہ ختم ہو گئی ہے اور سورۃ الصفات شروع ہو رہی ہے۔

بعد عشاء شب بیداری کا

بھی سلسلہ جاری رہے۔

# افکارِ آرا

## ”الہدی“ اور دوسرے ٹی وی پروگرام \*

مرتبہ : جمیل الرحمن \*

امام دارالہجرہ امام مالک بن انسؒ کے ایک تاریخی جلسے کے حوالے سے مولانا ابوالکلام مرحوم نے ”البلاغ“ کے پہلے شمارے ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء میں لکھا تھا جب وہ برصغیر پاک و ہند میں اُمتِ مسلمہ کو قرآن مجید کی طرف رجوع کرنے کا صور پھونک رہے تھے۔ ”کہ اگر کوئی مسلمانانِ عالم کی تمام تباہ حالیوں اور بدبختیوں کا ایک ہی جلسے میں علاج پوچھے تو اس کو امام مالکؒ کے الفاظ میں جواب ملنا چاہیے کہ ”لا یصلح آخر هذا الا مکتبہ الایما صلح بہا اولہا“ یعنی اُمتِ مرحوم کے آخری عہد کی اصلاح کبھی نہیں ہو سکے گی۔ تا وقتیکہ وہی طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے اس کے ابتدائی عہد نے اصلاح پائی تھی اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ قرآنِ حکیم کی اصلی و حقیقی معارف کی تبلیغ کرنے والے مرشدینِ صادقین پیدائے جائیں۔“

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر چند یہ سور پھونکنے کے بعد مولانا آزاد مرحوم کی دلچسپیوں اور کوششوں کا رخ تبدیلی ہو گیا تاہم اس صدی میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا احیائی عمل جس مرحلے میں داخل ہوا ہے اس میں بحمد اللہ رفتہ رفتہ رجوع الی القرآن کا داعیہ نشو و نما پا رہا ہے اور برگ و بار لا رہا ہے۔ اور اس دورِ جدید کے تقاضوں کے پورا کرنے کے لئے قرآنِ حکیم کے معارف و ہدایات کی تبیین و تشریح کا ایک عمل پیہم جاری و ساری ہے سیاسیات، معاشیات، عمرانیات، نفسیات، معاشرت، معاملات، تہذیب و تمدن، فطیہا اور حکمت و فلسفہ الغرض زندگی کے جس شعبے میں بھی نئے نئے نظریات پیدا ہوتے ہیں تو اس دور میں ایسے علماءِ حق بھی نمودار ہوتے ہیں جنہوں نے ان ہی تقاضوں

کے پیش نظر قرآن حکیم کی حکمتوں کی تعلیم و تدریس اور تشریح و تفسیر میں اپنی مثال  
زندگی کھپادی ہے اور کھپا رہے ہیں۔ ایسی مستقل تفاسیر منصفہ شہود پر آئی ہیں  
جن میں قرآنی تعلیمات و ہدایات کو دورِ جدید کے اذہان کے مطابق پیش کیا گیا ہے۔  
آج جبکہ ایک طرف سائنس کا دورِ دورہ ہے، دوسری طرف مادہ پرستانہ  
فلسفوں اور نظریات نے ہمارے تعلیم یافتہ طبقے کے اذہان کو مسحور کر رکھا ہے  
اور ان کے لئے یہی نظریات معیارِ فہم و تفہیم بن گئے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ آج  
ایسے اصحابِ فکر و نظر بھی موجود ہیں جو علومِ جدید کی روشنی میں قرآن حکیم کے اپنے  
مخصوص استدلال کے ذریعے ان باطل نظریات کا ابطال اور احقاقِ حق میں  
مہرِ تن مصروف ہیں اور قرآن حکیم کی ابدی تعلیمات و ہدایات کو اس دور کے  
تقاضوں کے مطابق مبرہن و واضح کر رہے ہیں۔

ان ہی خادمانِ دینِ متین اور کتابِ عزیز کی صف میں ڈاکٹر اسرار احمد بھی  
کھڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں ان پر فہم قرآنی کی ارزانی فرمائی ہے، وہاں  
ان کو انہام و تفہیم کا ایک دل نشین اور پُر تاثر انداز بیان اور طرزِ خطاب  
بھی عطا فرمایا ہے۔ پھر ان کو یہ توفیق بھی عنایت فرمائی ہے کہ انہوں نے ہر  
طرف سے منہ موڑ کر یکے کے ساتھ اپنی زندگی و دعوتِ قرآنی کے لئے وقف کر رکھی  
ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کے سامنے کے دین کے تقاضے اور مطالبات پیش  
کرنے اور ان پر یہ بات واضح کرنے کے لئے کہ ان کا رب ان سے کیا چاہتا ہے  
اور ان کو کن اوصاف سے متصف دیکھنا چاہتا ہے قرآن مجید کا ایک منتخب  
نصاب مرتب کیا ہے جس کے ذریعے مسلمان کے ”دل و نگاہ“ کی حقیقی سہولت  
بننے کی دعوت نیز دین کے مطالبات و تقاضے بھی سامنے آتے ہیں اور ممتنا دین  
کا ایک جامع تصور بھی نمایاں واضح ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے  
پاکستان کے مختلف شہروں بالخصوص شہرِ لاہور میں بیسیوں مرتبہ اس منتخب قرآنی  
نصابِ درس دیتے رہے ہیں (آج کل مسجدِ شہداء لاہور میں پھر ہر بدھ کو عصر  
تا مغرب اس کا درس ہو رہا ہے) اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل ہوا کہ ٹی وی کے  
اربابِ حل و عقد نے ڈاکٹر صاحب کو یہ منتخب نصابِ ٹی وی پر پیش کرنے کی

دعوت دی اور ۱۴ اپریل ۸۱ء سے یہ پروگرام ہر جمعرات کو اردو خبر نامے کے پچھلے باقاعدگی سے نشر ہو رہا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور قرآن حکیم کا اعجاز ہے کہ یہ پروگرام افادیت و تاثیر کے لحاظ سے ٹی وی کے شائقین میں قبول عام حاصل کر رہا ہے۔ اسی کی پسندیدگی کے سلسلے میں ملک کے گوشے گوشے سے ہزاروں خطوط ہمیں موصول ہو رہے ہیں۔ جن میں سے چند کے اقتباسات قارئین میثاق کے لئے ذیل میں پیش ہوں گے۔ اکثر خطوط میں لوگوں نے وقت کی کمی کی شکایت اور احساس تشنگی کا اظہار کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ وقت کا تقاضا ٹی وی کے ذمہ دار بیان کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو مقررہ وقت میں اپنا بیان ختم کرنا ہوتا ہے لہذا بعض پہلوؤں کو تذکرہ جاتے ہیں۔ ٹی وی اسٹیشن لاہور کی رپورٹ یہ ہے کہ کوئی دن ایسا ہوتا ہوگا جس میں اس پروگرام کو تحسین اور پسندیدگی کے خطوط نہ آتے ہوں بعض خطوط کا ذکر ٹی وی کے مستقل پروگرام ”اپنی بات“ میں کئی بار کیا جا چکا ہے۔

مزید براں معتبر ذرائع سے پاکستان کے اکثر قابل ذکر شہروں سے یہ اطمینان بھی ملی ہیں کہ زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اکثر حضرات یہ پروگرام نہایت پابندی اور اشتیاق کے ساتھ دیکھتے ہیں اور اس کی خاطر اپنے اوقات کو بالائے التزام فارغ رکھتے ہیں ان اوقات میں ضروری ملاقاتیں (Appointments) بھی موخر کر دیتے ہیں۔ جو لوگ رمضان المبارک میں ٹی وی بند کر کے رکھ دیا کرتے ہیں سو فی اس پروگرام کو دیکھنے کے لئے اس پابندی کو برقرار نہیں رکھ سکے۔

ملک کے مقبول و معروف روزنامہ جنگ میں کراچی اور لاہور کے اسٹاف رپورٹرز کی یہ رائے شائع ہوئی ہے کہ ”اللہ ہی“ سے زیادہ آج تک کوئی دینی و مذہبی پروگرام مقبول نہیں ہوا۔ اس کی تاثیر، افادیت اور دلنسی طرز بیان و مخاطب کی ٹی وی کے شائقین کے ہر طبقے کے لوگ معترف ہیں آئیے اب چند خطوط کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیے (رج۔ س۔)



جناب سید فضل الرحمن صاحب جعفری بی، اے، علیگ دمستور ادیب و صحافی /  
کرامی سے رقم طراز ہیں۔

”آپ کے غائبانہ تعارف تو طویل عرصہ سے ہے، لیکن ملاقات کی سعادت آج تک حاصل نہیں ہوئی جس کا ملال ہے اور امتدادِ زمانہ سے یہ ملال شدید تر ہوتا جا رہا ہے۔ ”الہدیٰ“ کے ذریعہ آپ سے ملاقات ہوتی رہتی ہے، جس نے آتش شوق کو تیز تر کر دیا ہے۔ یہ سطور اسی لئے لکھ رہا ہوں کہ اب یارائے ضبط باقی نہیں رہا تھا، کچھ اور نہیں تو نصف ملاقات ہی سہی۔ آپ کے علمی اور تحقیقی افکار و تخلیقات سے تو میں پوری طرح واقف نہیں ہوں، لیکن قرآن کریم پر آپ کے جو لکچر ”الہدیٰ“ کے ذریعہ ہو رہے ہیں۔ وہ بجد دلچسپ اور فکر انگیز ہیں۔ آپ کا اسلوب بیان بہت دلآویز ہے۔ مضامین میں جو تسلسل، اور باہم ارتباط ہوتا ہے وہ بھی بجد دلپذیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو صلاحیت بخشی ہے، وہ اس دور میں باغیت ہے۔ آج کی نئی نسل کو گمراہ کن عقیدوں، اور مغربی افکار و خیالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان کی صحیح رہنمائی کی شدید ضرورت تھی۔ الحمد للہ کہ وہ آپ کے ذریعہ کسی حد تک پوری ہو رہی ہے۔ والسلام

و جناب اطہر حسن زیدی صاحب پرنسپل گورنمنٹ کالج مردان اپنے خیالات کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں۔

السلام علیکم۔ میں ان کڑوڑوں ملاحول میں سے ایک ہوں جسے آپ نہیں جانتے لیکن جو آپ کے ذہن مبارک سے نکلے ایک ایک پھول کو بچوں چنتے ہیں جیسے حاصلِ کلام ہو۔ بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ خط لکھوں اور اپنی عقیدت کا اظہار کروں لیکن آج آپ کا پتہ معلوم ہوا تو یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آج اخبار میں دیکھا کہ حکومت کی جانب سے آپ کی علمیت کے اعتراف میں تمغہ امتیاز آپ کو پیش کیا جائے گا۔ دل نے کہا مبارکباد کا موقع ہے۔ عقل نے کہا کہ ان اعزازات سے آپ کی غزّت میں کوئی اصناف نہیں ہوتا بلکہ اس اعزاز کا وقار ابڑھ جاتا ہے جو آپ کو پیش کیا جاتا ہے۔ آپ ان اعزازات سے ہند ان لوگوں کے دلوں میں ہیں جو آپ کے مقام کی عظمت کا احساس رکھتے ہیں۔

اچھے سال کے رمضان المبارک والے پروگرام بڑی باقاعدگی سے دیکھے اور اور اس سال الہدیٰ اسی باقاعدگی سے دیکھتا ہوں۔ قرآن فہمی اور قرآنی آیات پر تفکر کی دعوت اس سے زیادہ خوبصورت طریقہ سے نہیں دی جاسکتی۔“

و جناب ڈاکٹر ایں ممتاز حسین صاحب (فزیلشن) لاہور رقم طراز ہیں :-  
 سلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ آداب و تسلیمات کے بعد معروض ہے کہ گذشتہ رمضان المبارک میں اور اس کے بعد اب تک ٹی وی پر آپ کی تقاریر سے فیضاب ہونے کی سعادت حاصل ہوتی رہی۔۔۔۔۔ میں اچھے تبخیر علم، رفعت فکر و نظر، وسعت مطالعہ و معلومات اور طرزِ خطاب سے بے انتہا متاثر ہوں۔ ہر چیز ابتدائے سن شعور سے اب تک بیسیوں علماء کرام، مشائخ عظام اور واعظین والا تبار کے مواظبت سے بالالتزام مستفید ہوتا رہا لیکن بحیثیت مجموعی میرا تاثر یہ ہے۔۔۔۔۔ میں اور بھی دنیا میں مغرور ہوتا چھ۔۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ غالباً ہے اندازِ بیاں اور اور یہی تاثر ان سطور کی تحریر کو متحرک ہوا۔ اس سلسلہ تقاریر سے میں نے آپ سے بہت کچھ حاصل کیا۔۔۔۔۔“

دہلی میں :-

و مولانا احمد عبدالرحمن صدیقی نوشہرہ سے راقم کے نام ایک خط میں تحریر :-  
 ”مخدوم و محترم عاشق کلام الہی حضرت ڈاکٹر (اسرار احمد) صاحب دامت برکاتہم کا یہ سیدہ کاران کے پرائز اور دل میں اتر جانے والے اندازِ دعوت رجوع الی القرآن کی عظیم تحریک برپا کر دینے کی وجہ سے عقیدت مند سے۔ اپنے شیخ و مرشد قطب العالم حضرت العارف المفسر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جس کتاب زندہ کے عظیم مبلغ و مناد تھے اور جس انداز سے پوری قوت کے ساتھ اسے پیش فرمایا کرتے تھے اسی کی جھلک مجھے محترم ڈاکٹر صاحب کے مضبوط انداز میں محسوس ہوتی ہے کہ کلام اللہ کو دنیا کے سامنے ان تمام مسائل کا علاج ثابت کر کے بیان کیا جائے جن سے فی الوقت النسایت دوچار ہے۔ اللہ تعالیٰ محترم ڈاکٹر صاحب کو نظر بد اور تمام مکارہ سے بچا کر سلف صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقبول و مبارک طریق پر اپنی کتاب کا خادم و مبلغ بنائے رکھے آمین بحرمت سیدنا طہ و یسین صلی اللہ علیہ وسلم“  
 و جناب مابر حسین شاہ (پلانٹ پتھالوجسٹ) ایگزیکٹو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پشاور سے لکھتے ہیں :-

”السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میں آپ کے ٹیلی ویژن پروگرام بہت ہی عقیدت سے دیکھتا ہوں اور اللہ کے کرم سے ان کے ذریعے میری معلومات اور ایمان میں بہت کچھ صاف ہوا ہے اللہ کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس مادیت پرستی کے دور میں بھی توحید کی شمع روشن ہے اور قرآن کی تفہیم کا کام آپ جیسے دین و دنیا کے علوم کے ماہر سے لے رہا ہے۔“

و جناب ڈاکٹر محمد یعقوب مجٹی لاہور سے رقم طراز ہیں:-

”پچھلے دنوں ٹیلی ویژن پر آپ کا سورہ فاتحہ کا رُوح پرور درس ہم سب گھر والوں نے سنا اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن کی دعوت پیش کرنے کے لئے مزید بہت اور نوفیق عطا کرے اور پاکستان کے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے اور قرآن کی تعلیمات کو اختیار کرنے کی توفیق دے۔ درس میں تشنگی کا احساس ہوا شاید اس کی وجہ وقت کی کمی ہو؟“

و جناب طاہر منظور (میڈیکل اسٹوڈنٹ) گوجرانوالہ سے اپنی پسندیدگی

کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں :-

”ٹی وی پر آپ کا پروگرام الہدیٰ پابندی سے سنتا رہتا ہوں۔ آپ کے آسان و واضح اور مدلل و جامع اندازِ بیان نے دل پر بہت اثر کیا ہے۔ ایک بڑی بات یہ ہے کہ آپ دینی اور دنیوی دونوں علوم پر کما حقہ دسترس رکھتے ہیں پاکستان اور پورے عالمِ اسلام کو آپ جیسے داعیان کی اشد ضرورت ہے۔ اسی ذریعے سے نوجوان نسل میں مذہب کے جو بگاڑی پیدا ہو رہی ہے اس کا تدارک ہو سکتا ہے۔“

”الہدیٰ“ کے مستقل پروگرام کے علاوہ رمضان المبارک میں پاکستان ٹی وی کے تمام اسٹیشنوں سے ”القرآن“ کے عنوان پر روزانہ دس بارے کا ایک پروگرام پیش کیا گیا تھا جس میں مختلف علمائے کرام اور دانشوران نے مختلف موضوعات پر تقاریر کی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب کو بھی اس میں دو تقاریر کا موقع دیا گیا تھا۔ جن میں موصوف نے ایک تقریر ”قرآن اور مدقِ حلال“ کے موضوع پر بھی کی تھی۔ جس کو ٹی وی والوں نے مکرر بھی نشر کیا۔ اس تقریر کے متعلق ملک کے موقر ہفت روزہ ”اخبارِ جہاں“ کے جناب حبیب الرحمن

صاحب اور ملک کے کثیر الاشاعت و مقبول روزنامے جنگ کے مشہور و معروف کالم نویس اور کہنہ مشق صحافی جناب انعام درانی نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ بھی قارئینِ مشتاق کے استفادے کے لئے درج ذیل ہیں۔ (۲۰۰۵)

”اسلام جزوی نہیں مکمل اطاعت کا طلب گار ہے“

”اخبار جہاں“ کے مستقل عنوان ”اسلام آباد کی ڈائری“ کا اقتباس  
 ”اسلام جس صاف سفرے و پاکیزہ اور حسین و جمیل معاشرے کا تصور پیش کرتا ہے اس کی تشکیل و قیام کے لئے اسلام کے سارے احکام کا بیک وقت اور کلی نفاذ ناگزیر ہے۔ اس بارے میں ارشادِ خداوندی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام جزوی نہیں بلکہ کلی اطاعت چاہتا ہے۔ اور ان لوگوں کے لئے دنیا میں ذلت اور آخرت میں سخت عذاب ہے جو اسلام کی تعلیمات کو جزوی طور پر اپنا کر ان کی مجموعی شکل و صورت کو مسخ کر دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہم میں سے جن لوگوں کے ذہن ابھی تک صاف نہیں وہ وطن عزیز کے صدا احترام، دانشور، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ان بصیرت افروز تقاریر سے استفادہ کر سکتے ہیں جن کی مدلل تقریروں سے ٹیلی ویژن کے دردمند ناظرین و سامعین کی ماہ رمضان کے دوران اسلام کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی ہے۔ ہماری وزارت اطلاعات و نشریات اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کی مذکورہ تقاریر کو ایک کتابی شکل میں شائع کرے اور اُس مجموعہ تقاریر کو تمام سرکاری افسروں تک پہنچانے کا اہتمام کر دے تو بیک بہت بڑی خدمت ہوگی۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہمارے ادب و باب اختیار کے سائے نیک عزائم کے باوجود ایک صحیح اسلامی معاشرے کی تشکیل کی سمت میں ہم اب تک کوئی قابلِ رشک پیش قدمی اس لئے نہیں کر پائے ہیں کہ ہماری نوکر شاہی کے وہ راکٹ جنہیں اسلامی نظام کے نفاذ کی ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں۔ انہیں غالباً اسلام کے احکام کے مجموعی تقاضوں کو سمجھنے کے لئے مطلوبہ فرصت نہیں ملی ہے۔ ورنہ یہ ممکن ہوتا کہ نماز کی ادائیگی کے ادلیں فرض کا ساری قوم کو پابند بنانے کے لئے سرکاری سطح پر اتنی ہی مستعدی دکھائی جاتی جتنی کہ وصولی زکوٰۃ کے ضمن میں دکھائی گئی ہے۔۔۔۔۔

قارئین محترم! ان ساری گزارشات کا مقصد صرف اس ایک بنیادی حقیقت

کی یاد دہانی ہے کہ اسلام اپنے پیروکاروں سے کلی اطاعت چاہتا ہے۔ اور کلی اطاعت کے درجے ہی ہم وہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں جن سے ہمارا یہ دعویٰ درست ثابت ہو سکتا ہے کہ اسلام کا عطا کردہ نظام ہی دنیا کا سب سے بہتر اور سب سے اعلیٰ وارفع نظام ہے۔ لہذا بہتر ہوگا کہ ہم اسلام کی مکمل اطاعت کا صدق دل سے فیصلہ کر لیں اور اتنی احتیاط برت لیں کہ ہمارے قول و فعل میں کسی تضاد سے اسلام کا تقدس مجروح نہ ہونے پائے۔

”تلخ دشیدیں“ روزنامہ جنگ، کا ایک اقتباس

”و عید سے چند روز پہلے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے خدا ان کی عمر وراز کرے کہ ہم جاہلوں کی فہم کے دائرہ کا صحیح اندازہ فرما کر رشد و ہدایت کا ابلاغ فرمایا اور اللہ کے عطا کئے ہوئے رزق کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ یہ تعریف اتنی واضح تھی کہ اگر اس نوع کے رزق پر روزے کا افطار لازم ہو تو لاکھوں روزے افطار کی سعادت سے محروم رہ جائیں۔

بھوکا پیاسا تو ہر وہ شخص رہ سکتا ہے جس کے جسم میں توانائی ہے۔ مگر افطار کی یہ شرط اس رزق پر نہ ہو جو ابلسی ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے بلکہ اللہ کے دیئے ہوئے پاک میات حلال رزق کا جزو ہے۔ روزے کو خالص انسانیت نواز جہاد کے مرتبے تک پہنچا دیتی ہے۔“

۱۵ جولائی کی اشاعت میں روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے تبصرے

کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

”ڈاکٹر اسرار احمد کا نام درس قرآن کے سلسلے میں خاصی شہرت رکھتا ہے۔ ٹی وی سے ”والف لام میم“ جیسا مقبول پروگرام پیش کر چکے ہیں۔ آج کل ”الہدیٰ“ نامی پروگرام میں قرآن اور قرآن فہمی کے موضوعات پر نہایت دلنشین انداز میں درس دیتے ہیں۔ آپ نے قرآن کے پانچ حقوق بتائے ہیں جس میں قرآن سیکھنا، قرآن پڑھنا (قرأت کرنا)، قرآن سمجھنا، قرآن پر عمل کرنا، قرآن کا پیغام دہ سڑوں تک پہنچانا شامل ہیں۔ اس بار انہوں نے الہدیٰ میں ”مشرک“ کے موضوع پر مدلل اور نصیرت افروز خیالات کا اظہار کیا۔“

۲۷۔ اگست جمعرات کو نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تیسری بچی کا عقد نکاح جامع القرآن میں منعقد ہوا۔ اس تقریب کے سلسلے میں ملک کے نامور صحافی جناب م۔ ش نے اپنے مقبول و معروف کالم ”م۔ ش کی ڈائری“ میں نوائے وقت کی ۳۰ اگست ۸۱ء کی اشاعت میں جن تاثرات کا اظہار کیا ہے وہ درج ذیل ہیں پاکستان ٹائمز میں اس تقریب کی جو رپورٹ شائع ہوتی ہے وہ ٹائٹل کورسے تیسرے صفحے پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ (ج۔ س)

## ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک دنس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے

ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک دنس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ اس اصول کا عمل مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو دارالقرآن ماڈل ٹاؤن (لاہور) میں اس وقت ہوا۔ جب مشہور عالم دین اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کی جملہ تقریبات کا عین سنت نبویؐ کے مطابق انجام دے کر ایک عملی مثال قائم کی۔ میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے ہزاروں کی تعداد میں مواظ حسنہ میں شرکت کی ہے۔ لیکن اس موقع پر میری روح نے ان کی تقریر دل پذیر کے جواثرات قبول کئے وہ انٹ تھے۔

نماز مغرب کے وقت مسجد کا ہال حاضرین سے کچا کچھ بھرا تھا۔ امامت کے فرائض ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیے۔ قرآن پاک کی آیات مبارکہ تلاوت کرنے میں ان کے لحن میں سوز و آدوی ابھرا تھا۔ نماز سے فارغ ہوتے تو ایک مختصر تقریر میں جہیزِ اولیٰ و دیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ پھر خطبہ نکاح پڑھا اور بس انکی بیٹی سلمہا بیاہی گئیں اور یہ تقریب درود و صلوة کے درمیان اختتام پذیر ہوئی۔

ہمارے ہاں شادی، بیاہ، موت اور ختنہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامہ ایک مسلسل درد سر اور اسراف بیجا کا نشان بن چکی ہیں۔ ہزاروں مساجد، ریڈیو اور ٹیلیوژن سے کم و بیش روزانہ امام صاحبان اور مقرر حضرات اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے ہیں۔ لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص شس سے سن نہیں ہوتا، ہنگاموں، درد سر

اور اسراف بجا کا عمل غیر ختم طور پر جاری رہتا ہے لیکن پاکستان میں کم از کم ایک بندہ خدا نے قول و فعل کے تضاد سے بچتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ میں دُعا کرتا ہوں کہ اس پر گامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو۔ آمین۔

ڈاکٹر اسرار احمد خدا کے فضل و کرم سے بھلے چنگے کھاتے پیتے آدمی ہیں اگر وہ چلتے تو اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب پر ڈھول ڈھکے، باجے گاجے آتش بازی اور بجلی کے قمتوں کا جس پریلے پر چاہتے اہتمام کر سکتے تھے۔ ان کے ایسے نیاز مند ہیں جو ان کے ایک ادنیٰ اشارے پر کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی پُر تکلف اشیاء فراہم کر سکتے تھے لیکن اس بابرکت تقریب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سنت نبویؐ سے سرواں طرف نہ فرمایا اور یہ تقریب اس حسن و جمال خیر خوبی سے اختتام پذیر ہوئی کہ اس کا لطف زندگی بھر فراموش نہ ہو سکے گا۔

ہمارے معاشرے میں بیشمار بیٹیاں ایسی موجود ہیں جن کے ہاتھ پیلے اس لئے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے والدین میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایمان کا جذبہ موجود نہیں۔ گھروں پر بیٹھے بیٹیاں بوڑھی ہو جاتی ہیں کیونکہ ان کے والدین باراتیوں کے شایان شان استقبال اور جہیز کے تکلفات سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہیں رکھتے۔ یہ ایک گھمبیر سماجی مسئلہ بن چکا ہے۔ کیا محلوں کی مسجدوں کے امام صاحبان اور دوسرے اہل درد لوگ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب زندگی سے ایک ورق مستعار لے کر اس المناک سماجی مسئلہ کے حل کے لئے عملی اقدام اٹھانے کا سوچیں گے؟

عن عبد اللہ بن عمر۔ قال: قال رسول اللہ ﷺ: حَلِيبٌ مَرَسَمَةٌ

السَّمْعُ وَالْإِطَاعَةُ

عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ مَا أَحَبَّ وَكَرِهَ كَمَا لَوْ مَرَّ بِمَحْصِنَةٍ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

# جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورٹ

از قلم: قاضی عبدالقادر

۱۷ جنوری (ہفتہ) | یوگورام کے مطابق آج ہمیں آملور، وانم باڑی اور ویلور کے لئے روانہ ہونا تھا۔ جہاں سے کل ہماری دلپی ہے۔ اس وجہ سے احاطہ مسجد والا جاہی کے جلسہ میں آج رات ڈاکٹر صاحب کی تقریر نہیں ہو سکتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کل مولانا سید صبغة اللہ بخاری صاحب سے فرمایا کہ آج کے جلسہ میں وہ تقریر فرمادیں جسے مولانا نے کمال محبت منظور فرمایا۔ ساڑھے نو بجے ہم لوگ کار میں روانہ ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب اور میرے علاوہ تین حضرات اور تھے۔ مولوی عبد الجلیل صاحب اُن کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب اور ندیر احمد صاحب۔

مدراں سے ویلور (جو ضلعی صدر مقام ہے) نوے میل دور ہے۔ جہاں سے آملور کا فاصلہ تیس میل ہے۔ سڑک بہت اچھی ہے اور راستہ کے مناظر نہایت دل فریب۔

راستہ میں ایک جانور کے ریوڑ کے ریوڑ چرتے دیکھے جو بکری اور بھیڑ سے مشابہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اسے یہاں پر ”پوٹلا“ کہتے ہیں اور یہ بکری اور بھیڑ کی CROSS — BREEDING ہے۔ مدراس میں ڈاکٹر صاحب گوشت بہت پسند تھا، وہ اس کی بہت تعریف کرتے تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ گوشت ”پوٹلا“ کا ہوتا تھا جیسا کہ اتنا لذیذ ہوتا تھا۔

والا جاہ پیٹ کے پاس سے گزرے تو پھاڑی سلسلہ شروع ہو گیا۔ ایک



پہاڑی کو دیکھ کر تو ”جبل نور“ کا گمان ہوتا تھا۔ شکل بالکل ویسی ہی تھی۔ والا جاہ پیٹ سے سڑک کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ ایک بنگلور کو جاتی ہے اور دوسری ویلور کو۔ سامنے آندھیرا پردیش کا پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے۔ یہاں پر متعدد ٹیئرز ہیں والا جاہ پیٹ کے بعد ندی کا پل آتا ہے جس کے فوراً بعد ایک وسیع باغ۔ کہتے ہیں کبھی اس باغ میں نولاکھ درخت ہوتے تھے۔ والا جاہ پیٹ کے بعد اُرکاٹ (ARCOT) کا قصبہ آیا۔ تاریخ میں اُرکاٹ کے نواب مشہور رہے ہیں۔ حضرت سلطان ٹیپو شہید کی شہادت کے بعد جنوبی علاقوں کی مستقل غلامی ایک المناک حادثہ ہے۔ اس حادثہ کے بعد میسور کی حکومت کا وسیع علاقہ انگریزی اقتدار کے بل پر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ حکومت نظام اور نوابان اُرکاٹ نے اپنے اقتدار کے تحفظ کا سامان کر لیا۔

کسی زمانہ میں اُرکاٹ شہر میں ۳۶۰ مساجد ہوتی تھیں جو سال کے ایک ایک دن کے حساب سے بنائی گئی تھیں آج ان میں سے اکثر یا تو زمین کے اندر دفن ہو چکی ہیں یا غیروں کے قبضہ میں آکر اُجر چکی ہیں۔

اُرکاٹ کے بعد میل و شارم آیا یہ ایک مشہور قصبہ ہے جو مسلمانوں کی پندرہ ہزار آبادی پر مشتمل ہے۔ جو کل آبادی کا نوے فی صد ہے۔ اس قصبہ میں مسجدیں بہت بڑی تعداد میں ہیں اور بہت اچھی بنی ہوئی ہیں۔ یہاں مسلمانوں کا ایک کالج سی۔ عبدالحکیم کالج کے نام سے ہے۔ اس کے علاوہ مدرسہ منبع الحسنات اور مدرسہ نسواں بھی ہیں۔

میل و شارم سے ویلور تک پہاڑی سلسلہ سڑک کے قریب آ گیا ہے۔ ویلور پہنچ کر گاڑی رُکی اور ہم لوگ ایک قبرستان میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ یہ سلطان ٹیپو شہید کی بیگم کے نہیال کا قبرستان ہے۔ سلطان ٹیپو شہید کا خیال کیا آیا کہ ع ایک تیر میرے سینے میں مارا کہہ ہاتے ہاتے!

ایک پوری تاریخ آنکھوں میں گھوم گئی۔ ”شیر کی ایک لمحہ کی زندگی گیٹر کی سو سال کی زندگی سے بہتر ہے“۔ اور شیر بھی ایسا کہ جس نے انگریزی اقتدار کو ہلا ہلا دیا۔ اگر خود ان کے کلمہ گو سامتی غداری نہ کرتے تو شاید ہندوستان

کالمشہ ہی بچا اور ہوتا - ہائے

تاہاں تھیں جن سے غمکہ جاں کی وسعتیں

پلکوں پہ وہ چراغ سرشام بجھ گئے

آزاد مئی ہند کے مجاہد اول اور نواب حیدر علیؒ کے جاں باز فرزند ارجمند سلطان  
شہیدؒ نے ایک طرف انگریزوں کے بظاہر دشمن مرہٹوں کے خلاف اپنی فوج کو صف آرا  
کیا تو دوسری طرف مسلمانوں کے کھلے دشمن انگریزی فوج کے بڑھتے ہوئے قدموں  
کو روکنے کی بھرپور جدوجہد شروع کی — لیکن — ”اور تلوار ٹوٹ گئی“  
— اور اس کے بعد ہم عرصہ دراز تک غلامی کے شکنجے میں کس لئے گئے مہ

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے

شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد

— اور —

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی

دیوانہ اٹھ گیا آخر کو دیرانے پہ کیا گزری

سلطان شہیدؒ کے جوش و جذبہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے میرے

پاس الفاظ نہیں - بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں مہ

پنا کر دند خوش رسمے بہ خاک و خون غلطیہ ند

خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

قبرستان میں ہم نے سلطان شہیدؒ کی بیگم اور ان کے خاندان کی قبروں

پر فاتحہ پڑھی - سلطان شہیدؒ کی بیگم کے مزار پر یہ اشعار کندہ تھے -

ز دنیا زوجہ سلطان والا چو بر تخت ارم شد مسند آرا

سروشم گفت سال نہضت او رواں شد بادشہ بیگم جناں را

بیگم حیدر علیؒ کے مزار پر یہ اشعار لکھے تھے :- ۱۲۵۰ھ

چوں ز دنیا بخشی بیگم بہت جنت شد وداع

بہر تارخیں او ہاتف بگفت از درد - آہ

سال گیند زیب غمرا سال رحلت این بگو

زیب جنت زوجہ حیدر ام سلطان پادشاہ

قبرستان کے اندر ایک باڈلی بھی تھی جیسے یہاں کی زبان میں گنٹا کہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ قبرستان اور باڈلی کی حالت بہت خستہ ہو گئی تھی۔ اب اس کی طرف توجہ دی گئی ہے۔ اس کی دیکھ بھال کے لیے ایک کمیٹی قائم ہے جس کے چیئرمین ہمارے مولوی عبد الجلیل صاحب ہیں۔ چنانچہ چیئرمین مولوی عبد الجلیل صاحب نے ہمیں درختوں کے نیچے ایک کھلی جگہ پر بنچوں پر بٹھایا۔ یہاں پر پیتے کے بہت درخت ہیں۔ تھوڑی دیر میں ہمارے سامنے بہت سے پیٹے آگئے۔ جو نہایت ہی شیریں تھے۔ کراچی میں پیٹے کھاتے ہیں لیکن ایسے شیریں پیٹے ہم نے پہلے کبھی نہیں کھائے۔ جی بھر کر کھائے۔ میرا تو الحمد للہ معاملہ ٹھیک رہا لیکن ڈاکٹر صاحب کے پیٹ میں بعد میں اس سے تکلیف ہو گئی۔ اس لئے کہ پیتا کچھ نہ کچھ کھانے کے بعد کھانا چاہیے اور یہاں ان کا پیٹ تقریباً خالی تھا۔ پیٹے کھانے کے بعد جب ہم وہاں سے رخصت ہونے لگے تو ڈاکٹر صاحب نے اس بات کا اطمینان کر لیا کہ کہ باغ کے کارکن کو پیٹے کے پیسے دیدئے گئے ہیں۔

قبرستان سے رخصت ہوتے وقت سرنگا پٹم بہت یاد آ رہا تھا۔ کاش کہ وہاں پہنچ باڈوں اور سلطان شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھ سکوں لیکن ویزا کی پابندیء حامل تھیں۔ آنکھیں اشکبار تھیں اور بار بار یہ اشعار ذہن میں چکر لگا رہے تھے جیسے سلطان شہید کی روح اپنے بیٹے کو نہیں مجھے وصیت کر رہی ہو اُنکے سر اس فرزند کو کہ جس کے جسم میں گرم گرم خون ہے اور جس کے دل میں صداقت کیلئے مرنے کی تڑپ ہے، وصیت کر رہی ہو۔

تو رہ نور و شوق ہے منزل نہ کر قبول  
لیل بھی ہم نشیں ہو تو عمل نہ کر قبول  
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز  
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول  
کھویا نہ جا مسم کدہ کائنات میں  
محصل گدازہ گرمی محصل نہ کر قبول

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جس سیریل نے  
جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول  
باطل دونی پسند ہے حق لاشریک ہے  
شرکت میاں حق و باطل نہ کر قبول

قبرستان سے تھوڑا آگے بڑھ کر کرسچن میڈیکل کالج ہسپتال (C.M.C. HOSPITAL) کی عظیم عمارت ہے۔ معلوم ہوا کہ جنوبی ہند کا یہ سب سے بڑا ہسپتال ہے۔

ہمارے ویزا میں آمبور کا مقام درج تھا لیکن چونکہ ضلعی مقام ویلور ہے اس لئے ہمیں یہیں پر C.I.D آفس میں اپنی آمد درج کرانی تھی۔ آفس کا پتہ معلوم کیا تو کسی نے بتایا کہ قلعہ کے اندر ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا پیمانہ قلعہ ہے۔ جس کے چاروں طرف گہری کھائی ہے۔ ہم قلعہ کے اندر آفس گئے۔ وہاں سے پتہ چلا کہ پاکستانیوں کی آمد کا اندراج ایک دوسرے دفتر میں ہوتا ہے۔ وہاں پہنچے۔ تو متعلقہ کارکن نے کہا کہ اندراج یہاں پر نہیں بلکہ آمبور میں ہوگا۔ مجھے شمالی ہند کا تجربہ تھا کہ اندراج ہمیشہ ضلعی صدر مقام میں ہوا کرتا ہے متعلقہ کارکن کو بتایا بھی لیکن وہ کسی طرح ماننے کو تیار نہ تھا۔ اُس سے کہا اپنے افسر سے معلوم کر لو لیکن وہاں سے بھی یہی جواب تھا۔ مجبوراً ہم وہاں سے آمبور کے لئے روانہ ہو گئے۔

انیکا عبد الشکور مرحوم مدراس کی ایک مشہور شخصیت تھے چمڑے کے چند بڑے تاجروں میں سے ایک تھے۔ خدمتِ خلق اور دینی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ ابھی پچھلے سال ہی اُن کا انتقال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی نیکیوں کو قبول فرمائے۔ اُن کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علین میں جگہ دے۔ آمین۔ اُن کی کئی مقامات پر میزیاں ہیں۔ ایک ٹینری ویلور میں بھی ہے۔ وہاں ہم تھوڑی دیر ٹھہرے۔ چائے وغیرہ سے ہماری تواضع کی گئی۔ ویلور سے آمبور تک کے تیس میل کے علاقے میں پہاڑی سلسلہ جاری تھا۔ بقول ڈاکٹر صاحب یہ علاقہ اٹک سے اکوڑہ خشک تک کے درمیانی علاقہ سے بہت مشابہ تھا۔

اب ہماری کار آمبور کے فواح میں داخل ہو چکی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔  
 یہاں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم مشرقی پاکستان کے کسی قصبہ میں داخل ہوئے ہوں۔  
 انیکار عبدالشکور مرحوم کی شاندار وسیع و عریض کوٹھی (بلکہ اسے محل کہا جاتے تو  
 مبالغہ نہ ہوگا) میں ہمارے قیام کا انتظام تھا۔ جس بڑے کمرے میں ہم ٹھہراتے گئے  
 وہ مہمان خانہ کا وہ حصہ تھا جہاں اکثر علماء دیوبند آکر ٹھہرتے ہیں۔  
 آمبور کی آبادی تقریباً ستر ہزار ہے۔ جو نصف مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ بڑی  
 بڑی صاف ستھری مساجد بنی ہوئی ہیں۔

مقوڑا سا آرام کر کے ہم لوگ سب سے پہلے انیکار عبدالشکور مرحوم کے قائم  
 کردہ اسکول کا معائنہ کرنے گئے۔ بہت وسیع رقبہ میں یہ اسکول قائم ہے۔ ہمیں  
 اسکول کے بہت سے حصوں کا معائنہ کرایا گیا۔ ڈاکٹر صاحب اس کے حسن انتظام  
 سے بہت متاثر تھے۔ مرحوم کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔

قیام گاہ کے قریب کی مسجد میں بعد نماز مغرب ڈاکٹر صاحب کی تقریر رکھی  
 گئی تھی۔ یہ خوبصورت مسجد محمد پورہ کہلاتی ہے۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کی تعمیر  
 کردہ تھی۔ ہال دلالان اور سخن لوگوں سے پڑھنے اور بہت سے لوگ باہر کھڑے ہوئے  
 تھے ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا موضوع تھا ”نبی اکرمؐ کا مقصد بعثت“ لوگوں نے  
 نہایت صبر و سکون سے تقریر سماعت فرمائی۔

تقریر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرا اس وقت کا خطاب نبی اکرمؐ  
 کے مقصد بعثت پر مشتمل تھا۔ لیکن بات ابھی پوری نہیں ہوئی میں یہ بھی بیان کرنا  
 چاہتا تھا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نبی اکرمؐ نے طریق کار کیا اختیار فرمایا۔  
 اب چونکہ وقت نہیں ہے اس لئے اسے ان شاء اللہ صبح فجر کی نماز کے بعد

بیان کیا جائے گا تاکہ گفتگو کا حق کسی حد تک ادا ہو سکے۔ چنانچہ وہیں پر مشورہ  
 کے بعد یہ اعلان کیا گیا کہ فجر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب کی تقریر چھوٹی مسجد میں  
 ہوگی (جو یہاں سے کچھ فاصلہ پر ہے) تاکہ وہاں کے لوگ بھی ڈاکٹر صاحب کی  
 تقریر سے مستفید ہو سکیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کی وجہ سے نماز عشاء تاخیر  
 سے پڑھی گئی۔

نمازِ عشاء کے بعد ہم قیام گاہ پر واپس آئے۔ پُر تکلف و ستر خوان ہمارا منتظر تھا۔ وستر خوان پر بہت سے لوگ شریک تھے۔ میرے ذہن میں یہ مصرع گردش کر رہا تھا۔ ایک بندۂ عامی کی اود اتنی مداراتیں

کھانے کے بعد لوگ — دیر تک ڈاکٹر صاحب سے مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ مختلف حضرات کو ڈاکٹر صاحب کی کتب کے سیٹ دیئے۔ کچھ حضرات ’میشاق‘ کے خریدار بنے۔ انیکار عبدالشکور مرحوم کے نوجوان صاحبزادے عزیزم شفیق احمد سلمہ نے خاطر مدارات میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ یہ بہت ہی صالح نوجوان ہے۔

مرحوم کے دونوں داماد اکبر صاحب اور ذکریا صاحب بھی موجود تھے ہونٹا مدارات میں بڑھ چڑھ کر جمعہ لے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آئین ابرار کے غفل بر غاست ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب مسہری پر سوئے۔ میرے لئے بھی مسہری کا انتظام کیا جا رہا تھا۔ لیکن میں نے منع کر دیا اور نیچے قالین پر سو یا۔ ہم دن بھر کے تھکے ہوئے تھے، کھانا لہذا نہ تھا اور خوب کھایا تھا اس لئے جلد ہی نیند نے آیا۔ نیند کے جلد آ جانے کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے خراٹے سننے کی سعادت سے بھی محروم رہا۔

مولوی عبدالجلیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب رات ہی کو اپنے گھر وائٹ باڑی چلے گئے تھے جو یہاں سے دس بارہ میل دور ہے۔ فجر کی اذان کا وقت ابھی نہیں ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں سمجھا کہ میزبانوں میں سے کوئی ہے۔ دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس وقت مولوی عبدالجلیل صاحب ”نازل“ ہو گئے۔ پوچھا! مولانا رات یہیں کہیں تھے۔ کہنے لگے! نہیں — اپنے گھر وائٹ باڑی گیا تھا اور ابھی وہیں سے چلا آ رہا ہوں۔ یعنی آٹھ دس میل جانا اور پھر اتنے تڑپ کے واپس آ جانا۔ مولانا سے چونکہ بے تکلفی ہو گئی تھی۔ میں نے کہا! مولانا آپ آدمی ہیں یا جن۔ اس جملہ پر ڈاکٹر صاحب کی بھی آنکھ کھل گئی اور وہ یکدم اٹھ بیٹھے جیسے واقعی کوئی جن گھس آیا ہو۔

فجر کی نماز چھوٹی مسجد میں پڑھی۔ فاصلہ اتنا تھا کہ کار میں طے کرنا پڑا۔ نماز

کے بعد حسب اعلان ڈاکٹر صاحب کی تقریر نبی اکرمؐ کا طریق کار کے موضوع پر ہوئی۔ اس مسجد میں نئے لوگوں کے علاوہ بہت سے وہ لوگ بھی تھے جو ذات کی محدود پورہ کی مسجد کی تقریر میں حاضر تھے اور یہاں پر صبح خامی دور دور سے آتے تھے۔

تقریر کے بعد قبرستان گئے اور انیکار عبدالشکور مرحوم کی قبر پر فاتحہ پڑھی۔ وہاں سے نذیر احمد صاحب کے گھر پر چلے پی۔ اُن کے بھائی بشیر احمد اور صاحبزادے نیاز احمد بھی موجود تھے۔ اس چلے (جس کے ساتھ بھی بہت کچھ تھا) کی حیثیت "نزل" کی تھی کیونکہ ہمیں پروگرام کے مطابق ناشتہ دائم باڑی جا کر کرنا تھا۔

ایک بات بتانا بھول گیا۔ کل جب ہم لوگ آمبور پہنچے تو اپنے پاسپورٹ اور دینا ایک صاحب کو دیکر C-I.D آفس بھیجا۔ وہاں متعلقہ کارکن سے جب ملے تو اُس نے کہا کہ اس کا اندراج ضلعی صدر مقام دیلور میں ہوگا۔ اب اُس سے کہا گیا کہ وہاں تو ہم ہو آئے ہیں اُن کا کہنا ہے کہ نہیں، آمبور میں اندراج ہوگا لیکن یہاں کا متعلقہ کارکن کسی صورت میں ماننے کو تیار نہیں تھا۔ اُس سے کہا گیا کہ تم اس بات کو لکھ کر دیدو تاکہ ہم دیلور میں بنا سکیں لیکن وہ لکھنے پر بھی تیار نہیں تھا۔ یہ صورتحال جب ہمیں بتائی گئی تو تعجب بھی ہوا اور افسوس بھی۔ تعجب اس بات پر کہ C-I.D کے دفتر کے متعلقہ حضرات طریق کار سے صحیح واقفیت تک نہیں رکھتے اور ہمیں بلاوجہ پریشان کر رہے ہیں۔ اور افسوس اس بات کا کہ ہم اس ملک میں مہمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ C-I.D آفس کے پکڑے اس طرح لگانے پڑ رہے ہیں کہ آمد بھی لکھا اور اخراج بھی جیسے ہم کوئی بستہ الف کے مجرم ہوں۔ اب صورت یہ تھی کہ ہم دوبارہ دیلور جائیں جو یہاں سے تیس میل دور ہے اب اگر وہاں کا متعلقہ کارکن پھر اپنی بات پر اڑا رہا جس کا بہر حال پورا امکان تھا تو ہم کیا کریں گے۔ اور بغیر اندراج کرائے ہم ان علاقوں سے واپس بھی نہیں جاسکتے تھے۔ عجیب سی پریشانی تھی۔ کیا چکنی کے ان دو پاٹوں کے درمیان پشنا ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ ہمارے میزبان بھی اس صورت حال سے کچھ پریشان سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی طرف دیکھتا تھا تو وہ ایسے مطمئن تھے جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ ہو قیام گاہ سے سامان سمیٹ کر اور میزبانوں سے رخصت ہو کر ہم لوگ اٹھ بیچے دائم باڑی کے لئے روانہ ہو گئے۔

تھوڑی سی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ پلن حاجی خلیل الرحمن صاحب کے مکان پر ناشتہ ہمارا منظر تھا۔ قصبہ کے تمام سربراہ اور وہ حضرات وہاں جمع تھے ناشتہ اور اُس کے بعد مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلہ خیالات ہوا۔

ناشتہ میں ایک صاحب سامنے بیٹھے تھے بالکل ہمارے بھائی عبدالخالق صاحب کی صورت۔ میں نے اُسے سے ڈاکٹر صاحب کے کہا کہ بھائی عبدالخالق بیٹھے ہیں۔ فرمانے لگے کہ ہر؟ میں نے اشارہ کیا تو ہلکے سے مسکرا دیئے۔ پاکستان واپس آکر جب میں نے بھائی عبدالخالق سے اس کا تذکرہ کیا تو بہر ملا کہنے لگے کہ ہاں واقعی میں نے اپنی رُوح کو وہاں ناشتہ کرنے بھیجا ہوا تھا۔

ناشتہ پر ایک مولوی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے جماعت اسلامی کے موضوع پر گفتگو چھیڑ دی۔ وہ جماعت کے شدید مخالفین میں سے تھے۔ ڈاکٹر صاحب سے جماعت سے استعفیٰ کی وجہ معصوم کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مختصراً اس کی وجہ جماعت کی عجلت پسندی اور جلد بازی کو قرار دیا۔ اُس کے بعد اُن صاحب نے ”جلدی“ اور ”جلد بازی“ کے الفاظ پر بحث چھیڑ دی۔ ڈاکٹر صاحب نے ان الفاظ کا فرق بیان فرمایا۔ اس سلسلہ میں حضرت یونسؑ کی مثال بھی بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم آئے بغیر انہوں نے جلد بازی سے کام لیا اور اپنی اُمت کو چھوڑ کر چلے گئے جس کا خمیازہ انہیں بعد میں بھگتنا پڑا۔

دائم باڑی کی آبادی تقریباً ساٹھ ہزار ہے جس میں مسلمان لگ بھگ چالیس ہزار ہیں۔ محلہ واری تنظیم کے ساتھ یہاں پر اکیس مساجد ہیں۔ یہ بڑا مرمو خیز قصبہ ہے۔ اور اسے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ انگریزی اقتدار کے خلاف ملک کے جس خطہ سے بھی تحریک نمایاں ہوئی تو اس شہر نے مکمل طور پر اس کا ساتھ دیا اور اپنے ایشیادو عالی ظرفی کا ثبوت پیش کیا۔

ناشتہ اور تبادلہ خیالات سے فارغ ہو کر ڈاکٹر صاحب مدرسہ نسواں کے معائنہ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ بہت بڑا مدرسہ ہے جس میں تقریباً نو سو لڑکیاں تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ اسے انجمن خیر خواہ عام چلاتی ہے جو سلسلہ میں قائم ہوئی تھی۔ مولوی خطیب محمد عبید اللہ صاحب کی تحریک پر مدرسہ نسواں کا



قیام سالہ میں عمل میں آیا۔ اور مولانا عبدالمجید خاں پٹنوروی خلیفہ مجاز حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی محنت شاقہ سے پروان چڑھا۔

مدرسہ کے ساتھ ایک وسیع دارالافتاء بھی ہے۔ یہاں پر پردہ اور شارع اسلام کی سخت پابندی کرائی جاتی ہے۔ آج کل مدرسہ کے ناظم مولانا الحاج ٹی۔ عبدالرحمن صاحب باقوی ہیں۔ محترمہ آمنہ حاجی محمد ابراہیم مدرسہ کی جنرل سیکرٹری ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے مدرسہ کی لائبریری اور دیگر شعبہ جات کا معائنہ فرمایا۔ ناظم مدرسہ نے ہمیں ایک کمرہ میں بٹھا دیا۔ برابر کے کمرہ سے پردہ میں طالبات نے اردو، عربی اور انگریزی میں تقاریر کیں۔ جس سے ہم لوگ بہت متاثر ہوئے۔ اس مدرسہ کی شہرت دور دور ہے اور یہاں کی فارغ شدہ طالبات نے جنوبی ہند کے دیگر مقامات پر اسی طرز پر لڑکیوں کے مدرسے کھول لئے ہیں جہاں پر دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں۔ مدرسہ کے رجسٹر میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے تاثرات تحریر فرمائے۔ اس مدرسہ میں ملک کے متعدد اکابر علماء کرام اور رہنمایانِ ملت کی تشریف آوری ہو چکی ہے۔ مثلاً حضرت بی امّاں صاحبہ مرحومہ والدہ ماجدہ علی برادران

مولانا شوکت علی مرحوم، مولانا ظفر علی خاں مرحوم، مولانا حسرت موہانی مرحوم مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم مولانا سید داؤد غزنوی، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا آزاد سجانی، نواب بہادر یارنگ مرحوم، مولانا عبدالحی فاروقی مرحوم، مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا احتشام الحق نقانوی، مولانا سید اسعد مدنی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب وغیرہ۔ ان سب حضرات نے مدرسہ کے معائنہ کے بعد رجسٹر پر اپنے تاثرات درج فرمائے تھے۔ مدرسہ کے معائنہ کے ڈاکٹر صاحب نے یہاں مختصر خطاب فرمایا اور طالبات کو مفید نصیحتیں کیں۔

یہاں سے فارغ ہو کر ہم لوگ مدرسہ معدن العلوم گئے۔ یہ پچانوہ سال پرانا مدرسہ ہے۔ خاصی بڑی عمارت ہے۔ ایک ہی شخصیت یعنی حاجی عبدالرحیم صاحب مرحوم کی امداد سے قائم ہوا۔ اور وہی اسے بہت عرصہ تک تنہا چلاتے رہے۔ اس وقت یہ ایک ٹرسٹ کے زیر انتظام ہے اور اس کے ناظر مولوی

ولی اللہ صاحب ہیں۔ ایک سو کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں۔ مولانا رشید احمد گلگویی شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے فیض یافتہ استاذہ اس میں کام کر چکے ہیں۔

ہم جب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر باقاعدہ جلسہ کا انتظام تھا۔ طلباء و استاذہ ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان حضرات نے پردگام تو بہت بڑا بنایا تھا لیکن چونکہ وہیں سی۔ آئی۔ ڈی آفس بند ہونے یعنی ایک بجے سے قبل ویلور پہنچنا تھا اس لئے ریگرم کو مختصر کرنا پڑا۔ خیر مقدمی کلمات اور نعت وغیرہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نصف غنڈہ کی مختصر تقریر فرمائی جس میں ان آیات کا مختصر بیان کیا جو ابتدائی چار وحی عام پر کہی جاتی ہیں۔ یہ بیان عام فہم انداز میں کیا گیا تاکہ طلباء سمجھ سکیں۔

ڈاکٹر صاحب کی تقریر شروع ہونے کے بعد میں نے طبیعت مضطرب سی محسوس کی اور باہر آکر کار کا دروازہ کھول کر ہوا میں بیٹھ گیا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک مونچھوں والے صاحب میرے پاس آکر رکے اور سرگوشی کے سے انداز میں مجھ سے پوچھا کہ یہ کون صاحب تقریر کر رہے ہیں۔

— میں نے ڈاکٹر صاحب کا نام بتایا۔ اُس کا انداز ایسا تھا جیسے کہ یہ بات اُسے معلوم ہو صرف تصدیق کرنا چاہتا ہو۔ مجھے کچھ شبہ سا ہوا یہ بات کر کے وہ شخص ایک طرف جا کر کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک اور صاحب میرے پاس آئے۔ کہنے لگے جانتے ہو یہ شخص کون تھا؟ میں نے کہا نہیں کہنے لگے C.I.D کا آدمی ہے۔ جو یہاں پر ڈاکٹر صاحب کی تقریر نوٹ کرنے — آیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جیسے ہی ہم ویلو سے چلے ہیں۔ C.I.D سائے کی طرح ہمارا پیچھا کرتی رہی ہے۔ مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں کچھ ”ہو نہ جائے۔ اس کی دو وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ وائٹ ڈارٹی ہمارے دیر میں شامل نہیں تھا۔ اور آئے بھی خاموشی سے نہیں بباگ دھل تھے۔ اور دوسرے یہ کہ ہندوستان یا پاکستان میں دوسرے ملک سے آنے والے شہری کو اگر کہیں تقریر کرنی ہو تو اس ملک کی مرکزی حکومت سے اس کی اجازت لینا پڑتی ہے۔ اس کے بغیر خطا کرنا جرم ہے۔ اور یہاں وائٹ ڈارٹی میں یہ دونوں کام ”دھڑتے“ سے ہو رہے تھے۔ اب مجھے خدشہ ہو تو کیوں نہ ہوا۔ بہر حال اللہ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے پہنچے۔

مدرسہ معدن العلوم کے ایک استاد جناب نازش عیدر آبادی کی مدد اس میں  
 ڈاکٹر صاحب کے ملاقات ہو چکی تھی۔ یہاں مدرسہ میں پھر ملاقات ہوئی۔ اچھے شاعر  
 ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر سے قبل موصوف نے ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری  
 پر اپنا تحریر کردہ نغمہ ”ترجیب“ ترنم سے پڑھ کر سنا یا جس نے جلسہ میں سماں باندھ  
 دیا۔ ڈاکٹر صاحب کی قصیدہ خوانی یا ان کے لئے نغمہ ”ترجیب“ کو ہم اچھا نہیں سمجھتے اور  
 قارئین میثاق، جانتے ہیں کہ ایسی چیزوں کو ہم نے کسی ”میثاق“ میں جگہ نہیں دی۔  
 لیکن اب جبکہ یہ رپورٹاژ تحریر کیا جا رہا ہے اور واقعات نگاری کی جارہی ہے اور  
 چیزوں کو اس طرح پیش کیا جا رہا ہے جیسی کہ وہ حقیقتوں کا مناسب نہ ہو گا کہ اس کو  
 بھی من و عن شائع کر دیا جائے۔ چلے یہ مکروہ کے درجہ ہی میں کیوں نہ ہو۔  
 تو بچے میرے پیارے قارئین کرام! نغمہ ”ترجیب“ پیش خدمت ہے۔  
 باسمہ تعالیٰ

### ”نغمہ ”ترجیب“

بوقوعہ درو و مسعود عالی جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دامت برکاتہم

”ناظم ادارہ خدام القرآن“ لاہور۔ (پاکستان)

بہ معدن العلوم۔ وائٹ ہاؤس۔ ۱۸ جنوری ۱۹۸۱ء

از: نازش عیدر آبادی

(استاذ معدن العلوم۔ وائٹ ہاؤس)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب والاصفات

آج میں مہمان معدن ہے حسرت کی یہ بات

آج ایک صنیف معذرت آئے از فضل الہ

خیر مقدم کے لئے ہیں دیدہ و دل مندرش راہ

آپ کا آنا ہمیں ہے وجہ ناز و افتخار

ارحمن معدن آپ کے آنے سے ہے باغ و بہار

نغمہ ”ترجیب“ گاتے ہیں گل و غنچہ سبھی

آپ کے کلمات سے باطن نے پائی روشنی

آج دل رطب اللسان ہے آپ ہی کی شان میں

آپ پاکستان کے مہمان ہیں ہندوستان میں

گوش برآواز ہیں سب عند لیبان چمن  
کچھ ہمیں بھی ہوں عطا، وز مدن، لعل مین

نازش حیدر آبادی، ۱۸ جنوری، دانم باڑی

دانم باڑی سے ہم واپس ویلور آئے اور سب سے پہلے پی۔ عبد الشکور صاحب مرحوم کی ٹینری میں گئے۔ سب سے پہلا مسئلہ سی۔ آئی۔ ڈی۔ آفس جاکر اپنی آمد اور پھر دانگی درج کرانا تھی اور یہ مسئلہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ہمارے لئے واقعی ایک ”مسئلہ“ بن گیا تھا۔ ہمارے میزبانوں کو اس کا احساس تھا اس لئے انہوں نے آمبور سے یہاں ویلور میں ٹینری فون کر کے ایک ایسے صاحب کا انتظام کروایا تھا جن کے سی۔ آئی۔ ڈی۔ آفس میں تعلقات ہیں۔ چنانچہ جب ہم ٹینری پہنچے تو تقریباً ہی دیر میں ہمارے ان محسن کو بلایا گیا ان کا نام شریف صاحب تھا اور وہ نام کے ہی نہیں کام کے بھی شریف تھے۔ یعنی لفظاً و معناً دونوں طرح سے۔ ہمارے کراچی والوں کی طرح نہیں جہاں ہر طرف ”شرفا رہی شرفا“ نظر آتے ہیں۔ اور خصوصاً وہ شخص تو شریف ہونے کا سب سے زیادہ مدعی ہوتا ہے جس کے گھر میں شریفی کا درخت ہو اور یوں بھی بہت سے لوگوں نے محض شریف بننے کے لئے بلکہ کہلانے کے لئے اپنے گھروں میں شریفی کے پیڑ لگا رکھے ہیں۔

یہ سی۔ آئی۔ ڈی۔ والے بھی خوب ہوتے ہیں۔ ہم جب جمعیت طلبہ میں تھے تو ایک صاحب ہماری ”نگرانی“ پر مامور تھے۔ چنانچہ گجرات کے ”مام دنیا“ کی طرح اُن کا نام ہم نے چودھری امام دین (C.I.D) رکھا ہوا تھا۔ یوں تو کسی کا غلط نام رکھنا — شرفاً منع ہے لیکن اُس وقت نوجوانی کا درد تھا اور ہم یہ سوچتے تھے کہ جب وہ صاحب ہماری خفیہ نگرانی کر رہے ہیں اور سایہ کی طرح پیچھے لگے رہتے ہیں تو ہم بھی اُن کا نام کچھ ایسا رکھیں جو ہم ہی تک محدود رہے۔ اس ضرورت کا فائدہ اٹھا کر نام ”چودھری امام دین“ رکھا گیا کیونکہ اس کے INITIAL بھی C.I.D. ہوتے ہیں۔ یہی نام بگڑتے بگڑتے ”مام دنیا“ بن کر رہ گیا اور وہ صاحب جب آتے تھے تو کھسر کھسر شروع ہو جاتی تھی کہ ”لو مام دنیا آگیا“

شریف صاحب کے ساتھ ہم C.I.D آفس روانہ ہو گئے۔ واپسی کے سفر میں مولوی عبد الجلیل صاحب اور مولوی عبد الباقی صاحب ساتھ تھے C.I.D آفس والے

جس طرح ہمیں پریشان کر رہے تھے۔ مجھے ڈر تھا کہ ہمارے مولوی عبدالمجید صاحب کہیں اپنے ”جلال“ میں نہ آجائیں اور ہاں کھری کھری نہ سنا دیں۔ اُن کا تو شاید کچھ زیادہ نہ بگڑنا کہ وہ تو وہیں کے تھے۔ اچھی خامی ”کرکری“ ہماری ہو جاتی۔ لیکن خدا کا شکر کہ وہ خاموش ہی رہے۔

ہم جب ۱۰۔۱۔۵۷ آفس متعلقہ کارکن کے پاس پہنچے تو اُس نے پھر وہی باتیں دہرائی شروع کر دیں جو اس سے قبل یعنی کل کہہ چکا تھا وہ بعد تھا کہ اندراج یہاں پر نہیں آئیں اور میں ہو گا اُسے کہا بھی گیا آئیں اور والے کہتے ہیں اندراج ویلور — میں ہو گا مگر وہ ملنے کو تیار نہ تھا۔ ہم کیا ہو گئے فٹ بال ہو گئے ادھر سے کلک مارا ادھر جا پڑے۔ ادھر سے کلک مارا ادھر آ گئے ایک غیر ملکی تو ہمان کا درجہ رکھتا ہے لیکن یہاں پر اُس کا یہ ”اکرام“ ہو رہا تھا۔ اللہ اکبر! کہ یہ لوٹنے کی بجائے ہے! اچھا ہوا کہ شریف صاحب ساتھ تھے۔ انہوں نے بہت دیر تک اُس شخص کو سمجھایا جب جا کر اُس کا دل پیسا۔ اور وہ خدا کا کر کے اندراج کرنے پر آمادہ ہوا۔ لیکن پھر اُس نے پاسپورٹ میں اعتراض نکالنے شروع کر دیئے۔ وہ جو کہتے ہیں گٹھ پوری سے جاتے ہیں پھیری سے نہ جاتے۔ پاسپورٹ پر شخص متعلقہ کے فوٹو اور دستخط موجود ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر اُسکی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ آدمی بہت تیز تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے پاسپورٹ میں بائیں جانب تل تحریر تھا ڈاکٹر صاحب کے لئے لگا تل دکھائیے۔ اتفاق سے تل دائیں جانب تھا اور پاسپورٹ میں بائیں جانب لکھا تھا اب اسے اعتراض کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اُس سے کہا گیا کہ تصویر صحیح ہے تصدیق کر لو۔ دستخط بھی کرا کے دیکھ لو۔ پاسپورٹ بنواتے وقت غلطی ہو گئی تھی لیکن وہ اس سے مس نہ ہوتا تھا۔ میں دل ہی دل میں ڈر رہا تھا کہ میرے پاسپورٹ میں دائیں جانب ہاتھ پر تل درج ہے جب کہ در اہل وہ بائیں جانب ہاتھ پر ہے۔ براہ کرم آپ یہ نہ سمجھیں کہ ڈاکٹر صاحب کا دائیں جانب کا تل دوران سفر اڑ کر میرے بائیں جانب آ گیا ہو۔ اور میرا دائیں جانب ہاتھ اڑ کر اُن کے بائیں جانب چلا گیا ہو۔ عا شا وکلا — ایسا نہیں ہوا —! اب اگر اُس نے چیک کر لیا تو ایک اعتراض اور ہاتھ اُچاتے گا۔ نہ ملنے وہ کون سی ”شبھ“ دیکھ لے گی گھڑی تھی کہ پر ماتما کو ہماری حالت پر رحم آ ہی گیا اور — اُس نے ہمارا کام کر کے ہمیں فارغ کر دیا — اللہ کا شکر

ادا کیا! شریف صاحب کا بھی شکریہ ادا کر کے انہیں رخصت کیا — ہمارا خیال یہ ہے کہ متعلقہ کلرک کا سارا کھیل صرف مٹھی گرم کرنے کے لئے تھا جو ظاہر ہم نہیں کر سکتے تھے اور اسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ یہ لوہے کے ایسے چنے ہیں جن سے دانت تو ٹوٹ سکتے ہیں انہیں چبایا نہیں جاسکتا۔

یہاں سے ہماری گاڑی مدرسہ لطیفہ جا کر رکی۔ جو مکان حضرت قطب دہلوی میں واقع ہے۔ یہ جنوبی ہند کا سب سے پرانا یعنی تین سو سال پرانا دارالعلوم ہے سرکاری یا پبلک امداد کے بغیر خالق ہی انداز میں چلایا جا رہا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے خطہ جنوبی ہند میں کفر و شرک کی تند و تیز آندھیاں چل رہی تھیں۔ ایسی مہلک اور غیر ایمانی فضا میں خانوادہ اقطاب دہلوی کے پہلے بزرگ حضرت سید شاہ عبداللطیف قادری بیجا پوری دہلوی میں فروکش ہوئے اور خواب میں حضور اکرم نے انہیں ہدایت فرمائی کہ خالق کی خدمت کے لئے تمہیں یہیں رہنا ہے۔ اس مرد صالح نے علم دین کی ایسی شمع بجلائی جس کی روشنی آج بھی جو یانِ حق کیلئے مشعلِ راہ ہے۔ آپ کی اولاد و امجاد نے اپنے اپنے دور میں کتاب و حکمت کی تعلیم اور تزکیہ و تطہیر کے عظیم فرض کی ادائیگی کے لئے اپنی زندگیاں کو وقف کر دیا جن کی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ جنوبی ہند میں ایمان کی خوشبو ہر سو بکھر گئی۔ زبدۃ العارفین حاجی الحرمین حضرت مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری المعروف بہ قطب دہلوی قدس سرہ نے کتابِ سنت کی تبلیغ کے ساتھ وسیع پیمانہ پر تزکیہ نفس کا عظیم کام بھی انجام دیا اور تقریباً سات لاکھ لوگوں نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ آپ اور آپ کے خلفاء کا تجدیدی کارنامہ جنوبی ہند کی دینی و ملی خدمات کا ایک زریں باب ہے ان اکابر نے احسان و تصوف کی راہ سے بھی اور علوم ظاہریہ شرعیہ کے اسوں پر بھی مسلمانوں کی اصلاح کا کام انجام دیا۔ آج سے تین صدی قبل اس مرد صالح یعنی حضرت قطب دہلوی نے دارالعلوم لطیفہ قائم فرمایا جس کا چشمہ فیضان آج بھی بہہ رہا ہے اور موجودہ مرتبانِ کرام کی عرق ریزی و جانفشانی کی بدولت روز افزوں ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔

حضرت قطب دہلوی قدس سرہ کی فکر کیا تھی وہ کس طرز پر سوچتے تھے اس

کا اندازہ اس مکتوب کے لگایا جاسکتا ہے جو ہم ذیل میں درج کر رہے ہیں۔ یہ مکتوب ہے جس میں انگریزوں کی حکومت کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاسکتا تھا اور ہندوستان گیر پیمانہ پر ان کے خلاف مہم چلائی جا رہی تھی۔ شمالی ہند میں مولانا شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی نے انگریز حکومت کے خلاف جہاد کا نعرہ بلند کیا تھا۔ حضرت قطب دیلور کی شخصیت کا اثر خط جنوب میں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں علماء و مشائخ آپ کی ذات گرامی سے منسلک اور وابستہ تھے۔ انگریزوں کے خلاف جب جہاد کی ترغیب و تحریص کی فضا ہر طرف پھیلنے لگی تو جنوب میں خواص و عوام کی نظریں آپ کی طرف مرکوز ہو گئیں۔ چنانچہ یہ مکتوب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں فوج کے ایک ذمہ دار فرد محمد ابراہیم منشی پلٹن نے آپ سے استفسار کیا کہ ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں آپ نے یہ خط فارسی زبان میں ارسال فرمایا۔

اس مکتوب میں حضرت قطب دیلور نے دو مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک مسئلہ یہ کہ ہندوستان دارالعرب ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں آپ نے شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی کے موقف و مسلک کی تائید فرمائی ہے اور دوسرا مسئلہ یہ کہ دارالحرب میں سود خوری جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں آپ نے مکتوب الیہ کو سمجھایا ہے کہ کسی مجتہد اور امام کا قیاس خطا پر بھی مبنی ہو، جب بھی اس پر عمل کرنا اگرچہ اس کو دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا تاہم فتویٰ ایک چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے لہذا اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ یہ مکتوب جو دراصل فارسی میں ہے اس کا اردو ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔ مکتوب کچھ طویل ضرور ہے لیکن ہمیں اُمید ہے کہ آپ اس کی طوالت کو نظر انداز کر کے اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔

”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“

حمد صلوة اور سلام و عبادوں کے بعد واضح ہو کہ گرامی کا الفت نامہ ۲۳ جمادی الآخر ۱۲۶۵ھ کو موصول ہوا۔ آپ کی اور دوسرے دوست احباب کی فریت اور سو دودیکر مسائل و مضامین سے متعلق آگاہی حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ تمہارے علم اور عمل کے درجات میں اضافہ فرمائے اور تمہیں سارے

مشتبہات و مکروہات اور دارین کی بلاؤں سے اپنی امان میں رکھ کر نجات عطا کرے۔  
 فقیر ایک مدت سے کتب فقہ کے مطالعہ سے محروم ہے، اور دل بھی مائل نہیں  
 ہے۔ کیا کہا جائے زندگی ایسے ہی بسر ہو رہی ہے۔ جیسی ہماری پرورش ہوئی ویسی ہی  
 ہماری روش ہے۔ علاوہ ازیں میں قلیل الفرصت ہوں۔ تمہارے سوالوں کا جواب دینا  
 بھی ضروری تھا۔ لہذا مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کا فتویٰ تمہارے سوال کے جواب  
 میں روانہ کر رہا ہوں۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس امت کے لئے چراغ ہیں اور شاہ عبدالعزیز دہلوی  
 اور مولانا عبدالعلی مکنوسی، دونوں ہمارے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن کے جامع اور  
 خانہ اسلام کے ستون اور ہندوستانی مسلمانوں کی آنکھ ہیں۔ رسائل نے کسی منظر  
 سے متعلق تحریر کیا تھا، اس کے بارے میں لکھتے ہیں، عجیب کو رجوع کی سندیں  
 پیش کرنے کے بعد بھی ارباب مناظرہ انصاف سے دو بات کہیں ہیں۔

ہدایہ اور فقہ مذہب، (ابو حنیفہ) کی دوسری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ  
 تو ظاہر ہے اور جو کچھ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مذہب اسلام اور انگریزوں کے  
 عمل (پالیسی) کی بنیاد پر، ہندوستان کو قول راجع کی بنا پر دارالحرب قرار دیا ہے یہ  
 تمام تفصیلات تمہاری نظر سے گذر چکی ہوں گی۔ مجھ جیسے مسیحیان مقلد میں اتنی تمت  
 کہاں کہ ائمہ کے عظیم اجتہادات کے بارے میں لب کشائی کر سکوں اور مجھ بے دست  
 و زبان اور بے سرو چشم کو اتنی کہاں طاقت، کہ خانہ اسلام کے ستون اور ہندوستانی  
 مسلمانوں کی آنکھ کے بارے میں کچھ کہہ سکوں۔

ہاں! دارالحرب میں سود کھانا اور انگریزوں کا حربی ہونا۔ یہ دونوں مختلف  
 فیہ مسئلے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ کے علاوہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام نے دارالحرب  
 میں سود خواری کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ جو لوگ انقلاب حکومت کو جائز نہیں سمجھتے  
 اور وہ لوگ جو انقلاب کو جائز قرار دیتے ہیں، ان میں بھی ایک طائفہ کا قول ہے  
 کہ انگریزوں کے عمل (حکومت اور پالیسی) سے ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب  
 کی طرف منتقل نہیں ہوا، امور مختلفہ میں اگرچہ کہ اجتناب کرنا قول راجع، اور درست  
 ہو تو بھی ورع اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے اور کسی مجتہد کا



قیاس خطا پر مبنی اور مجموع ہوا تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

قرآن حدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس کا نام شریعت ہے۔ لہذا امام کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شریعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ اپنی جگہ ایک چیز ہے۔ لیکن تقویٰ بھی ایک چیز ہے۔

برہنی حکم شرع آب خوردن خطا است  
وگرخوں بفتویٰ بریزی رواست

و پانی بہانا بادی النظر میں ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے، لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جا رہا ہے تو گناہ لازم آئے گا اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے۔ لیکن وہ بھی اگر حکم شریعت کے مطابق بہایا جا رہا ہے تو روا اور درست ہے۔ حاصل کلام شریعت صراط مستقیم ہے، جو شخص صراط مستقیم سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی ہٹ جاتے تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے گا صراط مستقیم سے دور ہوتا جائے گا اور یہاں تک کہ اپنی منزل مقصود کو پہنچنے سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بھرت سید المرسلین والا ہمیں اور تمہیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے آمین آپ نے دار الحرب میں سکونت و رہائش کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بھی استفسار فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم میں یہ آیت دیکھی ہوگی، اس کی تفسیر و تشریح معتبر مستند اور مبسوط تفاسیر میں دیجئے۔ ان الذین توفیہما الملائکتا ظالمی انفسہم قالوا انیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا اللہ تکن ارض اللہ واسعتہ فتہاجروا فیہا (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے اُن کی رُو میں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے کہا، ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ اور دار الحرب میں سود کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ سکونت اور چیز ہے، اور سود خواری دوسری چیز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی غیر مختلف فیہ متفقہ امر کا کسی شرعی حیلہ کے ذریعہ ارتکاب کرے تو لوگوں کے نزدیک مجرم نہیں ہوگا اور

قاسمی کو بھی السوء یوخذ باقسرا ولا (انسان کو اس کے اقرار پر مؤاخذہ کیا جائے گا) کے تحت کسی کے دل پر حکم لگانے کا اختیار نہیں ہے لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پھڑا جائے گا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو علام الغیوب اور مالک الغلوکے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال سے واقف ہے۔۔۔ دل میں بہت سی باتیں ہیں، لیکن زبان قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے، لہذا مجبوراً ان باتوں کو بالمشافہ پیش کیا جائے گا۔

عمر گزشت و مدیت درد من آخر نشد  
شب باختر شد کنون کو ترکم افسانہ را

(عمر گزشت گئی بالآخر میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے لہذا میں داستان کو مختصر کرتا ہوں) اللہ تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی توفیق میں زیادتی عطا فرمائے۔۔۔

ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کی خبر یہاں پر پہلے ہی پہنچی چکی تھی۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت مولوی عبدالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری نے بذات خود ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا اور نہایت محبت کے اپنے پاس بٹھایا۔ موصوفہ بکلی مسند سجادگی پر فائز ہیں اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہیں۔ مولانا ابوصالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری (جو دارالعلوم کی سرپرستی میں معاون فرما رہے ہیں)، اور مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری (جو ناظم دارالعلوم کی حیثیت سے تعلیمی خدمات میں مصروف عمل ہیں اور التصفیف والاشاعت کے نگران ہیں) بھی موجود تھے۔ علاوہ ازیں دارالعلوم کے چند اساتذہ بھی تشریف لے آئے تھے جن میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ اور افضل العلماء مولوی حافظ شبیر الحق قریشی ادھونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہاں ہماری بہت خاطر مدارات کی گئی۔ دوپہر کا کھانا ہم ٹیئری میں کھائے تھے لیکن یہاں پر دسترخوان پر چلنے کے ساتھ انواع و اقسام کی اشیاء کے پُر حلاکت انبار لگائے گئے تھے۔ شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین صاحبہ ہمسلدی پلیٹوں میں بار بار مختلف چیزیں اپنے دست مبارک سے ڈالتے جاتے تھے اور

قیاس خطا پر مبنی اور مرجوح ہو تب بھی ایسے قیاس پر عمل کرنا، دائرہ شریعت سے خارج نہیں کرتا۔

قرآن حدیث، اجماع اور مذکورہ تین چیزوں پر مبنی قیاس کا نام شریعت ہے۔ لہذا اناس کا اجتہادی مسئلہ بھی مذکورہ چار دلائل شریعیہ میں سے چوتھی دلیل ہے۔ فتویٰ اپنی جگہ ایک چیز ہے۔ لیکن تقویٰ بھی ایک چیز ہے۔

ہر بی حکم شرع آب خوردن خطا است  
وگر خون بفتویٰ بریزی رواست

روپانی بہانا بادی النظر میں ایک معمولی کام دکھائی دیتا ہے۔ لیکن وہ بھی اگر خلاف شرع بہایا جارہا ہے تو گناہ لازم آئے گا اور خون بہانا ایک عظیم فعل ہے۔ لیکن وہ بھی اگر حکم شریعت کے مطابق بہایا جارہا ہے تو روا اور درست ہے۔ حاصل کلام شریعت صراطِ مستقیم ہے، جو شخص صراطِ مستقیم سے ایک رائی کے دانہ برابر بھی ہٹ جاتے تو وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جائے گا صراطِ مستقیم سے دور ہوتا جائے گا اور یہاں تک کہ اپنی منزل مقصود کو پہنچنے سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ بحرمت سید المرسلین والا جمیں اور تمہیں صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ آپ نے دار الحرب میں سکونت و رہائش کے جواز اور عدم جواز سے متعلق بھی استفسار فرمایا تھا۔ آپ نے قرآن کریم میں یہ آیت دیکھی ہوگی، اس کی تفسیر تفسیر معتبرہ مستند اور مبسوط تفسیر میں دیکھئے۔ ان الذین تو فیہما المملکتا ظالمی انفسہم قالوا انیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا اللہ تکن ارض اللہ واسعتہ فتهاجروا فیہا (جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کر رہے تھے ان کی رُو میں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے کہا، ہم زمین میں کمزور تھے، فرشتوں نے کہا، کیا خدا کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟

اور دار الحرب میں سود کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ سکونت اور چیز ہے، اور سود خواری دوسری چیز ہے۔ ہاں! اگر کوئی شخص کسی غیر مختلف فیہ متفقہ امر کا کسی شرعی حیلہ کے ذریعہ ارتکاب کرے تو لوگوں کے نزدیک مجرم نہیں ہوگا اور

قاسمی کو بھی السوء یوخذ یا قسرا ولا (انسان کو اس کے اقرار پر موانعہ کیا جائے گا) کے تحت کسی کے دل پر حکم لگانے کا اختیار نہیں ہے لیکن ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک پکڑا جائے گا کیونکہ دلوں کی پوشیدہ چیزوں کو علام الغیوب اور مالک الغیب کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقت حال سے واقف ہے۔  
دل میں بہت سی باتیں ہیں، لیکن زبان قلم اس کی ترجمانی سے قاصر ہے، لہذا مجبوراً ان باتوں کو بالمشافہ پیش کیا جائے گا۔

عمر گزشت و حدیث دلدن آخر نشد

شب باختر شد کنوں کو ترکم افسانہ را

(عمر گزرتی بالآخر میری درد بھری بات پوری نہ ہو سکی رات ختم ہو رہی ہے

لہذا میں داستان کو مختصر کرتا ہوں)

اللہ تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی توفیق میں زیادتی عطا فرمائے۔“

ڈاکٹر صاحب کی تشریف آوری کی خبر یہاں پر پہلے ہی پہنچی چکی تھی۔ چنانچہ

اعلیٰ حضرت مولوی عبدالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری نے بذات

خود ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا اور نہایت محبت کے اپنے پاس بٹھایا۔ موصوف اہل

مسند سجادگی پر فائز ہیں اور دارالعلوم لطیفیہ کے سرپرست ہیں۔ مولانا ابو صالح

عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری (جو دارالعلوم کی سرپرستی میں معاونت

فرما رہے ہیں)، اور مولانا ابوالحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری

(جو ناظم دارالعلوم کی حیثیت سے تعلیمی خدمات میں مصروف عمل ہیں اور دارالتصنیف

والاشاعت کے نگران ہیں) بھی موجود تھے۔ علاوہ ازیں دارالعلوم کے چند اساتذہ

بھی تشریف لے آئے تھے جن میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے۔ اور

افضل العلماء مولوی حافظ شبیر الحق قریشی ادھونی کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہاں

ہماری بہت خاطر ملاقات کی گئی۔ دوپہر کا کھانا ہم ٹینری میں کھا چکے تھے لیکن

یہاں پر دسترخوان پر چائے کے ساتھ انواع و اقسام کی اشیاء کے پُر مختلف اناج

لگائے گئے تھے۔ شاہ محمد باقر صاحب قادری سجادہ نشین صاحب سلسلہ

پلیٹوں میں بار بار مختلف چیزیں اپنے دست مبارک سے ڈالتے جاتے تھے اور

مرار ہوتا تھا کہ اور کھاؤ۔ حالانکہ تاخیر سے دوپہر کا کھانا اور وہ بھی پُر تکلف کھانا  
 لھانے کی وجہ سے ہمارا پیٹ پہلے سے بھرا ہوا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ سہ  
 ”اک بندہ عاصی کی اور اتنی ماریاں“

سجادہ نشین صاحب وہی ہیں جنہوں نے عبدالصمد صاحب کے صاحبزاد امتیاز  
 صاحب کا نکاح پڑھایا تھا۔ نکاح سے قبل ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کی طرف  
 ڈاکٹر صاحب کا تعارف اور ڈاکٹر صاحب کی نکاح کے موضوع پر تقریر سننے کے بعد موصوف  
 ڈاکٹر صاحب کی ذات سے اور اُن کے خیالات سے متعارف ہو چکے تھے۔ اس لئے  
 یہاں پر ڈاکٹر صاحب اُن کیلئے نئے نہیں تھے۔ شاہ صاحب نے دارالعلوم لطیفیہ کے  
 دارالتصنیف والا شامت کی جانب سے شائع کردہ بہت سے کتابچے ڈاکٹر صاحب  
 کو اور اس خاکسار کو ہدیہ فرمائے دارالعلوم لطیفیہ کے تحت علمی دینی اصلاحی اور  
 معلوماتی رسالہ ”الطیف“ کے نام سے شائع ہوتا ہے جس کا سالانہ بھی موصوف  
 نے ہمیں ہدیہ فرمایا۔ ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کے کچھ کتابچے شاہ صاحب کی خدمت  
 میں پیش کئے۔

شاہ صاحب کی گفتگو سے ہم اتنے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ وہاں سے اٹھنے  
 کوئی نہیں چاہتا تھا ”لذیذ بود حکایت و راز تر گفتہ“ والا معاملہ تھا۔ لیکن دوسری  
 طرف معاملہ یہ تھا کہ ہمیں آج ہی واپس مدراس پہنچنا تھا کیونکہ رات کو والا جاہی  
 مسجد کے احاطہ میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر تھی۔ مجبوراً اٹھنا پڑا۔ کئی بار تو شاہ صاحب  
 نے ہمیں اٹھنے نہ دیا۔ لیکن جب اُن کو مدراس پہنچنے کی وجہ بتائی تو ہمیں جانے کی  
 اجازت مرحمت فرمائی۔

مولوی عبدالباقی صاحب نے مجھ سے ایک بار کہا تھا کہ تمہاری صورت شکل کے  
 میں نے انڈیا میں کئی آدمی دیکھے ہیں۔ انہوں نے تو سنجیدگی سے کہا لیکن میں نے  
 مزاح کا کہا کہ کوئی نظر آئے تو مجھے بھی دکھا دیجئے گا تا کہ موصوف سے تعارف حاصل کر  
 سکوں۔ اب جو دارالعلوم لطیفیہ میں ہم شاہ صاحب کی محفل میں بیٹھے تھے تو  
 مولوی عبدالباقی صاحب نے چپکے سے مجھے کہا کہ ”سانے دیکھ رہے ہو نا“۔ میں نے  
 کہا ”جی“ فرمانے لگے ”یہ تم ہی تو ہو“۔ اور میں واقعی انہیں دیکھتا رہ گیا۔

چہرے کارنگ، نقوش وغیرہ واقعی میرے ہی جیسے تھے۔ میں حیران سا رہ گیا۔ میں کہہ رہوں۔ میں خود میں ہوں یا سامنے ہوں۔ اب جو دوبارہ دیکھتا ہوں تو وہ صاحب تھے دارالعلوم کے استاذ مولانا مولوی محمد حسین صاحب ایم اے جن کی شکل و صورت واقعی مجھ سے ملتی جلتی تھی۔

دارالعلوم لطیفیہ میں نبی اکرمؐ کا مٹے مبارک سچے جو سال میں ایک بار یعنی بارہ ربیع الاول کو دکھایا جاتا ہے۔ آج ۱۱ ربیع الاول کی تاریخ تھی ڈاکٹر صاحب نے خواہش ظاہر کی کہ ایک روز قبل یعنی آج اُس کی زیارت کرا دی جائے لیکن وہاں سے جواب نہیں، بلا کیونکہ یہ اُن کے برسہا برس کی روایات کے خلاف تھا۔

دارالعلوم لطیفیہ سے ہم روانہ ہو کر مدرسہ باقیات الصالحات گئے جو مختوڑی ہی دور پر واقع ہے۔ مکان حضرت قطب دیور کے خانوادہ کے فیض یافتہ ایک فرزند جلیل حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب قدس سرہ نے ۱۸۵۷ء میں یعنی آج سے تقریباً سو اسی قبل مدرسہ باقیات الصالحات کی بنیاد رکھی جس کا حلقہ فیض و امتداد آج کے تمام علاقوں سے گذر کر بیرونی ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔ اس دینی درسگاہ کے فیض یافتہ حضرات میں ایسے ندام گذر چکے ہیں جنہوں نے صوبہ مدراس و مالابار میں اپنے مادر علمی کی نسبت سے سینکڑوں دینی مدراس کو جاری کر دیا ہے۔ جو علوم شرعیہ کی خدمات میں مسروف ہیں بیرونی ممالک برما، سیلون، ملائیشیا، انڈونیشیا، جاپا، مانگ کانگ، تھائی لینڈ اور سنکا پور میں سینکڑوں علماء اس خدمت پر مامور ہیں۔ جن میں اکثر و بیشتر اسی باغ کے خوشہ چیں اور اسی ایک چراغ سے بنی ہوئی انجمنوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک چراغ ست دریں بزم کہ از پر تو آں  
ہر کجای مگر سی انجمن ساختہ اند

مدرسہ کی ابتداء بانی مدرسہ نے ۱۸۵۷ء میں اپنے مکان ذی شان سے کی شروع شروع میں آپ طلباء کو اپنے مکان ہی کے وسیع دالان میں تعلیم دیتے رہے ۱۸۹۱ء میں یہ مدرسہ موجودہ باقیات کی عمارت میں منتقل ہوا۔ ابتداء میں یہ چھوٹی سی عمارت آج عظیم الشان عمارت میں تبدیل ہو چکی ہے۔ تعمیرات

۱۲۲

کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔ ہم جب گئے تو مسجد کی توسیع ہو رہی تھی۔ اس مدرسہ کا کام ”باقیات الصالحات“ کیے پڑا۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ دلچسپی خالی نہ ہوگا۔ مدرسہ کے افتتاح کے وقت بانی مدرسہ حضرت عبدالوہاب شاہ قادریؒ سے لوگوں نے اصرار کیا کہ مدرسہ کا نام آپ کے نام سے منسوب کیا جائے۔ لوگوں کی اس رائے کو حضرت قبلہ سختی سے روکتے رہے۔ جب لوگوں کا اصرار حد سے تجاوز کر گیا تو اس وقت اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا اچھا بس ایک تجویز کر کے مجمعہ کے دن سناؤ گا۔ پھر نماز جمعہ کے بعد مسجد میں بیٹھ کر ایک چوڑے طالب علم سے قرآن مجید منگوا یا اور اس بچے سے کہا قرآن شریف کھولو۔ اس لڑکے نے قرآن مجید کھولا تو دفعتاً اس آیت کریمہ پر نظر پڑی۔

### والباقیات الصالحات خیر عند ربک الخ

حضرتؒ نے فرط مسرت سے کہا کہ مدرسہ کا نام ”باقیات الصالحات“ ہوگا۔ اس مدرسہ میں تقریباً ساڑھے تین سو طلباء ہیں جن میں سے اکثر کا تعلق کیرالا لنکا، آندھرا، کرناٹک اور مائل ناڈ سے ہے۔ اکثریت کیرالا کے مدام کی ہے جو اپنے ہاں سے فارغ ہو کر یہاں تکمیل کے لئے آتے ہیں۔ تقریباً چوبیس اساتذہ ہیں جن میں مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری صاحب بھی شامل ہیں اوقاف کے ماتحت اس کو ایک مجلس منتظمہ چلاتی ہے۔ اس کے موجودہ ناظم مولانا سید عبدالجبار صاحب ہیں۔

ہم جب مدرسہ کی عظیم الشان عمارت میں داخل ہوئے تو بڑے دروازے پر حسب ذیل اشعار کندہ تھے :-

### والباقیات الصالحات خیر عند ربک ثوابا وخیر املا

زلف پادشاہ ذوالجلال پاٹ بہمیتا	جہانی راز جہل آباد نادانی بدآرد
بنائے اس بنائی خیر چوں بالخیر انجامید	برائے تشنہ کامان نیافى معلوم دیں
کہ لطف اور برائے عبدالوہاب الصلا آمد	علیمی قطرہ علمش کہ بحر العوہیات آمد
صدائے جناب الفرج از شش جہات آمد	وجودش بالیقین سرچشمہ آبہیات آمد
سراسر فدا شد چوں می منقوطہ تار بخشش	نداز غیب تنک الباقیات الصالحات آمد

مدرسہ کے احاطہ میں ایک خوبصورت مسجد ہے۔ جس سے ذرا ہٹ کر بائی  
مدرسہ کا مزاد ہے۔ مزار کے اوپر حسب ذیل اشعار تحریر تھے :

سنة الوصال للعلامة العديم المثال شمس العلماء والمفكرات الحاج مولانا  
المولوی شاہ عبدالوہاب صاحب قادری قدس سرہ

بانی المدرستہ الباقیات العالمات

اذا نال عبد الوہاب علم هو القطب للمهندخلد انجما  
تفكرت في ارضه اكتب ما بدالى - لقد فاز فوزاً عظيماً  
مولانا سید عبدالجبار صاحب نے ہمیں مدرسہ کے مختلف شعبوں کی سیر کرائی۔  
مدرسہ کی اپنی بہت بڑی لائبریری ہے جس میں متعقبات اور نایاب قلمی نسخے ہیں۔  
ہم نے یہاں پر ہر چیز میں بڑی باقاعدگی پائی ڈاکٹر صاحب کا تعارف مدرسہ کے  
اساتذہ سے کرایا گیا۔ چائے وغیرہ کا پہلے سے انتظام تھا۔ کافی پُر تکلف ناشتہ  
کرایا گیا۔ اور ناشتہ پر مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلہ خیالات۔  
وقت چونکہ مختصر تھا اس لئے ہم نے ان حضرات سے رخصت چاہی۔ ان کی جانب  
سے شکوہ رہا کہ ڈاکٹر صاحب بہت کم وقت کے لئے تشریف لائے۔ آئندہ کیلئے  
وعدہ لے لیا گیا کہ زیادہ وقت عنایت فرمائیں گے۔ اس مدرسہ پر ہی کیا موقوف  
ہے۔ جنوبی ہند میں جہاں بھی ہم گئے ہر جگہ ہم نے اپنے لئے محبت کا زمزم بہتا  
ہوا پایا۔

مولانا سید عبدالجبار صاحب نے ظہیر احمد باقوی صاحب کی مرتب کردہ ایک  
کتاب ”باقیات ایک جہاں“ اور رسالہ ”الباقیات“ کا مدد سالہ نمبر ہدیہ  
فرمایا۔ رسالہ نہایت ہی دیدہ زیب اور بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ مرتب کیا  
ہوا تھا یعنی صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے آراستہ۔ ہم نے بھی مولانا عبدالجبار  
صاحب کو ڈاکٹر صاحب کے چند کتابچے پیش کئے۔ (جاری ہے)

عن عثمان بن عفان قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم - بخاری و مسلم -

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ



# ڈاکٹر ابرار احمد

- ★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ ۶/- روپے
- ★ مطالبات دین ۶/-
- ★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام ۱/-
- ★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ۲/-
- ★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری تعلق کی بنیادیں ۲/-
- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اُردو) ۳/-
- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی) ۴/-
- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی) ۵/-
- ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول ۸/-
- ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم ۸/-
- ★ قرآن اور امن عالم ۵/-
- ★ راہ نجات: سورۃ والعصر کی روشنی میں ۲/-
- ★ علامہ اقبال اور ہم ۲/-
- ★ عظمت صوم ۱/-
- ★ دعوت الی اللہ ۱/-
- ★ آیت الکرسی ۳۰/-
- ★ قرآن حکیم کی سورتوں کے معنایں کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف ۷/-
- ★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ) ۳/-

## **AN AUSTERE MARRIAGE**

**(Report by staff Reporter appeared in PAKISTAN TIMES  
Lahore insertion of 29th August 1981.)**

**“Unique and commendable austerity, true to the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him) was observed at a marriage function in Jamia - ul - Quran, Quran Academy Model Town Lahore on Thursday evening**

**No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the jamia a few minutes before evening prayers, before the 'Azan' they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the 'Nikah' ceremony of Mr. Saeed Ahmed Asad with his daughter - “Amatul Mohsee” Nikah ceremony over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family.”**

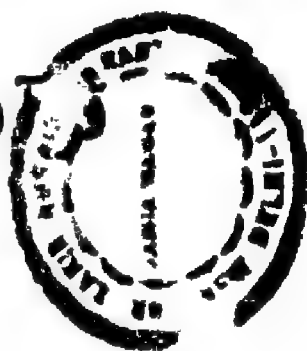
ہم سے طلب فرمائیں

دور حاضر میں علامہ اقبال مرحوم کے خطبات کے بعد

حکمت قرآنی پر عظیم ترین تصنیف

قرآن اور علم جدید

تالیف



ڈاکٹر محمد رفیع الدین

ایم اے، بی ایچ ڈی، ڈی لٹ

عالمی فتنہ ارتداد اور ڈارون، میکڈوگل، قرآن، ایڈلر، کارل مارکس اور

مکھاویلی کے نظریات کا حکمت قرآنی کی روشنی میں محققانہ جائزہ

بڑے سائز کے ۶۰۰ صفحات قیمت: ۵۰/- (محصولہ اک ہلاوہ)

شائع کردہ: آل پاکستان اسلامک ایجوکیشن کالگریس

منگانی کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن

۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن - لاہور - فون: ۸۵۲۶۱۱

وَقُلْ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

# ماہنامہ پیشانی لاہور

ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ

:- مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اشرف احمد



۲۴.۱۱

- یکے از مطبوعات -

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ ۱۴ - فون:- ۸۵۲۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱  
سالانہ زر معائنہ:- ۲۰/- روپے ، اس شمارے کی قیمت ۳/-

وَقَدْ اخَذَ مِيثَاقَكُمْ اَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

# ماہنامہ مِثَاق

جلد ۳۰	ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ (اکتوبر و نومبر ۱۹۸۱ء)	عدد ۱۱-۱۰
--------	---	-----------

## مشمولات

نمبر شمار	مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱	عرض احوال	جمیل الرحمن	۱
۲	ہجری سال نو مبارک (ایک خطاب)	ڈاکٹر اسرار احمد	۳
۳	رفاقت، یعنی فیلو شب کی اسکیم	چودھری نصیر احمد ورک	۱۱
۴	نشر القرآن (ریڈیائی تقاریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	۲۲
۵	تعارف الکتاب (چٹی قسط)	ڈاکٹر اسرار احمد	۳۷
۶	اسلام اور حقوق اطفال (ساتویں آخری قسط)	غازی عزیز	۵۲
۷	آرمی برن مال کلچ ایبٹ آباد میں ایک ایمان امروز تقریب کی روداد	بشیر احمد سوز	۵۹
۸	ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ جنوبی ہند میں پندرہ دن (رپورٹاژ، چوتھی قسط)	قاضی عبدالقادر	۷۶

مرتب:- ریشہ، جمیل الرحمن

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد \* طابع:- چودھری رشید احمد  
مطبع:- مکتبہ جدید پریس - شارع فاطمہ جناح لاہور

# عرض احوال

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ؑ

پندرہویں بھری کے دوسرے سال کے آغاز کے لئے ہدیہ تبریک کے ساتھ 'میشاق' کا ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ و محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق اکتوبر و نومبر کا شمار پیش خدمت ہے۔ اس تاخیر اور دہائیوں کے شماروں کی مشترکہ پیش کش کے متعلق عذرت پیش کرتے ہوئے ندامت کا احساس ہوتا ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام دعوت و تبلیغ کا کام جس سرعت کے ساتھ بڑھ رہا ہے۔ اسی رفتار سے زیادہ سے زیادہ مروان کار کی مزدورت کے تقاضے سامنے آرہے ہیں۔ عرصہ پندرہ سولہ سال سے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب رجوع الی القرآن کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور سائنس سے اپنا پیو فیشن بالکل ترک کر کے ہمہ وقت اسی کام میں اپنی توانائیاں اور قوتیں صرف کر رہے ہیں۔ الحمد للہ اس عظیم الشان کام میں تعاون کرنے والے رفقاء کا ڈاکٹر صاحب کو ملتے رہے۔ لیکن ان میں سے زیادہ تر وہ حضرات تھے۔ جو اپنی معاش کی مصروفیات سے فارغ ہو کر اپنا اکثر فاضل وقت خالص رضائے الہی کے لئے بغیر کسی مشاہرے کے اس کام میں لگاتے رہے ہیں۔ محترم محمد بشیر ملک صاحب نے تقریباً دو سال ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے اپنا پورا وقت دیا لیکن تقریباً ڈیڑھ سال قبل وہ عارضہ قلب میں مبتلا ہو گئے جس کی وجہ سے وہ مجبوراً اپنا پورا وقت انجمن کو نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے کہ اس علالت کے دوران بھی وہ انجمن کے کاموں میں امکانی حد تک دلچسپی بھی لیتے رہے اور تفویض کردہ امور بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ بایں ہمہ ایسے کارکنوں کی شدید ضرورت تھی جو ہمہ وقت اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اللہ تعالیٰ محترم قاضی عبدالقادر صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار اور اپنی نہایت اعلیٰ ملازمت سے سبکدوش ہو کر خود کو ہمہ وقت و ہمہ تن اس کام کے لئے وقف کر دیا ہے۔ چنانچہ ناظم اعلیٰ کی حیثیت انہوں نے

تین ماہ قبل اپنی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ ملک بشیر صاحب تعمیرات کے نگران ہیں اور چند ضروری کاموں میں وہ صدر موسس کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں چند دیگر رفقاء بھی اپنا کافی وقت دیتے ہیں لیکن پھر بھی کام کی وسعت کے لحاظ سے ان مردانِ کار کی کمی موجود ہے جو ہمہ وقت اس کام کے لئے خود کو وقف کر دیں۔ اس کمی سے میثاق کی مقررہ تاریخ پر باقاعدگی سے اشاعت شدید متاثر ہوتی ہے۔ دُعائے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے اور جلد ہی ایسے مردانِ کار میسر آجائیں جو انجمن کے دیگر کاموں خاص طور پر ”میثاق“ کو صحیح طور پر ایک معیاری جریدہ بنانے میں مدد و معاون ہو سکیں۔

سالِ رواں میں اکثر - دو ماہ کے مشترکہ شمارے قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ منامات کے لحاظ سے ہمارے مستقل سالانہ خریداروں کو شکایت کا موقع نہ ملے لہذا ان مشترکہ شماروں میں اکثر و بیشتر مقررہ صفحات ۵۶ صفحات دو گنی سے بھی زیادہ ضخامت کے پرچے پیش کئے جاتے رہے ہیں۔ صرف موجودہ شمارہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ لیکن مجموعی طور پر ان شاء اللہ سال بھر میں خریداروں کو مقررہ صفحات سے زیادہ ہی ضخامت پر مشتمل شمارے پہنچیں گے۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی دعوتی سرگرمیوں میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ جس کا کچھ اجمالی ذکر ان کے اپنے قلم سے گذشتہ شمارے کے عرضِ احوال میں قارئین کی نظر سے گزر چکا ہو گا۔ عید الفطر کے بعد سے اب تک یعنی ان تین ماہ کے عرصے میں ڈاکٹر صاحب کی دعوتی سرگرمیوں کی ایک روداد لکھنے کا ارادہ تھا۔ لیکن چونکہ اس شمارے میں رودادوں کا تناسب بڑھ گیا ہے۔ لہذا یہ ارادہ ترک کرنا پڑا۔ اللہ کو منظور ہوا تو یہ روداد کسی آئندہ شمارے میں پیش کی جائیگی۔

یہ مشترکہ شمارہ ہجری سال کے لحاظ سے ۱۴۰۱ھ کا آخری اور ۱۴۰۲ھ کا پہلا شمارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دُعائے ہے کہ وہ ادارے کی اس کوشش کو

# ہجری سالِ نو مبارک

۳۰ اکتوبر ۸۶ کو جمعہ کا دن اور محترم الحوام ۲۰۲۲ء کی یکم تاریخ تھی۔ اس روز مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطابِ جمعہ میں جو موضوع گذشتہ دو ماہ سے چل رہا ہے۔ (یعنی نظامِ سیاست و حکومت سے متعلق قرآنی تعلیمات) اُس پر گفتگو سے قبل نئی ہجری سال کے آغاز کی مناسبت سے جو کچھ فرمایا وہ درج ذیل ہے (مرتب)

نَحْمَدُكَ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِكَ الْكَرِيمِ - اِمَّا بَعْدُ  
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
 قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ :- وَلَا تَقُوْلُوْا الْيَمٰنُ يَقْتُلُ فِرْعٰوْنَ  
 سَبِيْلَ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاۤءٌ وَّلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۱۵۴)  
 وَقَالَ تَبٰرَكَ وَتَعَالٰى فِي سُوْرَةِ اٰلْ اِمْرٰنَ :- وَلَا تَحْسَبَنَّ الشَّكٰكِيْنَ  
 قَتَلُوْا فِرْعٰنَ سَبِيْلَ اللّٰهِ - اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۤءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرَزِّقُوْنَ ۝  
 اِمَّا بَعْدُ :- رَبِّ اَسْرَخْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَبَيِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ۝  
 وَاحْلِلْ عُقْدَةً مِنْ لِّسٰنِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝  
 اَللّٰهُمَّ اٰمِنًا عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ  
 وَالْاِسْلَامِ -

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَخِيَّتَهُ مِتًّا فَاَخِيْهِ عَلَى الْاِسْلَامِ وَ  
 مَنْ تَوَقَّيْتَهُ مِتًّا فَتَوَقَّهْ عَلَى الْاِيْمَانِ

اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝



**حضرات! آج یکم محرم الحرام سن ۱۴۰۲ ہجری ہے۔** گویا آج پندرہویں مری کے دوسرے سال کا پہلا دن ہے۔ لہذا سب سے پہلے تو میں اسلامی تقویم کے اعتبار سے اس نئے سال کی آمد پر آپ کی خدمت میں بدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ سال ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا سال ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آغاز میں وہ دعاء پڑھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے نئے چاند کے طلوع ہونے پر پڑھا کرتے تھے یعنی ”اللّٰهُمَّ اٰهِلْنَا عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ“۔ جس کے آخر میں اُن حضرت یہ بھی فرمایا کرتے تھے ”رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ - هِلَالُ رُسُلٍ وَخَيْرٍ - هِلَالُ رُسُلٍ وَخَيْرٍ“۔ اس دعاء کے تین حصے ہیں۔ اصل دعاء تو پہلا حصہ ہے کہ ”لے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع فرمایا۔“ دوسرے حصے میں چاند سے خطاب ہے۔ اس میں دراصل اُن مشرکانہ ادھام اور عقائد کی نفی اور ابطال ہے جو چاند، سورج اور اجرام فلکیہ کے بارے میں بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔

لہذا اُن حضرت یہ فرمایا کرتے تھے ”رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ، یعنی ”میرا رب بھی اللہ ہے اور اے چاند تیرا رب بھی اللہ ہے“۔ تیسرا حصہ ایک نوید اور خوشخبری بھی ہے اور اس میں ایک دعائیہ پہلو بھی ہے۔ ”هِلَالُ رُسُلٍ وَخَيْرٍ“۔ ”یہ ہلال جو طلوع ہوا ہے یہ رشتہ اور خیر کا ہلال ہے“۔ یہاں ”ہے“ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے اور ”ہو“ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ اگر اول الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ نوید و خوشخبری ہے اور اگر موفر الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ دعاء، ایک تمنا اور ایک خواہش کا اظہار ہے۔ کل جو ہلال طلوع ہوا ہے اس سے صرف ایک نیا مہینہ ہی شروع نہیں ہوا بلکہ نیا اسلامی و ہجری سال بھی شروع ہوا ہے لہذا ہمیں یہ دعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ اس سال کو نوع انسانی کے حق میں بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے حق میں بالخصوص اور اس خطہ ارضی کے حق میں جو تو نے اسلام کے نام پر ہمیں عطا فرمایا تھا۔ اور جو مملکتِ خداداد پاکستان، کہلاتا ہے خاص الخاص طریق پر اپنے فضل اور اپنی رحمت سے امن و سلامتی کا سال بنا

اور اس سال میں ہمارے ایمان اور اسلام میں حقیقی رنگ پیدا فرما۔ میں نے مزید یہ دعا بھی کی ہے کہ اس سال کے دوران تیرے علم کامل میں جن کی وفا کا وقت آ رہا ہو اے اللہ! ان کو ایمان پر وفات دیجو اور جن کے لئے تیرے علم ازی میں مزید مہلتِ عمر ملے ہو ان کو اسلام پر قائم رکھو۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَخْيَلْتَهُ مِنَّا فَاحْيِهِ عَلٰى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلٰى الْاِيْمَانِ -

اس موقع پر ایک جملہ معترضہ کے طور پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ محرم الحرام کے مہینے کو ہم نے ایک مخصوص مکتب فکر کے زیر اثر بلا سبب اور قطعی نامناسب طور پر رنج و غم اور حزن دالم کا مہینہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ کسی بھی اعتبار سے یہ مہینہ ہمارے لئے رنج و غم کا مہینہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سال کا کوئی مہینہ بھی دینی لحاظ سے رنج دالم کا مہینہ نہیں ہے۔ یوم عاشورہ (۱۰ محرم الحرام) کی جو اہمیت ہمارے ہاں ہے۔ اس میں ہمارے دینی تصورات و عقائد کے لحاظ سے عظمت کا پہلو ہے۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث صحیحہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جو روزہ رکھتے تھے تو اس کی کوئی بنیاد اور تعلق حادثہ کربلا سے نہیں ہے۔ یہ حادثہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الرقیق الاعلیٰ کی جانب مراجعت کے نصف صدی بھی زائد بعد پیش آیا ہے۔ لہذا دینی لحاظ سے اس حادثے کا یوم عاشورہ سے کسی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صوم عاشورہ کے متعلق جو متفق علیہ حدیث ملتی ہے یعنی سند کے اعتبار سے جس کی صحت پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر محدثین اتفاق کر رہے ہوں اور جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جو اہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے چچا زاد بھائی ہیں اور جو گویا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رشتے کے چچا بھی ہیں اور نانا بھی۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ کے یہود ۱۰ محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ عتق یہ روزہ کیوں رکھتے

ہو۔ ”اتواہوں نے بتایا کہ ”یہ دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے، اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو آل فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی تھی اور فرعون اور اس کے اس لشکر کو جو تعاب میں تھا غرق کیا تھا۔ لہذا ہم شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں۔“۔ اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”تمہاری نسبت (حضرت موسیٰ کے ہم زیادہ حق ہیں۔“۔ یعنی یہود نے تو اس کو ایک قومی دن کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ یہ تو دین اسلام کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اور دین اسلام کی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ اسی موقع پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ ”ہم اس دن کا اور فائدہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ چنانچہ اس وقت سے آں جناب نے دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا شروع فرمادیا۔

ویسے بھی اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارے دین میں شہادت کا معاملہ کوئی رنج و غم والی بات ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک مرد مومن کے لئے فوز و مرام اور فلاح و کامرانی کا بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ ویل کیلئے سورہ البقرہ کی آیت ۱۷۷ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ یعنی جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (توحقیقت میں) زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں ہوتا۔“ اور سورہ آل عمران کی آیت ۱۶۹ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ۝ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے روزی پارہے ہیں۔“ کو پیش نظر رکھیے۔ ان مقتولین کی برزخی زندگی میں حیات اور اس میں رزق پانے کی کیفیات امور غیبیہ متعلق ہیں۔ لہذا اس کا کوئی تصور و شعور اس عالم ناسوتی میں ہمارے لئے ممکن نہیں۔

شہادت فی سبیل اللہ وہ سعادت عظمیٰ اور چوٹی کا وہ عمل ہے کہ جس کے لئے انبیاء و رسول علیہم السلام متنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دودھ عاتیں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ اللّٰهُمَّ  
إِنِّي أَسْأَلُكَ شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ - اور دوسری یہ کہ اللّٰهُمَّ  
أَسْأَلُكَ شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ -

مزید براں اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی احادیث میں منقول ہے  
”وَالَّذِي نَفْسِي مَحْمُودٌ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنْ أُغْرُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ  
فَأَقْتُلَ شَعْرًا أُغْرُوَ فَأَقْتُلَ -“ اس (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں  
محمد کی جان ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل  
کر دیا جاؤں (اور پھر مجھے زندہ کیا جائے) اور پھر میں اللہ کی راہ میں جہاد  
کروں اور قتل کیا جاؤں۔“ یہ سنت رہی ہے کہ رسول قتل نہیں ہوتے چونکہ  
عالم ظاہری میں اس طرح رسول کی مغلوبیت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن اس سے مرتہ  
شہادت کے رفیع و مہتمم بالشان ہونے کا انداز لگائیجئے۔ علاوہ ازیں نبی اکرم  
صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجئے کہ ”وَجَسَّاسُ الْمَوْتِ اسْمُ اللَّهِ  
مِنْ آتَى كَرَامَتِهِ دَلِيلٌ فِي رَأْيِ مَنْ يَرَى كَرَامَتَهُ كَرَامَتُهُ كَرَامَتُهُ كَرَامَتُهُ  
اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوئی ہے۔ پس شہادت ہرگز رنج و ادا  
سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے۔

اگر شہادت رنج و غم اور الم و ماتم والی شے ہوتی تو درپہوی اور دور  
خلافت راشدہ کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرا ہو جس میں کوئی نہ کوئی  
عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ اگر شہادت میں رنج و غم اور ماتم کا پیدا  
تلاش کریں تو حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت کا دن بھی ماتم کے دن  
کے طور پر منانا ہوگا۔ یہ بڑی عظیم شہادت ہے۔ توحید کے لئے یہ پہلا خون بہا  
ہے۔ جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ نار ہوئی ہے اور کس ہیما نہ طریقے پر کہ ابو جہل  
نے ناک کرنا دما نہانی پر نیزہ مارا ہے جو پشت کے پار ہو گیا ہے۔ پھر ان کے  
شوہر حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم شہادت ہے۔ جس کے متعلق بعض  
روایات میں آتا ہے کہ ابو جہل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں نے حضرت  
یاسر کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر رستیوں سے باندھے پھر چار نہمت میر  
چار اونٹ کھڑے کر کے یہ رسیاں ان اونٹوں کی ٹانگوں سے باندھ کر ان کو

ہانک دیا گیا اور حضرت یا ستر کے جسم کے پینچے اڑ گئے۔ یہ شوہر اور بیوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں اس ظالمانہ طور پر شہید کئے گئے۔ ان کی مظلومانہ شہادت کے واقعات ایک حساس دل کے رونگٹے کھڑے کرتے ہیں۔ اگر ہمیں سوگ اور ماتم کا دن منانا ہوتا تو ان کا مناتے! اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنیاد پر شہادت کا دن نوحہ و گریہ اور ماتم کا کوئی پہلو رکھتا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن اس کا کہیں زیادہ مستحق ہو گا کہ اسے سوگ کا دن منایا جائے!! جن کے اُس حضرت سلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے تہرے بلکہ چوہرے رشتے ہیں۔ چنانچہ چچا بھتیجے کا رشتہ بھی ہے۔ خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں عرب میں رمانعت کا رشتہ بالکل خونی رشتے کے برابر سمجھا جاتا تھا چنانچہ سب جلتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کی حرمت جس طرح رحم اور خون کے رشتوں کی بنیاد پر ہے اسی طرح رمانعت کی بنیاد پر بھی ہے۔ پھر ساتھ کے کھیلے ہوئے بھجولی ہیں مزید اضافہ کیجئے کہ نبی اکرم کے فرمان مبارک کے مطابق اسد اللہ بھی ہیں اور اسدِ رسولؐ بھی ہیں۔ پھر نعش مبارک کا حال یہ ہے کہ اعضا بریدہ (مثلاً) ہے شکم چاک ہے۔ کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب اگر ہر سال سوگ کا دن منایا جاتا اور ماتم کیا جاتا تو ان کی شہادت کا کیا جاتا!!! پھر دیکھئے کہ حضرت زید بن حارثہ حضرت جعفر طیار ابن ابی طالب حضرت عبداللہ ابن رواحہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بے شمار دوسرے جان نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دورِ نبوت میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے ہیں۔ سوگ کا دن منایا جاتا تو ان کا منایا جاتا۔ لیکن رنج و غم کی بات کون سی ہے!!۔ اسلام کی تاریخ کا کون سا دور ہے جو ان شہادتوں اور ان قربانیوں سے خالی ہو۔ اسلام کے گلشن میں ہر چہار طرف یہ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ پھر غور فرمائیے کہ اسلامی تقویم کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام تو یہ ایک عظیم شہادت کا دن ہے۔ یعنی دوسرے خلیفہ راشد امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن یکم محرم الحرام

ہے۔ وہ عمر بن جن کے متعلق آن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ  
 'اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔' اگر رنج و غم کے اظہار کا مسئلہ  
 ہوتا اور اگر سوگ کا دن منانے کا معاملہ ہوتا تو آج کے دن ہوتا۔ حضرت عمرؓ  
 پر قاتلانہ حملہ ۲۸ ذی الحجہ کو ہوا تھا جس میں آن جنابؓ بھروسہ ہوئے تھے  
 اور معتبر روایات کے مطابق ان کی وفات یکم محرم الحرام کو ہوئی تھی۔ پھر  
 ۱۸ ذی الحجہ کو تیسرے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ  
 تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد انتہائی مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے۔  
 جن کی شہادت کے نتیجے میں مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوئے۔ اور  
 امت میں ایسا تفرقہ پڑا کہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو  
 اس "شہید مظلوم" کی شہادت کے دن کو منایا جاتا۔ پھر ۲۱ رمضان المبارک  
 کو اسد اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کے چچرے بھائی، آپ کے  
 داماد، چوتھے خلیفہ راشد شہید کر دیئے گئے جو حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہما کے والد ماجد بھی ہیں۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو ایک مخصوص مکتب فکر  
 کے افراد کے بجائے پوری امت آن جنابؓ کی شہادت کے دن سوگ مناتی۔  
 اگر سوگ کے دن منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتائیے کون کون سے دن سوگ  
 منایا جائے گا! سال کا کون سا دن ہوگا جو کسی نہ کسی عظیم شخصیت اور اولیاء اللہ  
 کی شہادت کا یا وفات کا دن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دین میں سوگ  
 اور ماتم اور ان کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس گھر میں کسی کی  
 وفات ہوتی ہو تو سوگ کو کیفیت کی زیادہ سے زیادہ تین دن کے لئے  
 اجازت ہے۔ اُس میں بھی نوحہ گریہ اور سینہ کوئی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے  
 باقی رہا یہ کہ ان میں سے جنہوں نے بھی اللہ کی راہ میں قربانیاں دی ہیں اور  
 حق و صداقت کے لئے اپنی جانیں دی ہیں ان کی بنیاد پر ان کا بہت ارفع  
 و اعلیٰ مقام ہے۔ بَلْ اَحْيَاوْهُمُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَذُكَّرُ عَنْهُمْ ۝ لیکن  
 نہ دن اور یادگار منانا ہمارے دین کے مطابق ہے اور نہ یہ کوئی رنج و الم اور  
 غم و حزن کا معاملہ ہے اور نہ ہر سال سوگ اور ماتم کرنا دین سے کوئی مناسبت

رکھتا ہے۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے صوفیائے کے ہاں موت کو ایک محبوب اور محب کی ملاقات کا وقت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ جو لفظ ”عروس“ رائج ہے تو اس کی اصل ”عروسی“ ہے۔ جیسے ”عروسی“ (شادی) ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے ایسے ہی موت کسی مردِ مومن کے لئے کسی رنج و غم کا موقع ہے ہی نہیں، چاہے وہ طبعی ہو چاہے قتل کی صورت میں ہو۔ یہ تو درحقیقت ایک محبوب اور محب کی ملاقات ہے اس پہلو سے علامہ اقبال کا وہ شعر ذہن میں رکھتے کہ ”نشانِ مردِ مومن با تو گویم — چوں مرگ آید قسّم برب ادست“ تو قسّم خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی کے موقع پر پس یہ سوگ اور ماتم کے دن منانا قطعاً ہمارے دین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں یہ غلط رواج چلا آ رہا ہے کہ محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے میں شادیاں نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کے آخری عشرے میں شادیوں کا ایک طوفان آ جاتا ہے۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ اس سال ذی الحجہ کے آخری دنوں میں لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں شادیاں انجام پائی ہیں۔ آخر ہم نے محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے کو شادی بیاہ کی تقریب کے لئے حرام یا منہوس کیوں سمجھ لیا ہے!!۔ چونکہ میرے نزدیک ان غلط روایات و روایات کو توڑنا اور غیر اسلامی تصورات کو ختم کی کوشش کرنا بھی ایک نوع کا جہاد ہے۔ لہذا نوٹ فرمائیے کہ اسی ماہ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ کی ۷ تاریخ کو بعد نماز مغرب ان شاء اللہ میرے دوسرے بچے عاکف سعید سلمہ کا عقدِ نکاح مسنونہ جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۲ کے ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہو گا۔ جس میں شمولیت کی میں آپ تمام حضرات کو دعوت دیتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری اور دُعاے خیر میں شرکت میرے لئے باعثِ مسرت و ممنونیت ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

تحریک رجوع الی القرآن کا مرحلہ ثانی

# قرآن اکیڈمی

میں ”رفاقت“ یعنی ”فیلوشپ“ کی  
اسکیم کا اجراء

ذراجمار مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

منظر شدہ ————— مجلس منتظمہ

مرتبہ :- چوہدری نصیر احمد ورک (مستند)

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، کے صدر مونس ڈاکٹر امجد احمد کی وہ تحریر جو بعد میں ”اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام“ کے عنوان سے کتابچے کی صورت میں طبع ہوئی (اور جس کے اب تک چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں) اولاً انجمن کی تاسیس سے پانچ سال قبل جون ۱۹۶۷ء میں ماہنامہ میثاق لاہور کے ادارتی صفحات میں شائع ہوئی تھی — اس میں موصوف نے اپنے فہم کی حد تک اس امر کا جائزہ لیا تھا کہ موجودہ دنیا میں اسلام اور مسلمان کس حال میں ہیں اور یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور امت مسلمہ کی تعمیر نو کے لئے اب تک کیا کچھ ہو چکا ہے، فی الوقت کیا ہو رہا ہے اور کیا کرنا باقی ہے — ساتھ ہی اپنے تجزیے اور تشخیص کی بنیاد پر ”احیائے اسلام“ کے لئے ایک اساسی لائحہ عمل بھی پیش کیا تھا اور اس کے



ضمن میں فوری اور اولین اقدام کے طور پر 'قرآن اکیڈمی' کے قیام کی تجویز پیش کی تھی۔

ڈاکٹر صاحب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوا کہ انہوں نے اس لائحہ عمل کو پیش کرنے کے فوراً بعد تنہا عملی جدوجہد کا آغاز بھی کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے ایک جانب لاہور میں متعدد حلقہ ہائے مطالعہ قرآن قائم کئے، دوسری جانب دارالانشاء الاسلامیہ کے تحت علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا آغاز کر دیا۔ اور تیسری جانب "سلسلہ اشاعت قرآن اکیڈمی" کے عنوان سے لے لے لے کئی کتابچے اس مقصد کے شائع کئے کہ اس کام کی اہمیت بھی لوگوں پر واضح ہو جائے اور اس کا استدلالی پس منظر بھی نگاہوں کے سامنے رہے۔

اللہ تعالیٰ غلوس و اخلاص کے ساتھ کی جانے والی کسی بھی کوشش کو نہ دنیا میں ضائع فرماتا ہے نہ آخرت میں، چنانچہ ڈاکٹر صاحب کی پانچ سالہ مساعی کا فوری نتیجہ یہ سامنے آیا کہ "گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں۔ یہاں اب سرے راز داں اور بھی ہیں!" اور "میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر ہم سفر ملتے گئے اور قافلہ بنتا گیا!" کے مصداق ان کے ہم خیال معاونین کا ایک وسیع حلقہ پیدا ہو گیا جن میں سے کچھ نسبتاً زیادہ فعال حضرات نے ان کے ساتھ باقاعدہ و باضابطہ تعاون کی غرض سے ۱۹۷۲ء میں اپنے آپ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور (رجسٹرڈ)، کی صورت میں منظم کر لیا جس کی "قرار داد" تائیس میں بھی ڈاکٹر صاحب کی تذکرہ بالا تحریر کے مرکزی خیال اور لب لباب کو من و عن ضم (INCORPORATE) کر لیا گیا اور اس کی مختصر تشریح کے ذیل میں مزید صراحت کر دی گئی کہ: "انجمن کے اس موقف کا مفصل استدلالی پس منظر اور ٹیپٹ منطقی صغریٰ و کبریٰ تو "اسلام کی نشاۃ ثانیہ؟ کونے کا اصل کام" نامی کتابچے کے مطالعے سے سمجھا جاسکتا ہے۔ تاہم اجمالاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ:-

۱۔ ہمارے موجودہ دینی انحطاط کا اصل سبب یہ ہے کہ مغرب کی بے خدا سائنس اور یورپ کے محمدانہ فلسفہ و فکر نے بحیثیت مجموعی پوری امت ایمان کی جڑوں کو ہلا ڈالا ہے اور غرض من یقین کو ہلا کر رکھ کر دیا ہے۔ اور اب صورت

واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس کے دل و دماغ میں بالعموم اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں بالخصوص خدا اور آخرت اور وحی و نبوت ایسے اساسی معتقدات تک کے لئے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔

۲۔ اندرین حالات اسلام کی نشاۃ ثانیہ اور غلبہ دین حق کی لازمی شرط (Perseus - Persia) تجدید ایمان ہے اور قصر اسلام کی تعمیر نو کے لئے ایمان کی ان بنیادوں کی از سر نو تعمیر ناگزیر ہے جو صرف مضحک ہی نہیں منہدم ہو چکی ہیں۔ گویا یہ عمارت صرف جزوی مرمت اور سطحی لیپا پٹی کی نہیں بلکہ بنیاد سے تعمیر جدید کی محتاج ہے۔

۳۔ تجدید ایمان کی اس مہم میں اولین اہمیت معاشرے کے اس فہم منصر (Intelligentia) اور ذہین اقلیت (Intellectual) (Minority) کو حاصل ہے جو از خود معاشرے کی ذہنی و فکری قیادت کے منصب پر فائز ہے اور جسے جدید ملت میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک فرد نوع بشر کے جسم میں اس کے دماغ (Brain) کو حاصل ہوتا ہے۔

۴۔ اس طبقے کے قلوب و اذہان میں ایمان کی تخم بیزی اور آبیاری کیلئے لازم ہے کہ خلاصۂ قرآن حکیم کی بنیادوں پر اور کسی کی ہدایت و رہنمائی کی روشنی میں ایک ایسی زبردست علمی تحریک برپا ہو جو ایک طرف وقت کی اعلیٰ ترین علمی سطح پر تمدن افکار و نظریات کا موثر اور مدلل ابطال کرے۔ دوسری جانب ٹھوس علمی سطح پر ~~موجودہ~~ حقائق ایمانی کا واضح اثبات کرے تاکہ یقین اور اذعان کی کیفیت پیدا ہو۔ اور تیسری طرف ثابت شدہ سائنسی حقائق اور حقیقت کائنات و انسان کے بارے میں قرآن حکیم کے نقطہ نظر میں ایسی تطبیق پیدا کرے جس سے قلوب مطمئن ہو سکیں۔ (وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فَاَيُّكُمْ قٰلِيْ)

۵۔ اس کے لئے لازم ہے کہ کچھ ایسے نوجوان جو بیک وقت ذہین اور باصلاحیت بھی ہوں اور باہمت اور صاحب عزیمت بھی اور جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی کتاب عزیز پر خالص ذاتی نوعیت کا ایمان و یقین عطا فرمائے، اپنی پوری زندگی کو تقلم و تعلیم قرآن کے لئے وقف کر دیں اور اس کتاب حکیم کے فلسفہ و حکمت

کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے سوا زندگی میں اُن کا مقصد و مطلوب اور کچھ نہ رہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے اور عربی زبان سیکھنے سکھانے کی ایک عام تحریک برپا کی جائے اور علوم قرآنی کی عمومی نشر و اشاعت کا ایک وسیع پیمانے پر اہتمام ہوتا کہ عوام کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہوں، ذہنوں پر اس کی عظمت کا نقش قائم ہو، دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہو اور اس کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو جائے۔ اسی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان بھی اس سے مستعارف ہوں گے اور ان میں سے کچھ تعداد ایسے نوجوانوں کی بھی نکل آئے گی جو اس کی قدر و قیمت سے اس درجہ آگاہ ہو جائیں کہ پوری زندگی اس کے علم و حکمت کی تحصیل اور نشر و اشاعت کے لئے وقف کر دیں۔

خدا ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(ماخوذ : قرارداد مقاصد کی مختصر توضیح و تشریح از : دستور انجمن)

الحمد للہ کہ ۱۳۸۷ھ سے ۱۳۸۸ھ تک ڈاکٹر صاحب اور انجمن کی نو سالہ مشترکہ سامعی کا یہ نتیجہ روز روشن کی طرح نگاہوں کے سامنے ہے کہ پاکستان کے ہول و عرض میں نہایت کثیر تعداد میں لوگوں کی توجہات قرآن حکیم کی جانب منعطف ہو گئی ہیں اور اللہ کی کتاب مبین کی جانب ایک عام التفات پیدا ہو گیا ہے۔

— مزید برآں قرآن حکیم کے علوم و معارف کے بیان و تبیین کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کے مخصوص طرز و انداز کا شہرہ نہ صرف اندرون ملک گوشے گوشے میں بلکہ بیرون ملک بھی دُور دُور تک پہنچ گیا ہے۔ اس ضمن میں بظاہر احوال جہاں ڈاکٹر صاحب کے دروس و خطابات اور انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی قرآن کانفرنسوں اور قرآنی تربیت گاہوں اور مکتبہ انجمن کے زیر اہتمام شائع ہونے والی مطبوعات کو بھی بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ اور گزشتہ تین سالوں کے دوران پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگراموں بالخصوص ’الکتاب‘، ’العلم‘ اور ’الہدٰی‘ نے تو فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے، وہاں درحقیقت یہ فضل و احسان ہے اللہ تعالیٰ کا

ہیں نے اپنا کلام اپنے بندے اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور  
 اس کے ایک ایک حرف کو ”کس نے بھردی موتیوں سے خوشتر گندم کی  
 بیب“ کی سی شان کے ساتھ علم و حکمت کے جواہر کا خزانہ بنا دیا۔ پھر اس  
 دور میں جبکہ الحاد اور مادہ پرستی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چیلے ہوئے ہیں  
 اور انسانوں کی عظیم اکثریت کا مقصود و مطلوب محض دنیا اور اس کی آسائشیں  
 نہ کر رہ گئی ہیں اپنے ایک حقیر اور ناچیز بندے کے ذہن پر قرآن مجیم کی عظمت  
 ایسا نقش قائم فرمادیا اور اس کے دل میں اپنے کلام مجید کی ایسی محبت جاگزیں  
 فرمادی کہ وہ سے ”ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم - الا حدیث دوست  
 نہ تکراری نیم“ کے مصداق ہر چیز سے لا تعلق ہو کر صرف اور صرف اس کی کتابت  
 اہو کر رہ گیا۔ مزید برآں اسے بیان کی وہ صلاحیت عطا فرمادی اور اس  
 کی زبان میں وہ تاثیر رکھ دی کہ بھجوائے الفاظ قرآنی ”فَاَجْعَلْ اَفِيْذَةً  
 بَيْنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ“ کثیر تعداد میں لوگوں کے قلوب اس کی  
 جانب مائل ہو گئے اور معتد بہ تعداد میں لوگ اس کی سعی و جہد میں بالفعل شریک  
 ہی ہو گئے۔ یہ سب فی الاصل ظہور ہے اللہ تعالیٰ کی شان رحمانی کا بھجوائے  
 الفاظ قرآنی :- ”الرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝  
 عَلَّمَ الْبَيَانَ ۝“ گویا ڈاکٹر صاحب اور مرکزی انجمن خدام  
 القرآن لاہور کے پیش نظر مقاصد کے اس مرحلہ اول کی کسی درجے میں تکمیل  
 کے ضمن میں بظاہر خواہ ڈاکٹر صاحب کی ذاتی مساعی کا دخل ہو خواہ وابستگان و  
 کارکنان انجمن کے ”داعی، درمے، قدمے، سخنے“ تعاون کا بباطن یہ سارا  
 عامل تصرفات الہیہ کا ہے، پس کل شکر و ثنا بھی اسی کی ہے اور تمام حمد و ثناء  
 بھی، - ڈاکٹر صاحب اور انجمن دونوں کے لئے مقام صد شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے ”ہم نے جو کچھ پڑھا پڑھایا تھا سب فراموش کر دیا۔ اب تو بس صرف اپنے محبوب  
 کی بات یاد رہ گئی ہے جس کا ورد کئے جا رہے ہیں“

۱۔ سورۃ ابراہیم ”پس (مے رب) لوگوں کے دلوں کو ان کی جانب مائل فرما دے!“  
 ۲۔ سورۃ رحمن :- ”رحمن نے (بنفس نفیس) قرآن کی تعلیم دی، انسان کو تخلیق فرمایا  
 (اور) اسے بیان کی صلاحیت عطا فرمائی“

نے انہیں اپنی کتاب عزیز کی خدمت کی توفیق بھی ارزانی فرمائی اور ان کی مسامحی کو دنیا میں قبول عام کا مقام عطا فرما کر ”وَ اٰخِرُیْ حَسْبُ وُسْطٰی“ کے قبیل کا نقد انعام بھی عطا فرمادیا ہے ”مَنْتَ مِنْہٗ کہ خدمتِ سلطان مکی کنی۔ مَنّتِ شناس از او کہ بخدمت گذاشت ا!“

پیش نظر مقاصد کے ”مرحلہ ثانی“ - یعنی قرآن اکیڈمی کے قیام اور اسس ”کہفِ قرآنی“ میں ذہین اور فہیم نوجوانوں (یعنی فِخْیَیَّہ) کی ایک جماعت کے ہر طرف سے کٹ کر کامل یکسوئی کے ساتھ پوری زندگی کو وقف کر دینے کے شعوری فیصلے اور معتمد ارادے کے ساتھ ہمہ تن اور ہمہ وقت تعلیم و تعلم قرآن میں مشغول ہو جانے کے ضمن میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سائنہی کام گذشتہ نو سالوں کے دوران ہو چکا ہے۔ چنانچہ ایک طرف ”قرآن اکیڈمی“ کا تعمیراتی منصوبہ تین چوتھائی سے زائد مکمل ہو چکا ہے اور واضح رہے کہ اس میں ایک پیسہ بھر بھی کسی ملکی یا غیر ملکی سرکاری یا نیم سرکاری ادارے کی مدد شامل نہیں ہے۔ بلکہ یہ کل کا کل ڈاکٹر صاحب اور انجمن کے ہم خیال اور ہی خواہ حضرات کے ذاتی ایثار و انفاق کا نتیجہ ہے۔ (دوسری طرف ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین و فہیم نوجوان بھی اب بالکل مفقود نہیں ہیں جن کے دلوں میں اپنی زندگیوں کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان مبارک : ”خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ“ کے مطابق تعلیم و تعلم قرآن کے لئے وقف کر دینے کا جذبہ موجزن ہے۔ بنا بریں اب وقت آگیا ہے کہ اس مرحلہ ثانی کا بالفعل آغاز کر دیا جائے۔

یہ بات بادل تامل سمجھ میں آسکتی ہے کہ اس دوسرے مرحلے کے آغاز کے لئے دو شرطوں کا پورا کیا جانا لازمی و لا بدی ہے :- ایک ان نوجوانوں کی

۱۔ سورۃ صفت : ”اور دوسری چیز جو تمہیں بہت محبوب ہے !“

۲۔ سورہ کہف

۳۔ بخاری اور مسلم کی متفق علیہ مرفوع حدیث جو حضرت عثمانؓ سے مروی ہے : ”تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور اسے دوسروں تک پہنچائیں“

باب سے جو اس کام کا داعیہ رکھتے ہوں اور دوشری انجمن کی جانے۔  
 — نوجوانوں کی طرف سے یہ کہ وہ کسی فوری جذبے یا وقتی محرک کے تحت  
 نہیں بلکہ پورے شعور و ادراک کے ساتھ اپنی پوری زندگی کو اس عظیم مقصد  
 کے لئے وقف کرنے کا عہد کریں۔ اور معاش کے ضمن میں امنگوں اور دلوں  
 (AMBITIONS) اور حسین مستقبل (BRIGHT CAREER) کی  
 آرزوؤں سے صرف نظر کر کے صرف "قوتِ لایوت" پر سہ کرنے کے لئے ذہناً  
 پوری طرح آمادہ ہو جائیں۔ اس ضمن میں "اسلام کی نشاۃ ثانیہ" کرنے کا  
 اصل کام "۲۱ و ۲۲ سے یہ اقتباس لائقِ توجہ ہے :-

"آج کے دور میں، جبکہ مادیت اور دنیا پرستی کا قلوب و اذہان پر مکمل  
 تسلط ہے اور کچھ تو فی الواقع طلبِ معاش کا مسئلہ اتنا کٹھن ہو گیا ہے کہ  
 اکثر لوگوں کو اپنی ساری صلاحیتیں اور تلافیاں اسی کے حل پر مرکوز کر دینی  
 پڑتی ہیں۔ پھر معاشرے کا عام رجحان یہ ہو گیا ہے کہ جو ذرا اس سطح سے  
 بلند ہوتا ہے اس پر معیارِ زندگی کو بلند تر کرنے کی دھن سوار ہو جاتی ہے۔  
 اس قسم کے نوجوانوں کا ملنا بظاہر محال نظر آتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے  
 کہ دنیا سیدر و حوں سے کبھی خالی نہیں ہوتی، اور اگر کچھ مخلص و صاحبِ  
 عزیمت لوگ ذہنی یکسوئی کے ساتھ اس کام کا بیڑا اٹھالیں تو انشاء اللہ  
 اسی معاشرے میں بہت سے ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک  
 نوجوان ایسے مل جائیں گے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول مبارک  
 کو کہ خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ اِنَّا لَا نَحْمِلُ عَمَلُ بَاكَرِمْ فَرَّانِ  
 کی تحصیل و اشاعت کے لئے زندگی وقف کر دیں۔ — یہ بھی واضح رہے  
 کہ اصل ضرورت صرف اس کی ہوتی ہے کہ کسی جذبہ و خیال کے تحت انسان  
 میں داخلی طور پر ایک داعیہ بیدار ہو جائے، پھر یہ داعیہ کام کی راہیں خود  
 پیدا کر لیتا ہے اور تمام موانع و مشکلات سے خود نبٹ لیتا ہے۔ لہذا  
 ضرورت اس کی ہے کہ اس خیال کو عام اور اس کی ضرورت کے احساس  
 کو اجاگر کیا جائے پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس اعلیٰ و ارفع نصب العین  
 کے لئے کام کرنے والے دستیاب نہ ہو سکیں۔"

یہ بات آج سے پندرہ سال قبل کہی گئی تھی اور اگر ڈاکٹر صاحب کی پندرہ سالہ اور انجمن کی نو سالہ مساعی سے چند نوجوانوں کے دلوں میں بھی یہ داعیہ بیدار نہ ہو سکا ہو تو دو میں سے ایک نتیجے تک پہنچنا ناگزیر ہو گا یعنی یہ کہ یا تو یہ مساعی ہی خلوص سے تھی اور اخلاص سے بیگانہ تھیں یا پھر ہمارا معاشرہ بالکل بانگھڑی ہو چکا ہے اور اب اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی —

بہر حال ”لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ“ اور ”وَلَا تَأْسَوْا مِنْهُ“ کی دائمی اور لازوال قرآنی ہدایات اور عہد حاضر کے حکیم القرآن علامہ اقبال مرحوم کی اس تلقین کے پیش نظر کہ ”وَمِنْهُمْ مَنْ هُوَ سَلْبٌ رُبِّهِمْ فَرَزَانٌ - کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی!“ ہم اُمید رکھتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ سعید رُوحیں ایسی مزور نکل آئیں گی جو اس کڑی شرط کو پورا کر سکیں —

کوئی زیادہ پرانی بات نہیں ہے کہ اسی برصغیر پاک و ہند سے کثیر تعداد میں ایسے اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان نوجوان نکل آئے تھے جنہوں نے پوری عمر یہ عہد نباھا کہ ہمیشہ قومی تعلیمی اداروں ہی میں کام کریں گے اور کبھی سرکاری ملازمت کا رُخ نہ کریں گے اور مدت العمر کبھی - / ۵ روپے ماہوار سے زیادہ مشاہرہ نہ لیں گے — تو اگر قوم اور وطن کے نام پر اس کردار کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے تو کیا ہمارا معاشرہ دینی جذبہ کے اعتبار سے اس قدر گراؤ کا شکار ہو چکا ہے کہ اللہ کے دین اور اس کی کتاب کی خدمت کے لئے چند لوگ بھی اس کردار کا مظاہرہ نہ کر سکیں — اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ زَكِيٌّ؟

دوسری جانب انجمن خدام القرآن کو یہ شرط پوری کرنی ہوگی کہ وہ ان نوجوانوں کا زیادہ کڑا امتحان نہ لے اور ان کی معاش کے ضمن میں اوسط درجے اور درمیانی معیار کی کفالت کا ذمہ لے — ان دونوں شرطوں میں اگرچہ بظاہر ایک طرح کا تضاد نظر آتا ہے لیکن واقعیت پسندی کا تقاضا یہی ہے کہ ان دونوں کو بیک وقت پورا کرنے کی سعی کی جائے۔ یعنی جبکہ اکیڈمی کے نوجوان رفقاء ذہین و طلباء قوتِ لامیوت، حتیٰ کہ بعض اوقات قرآنی: ”وَلَسَبُّوْهُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوَافِ“

سورہ ہود: ”کیا تم میں کوئی ایک بھی سعید رُوح موجود نہیں؟“

الجميع . . . ” اور ” والصبر یسک فی البأساء . . . ” فاقول  
 یک کے لئے تیار ہوں ، اکیڈمی اور اس کی ماور سرپرست انجمن ان کے لئے  
 اوسط درجے کی معاش کا اہتمام ضرور کرے — چنانچہ مرکزی انجمن خدام القرآن  
 لاہور ( رجسٹرڈ ) کی مجلس منتظر نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۱ ستمبر ۱۹۷۷ء میں فیصلہ  
 کیا ہے کہ انجمن کسی بھی مضمون میں ایم اے یا ایم ایس سی کا امتحان فرسٹ  
 ڈویژن ( یا بصورت سمسٹر سسٹم کم از کم بی گریڈ ) میں پاس کرنے والے نوجوان  
 کو جو انجمن اور قرآن اکیڈمی کے مقاصد کے لئے زندگی وقف کرنے کا فیصلہ کریں  
 یونیورسٹی لیکچررز کے گریڈ کے مطابق مشاہرہ دو دیگر سہولتیں فراہم کرے گی ۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن حکیم کے الفاظ مبارکہ : ” مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ  
 اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ” کے مطابق کون ہیں وہ باہمت نوجوان جو انجمن کی اس  
 پیشکش کو قبول کر کے اس کی صدا پر لبیک کہیں اور اپنے پورے سرمایہ زیت کے  
 اللہ کے دین متین اور اس کی کتاب مبین کی خدمت کے لئے وقف کر دینے  
 کے عزم کے ساتھ اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو عمر بھر کے لئے انجمن خدام القرآن  
 اور قرآن اکیڈمی کے حوالے کر دیں ۔

اس ضمن میں اگرچہ بات پہلے ہی پوری طرح واضح ہو چکی ہے مگر ہم حفظ  
 ما تقدم کے طور پر مزید وضاحت مناسب ہے کہ یہ کوئی جزوی یا وقتی معاملہ  
 نہیں ہے بلکہ پوری متاع زیت اور محلہ سرمایہ حیات کا سودا ہے اصلاً  
 باطن اللہ کے ہاتھ اور بظاہر معاملہ انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی  
 کے ہاتھ — چنانچہ اس کی اصل قیمت تو اللہ تعالیٰ ہی احاطہ فرمائے گا یعنی جنت  
 بقولہ الفاظ قرآنی : ” اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ  
 وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنْ لَهُمُ الْجَنَّةَ ” البتہ انجمن ناگزیر بنیادی ضروریات

ہے سورہ بقرہ : ” اور ہم تمہیں لازماً آزمائیں گے کچھ خوف ہے ، بھوک ہے . . . ”

۱۱ سورہ بقرہ : ” اور ( بالخصوص ) صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں . . . ”

۱۲ سورہ حدید : ” کون ہیں وہ جو اللہ کو قرص حسد دیں ! ”

۱۳ سورہ توبہ : ” اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور مال بعاوضہ جنت



کے لئے گویا ”گذرا الاؤنس“ کا ذمہ لیتی ہے۔ محلے کی اس اصولی نوعیت کے واضح تعین کے ساتھ ساتھ اس کے بعض مفہومات و مقدمات اور لوازم و نتائج کی پیشگی وضاحت بھی مفید رہے گی۔ تاکہ ”لِيَحْيِي مَنْ حَيَّ عَثَ بِمَنْسَبِهِ“ کے مصداق جو بھی آگے بڑھے خوب سوچ سمجھ کر بڑھے:

۱۔ ان نوجوانوں کو اپنی جملہ توانائیاں اور کل صلاحیتیں بھی انجمن اور اکیڈمی کے لئے وقف رکھنی ہوں گی اور ناگزیر حوائج اور ضروری آرام کیلئے جتنا وقت درکار ہے اس کے سوا تمام اوقات بھی ان مقاصد ہی کے حصول کے لئے کھپانے ہوں گے۔ اور نہ تو ان کی صلاحیتوں اور قوتوں کا کوئی حصہ کسی بھی بلا واسطہ یا بالواسطہ انداز میں کسی دوسری نوع کی جلیب منفعت میں صرف ہوگا اور نہ ہی اوقات کار، کا وہ تصور سامنے رہے گا جو عام طور پر ملازمت کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے۔

۲۔ انجمن اور اکیڈمی کے مقاصد کی تحصیل و تکمیل کے ضمن میں تعلیم و تدریس تصنیف و تالیف، دعوت و تبلیغ حتیٰ کہ تبلیغی اور انتظامی نوعیت کے جو فرائض ہم انہیں تفویض کئے جائیں گے انہیں بدل و جان سراسر انجام دینے کی ہر امکانی سعی کو برفتنے کار لانا ہوگا اور اس ضمن میں کسی بھی کام سے دریغ نہ کیا جائے گا۔

۳۔ یہ سارا کام ”احیائے اسلام، اور اقامتِ دین“ کے مقاصدِ جلیبہ کیلئے ہے لہذا یہاں نظم اور ڈسپن کا معاملہ بھی ”اطاعت فی المعروف“ کے ٹھیکہ دینے، اصول پر مبنی ہوگا نہ کہ عام دنیاوی اداروں یا حکومت کے محکموں کے طرز کا۔

۴۔ اس پورے کام کا ایک پس منظر ہے جس سے اس کو جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اور وہ یہ کہ ”قرآن اکیڈمی“ ایک ذیلی ادارہ ہے مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کا اور اس کے موسس اور تاحین حیات صدر ہیں ڈاکٹر اسرار احمد جن کے دینی فکا کو اس پورے کام میں اساسی اہمیت اور بنیاد کے پتھر کی حیثیت حاصل ہے۔ لہذا اس کام میں مستردان ہی حضرات کا اشتراک عمل مفید رہے گا جو ان کے فکر سے فی الجملہ اتفاق رکھتے ہوں۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ کسی بھی مسئلے

۱۱۔ سورۃ انفال :- تاکہ جو جئے دلیل کے ساتھ جئے ۱۱

میں ان سے اختلاف نہ رکھتے ہوں۔ اس لئے کہ جزوی مسائل میں اختلاف اور تعبیر و تاویل کے انداز میں فرق و تفاوت بالکل دوسری چیز ہے اور اس کیلئے تو ہر جگہ اور ہر سطح پر گنجائش رہنی چاہیے لیکن مجموعی فکر سے اختلاف کے ساتھ اتحاد کا محال ہے اور ایسی کسی بھی کوشش میں خواہ وہ کتنی ہی مخلصانہ کیوں نہ ہو وقت اور قوت کا منیاع تو ممکن ہے کسی مفید نتیجے کی توقع نہیں کی جاسکتی — ہمسفری ابدیم قدمی ذہنی اور فکری ہم آہنگی کے بغیر ممکن نہیں ہے !!

اس کام کے لئے آگے بڑھنے والے نوجوانوں کے لئے ان مزید وضاحتوں اور تنبیہوں کے ساتھ ایک مزید تصریح انجمن کی جانب سے بھی — اور وہ یہ کہ ایسے نوجوانوں کو آغاز میں، یونیورسٹی ٹیکچرز کے گریڈ (یعنی فی الوقت گریڈ مکمل) میں مشاہرہ اور دیگر مراعات (یعنی رہائش یا کرایہ اور دیگر الاؤنس) دینے کے بعد وقتاً فوقتاً جو امدادیں اس ضمن میں سرکاری سطح پر ہوتے رہیں گے وہ انجمن بھی کرتی رہے گی — اور مناسب وقفوں پر ترقی کے جو امکانات سرکاری اداروں میں ہوں گے ان کا سلسلہ اکیڈمی میں بھی قائم رکھا جائے گا۔

آخری اور بعض اعتبارات سے اہم ترین بات یہ کہ یہ پوری تحریر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کی مجلس منتظمہ کے ایک خصوصی اجلاس منعقدہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۱ء میں پیش ہو کر ایک ایک لفظ کی تصویب و توثیق کا مرحلہ طے کر چکی ہے، گویا اسے من و عن مجلس منتظمہ کی 'قرارداد' کی حیثیت حاصل ہے۔

### (بقیہ عرض احوال)

کامیاب فرمائے کہ شروع ہونے والے اس اسلامی سال میں میثاق ہر ماہ پابندی سے پیش کیا جاسکے۔ اکثر احباب کو ناقص پروت ریڈنگ کی شکایت تھی اس مرتبہ اس شکایت کے ازالے کے لئے امکانی کوشش کی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں محترم چودھری نصیر احمد ورک کا میں ذاتی طور پر ممنون ہوں۔ جنہوں نے صرف اس مرتبہ اس کام میں تعاون فرمایا ہے بلکہ آئندہ مستقل طور پر یہ ذمہ داری قبول کر لی ہے۔ توقع ہے کہ ان کے اس تعاون کی بدولت اس باب میں احباب کی شکایت باقی نہیں رہے گی۔ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللّٰهِ !

# نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب لی ۴ نشری تقاریر

سورہ ہود (آیات نمبر ۱۰۶ تا ۱۱۲)

(۱۱)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔

اما بعد،

فَاعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ  
مَا مَّا الَّذِينَ شَقُوا فِي الثَّارِ لَهُمْ فِيهَا سُرَفٌ وَمِنْهُمُ الشَّيْطَانُ  
خَلْدَيْنِ فِيهَا مَادَّامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ  
إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ ۝ وَمَا الَّذِينَ مُعِدُّوهُ  
الْجَنَّةِ لَخَلْدَيْنِ فِيهَا مَادَّامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ  
عَطَاءٌ غَيْرُ يُحْذَرُ ۝ (سورہ ہود آیت ۱۰۶ تا ۱۰۸)

ترجمہ: "تو جو بد بخت ہوں گے وہ آگ میں داخل ہوں گے۔ اس میں چھتے چلاتے رہنا ہی ان کا مقدر ہوگا۔ وہ اسی میں رہیں گے۔ جب تک زمین و آسمان قائم رہیں الایہ کہ تیرا رب ہی (کچھ اور) چاہے۔ یقیناً تیرا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ اور جو نیک بخت قرار پائیں گے تو وہ جنت میں داخل ہوں گے اسی میں رہنے کو جب تک زمین و آسمان قائم رہیں۔ سوائے اس کے جو چاہے تیرا رب۔ یہ عطیہ الہی ہوگا جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا! " ترجمہ ختم ہوا۔

سورہ ہود کی ان آیات مبارکہ میں احوالِ آخرت کا بیان نہایت منفرد اور الگے پیرائے میں ہوا ہے۔ محاسبہٴ اخروی کے نتیجے میں نسلِ آدم کا دو گروہوں میں منقسم ہو جانا جن میں سے ایک کو رحمتِ خداوندی اپنی آغوش میں لے لے گی اور دوسرا عذابِ خداوندی کا نوالہ بنے گا قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر مذکور

ہے لیکن قرآن کا اہل کلام یہ سمجھ کر ہر جگہ بیان کی ایک نئی شان ہے۔ بالکل  
 اَحْكَمَ لَيْزُومِ حُتُوفِ مَشَانِ کی سی کیفیت کے ساتھ۔ یقیناً بالکل صحیح فرمایا  
 ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے قرآن حکیم کی شان میں کہ ہے ”مثل حق نہیں  
 ہم پیدا ست او۔ زندہ و پائندہ و گویا ست او!!“

آیت مشتاقم ہوئی تھی ان الفاظ مبارکہ پر کہ ”فمنهم شقی وسعیّدہ“  
 بنی قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے۔ ایک کے لئے  
 نظ شقی استعمال ہوا اور دوسرے کے لئے سعید۔ شقی کا صحیح ترین مفہوم فارسی  
 لے لفظ بد بخت سے ادا ہو سکتا ہے اور سعید کا نیک بخت سے۔ لیکن نہایت  
 لطیف نکتہ یہ ہے کہ آگے ”فاما الذین شقوا“ میں فعل کا صیغہ معروف  
 استعمال ہوا ہے جس میں ارادۂ فعل کی نسبت فاعل کی جانب مراعت کے  
 ماتہ ہوتی ہے اور ”اما الذین سعیدوا“ میں فعل مجہول لایا گیا جس  
 ن فعل کی نسبت فاعلی شخص مذکور کی جانب نہیں ہوتی۔ گویا کہ شقاوت تمام  
 سانوں کے اپنے افعال و اعمال کا نتیجہ ہے جبکہ سعادت میں عطیہ الہی ہونے کا  
 بلوغالب ہے۔ چنانچہ اسی کی جانب مزید واضح اشارہ ہو گیا آیات زیرِ مدس  
 لے آخری الفاظ یعنی ”عطاء غیور مجذوز“ میں کہ یہ عطا ہے کس نہیں!۔  
 سی حقیقت کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ادا فرمایا کہ کوئی انسان  
 معنی اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جب تک کہ رحمت  
 خداوندی دستگیری نہ کرے۔ جس پر کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے ہمت کر کے یہ  
 پوچھ ہی لیا کہ ”حضور کیا آپ بھی؟“ جس کے جواب میں آنحضور نے فرمایا:  
 ”ہاں! میں بھی!“ فصلى الله عليه وآله واصحابه وسلم!۔

اہل جہنم کے لئے اس مقام پر دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ذبیہ اور  
 شہیق۔ اہل عرب ان دونوں کا اطلاق گدھے کے چیخنے چلانے پر کرتے تھے چنانچہ  
 وہ آواز جو اس وقت نکلتی ہے جب گدھا سانس باہر کو نکالتا ہے۔ اسے وہ  
 زہیر سے تعبیر کرتے ہیں اور جو اس سے بھی مکر وہ تر، آواز اس وقت نکلتی ہے  
 جب وہ سانس اندر کی جانب کھینچتا ہے اسے شہیق کہتے ہیں، اہل جہنم کی چیخ  
 پکار کے لئے ان دونوں الفاظ کے استعمال میں تحقیر اور تعذیب کا جو پہلو ہے وہ

اظهر من الشمس ہے۔

قرآن حکیم میں جنت اور دوزخ دونوں کے لئے خلود کا لفظ بے شمار مرتبہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہمیشہ رہنے کے ہیں۔ دوام مطلق کا تصور ظاہر ہے۔ کہ انسان کے لئے محال عقلی ہے۔ اس لئے کہ اس کا ذہن اور اس کی سوچ کے تمام پیمانے محدود ہیں، اس میں لامحدود زمانے کا تصور سمجھنا ناممکن ہے۔ لہذا ہر شخص اس کا تصور اپنے ذہن و فکر کی وسعت یا تنگی کی نسبت سے قائم کرنے پر مجبور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے مقامات پر قرآن ”خلود“ پر ”ابدًا“ کے لفظ کا اناض کرتا ہے تاکہ انسانوں کا تصور خلود کے ضمن میں سمجھ اور آگے بڑھ سکے۔ سورہ ہود کی زیر درس آیات میں ایک بالکل منفرد پیرایہ بیان استعمال ہوا ہے یعنی ”مادامت السموات والارض“ یعنی جب تک قائم رہیں آسمان اور زمین!! — اس ضمن میں یہ بات تو بالکل واضح ہے۔ اور اس پر جمیع مفسرین کا اجماع و اتفاق بھی ہے کہ ان سے مراد موجودہ زمین و آسمان نہیں بلکہ عالم آخرت کے زمین و آسمان ہیں۔ اس لئے کہ یہ امر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر مراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ وقوع قیامت پر زمین و آسمان موجودہ بساط لپیٹ دی جائے گی اور بالکل نئے قوانین طبعی کے ساتھ نئے زمین و آسمان وجود میں آئیں گے جیسے کہ فرمایا کہ — ”يَوْمَ

نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ“ یعنی ”جس دن کہ ہم لپیٹ دیں گے آسمانوں کو جیسے کہ کتابوں کے طومار لپیٹ دیئے جاتے ہیں“ یا جیسے فرمایا کہ: ”يَوْمَ تَبْدِلُ الْأَرْضَ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ“ یعنی ”جس دن کہ زمین و آسمان تبدیل کر دیئے جائیں گے“ اور یہ بات ہرگز خلاف حیاں نہیں کہ عالم آخرت کے یہ زمین و آسمان ابدی ہوں اور ان میں پھر کسی تغیر و تبدل کا امکان ہونہ اختتام و انہدام کا۔ یا یہ بھی عین ممکن ہے کہ مادامت السموات والارض“ کے الفاظ بطور محاورہ استعمال ہوئے ہوں اور گناہ ہوں ابدیت کے لئے۔ بہر حال یہی دو تعبیریں اہل سنت کے مجمع علیہ عقاید کے مطابق ممکن ہیں۔ المبتدئ ایک خفیف سا امکان اس انداز تعبیر و بیان سے اس امر کا

بھی پیدا ہوتا ہے کہ ایک نہایت دور و دراز اور طویل مدت کے بعد جس کی درازی کا تصور ذہن انسانی صرف غلو اور ابدی کے الفاظ کے حوالے سے کر سکتا ہے ایک وقت آسکتا ہے کہ کل سلسلہ تخلیق اور پورا عالم کون مکان جس طرح آغاز میں عدم محض سے عالم وجود میں آیا تھا اسی طرح ایک بار پھر عدم محض کے پردے میں گم ہو جائے۔ اور سوائے ذات واجب الوجود کے اور کچھ باقی نہ رہے۔ اسی کی جانب ایک لطیف سا اشارہ سورہ جن کے ان الفاظ مبارکہ میں بھی ملتا ہے کہ ”كُلٌّ مِّنْ عَلَيْهَا نَارٍ وَ مِيقَاتُ وَجْهِ زَيْدٍ ذَا الْجَلَالِ وَ الْاِكْرَامِ“۔ اگرچہ یہ معاملہ اس اعتبار سے بہت عجیب ہے کہ بعض عارفین کے نزدیک تو اس وقت بھی صورت واقعہ یہی ہے کہ فی الحقیقت موجود ذات تو صرف اللہ ہی کی ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف دہم خیال کے درجے میں ہے فی الواقع موجود نہیں بقول شاعر سے کل مافی الکون وہم اوحیال۔ او عکوس فی المسایا و ظلال!۔ یعنی اس کائنات میں جو کچھ ہے وہ یا وہم و خیال کے درجے میں ہے یا اُیُنوں میں نظر آنے والے عکس یا سائے کے درجے میں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

”ما ذامت السموات والارض“ کے الفاظ مبارکہ پر مزید منفرد اور انوکھا انداز احیاء زیر درس میں ”الما شاء ربک“ کے الفاظ سے ہوا ہے یعنی ”سوائے اُس کے جو چاہے ترارت!“ ان الفاظ مبارکہ کا ماحول وہ تو لازماً ہے ہی جس کی جانب اشارہ کیا ہے تمام مفسرین سے کہ جملہ صفات باری تعالیٰ کی طرح مشیت ایزدی بھی اطلاقی شان کی حامل ہے اور اللہ خود اپنے بنائے ہوئے کسی قاعدہ و قانون کا بھی پابند نہیں ہے کہ ایک مرتبہ بنانے کے بعد معاذ اللہ عاجز ہو جائے اور اس میں کوئی رد بدل نہ کر سکے! وہ مختار مطلق ہے جو چاہے کرے۔ مزید برآں اس استثناء سے جہنم کے ضمن میں تو اہل سنت کے اس عقیدے کی تائید کا پہلو نکلتا ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے والے سب لوگ اس میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ گناہگار مومن اپنے گناہوں کی نسبت سے سزا پا کر وہاں سے نکل آئیں گے۔ اور کیا عجب کہ اہل جنت کے ضمن میں بھی اس استثناء کا مطلب ہو کہ تمام اہل جنت بھی ہمیشہ جنت ہی میں نہ رہیں بلکہ وہ

سب یا اُن میں سے کچھ اس سے بھی اعلیٰ کیفیت کی طرف منتقل کر دیئے جائیں  
بقول شاعرؒ ”جستجو کہ خوب ہے ترکہاں!“ — اور ”ستاروں  
سے اُگے جہاں اور بھی ہیں!“ — واللہ اعلم بالصواب۔

مزید برآں جہنم اور اہل جہنم کے ذکر میں ”إِنَّ رَبَّكَ فَعَالٌ لِّمَا  
يُؤَيِّدُ“ کے الفاظ اور اس کے مقابلے میں جنت اور اہل جنت کے ذکر میں  
”عَطَاءٌ غَيْرُ مَجْذُوذٍ“ کے الفاظ استعمال بھی بلا سبب معلوم نہیں ہوتا۔ بقول  
غائب ”مُغْنِيَةُ الْفَافِ كَالْعِلْمِ اس کو سمجھو۔ جو لفظ کہ غالب میرے اشعار میں آئے“  
الفاظ و انداز بیان کے اس فرق و تفاوت سے جنت اور دوزخ کے دوام و  
خلود میں کسی لطیف فرق کا سراغ ضرور ملتا ہے۔ جس کو مزید تقویت حاصل  
ہوتی ہے دو مقامات پر یعنی سورۃ تغابن اور سورۃ بئینہ میں اہل جہنم کے ضمن  
میں صرف ”خُلِدُوا فِيهَا“ کے الفاظ پر اکتفا — اور اہل جنت کے ذکر میں ان  
پر ”أَبَدًا“ کے اضافے سے — اور اگرچہ یہ بات مجمع علیہ عقاید کے مطابق  
تو نہیں تاہم یہ نکتہ قابل لحاظ ہے کہ اس معاملے میں دو بالکل متضاد مزاج کے  
حامل بزرگوں کا اتفاق رائے بہت غیر معمولی بات ہے۔ یعنی یہ کہ کتاب و سنت  
کے علوم کے بحر ذخار امام ابن تیمیہؒ اور طائفہ صوفیاء کے سرخیل شیخ ابن عربیؒ دونوں  
کی رائے یہ ہے کہ دوام و ابدیت مطلقہ صرف جنت کو حاصل ہے، دوزخ اگرچہ  
نہایت طویل نہایت طویل نہایت طویل ہے بلکہ تقریباً دوام ہی کی حد تک قائم رہے  
گی لیکن اسے ابدیت مطلقہ بہر حال حاصل نہیں۔ واللہ اعلم۔  
وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

## ڈاکٹر اسرار احمد

کے دو درجہ قرآن حکیم اور خطابات کے  
نشر القرآن کیسٹ سیریز، کراچی میں حسب ذیل پتہ پر دستیاب  
ہیں شائنگ ٹریڈرز، رفیع مینش بالمقابل آرام باغ۔

شاپراہ لیاقت - کراچی ، فون ۲۱۴۷۰۹

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّنْ يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا  
يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ ۖ وَ إِنَّا لَمُؤْتَوُونَ نَصِيْبَهُمْ غَيْرِ مُنْقَرَضٍ  
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ  
مِنْ رَبِّكَ لَفَعَلْنَا بَيْنَهُمْ ۖ وَ إِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۚ وَإِنَّ  
كَلَامَ لِّسَانِهِمْ لِرَبِّكَ أَعْمَالُهُمْ ۖ إِنَّهُمْ لَمَّا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

(سُورَةُ هُود ۱۰۹ - ۱۱۱) کا ترجمہ یہ ہے :-

”پس یہ لوگ جن (مزمومہ) معبودوں کی پرستش کر رہے ہیں تم ان کے بارے  
میں کسی شش و پنج میں نہ پڑ جانا - یہ بھی اسی طرح (بے دلیل و بے سند) پوج  
رہے ہیں جس طرح پہلے ان کے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں - اور ہم انہیں دے کر  
رہیں گے ان کا بھرپور حصہ بغیر کسی کمی کے ! اور ہم نے موسیٰ کو بھی کتاب دی  
تھی - پھر اس میں بھی اختلاف ڈال دیا گیا - اور اگر نہ ملے پابچی ہوتی ایک بات نیزے  
رب کی جانب سے پہلے ہی سے، تو (کبھی کا) فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان کے مابین، اور یقیناً وہ  
اس کے بارے میں ایک ایسے شک میں مبتلا ہیں جس نے انہیں غلجہاں میں ڈال دیا  
ہے - اور یقیناً تیرا رب ان سب ہی کو بھرپور صلہ دے کر رہے گا - ان کے کرتوتوں  
کا، یقیناً جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ اس سے باخبر ہے !“ ترجمہ ختم ہوا !

دنیا میں کسی چیرکار و راج یا چلن ہو جانا اور لوگوں کا کثیر تعداد میں اُسی کو قبول  
کر لینا بسا اوقات سادہ لوح لوگوں کے لئے اس مغالطے کا سبب بن جاتا ہے کہ  
جب اتنے لوگوں نے اسے اختیار کیا ہوا ہے تو ضرور اس کے پیچھے کوئی دلیل اور  
منقولیت کارفرما ہوگی - یہاں بظاہر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے -  
لیکن دراصل عوام کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ تم جن مزمومہ معبودوں کی  
پرستش ہوتے دیکھ رہے ہو - جن کے گن گاتے اور اُن کی شان میں قصیدے  
پڑھتے تم اپنے پنڈتوں، پجاریوں اور پرہتوں کو دیکھ رہے ہو اور جن کی درجہ



اور شاخواتی میں تم اپنی قوم کے سرداروں کو رطب اللسان پاتے ہو ان کے بارے میں اس سارے شاطئ باطن اور کزو فر سے تمہیں یہ مغالطہ نہ لاحق ہونے پڑے کہ ان کے لئے کوئی نہ کوئی دلیل یا سند ضرور موجود ہوگی خواہ وہ ہمارے علم میں ہو بلکہ ہمارے فہم سے بھی بالاتر ہو! - اس سارے معاملے کی اصل حیثیت یہ کہ ریت اور رسم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ گویا یہ خالص تقلید اعلیٰ کا کرشمہ ہے۔ وَلَا تَكُنْ فِي مَذْيَبٍ مِّمَّنْ يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مِمَّنْ يَرْكُزُ دُحُوکًا نَّهَاجًا نَّانَ مَرْعُومٍ مَّعْبُودٍ كَے بائے میں جنہیں یہ لوگ پوج رہے ہیں۔ "مَا يَعْبُدُ وَلَا إِلَٰهَ كَمَا يَعْبُدُ آبَاءُ هُمْ" یہ لوگ نہیں پوج رہے ہیں ان کو مگر اُسی طور جس طور سے پہلے ان کے آباؤ اجداد پوجتے رہے ہیں یعنی بالکل بے دلیل و برہان اور بغیر سند و سلطان۔ جیسے کہ فرمایا سورۃ حج کی آیت ۱۷ میں "وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَيْسَ لَهُم بِهِ عِلْمٌ" یعنی وہ پوج رہے ہیں اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جن کے لئے نہ کو سند یا سلطان اتاری گئی ہے نہ ہی اُن کے بائے میں ان کے پاس کوئی حقیقی اور واقعی علم یعنی دلیل عقلی یا برہان علمی موجود ہے۔ آخر میں فرمایا "وَأَن لَّيْسَ لَهُم شَوْءٌ مِّنْهُ غَيْرِ مَنقُوصٍ" اور یقیناً ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو کا بدلہ بغیر کسی کمی کے، بَلَاكُم وَكَاسَتْ اِیَّانَ الْفَاظِ مِیْنِ شَدِیْدٍ وَعِیْدٍ بَیْہَاہِ اور ساتھ ہی ان کے انجام پر حسرت کا اظہار بھی ہے۔ لفظ "نَصِیْب" میں جہ ہے۔ اُس بیان تک انجام پر جس سے وہ دوچار ہونے والے ہیں۔ "غَیْبٌ مَّنْقُوصٌ" میں وجہ تک شدت ہے کہ ان سے کسی قسم کی کوئی رُورعایت نہ برتا جائے گی اور یہ اپنی گمراہی اور کج روی کا بھرپور صلہ پا کر رہیں گے۔ اس لئے کہ شِرْکِ نَا قَابِلِ مَعَانِی جُزْمِ ہے۔ جیسے کہ فرمایا سورۃ نسا میں دوبار یعنی آیت ۱۱۶ اور آیت ۱۱۷ میں کہ "إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ" یعنی: اللہ تعالیٰ ہرگز معاف نہ فرمائے گا اسے کہ اُس کے ساتھ شِرْکِ کیا جائے ہے۔ اس کیفیت میں مزید شدت کا امانا ہے "إِنَّا لَمُؤْتَوُونَ هُمْ" اے کلمات مبارکہ میں "إِنَّا" بھی تاکید کے لئے آیا ہے۔ لام مفتوح سے تاکید مزید ہو رہی ہے۔ یہ

وَنَیُّ یُوقِی کے معنی ہیں پورا پورا دینا اور اس میں کسی نوع کی کمی نہ ہونے دینا اور  
برآں اس میں بجلتے فعل کے اسم فاعل کا استعمال کیا گیا جس سے ایک عزم  
مستقیم کا اظہار ہوتا ہے۔ گویا کہ وعید کی شدت اور اس میں تاکید کے اظہار کے لئے  
جتنے اسلوب عربی زبان میں ممکن ہیں وہ سب کے سب اس چھوٹے سے جملے میں  
استعمال ہو گئے۔ فَسُبْحَانَكَ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرِکُونَ !!

سورۃ ہود مکی دور کے آخر میں نازل ہوئی ہے۔ اس وقت تک اگرچہ  
آنحضور کی براہ راست دعوت کا دائرہ تو شہر مکہ یا اس کے گرد و نواح جیسے طائف  
وغیرہ تک محدود تھا جہاں صرف بنی اسماعیل آباد تھے تاہم آپ کی بالواسطہ  
دعوت دور دور تک پہنچ چکی تھی۔ بالخصوص مدینہ منورہ جو اس وقت تک یثرب  
کہلاتا تھا اور جہاں تین بڑے قبیلے آباد تھے وہاں آپ کی دعوت کا چرچا بھی ہو چکا  
تھا اور یہود کے علماء اور سردار حضور کی مخالفت کا آغاز بھی کر چکے تھے اگرچہ یہ  
مخالفت بھی بالواسطہ ہی تھی یعنی درپردہ مشرکین مکہ کی پیٹھ ٹھونک کر۔ اور  
انہیں آنحضور کے خلاف طرح طرح کے الزامات و اعتراضات سوجھا کر۔ لہذا  
سورۃ ہود کی آیت منالہ میں ان کی جانب ایک بر محل *Reference* ہے  
”وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰی الْکِتٰبَ فَاخْتَلَفَ فِیْہِ“ یعنی ”ہم نے (اس  
قرآن سے قبل) موسیٰ کو بھی ایک کتاب دی تھی (یعنی توراۃ)۔ لیکن اُس میں  
بھی اختلاف برپا کر دیا گیا۔“ ”فاختلف فیہا“ کے جامع الفاظ دونوں معانی  
کے حامل ہیں یعنی ایک یہ کہ جس طرح آج تم لوگ قرآن کے بارے میں تفرقہ  
میں پڑ گئے ہو کہ یہ منزل من اللہ ہے یا نہیں؟ اسی طرح اُس وقت توراۃ کے  
بارے میں بھی یہی جھگڑا کھڑا کیا گیا تھا۔ اس میں گویا اہل مکہ ہی پر تعریف ہے  
اگرچہ ہے ”در حدیث دیگران“ کے انداز میں! اور دوسرے یہ کہ توراۃ کے ملنے  
والوں ہی نے بعد میں اس کی تعلیمات کے بارے میں طرح طرح کے اختلافات گھڑ  
لئے۔ یہ گویا تنقید ہوئی علمائے یہود پر جو درپردہ مشرکین مکہ کی پیٹھ ٹھونک رہے  
تھے۔ یہ تنقید نکھر کر سامنے آئی ہے آیت کے آخری الفاظ میں: ”وَ اِنَّہُمْ  
لَفِیْ شَکٍّ مِّنْہٗ مُرِیْطٌ“ واضح رہے کہ شک ایک ذہنی کیفیت ہے،

اور ”ریب“ مذکور متعلق ہے جس کی قریب ترین ترجمانی ظہان کے لفظ سے ہو سکتی ہے، یہ لفظ بہت خوبصورت انداز میں آیا ہے ایک حدیث نبوی میں کہ  
 ”مَا يُؤْتِيكَ اِلٰى مَا لَا يُؤْتِيكَ“ یعنی ”کسی بھی معاملے میں جس چیز سے  
 دل میں ظہان پیدا ہو اسے چھوڑ کر اس چیز کو اختیار کر جس سے دل کو اطمینان حاصل  
 ہو۔“ یہی بات آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں بھی فرمائی کہ ”اسْتَفْتِ قَلْبَكَ“  
 یعنی ”اپنے دل سے بھی فتویٰ طلب کر لیا کرو“ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان  
 ہونے کی دویدار امتیں زوال و انحلال کے نتیجے میں اس حالت تک بھی پہنچ سکتی  
 ہیں کہ انہیں خود جس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کا دعویٰ ہے اس کے بارے  
 میں بھی وہ فی الواقع شکوک و شبہات اور ریب و ظہان میں مبتلا ہو جائیں۔  
 یہی بات ہے جو ایک قاعدہ کلیہ کے سے انداز میں فرمائی گئی سورہ شوریٰ کی  
 آیت مالا میں کہ ”وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اَوْسَرْتُوْا الْكُتُبَ مِنْ بَعْدِ هٰمْ  
 لَيَفْنٰی مِثْلَ مِثْلِهٖ مُرِيْبٌ“ یعنی ”وہ لوگ جو انبیاء و رسل کے بعد ان کی  
 کتابوں کے وارث بنے وہ اُس کے بائیس میں ایک ایسے شک میں مبتلا  
 ہیں جس سے اُن کے دلوں میں یقین و ایمان کے بجائے ریب و ظہان کی کیفیت  
 پیدا ہو گئی۔“ اس آیت مبارکہ کے درمیان میں جو الفاظ وارد ہوئے یعنی ”وَلَوْ لَا  
 كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ“ بعینہ یہی الفاظ ذرا سے  
 مزید اضافے کے ساتھ سورہ شوریٰ کی تذکرہ بالا آیت میں بھی آئے ہیں یعنی ”وَلَوْ  
 لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ“ یعنی  
 اللہ تعالیٰ کے علم ازل اور حکمت بالغہ میں جس طرح ہر ہر فرد کی اجل معین ہے  
 اسی طرح اقوام و قتل کی مہلت بھی پہلے سے طے شدہ ہے، لہذا اس کی جانب  
 سے پکڑ اور سزا فوری طور پر نہیں آتی، اور اسے بہر صورت اُس اجل معین  
 تک ڈھیل ملتی رہتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان ناہنجاروں کے جرائم تو واقعہً  
 ایسے ہیں کہ اُن کا حساب کسی کا چکا یا جا چکا ہوتا اور اُن کا قصہ کہی کا پاس کیا جا  
 چکا ہوتا۔ واضح رہے کہ ان الفاظ میں جو زبرد توینح اور وعید شدید مضمون ہے اُس  
 کا رُخ دونوں جانب ہے : یعنی یہود اور ان کے علماء کی جانب بھی اور اہل مکہ

اور ان کے سرداروں کی جانب بھی۔ چنانچہ یہ بات اگلی آیت یعنی آیت ملاح میں بالکل کھل کر سامنے آگئی یعنی ”وَإِنْ كَرِهَ لَنَا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ“ یعنی ”ان سب ہی کو تیرا رب ان کے اعمال کا بھرپور صلہ دے کر رہے گا“ لفظ ”لَ“ دلیے تو بہت ہی عام ہے یعنی یہ جنا یا سزا ہر ہر فرد کو بھی ملنے والی ہے اور ہر قوم اور امت کو بھی لیکن یہاں خاص طور پر مراد ہیں نبی اسماعیلؑ جن میں بیشت ہوئی آنحضرتؐ کی جن پر نازل ہوا قرآن حکیم — اور بنی اسرائیل جن کو ملی تھی تورات جو عطا فرمائی گئی تھی حضرت موسیٰؑ کو۔ یہ وعید شدید و آتش ہو گئی ہے آیت کے آخری الفاظ مبارک سے یعنی ”إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ“ یعنی ”یقیناً تیرا رب باخبر ہے اس سے جو کچھ کہ یہ کر رہے ہیں“ یعنی اس مخالف میں کوئی نہ رہے کہ ان کے کثرت کسی کی نگاہ میں نہیں ہیں، یہ اندھیر نگری پوٹ راج نہیں ہے۔ بلکہ ایک حکیم و دانہ اور علیم و جمیر اور سمیع و بصیر ہستی کا بنایا ہوا محکم نظام ہے جس میں کوئی شے حتیٰ کہ گھاس کا ایک ٹکڑا بھی بے مقصد اور بغیر حکمت نہیں ہے۔ لہذا یہاں جو کچھ ہوتا ہے۔ عبث اور بے نتیجہ رہنے والا نہیں ہے بلکہ قانون مجازات بھرپور طور پر نافذ ہو گا اور ہر ایک کو اپنے کئے کی جنا یا سزا مل کر رہے گی۔

وَأَخِيرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -



الحمد لله

قرآن منتخب نصاب کا سلسلہ وار درس

ہر چھار مشنبہ (بدھ) کو ایک گھنٹہ بعد نماز عصر اور ایک گھنٹہ بعد نماز مغرب مسجد شہداء میں جاری ہے۔ جو سورۃ لقمان کے دوسرے رکوع تک پہنچ چکا ہے۔

— (۴) —

— نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم —

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم  
فَاسْتَقِمْ کَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا  
تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَرْکُبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ  
وَمَا لَکُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِیَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ وَاقِمْ  
الصَّلَاةَ طَرَفَی النَّهَارِ وَشُرُفَ اللَّیْلِ إِنَّ الْخُسْطَ بِذَٰهِبٍ  
السَّیِّئَاتِ ۚ ذَٰلِکَ ذِکْرُکُمْ لِلذِّکْرِیْنَ ۚ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ  
لَا یُضِیْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (سورۃ ہود آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵)

”پس (اے نبی!) آپ مجھے (اور ڈٹے) رہیں جیسے کہ آپ کو حکم ہوا  
ہے، اور وہ بھی مجھے رہیں، جنہوں نے توبہ کی روش اختیار کر کے آپ کی  
معت اختیار کی ہے۔ اور (کسی بھی معاملے میں) حد سے تجاوز نہ ہو۔ یقیناً  
جو کچھ تم سب کو رہے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے، اور ہرگز مت جھکوان  
لوگوں کی جانب جنہوں نے ظلم کا ارتکاب کیا ہے ورنہ تم بھی جہنم کی لپیٹ میں  
آ جاؤ گے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی (واقعی) حامی ہے ہی نہیں چنانچہ تم کو  
کوئی مدد نہ مل سکے گی۔ اور (اے نبی!) آپ قائم رکھیں نماز کو دن کے دونوں حصوں  
پر بھی اور رات کے کچھ حصوں میں بھی، یقیناً نیکیوں ہی سے ازالہ ہوتا ہے۔ بدلو  
کا! یہ ایک جامع نصیحت ہے یا وہ بانی حاصل کرنے والوں کے لئے! اور ثابت  
قدم رہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا!“ ترجمہ ختم ہوا!  
ان آیات مبارکہ میں نہایت جامع ہدایات دی جا رہی ہیں۔ نبی اکرم صلی  
اللہ علیہ وسلم کو بھی اور آپ کی وساطت سے آپ کے ساتھی اہل ایمان و رضاء  
اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اول و آخر خطاب بعیقہ واحد  
حاضر ہے لیکن درمیان میں جمع کے صیغے آ گئے ہیں۔ سورۃ ہود کا زمانہ نزول  
وہ ہے جبکہ مکہ میں ایمان اور کفر کی کشمکش اور نبی اکرم کی دعوت اور کفار مکہ  
کی مخالفت اپنے آخری نقطہ عروج کو پہنچ چکی تھیں۔ جس کے نتیجے میں اہل ایمان

شدید ترین آزمائشوں سے دوچار ہو چکے تھے۔ اس صورتِ حال میں فطری طور پر دونوں اندیشے موجود تھے۔ یعنی ایک یہ کہ کوئی نسبتاً کمزور دل مسلمان ہمت ہار جائے اور کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ جس سے نبی اکرمؐ اور مسلمان کی ہوا خیزی ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی نسبتاً زیادہ جوشیلا مسلمان ردِ عمل کے طور پر کسی نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھے جس سے اس اخلاقی ساکھ کو نقصان پہنچے جو برس ہا برس کے صبر و استقامت اور شائستگی اور حسنِ اخلاق و معاملہ قائم ہوئی تھی۔ گویا کہ صبر و استقامت کی دونوں پہلوؤں سے ضرورت تھی۔ اس پہلو سے بھی کہ تشدد یعنی PERSECUTION سے بدل نہ ہو جائے اور ”ہرچہ بادا باد، کشتی در آب انداختم“ کے انداز میں پوری ثابت قدمی کے ساتھ جھیلا جائے جو کچھ بھی بیتے جیسے کہ وارد ہوا ہے سورۃ لقمان میں حضرت لقمان کی نصائح میں کہ ”و اصبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَكَ، اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عِزِّ الْاُمُوْر“۔ اور جھیلاؤ اور برداشت کرو جو بھی تم پر بیتے، یقیناً بہت ہمت کے کاموں میں سے ہے!“ یعنی اس راہ میں پہلا قدم ہی خوب سوچ بچ کر رکھنا چاہیے کہ یہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں بلکہ کانٹوں بھرا بستر ہے۔ بقول شاعر در رہ منزل لیلے کہ خطر با ست لیسے، شرطِ اول قدم این است کہ محنوں باشی! — اور اس پہلو سے بھی کہ کہیں جوش یا جذبے سے مغلوب ہو کر RETA LIA TION کی راہ نہ اختیار کر لی جائے۔ اس لئے کہ ابھی دعوتِ نبویؐ کے ضمن میں PASSIVE RESISTANCE بالفاظ دیگر ”مقابلہ استقامی“ کا دوسرے نہ کہ ACTIVE RESISTANCE یا ”مقابلہ اقدامی“ کا۔ یہی وجہ ہے کہ آیاتِ زیرِ درس میں پہلا لفظ ہی فَاَسْتَقِمَّ کا وارد ہوا کہ اے نبی! اور اے مسلمانو! ججے اور ڈٹے رہو“ کَمَا اَمَرْتُ“ یعنی جیسے اور جس طرح حکم ملا ہے۔ یعنی تمہارے پائے ثبات میں اس مخالفتِ شدیدہ کی وجہ سے کوئی لغزش نہ پیدا ہونے پاتے۔ ”مَنْ تَابَ مَعَكَ“ کے الفاظ مبارکہ میں نہایت شفقت اور التفات کا انداز ہے صحابہ کرامؓ کے حق میں۔ چنانچہ ایک جانب ان کے کفر یا شرک یا غفلت سے تائب ہونے پر ان

کی تحسین ہے اور دوسری جانب انھنوں کی معیت میں ان کے لئے جو سرمایہ صد  
 افتخار ہے اس کی جانب اشارہ ہے۔ بقول شاعر: ”یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل  
 گیا۔ ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں!“ ذَالِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ  
 مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ۔ دوسرے اندیشے کے سد باب کیلئے  
 فرمایا ”وَلَا تَطْغَوْا“ طغیٰ یطغیٰ کے معنی ہیں حد سے تجاوز کر جانا جیسے کہ اردو  
 کے اس مصرعے میں آیا کہ ”دریا کو اپنی موج کی طغیانوں سے کام لے“ اس مقام  
 پر ”طغیان“ سے مراد بعض حضرات نے مقامِ بندگی سے تجاوز یا حدودِ دین سے باہر  
 نکل جانا لیا ہے۔ لیکن اس کا اصل مفہوم سورۃ نساء کی آیت کے ان الفاظ  
 کی روشنی میں سمجھا جاسکتا ہے کہ ”الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا  
 أَيْدِيَكُمْ“ یعنی ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جن سے کہا گیا تھا  
 کہ اپنے ہاتھ بندھے رکھو!“۔ یعنی اپنی مداخلت تک میں ہاتھ نہ اٹھاؤ بلکہ  
 جھیلو اور برداشت کرو جو ایذا میں بھی تمہیں پہنچائی جائیں۔ عملِ انقلاب اور  
 اس کے مختلف مراحل اور اُن کے مختلف ہی نہیں بظاہر متضاد تقاضوں پر نگاہ  
 نہ ہونے کے باعث قرآن حکیم کے اس مقام کی اہمیت اکثر و بیشتر نظر انداز ہو گئی  
 ہے۔ مسلمان جب تک مکے میں رہے انہیں کسی جوانی کا ردوائی کی اجازت نہ تھی  
 اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں حد درجہ مبر و ضبط کا مظاہرہ کیا صحابہ کرامؓ نے کہ  
 دھکے انگاروں پر برہنہ بیٹھ لٹائے جانے کو بھی انہوں نے گوارا کر لیا لیکن اپنی مداخلت  
 میں ہاتھ تک نہ اٹھایا۔ ورنہ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اس طرح کا

انسان کم از کم اٹھ دس انسانوں کو مار کر ہی مرتا ہے۔ بعض روایات کی  
 رو سے صرف ایک واقعہ ایک بار حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی جانب سے ہوا کہ  
 انہوں نے ابو جہل کے تعبیڑ مارنے پر ایک جوانی تعبیڑ رسید کر دیا تھا۔ جس کی انھنوں  
 کی جانب سے سرزنش ہوئی۔ ورنہ لوگوں نے جانیں دیدینا گوارا کر لیا لیکن انھنوں  
 کے حکم کی خلاف ورزی یعنی ڈسپلن توڑنے کا معاملہ نہ کیا۔ آخر میں اس ضمن میں  
 قدرے تاکیدِ انداز میں تنبیہ فرمادی گئی کہ ”إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ“ یعنی  
 تمہارا پورا طرز عمل اللہ کی نگاہ میں ہے۔ اس معاملے کا دوسرا رخ یہ ہو سکتا تھا

کہ کسی بددلی یا کم ہمتی کے باعث یا اعتراف اور سابق رفتار و احباب کے  
 سبھانے بھجانے اور ان کے ظاہری خلوص و اخلاص سے متاثر ہو کر یا کہنے قبیلے  
 والوں اور قریبی رشتہ داروں کی فطری و طبیعت کے زیر اثران کی جانب کوئی  
 جکاؤ یا میلان پیدا ہو جاتا۔ چنانچہ اس کے ضمن میں متنبہ فرمایا گیا کہ :- ”وَلَا  
 تَزْكُنُوا الْإِنْسَانَ الَّذِي ظَلَمُوا فَمَتَّسَتْكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ  
 اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصِرُونَ“ یعنی ”خبردار! ان لوگوں کی جانب  
 کوئی میلان نہ کرے اندر نہ پیدا ہونے پائے جنہوں نے ظلم یعنی شرک کا ارتکاب  
 کیا۔ اگر ایسا ہوا تو تم بھی اگ کی لپیٹ میں آکر رہو گے اور اللہ کو چھوڑ کر نہ تمہارا  
 کوئی حامی ہو گا نہ مددگار“ یہ بات سورہ زمزم میں براہ راست آنحضورؐ سے مخاطب  
 ہو کر جن دو ٹوک الفاظ میں کہی گئی ہے۔ اس کے بعد ”تا بہ دیگر ان آیات“  
 والا معاملہ بخوبی سامنے آ جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے :- ”وَلَقَدْ آدَحِيَ الْكُفْرُ  
 وَالْإِنْسَانَ مِنْ قَبْلِكَ لَنْ أَسْرُكَتَ لِيَحْبَبَ لَكَ عَمَلُكَ وَتَتَوَلَّى  
 مِنَ الْخَاسِرِينَ“ یعنی ”اے نبی! یہ بات آپ کی جانب بھی پہلے ہی  
 کی جا چکی ہے اور ان تمام انبیاء و رسل کے جانب بھی جو آپ سے پہلے مبعوث  
 ہوئے کہ اگر آپ نے بھی (بالغرض محال) شرک کا ارتکاب کیا تو آپ کے بھی  
 تمام اعمال حبط ہو جائیں گے اور آپ بھی خسارہ پانے والوں میں شریک ہو جائیں  
 گے!“ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! — اس دو طرفہ صبر و استقامت کے لئے  
 اصل سہارا ظاہر بات ہے کہ اللہ کی ذات ہے جیسے کہ سورہ نحل کی آیت ۱۲۷ میں  
 ارشاد ہوا کہ ”مَا صَبَرُوا وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ“ یعنی ”وہ صبر کیجئے اور آپ  
 کا صبر اللہ ہی کے سہارے قائم ہے!“ تو اس کے لئے ضرورت ہے اللہ تعالیٰ  
 کے ساتھ ایک مضبوط اور زندہ قلبی تعلق کی۔ جس کا سب سے اہم ذریعہ ہے  
 نماز۔ چنانچہ آگے اسی کی تاکید ہوئی کہ ”وَاقِمْ الصَّلَاةَ طَرَفِي الشَّهَارِ وَزُلْفًا  
 مِنْ أَيْلٍ“ یعنی ”نماز کو قائم رکھو ان کے دونوں سروں پر بھی اور رات کے  
 حصوں میں بھی“۔ ان الفاظ میں نمازوں کے اوقات کی جانب بھی لطیف اشارے  
 موجود ہیں لیکن اصل مراد یہ ہے کہ دن رات کے تمام اہم اوقات بالخصوص وہ



جن میں غفلت زیادہ شدت سے حملہ آور ہوتی ہے یاد الہی سے آباد رہیں، نماز اور صبر کا یہ تعلق سورۃ بقرہ میں دو مواقع پر نہایت نمایاں ہو کر آیا ہے۔ ایک آیت ۲۵ میں بنی اسرائیل یعنی سابقہ امت مسلمہ سے خطاب میں یعنی ”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَأَنْتُمْ الْكَبِيرَةُ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ الَّذِينَ يَنْظُرُونَ أَنْفُسَهُمْ مَلْفُورًا بِهَمٍّ وَأَنْتُمْ إِلَيْهِمْ رَاغِبُونَ“ یعنی مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے۔ یقیناً وہ بہت بھاری سہ سولے ان پر جو یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے اور انہیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور دوسرے آیت ۱۵۳ میں مسلمانوں یعنی حالیہ امت مسلمہ کے خطاب میں یعنی ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ یعنی ”اے اہل ایمان! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے واقعہ یہ ہے کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے“ یعنی اللہ کی تائید و نصرت صبر کرنے والوں کے شامل حال ہوتی ہے۔ یہی بات آیات زیر درس میں آہ آیت ۱۵۴ میں آرہی ہے کہ ”وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِلُّعَ أَحَبِرَ الْمُحْسِنِينَ“ یعنی ”صبر کرو۔ اور جان رکھو کہ اللہ احسان کی روش اختیار کرنے والوں کے اجر کو کبھی ضائع نہیں فرماتے“۔ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔ اے ہمیں بھی ان لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرما!۔ درمیان میں نماز بارے میں بڑے پیارے انداز میں یہ قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”إِنَّ الْحَسَنَةَ يُذْهِبُ السَّيِّئَاتِ“ یقیناً نیکیاں ہی بدیوں کو دود کر سکتی ہیں۔ یہی انداز سورۃ حٰلِم السجدہ میں ہے کہ ”وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ارْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“۔ ”نیکی اور بدی کبھی برابر نہیں ہو سکتی۔ لہذا تدافعت کرو اس طور سے جو بہت ہی عمدہ ہو!“۔ مزید ارشاد ہوا ”ذَلَا ذِكْرِي لِلذَّاكِرِينَ“ یہ نہایت جامع نصیحت ہے نصیحت ممل کرنیوالوں کے لئے دوبارہ دعا ہے : اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ۔

وَاخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

## تعارفِ کتاب

## سترِ ہواں پارہٴ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ  
 قرآن مجید کا سترِ ہواں پارہ اِقْتَرَبَ کے نام سے موسوم ہے اور یہ  
 برے قرآن مجید میں منفرد ہے اس اعتبار سے کہ اس کے نصفِ اوّل میں بھی  
 یہ مکمل سورۃ وارد ہوئی ہے اور نصفِ ثانی میں بھی۔ یعنی سورۃ الانبیاء اور سورۃ  
 الحج سورۃ الانبیاء اپنے مضامین کے اعتبار سے سورۃ مریم سے بہت مشابہ ہے۔  
 اس لئے کہ اس میں بھی ایک کثیر تعداد میں انبیاء کرام کا ذکر ہے۔ اور وہ ان کی  
 انی شخصیت اور اس کی عظمت کے پہلو سے۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں بھی سورۃ  
 مریم ہی کی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر عین وسط میں وارد ہوا ہے۔  
 اس سورۃ مبارکہ کے آغاز میں تو انسانوں کی غفلت کا ذکر ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ  
 لوگوں کے لئے ان کا محاسبہ ان کے بالکل سروں پہ آچکا ہے یعنی موت کا کچھ علم  
 نہیں کہ وہ کب آئے اور جیسا کہ حضور نے فرمایا۔

”جس کی موت واقع ہوگئی اس کی توقیامت قائم ہوگئی“

لیکن لوگوں کا تو حال یہ ہے کہ وہ غفلت ہی میں انکار کی روش

پراٹے رہتے ہیں اس سورۃ مبارکہ میں بھی وہ مضمون ایک مرتبہ پھر آیا ہے۔

جو اس سے پہلے سورۃ مریم میں بڑی تفصیل سے آچکا ہے۔ اور اجمالاً اس کی طرف

اشارہ سورۃ طہ بھی ہوا ہے۔ فرمایا گیا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ ط

الانسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اس میں عجلت پسندی جزو النیفک کی حیثیت سے

موجود ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ جو بھی کام کرنا ہو جلد از جلد کر لے حالانکہ ہر کام کیلئے ایک تدریج معین ہے اور اس کے مراحل کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی تکمیل کے لئے انسان کو کوشاں ہونا چاہیے۔ اس سورۃ مبارکہ میں وہ آیہ کریمہ بھی وارد ہوئی جو اپنی غلطی کے اعتراف اور اللہ سے عفو و درگزر کی درخواست کے پہلو سے قرآن مجید کی عظیم ترین آیتوں میں سے ہے۔ یعنی حضرت یونس علیہ السلام کا قول۔

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ۝

اے اللہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے برتر ہے اور عالی ہے اور منزہ ہے اور ارفع ہے ہر عیب سے ہر کمی سے ہر نقص سے ہر احتیاج اور ضعف سے۔ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظَّالِمِیْنَ - یہ میں ہی تھا۔ جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ یہ آیت کریمہ جیسا کہ عرض کیا گیا۔ استغفار اور اللہ تعالیٰ سے عفو و درگزر کے طالب ہونے کے اعتبار سے بڑی ہی جامع اور موثر دعا کی حیثیت رکھتی ہے۔ سورۃ انبیاء ہی وہ عظیم آیت وارد ہوئی۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو تمام جہاں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس سے پہلے ایک موقع پر یہ عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ نبوت اور رسالت رحمت خداوندی کے مظہر ہیں۔ اور یہ نبوت اور رسالت چونکہ مکمل ہو گئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ تو گویا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظہر ہیں۔ اور چونکہ آپ کی بعثت پوری نوع انسانی کے لئے ہوئی اس لئے آپ کا دور رسالت ناقیام قیامت جاری ہے۔ لہذا فرمایا گیا۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝

سورہ الحج بھی قرآن مجید کی ایک بہت اہم اور بہت جلیل القدر سورۃ ہے اس کے عین وسط میں مناسک حج کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اور مناسک حج میں سے طواف بیت اللہ اور بالخصوص قربانی کا تذکرہ کر رہا ہے اور قربانی کے ذکر کے ضمن میں وہ لفظ بھی وارد ہوئے کہ:

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهُمَا وَلَا دِمَاؤُهُمَا وَلَكِنْ يَنَالُ  
التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ - اے لوگو! اللہ تک تمہاری قربانیوں کا نہ گوشت پہنچتا ہے  
اور نہ خون اللہ تک پہنچنے والی چیز تو تقویٰ ہے اگر وہ موجود ہو۔ اگر دل تقویٰ  
سے خالی ہو۔ چاہے کوئی شخص ہزاروں روپے کا جانور اللہ کی راہ میں قربان کرے  
اس کے میزان میں اس کا کوئی وزن نہیں۔ اللہ اصل میں لوگوں کے دلوں کی طرف  
دیکھتا ہے۔ کہ ان میں تقویٰ خشیت الہی اور محبت خداوندی موجود ہے یا نہیں۔  
سورہ حج کے آغاز میں قیامت کا ذکر بڑے پرہیزگارانہ انداز میں ہوا ہے :-  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ كَمَا أَنْتُمْ رَبَّنَا لَا تَلْزَمُهُ السَّاعَةُ شَيْئٌ  
عَظِيمٌ - اے لوگو! اپنے رب سے ڈرتے رہو۔ اس کی پچھلے سے بھی بچتے رہو۔  
واقعہ یہ ہے کہ قیامت کا زلزلہ بہت ہی مہیب ہوگا۔ اس کے بعد اس کا تفصیلی  
نقشہ کھینچا گیا۔ سورہ الحج کے آخر میں مسلمانوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ  
کیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ  
وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - اے ایمان والو! رکوع کرو اور  
سجدہ کرو۔ اور اپنے رب کی پرستش کرو۔ اور اس کی بندگی کرو۔ اسکی کامل  
اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ اور بھلے کام کرو۔ نیک کام کرو۔ خلق خدا کی  
بہتری کے لئے کوشاں رہو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ  
جِهَادِهِ - اللہ کی راہ میں محنت کرو۔ جدوجہد کرو۔ کوشش کرو۔ سعی کرو۔  
اور اس جدوجہد کا ہدف کیا ہے۔ لِيَكُونَ السَّوْلُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ  
وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ طہ کہ رسول ہو جائیں گواہ تم پر جس طرح  
دین کی تبلیغ تم تک کی۔ قرآن تم تک پہنچا دیا۔ اللہ کی طرف سے محبت تم پر  
قائم کر دی۔ اسی طرح تم قرآن کو پہنچاؤ۔ اور دین کی تبلیغ کرو۔ پوری نوع انسانی  
کو۔ اور محبت قائم کرو واللہ کی توحید کی گواہی دے دو۔ بقول علامہ اقبالؒ :-

سُورَةُ الْحَجِّ میں ایک اور اہم مضمون جو وارد ہوا ہے۔ وہ اہل ایمان کیلئے قتال کی اجازت ہے۔ اس سے پہلے اہل ایمان کو اپنی مدافعت میں بھی ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ تھی حکم تھا ماریں کھاؤ۔ تشدد کو چھیلو۔ مناسب برداشت کرو۔ لیکن اپنی مدافعت میں بھی تمہیں ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن اب ہجرت کے بعد مسلمانوں کو اجازت مل گئی اُذِنَ لَكَ ذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ؕ - اہل ایمان کو اجازت دی جا رہی ہے جن پر جنگ ٹھونس دی گئی ہے۔ اور بلاشبہ ان کو غالب کر دینے پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔

## ۱۸ اٹھارواں پارہ

مَدَّ أَفْلَحَ

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قرآن مجید کے اٹھارہویں پارے میں جو قَدْ اَفْلَحَ کے نام سے موسوم ہے۔ ۲۰ سورتمیں پوری پوری شامل ہیں۔ یعنی سورۃ المؤمنوں اور سورۃ نور۔ اور آخر میں بینا ابتدائی آیات سورۃ الفرقان کی شامل ہیں۔

سُودَةُ الْمُؤْمِنُونَ اپنے مضامین کے اعتبار سے ان مکی سورتوں سے مشابہت رکھتی ہے جن میں تفصیل کے ساتھ اللہ کے رسولوں اور ان کی امتوں کے حالات بیان ہوئے ہیں۔ خاص طور پر اس پہلو سے کہ جن قوموں کی طرف اللہ نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا۔ انہوں نے جب انکار اور کفر کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک و نیست و نابود کر دیا۔ انبیاء و رسل کے اس ذکر میں ایک آیت

مبارک بڑی عجیب وارد ہوئی ہے۔

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونَهُ

نبیوں اور رسولوں سے اللہ تعالیٰ نے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ تم ایک ہی امت ہو۔

امت واحدہ کے افراد ہو۔ اور میں تم سب کا رب ہوں پروردگار خالق اور پالن بار۔ پس میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ گویا یہ انبیاء کی وساطت سے اصل میں ان کی امتوں سے خطاب ہوا ہے کہ اگر کوئی حضرت مسیح کا نام لیا

ہے۔ یا کوئی اگر حضرت موسیٰ کا نام لیا ہے۔ تو وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ کوئی جدا گانہ

ملتیں تھیں یا جدا دین تھے۔ بلکہ یہ وہی دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے

چلا آرہا ہے۔ اور جو بالآخر کامل ہوا ہے محمد رسول اللہ علیہ وسلم پر۔ سورۃ المؤمن

کے آغاز میں اہل ایمان کے کچھ اوصاف بیان ہوئے اور درحقیقت ان کچھ دے

میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ انسان کے سیرت و کردار کی صحیح تعمیر یا علامہ اقبال

کی اصطلاح میں تعمیر خودی کے لئے لازمی اساسات کیا ہیں۔ فرمایا گیا۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝

وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ

فَاعِلُونَ ۝

کامیاب ہو گئے اہل ایمان جو اپنی نمازوں میں خشوع اختیار کرتے ہیں جو

بے کار اور لغو باتوں سے کنارہ کش رہتے ہیں۔ جو تزکیہ نفس پر کار بند رہتے ہیں۔ اور

اس کے لئے مسلسل کوشاں رہتے ہیں۔ جو اپنی خواہش نفس بالخصوص جنسی

شہوت کو قابو میں رکھتے ہیں۔ اور اس کی تسکین کے لئے کوئی ناجائز راستہ

تلاش نہیں کرتے جو اپنے عہد پر کار بند رہنے والے اور امانتوں کو ادا کرنے

والے ہیں۔ اور آخر میں پھر فرمایا۔

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝

”وہ کہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

ان اوصاف کی ابتدا اور انجام دونوں میں نمازوں کا ذکر کر کے اشارہ کر دیا گیا کہ تعمیرِ سیرت کا یہ پروگرام شروع بھی نماز سے ہوتا ہے۔ اور اسکی معراج بھی نماز ہی ہے۔ پھر و نشین پیرائے میں آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنْتُمْ اَخْلَقْتُمْ عَبَثًا وَاَنْتُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ۔ کیا تم نے یہ گمان کیا ہے اے لوگو کہ ہم نے تمہیں بے کار اور عبث پیدا کیا اور تم ہماری طرف واپس نہ آؤ گے۔ تمہیں ہماری طرف واپس لوٹا یا نہ جائے گا۔ یعنی اگر کسی کا خیال یہ ہے کہ زندگی بس یہی زندگی ہے اور اس کے بعد کوئی زندگی اور زندگی کے اعمال کا کہیں کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں تو گویا وہ اس تخلیق کو عبث قرار دے رہا ہے۔

فَتَعَلَى اللّٰهِ الْمُلْكُ الْحَقُّ ۚ

تو اللہ جو بادشاہ حقیقی ہے۔ وہ تمہارے اس گمان سے بہت بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس کی حکمت سے یہ چیز کسی بھی طرح سے لگا نہیں کھاتی کہ وہ انسانوں کو بے مقصد اور بے کار پیدا کرے۔

اس کے بعد سورۃ نور آتی ہے۔ یہ عظیم سورۃ ہے قرآن مجید کی۔ نور کوٹوں پر مشتمل اور اس کے عین وسط میں یعنی پانچواں رکوع آیات نور پر مشتمل ہے اللّٰهُ نُورٌ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ -

آسمانوں اور زمین کا نور اللہ ہے۔ اللہ ہی کو پہچان لو گے تو اس کائنات کی حقیقت بھی تم پر منکشف ہوگی اور خود اپنی عظمت سے بھی آگاہ ہو سکو گے۔ اللہ کا یہ نور بندہ مومن کے قلب میں نورِ ایمان کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے اور اس کی یہ تمثیل دی گئی ہے کہ یہ نور ایمان نورِ فطرت نورِ عقل سلیم اور نورِ وحی کے امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ نورِ علی نور۔ جب نورِ فطرت پر نورِ وحی کا اضافہ ہو جائے۔ تو یہ نور پر نور ہے۔ روشنی ہی روشنی ہے۔ اس کے بالعکس اس کے بالمقابل اور برعکس کیفیت ہے ان لوگوں کی جو اس نورِ ایمان سے محروم ہیں ان کی زندگیوں میں اگر کوئی چیز ہے بھی تو وہ صرف دکھاوے کا

خیر۔ ریاکاری کی نیکی ہے۔ جس کی اللہ کے ہاں کوئی قدر نہیں۔ اور یا پھر وہ لوگ ہیں کہ جن کی کیفیت ہے۔

ظَلَمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط

صرف نفس پرستی مفاد پرستی یا یوں کہیے کہ خود پرستی ہی ان کی زندگی کا مقصد و مطلوب ہے کوئی خیر کوئی بھلائی یہاں تک کہ جھوٹ موٹ کی نیکی کا کوئی ملمع بھی ان کی زندگی میں موجود نہیں ہے۔

یہ پانچواں رکوع حکمت قرآنی کا ایک اہم خزانہ ہے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد سورۃ نور میں بالخصوص مسلمانوں کی معاشرتی زندگی اور اسلام کا معاشرتی نظام بیان ہوا۔ کہ اسلامی معاشرہ ایک مخلوط معاشرہ نہیں ہے۔ اس میں

مردوں اور عورتوں کا آزادانہ میل جول پسندیدہ نہیں ہے۔ ہاں البتہ کوئی حقیقی ضرورت لاحق ہو تو اور بات ہے۔ ستر کا حکم دیا گیا، حجاب کے احکام آئے گھروں میں مردوں اور عورتوں کو جس طرح رہنا چاہیے۔ اس کے تفصیلی حکم دیئے گئے۔ انہی چیزوں سے متعلق واقعات بھی اس سورۃ مبارکہ میں آئے چنانچہ واقعہ انکس بیان ہوا۔ حضرت عائشہؓ پر جو تہمت لگی عبداللہ بن ابی ریس المنافقین کی سازش سے جس میں بعض تازہ نو مسلم بھی شامل ہو گئے اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہوا۔ اور اس کے ساتھ ہی اسلامی معاشرے کو فحاشی اور بدکاری سے پاک کرنے کیلئے زنا کی حد بھی بیان ہوئی اور اگر کوئی کسی پر زنا کی جھوٹی تہمت لگا دے تو اس کی حد یا اس کی سزا یعنی حدِ قذف کا بیان بھی ہوا۔ ساتھ ہی اس کا قانون، بھی بیان ہوا۔ الغرض معاشرتی زندگی کے متعدد پہلو ہیں، جو اس سورۃ مبارکہ میں زیر بحث آئے ہیں اور جس میں مسلمانوں کو تفصیلی احکامات دیئے گئے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی معاشرت کن اصولوں پر استوار کرنی ہے۔ سورۃ فرقان کا آغاز اس عظیم آیت سے ہوتا ہے جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عبدیت پر زور دیا گیا۔



تُبْرَكَ الَّذِي سَزَلَ الْفُرْقَانِ عَلَى عَبْدٍ لِيَكُونَ

لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا ۝

بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے نازل فرمایا الفرقان یعنی وہ قرآن مجید

جو حق اور باطل کے درمیان کھلا کھلا امتیاز کر دینے والا ہے۔

— اس لئے کہ وہ خبردار کرنے والے بن جائیں آگاہ کر دیں تمام جہاں والوں کو۔

حق بھی واضح کر دیں۔ اور باطل بھی کھول کر بیان کر دیں۔ جو سچائی کا راستہ ہے۔

صراطِ مستقیم۔ اس کو بھی پوری طرح بیان فرمادیں۔ اور واضح فرمادیں اور جو

کبھی کی پگڈنڈیاں ہیں۔ ان سے بھی لوگوں کو خبردار کر دیں، اس سورۃ مبارکہ

میں یہ مضمون بھی وارد ہوا کہ کفار یہ اعتراض کیا کرتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

مَا لَ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمَشِي فِي الْأَسْوَاقِ ط یہ کیسے

رسول ہیں۔ یہ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ بازاروں میں بھی چلتے ہیں یہ تو عام انسانوں کی مانند

ہیں۔ جواب دیا گیا کہ

”اے نبی ان سے کہیے کہ ہم نے آپ سے پہلے بھی جتنے نبی مبعوث کئے جتنے

رسول بھیجے وہ سب اسی طرح کھانا بھی کھاتے تھے۔ اور بازاروں میں بھی چلتے تھے۔

وہ بھی اسی طرح بشریت سے متصف تھے۔“

انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ کی سنت یہی رہی ہے کہ انسانوں

کو مبعوث کیا۔ جو ان ہی میں سے ہو۔ جو انہی کی زبان بولتے ہوئے آئیں جن کے

ساتھ زندگی کے تمام وہ لوازم لگے ہوئے ہوں جو تمام انسانوں کے ساتھ لگے

ہوئے ہیں۔ اور ان سب کے باوجود وہ اپنی زندگی میں صداقت اور راستی، عدل و

انصاف، حق پرستی خدا کی بندگی۔ صراطِ مستقیم پر چلنے کا ایک کامل نمونہ پیش کر کے

انہی دنیائے پر حجت قائم کر دیں کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی اللہ کا بندہ بن کر رہنا

ممکن ہے۔ اور اس کا بین ثبوت انبیاء کرام کی زندگیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے

اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

## وَقَالَ الَّذِينَ

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قرآن مجید کا انیسواں پارہ وَقَالَ الَّذِينَ کے الفاظ سے شروع ہوتا ہے اور اسی نام سے موسوم ہے۔ اس میں اولاً سورۃ الفرقان کی بقیہ ستاون آیات شامل ہیں پھر سورۃ شُعْرَاء مکمل اور آخر میں سورۃ نمل کی ابتدائی انسٹ آیات شامل ہیں۔ سورۃ الفرقان کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے اس میں وہ عظیم آیت بھی آئی ہے جس میں حضور کی فریاد نقل ہوئی ہے وَقَالَ الرَّسُولُ يُرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَحْجُورًا۔

اس آیت کا براہ راست تعلق اس سورۃ مبارکہ کی پہلی آیت ہے کہ اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا ہی اس لئے اور اسی لئے ان پر کتاب نازل فرمائی: نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدٍ لِّيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذْرًا کہ وہ تمام جہان والوں کو خبردار کر دیں لیکن جب نبی اکرمؐ نے لوگوں کو قرآن کے ذریعے دعوت دی اور انہوں نے انکار کی روش اختیار کی تو فریاد کے یہ الفاظ حضور کی زبان پر وارد ہوئے کہ اے رب میری اس قوم نے اس قرآن کو ترک کر دیا ہے۔ اس کی طرف ملتفت نہیں ہو رہی۔ اس کی طرف متوجہ نہیں ہو رہی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے حواشی میں بڑی پیاری بات لکھی ہے کہ ان آیات میں اگرچہ اصل ذکر کفار کا ہے لیکن مسلمانوں میں سے بھی وہ لوگ جو قرآن مجید سے بے اعتنائی برتیں اس کی طرف پڑھنے کے لئے متوجہ ہوں اور نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کریں نہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوشاں ہوں اور نہ اسے دوسروں تک پہنچانے کا فرض منصبی پورا کریں تو یہ سب لوگ بھی درجہ بدرجہ اس آیت کے حکم میں

شامل ہوں گے۔ اسی سورۃ مبارکہ میں وہ عظیم آیت بھی آئی۔ اَزْعِمْتَ كَلْبَ اتَّخَذَ الْهَلْهُ هَوَاً طَلَعُ بَنِي كِيَا اَن لُّوْغُوْنَ كِي مَالَتِ پَر غَوْر كِيَا جَنُوهُوْنَ نَے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا۔ معلوم ہوا شرک کی یہی صورت نہیں ہے کہ بت کو پوجا جائے یا ستاروں کی پرستش کی جائے اپنی خواہشات نفس کی پوجا، شہوات نفسی تقاضوں کو بجالانے پر کمر بستہ ہو جانا بھی شرک ہی کی ایک صورت ہے۔ ان تقاضوں کی ادائیگی کو کون سی شکل اللہ نے جائز اور کون سی صورتیں ناجائز ٹھہرائی ہیں، اگر کوئی شخص اس کو نظر انداز کر کے اپنی خواہشات نفس کی تکمیل کر رہا ہے تو گویا اس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے۔ سورۃ الفرقان کے آخر میں وہ آیات وارد ہوئیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندوں کے اوصاف بیان کئے۔ سورۃ المومنوں کے آغاز میں دو بنیادی اساسات اخ کی گئی تھیں کہ جن پر بندہ مومن کی شخصیت کی تعمیر ہو سکتی ہے گویا کہ وہ نقطہ آغاز تھا۔ اور سورۃ الفرقان کے آخری رکوع میں اس کا تکمیلی مرحلہ بیان ہو رہا ہے۔ ایک پختہ بندہ مومن کی شخصیت کے خدو خال کیا ہیں۔ بقول علامہ اقبالؒ

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو

پختہ ہو جائے تو ہے شمشیر بے زہار تو

وہ پختگی کیسے۔ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ

هَوْنًا وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلَامًا ط

اس پورے رکوع میں اللہ نے اپنے محبوب اور پسندیدہ بندوں کے اوصاف

گنوائے اور انہیں عباد الرحمن کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی انہی اوصاف

کا ایک عکس اپنی سیرتوں اور شخصیتوں میں پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اس

کے بعد سورۃ شعرا آتی ہے اس سورۃ مبارکہ میں اولو العزم من الرسل کا ذکر

تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ قدرے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت موسیٰ کے حالات

بیان ہوئے پھر حضرت ابراہیمؑ کے۔ اس کے بعد جو ترتیب کہ عام طور پر مکی سورتوں

میں ہوتی ہے یعنی حضرت نوحؑ پھر حضرت ہودؑ پھر حضرت صالحؑ پھر حضرت نوحؑ اور پھر حضرت شعیبؑ ان حالات میں خاص طور پر اسی پہلو کو واضح کیا گیا کہ یہ سب اللہ کی بندگی کی دعوت لے کر آئے۔ اللہ کی بندگی اختیار کرو اسی کی غلامی اختیار کرو لیکن ان کی قوموں نے ان کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کیا لہذا وہ نیست و نابود کر دی گئیں۔ انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ ہر رسول کے حالات بیان کرنے کے بعد یہ الفاظ بار بار تکرار کے ساتھ آئے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً اِسْمِ اِيْكُ نشان ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ط وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ہ  
لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں تھے اس میں گویا تسلی ہے تشفی ہے آنحضرتؐ کو کہ آپ بھی دل گرفتہ نہ ہوں ان کفار کے انجام سے غمگین اور ملول نہ ہوں۔ چنانچہ آغاز ہی میں اس سورۃ مبارکہ کے یہ الفاظ آئے۔ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُّؤْمِنِيْنَ ہ اے نبیؐ کیا آپ اپنے آپ کو غم اور صدمے سے ہلاک کر لیں گے۔ اگر وہ ایمان نہیں لائے تو آپ کو غمگین نہیں ہونا چاہیے یہ لوگ ماننے والے نہیں ہیں۔ یہ ان ہی قوموں کی روش پر چل رہے ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوتا رہا ہے اور اب یہ خود بھی اپنے طرزِ عمل سے اپنے آپ کو اس انجام کا مستحق بنا چکے ہیں۔ سورۃ شعراء کے بعد سورۃ النمل وارد ہوئی ہے۔ اس میں بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح آفاق و انفس کے شواہد فطرت کے محکم دلائل کی بنیاد پر توحید کی دعوت، آخرت کا اثبات اور نبوت و رسالت کو ماننے اور نبی اکرمؐ پر ایمان لانے کی دعوت وارد ہوئی ہے۔ اس میں حضرت داؤدؑ کا ذکر بھی ہے حضرت سلیمانؑ کا بھی اور ملکہ سبا کے ساتھ جو حالات و واقعات پیش آئے۔ ان کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ بھی اس ضمن میں ایک آیت وارد ہوئی کہ جب ملکہ سبا کے تخت کو حضرت سلیمانؑ کے ایک دبیری نے چشم زون میں میں سے منگوا کر حضرت سلیمانؑ کے سامنے رکھوا دیا تو ان کی

زبان پر یہ الفاظ آتے ہیں اَمِنْ فَضْلِ رَبِّي ۔ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے وہ مجھے آزما رہا ہے کہ ان احسانات اور ان انعامات پر میں ان کا شکر ادا کرتا ہوں یا نہیں یہ وہ الفاظ ہیں کہ جن کو ہم نے اپنی بد عملی سے اور بد کرداری سے اور اپنی ذلتی بدنام کر دیا ہے ۔ چنانچہ حرام کی کمائی سے بنائی ہوئی عمارتوں پر ہم ان الفاظ کو کندہ کر دیتے ہیں ۔ اہتمام کے ساتھ لکھواتے ہیں اَمِنْ فَضْلِ رَبِّي ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے اس طرز عمل سے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ۔ قرآن مجید کے یہ الفاظ ہی گویا بیماری بد اعمالی کی ایک علامت بن گئے ہیں اللہ ہمیں اس سے بچائے اور حلال پر کار بند رہنے حلال پر اکتفا کرنے اور حرام سے اپنے امن کو بچانے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔

بیسواں پارہ

## اَمِنْ خَلْقٍ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قرآن مجید کا بیسواں پارہ ”اَمِنْ خَلْقٍ“ کے نام سے موسوم ہے اور اس میں پہلے سورۃ النمل کی بقیہ چونتیس آیات شامل ہیں ۔ پھر سورۃ القصص مکمل اور آخر میں سورۃ عنکبوت کی پہلی چوالیس آیات شامل ہیں ۔ سورۃ نمل کا جو حصہ اس پارے میں وارد ہوا ہے ۔ اس میں اکثر و بیشتر وہی مضامین اسلوب اور انداز بیان کے کسی قدر فرق کے ساتھ وارد ہوئے ہیں جو اکثر مکی سورتوں میں آتے ہیں ۔ یعنی آفاق انفس کے شواہد اور دلائل فطرت سے توحید باری تعالیٰ ۔ آخرت اور نبوت و رسالت کا اثبات بالخصوص ایمان بالآخرت پر اس سورۃ مبارکہ میں بہت زور ہے ۔ اس ضمن میں منکرین آخرت کے طرز عمل پر ایک بھرپور تبصرہ کیا گیا ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

بَلْ اِذْ رَاكَ عَلَيْهِمْ فِي الْاٰخِرَةِ قَفَّ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْهَا نَفَّ

بَلْ مَسْرُومًا مَعْمُونًا ۝

ان لوگوں کا علم و فہم۔ انکی دانش۔ ان کا شعور اور ان کی سمجھ۔ سب تنگ  
بار کر رہ گئے۔ آخرت کے بارے میں یعنی آخرت تک ان کی رسائی نہیں ہو پا  
رہی۔ وہ آخرت کے باب میں تو بالکل اندھے ہو گئے ہیں انہیں بالکل نہیں سوجھ  
رہا کہ ان کی اصل زندگی وہ ہے جو موت کے بعد ہوگی۔ ان کا وہ انجام جس سے  
بہر حال ان کو دوچار ہو کر رہنا ہے آخرت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس کے بعد  
سورۃ قصص وارد ہوتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ کا تقریباً نصف حصہ حضرت موسیٰ  
علیہ السلام کے حالات پر مشتمل ہے اس میں بالخصوص اُن کے بچپن کے حالات اور  
عنفوان شباب کے حالات اور پھر ان کی زندگی کا وہ دور بھی جب کہ وہ نبوت سے  
سرفراز ہونے سے قبل فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے قتل یا تشدد کے اندیشے  
مصر سے فرار ہو کر مدین پہنچے تھے۔ جب وہ مدین پہنچے تو بستی سے باہر ایک کنوئیں کے  
پس بیٹھ گئے اور اس حال میں کہ انتہائی در ماندہ تھکے ہوئے اور ایک ایسی زمین  
میں جہاں کوئی جاننے پہچاننے والا نہیں۔ اس وقت ان پر جو احتیاج کی کیفیت  
تھی اس کی شدت کا اظہار ہوا ان الفاظ میں کہ جو ان کی زبان پر دعا کی صورت میں  
وارد ہوئے رَبِّ اِنِّیْ اَسْـَٔلُکَ لِیْ مِنْ خَیْرِ فَعِیْزٌ ۝ اے رب میں  
ہر چیز کا محتاج ہوں جو بھلائی اور جو خیر بھی تو میری جھولی میں ڈال دے میں  
اس کا ضرورت مند ہوں۔ یہ ایک انسان کا جو معاملہ اپنے رب کے ساتھ ہونا  
چاہیے۔ احتیاج اور انکساری اور عاجزی کا جو انداز اسے اختیار کرنا چاہیے اسکی  
تعبیر کے لئے بہت ہی جامع الفاظ ہیں۔ سورۃ قصص میں بنی اسرائیل کے ایک  
شخص کا ذکر بھی ہوا ہے۔ جس کا نام قارون تھا۔ اور جو بہت دولت مند تھا۔ یہ  
بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کا غدار تھا اگرچہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا تھا  
لیکن بنی اسرائیل پر تم اور ظلم ڈھالنے میں وہ فرعون اور آل فرعون کا آلہ کار  
بنا ہوا تھا۔ اور غالباً اسی وجہ سے حکومت وقت کی اس پر نگاہ گرم تھی۔ اور اسی  
بنا پر اس کے پاس اتنی بے اندازہ دولت جمع ہو گئی تھی کہ اس خزانے کی کُنجیاں

امٹانے کے لئے بھی کئی لوگ درکار ہوتے تھے۔ اس کے بارے میں ایک بات تو یہ بیان ہوئی کہ جب بنی اسرائیل کے کچھ نیک دل لوگوں نے اس سے یہ کہا: ”اَحْسِنْ كَمَا اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ“ کہ اے اللہ کے بندے جس طرح خدا نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تجھے دولت سے نوازا ہے تو بھی اللہ کی مخلوق سے بھلائی کر۔ اور لوگوں کے احتیاجات دور کرنے کے لئے اپنی دولت خرچ کر۔ اس کا جواب اس نے انتہائی متکبرانہ انداز میں دیا۔ اُوْتِيْتُہُ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِي۔ میں نے یہ دولت اپنی ذہانت اور فطانت سے حاصل کی

ہے۔ یہ میری محنت کا نتیجہ ہے اس کو میں نے اپنی کوششوں سے حاصل کیا ہے۔ تو میں اسے دوسروں پر کیسے صرف کر دوں۔ یہ درحقیقت کسی بھی متکبر اور مغرور اور بر خود غلط شخص جس کے پاس دولت آگئی ہو، کی ذہنیت کی عکاسی کرنے والے الفاظ ہیں۔ ساتھ ہی ایک اور نقشہ بھی سامنے لایا گیا۔ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ اسکی دولت پر رشک کرتے تھے۔ ان کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ ”يَلِيْتُ لَنَا مِثْلَ مَا اُوْتِيَ قَارُونُ“ کاش ہمارے پاس بھی وہی کچھ ہوتا جو قارون کو دیا گیا۔ لیکن جب اللہ کی پکڑ قارون پر آئی اور اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے خزانوں سمیت زمین میں دھنسا دیا تو وہی لوگ جو کل تک تمنا کرتے تھے کہ کاش ہمارے پاس بھی قارون ہی کی طرح کی دولت ہوتی انہوں نے یہ الفاظ کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل ہم پہ نہ ہوتا تو ہم بھی زمین میں دھنس گئے ہوتے۔ معلوم ہوا کہ لوگوں کو ظاہر سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔ مال و اسباب دنیوی درحقیقت اللہ کی رضا کی علامت نہیں ہیں۔ اللہ کبھی یہ چیزیں دے کر کسی کو آزماتا ہے اور جب کوئی شخص ناکام ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ اسے اسی دنیا میں ہی آ لیتی ہے۔ اور کبھی اس کا معاملہ آخرت کے لئے اٹھا رکھا جاتا ہے۔

اس کے بعد سورۃ العنکبوت آتی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں نماز و صلا کا خطاب

کارِخ مسلمانوں کی طرف سے اور اس کا اہم ترین معنوں یہ ہے کہ مسلمانوں  
مشکلات و مصائب اور شدائد و تکالیف سے دل برداشتہ نہ ہو۔ یہ ہماری محبت  
سابقہ ہیں۔ یہ ہمارا ہمیشہ کا طریقہ رہا ہے کہ جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہے  
ہم نے اسے آزمایا ہے۔ یہ آزمائش اس راہ میں لازمی شے ہے۔ اس لئے کہ  
اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ کون واقعی مومن ہے اور کون جھوٹ موٹ کا مومن  
بنا پھرتا ہے۔ فرمایا

أَحْسِبَ النَّاسَ أَنْ يُتْرَكَوْا أَنْ يَقُولُوا إِمْنَا وَهُمْ لَا  
يَفْتَنُونَ ۚ کیا لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں صرف یہ کہنے پر کہ  
ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہ جائیگا۔ آگے چل کر اسی بات کو اور کھول دیا  
وَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ۝

اور اللہ تعالیٰ بالکل کھول دے گا کہ کون ہے مومن صادق اور کون ہے  
منافق۔ اہل ایمان مومنین صادقین اور منافقین کے مابین امتیاز انہی آزمائشوں  
کے طفیل ممکن ہے۔ اسی سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جدا ہو سکتا  
اس سورۃ مبارکہ میں قصص الانبیاء و رسل بھی بیان ہوئے۔ لیکن اس میں  
اصل پہلو یہی ہے کہ مسلمانوں کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جس راستے پر تم چل رہے  
ہو یہ پھولوں بھرا راستہ کبھی نہ تھا۔ یہ ہمیشہ کانٹوں بھرا رہا ہے۔ ہمارے نبیوں  
نے ہمارے رسولوں نے صبر و استقامت کا معاملہ کیا۔ انہوں نے ان میں سے مثلاً  
حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس تک دعوت دی حالانکہ اس کا  
باجودان پر ایمان لانے والوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جانے والی تھی۔ معلوم  
ہوا کہ اس راہ پر صبر و ثبات کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام  
دیتے چلے جانا یہ ہے انبیاء کرام اور ان کے ماننے والوں کا فرض لازم، فرض  
منصبی۔ نتائج کو اللہ کے حوالے کرنا چاہیئے۔ اور اس راہ کے شدائد و مصائب  
ور آزمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیئے۔



# اسلام اور

## حقوق اطفال

از قلم :- غازی عزیر (علی گڑھ) حال مقیم سعودی عرب  
ساتویں قسط

(مق) بچوں کے امراض و نظربد کا علاج :- | بچوں کی بہت سخت

حفاظت کے باوجود بھی اکثر ان کو امراض لگ جاتے ہیں۔ کبھی موسم کی تبدیلی کا اثر ہے تو کبھی بداحتیاطی و بد پرہیزی کا اثر، کبھی دانت نکل رہے ہیں تو کبھی زرد و بخار ہے، کبھی دست و پیچش نے بچہ کو نڈھال کر رکھا ہے تو کبھی کسی اور موذی مرض نے۔ ماں باپ کو ان پریشانیوں سے گھبرانانا نہیں چاہیے بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ ان وقتی چیلنج کو قبول کرنا چاہیے اور خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے مستقل مزاجی کے ساتھ ان امراض کا علاج کرنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے اور علاج کرانے کا حکم بھی دیا ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ شفا دینا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اس لئے دوا کے ساتھ دعا بھی کرنی چاہیے۔

اکثر چھوٹے بچوں کو نظربد کا اثر بھی ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر بچہ کی کسی اچھائی پر نظر پڑے تو ماشاء اللہ اور الحمد للہ کہنا چاہیے۔ نیز مغرب کے وقت اور کچھ بعد تک بچہ کو لے کر گھر سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اس سے بھی بچوں کو بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ نظربد اور بیماریوں سے حفاظت کے لئے اکثر لوگ بچوں کے گلے میں کاغذی نقوش و تعویذ، چھوٹا قرآنی نسخہ، تانت اور سیاہ یا سرخ دپلے دھاگے، گھونگے۔ مونگے، کڑیاں، چپتے، چھری، کلنٹے، چاقو بڑ پیسے و سکے، ناخن

اور ہڈیاں وغیرہ شکا دیا کرتے ہیں یا گال اور ماتھے پر کالا ٹیکہ لگاتے ہیں یا کان اور ناک منت کے طور پر چھیلاتے ہیں یا بازو پر امام صامن باندھتے ہیں یا ہاتھوں اور پیروں میں کرے، پھلے یا گرہ دار وصلے پہنتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ بچوں کی نظر اتارنے کے لئے سُرچ مرچ یا کوئی اور شے اُن کے سر کے گرد گھما کر چلانے یا دفن کرتے ہیں، کچھ لوگ پانی پر دم کر کے پلاتے ہیں، کچھ لوگ تشریوں پر یا کاغذ کے پُرزوں پر ادویہ و آیات قرآن لکھ کر پلاتے ہیں۔ پانی پر آیات قرآن پڑھ کر دم کرنا اور اُسے مرہین کو پلانا شرعاً ثابت نہیں ہے، اسی طرح تشریوں پر یا کاغذ کے پُرزوں پر ادویہ یا آیات قرآن کریم لکھ کر پانی یا عرق گلاب میں گھول کر پلانا بھی شرعاً ثابت نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں افعال بدعت ہیں سے ہیں۔ البتہ مرہین پر

عن عائشةؓ كانت توفى	ترجمہ: اُم المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا
بالصبيان اذا ولدوا و	پس نو مولود لائے جلتے تھے او
فتدعولهم بالبركة	وہ اُن کے لئے اللہ کی برکت کی دعا
فانيت بصبى فذهبت	کرتی تھیں۔ ایک دن ایک بچہ
تصنع و سادة فاذا تحت	لا یا گیا اور جب وہ اُس کا ٹیکہ رکھنے
راسه موسى فسالته	لگیں تو اُس کے سر کے نیچے انہیں
عن موسى فقالوا نجعلها	ایک استرا نظر آیا۔ دریافت کیا
من الجن فاخذت موسى	کہ یہ کیا ہے۔ گھر والوں نے کہا
فرمت بها ونهتهم عنها و	کہ ہم جنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے
وقالت ان رسول الله صلى	ایسا کرتے ہیں۔ عائشہؓ نے وہ
الله عليه وسلم كان يكره	استرا لے کر پھینک دیا اور اُن
ويغضها وكانت عائشة	لوگوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا
تمنئى عنها رادب المفرد للبخاري	اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس کو دشگون اور ٹوٹکے کو، ناپسند فرماتے تھے۔ اور انہیں ان باتوں سے	
سخت نفرت تھی۔ اسی لئے عائشہ اس سے منع کرتی تھیں۔	

دولتے ماثورہ پڑھ کر دم کرنا درست اور احادیث سے ثابت ہے۔ لیکن اس کو

(بقیہ ماشیہ ص ۹) اُمّ المؤمنین اُمّ عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام میں کوئی نئی چیز پیدا کرنے والے (یعنی بدعت کرنے والے) کو مردود فرمایا ہے؛ پس حدیث میں مذکور ہے ”من أحدث فی امرنا هذا ما لیس منه فہو من دواء البخاری و سلم) ایک اور حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ دین میں ہر نئی بات پیدا کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی ٹھکانا جہنم ہی ہے :- فان کل محدثۃ بدعة“ وکل بدعة ضلالة“ وکل ضلالة فی النار“ (رواہ ابو داؤد و ترمذی و قال حدیث حسن صحیح) بعض حضرات کا اصرار ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعت حسنہ (۲) بدعت قبیحہ، لیکن مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہے کہ بدعت حسنہ و بدعت قبیحہ کی تفریق کرنا کسی طور پر درست نہیں ہے۔ اس کے متعلق امام مالکؒ کا ایک قول ابن الماجثون نے بیان کیا ہے: جس شخص نے اسلام میں کوئی بدعت اچھی (حسنہ) سمجھ کر داخل کی پس اُس نے اس بات کا نظم کیا کہ (نعوذ باللہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کے خاتم تھے؛ امام شافعیؒ نے بھی امام مالکؒ کے اس قول کا ذکر کیا ہے۔ اور اسی نے فرمایا ہے کہ :- بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ جس نے کوئی بدعت کی اللہ تعالیٰ نہ اُس کی نماز قبول کرے گا، نہ روزہ، نہ حج، نہ عمرہ اور نہ ہی اُس کا صدقہ، (الاعتصام للشافعی) ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبی اللہ اَنْ یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعتہ، (رواہ ابن ماجہ) شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ بغدادی نے بھی اسی سے ملتی جلتی ایک حدیث کا ذکر ”غنیۃ الطالبین“ میں کیا ہے۔ الا جری نے ولید بن مسلم کے طریق سے ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے ”اذا حدث فی امتی البدع و شتم اھمھابی فلیظھرا لعالم علمہ فمن لم یفعل فعلیہ لعنة اللہ و الملائکة و الناس اجمعین“ (کتاب السنۃ) ایوب السختیانی کا قول ہے ”ما اورداد صاحب بدعة اجتہاداً الا اورداد بعداً من اللہ“ حسن کا قول ہے ”صاحب البدعة لا یزداد اجتہاداً اصیاماً و صلاة“۔ (ان اورداد من اللہ بعداً“

بھی پیشہ کے طور پر استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔

(بقیہ ماضیہ ۱۵) یحییٰ بن ابی عمر الشیبانی کا قول ہے: ”یأبی اللہ لمصاحب بدعة بتوبة وما انتقل صاحب بدعة إلا إلى شرمها۔“ فضیل بن عیاض کا قول ہے: ”اتبع طرق الهدی ولا تضرك قلة السالکین وإیاکم وطرق الضلالة ولا تغتر بکثرة الهالکین۔“ اور ”من جلس مع صاحب بدعة لم يعط الحکمة (الاعتقاص للشاطبی) ابی قلابہ کا قول ہے: ”ما ابتدع رجل بدعة إلا استحل السیف“ ابن وهب نے سفیان کا قول بیان کیا ہے: ”کان رجل فقیه یقول: ما أحب أني هدیت الناس کلهم وأضلت رجلاً واحداً۔“ ابن سیرین کا قول ہے: ”أسرع الناس بردة أهل الأهواء (الاعتقاص للشاطبی) یحییٰ بن ابی کثیر کا قول ہے: ”إذا لقيت صاحب بدعة فی طریق فخذ فی طریق آخر۔“ ماثر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں ”من أتى صاحب بدعة فقد أمان علی هداه لإسلامه (مسلم) اسلاف میں سے بعض کا قول ہے: ”من جلس صاحب بدعة نزعت منه العزمة وکل إلى نفسه۔“ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ”حلت شفاعتی لأمتي إلا صاحب بدعة۔“ (الاعتقاص للشاطبی) اور ”إن اللہ حجر التوبة عن کل صاحب بدعة۔“ (الاعتقاص للشاطبی) ایک اور حدیث میں ہے: ”أنا برئ منهم وهم برآؤ مني۔“ (الاعتقاص للشاطبی)

مے کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعوذ الحسن والحسين رضی اللہ عنہما ”اعینکما بکلمات اللہ التامة من کل شیطان و هامة ومن کل عین لامة۔“ (حدیث) اور ”إن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یعوذ بعض أهله یسبح بیدة الیمین و یقول: - اللَّهُمَّ رَبَّ النَّاسِ أَذْهَبِ الْبَاسَ، وَأَشْفِ السَّامِ السَّامِ لَا شِفاءَ إِلَّا شِفاءُكَ شِفاءً لَا یغادر سقمًا۔“ (حدیث)

مذکورہ بالا تمام بیماریاں آج کل ہر صغیر کے تقریباً ہر مسلم طبقہ میں پائی جاتی ہیں۔ اسی باعث ہندو پاک کے مذہبی پیشہ وروں نے یہ مذموم پیشہ خوب زور و شور سے چلا رکھا ہے اگرچہ اسلاف میں بعض نے صرف تعویذ لکھانے کی کئی شرائط کیساتھ رخصت دی ہے لیکن اکثر احادیث سے ثابت ہے کہ تعویذ و گنڈا شرک ہے۔ اس

لہ۔ قال سیوطی: "وقد أجمع العلماء على جواز الرقي عند إجماع ثلاث شروط: أن تكون بكلام الله أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي وما يعرف معناه وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذااتها بل بتقدير الله تعالى" وقال الخطابي: "وكان عليه الصلاة والسلام قد رقى وأمر بها وأجازها فإذا كانت بالقرآن وبأسماء الله فهي مباحة أو مأمور بها ولدنما جاءت الكراهة والممنوع فيما كان منها بغير لسان العرب فإنه ربما كان ككفرًا أو قولاً يبدخلد شرك" وقال الخطابي: "التمام: جمع تيمية وهي ما يعلق بأعناق الصبيان من خرزات وعظام لدفع العين وهذا ممنهى عنه لأنه لا دافع إلا الله ولا يطلب دفع المؤذيات إلا بالله وبأسمائه وصفاته" وقال شيخ الإسلام أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن تيمية: "كل اسم مجهول فليس لأحد أن يرقى به فضلاً عن أن يبدعوبه ولو عرف معناه لأنه يكره الدعاء بغير العربية وإنما يرخص من لا يحسن العربية فأما جعل الألفاظ الأعجمية شعاراً فليس من دين الإسلام وعن عوف بن مالك: "كنا نرقى في الجاهلية فقلنا: يا رسول كيف ترى في ذلك فقال: اعرضوا على سقاكم لا بأس بالرقى ما لم تكن شركاً (صحيح مسلم)

حدثنا خلف بن الوليد حدثنا المبارك عن الحسن قال: أخبرني عمران ابن حصين: "أن النبي صلى الله عليه وسلم أبصر على عَصَدٍ من رجل خلقه، قال: أسرها من صفر، فقال: ويحك ما هذه؟ قال:

موضوع پر ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے ایک تبلیغی پمفلٹ شائع کیا ہے۔ لہذا ان

بقیہ ما شیئہ، من الواحدة، قال: أما إنها لا تزيدك إلا وهناً ابذها  
عنك فانك لومت وهي عليك ما أفلحت أبداً - رواه أحمد، بسند لا بأس  
به وابن حبان في صحيحة، فقال: "فإنك إن مت وكلت إليها" والحاكم  
وقال: "صحيح الإسناد" وأقرع الذهبي،

وعن عقبه بن عامر: "من تعلق تميمة فلا أتم الله له ومن تعلق  
ودعة فلا ودع الله له" رواه أحمد والبيهقي والحاكم وقال "صحيح الإسناد" وأقرع  
الذهبي،

وعن عقبه بن عامر الجهني: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقبل  
إليهم مط، فبايع تسعة وأمسك عن واحد فقالوا: يا رسول الله  
بايعت التسعة وأمسكت عن هذا؟ فقال: إن علي تميمة فأدخل يده  
فقطعها فبايعه وقال: من تعلق تميمة فقد أشرك" رواه أحمد في  
مسند أحمد ۱۵۶/۱ والحاكم،

وحد ثنا محمد بن الحسين بن إبراهيم بن أشكاب حدثنا يونس بن  
محمد حدثنا حماد بن سلمة عن عاصم الأحول عن عروة قال: دخل  
حذيفة على صريخ فرائي في عرصده سيرا فقطعه أو انزع  
شمر قال: وما يؤمن أكثرهم بالله إلا وهم مشركون" رواه ابن  
أبي عاتم، تفسير ابن كثير ۴/۲۹۹،

وعن أبي بشير الأنصاري: "أنه كان مع النبي صلى الله عليه وسلم  
في بعض أسفاره فأرسل رسولا: أن لا يبقين في رقبة بغير قلاوة من  
رتا أو قلاوة إلا قطعت" مسلم كتاب اللباس والزينة،

وعن زينب امرأة عبد الله بن مسعود قالت: أن عبد الله رأى في  
عنقي خيطاً فقال ما هذا؟ قلت سرق لي فيه قالت فأخذته ثم قطعه  
ثم قال أنتما عبد الله لا غنياء عن الشرك، سمعنا رسول الله صلى الله

چیزوں سے بچنا چاہیے۔ وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

بقیہ ماشیہ ۹۵) علیہ وسلم یقول: اِنَّ الرِّقَّ وَالْقَائِمَ وَالتَّوَلَّى مَشْرُكَ فَقُلْتُ: لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِي نَقَذَتْ وَكُنْتُ اخْتَلَفْتُ اِلَى فُلَانٍ الْيَهُودِيِّ فَاذَا رَقِيَ سَكَنْتُ، يُقَالُ عَبْدُ اللَّهِ: اِنْهَا ذَاكَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ، كَانَ يَخْضَعُهَا بَيْدَهُ فَاذَا رَقِيَ كَفَّ عَنْهَا اِنْهَا كَانَ يَكْفِيكَ اَنْ تَقُولَ كَمَا كَانَ مِنْ سَوَّلِ اللَّهِ عَلَى اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اُذْهَبِ الْبَاسُ رَبِّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا بِشِفَائِكَ شِفَاءٌ لَا يَغَادِرُ سَقَمًا رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَابْنُ مَاجَةَ وَاحْمَدُ وَابْنُ حَبَانَ وَالحَاكِمُ وَقَالَ "صَحِيحٌ" وَاقَرَأَ الذَّهَبِيُّ وَعَنْ عِيْنِي بْنِ حَمْرَةَ قَالَ دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَكِيمٍ وَبَدَحَمْرَةَ فَقُلْتُ اِلَّا تَعْلُقُ تَمِيمَةَ فَقَالَ نَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ ذَلِكَ قَالَ مِنْ سَوَّلِ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَعْلُقِ شَيْئًا ذُو كِلِّ الْيَدِ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَابُو دَاوُدَ وَالحَاكِمُ وَالتِّرْمِذِيُّ ج ۲ ص ۲) وَعَنْ سَعِيدِ بْنِ جَبْرِ قَالَ: "مَنْ قَطَعَ تَمِيمَةَ مِنْ اِنْسَانٍ كَانَ كَعَدْلِ رَقَبَةٍ" رَوَاهُ وَكِيعٌ، وَعَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ يَزِيدٍ النَّخَعِيِّ الْكُوفِيِّ قَالَ: "كَانُوا اَلِكِبْرُ هَوْنُ التَّامِّ كُلِّهَا مِنَ الْقُرْآنِ وَغَيْرِ الْقُرْآنِ" وَقَالَ الْقَاضِي ابُو بَكْرِ الْعَرَبِيُّ "تَعْلُقُ الْقُرْآنَ لَيْسَ مِنْ طَرِيقِ السَّنَةِ اِنْهَا السَّنَةُ فِيهِ ذَكَرَهُ وَنُ التَّعْلُقُ" (دَعْوَنُ الْمَعْبُونُ شَرْحُ ابْنِ دَاوُدَ ج ۲ ص ۱) سہ یہ تبلیغی پمفلٹ درج ذیل ہر سہ تپوں سے مفت حاصل کیا جاسکتا ہے :-

(۱) غازی عزیز، ناظم ادارہ توحید روضہ، کیمارٹی، کراچی (پاکستان)

(۲) غازی عزیز، ناظم ادارہ توحید، محلہ شیخان، بالائے قلعہ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۱ (اُردو)

(۳) ڈاکٹر سبحان علی صاحب، چندن شہید روڈ، بالائے قلعہ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۱ (اُردو)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

آرمی برن ہال کالج ایبٹ آباد  
میں

# ایک ایمان افروز تقریب واد اور

منا علم دین جناب ڈاکٹر اسرار احمد کی ”قرآن کے پیغام لازوال“  
پر ایک جامع تقریر  
رتبہ: جناب بشیر احمد صاحب سوز سڑیکچر نازد و آرمی برن ہال کالج

آج ہم دیکھتے ہیں کہ علوم کا ایک سیل بے پناہ ہے کہ جس میں روحانیت کا اثاثہ  
س دعا شاک کی طرح بہہ رہا ہے ہم جدید معاشی اور تہذیبی مبالغوں کو اپنا کر اسلامی  
شخص کو دیا ہے۔ مختلف نظام ہائے زندگی نے مادیت کے بتوں میں وہ خون زندگی  
وڑا دیا کہ انسان کی آنکھ میں انسانی قدریں بجھ گئیں۔ مادیت الحاد کا رُپ جب  
حالیہ ہے تو کردار کو کھلے اور ضعیف ہو جاتے ہیں اور جہاں کردار مرتبات ہیں  
ہاں سے قوموں کا حقیقی زوال شروع ہو جاتا ہے۔

آج کی نوجوان نسل کی مثبت اور سچی تعمیر اس بات کی متقاضی ہے کہ معاش  
لی چکا چونند میں دین فطرت کی مشعلوں کو اور بھی بلند کیا جائے۔ جدید علوم کی  
نہ میں دین کے گہر ہائے آبدار رکھ دیئے جائیں کہ شناورانِ علم جب بھی علوم کی  
لہرائیوں میں اتریں یہ انمول موتی اپنی پوری آب تاب کے ساتھ اُن کے ہاتھ  
نہیں۔ فلسفہ کی ساری قوتوں کو تلقین غزالی سبک رفتار کر دے۔ بیچ و تاب  
ازمی میں سوزِ رومی کے پرچم زیادہ بلند اور نمایاں ہوں۔ اور ان کے بحر کی  
دجوں میں وہ اضطراب ہو جس سے عشقِ الہی کے تاروں میں حرکت پیدا ہوتی  
ہے اور تعلیم سے انہیں تڑپنے اور پھڑکنے کی وہ توفیق ملے جو دل مرتفع اور



عزیز مدتی نہیں تھی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی نوجوان نسل کے کردار میں دین الہی کے وہ رنگ بھر دیئے جائیں کہ وہ زندگی کی ساری حقیقتوں کو ان کے اصلی روپ میں دیکھ سکیں۔ اور جدید علوم کی بسیا کھیوں سے کہیں زیادہ اُس منابطہ حیات کا سہارا لیں جس کے رہنما اصول ہر دور اور ہر زمانہ میں ہر قوم اور ہر نسل کیلئے ایک متاع بے بہا ثابت ہو سکتے ہیں۔

اپنی مقاصد کے حصول کے لئے آر می برن ہال کالج ایبٹ آباد میں اکثر بیشتر ایسی تقریبات کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جن سے نوجوان طلباء کے ذہنوں کو چلا مٹی ہے۔ پندرہویں صدی ہجری کی تقریبات کے سلسلے میں ہمارے کالج میں ایک ایمان افروز تقریب کا انعقاد کیا گیا۔ شارح قرآن اور ٹی وی کے مشہور پروگرام ”الہدی“ کے شعلہ بیان خطیب جناب ڈاکٹر اسرار احمد مہمان خصوصی تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد کی برن ہال میں آمد ہی سے ایک روحانی اور ذہنی تسکین کے سامان بہم ہونے لگے۔ ہر آنکھ منتظر تھی کہ کب یہ شعلہ بیاں مقرر بحر علوم سے انمول موتی چُن چُن کر ہمارے دامن کو دامنِ دولت بنا دے گا۔

۱۹ ستمبر کی خوشگوار صبح تھی۔ کالج کے طلباء کالج ہال میں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ معززین شہر برن ہال کالج کی جانب رواں دواں تھے۔ چہرے یوں دمک رہے تھے جیسے نور کا ایک سیلاب اس کالج کے در و بام کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے۔

ٹھیک صبح نو بجے معزز مہمان خصوصی کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک کے ساتھ کالج ہال میں داخل ہوئے۔ حاضرین جو دیر سے جناب ڈاکٹر اسرار احمد کے چہرے کی ایک جھلک کے منتظر تھے۔ معزز مہمان کی آمد پر تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ اور تالیوں کی گونج میں معزز مہمان کا استقبال کیا، شیخ سیکرٹری کے فرائض رافع بشیر احمد سوز انجام دے رہا تھا۔ جناب ڈاکٹر اسرار احمد سے کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی درخواست کی گئی۔ ڈاکٹر صاحب جب کرسی صدارت سنبھال چکے تو اجلاس کے باقاعدہ آغاز کا اعلان کیا گیا۔ گیارہویں جماعت کے افضل بھٹ

نے خدائے بزرگ و برتر کے نام سے اجلاس کا آغاز کیا۔  
تلاوتِ کلامِ پاک کے بعد راقم نے بحیثیت اسٹیج سیکرٹری برن ہال کالج میں  
اسلامی تحریک اور اس کے مقاصد کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہوئے عرض کیا۔

معدن ہال کالج میں ۱۹۷۷ء کا سال ایک ایسا سنگ میل ہے جس نے ہمیں ہماری  
منزلوں کا پتہ دیا اور ہمارے راستوں کا یقین بھی کیا۔ تعلیم کا سفر اس ادارے میں  
خوشبو کا سفر تھا لیکن اس خوشبو میں دین کی مہک نہ تھی۔ برن ہال کالج میں وہ صبح  
کتنی درخشاں تھی جب پہلی بار ہمارے پرنسپل جناب برگینڈیر بشیر احمد ملک نے  
تلاوتِ کلامِ پاک سے اسمبلی کا آغاز کیا۔ اور برن ہال کالج کے در و بام اور سقف  
و محراب دین کی روشنی سے دمک اُٹھے۔

بصارت جس بصیرت کی متمنی تھی وہ ان نوجوان طلباء کے اندر نمودار ہو گئی۔  
ہماری تمنا ہے کہ مکتب کی کرامت کو فیضانِ نظر مل جائے۔

اس کے بعد جماعت ہفتم کے نعیم محمد، جبران داؤد اور جماعت ہشتم کے عامر نعیم،  
کوٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی۔ ان بچوں نے نہایت دلکش انداز میں سرور کائنات  
فخرِ موجودات حضرت محمدؐ کے حضور ندانہ عقیدت پیش کیا۔

بعدہ راقم نے بحیثیت اسٹیج سیکرٹری جماعت نہم کے عامر خان کو دعوت دی  
عامر خان نے ”قرآن سرچشمہ نور و ہدایت“ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار  
کیا۔ اندازِ بیان نہایت خوبصورت، دلائل بڑے جامع اور الفاظ کا حسن قابلِ  
تعریف تھا۔ حاضرینِ محفل نے اس کم عمر مقرر کو خوب داد دی۔ اب برن ہال  
کالج کے خطیب مولانا محمد شفیع فیضی تشریف لائے۔ مولانا نے معزز مہمان کی زندگ  
شخصیت و کردار اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں اُن کی خدمات پر روشنی ڈالی۔  
آپ نے کہا:-

”حضرات! آرمی برن ہال کالج کی تاریخ میں آج کا دن — اس لحاظ سے  
ایک یادگار دن ہو گا کہ آج ہمارے درمیان ایک ایسی محترم شخصیت موجود ہے جو شریحِ  
قرآن بھی ہے اور داعی الی القرآن بھی۔ آپ نے کہا کہ ”ڈاکٹر اسرار احمد صاحبِ پاکستان  
کو معزز و جود میں آنے ۳۴ برس گزرنے کے بعد بھی نظریہ پاکستان کے لئے جو قرآن اور“

کلمہ طیب سے عبارت ہے سرگرم عمل ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے وہ کبھی الحاد اور لادینیت کے سر پر گزرا برز شکن بن کر گرتے ہیں تو کبھی قلم کی تلوار سے ”میشاق“ کے ذریعے مغربیت کے دام ہم رنگ زمین پر کاری ضربیں لگاتے ہیں کبھی ”الہدیٰ“ کے توسط سے دشمنان ملک و دین کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کو اپنے دلائل و براہین سے مٹا کر دین حق کی صداقتوں کو ذہنوں میں راسخ کرتے ہیں۔ کبھی انجمن خدام القرآن کے زیر اہتمام مجالس و محافل (قرآن کانفرنسوں) کا انعقاد کر کے اپنے مخصوص انداز بیان سائنٹیفک طرز استدلال سے امت مسلمہ کی اخلاقی اور علمی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے گوشاں نظر آتے ہیں۔ الغرض کتاب و سنت کے اسلمہ سے لیس ہو کر ڈاکٹر صاحب ملت بیضا کا مکمل دفاع کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ابلیسی قوتیں فکری اور عملی دونوں محاذوں پر پسپائی پر مجبور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے لئے حصول دولت کا راستہ دشوار نہ تھا۔ لیکن تحریک اسلامی سے وابستگی نے دنیاوی جاہ و جلال اور دولت و امارت کو پائے استحقاق سے ٹھکرانے کی ہمت مردانہ پیدا کر دی۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند اور وایں سعادت بزورِ بازو نیست، تا نہ بخشند خدا بخندے  
حضرات! میں آپکے اور جناب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے درمیان زیادہ دیر مائل رہنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ میں خود اور مجھ سے بڑھ کر آپ سب ان کی تقریر کے منتظر ہیں۔

آخر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب کی ذات میں آپ کو دینی اور دنیاوی علوم کا ایک حسین امتزاج نظر آئے گا۔ خدا کرے کہ اُن کے ارشادات کے نتیجے میں ہمارے کالج کے نوجوانوں میں وہ ذوق و شوق پیدا ہو جو ایک مسلمان کا سرمایہ حیات ہے۔

دلوں کو مرکز مہر و دنا کر      حریم کبریا سے آشنا کر  
جسے نانِ جوں بخشی ہے تو نے      اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر  
مولانا محمد شفیع فیضی جب ڈاکٹر صاحب کی زندگی، شخصیت و کردار اور انکی خدمات کی گرہ کشائی کر چکے تو راقم نے بحیثیت شیخ سیکرٹری معزز مہمان خصوصی

دعوت سخن دمی ڈاکٹر صاحب کی علمیت سے کون واقف نہیں۔ اُن کی شعلہ بیانی اور  
لابت میں جب سخن ادا رنگ بھر دیتا ہے۔ تو سامعین مسرور ہو کر رہ جاتے ہیں۔  
ڈاکٹر صاحب کے لئے موضوع ”قرآن کا پیغام لازوال“ منتخب کیا گیا۔ آپ  
ہ اپنی تقریر کا آغاز خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن پاک کی سورہ العصر کی تلاوت سے کیا۔  
اس کا سلیس و رواں ترجمہ پیش کیا۔

وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا  
عَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَّأَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَّأَوْا بِالصَّبْرِ  
زمن کی قسم ہے (یا زمانہ گواہ ہے) تمام انسان خسارے میں ہیں۔  
سوائے ان کے جو ایمان لائے جنہوں نے اچھے عمل کئے۔ اور باہم ایک  
دوسرے کو حق کی تاکید کی اور ایم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔“

پھر اسی سورہ کو اپنی بحث کا مرکز و محور بنایا۔ آپ نے اس سورہ کے ایک ایک  
نقطہ کی توضیح و تشریح کی۔ اس۔۔ توضیح و تشریح کے بعد جب وہ اپنے موضوع سے  
س کی کڑیاں لاکر جوڑتے تو سامع دنگ رہ جاتا۔ علمیت، زور بیان اور قوت  
ماظفہ کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ آپ کی تقریر ایک شفاف ندی کی مانند  
ہتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کم و بیش ڈیڑھ گھنٹہ بولتے رہے شاید  
یہی اُن کا اعجازِ بیان تھا کہ حاضرین نے دلجمعی کے ساتھ اُن کو سنا۔ آپ نے عقلی  
اور نقلی دلائل اور بہانوں کے ساتھ ایمان کی حقیقت اور قرآن پاک کی صداقت  
کو واضح کیا۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن کا پیغام سرمدی اور ابدی بھی ہے اور لازوال  
بھی۔ آپ نے کہا کہ ایمان، عمل، صالح، قوامی بالحق اور صبری وہ بنیادی حقائق  
ہیں جن پر انسانی زندگی کی کامیابی کا انحصار ہے اور یہی قرآن پاک کے پیغام  
لازوال کا حاصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد عقل کا تقاضا یہ ہے کہ انسان  
اس منکشف حقیقت پر عمل پیرا بھی ہو۔ اور اس سلسلے میں کسی خوف، دھمکی یا  
لاچ کا اسیر نہ کرے راستے سے ہٹنے نہ پائے۔ بلکہ ان حقیقتوں کے پرچار کے لئے سعی  
کرنے۔ بیابانِ دہل ان کا اعلان کرے۔ راستے میں مشکلات کے کوہِ گراں بھی آئیں

دہمت مالی ان کو ریزہ ریزہ کرتی چلے جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ایسے عزم اور ارادے کے لوگ ہر دور میں مختلف اقوام میں پیدا ہوئے۔ جنہوں نے حقائق کو پالنے کے بعد ایک نئی سمت اور منزل کا تعین بھی کیا اور جادۂ پیا بھی رہے۔ پھر اپنی دانش اور بصیرت سے کام لیتے ہوئے نوعِ انسانی کو بھی اپنا ہمرکاب کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ گوتم بدھ اور سقراط کی اولوالعزمی کی مثالیں قراطس زمانہ پر انٹ نقش بن کر رہ گئی ہیں۔ گوتم بدھ ایک شہزادہ تھا۔ دولت و امارت اور دنیاوی جاہ و حشم کا مالک۔ لیکن جب تلاش و جستجو کے بعد حقائق نے اُس کی رُوح کے در پیچے واکر دیئے تو اس نے دنیا کی بے حقیقت لطافتوں کو بے دریغ ٹھکرا دیا۔ سقراط نے اپنے اصولوں اور اُن حقیقتوں پر جو اُس کے نزدیک درست اور صحیح تھیں جس استقامت کا مظاہرہ کیا انہیں زہر کے پیالے نے ایک اُفاتی حقیقت میں بدل کر رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب رُوحانی فیض پالیا تو نمود کی آگ بھی حق کی صداقتوں اور حقیقتوں کو خاکستر نہ کر سکی۔ بابائے ملت حضرت قائد اعظم اور علامہ اقبال نے بھی عقل و فکر کو وحی قرآنی علم کی روشنی میں جلادے کر مسلمانوں کے لئے صحیح راستہ کا انتخاب کیا۔ اور ایک مملکتِ خدا داد کا حصول ممکن بنایا۔ لیکن مسلمانوں نے مجبوری طور پر اس حقیقت سے روگردانی کی۔ اور اس نصب العین کے لئے عمل پیرا ہونے سے گریز کیا۔ قرآن کے پیغام سے اپنی زندہ گیوں کی تزیین نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ شکست و ریخت اور تنزل کے نقش اس قوم کی حیات میں ابھرنے لگے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ انسان کے سوچنے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں؟ کائنات کا خالق کون ہے اور کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے۔ اس کا رگہ حیات میں انسان کا مقام کیا ہے؟ خالقِ ارض و سماء سے انسان کا تعلق کیا ہے؟ کیا زندگی بس یہی ہے یا شب و روزِ عدم میں بھی زندگی کا کوئی قدم ہے؟ جزا اور سزا کا تصور کیا ہے اور اسکی حقیقت کیا ہے؟ یہ سبھی سوال جب ذہن انسانی میں ابھریں تو وہ قرآن کی روشنی میں ان سوالوں کے جواب تلاش کرے۔ قرآن جو عالمگیر اور آفاتی ہے۔ جو ہر دور اور ہر زمانے پر محیط ہے۔

اپنے اندر علم و حکمت کے بھونا پیدا کر رکھتا ہے جب قرآن انسان کو ان سوالوں کے مبسوط جواب سے آگہی بخش دے۔ اور انسان حقیقوں کو پالینے اور تسلیم کر لینے کے بعد ان کے سامنے سر تسلیم خم کرے تو اسی کا نام ایمان کی مشعلِ حجتِ روحِ انسانی میں روشن ہو جاتے تو وہ ان حقائق کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالنے کے لئے تہمت کو شاں ہوتا ہے یہی سعی و کوششِ عملِ صالح کہلاتی ہے۔ ان حقیقتوں کے اعلان اور پرچار کو تو اسی بالحق سے موصوم کیا جاتا ہے۔ اور اس عمل میں باطل نظامِ زندگی کی طاغوتی قوتوں سے برسرِ پیکار رہنا اور اس راہ میں اذیتوں اور مشکلات کو برداشت کرتے ہوئے ثابت قدم رہنا صبر کہلاتا ہے۔ جس انسان کی زندگی میں یہ حقائق رچ بس جائیں اور جس کی زندگی میں ان چار اصولوں کے حسین رنگ ابھر آئیں وہ انسان عرصہ حیات میں کامیاب و کامرانِ زندگی بسر کرتا ہے۔ انہی چار اصولوں اور لافانی حقائق کی دعوت و تبلیغ قرآن پاک کے پیغامِ لازوال کی تشریح و توضیح کہلاتی ہے۔ اور یہی وہ چار بنیادی اصول ہیں جن کی بنا پر قرآن کا پیغام سرمدی اور ابدی ہوتا ہے۔ اور انہی چار اصولوں کے اقرار یا انکار سے قوموں کے عروج و زوال کی داستانیں ترتیب ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میرے محدود مطالعے کے مطابق سورۃ العصر ایک بیج کے لئے مانند ہے۔ جس طرح آم کی گٹھلی میں پورے آم کا درخت موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سورہ مبارکہ میں قرآن حکیم کے تمام تعلیمات موجود ہیں۔ آپ غور کریں گے۔ قرآن حکیم میں پانچ موضوعات پر مختلف اسالیب گفتگو ہوئی ہے۔ اہم سابقہ کے حالات و واقعات بیان ہوتے ہیں اور آنے والے حالات کی خبریں دی گئی ہیں۔ العصر، کالفاظ ان کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ اُگے چلے۔ پھر ایمان کی بحث ہے۔ بس میں توحید باری تعالیٰ کے آفاقی و انفسی دلائل میں۔ نبوت رسالت وحی و انزال کتب اور وقوع قیامت، حشر و نشر اور محاسبہ انفرادی کے لئے براہین ہیں اور جنت و جہنم کے ادکار ہیں پھر ان تمام امور غیبی پر ایمان لانے کی دعوت ہے وَالَّذِينَ آمَنُوا میں ان تمام مباحث کا خلاصہ آجاتا ہے۔ اُگے چلے قرآن مجید میں اچھے اور بھلے اعمال کی تعلیمات ہیں۔ خیر پر عمل کی دعوت ہے۔ معروف کا امر اور

حکم ہے اور منکر سے بھی اور اجتناب کی تاکید ہے۔ اس موضوع پر ”وَحَمِلُوا ثِقَلِي“ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔ اور اگے چلے تو قرآن میں اُمت مسلمہ کو دین کی دعوت تبلیغ، اعلائے کلمۃ اللہ اور اقامت دین کی جدوجہد اور کشمکش کرنے کی ترغیب و تلقین ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے۔ اس سورت مبارکہ میں ان تمام امور کو ایک اصطلاح ”تواصوا بالحق“ میں سمو دیا گیا ہے۔ آخر میں ”تواصوا بالصبر“ کی تاکید و تلقین ہے چونکہ ہر انقلابی جدوجہد کو لازماً شہداء و مصائب سابقہ پیش آکر رہتا ہے۔ اس مرحلے میں صبر ایک مسلمان کا سب سے زیادہ قیمتی ہتھیار اور بیش بہا متاع ہے۔ اس کو ”تواصوا بالصبر“ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ قرآن کے جملہ تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ اس ایک مختصر سی سورت میں انتہائی جامعیت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔ اُسی لئے میں اس سورہ مبارکہ کو بیچ سے تشبیہ دیا کرتا ہوں۔ جس طرح ایک بیج میں پورا درخت پنہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح اس سورہ مبارکہ میں قرآن مجید کی تمام تعلیمات موجود ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ جس قوم میں قرآن کریم کے ساتھ عملی وابستگی اور الہادِ عقیدت موجود ہو وہ قوم خدا کے فضل اور احسان و انعامات اور عزت و مُرخروئی سے محروم نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر برن بال کالج جیسے تعلیمی اداروں میں علوم دینیہ کی درس و تدریس کا عمل یوں جاری و ساری رہے تو یہ بات قرین قیاس ہے کہ ملت بیضا کو اعلیٰ کردار اور بہترین اقدار کے حامل انسان ملتے رہیں گے۔ جو دنیا کی ترقی میں دینی علوم کے حسین امتزاج سے نوع انسانی کی فلاح کے راستے متعین کرتے رہیں گے۔ آخر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آج کی میری معروضات کا ماحصل، خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ ہر مسلمان کا حقیقی اور اصل نصب العین رُملے الہی اور نجات اُخروی، کا حصول ہے سورۃ العصر کے ذریعے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہے کہ اُخروی نجات کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ناگزیر شرائط اور لوازم بیان فرمائے ہیں اور وہ ہیں۔ ایمان۔ عمل صالح۔ تواضی بالحق اور تواضی بالصبر۔

— گویا یہ چاروں لوازم راہ نجات کے سنگ ہاتھ میل ہیں۔ اور ان چاروں شرائط کو پورا کرنے کے التزام و کوشش پر ہی آخرت کی کامیابی اور فوز و فلاح کا دارِ مدار

اور انحصار ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی بعیرت سے پُر اور ایمان افروز تقریر کے بعد کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ ”اسلام ایک ایسے انقلاب کا اعلیٰ ہے جس میں تمام جدید علوم اور علوم متداولہ کو قرآن پاک کی تعلیمات اور اسلام کے رہنما اصولوں کی روشنی کی ضرورت ہے۔ انہوں نے ایک مثالی معاشرے اور مثالی قوم کے لئے افراد کے لئے مثالی کردار کی ضرورت پُر زور دیتے ہوئے کہا کہ دین اسلام سے وابستگی ہی سے دُنیا سے اسلام اپنے حقیقی مقاصد کی تکمیل کر سکتی ہے۔ آپ نے مزید کہا کہ جب تک آج کی نوجوان نسل کے کردار کی تشکیل اسلامی تعلیمات اور مشرقی اقدار سے ترتیب نہ پائے گی، ایک مثالی معاشرے کی تشکیل کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

اپنے کہا کہ اچلے اسلام کا یہ انقلابی دور متقاضی ہے کہ جدید علوم کے ساتھ دین اسلام سے وابستگی کا جذبہ اور قرآن کریم کے رہنما اصولوں سے ہی انسانی کردار کی تشکیل ہو۔ آپ نے کہا کہ نظریہ پاکستان کو اس کے حسین ترین رنگوں میں ہم اسی وقت دیکھ سکتے ہیں جب اس کے بنیادی مقاصد کا حصول ممکن ہو۔ جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک نے مزید کہا کہ ہم نے اس ادارے میں وہ تحریک شروع کر دی ہے جو دنیوی و اخروی فلاح کے راستے متعین کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آج کا نوجوان اس مادیت پرست دنیا میں رہ کر بھی دین کی روشنی میں اپنے کردار کی تشکیل کر سکے۔ اور نوعِ انسانی کے لئے ایک مثالی کردار بن سکے۔

ان زریں خیالات کے اظہار کے بعد جناب پرنسپل صاحب نے معزز مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے ایک طویل سفر طے کر کے اس ایمان افروز قریب میں شرکت کی۔ اور ہمیں اپنے ارشادات و ملفوظات سے نوازا۔ پرنسپل صاحب نے مزید فرمایا کہ اسے محض ایک رسمی شکریہ نہ سمجھا جائے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی بعیرت افروز تقریر کے شکریہ کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ یہ میرے دلی اور حقیقی شکریہ کے جذبات ہیں، جن کو الفاظ کا حامل بنانے کی کوشش کو بعد ہمعصر محترم مہمان ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اجتماعی دعا کرائی اور گیارہ بجے دن کو یہ تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔



تقریب کے اختتام پر کالج کی طرف سے مہمان خصوصی محترم ڈاکٹر صاحب اور دیگر مہمانوں کی اکل و شرب کے تواضع کی گئی اور ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب اور ان کے دو رفقاء کالج کی اسٹیشن وگین میں وادی کاغان و ناران کے گشت کے لئے تشریف لے گئے جہاں سے موصوف کی ۲۰ ستمبر کو مغرب ساڑھے سات بجے کے لگ بھگ مراجعت ہوئی۔

کالج کے طلبہ اور اساتذہ کی روحانی پیاس باقی تھی۔ وہ ڈاکٹر صاحب کی بصیرت ایمانی ان کے موثر انداز خطابت، دل نشین طرز استدلال اور قرآن فہمی کے چشمہ صافی کے آب حیات سے اس تشنگی کی مزید آسودگی کے طالب تھے۔ لہذا کالج کے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک صاحب نے ۲۰ ستمبر کی شب کو ہجے ایک مزید اجتماع کا انتظام کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب اس ڈیڑھ دن کے پہاڑی سفر کی وجہ سے کافی تھکے ہوئے تھے چونکہ اس گشت میں صرف ایک ہی رات انہوں نے ناران میں آرام کیا تھا۔ ان کا باقی تمام وقت حالت سفر میں گزرا تھا اور سفر بھی وادی کاغان و ناران جیسے پیچ در پیچ اور نشیب و فراز سے پُر تھا دینے والے راستے کا سفر۔ پھر یہ کہ ان کو اس سفر کی تھکان کی وجہ سے حرارت بھی ہو گئی تھی بایں ہمہ نصف گھنٹے کے اندر اندر ڈاکٹر صاحب موصوف تیار ہو کر ہجے ہال میں جناب پرنسپل صاحب کے ہمراہ تشریف لے آئے جہاں آدمی برن ہال کالج اور ثانوی اسکول کے طلباء اور تمام اساتذہ نیز متعدد معززین شہر دعوت رجوع الی القرآن کے اس مخلص داعی کے دیدار اور ان کے ایمان افروز خطاب کی سماعت کے لئے ہمہ تن مشاق و منتظر تھے۔ ڈاکٹر صاحب کرسی صدارت پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد سورہ بقرہ کی آیت بھلا کی تلاوت کی اور اس کا ردال و سلب و ترجمہ پیش کیا۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُؤْا وَجُوهَكُمْ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَلْيَتَمَلَّىٰ وَالسَّكِينِ وَأَتَى السَّبِيلَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَ

لَمُؤْنُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذْ عَاهَدُوا ۚ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ  
 وَالضَّرَآءِ وَحِينَ الْبَأْسِ ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۚ وَأُولَٰئِكَ  
 هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

ترجمہ :- نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رخ مشرق و مغرب کی طرف پھیر دو  
 بلکہ اصل نیکی (اس کی ہے) جو ایمان لایا اللہ پر اور قیامت کے دن اور فرشتوں  
 پر اور کتابوں پر اور انبیاء پر اور دیا اس نے مال اُس کی محبت کے علی الرغم  
 رشتہ داروں کو یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سائلوں کو اور  
 گلوں خلاصی کرانے کے لئے ۔ اور قائم کی اُس نے ناز اور ادا کی زکوٰۃ —  
 اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جبکہ کوئی باہمی معاہدہ کر لیں اور خصوصاً  
 صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ و قتال کے  
 وقت — یہی لوگ ہیں حقیقتاً راست گو اور یہی ہیں واقعہً متقی و پیر گزشتہ  
 آیت کا ترجمہ بیان کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ”میں نے دعوتِ رجوع  
 الی القرآن کے لئے قرآن مجیم کا جو منتخب نصاب مرتب کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے  
 کہ مسلمانوں کے سامنے واضح طور پر یہ بات اُجانیے کہ از روئے قرآن مجید ایک  
 مسلمان کی اصل ذمہ داریاں کیا ہیں ؟ اور اس کا رب اور خالق و مالک اس  
 کے سامنے دین کے کیا مطالبات رکھتا ہے ؟ اس کا پہلا سبق سورۃ العصر ہے،  
 جس کے مختصر وقت میں اجمالی طور پر کچھ مطالب و مفایم اور تشریحات میں کل  
 کی تقریر میں بیان کر چکا ہوں، جس کے ذریعے ہمارے سامنے نجات اخروی کی  
 چار ناگزیر شرائط و لوازم ایمان - عمل صالح توامی بالحق اور توامی بالصبر آئے  
 تھے ۔ یہ آیت جس کی میں نے آج تلاوت کی ہے اور جسے میں آیتِ برتر سے  
 موسوم کیا کرتا ہوں اور جس کا عنوان میں نے ”نیکی اور تقویٰ کا قرآنی معیار“ مقرر  
 کیا ہے اس منتخب نصاب کا درس نمبر دو ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ”اگر میں اس آیت مبارکہ کی مختصر تشریح کر لوں  
 تو وہ یہ ہوگی کہ اس آیت مبارکہ میں اصل نیکی اور حقیقی نیکی اور واقعی تقویٰ  
 کے معیارات بیان فرمائے گئے ہیں اور واضح کیا گیا ہے کہ بر (یعنی نیکی) اور

تقویٰ ربیعہ اللہ کی ناراضگی سے بچنے کی روش کا اصل دار و مدار خواہر و منظر  
پر نہیں ہے بلکہ ایمان و یقین، ہمدردی و غم خواری، عبادات کے استقامت معاملات  
کی درستگی اور راہ حق میں صبر و مصابرت پر ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اس آیت بر سے نیکی کے ایک محدود مذہبی تصور کی جڑ  
کٹ جاتی ہے اور نیکی کا ایک واضح اور مکمل تصور سامنے آ جاتا ہے۔ میرے محدود مطالعہ  
کے مطابق نیکی اور تقویٰ کی اس سے جامع تعریف کے لحاظ سے یہ آیت کریمہ قرآن حکیم  
میں ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ پھر آپ غور کریں گے تو اس آیت کی نسبت سورۃ  
العصر سے جس کا ہم نے کل صبح کی نشست میں مطالعہ کیا تھا کچھ ایسی ہے۔ جیسے ایک  
بند کل جو ذرا کھیل گئی ہے۔ اور اس کی پتیاں نمودار ہو گئی ہیں۔ سورۃ العصر میں  
ایمان کی اصطلاح ذکر تھا۔ یہاں بنیادی ایمانیات۔ ایمان باللہ۔ ایمان بالآخرہ۔  
ایمان بالملائکہ۔ ایمان بالکتاب اور ایمان بالنبوت تفصیلی صورت میں بیان ہو  
گئے۔ وہاں اعمال صالحہ کی اصطلاح استعمال ہوئی تھی، یہاں عمل صالح کی تین عمم  
بنیادیں قائم ہو گئیں جن کو تین عنوانات دے جا سکتے ہیں۔ پہلا انسانی ہمدردی  
یعنی خدمتِ خلق کے لئے اپنا مال خرچ کرنا۔ دوسرا عبادات، ان فرض عبادات میں  
سے دو اہم عبادات اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ذکر کر دیا گیا۔ تیسرا معاملات  
انسانی اس ضمن میں ایفائے عہد پر زور دیا گیا۔ چونکہ تمدنی معاملات میں ایفائے عہد  
کو بڑی اہمیت اور اساسی مقام حاصل ہے۔ آپ جب غور کریں گے تو اس نتیجے پر  
پہنچیں گے کہ ہمارے تمدن کی گاڑی کسی نہ کسی نوع کے معاہدے کے تحت رواں ہے  
چاہے وہ باقاعدہ تحریری یا زبانی قول و قرار کے ذریعے ہو یا اس کے بغیر معروف کے  
مطابق محض معہود ذہنی (Understandings) کے طور پر ہو۔ صبر کے تین  
واقع۔ فقر و فاقہ، مصائب و شدائد اور حالاتِ جنگ یہاں بیان ہو گئے اور  
نوامی بالصبر کی تفصیل آگئی۔ البتہ توامی بالحق کا یہاں ذکر نہیں ہے لیکن باؤنی تامل و  
غور معلوم ہو سکتا ہے کہ تبعاً صبر کے ذیل میں موجود ہے چونکہ صبر کے جن تین مواقع  
کا بیان ہوا ہے۔ ان سے اہل ایمان کا سابقہ ظاہر ہے کہ راہ حق کی دعوت و تبلیغ اور  
دین حق کے قیام کی جدوجہد ہی میں پیش آ سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ ”میرا احساس یہ ہے کہ جس طرح انسان کو زندہ بننے کے لئے ہوا اور پانی کی ضرورت ہے اسی طرح اس کی فطرت میں نیکی کا ایک تقاضا رہنما بھی جتنی طور پر موجود ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عالم انسانی کا کوئی معاشرہ نیکی کا کوئی نہ کوئی تصور رکھتا ہے اور اس پر اپنی بساط تک عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔“

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مختلف طبقات کے تصورات نیکی کا تجزیہ کرنے کے بعد فرمایا کہ ”اگرچہ قرآن نیکی صرف وہ قرار دیتے گی۔ جس میں ایمان باللہ، ایمان بالآخرۃ اور ایمان بالرسالت موجود ہو۔ نیکی کے اصل قوت متحرک (MOTIVA TION) یہ ایمانیات ثلاثہ نہ ہوں تو پھر نیکی ایک کاروبار، من بنائی ہے۔“

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت کریمہ کے ایک لفظ کی تفصیل بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان فرمائی۔ ڈیڑھ گھنٹے تک علم و عرفان کا دریا موصوف کی زبان ترجمان حقیقت بیان سے بہتا رہا۔ ہال میں جہاں ساڑھے تین سو کے لگ بھگ طلبہ موجود تھے۔ پوری تقریر کے دوران کامل خاموشی رہی ہر شخص کے گوش بر بیان نے (PIN DROP SILENCE) کا سماں تھا اور حاضرین کی نگاہیں قرآن حکیم کے معارف بیان کرنے والے اس خطیب کے چہرے پر عقیدت و احترام کے جذبے کے ساتھ جمی ہوئی تھیں۔ جس کے انداز تقریر اور طرز استدلال میں سحر کا سا اثر تھا۔ جس سے پورا مجمع مسحور تھا ڈاکٹر صاحب نے اختتام کلام پر فرمایا کہ ”سورة العصر کا خلاصہ یہ تھا کہ ابدی خسران سے محفوظ رہنے کی استثنائی صورت ایمان، عمل صالح، توامی لحق اور توامی بالصبر ہمارے سامنے آئی۔ اس آیت مبارکہ کا خلاصہ اور مرکزی مقصد اس طور پر ہمارے سامنے آیا کہ اللہ کی نظر میں حقیقی نیکوکار، صادق القول و درستقی صرف وہ لوگ ہیں جو صاحب ایمان ہوں۔ جن میں انسانی ہمدردی اور

خدمتِ خلق کے لئے اپنا مال صرف کرنے کا جذبہ موجود ہو۔ جو عبادتِ مفروضہ کو ادا کرنے والے، جو معاملات انسانی میں مہد و معاہدے کی پابندی کرنے والے اور جو اللہ کے دین کے قیام اور خلبے کے لئے جدوجہد کرنے والے اور اس راہ میں پیش

آنے والے تمام کٹھن مراحل و مواقع (فقر و فاقہ - مصائب و شدائد و قتال) پر  
ثابت قدم رہنے والے یعنی مبر کرنے والے ہوں۔ چنانچہ آیت کریمہ کے غامض پڑنا  
گیا کہ اُولَئِكَ السَّادَاتُ الْمَدِينُ وَالْمَدِينُ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

اس خطا کے بعد ڈاکٹر صاحب نے طلبہ کو دعوت دی کہ وہ کل اور آج  
کے درس کے متعلق سوالات کر سکتے ہیں نیز دین سے متعلق جو بھی شبہات و اشکا  
ان کے ذہن میں ہوں، وہ بلا تکلف بیان کریں میں کوشش کروں گا اپنی اسکانی حد تک ان  
مطمئن کروں۔ ڈاکٹر صاحب کی اس دعوت کے بعد طلبہ اور اساتذہ نے مختلف سو  
اور اشکالات پیش کئے اور موصوف نے نہایت خندہ پیشانی اور مدلل و دلنشین  
انداز میں ان کے جوابات پیش کئے۔ سوال و جواب کا یہ سلسلہ تقریباً ڈیڑھ  
گھنٹے تک جاری رہا۔ استفسار کرنے والوں نے کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اپنے  
اشکالات پیش کئے اور ڈاکٹر صاحب نے ہر متفسر کو مطمئن کرنے کی کوشش فرمائی  
طلباء نے ڈاکٹر صاحب کی اس کھلی دعوت سے خوب فائدہ حاصل کیا۔ ان کا  
خواہش تھی کہ اسی جیلے سے وہ قرآن حکیم کے علوم و معارف کے اس خواص سے  
زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور سوال و جواب کا یہ سلسلہ مزید چلتا رہے  
لیکن ہمارے پرنسپل جناب بریگیڈیئر بشیر احمد ملک صاحب کو احساس تھا کہ معزز  
مہمان ڈیڑھ دن کے سفر سے واپس آئے ہیں اور حرارت و تکان کے باوجود  
پورے انہماک کے ساتھ اس سوال و جواب کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ لہذا موصوف  
نے گیارہ بجے کے قریب طلباء سے فرمایا کہ ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ ڈاکٹر صاحب  
دادی کا خانہ دھارن سے بے حد شغف ہے۔ امید ہے کہ موصوف جب بھی اس  
طرف تشریف لائیں گے تو ہمارے کالج کو اپنے زریں خیالات سے مستفید فرمائیے  
نیز ان شاء اللہ ہم بھی کالج کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کو گاہے گاہے مدعو کرتے  
رہیں گے تاکہ ان کی قرآن فہمی سے کالج کے سنبہ - فیضیاب ہو سکیں ویسے الحمد  
ہمارے کالج کے طلباء اور اساتذہ ہر جمعرات کو ڈاکٹر صاحب  
کے ٹی وی پروگرام ”الہدٰی“ سے مستفیع ہوتے ہیں۔ یہ پروگرام کالج پر  
اجتماعی طور پر دیکھا جاتا ہے۔

بعدہ جناب پرنسپل صاحب نے فرمایا کہ ”حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے ان دو خطابات سے میں نے اپنے طور پر کافی استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو جہاں اللہ تعالیٰ نے علم دین اور خاص طور پر قرآن فہمی عطا فرمائی ہے وہاں ان کو نہایت مؤثر انداز خطاب اور مستحکم طرز استدلال سے بھی نوازا ہے۔ اس پر سونے پر سہاگہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب علوم جدیدہ سے بھی کما حقہ بہرہ مند ہیں۔ وہ ان باطل نظریات سے بخوبی واقف ہیں جو مادہ پرستانہ اور لمحدانہ افکار کے حامل ہیں اور جن کا دنیا میں اس وقت تسلط ہے۔ ان افکار کے ابطال اور دین کی صحیح دعوت و تبلیغ کے لئے ڈاکٹر صاحب جیسے صاحب علم و فضل کی پاکستان کو شدید ضرورت ہے۔“

آخر میں پرنسپل صاحب نے فرمایا کہ ”میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں رسمی طور پر نہیں بلکہ حقیقی اور دلی طور پر ڈاکٹر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ وہ اپنی بے پناہ مصروفیت کے باوجود ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے اور ہمیں قرآن مجیم کے پیغام لازوال سے روشناس کرایا۔ میں ڈاکٹر صاحب کی صحت کے ساتھ درازی عمر اور اضافہ علم و فہم کے لئے دعا گو ہوں۔“

بعدہ محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ اجتماعی دعا کرائی اور اس طرح یہ تقریب سعید اختتام پذیر ہوئی۔

## اللہ تعالیٰ

اپنے مومن بندوں کو کن اوصاف سے متصف دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے اپنے مومن بندوں سے مطالبات کیا ہیں ! اس کے لئے ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر اسرار احمد کا مرتب کردہ کتاب ”منتخب نصیحتیں“

کا مطالعہ مفید ہوگا۔

حصہ اول و دوم یکے جا دستیاب ہے، فی نسخہ دس روپے

خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (الحديث)  
تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

آے دروس قرآن اور خطابات پر مشتمل

## نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپیہ
۱	سیرت النبیؐ ۱۰ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیا و کیسٹ)	۱-۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریہ ارتقاء اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۳۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روح انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	غنمت قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (مبوقت یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیات انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں) (۶۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرت مطہرہ کا پیغام (۱۲ ربیع الاول) (۶۰-سی ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دو رکوع) (۶۰-سی چارکیٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰ / -
۱۵	خلافت اشدہ کی شرعی اور تاریخی حیثیت (۹۰-سی دوکیٹ)	۳۲-۳۳	۵۵ / -
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری رکوع) (۹۰-سی دوکیٹ)	۳۴-۳۵	۶۰ / -
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا رکوع) (۶۰-سی چارکیٹ)	۳۶-۳۹	۱۰۰ / -
۱۸	شہادت حسین کا اصل پس منظر (۶۰-سی دوکیٹ)	۴۰-۴۱	۵۰ / -
۱۹	سورۃ الشوری مکمل مصری قرات (۹۰-سی سا کیٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰ / -
۲۰	سورۃ الحج (مکمل) (۹۰-سی تین کیٹ)	۴۹-۵۱	۹۰ / -
۲۱	درس قرآن سورۃ صاف والجمہ (۹۰-سی دوکیٹ)	۵۲-۵۳	۶۰ / -
۲۱	سیرت نبوی کا عملی پہلو (۹۰-سی دوکیٹ)	۵۴-۵۵	۶۰ / -
۲۲	سورۃ مریم مکمل (۹۰-سی پانچ کیٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰ / -
۲۱	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دوکیٹ)	۶۱-۶۲	۶۰ / -
۲۴	خطاب بوقع تقریب نکاح مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵ / -
۲۱	قرآن کا فلسفہ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰ / -
۲۴	خطاب مجموعہ (تاریخ اُمت مسلمہ (۶۰-سی)	۶۵	۲۵ / -

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکلوٹنگ ہے • تمام کیٹ جاپان  
 ے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے  
 بع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک  
 نمبر مانے والے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال  
 فرمائیں • بذریعہ دی۔ پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں  
 نشر القُدان، کیسٹ سیوین لاہور

فون  
 ۸۵۲۶۱۱  
 ۸۵۲۶۸۳  
 ریحیم اسلا می ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور



ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ

# جنوبی ہند میں پندرہ دن

ایک رپورٹ

از قلم:۔ قاضی عبدالقادر

عصر کی نماز مدرسہ کی مسجد میں پڑھ کر ہم مدراس کے لئے روانہ ہو گئے۔ مدراس کا قافلہ یہاں سے ایک سو میل ہے۔ یہاں سے والا جاہ پیٹ تک مختلف شہروں اور قصبوں میں مسلمانوں کے جاہ و حشمت کے نشان نظر آتے ہیں جہاں کسی زمانہ میں مسلمان اپنی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کرتے رہے لیکن آج ان علاقوں پر خاموشی طاری ہے۔ اس دورِ عروج میں جہاں آبادی ہی آبادی تھی۔ وہاں آج مکمل ویرانی ہے کہیں ٹوٹے ہوئے قلعے، کہیں ویران محلات اور کہیں اُجڑے ہوئے قبرستان میں جن کا کوئی پُرسانِ حال نہیں ہے۔ جیسے زبانِ حال سے کہہ رہے ہوں۔

برمزارِ ماغریباں نے چراغے نئے گلے

نے پر پروانہ سوز و نے مدائے جلیے

خود ویلور شہر کی تاریخی شاندار مزار میں مسلمانوں کی عزت اور اپنے اسلاف کی ناقدری کا ثبوت پیش کر رہی ہیں۔ افسوس کہ اس کے اندر کی شاندار مسجد جانوروں کا مسکن بنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے۔ کہ جس کو چاہے اقتدار سے نواز دیتا ہے اور حیب چاہے محروم بھی کر دیتا ہے۔ انسانی اقتدار کو زوال ہے، قدرتِ الہیہ لانفوال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جس کسی قوم کو دنیوی اقتدار سے جب نوازتا ہے تو اس سے امتحان مقصود ہوتا ہے۔ اگلا اس قوم نے اللہ کے حکم کے مطابق اپنے اقتدار کے انتظام کو جاری رکھا، خدا

کی مخلوق کے ساتھ انصاف و مساوات کا سلوک کیا، حقوق انسانی کو پامال نہیں کیا، عیاشی میں مبتلا ہو کر اللہ کے اس انعام کی ناقدری نہیں کی تو ان علماء کے ساتھ یہ نعمت وراثت کے طور پر ان کی نسلوں میں باقی رہی جاتی ہے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے اُٹھ ہو تو یہ نعمت چھین بھی لی جاتی ہے اور پھر اس سے کسی دوسرے کو نواز دیا جاتا ہے۔ ملک الا قیامر مند ادبہا بین الناس مد اس کی جانب ہماری گاڑی پوری رفتار کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

چونکہ وہاں جلد پہنچنا تھا اس لئے رفتار مزید تیز کرنی پڑی راستہ میں مغرب کا وقت آیا۔ سوچا کہ نماز کہاں پڑھی جائے۔ مولوی عبد الجلیل صاحب چونکہ ان راستوں سے سینکڑوں بار گزرے ہیں اس لئے انہیں سڑک کے ہر نشیب و فراز کا پتہ تھا، ایک ایک پتھر کا پتہ تھا۔ جیسے وہ ہم سے کہہ رہے ہوں۔ انہیں پتھروں پر چل کے اگر آسکو تو آؤ۔ میرے گھر کے راستے میں کوئی لکشاں نہیں ہے

مولوی عبد الجلیل صاحب کے فرمانے کے مطابق تھوڑی دُور چل کر سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی مسجد آگئی۔ جہاں ہم نے مغرب کی نماز ادا کی۔ یہاں باجنا نماز کا کوئی بندوبست نہ تھا۔ جو آگیا۔ نماز پڑھ لی۔ وضو کے لئے بدھنے رکھے تھے، وہی بدھنے جسے پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک بار طنزاً مسلمانوں کی تہذیب کے تین اجزاء میں سے ایک جز قرار دیا تھا (باقی دو اجزاء پاجامہ اور استنجہ کا ڈھیلا تھے) میں نے دیکھا کہ یہ بدھنے ہمارے ملک سے تو غائب ہو گئے ہیں لیکن یہاں بھارت میں ابھی تک موجود ہیں۔ بچپن میں کسی شاعر کے چند اشعار جن میں بدھنے کا ذکر آتا تھا۔ ہم بڑی دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ اشعار تو کچھ ”یوں ہی سے“ تھے لیکن بچپن میں نہ جانے کیوں یہ اشعار کچھ اچھے لگتے تھے۔ بچپن ہی جو ٹھیرا۔ لیجئے آپ بھی سن لیجئے اور ہماری بچپن کی ”بے ذوقی“ یا ”بد ذوقی“ کی داد دیجئے۔

شاید خبزاں میں آگ لگا دی بہار نے  
موٹر سے ایک ڈولی لٹا دی کہار نے  
غربت میں شیخ جی کریں کس طرف سے وضو  
بدھنا بھی دیا ایک نہ بنا کر کہہ سار نے

کھٹیا پہ کل سے کھانسی رہا ہے پڑا ہوا  
وہ پٹھن دیا ہے مدد کو بخار نے  
ظلم چٹا کر لے گیا ذرہ ہمارا دل  
لیکن رپٹ لکھی نہ کسی محتایندار نے

لیکن ٹھیرے۔ اگر ان کو پڑھ کر میری ”بد ذوقی“ کا آپ ماتم کرنے لگے  
ہوں۔ اور آپ کی پیشانی شکن اُلو دھو تو لیجئے میں ان اشعار کو بعد معذرت  
واپس لیتا ہوں۔ کہیئے اب خوش ہو گئے نا آپ!

بات بدھنے کی ہو رہی تھی اور میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا۔ عرض یہ کر  
رہا تھا کہ اس چھوٹی سی خستہ حال مسجد میں چند ٹوٹے پھوٹے بدھنے رکھے تھے۔  
ایک کنواں تھا، گہرا بلکہ بہت ہی گہرا۔ ایک ڈول رکھا تھا۔ جو آتا تھا۔  
ڈول سے پانی نکال کر اپنا بدھنا بھر لیتا تھا اور خدمتِ خلت کے طور پر چند اور  
بدھنوں میں بھی پانی ڈال دیتا تھا۔

مغرب کی نماز پڑھ کر کار پھر روانہ ہوئی۔ راستہ میں پیاس زیادہ محسوس  
ہوتی تو ایک جگہ کار روکی گئی۔ ہم نے کولڈ ڈرنک پیا۔ ادھر موجود دیکھا تو مولوی  
عبدالجلیل صاحب غائب تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُن کی واپسی ہوئی۔ معلوم ہوا  
کہ قریب کی مسجد میں تشریف لے گئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا مولانا کہاں  
تشریف لے گئے تھے۔ مسکرا کر جواب دیا ”تصفیہ کرنے“ اور اُن کے ”تصفیہ کرنے“  
کے لفظ پر ہم لوگ بہت دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔

مدارس میں اپنی قیام گاہ پہنچ کر سانس لیا ہی تھا کہ کیا دیکھتے ہیں کہ عبدالعہد  
صاحب اور ڈاکٹر نذیر محمد صاحب ایک صاحب کو ساتھ لئے چلے آ رہے ہیں۔  
تعارف ہونے پر پتہ چلا کہ نواب صاحب آرکائٹ کے بیٹے ہیں۔ یہاں میں یہ بتانا  
چلوں کہ ۱۱ ربیع الاول کی شام کو ملک کے دیگر شہروں کی طرح مدارس میں  
بھی میلادِ کیٹی کے زیرِ اہتمام میلادِ البقیہ کا شاندار جلوس نکلتا ہے جس کا اختتام  
جامع مسجد والا جاہی پر ہوتا ہے۔ مغرب کے بعد تقاریر وغیرہ کا جو سلسلہ شروع  
ہوتا ہے تو فجر کی اذان تک چلتا ہے۔ آج کی شام اور پھر پوری رات یہاں پر  
جشن کا سماں ہوتا ہے۔ نہ صرف مسجد والا جاہی کا احاطہ لوگوں سے ہوتا

ہے بلکہ سڑکوں اور گلیوں تک ”فرزندِ انِ توحید کا ٹھاطھیں مارتا ہوا سمند“  
 ظرا آتا ہے پچھلے دس دنوں میں جلسوں میں جتنی روزانہ حاضری ہوتی تھی آج اس  
 سے دس پندرہ گنا زیادہ ہوتی ہے۔ یوں سمجھئے جیسے پورا شہر اُمنڈا آیا ہو۔  
 آج رات کے جلسہ کی صدارت نواب صاحب آرکاٹ کرتے ہیں، یہ روایت برہما  
 برس سے چلی آرہی ہے۔

چونکہ آج رات کے جلسہ کی صدارت نواب صاحب کو کرنی تھی اس لئے  
 انہوں نے مہمان مقرر یعنی ڈاکٹر صاحب کو مدعو کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو ڈاکٹر  
 صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ یہ تھی اُن کی شانِ نزول۔

میری تو کچھ طبیعت خراب تھی اس لئے میں تو نہ جاسکا اور اس جشن کی  
 ”نعمتوں“ سے محروم رہا۔ ڈاکٹر صاحب تشریف لے گئے اور حسبِ معمول رات

کو بارہ بجے کے بعد ہی تشریف لائے۔ میں اُس وقت تک سوچا تھا۔ طبیعت تو  
 میری معمولی سی خراب تھی لیکن ہمارے میزبان محمد امین صاحب کچھ گھبرائے۔ کہنے  
 لگے ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔ میں نے کہا اس کی ضرورت نہیں۔ کافی دیر تک میرے  
 پاس رہے۔ پھر جب صبح میں شرکت کے لئے جانے لگے تو اپنے خادم سے تاکید سے  
 کہہ گئے کہ میرا خصوصی خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوش رکھے، انہیں کتنا خیال تھا  
 میرا۔۔۔!

آج کے جلسہ کے لئے ایک خصوصی پوسٹر شائع ہوا تھا جس میں رات بھر کے  
 پروگرام کی تفصیل تھی۔ بیانِ ولادت اور درود و سلام کے علاوہ کئی حضرات کی  
 تعاریف تھیں۔ جن میں پہلا نام تھا ڈاکٹر صاحب کا اور دوسرا نام مولانا محمد اعجاز  
 اسلم صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ ٹامل ناڈو کا تھا۔ پہلی تقریر ڈاکٹر صاحب  
 کی تھی جس کا موضوع تھا:

”نبی اکرم سے ہمارا تعلق“۔ اس تقریر نے سامعین پر بہت عمدہ تاثر چھوڑا  
 ۔۔۔ ہمارے عوام اتنا اس نے نبی اکرم سے تعلق کی جو بنیادیں قائم کی ہوئی تھیں  
 اور اُن پر جو ردے ہمارے مولوی حضرات نے چڑھائے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کی بیان  
 کردہ نبی اکرم سے تعلق کی بنیادیں اُن سے بالکل مختلف تھیں۔ کیونکہ زبان سے

نبی اکرمؐ کی شان میں تعریفوں کے پل باندھنا بہت آسان ہے مگر زندگی کو نبی اکرمؐ کی تعلیمات کے مطابق ڈھالنا بہت مشکل۔ اس لئے کہ اس راہ میں مشکلات آتی ہیں۔ قربانیاں دینی ہوتی ہیں بقول شاعر؎

تو کرباں و ترک مال و ترک سر  
در طریق عشق اول منزل است

اور

یہ شہادت گہرُ الفت میں قدم رکھنا ہے  
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا  
چوں می گویم مسلمانم بلرز م  
کہ دامن مشکلات لا الہ را

جماعت اسلامی کے امیر مولانا محمد اعجاز اسلم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کی تقریر پہلی بار سنی۔ وہ بھی بہت متاثر تھے۔ رات چونکہ خامی ہو گئی تھی اور دن بھر سفر کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب تھکے ہوئے بھی تھے۔ اس لئے اپنی تقریر ختم کر کے واپس قیام گاہ آگئے۔ اور دوسرے مقرر یعنی مولانا اعجاز اسلم صاحب کی تقریر نہ سُن سکے۔ اگلے روز جب اعجاز اسلم صاحب ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے ہماری قیام گاہ پر تشریف لائے تو ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے اُن کی تقریر نہ سُننے کی معذرت کی مسجد والا جا ہی جس کے احاطہ میں یہ جلسے ہوتے ہیں تاریخی مسجد اسی کے زیر سایہ حضرت مولانا عبدالعلی لکھنویؒ کا مزار ہے۔ غیر مناسب نہ ہوا اگر ان بزرگ کے سلسلہ میں بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے۔

جس وقت صوبہ مدراس پر انگریز مسلط ہو گئے اور آرکاٹ کے نواب اُن کے وفادار بن کر ظاہری شان و شوکت کے دِن گزارنے لگے تو اس پورے صوبہ میں صلیع شمالی آرکاٹ ہی ایک ایسا مردم خیز علاقہ تھا جہاں سے علوم و عرفان کے آثار نمایاں ہونے شروع ہوئے۔ پتہ نہیں کس رونے والی آنکھ نے اپنے آنسوؤں کے قیمتی موتی ان علاقوں میں بکھیر دیئے تھے جن کی روشنی سے یہ علاقہ جگمگا رہا تھا۔ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی شہادت کے بعد ان کی خالص اسلامی تحریک اُغیار کی سازش اور

پس کی بغاوت کے باعث جب ناکام ہو گئی تو اس تحریک کے علمبردار اور بے لوث  
 شکار ملک کے دور و دور علاقوں میں دینی خدمات انجام دینے کے لئے پھیل گئے۔  
 پانچہ حضرت مولانا محمد علی رامپوریؒ (خلیفہ حضرت شہید بریلویؒ) مدداسی پنج کو  
 سید امیر الشار تر ملکھڑی میں قیام پذیر ہوئے۔ ایک سال تک شہر اوساطراف کے  
 ماتوں میں دینی علوم و معارف سے ہزاروں عوام کو مستفید فرمایا۔ اصلاح اعمال  
 لغات کی یہ دینی خدمت اُن دنوں پوسے شباب پر تھی۔ نواب والا جاہ بہادر  
 رد اُن کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے اور ان کی بیگم حضرت سے بیعت ہو چکی تھیں۔  
 یادار علمائے اپنے مفاد کی خاطر ان کے خلاف سازشیں شروع کیں۔ حضرت مولانا  
 ماہ اسماعیل شہیدؒ کی تصنیف ”تقویتہ الایمان“ کے متعلق خواص و عوام کو ابھارا۔  
 ن کتاب کے مضامین کو مصنف کے مذاق کے خلاف غلط جامہ پہنا کر حضرت استفسار  
 روغ کر دیا اور اس کتاب کے متعلق باقاعدہ علماء کی مجلس استفسار کے لئے  
 منعقد ہوئی۔

# جامع القرآن

نبی قرآن اکیڈمی ۳۶- کے جامع مسجد میں  
 ماڈل ٹاؤن کی

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا

ہر جمعرات کو بعد نماز مغرب

قرآن حکیم کے ابتداء سے مسلسل درس قرآن کا وہ سلسلہ جاری ہے  
 جس کا آغاز مسجد خضراء سمن آباد میں ہوا تھا اور جو بعد میں مسجد  
 شہداء میں جاری رہا۔ اب مجد اللہ سورہ صٰی کا درس جاری ہے۔

بعد عشاء شب بیداری کا

بھی سلسلہ جاری رہے۔

نواب صاحب نے منعقد کیں۔ اس کے بعد حضرت قاضی بدیع الدین نے (موجودہ قلمی حبیب اللہ صاحب کے جد امجد) جو سرکار کی طرف سے شعبہ قضاوت کے صدر تھے اس کی تائید میں فتویٰ صادر فرمادیا لیکن مخالفت کا سلسلہ بیرونی سازشوں کی وجہ سے بند نہ ہو سکا۔ حضرت رام پوریؒ سے اُن کے دوران قیام میں ہزاروں خواص عوام بیعت ہو چکے تھے لیکن مفاد پرست افراد کی مسلسل سازشوں سے دل برداشتہ ہو کر حضرت نے حج کے ارادہ سے اس علاقہ کو خیر باد کہہ دیا۔

اس بزرگ کے دینی و روحانی فیوض کے اثرات کی وجہ سے حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ کو دینی خدمت کے لئے راہ ہموار ہوئی اور مسجد والا جاہی کے زیر سایہ ایک خاص دینی درس گاہ قائم ہوئی موصوف اپنی خدمات علمی کی بنا پر سحر العلوم کے خطاب سے مشہور ہوئے جن کا مزار مسجد والا جاہی کے پہلو میں خدمات عالیہ کی عظمت رفتہ کی یاد دلایا ہے۔

میں نے اُن کے مزار پر جا کر فاتحہ پڑھی۔ مزار کے اوپر تحریر تھا:-

مولانا ملک العلماء بحر العلوم عبدالحی محمد

۱۳ رجب ۱۲۲۵ھ

از سر طیبہ کہو شرفی یہ تاریخ وصال

اب جہاں سے ہو چکی ہے رحمت بحر العلوم

## ۱۹۔ جنوری بروز پیر

آج صبح مختلف حضرات ڈاکٹر صاحب کے ملاقات کے لئے آتے رہے۔ مولانا سید شاہ صبغتہ اللہ بختیاری صاحب اور مولوی عبدالحی صاحب علاوہ حسبِ فیل حضرات ملاقات کو تشریف لائے اور مختلف مسائل پر دیر تک ڈاکٹر صاحب کے تبادلہ خیالات کرتے رہے (۱)، اعجاز احمد اسلم صاحب ایم۔ اے۔ امیر جماعت اسلامی صوبہ ٹائل ناٹو (مدد اس)، جو ڈاکٹر صاحب کی رات کی تقریر سے اتنے متاثر تھے کہ صبح ہی ملاقات کے لئے تشریف لے آئے اور بہت دیر تک تحریر کی

سائل پر گفتگو فرماتے رہے (۲) عبدالرتیب صاحب ناظم اسٹوڈنٹس اسلام آباد سرکل ٹائل ناڈومع ڈو مدد و فقار کے۔ انہوں نے اپنی تعلیم کا تفصیل سے تعارف کرایا اور بتایا کہ وہ کس طرح طلباء میں کام کر رہے ہیں۔ اپنے کچھ تعارفی LEAFLETS بھی پیش کئے۔ جن سے اُن کی سرگرمیوں کا حال معلوم ہوا۔ ہم نے بھی ڈاکٹر صاحب کی کتب کا ایک سیٹ خرید لیا۔ ان کی سرگرمیاں اسی طرح کی ہیں۔ جس طرح ہمارے ہاں اسلامی جمعیت طلباء کی۔ سال میں تین چار بار سوچے مختلف مقامات پر ان کی تربیت گاہیں (TRAINING CAMPS) بھی منعقد ہوتی ہیں۔ ان نوجوانوں سے مل کر واقعہ یہ ہے کہ دل بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کو راہِ راست پر گامزن رکھے اور ان کی سعی و جہد کو قبول فرمائے آمین (۳) عظیمی صاحب رحمہ اللہ خواہ ہوں کہ ان کا پورا نام ذہن میں محفوظ نہیں رہا، ان بزرگوار کی زندگی کا مشن عربی کی تعلیم کا فروغ ہے تاکہ لوگوں کو قرآن حکیم سمجھنے میں آسانی ہو۔ اس سلسلہ میں ایک کتنا بچہ بھی تحریر کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے انہیں کچھ مفید مشورے دیئے۔ اور اپنے کتنا بچے پیش فرمائے۔ گو کہ بہت ضعیف ہیں لیکن کام کی دھن کے اعتبار سے جوانوں کا سا دل رکھتے ہیں۔ (۴) کرامت اللہ بہمنی صاحب اور رشید احمد صاحب — یہ دونوں نوجوان اس سے قبل بھی کئی بار آچکے تھے اور چاہتے تھے کہ عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کا سالانہ اجلاس منعقد کریں جس میں ڈاکٹر صاحب خطاب فرمائیں۔ اجلاس اپنے دفتر میں کرنا چاہتے تھے لیکن بعد میں یہ طے ہوا کہ ۱۲ ربیع الاول کو یہ سالانہ اجلاس احاطہ مسجد والا جاہی میں عصر تا مغرب منعقد ہو۔ جس میں ڈاکٹر صاحب تقریر فرمائیں۔ ۱۰ وقت یہ حضرات اسی سلسلہ میں یاد دہانی اور مزید کچھ گفتگو کرنے کے لئے تشریف لائے تھے۔ عربک اسٹڈی سرکل اور صفہ لائبریری کی جانب سے ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کا نہ صرف پوسٹر شائع ہوا بلکہ باقاعدہ دعوت نامے بھی طبع کرایا گئے جو خصوصی حضرات کی خدمت میں ارسال کئے گئے۔ (۵) یہاں کے ایک بہن بڑے چمڑے کے تاجر ہیں بلکہ چند بڑوں میں سے ایک ہیں۔ اسم گرامی ہے اُن نے عبدالواحد صاحب۔ اُن کے صاحبزادے بھی آج ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی



تشریف لائے ہوئے تھے۔ ٹی عبدالواحد صاحب نہ صرف بڑے کامیاب تاجر ہیں بلکہ بہت ہی صاف ستھرا دینی و علمی ذوق رکھتے ہیں۔ دیوبند اور ندوہ سے متاثر ہیں۔ آپ نے مدراس میں ایک اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن قائم کی ہوئی ہے جس کے تحت علمی و تحقیقی کام کے علاوہ جید علماء کرام کو خطبات دینے کے لئے مدعو کیا جاتا ہے۔ جن میں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ اور مولانا ابوالحسن علی ندوی بھی شامل ہیں۔ سندھ میں مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے یہاں پر جو لیکچرز دیئے تھے اُن کا مجموعہ ”ٹی۔ عبدالواحد اسلامک ریسرچ فاؤنڈیشن“ نے ”مشکلات القرآن یا قرآنی مطالعہ بیسویں صدی میں“ کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے ہمیں آج اپنے گھر پر دوپہر کے کھانے پر مدعو فرمایا تھا۔ ہمارے علاوہ عبدالعتمد صاحب، محمد امین صاحب، محمد حیات صاحب، عظیم صاحب اور افضل صاحب بھی مدعو تھے۔ دسترخوان انواع و اقسام کے پر تکلف کھانوں سے سجا ہوا تھا۔ اقسام اس قدر تھیں کہ گننا مشکل تھا۔ ڈاکٹر نذیر محمد صاحب نے بہت ہی تکلف سے کام لیا تھا۔ یہاں پر میں عطاء اللہ صاحب کا نام لئے بغیر نہیں گذر سکتا یہ صاحب ڈاکٹر نذیر محمد صاحب کے بہت ہی قریبی عزیز تھے اور کھانا کھلانے پر مامور تھے۔ مامور کیا تھے بلکہ دسترخوان کے ”دار و فہ“ تھے۔ ایک ایک چیز کھلانے پر بے حد اصرار کرنا اور منع کرنے کے باوجود پلیٹوں میں ڈالنے چلے جانا۔ ان کی ہم سے بے حد محبت کی دلیل تھا۔ ہم کو تو نہیں لیکن ہمارے ایک آدمی مدراسی رفیق کو ان کی حد سے بڑھی ہوئی محبت سے کچھ کوفت سی محسوس ہونے لگی۔ ایسے موقع پر ہوتا یہ ہے کہ اگر بہت سے کھانے دسترخوان پر موجود ہوں تو ہر شخص اپنے ذوق اور اپنی رغبت کے لحاظ سے کوئی چیز زیادہ اور کوئی چیز کم اپنی پلیٹ میں نکالتا ہے۔ اس کے لئے اُسے آزاد چھوڑ دیا جائے تو بہتر رہتا ہے لیکن اگر اس کا لحاظ کے لئے بغیر ہر قسم کا کھانا اُس کی پلیٹ میں جبراً بھر دیا جائے تو ظاہر ہے اُسے کچھ کوفت محسوس ہوگی۔ ہمیں بہر حال یہ کوفت محسوس نہیں ہوئی اور اگر ہوئی بھی تو اس کا علاج ہمارے لئے ”کوفتے“ تھے۔ عہد نے فوراً بعد احاطہ مسجد والا جاہی کے پنڈال میں عربک اسٹڈی سرکل و صفحہ

نہریری کا سالانہ جلسہ تھا۔ سب سے پہلے سید کرامت اللہ بھٹی صاحب نے سرکل ولائبریری کی سالانہ رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے خطاب فرمایا۔ مغرب سے قبل اجتماع کی کاروائی ختم ہوئی۔

مغرب کے بعد سیرت نبویؐ پر ڈاکٹر صاحب کی آخری تقریر ہوئی جس کا موضوع تھا: ”نبی اکرمؐ کے مشن کی تکمیل اور ہمارا فرض“

عشاء کے بعد ہم عبدالصمد صاحب کے گھر گئے۔ انہوں نے آج اپنے ہاں ہمیں کھانے پر مدعو فرمایا تھا۔ دعوتیں کھا کھا کر سچی بات تو یہ ہے کہ اپنی حالت خراب ہو رہی تھی۔ جی چاہتا تھا کہ سادہ کھانا کھیں سے کھانے کو ملے۔ کچھ ایسا ہی حال ڈاکٹر صاحب کا معلوم ہوتا تھا۔ عبدالصمد صاحب نے بڑا کرم کیا کہ کھانے کے ITEMS کم رکھے مگر جو کچھ تھا انتہائی لذیذ تھا۔

عبدالصمد صاحب کے ہاں سے فارغ ہو کر ہم اپنی قیام گاہ پر پہنچے۔ صبح کی فلاٹ سے ہیں بسبی روانہ ہونا تھا اس لئے اس کی تیاری کرنی تھی۔ لیکن یہاں پر تو ملاقاتیوں کا تانا باندھ گیا۔ سب سے پہلے مولوی عبدالجیل صاحب اور ان کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب تشریف لائے۔ پھر ملنگ محمد حیات صاحب کی تشریف آوری ہوئی۔ ملنگ کے لفظ سے آپ دھوکا نہ کھائیں۔ یہ ہمارے ہاں جیسے ”ملنگ“ نہیں ہیں۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان ہیں اور چمڑے کے بڑے بیوپاری ہیں۔ ”ملنگ“ تو دراصل اُن کا STRNAME ہے۔ ان کے بعد تشریف

لے آیا ایک پورا گروپ جو محمد اعجاز اسلم صاحب امیر جماعت اسلامی حلقہ ٹاٹل ناڈو محمد عتیق صاحب ناظم دفتر جماعت اسلامی، اُن کے چند اور ساتھی اور اسٹوڈنٹس اسلامک سرکل کے چند نوجوانی پر مشتمل تھا۔ اب ایک مشکل مرحلہ درپیش تھا۔ ایک طرف تھے مولوی عبدالجیل صاحب جنہیں جماعت اسلامی سے خدا واسطے کا بیر تھا اور اُن کے بھتیجے مولوی عبدالباقی صاحب۔ اور دوسری طرف تھے جماعت اسلامی کے امیر دیگر رفقا مکرانم۔ اگ اور پانی چھ ہو گئے تھے۔ جماعت کے ساتھیوں کو تو مولوی عبدالجیل صاحب کے ساتھ بیٹھنے پر کوئی تکلف نہ ہوتا لیکن مولوی صاحب جماعت والوں کے ساتھ بیٹھیں یہ ناممکن

اس کا محل ہم نے یہ نکالا کہ میں تو سونے کے کمرہ (BED-ROOM) میں مولوی عبد الجلیل صاحب اور مولوی عبدالباقی صاحب کو لے کر بیٹھ گیا اور اُن سے گفتگو کرتا رہا اور ڈاکٹر صاحب ڈرائنگ روم میں جماعت کے امیر اور رفقاء کے ساتھ تشریف فرما ہوئے۔ جماعت کے یہ حضرات مختلف مسائل پر ڈاکٹر صاحب سے باقاعدہ گفتگو کرنے آئے تھے۔ ایک ٹیپ ریکارڈ بھی ساتھ لائے تھے جس سے پوری گفتگو ریکارڈ کی گئی۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ تک تبادلہ خیالات جاری رہا۔ یہ عرصہ مجھ پر نہایت شاق گذرا۔ میں اس گفتگو میں سننے کی حد تک مزور شرکت چاہتا تھا۔ کبھی کبھی ذرا سی دیر آکر بیٹھ بھی جاتا تھا مگر پھر اس خیال سے کہ مولوی عبد الجلیل صاحب کچھ محسوس نہ کریں پھر اُٹھ کر اُن کے پاس جا بیٹھتا۔ ویسے اس دوران مولوی صاحب سے میری گفتگو بھی بہت مفید رہی اور میری معلومات میں خاصا اضافہ ہوا مثلاً۔

— یہ کہ شہر مدراس کی آبادی تقریباً ۳۴ لاکھ ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً دو لاکھ ہے۔

— صوبہ ٹامل ناڈو کی آبادی سات کروڑ کے لگ بھگ ہے۔ جن میں مسلمان تقریباً نو لاکھ ہیں۔

— پورے صوبہ میں مسلمانوں کے چوبیس کالج ہیں جن میں اکثریت غیر مسلم طلباء

کی ہے۔ بعض مقامات پر تو غیر مسلم طلباء

اشی نی حد تک ہیں۔ ستر ہائی اسکول لڑکوں کے اور پانچ لڑکیوں کے

ہیں یہ سب ادارے سرکاری امداد کے ساتھ چل رہے ہیں۔

مدراس کا علاقہ پیری میٹ چمڑے کی عالمی منڈیوں میں سے ایک ہے

اور یہاں کی پوری تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ منباکو اور میٹری

کی تجارت بھی اکثر و بیشتر مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

صوبہ ٹامل ناڈو کے گورنر و صادق علی صاحب، مسلمان صوبہ کی ہائی کورٹ

کے چیف جسٹس (محمد اسماعیل صاحب) مسلمان۔ وزیر اوقاف، بلدیاتی ادا

اور دیہی ترقی (ضیاء محمد صاحب) مسلمان۔ نیز مدراس کے انسپکٹر جنرل پولیس

بھی مسلمان ہیں۔ صوبہ میں آبادی کا اتنا کم تناسب ہونے کے باوجود اتنے

اہم عہدے مسلمانوں کے پاس ہونا ایک اچھی علامت ہے۔

ہم مدراس تک تو پہنچ ہی گئے تھے اب جنوبی ہند کا آخری کنارہ یعنی راس  
کماری کوئی زیادہ دُور نہ تھا۔ اگر ویزا کی پابندیاں نہ ہوتیں تو راس کماری ضرور  
جا کر دیکھتے اور وہاں سے سمندر کے پار لنکا کا ساحل بھی دیکھ لیتے۔ راس کماری  
کو یوں بھی ہماری سیاسی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل رہا ہے۔ غیر منقسم ہڈیا  
میں جب بھی کوئی تحریک چلتی تو نعرہ یہی ہوتا ”حیرے راس کماری تک“ یعنی راس  
کماری کا نام ضرور آتا مولوی عبد الجلیل صاحب نے انکشاف فرمایا کہ تقسیم کے بعد اس  
کماری کو بھی شددھی کر لیا گیا ہے۔ تو انے پاکستانی مسلمانوں اس ”واب“ راس  
کماری ” نہیں رہا اب اس کا نام ”کھنیا کماری“ ہے۔ — ”کھنیا کماری“ —  
بے آیا خیال شریف میں !!

امیر جماعت اسلامی اور ان کے رفقاء سے ڈاکٹر صاحب کی کیا گفتگو ہوئی؟  
جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں، میں چونکہ باوجود خواہش کے اس محفل میں موجود  
نہ تھا اس لئے اس گفتگو کو نہ سُن سکا ورنہ ضرور قلمبند کرتا اور آپ کو سُناتا۔  
مدراس سے صبح ہی روانہ ہونا تھا اس لئے وقت نہ تھا ورنہ وہ ٹیپ ہی سُن لیتا جو  
جماعت کے رفقاء نے کیا تھا۔ البتہ تھوڑی سی دیر وہاں بیٹھنے سے یہ معلوم  
ہوا کہ امیر جماعت اسلامی جناب محمد اعجاز اسلم صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو حیدر آباد  
دکن میں اگلے ماہ ہونے والے کُل ہند سالانہ اجتماع میں شرکت کی دعوت دی بلکہ  
اس پر اصرار بھی کیا۔

— ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ابھی اجتماع ہونے میں ایک ماہ کے قریب کا عرصہ ہے  
اتنا عرصہ یہاں پر ٹھیرا نہیں جاسکتا اور دوسرے یہ کہ ویزا میں حیدر آباد دکن کا مقام  
درج نہیں کہ وہاں پر جایا جاسکے۔ اس لئے اگر آپ کی یہ خواہش ہی ہے کہ میں سالانہ  
اجتماع میں ضرور شرکت کروں تو آپ مرکز جماعت کی جانب سے باقاعدہ دعوت نامہ  
مجھے میرے لاہور کے پتہ پر بھیجوا دیجئے چونکہ انڈیا جانے کی اجازت سال میں صرف ایک  
ہی دفعہ ملتی ہے اس لئے آپ کا باقاعدہ دعوت نامہ آنے پر مجھے دوبارہ اجازت  
حاصل کرنے میں بھی آسانی رہے گی۔ امیر جماعت فرمانے لگے کہ امیر جماعت  
اسلامی ہند مولانا محمد یوسف صاحب غفریب یہاں صوبہ کے دورہ پر تشریف

نے دے دیے ہیں، اُن سے گفتگو کر کے اِن شاء اللہ دعوت نامہ ارسال کر دیا جائے گا۔ لیکن یہ دعوت نامہ ڈاکٹر صاحب کو موصول نہیں ہوا، ممکن ہے کہ ڈاک کی غلطی کی نذر ہو گیا ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ جناب اعجاز احمد اسلم صاحب امیر مجتہد سے بات کرنا بھول گئے ہوں اور اس کا بھی امکان ہے کہ پاکستانی دوستوں کی ناراضگی کا خیال کرتے ہوئے دعوت نامہ نہ بھیجنے ہی میں مصلحت سمجھی گئی ہو۔

موبہ ٹائل ناڈو اور قریب دجوار میں ہریجنوں کو مسلمان بنانے کی مہم کافی عرصہ سے خاموشی کے ساتھ چل رہی ہے۔ جماعت اسلامی بھی اس سلسلہ میں خاصا موثر کام کر رہی ہے۔ اس کے رفتار کی سعی و جہد سے بہت سے ہریجن مسلمان ہو چکے ہیں۔ جماعت نے اس سلسلہ میں ایک مستقل تربیت گاہ بھی قائم کر رکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ جو ہریجن مسلمان ہوں انہیں ضروری تعلیم و تربیت دی جائے تاکہ وہ مسلمان معاشرہ میں اجنبی نہ رہیں بلکہ اپنا موثر کردار ادا کر سکیں۔ پاکستان میں نئی نسل کے بہت سے نوجوان شاذ ہریجنوں سے واقف نہ ہوں تو عمر میں ہے کہ ہندوؤں کے مذہب میں چھوٹا چھوٹا بہت ہے۔ بلکہ یہ ہے ہی چھوٹا چھوٹا مذہب۔ ادنیٰ ذات کے ہندو برہمن کہلاتے ہیں اور ادنیٰ ذات کے ہندو ہریجن۔ ادنیٰ ذات کے ہندو نیچی ذات کے ہندوؤں سے رشتہ داری وغیرہ تو بہت دور کی بات ہے میل ملاپ میں بھی عار محسوس کرتے ہیں اپنی دوکانوں سے انہیں سودا نہیں دیتے۔ اپنے ہوٹلوں میں انہیں داخل نہیں ہونے دیتے انہیں ذلیل سمجھتے ہیں۔ ان کے درمیان ہندوستان کے مختلف مقامات پر فسادات بھی ہوتے رہتے ہیں (ہندو مسلم فساد کی طرح یہ فسادات بھی بھارت میں عام ہیں)۔ درجنوں ایسے دیہات ہوں گے جہاں ہریجنوں کی بستیوں کی بستیاں ادنیٰ ذات کے ہندوؤں نے جلا ڈالی ہیں۔ ہریجن اس صورت حال سے عرصہ دراز سے پریشان ہیں۔ ابھی پچھلے دنوں جنوبی ہند میں ہریجنوں کا ایک کنونشن بھی منعقد ہوا تھا۔ جہاں یہ مسئلہ زیر غور آنا تھا۔ کہ انہیں ہندو مذہب چھوڑ کر کس مذہب کو اختیار کرنا چاہیے۔ اس کنونشن سے قبل عیسائیوں، مسلمانوں اور بدھ مت والوں نے ہریجن

شش کی کہ فیصلہ اُن کے حق میں ہو جائے۔ ڈاکٹر امبیڈکر جو ہر بچوں کے  
ہندو پیمانہ کے لیڈ ہیں اُن کا جھکاؤ بدھ مت کی طرف تھا۔ سنا ہے کہ یہ  
ڈنشن واضح فیصلہ کے بغیر ختم ہو گیا۔

ڈاکٹر صاحب نے امیر جماعت اور رفقاء جماعت کو اس غرض کی طرف  
تبدیلی کی کہ یہ کام ابھی تک تو خاموشی کے ساتھ ہو رہا ہے پھر بھی یہ تو ناممکن ہے  
ہندوؤں کو اس کا علم نہ ہو لیکن اگر یہ ہم زور دیکھ گئی تو میں ممکن ہے کہ ہندوؤں  
طرف سے اس کا رد عمل شدید ہو۔ اور جنوبی ہند جو اکثر و بیشتر ابھی تک ہندو  
مسلم فسادات سے بچا ہوا ہے مبادا اس کی شدید لپیٹ میں آجائے۔ ڈاکٹر  
صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ اسلام کی دعوت جس کی جماعت اسلامی علمبردار ہے وہ  
اُفاقِ (UNIVERSAL) ہے۔ اس کے مخاطب صرف مسلمان ہی  
نہیں عامۃ الناس ہیں اس لئے اصل دعوت کو چھوڑ کر یا اُس کے ساتھ ساتھ  
ہندوؤں کو مسلمان بنانے کی یہ جزوی مہم بھی شروع کر دی گئی تو ایسا نہ ہو کہ ہم  
پنی دعوت اور غیر مسلموں کے درمیان BARR (دین جایش) جماعت کے  
حضرات نے ڈاکٹر صاحب کی گفتگو نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ سنی اور اُن  
کے موقف کو سراہا۔ یوں تو ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان حضرات کی پوری گفتگو  
نہایت ہی سکون اور اطمینان کے ماحول میں ہوئی کسی قسم کی بحث یا تلخی کا تو سوال  
ہی نہیں تھا۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ڈاکٹر صاحب اپنے ہی ساتھیوں کے  
درمیان بیٹھے گفتگو کر رہے ہوں۔

جب یہ ہر بچوں کے مسلمان ہونے کی بات چل ہی نکلی ہے تو یہ اور بتانا  
چلوں کہ ہمارے اس دورہ کے تقریباً ایک ماہ بعد یعنی سنہ ۱۹۵۶ء میں  
وہاں سے (MASS CONVERSION) کی خبر آئی۔ یہی صوبہ جات ٹاٹی  
ناڈو اور کیرالا کی سرحد پر واقع ایک گاؤں منیا کشی پورم (MEENAKSHI  
PURAM) کے نام سے ہر بچوں کا تقریباً ایک پورا گاؤں کا گاؤں  
مسلمان ہو گیا۔ اس گاؤں کی آبادی ایک ہزار کے قریب ہو گئی جس میں سے  
۹۷۶ افراد نے اسلام قبول کر لیا۔ نو مسلموں نے گاؤں کا نام بالکر "رحمت نگر"

کھ دیا۔ — اس کے بعد اُمید ہو چلی ہے کہ قریب کے گاؤں کے ہریجن بھی سلام قبول کر لیں گے۔ کیونکہ انگریزی کے مشہور اخبار ”انڈین ایکسپریس“ کے مطابق وہاں کا اب GENERAL MOOD یہ ہے اُس کے الفاظ میں:

(THE GENERAL MOOD AMONG THE HARIJANS IN THE DISTRICT AS A WHOLE SEEMS TO BE IN FAVOUR OF EMBRACING ISLAM)

اس گاؤں کے باشندے ہریجن ضرور تھے لیکن اکثریت تعلیم یافتہ لوگوں کی ہے۔ ان میں ڈاکٹر بھی ہیں، سرکاری ملازمین بھی ہیں۔ پولیس کی ملازمت میں بھی ہیں، اسکولوں میں استاذ بھی اور تاجر پیشہ حضرات بھی۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جو SOCIAL STATUS انہیں اسلام میں ملا ہے وہ نہ عیسائیت میں مل سکتا تھا اور نہ بدھ مت میں۔ ان حضرات کے پاس کسی چیز کی کمی نہ تھی اگر کمی تھی تو SOCIAL STATUS کی اور وہ اسلام کی آغوش میں انہیں حاصل ہو گیا۔ انہیں مسلم معاشرہ میں وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو مسلمانوں (BORN MUSLIMS) کو حاصل ہیں۔ نئی مسلمان ”رحمت نگر“ کے نو مسلموں کے ساتھ شادی بیاہ کے رشتے کرنے کو تیار ہیں بلکہ انہیں اپنی بیٹیاں دینے کو تیار ہیں۔ عیسائیت کے بارے میں نو مسلموں کا خیال ہے کہ انہیں صرف اپنی تعداد بڑھانے کی فکر ہوتی ہے۔ انہیں عیسائی بنالینے کے بعد اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ کون شخص کس حال میں ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے جن خدشات کا ذکر کیا تھا وہ اس لحاظ سے فوراً ہی سائنے آرہے ہیں۔ کہ انڈیا کے قومی پریس نے اس مہم پر بڑا اویلا مچایا ہوا ہے۔ بتایا گیا ہے کہ یہ مہم ۱۹۷۹ء سے خاموشی سے جاری ہے اور اب تک آٹھ ہزار سے زائد ہندو مسلمان ہو چکے ہیں۔ ہندوؤں کی مذہبی اور سماجی تنظیمیں بھی حرکت میں آگئی ہیں۔ آریہ سماج نے اپنا ایک وفد جنوبی ہند بھیجا تاکہ صور حال کی پوری رپورٹ پیش کرے۔ یہ بھی شور مچایا گیا کہ مسلمانوں کو اس سلسلہ

میں سوئی ہوئی غلطی کی ریاستوں سے ہریجنوں میں تقسیم کیے پیسے مل رہے اور یہ سب کچھ اس پیسہ کا مکمل ہے۔ جنوبی ہند کی ایک ہندو تنظیم نے اس کا فوری نوٹس لیتے ہوئے ہریجنوں کی ادنیٰ ذات کے ہندوؤں کی طرف سے شکایات اور شکایات دُور کرنے کی مہم چلائی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجے میں ادنیٰ ذات کے ہندوؤں نے ہریجنوں کی تقاریر میں شرکت کرنا اور ان کے کالی مندروں (KALT TEMPLES) میں جانا شروع کر دیا ہے۔ اس تنظیم کا دعویٰ ہے کہ اس

انکوشوں سے اب تک اڑتیس نو مسلموں کو دوبارہ ہندومت میں لایا جا چکا ہے۔ بہر حال ہریجنوں کو منانے اور ان کی شکایات دُور کرنے کی مہم زوروں پر رہی ہے تاکہ ہریجنوں کو مسلمان ہونے سے روکا جاسکے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس سلسلہ میں کہیں ہندو مسلم فساد کی ذبت تو نہیں آئی لیکن ہندوستان کے حالات دیکھتے ہوئے کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ خدا نخواستہ کب کیا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہاں کے مسلمانوں کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ آمین! اس کا بھی خدشہ ہے کہ حکومتی سطح پر اس کا نوٹس لیا جائے۔

واضح رہے کہ ہریجنوں میں اسلام کی تبلیغ کا یہ کام صرف جماعت اسلامی نہیں کر رہی بلکہ اس میں بہت بڑا حصہ جنوبی ہند کے مسلمانوں کی ایک تنظیم 'جنوبی ہند اسلامک سوسائٹی' (

( SOUTH INDIAN ISLAMIC SOCIETY

اسے۔ اس کے تحت یہ کام بہت بڑے پیمانہ پر کیا گیا ہے۔ رات کو ایک بجے کے بعد جماعت کے رفقاء کی واپسی ہوئی۔ ان کے جانے کے بعد مولوی عبد الجلیل صاحب اور مولوی عبد الباقی صاحب کمرہ سے نکل کر ہر آئے اور تھوڑی دیر ڈاکٹر صاحب کے پاس بیٹھے۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت معذرت مانا کہ جماعت کے لوگوں کی وجہ سے وہ انہیں زیادہ وقت نہ دے سکے۔ رات چونکہ اسی گزری تھی اس لئے مختصر گفتگو کے بعد یہ حضرات بھی رخصت ہو گئے اور م لوگ بستر پر دراز ہو گئے۔

مولوی عبد الجلیل صاحب باقومی کے متعلق میں بہت کچھ تحریر کر چکا ہوں۔ یہاں کیفیت ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی کا ایک رخ ایسا بھی ہے جسے میں



پہلے بیان کرنے سے کچھ جھجکتا رہا۔ لیکن اب جبکہ رپورٹناثر کی یہ تیسری قسط ختم ہو رہی ہے تو خیال آیا کہ لگے ہاتھوں کیوں نہ اس کبھی بیان کر ہی دیا جائے تو ایسے حضرت سماعت فرمائیے !

مولوی صاحب کو آٹوگراف لینے کا بہت شوق ہے۔ ہر وقت جیب میں چھوٹی سی آٹوگراف بک رکھتے ہیں۔ ہر نئے شخص کو یہ آٹوگراف بک ضرور دکھاتے ہیں تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ مولوی صاحب کی ”اڈان“ کہاں کہاں تک ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بھی انہوں نے آٹوگراف حاصل کئے۔ ہمیں بھی انہوں نے اپنی آٹوگراف بک ورق بر ورق دکھائی ”سعادت“ حاصل کی۔ مسز انڈا گاندھی کا آٹوگراف دکھایا جو موصوف نے دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے موقع پر موصوف سے حاصل کیا تھا۔ بلکہ بقول اُن کے موصوف نے دہلی میں اُن سے ملاقات کی خواہش بھی ظاہر کی اور آٹوگراف کے ساتھ موصوف کے دفتر اور گھر کے ٹیلی فون نمبر بھی نوٹ کرائے۔ دیوبند کے صد سالہ اجلاس کے مولوی صاحب پاکستان تشریف لائے۔ اور بقول اُن کے بیگم نصرت بھٹو کے پاس ”تعزیت“ کیلئے تشریف لے گئے۔ اُن سے بھی آٹوگراف حاصل کر لیا۔ اب یہ بھٹو صاحب کا زمانہ تو تھا نہیں جنرل منیا الحق صاحب کا دور تھا، بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کے بعد مولوی صاحب کے پیچھے سایہ کی طرح سی۔ آئی۔ ڈی۔ لگ گئی۔ لاڑکانہ ”شریف“ سے موصوف کراچی پہنچے۔ تو مولانا احتشام الحق صاحب مرحوم کے گھر گئے اور ان کے بیٹوں سے ملاقات کی اور تعزیت کی۔ واضح رہے کہ مولانا تھانوی مرحوم کا انتقال چند ہی ماہ قبل مداس کے دورہ کے موقع پر ہو چکا تھا۔ یہ سب جانتے ہیں کہ مولانا تھانوی اور اُن کے گھرانہ کی ہمدردیاں پیپلز پارٹی کے ساتھ ہیں بلکہ مولانا تھانوی کے صاحبزادے مولانا احتشام الحق تھانوی تو اس پارٹی کے ایک عہدیدار بھی ہیں اور اس سلسلہ میں قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کر چکے ہیں۔ ظاہر ہے۔ سی۔ آئی۔ ڈی۔ نے یہاں بھی چھپا کیا ہوگا۔ اب ایک مولوی صاحب کا انڈیا سے آنا، المرتضیٰ لاڈکانہ جا کر بیگم نصرت بھٹو سے ملاقات کرنا، پھر مولانا احتشام الحق تھانوی مرحوم کے گھر جانا اس سے شبہات کا پیدا ہونا فطری تھا۔ سی۔ آئی۔ ڈی۔ والے سمجھتے رہے کہ تھے مولوی خطرناک“ اور

ہمارے مولوی محمد اس ساری صورت حال سے بے خبر لوگوں سے ملاقاتیں کرتے رہے  
 ریئر ٹوبیکو انڈسٹریز کے جناب عبدالصمد صاحب کے بنگلہ پر بھی اُن سے ملاقات کو  
 لئے۔ وہاں پر اپنی بیگم بھنوا اور مولانا تقی نوئی کے ہاں کی اور دیگر ملاقاتوں کا مال  
 بنایا جیسے بہت بڑا معرکہ سر کر آئے ہوں۔ عبدالصمد صاحب کا یہ سننا تھا کہ اُن  
 کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور مولوی صاحب کو مختصر سی ملاقات کے بعد فاسق کر کے  
 اُن سے جان چھڑائی اس لئے کہ مولوی عبدالجلیل صاحب اپنے سیدھے پن سے اپنے  
 چاروں طرف جو جال بن رہے تھے، عبدالصمد صاحب اگر اُس میں پھنس نہ جاتے  
 تو بھی احتیاط کا تقاضہ تھا کہ ان حالات میں اُن سے دور رہا جاتا۔ بزنس میں  
 جسے اپنی تجارت چلانی ہوتی ہے وہ ویسے بھی سیاست سے دور بھاگتا ہے۔ دل  
 میں چلے کسی کے ساتھ ہمدردی ہو عملاً اُسے ظاہر کرنے میں احتیاط ملحوظ رکھنی پڑتی  
 ہے۔ کسی ایک پارٹی کے ساتھ اپنے آپ کو متعلق نہیں کرتا کہ مبادا اُس کا شکا سن  
 ڈول جائے۔ تو مخالف پارٹی حکومت میں آکر اس کی اچھی طرح خبر نہ لے لے۔  
 ایک تاجر کو ہمیشہ پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوتا ہے۔ نہ کسی سے زیادہ  
 محبت کرنا اچھا اور نہ کسی کی مخالفت مول لینا انسب۔ نہ ہیٹوں میں نہ شیو  
 میں۔ بس اپنے کام سے کام۔

اب مولوی عبدالجلیل صاحب کے ان کارناموں کا نقطہ عروج بھی کلیجہ تھام  
 کر سن ہی لیجئے۔ مولوی صاحب اس تمام صورت حال سے بے خبر کہ سلیٹ  
 اُن کا پیچھا کر رہے ہیں مختلف مقامات پر میل ملاقات کے بعد انڈیا واپس  
 جانے کے لئے واگہ بارڈر پر پہنچے تو دیکھے ہی دیکھے اُن کی فائل بھی وہاں پہنچ گئی اور  
 وہ وہاں پر دو دھرتے گئے۔ اب تو مولوی صاحب کے ہوش اڑ گئے۔ اعمالنا  
 فائل کی صورت میں سامنا تھا، منہ کے الفاظ اندر کے اندر اور باہر کے باہر رہ  
 گئے۔ لاہور میں اُن کے احباب کو پتہ چلا۔ بعد از کوشش بسیار موصوف  
 کو رہائی نصیب ہوئی اور جیسے تیسے واگہ بارڈر پار کر کے انڈیا کو ”سدا ہے“  
 یہ سب کچھ مولوی صاحب کی طبیعت کی سادگی سے ہوا۔  
 اس سادگی پہ کوئی نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک بار مولوی عبد الجلیل صاحب نے ڈاکٹر صاحب کو نصیحت فرمائی کہ وہ لاہور میں مولانا سید حامد میاں صاحب کے ضرور ملتے رہا کریں۔ اس سے پتہ چلا کہ مولوی صاحب مولانا حامد میاں صاحب سے بہت متاثر ہیں۔ میں نے مولوی صاحب کو بتایا کہ علماء کے حلقہ میں مولانا حامد میاں صاحب ہی کی تو وہ ذات ہے جن کے ڈاکٹر صاحب بہت زیادہ عقیدت مند ہیں اور گہرے بگاڑے اُن سے ملاقات کو جلتے رہتے ہیں اور لاہور کے حلقہ علماء میں مولانا سید حامد میاں ہی تو ہیں جو ڈاکٹر صاحب کے نہایت شفقت و محبت پیش آتے ہیں۔ ہماری دعوت اور ہمارے کام کو نہ صرف سمجھتے ہیں بلکہ اس سلسلہ میں مناسب مشورے بھی دیتے رہتے ہیں۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت منعقد شدہ سالانہ قرآن کانفرنسوں میں بذاتِ خود تو کبھی شرکت نہیں فرمائی لیکن ہر سال پابندی سے اپنا مقالہ ضرور بھیجتے رہے ہیں۔ مولوی صاحب یہ سن کر ڈاکٹر صاحب کی عظمت کے مزید قائل ہو گئے۔

۲۰۔ جنوری بروز منگل | اُنکھ کھل گئی۔ دیکھا تو فجر کی اذان کے وقت مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ سختیاری صاحب تشریف لے گئے ہیں۔ شاہ صاحب کی امامت میں گھر پر نماز فجر باجماعت ادا کی۔ ناشتہ کیا۔ اتنا اس یہاں بلڈا ہوتا ہے۔ سیٹھ محمد امین صاحب ناشتہ اور کھانے کے وقت اکثر دھڑھڑا کر پرتاس ضرور رکھتے تھے جو ہم وہاں پر جی بھر کر کھاتے رہے۔ ناشتہ سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ عبدالصمد صاحب، ڈاکٹر نذیر محمد صاحب، ملنگ محمد حیات صاحب اور کچھ دیگر احباب تشریف لے آئے۔ کیونکہ ہمیں صبح سات بجے کی فلاٹ سے مبینی روانہ ہونا تھا۔ اس لئے جلد جلد سامان پکی کر کے ہم لوگ کاروں میں لیبر پورٹ پہنچے۔ جہاں پچشم تر احباب نے ہمیں رخصت کیا، کچھ احباب براہ راست ایر پورٹ پہنچ چکے تھے احباب اس طرح ہمیں رخصت کر رہے تھے جیسے ہم اُن کے بہت ہی قریبی عزیز ہوں اور برسوں کی جان پہچان ہو۔ یہ سب کچھ ایمان کے رشتہ کی وجہ سے تھا۔ اور واقع یہ ہے کہ ایمان سے بڑھ کر رشتہ کوئی اور نہیں ہوتا جہاں خونی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں وہاں ایمان کا رشتہ قائم رہتا ہے۔ ہم لوگوں کی محبت

اللہ کے لئے ہے اللہ کے دین کی خاطر ہے، خدا گواہ ہے کہ اس میں کوئی دنیاوی طمع شامل نہیں۔ ایمان کا تقاضہ محبت ہے۔ جہاں ایمان ہوگا وہاں آپس میں محبت ہوگی۔

سچ فرمایا رسول برحقؐ نے کہ:-

”تم اس وقت تک مومن نہ ہو گے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو“ (مسلم)

اور اپنی محبت اور دشمنی کو اللہ کے لئے خاص کر لینے کو تکمیل ایمان کی شرط ٹھہرایا۔ حدیث ہے کہ:-

”جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لئے اور دشمنی کی تو صرف اللہ کے لئے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے اور روکا تو اللہ کے لئے اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا“

ایک مومن کو اگر اللہ کی محبت مل جائے تو اس کی اس دولت کا بدل اُس کو اور کیا مل سکتا ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو ایک مومن کی معراج ہوتی ہے اور نبی اکرمؐ میں بتاتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لئے ایک دوسرے سے تعلقاتِ اخوت قائم کریں وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:-

”میری محبت ان لوگوں کے لئے واجب ہوگی جو میرے لئے آپس میں محبت کریں، میرے لئے ساتھ مل کر بیٹھیں، میرے لئے ایک دوسرے پر مال خرچ کریں۔“

خدا کی رحمت ہو اللہ کے رسولؐ پر کہ جنہوں نے ہم تک اللہ کا یہ فرمان بھی پہنچا یا کہ:-

”اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہ کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج کے دن انہیں اپنے ساتھیوں میں جگہ دوں گا اور آج کے دن مولائے میرے ساتھیوں کے کوئی سایہ نہیں ہے“ (مسلم)

اور ان کے لئے وہ کیا ہی بلند درجات ہوں گے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے کہ :-

”جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے“ (تذی) تو اے مداس کے باسیو اے میرے بزرگو اے میرے دوستو اے میرے رفیقو، آج ہم تمہاری محبت کی عظمت کو سلام کرتے ہیں — اس امید کے ساتھ کہ اللہ کے دین کی خاطر ہماری یہ محبت نہ صرف قائم رہے گی بلکہ پروان چڑھتی رہے گی اور دائم رہے گی — اس لئے کہ زندگی مرنے کی دنیا کی زندگی نہیں ہے — موت کیا ہے۔ ایک دنیا سے اٹھ بندھوتی ہے اور دوسری دنیا میں کھل جاتی ہے کہ آگے چلیں گے دم لے کر

تو اسے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ٹاپ  
جادواں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی  
اور

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب  
اس زیاں خانہ میں تیرا امتحاں ہے زندگی  
اے میرے مداس کے ایمانی بھائیو —! جس طرح مجھے سورج کے مشرق سے طلوع ہونے اور مغرب میں غروب ہونے کا یقین ہے اُسی طرح یقین ہے کہ ہماری یہ محبت — جو خالصۃً للہ و فی اللہ ہے نہ صرف اس دنیا میں جاری رہے گی بلکہ اس کے بعد ابدی زندگی میں بھی جاری رہے گی ان شاء اللہ —! اللہ تعالیٰ ہمیں حق کا علم حاصل کرنے اس پر عمل کرنے، اسے دوسروں تک پہنچانے اور اسے غالب کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! (جاری ہے)



# ڈاکٹر اسرار احمد

- تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ ۶/- روپے
- مطالبات دین ۶/-
- اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام ۱/-
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت ۲/-
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے تعلق کی بنیادیں ۲/-
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اُردو) ۳/-
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی) ۴/-
- مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی) ۵/-
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول ۸/-
- مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم ۵/-
- قرآن اور امن عالم ۲/-
- راہ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں ۲/-
- علامہ اقبال اور ہم ۱/-
- عظمتِ صوم ۱/-
- دعوت الی اللہ ۳۰/-
- آیت الکرسی ۴/-
- قرآن حکیم کی سورتوں کے معنایں کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف ۳/-
- شہیدِ مظلوم (شہادتِ حضرت عثمانؓ)

# نشر القرآن

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد



کے دروس قرآن حکیم اور مختلف دینی موضوعات پر مشتمل خطابات کے جدید  
حسب ذیل کیسٹ بھی دستیاب ہیں -

- و خلاصہ مضامین قرآن مجید (موقع تراویح رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ) ۶ کیسٹ ۷۰/- ۲۰۰/-
  - و کوڈ ۸۷ یوم استقلال (۱۴ اگست) پر خطاب ۶۰ سی (ایک کیسٹ) ۲۵/-
  - و کوڈ ۸۸ قرب الہی بذریعہ فریق و نوافل (درس حدیث) ۶۰ سی (دو کیسٹ) ۵۰/-
  - و کوڈ ۸۹ سورہ یونس (مکمل) ۵۰ سی (پانچ کیسٹ) ۱۲۵/-
  - و کوڈ ۹۰ سورہ بنی اسرائیل کی آخر آیت ۶۰ سی (ایک کیسٹ) ۲۵/-
  - و کوڈ ۹۱ سورہ الجمعہ (مکمل) ۹۰ سی ۳۰/-
  - و کوڈ ۹۲ سورہ الصف (مکمل) ۹۰ سی ۳۰/-
  - و کوڈ ۹۳ سورہ آل عمران آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ ۹۰ سی ۳۰/-
- سابقہ تیار شدہ کیسٹوں کی تفصیل اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

المعلن:- ناظم نشر القرآن کیسٹ سیریز، تنظیم اسلامی

۳۶- کے ، ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴ (فون نمبر ۵۲۶۱۵۵)

وَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَءِيلَ

ماہنامہ  
۱۶/۱۲  
لاہور  
پیشکش

صفر المظفر ۱۴۰۲ھ

:- مدیر مسئول :-

ڈاکٹر اشرف احمد

یکے از مطبوعات -

مرکز انجمن خدام القرآن لاہور

تقام اشاعت: ۳۶ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور - ۱۴ - فون: ۸۵۲۶۸۳، ۸۵۲۶۱۱ -  
۱۱۱۱، معاونت: - ۲۰/- روئے ، اس شمارے کی قیمت: - ۳/-



# وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَهُمْ أَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ

## ماہنامہ مِثَاقِ لاہور

جلد ۳	صفر المظفر ۱۴۰۲ھ (دسمبر ۱۹۸۱ء)	صفحہ ۱۰
-------	--------------------------------	---------

### مشمولات

مضمون	صاحب مضمون	صفحہ
۱ عرض احوال	جمیل الرحمن	۱
۲ سانچہ کربلا	ڈاکٹر ا۔ ا۔ احمد	۳
۳ کربلا کی کہانی	مولانا عطاء اللہ حنیف	۳۴
حضرت ابو جعفرؑ کی زبان		
۴ نشر القرآن (ریڈیائی تقاریر)	ڈاکٹر اسرار احمد	۴۱
۵ ڈاکٹر اسرار احمد کے ساتھ		
جنوبی ہند میں پندرہ دن (ریپورٹاژ)	پانچویں قسطاً قاضی عبدالقادر	۵۱

### مرتب: شیخ جمیل الرحمن

ناشر: ڈاکٹر اسرار احمد \* طابع: چوہدری رشید احمد

مطبع: مکتبہ جدید پریس - شارع فاطمہ جناح، لاہور

## عرض احوال

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

صفر المظفر ۱۴۰۲ھ مطابق دسمبر ۸۱ء کے اس شمارے سے میثاق کی تین سو سالہ جلد مکمل ہو رہی ہے۔ ابتدائی تقریباً چودہ پندرہ سال تک ہر ششماہی پر جلد تبدیل ہوتی تھی لیکن ۱۸۷۷ء سے کیپٹن ڈیئر کے مطابق جلد کا حساب بارہ شماروں سے کر دیا گیا۔ میثاق کے اجر کو گو بیس اکیس سال ہوئے ہیں۔ لیکن جلدوں کے شمار کا فرق واقع ہو گیا ہے۔ اب بارہ شماروں ہی کی جلد کا حساب جاری ہے گا۔ ان شاء اللہ۔

ترتیب گاہ | جیسا کہ قارئین میثاق کو علم ہو گا کہ ہر سال ایک اقامتی تربیت گاہ کا انعقاد پیش نظر رہتا ہے بحمد اللہ اس سال یہ تربیت گاہ ۱۲ نومبر ۱۸۷۷ء قرآن اکیڈمی میں منعقد ہوئی اور یہ بھی خاص اللہ کا فضل ہے کہ ہر تربیت گاہ تنوع اور افادیت کے لحاظ سے سابقہ سے بہتر ہوتی ہے۔ اس سال تربیت گاہ کے پروگراموں کی ایک جھلک قارئین کرام کی واقفیت کے لئے پیش خدمت ہے۔

— روزانہ صبح بعد نماز فجر محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب ایک گھنٹے کا سورۃ

حدریکہ مکمل کا درس دیا۔ یہ مکمل درس ۶۰ کے ۵ کیسٹوں میں دستیاب ہے۔

— حیدر آباد سے جناب مولانا وصی منظر صاحب ندوی تشریف لائے تھے۔ مولانا نے دو لکچرز دیے۔ جن میں حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں کی کتاب ”عطر منین“ کی تفہیم و تشریح پر تبصرہ فرمایا اور دلائل سے ان امور کو واضح کیا۔ جن سے وہ اپنے علم و فہم کے مطابق مولانا علی میاں اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مقبور کے نظریات و افکار سے اتفاق یا اختلاف رکھتے تھے مولانا ندوی مدظلہ کے اس بے لگ اور مخلصانہ محاکمہ سے سامعین نے بھرپور استفادہ کیا۔

— ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۴ یوم میں اپنی کتاب ”اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اہل کام“ کا اجتماعی مطالعہ کرایا اور موصوف بڑے شرح و بسط کے ساتھ اس

اہم موضوع کی وضاحت کی جس پر تقریباً سولہ سال قبل یہ لکھی گئی تھی۔ مزید برآں ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک اہم مضمون ”اسلام اور پاکستان“ کا بھی جو کئی سال قبل میثاق میں شائع ہو چکا تھا۔ اجتماعی مطالعہ کرایا جس میں انتہائی مدلل طور پر ثابت کیا گیا تھا کہ پاکستان کا استحکام ہی نہیں بقاء کا بھی انحصار اس امر پر ہے کہ یہاں حقیقی طور پر ”اسلام“ نافذ ہو۔

● ایک نشست میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ”اقبال اور ہم“ کے موضوع پر اپنا مقالہ پیش کیا اور اس کی وضاحتیں بھی فرماتے رہے۔

● روزانہ نماز عصر کے فوراً بعد پانچ یوم تک ملک کے نامور بزرگ دانشور جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے حسب ذیل موضوعات پر لیکچرز ہوئے۔

(۱) خصوصیات قرآن حکیم (۲) التوحید فی القرآن (۳) ہندوؤں نے تبلیغ اسلام کا راستہ کیسے رکھا؟ (۴) ہندوستان میں تبلیغ کے ضمن میں مسلمانوں کی کوتاہی۔ (۵) موجودہ حالات میں ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے امکانات اور اسکی تدابیر۔ چشتی صاحب کے ان لیکچرز سے تربیت گاہ میں مقیم حضرات کے علاوہ دوسرے حضرات نے استفادہ کیا جو روزانہ لاہور کے مختلف مقامات سے آتے تھے۔

● تقریباً سوا دو گھنٹے کی اینٹنٹ میں (بعد نماز مغرب) قدیم اور مخلص مسلم لیگی دانشور جناب مرزا محمد منور صاحب کے ”تحریک پاکستان“ کے موضوع پر گفتگو رہی۔ مرزا صاحب موصوف نے یوں گھنٹے سے کچھ زیادہ وقت میں ”تحریک پاکستان“ کا پس منظر اور اسباب پر روشنی ڈالی پھر تقریباً سوا گھنٹے تک اس نشست نے مجلس مذاکرہ کی صورت اختیار کر لی۔ حاضرین نے سوالات کئے اور مرزا صاحب نے ان کے جوابات دیئے۔ اس طرح یہ مجلس بہت ہی کامیاب رہی۔

● اسی سال تربیت گاہ میں حضرت مولانا سید نور الحسن شاہ بخاری مدظلہ، امیر تنظیم اہل سنت کی ملتان سے تشریف آوری ہوئی۔ مولانا علیل تھے لیکن وہ تشریف لائے اور ضعیف العمری اور علالت کے باوجود دو دن تک مغرب تا عشاء دو گھنٹے تک مولانا موصوف نے بالترتیب ”حقیقت توحید“ اور ”عادتہ کر بلا“ پر نہایت مفصل تقریریں کیں۔ مولانا موصوف کو سننے کے لئے شہر سے

# سانحہ کربلا

گذشتہ شمارے میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے یکم محرم الحرام ۱۴۱۲ھ کے خطاب جمعہ کا کچھ حصہ قارئین، میثاق کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔  
— جمعہ یعنی ۸ محرم الحرام کو ڈاکٹر صاحب نے ”سانحہ کربلا“ کے موضوع پر خطاب فرمایا تھا جو ہدایہ ناظرین ہے۔ (مرتب)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ  
نَاغُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۙ بَلْ حَيّٰۤا۟ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَسْلُوْكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَ الشَّرَاتِ وَ لَبِشِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ وَلَلْعَلَّكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْتَدُوْنَ ۝ (البقرة ۱۵۳ تا ۱۵۷) صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ -

— ان آیات کی تلاوت اور ادعیٰ مسنونہ کے بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے فرمایا: ”حضرات! دو دن بعد محرم الحرام ۱۴۱۲ھ کی دس تاریخ ہوگی جو یوم عاشورہ کہلاتا ہے۔ یقیناً یہ بات آپ کے علم میں ہوگی کہ ۱۰ محرم الحرام سن ۱۱ ہجری لو ایک نہایت افسوسناک حادثہ دشتِ کربلا میں پیش آیا تھا جس میں سبطِ رسول

سیدنا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور آپ کے خاندان کے اکثر افراد نیز آپ کے اعوان و انصار کی کثیر تعداد نے جاہم شہادت نوش فرمایا تھا۔ اس حادثہ کے متعلق یہ بات اچھی طرح سمجھ لی جانی چاہیے کہ یہ اچانک ظہور پذیر ہونے والا حادثہ نہیں تھا۔ بلکہ درحقیقت اسی سبائی سازش کا ایک مظہر تھا جو پورے پچیس سال قبل اس سے بھی کہیں زیادہ افسوسناک حادثے کو جنم دے چکی تھی۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور قیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مظلومانہ شہادت — حضرت عثمانؓ کی شہادت کا سانحہ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ کو پیش آیا تھا اور ۱۶ اکتوبر (۱۷ ذی الحجہ) کے جمعہ کے اجتماع میں، میں نے حضرت عثمانؓ کی سیرت اور ان کی شہادت کے تاریخی پس منظر پر کچھ گفتگو کی تھی جس پر زیادہ دن نہیں گزرے لہذا مجھے آج سہولت محسوس ہو رہی ہے کہ واقعہ کربلا کے بیان کے ضمن میں، میں اپنی گفتگو کا تسلسل اُسی کے ساتھ جوڑ سکتا ہوں۔

اولاً ذہن میں یہ بات تازہ کر لیجئے کہ حق و باطل کی جو شکست ازل سے چلی آرہی ہے۔ بقول علامہ اقبال سے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرارِ بولہبی  
اس کے ضمن میں ہمیں تاریخ کا کچھ ایسا نقشہ نظر آتا ہے کہ زیادہ تر غلبہ باطل کا رہا۔ حق کے غلبے کے ادوار بڑے مختصر رہے یہ بھی ایک حقیقتِ کبریٰ ہے کہ جب کبھی حق کا غلبہ ہوا ہے تو باطل نے اُسے اپنی آخری شکست تسلیم نہیں کیا بلکہ ایسے مواقع پر وہ وقتی طور پر دمک جاتا رہا ہے۔ اُس نے منافقانہ طور پر حق کا لبادہ اوڑھ لیا ہے یا وہ وقتی طور پر زیر زمین چلا گیا ہے — چنانچہ وہ اندر ہی اندر اپنی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ جاری رکھتا ہے اور ایسے مواقع کی تاک میں رہتا ہے۔ جب وہ حامیان حق کے درمیان کوئی شدید اختلاف و انتشار پیدا کر کے اپنے لئے راستہ بنا سکے۔ اور حق کے خلاف کھڑا ہو سکے۔

اس خاص موضوع پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا پُرستائیر خطاب ”شہید مظلوم“ کے نام سے مطبوعہ موجود ہے (مرتب)

چنانچہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تاریخ کا عظیم ترین معجزہ دنیا کو دکھا دیا۔ یعنی جَاءَ الْحَقُّ وَنَهَى الْبَاطِلَ کا نقشہ بالفعل متاثر انسانیت کو چشم سر سے دیکھنے کا موقع فراہم فرما دیا۔ اور ایک وسیع و عریض خطہ زمین پر حق کو بالفعل قائم و نافذ فرما کر رستی دنیا تک کے لئے ایک کامل نمونہ پیش فرما دیا۔ حق غالب اور باطل سرنگوں ہو گیا۔ لیکن باطل نے انقلاب محمدی علیٰ صاحبہا القلوة و السلام کے آخری مرحلے میں وہی روش اختیار کی کہ وقتی طور پر شکست تسلیم کر کے وہ اس انتظار میں رہا کہ موقع آئے تو میں دار کروں اور کاری دار کروں۔ چنانچہ آں حضور کے انتقال کے فوراً بعد فتنوں کا ہجوم اٹھ کھڑا ہوا۔ کئی کاذب مدعیان نبوت میدان میں آگئے اور ان کے ساتھ کافی جمیعت ہو گئی۔ پھر مانعین و منکرین زکوٰۃ سے سابقہ پیش آیا اور اہل ایمان کو بیک وقت ایسے ایسے عظیم فتنوں سے نبرد آزما ہونا پڑا کہ وقتی طور پر تو محسوس ہوتا تھا کہ حق کا چراغ اب بجھا کر بجھایا یہ درحقیقت وہ انقلاب دشمن قوتیں —————

(COUNTER REVOLUTION FORCES) — تھیں

جن سے عہدہ براہونے کے لئے واقعتاً مدیق ہی نہیں بلکہ مدیق اکبر کی شخصیت درکار تھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ — مدیق دراصل نبی کا عکس کامل ہوتا ہے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق نے ثابت کر دیا کہ جس انقلاب کی تکمیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس فرمائی تھی اس کے خلاف آپ کی وفات کے بعد جو رد عمل ظاہر ہوا، اس کی سرکوبی کرنے کی پوری صلاحیت اور عزیمت اور آہنی قوت ارادی ان کے نجیب و نزار جسم میں موجود تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انقلاب کو مستحکم (CONSOLIDATE) کیا اور زمام کار حضرت عمر فاروق کے حوالے کر کے دہ بھی اپنے مالک حقیقی کی طرف مراجعت فرما گئے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اور جیسا کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت والی تقریر میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت ذوالنورینؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں سے بھی کم و بیش دس سال

بالکل دورِ فاروقیؓ ہی کے شان کے حامل تھے لہذا ان کو بھی شامل کر لیجئے تو یہیں  
 سالِ اسلام کے استحکام اور اس کی توسیع کے سال ہیں۔ انقلابِ محمدی علی  
 صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ نگیں عراق و شام و فارس و ایران کے پورے  
 پورے ملک اور شمالی افریقہ کا مصر سے مراکش تک کا وسیع علاقہ آگیا اور اس  
 پر اسلام کا جھنڈا اہلبانے لگا اور اللہ کا دین حکمران و غالب ہو گیا۔ اب ظاہر  
 بات ہے کہ اس کے خلاف بھی ایک ردِ عمل ہونا تھا۔ یہ جو HISTORICAL  
 PROCESS ہے، اس کے کچھ غیر متبدل اصول ہیں۔ آپ کے علم میں ہے کہ جس  
 انقلاب کی تکمیل اندرونِ عرب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس فرمائی۔  
 اس کے ردِ عمل میں مخالفانہ تحریکیں (RE-ACTIONARY MOVEMENTS)  
 اٹھ کھڑی ہوئیں تو توسیع کا جو مرحلہ آپ کے جانثاروں کے ہاتھوں انجام پایا، اس کا  
 ردِ عمل کیوں نہ ہوتا۔ چنانچہ باطل نے پہلا وار کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہ کی ذات پر۔ باطل پرست یہ سمجھتے تھے کہ شاید یہ پوری عمارت اسی ایک  
 ستون پر کھڑی ہے، اس کو گرا دو عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔ الحمد للہ کہ اس  
 کی توقع غلط ثابت ہوئی اور عمارت برقرار رہی۔ یہ سازش خالص ایرانی سازش  
 تھی۔ ابولولوفیروز پارسی ایرانی غلام اور اس کی پشت پر ہرمزان ایک ایرانی جبریل تھا  
 اس سازش کی ناکامی کے بعد جو دوسرا وار ہوا وہ بہت کاری دار تھا۔ اس میں  
 یہود کی عیاری اور کیا دی شامل تھی۔ ان کا سازشی ذہن اور اس میں جہارتِ نرسا  
 بن چکا ہے۔ عبداللہ بن سباؓ کا ایک یہودی اٹھتا ہے۔ اسلام کا لبادہ اوڑھتا  
 ہے، مدینہ منورہ میں آکر قیام کرتا ہے اور نئے نئے شکونے چھوڑنے شروع کرتا ہے  
 کہیں محبتِ آلِ رسول کے پردے میں حضرت عثمانؓ کی خلافت کے متعلق دسوسہ  
 اندازی کرتا ہے اور حضرت علیؓ کے استحقاقِ خلافت کا پروپیگنڈہ کرتا ہے وہ کہتا  
 ہے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوتا ہے اور وہی خلافت کا حق دار ہوتا ہے تو اصل  
 میں حضورؐ کے وصی حضرت علیؓ نہیں لہذا خلافت کے حقدار وہ ہیں۔ ان کی بجائے جو  
 بھی مسندِ خلافت پر فائز ہوا یا اب ہے، وہ غاصب ہے۔ کہیں حضرت علیؓ کی  
 الوہیت کے عقیدے کا پرچار کرتا ہے۔ جس سے اسلام کی جڑ و توحید، پرکاری مزب

لگتی ہے۔ ایرانی نو مسلم جن کی گھٹی میں سلا بعد نسل شاہ پرستی اور HERO WORSH پڑی ہوئی تھی اور جو نسب کی بنیاد پر اقدار کی منتقلی کے خوگر تھے۔  
 ان کے دلوں پر اس کا کتنا گہرا اثر ہوا ہوگا۔ کہیں بظاہر ان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بیان کرنے کے لئے یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام ہانزدہویں ہجری میں ہوا تو ہمارے رسول جو افضل الانبیاء ہیں، وہ بھی دوبارہ واپس شریف لائیں گے۔ اب دیکھئے کہ غیر عرب نو مسلم خوش عقیدہ لوگوں کے دلوں کو یہ بات کتنی بھاننے والی ہے کہ اس طرح ان حضور کی عظمت کا بیان ہو رہا ہے  
 یہی سچ ہے جو اس دور میں قادیانوں نے استعمال کیا۔ حضرت مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے اور ان کے نزول کے عقیدے کی نفی کرنے کے لئے انہوں نے اسی دلیل کا رخ اس طرف رکھا کہ اس طرح تو ہمارے رسول کی عظمت مجروح ہوگی یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے نبی توفیق ہو گئے ہوں اور حضرت مسیح آسمان پر زندہ موجود ہوں اور دوبارہ تشریف لائیں۔ گویا اصل بات یہی ہے کہ عوام الناس کی اکثریت عقیدت کی بنیاد پر اس قسم کے مغالطوں میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ ان باتوں نے سادہ لوح لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا۔ بیخلف مدینہ سے بصرہ گیا، وہاں اس نے اپنا ایک مرکز قائم کیا۔ پھر کوفہ گیا وہاں ایک اور مرکز قائم کیا۔ دمشق جا کر وہاں کوشش کی لیکن وہاں دل نہیں گلی۔ پھر مصر گیا وہاں اپنے ہم خیالوں کی ایک جماعت پیدا کی اور ہر طرف اس نے ایک فتنہ و فساد کی فضا پیدا کر دی اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت کے آخری دو سال اس فتنہ و فساد کی نذر ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ امام مظلوم حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت ہوئی جو تاریخِ انسانی کی عظیم ترین مظلومانہ شہادت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ وہ اس وقت عظیم ترین مملکت کے فرمانروا تھے، لاکھوں کی تعداد میں فوجیں موجود تھیں جو ان کے اشارے پر کٹ مرنے کیلئے تیار تھیں۔ جب مٹی بھر باغیوں نے اس شہید مظلوم کا محاصرہ کر رکھا تھا تو مختلف صوبوں کے گورنروں کی طرف سے اسلحہ آ رہی تھی کہ ہم کو اجازت دیجئے کہ ہم فوجیں لے کر حاضر ہو جائیں اور ان باغیوں کی سرکوبی کریں۔ لیکن وہ امامِ وقت



یہ عزم کئے ہوئے ہے کہ میں اپنی جان کی حفاظت و مدافعت میں کسی لکڑے کو کا  
خون بہانے کی اجازت نہیں دوں گا، اتنی عظیم قوت و سطوت کا حامل اور اس طرح  
اپنی جان دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے اور اپنی جان کی حفاظت و مدافعت میں  
کسی کا خون بہانے کے لئے تیار نہ ہوں، واقعہ یہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں  
اس کی کوئی مثال ممکن نہیں ہے۔ یہ بات بھی جان لیجئے کہ ہمارے ہاں شاعری  
میں بے پناہ مشترکانہ ادبام موجود ہیں۔ غلط فکر اور عقیدوں کی ترویج میں شاعری  
نے بہت حصہ لیا ہے۔ ایسے اشعار زبان زد عوام و خواص ہو جاتے ہیں جن  
میں غلو بھی ہوتا ہے اور غلط فکر بھی۔ شعرا کے متعلق قرآن حکیم نے یہ دو ٹوک  
بات فرمادی ہے کہ: **وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَوْا أَنَّهُمْ  
فِي كُلِّ وَادٍ يَهْتُمُونَ** ”اور شعراء کی بات تو یہ ہے کہ ان کی پیچھے تو  
بکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے  
ہیں۔“ محتاط ترین لوگ بھی جب شاعری کی ترنگ میں آتے ہیں تو ان کی  
زبان و قلم سے بھی غیر محتاط اور غلط باتیں نکل جاتی ہیں۔ مثلاً آپ علامہ اقبال  
کے اس شعر پر غور کیجئے۔

غریب سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسین ابتدا ہے اسمعیلؑ  
غور طلب بات یہ ہے کہ شہادتِ حسینؑ اور ذبحِ اسمعیلؑ میں کون سی چیز مشترک  
ہے۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لئے آمادہ کون ہوئے؟ اللہ کے  
ایک جلیل القدر پیغمبر! کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت بھی کسی  
لیے ہی جلیل القدر شخص کے ہاتھوں ہوئی ہے؟ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ ثم معاذ اللہ  
کوئی قدرِ مشترک ہے؟ حضرت اسمعیلؑ نے تو ذبح ہونے کے لئے خود ہی اپنی گردن  
پیش کی تھی بغوائے آیت قرآنی: **فَلَمَّا أَسْلَمَا**۔ پس جب ان دونوں (باپ  
بیٹوں) نے سر تسلیم خم کر دیا، باپ اور بیٹے دونوں نے فرماں برداری کا بے مثال  
اور تاریخ ساز مظاہرہ پیش کیا لہذا اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ **أَسْلَمَا** آیا ہے۔  
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش  
کیا تھا۔ اور وہ **”فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ“** (سورہ توبہ) ”تو وہ قتل کرتے

بھی میں اٹھ کھڑی، قتل ہو بھی جلتے ہیں، کے مصداق کامل بنے تھے تو وہ کونسی بات ہے جو ان دونوں واقعات کے مابین کسی پہلو سے مشترک قدر قرار دی جاسکتی ہے! پھر وہاں تو ارادہ ذبح تھا۔ لیکن ذبح بالفعل ہوا نہیں۔ یہاں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالفعل شہید کئے گئے ہیں لہذا ان واقعات میں آپ کو کوئی قدر مشترک نہیں ملے گی۔ ہاں ایک واقعاتی اشتراک پیدا ہو سکتا ہے۔ ملا ملا قتل مرحوم

بقید حیات ہوتے تو ان کی خدمت میں عرض کرتا کہ اس شعر کے دوسرے مصرعے کو تبدیل کر کے یوں کر دیا جائے تو واقعاتی اقدار کا اشتراک پیدا ہو جائے گا کہ:-

غریب و سادہ درنگیں ہے داستانِ حرم  
نہایت اس کی میں عثمانؓ ابداً باہل

حضرت باہل کا قتل ہوا ہے اور اس شان کے ساتھ ہوا ہے کہ بھائی قتل پر تلا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے لیکن وہ اللہ کا بندہ اپنی ملافت میں ہاتھ اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ لَئِنْ بَسَطْتُ إِلَيْكَ يَدِي لِتَقْتُلَنِي مَسًّا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِي إِلَيْكَ لَأَقْتُلَنَّكَ (آیت ۲۸) انہوں نے اپنے بھائی قاتل سے کہا: ”اگر تم مجھے قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ اٹھاؤ گے تب بھی میں اپنا ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا تم کو قتل کرنے کے لئے۔“ اور باہل قتل ہو گئے۔ بھائی نے بھائی کو قتل کر دیا۔ یہ وہ واقعہ ہے جس کا کلام اللہ میں سورۃ المائدہ میں بڑے اہتمام اور بڑی شان کے ساتھ ذکر ہوا ہے۔ یہی وہ واقعہ ہے جس پر ہمیں وہ آیت مبارکہ ملتی ہے کہ اسی لئے ہم نے یہ لکھ دیا ہے کہ جس شخص نے بھی کسی ایک انسانی جان کو ناحق اور بغیر سبب قتل کیا تو اس نے گویا پوری نوع انسانی کو قتل کر دیا اور جس نے ایک بھی جان بچائی، اس نے گویا پوری نوع انسانی کی جان بچائی۔ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا (آیت ۳۱) یہ واقعہ حضرت باہل کا ہے۔ اس کی کامل مناسبت اور مشابہت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں ہے۔ ہاتھ اٹھانے کو تیار نہیں ہوئے۔ طاقت ہے، قوت ہے، سب کچھ ہے حضرت طلحہ، حضرت زبیر ابن العوام۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم محاصرین کی سرکوبی کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ انصار آ رہے ہیں کہ ہمیں اجازت دیجئے، ہم دوسری مرتبہ اللہ کے انصار بننا چاہتے

ہیں۔ پہلے ہم نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز کاری میں اللہ کے مددگار ہونے کا خطاب حاصل کیا ہے آج ہم خلیفۃ الرسول کی مدد کے خواستگار ہیں، ہمیں موقع دیکھئے کہ ہمارے اس خطاب کی پھر تجدید ہو جائے۔ مختلف موبوں کے گورزدوں کے جو پیغامات آرہے تھے کہ ہمیں فوجیں لے کر آنے کی اجازت دیکھئے اس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو صبر و ثبات کے کوہ ہمالیہ ثابت ہوئے، جواب یہی تھا کہ نہیں، میں اپنی مدافعت میں کسی کلمہ گو کا خون بہانے کی اجازت نہیں دوں گا۔ وردازے پر پہرہ دار تھے۔ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لیکن پیچھے سے باغی دیوار پھاڑ کر گئے اور اس ہستی کو شہید کر دیا جس کو ذوالنورین کا لقب حاصل تھا اور جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے اور جس کے حق میں دعا فرمایا کرتے تھے کہ ”اے اللہ“ میں عثمانؓ سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی رہو“۔

— حضرت عبداللہ بن سلام جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ایک جید یہودی عالم تھے، وہ آتے ہیں اور باغیوں کو مخاطب کرتے ہیں کہ لوگو! باز آ جاؤ۔ میں تو رات کا عالم ہوں اور میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اللہ کے کسی نبی کو قتل کیا گیا ہو اور اس کے بعد کم از کم ستر ہزار انسان قتل نہ ہوئے ہوں یا کبھی کسی نبی کے خلیفہ کو قتل کیا گیا ہو، اس کے بعد کم از کم پچیس ہزار انسانوں کو قتل نہ کیا گیا ہو، — جان لیجئے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد جو فتنے کی آگ بھڑکی، اس میں چورائشی ہزار مسلمان قتل ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت کے پورے پورے پانچ برس باہم خانہ جنگی میں گزرے۔ جنگ جمل ہے اور جنگ صفین ہے۔ جنگ نہرواں ہے۔ مسلمان کے ہاتھ میں مسلمان کا گریبان ہے اور مسلمان کی تلوار مسلمان ہی کا خون چاٹ رہی ہے۔ مسلمان کا نیزہ ہے جو مسلمان کے سینے کے پار ہو رہا ہے اور کیسے کیسے لوگ! حضرت طلحہؓ شہید ہو رہے ہیں، حضرت زبیرؓ شہید ہو رہے ہیں حضرت عمار بن یاسرؓ شہید ہو رہے ہیں۔ پھر یہ کہ حضرت علیؓ شہید ہو رہے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ پر حملہ ہوا لیکن ان پر دارکاری نہ پڑا اور وہ بچ گئے۔

حضرت عمر و ابن النعمانؓ پر حملہ ہوا، لیکن وہ اُس روز کسی وجہ سے نماز فجر کیلئے اُٹے نہ تھے، اس لئے ان کے مغالطے میں ان کے قائم مقام شہید ہوئے۔ پھر نہ جانے ان کے علاوہ کیسے کیسے مخلص اور شجاع مسلمان ان جنگوں میں کھیت رہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھتے کہ اس سارے فتنے کی آگ بھڑکانے والے عبداللہ بن سبا کے حواری تھے اور یہ وہ آگ تھی جو پھر ٹھنڈی نہ ہو سکی۔ اس سبائی سازش کو سمجھنے کے لئے میں جنگ جمل کا ایک چھوٹا سا واقعہ پیش کرتا ہوں جو تمام مستند تاریخوں میں موجود ہے۔ یہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب فوج کے ساتھ نکلی ہیں اور بصرہ پران کا قبضہ ہوا۔ حضرت عائشہؓ خلافت کی مدعی نہیں تھیں، معاذ اللہ۔ ان کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ خونِ عثمانؓ کا قصاص لیا جائے۔ اس وقت دونوں لشکر آمنے سامنے تھے اور حضرت عائشہؓ اور حضرت علیؓ جنگ کے بجائے گفت و شنید سے قضیہ نکلانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ حضرت علیؓ کی طرف سے بتائے اُن کو خونِ عثمانؓ کا قصاص لینے کے لئے بالکل تیار ہیں، لیکن پہلے ان کے ہاتھ تو مضبوط کئے جائیں۔ اگر ان کے ہاتھ پر بیعت ہو جائے اور انہیں تقویت پہنچائی جائے تو وہ فتنہ پردازوں سے پورا پورا حساب لیں گے۔ لہذا بات چیت شروع ہوئی۔ ایک بڑی اُمید افزاء فضا نظر آنے لگی کہ حالات درست ہو جائیں گے۔ لیکن عین اُس وقت عبداللہ بن سبا اور مالک بن اشتر نخبی رات کی تاریکی میں سازش کرتے ہیں کہ اسو طرح تو ہمارا بھانڈا پھوٹے گا۔ ہماری سازش کا پردہ چاک ہو گا۔ یہ جو ڈرامہ کھیلنے کے لئے ہم نے اسٹیج بچھائی ہے، یہ تو برباد ہو جائے گی۔ لہذا وہ رات کی تاریکی میں کچھ لوگوں کو لے کر حضرت عائشہؓ کے کیمپ پر حملہ کر دیتے ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کی فوجوں نے حملہ کر دیا ہے۔ اُدھر وہ حضرت علیؓ کے کیمپ میں یہ پیغام بھیجتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کے کیمپ پر حملہ کی بات ہے اور وہ اچانک ہم پر ٹوٹ پڑھے ہیں چنانچہ دونوں لشکر ایک دوسرے سے پوری طرح بھڑ گئے۔ آپ اس بات کو پیش نظر رکھتے کہ جب جنگ چھڑ جاتی ہے تو تحقیق کا وقت کوئی نہیں ہوتا اور یہ قطعاً ممکن نہیں ہوتا کہ

میں اس وقت تفتیش ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے؟ کس نے ابتدا کی تھی اور اس کا اصل محرک کیا ہے؟ یہ تو وہ وقت ہوتا ہے کہ لوگ اپنی جان ہتیلیوں پر رکھے برسرِ پیکار ہوتے ہیں۔ پھر جو خوں ریزی ہوئی ہے اور سود و سونہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ایک دوسرے کی تلوار سے شہید ہوئے ہیں یہ ہماری تاریخ کا ایک دردناک باب ہے۔ اس سے ابھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ واقعہ فتنے کی آگ کو بھڑکانے والا چھوٹا سا گروہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو اس کو اس طرح بھڑکا دے کہ پھر اُسے بجھایا نہ جاسکے۔ یہی معاملہ جنگ صفین کے موقع پر ہوا ہے۔ وہاں بھی مسالمانہ گفتگو کی فضا پیدا ہو گئی تھی، لیکن سبائی سازشی گروہ نے اُسے بھی ناکام بنا دیا اور فتنہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس میں دُخارج کے گروہ کا اضافہ ہو گیا اور ایک نیا محاذ کھل گیا۔

آگے چلئے۔ وقت کی قلت کی وجہ سے مجھے جو کچھ عرض کرنا ہے اختصار کے ساتھ کرنا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک خارجی کے ہاتھوں شہادت ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں عالم اسلام ایک وحدت کی صورت میں باقی نہیں رہا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کے گورنر کی حیثیت سے اس بات کے مدعی تھے کہ خون عثمانؓ کا قصاص لیا جانا چاہیے۔ یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت معاویہؓ نے قطعاً خلافت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔ وہ ہرگز مدعی خلافت تھے۔ نہ حضرت علیؑ کی خلافت کے منکر۔ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ حضرت علیؑ خلافت کے حق دار نہیں ہیں معاذ اللہ۔ اور یہ کہ ان کے بدلے مجھے خلافت ملنی چاہیے ہرگز نہیں۔ وہ صرف خون عثمانؓ کے قصاص کے مدعی تھے۔ ان کی ایک وسیع رقبہ پر بحیثیت گورنر حکومت رہی ہے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ قاتلان عثمانؓ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں شامل اور معاملات میں پیش پیش تھے سزا دی جائے۔ اس کے بعد وہ بیعت کر لیں گے۔ ان کا موقف صحیح تھا یا غلط۔ اس پر گفتگو کا یہ موقع و محل نہیں ہے۔ فی الوقت پیش نظر صرف اس صورتِ واقعی کا بیان ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد کوفہ میں حضرت حسن رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہوئی۔ اب معلوم ہوا کہ نئے سرے سے تصادم  
 کی نوبت آنے والی ہے۔ ادھر حضرت حسنؑ کو فتنے سے چالیس ہزار فوج لے کر  
 چلتے ہیں۔ ادھر حضرت معاویہؓ دمشق سے ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوتے ہیں۔  
 مدائن کے آس پاس دونوں لشکروں کی مدھمکھمکھوتی ہے۔ حضرت حسن رضی  
 اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج کا ہر اول دستہ آگے آگے جا رہا تھا اس کے متعلق یہ  
 افواہ اڑ گئی کہ اس کو شکست ہو گئی۔ یہ افواہ کس نے اڑائی۔ واللہ اعلم۔  
 نتیجہ یہ نکلا کہ وہی کوئی جو حضرت حسنؑ کے ساتھ تھے، انہوں نے وہاں وہ  
 طوفان بدتمیزی برپا کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ بغاوت کر دی، غیجے لوٹ  
 لئے جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر دست درازی کی ان جناب کے کپڑے  
 پھاڑ ڈالے۔ ان باغی کوئیوں کے ہاتھوں اپنی جان کا خطرہ دیکھ کر آنجناب کو  
 کسریٰ کے محل میں پناہ لینی پڑی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت حسن رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہ کو ان کوئیوں کے مزاج کا بخوبی تجربہ ہو گیا۔ چنانچہ انہوں نے مصالح دین  
 کی خاطر وہیں سے حضرت معاویہؓ کو مصالحت کی پیش کش ارسال کر دی۔  
 جسے حضرت معاویہؓ نے فوراً قبول کر لیا اور اپنی طرف سے ایک سادہ سفید کاغذ  
 پر اپنی مہر لگا کر حضرت حسنؑ کے پاس اس پیغام کے ساتھ بھیج دیا کہ جو شرطیں  
 آپ چاہیں لکھ دیں، مجھے منظور ہوں گی۔ جس کو ہم (BLANK CHEQUE)  
 سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ چنانچہ مصالحت ہو گئی۔ مصالحت نامہ میں ایک شرط  
 یہ تھی کہ ایران کے صوبے امواز کا خراج حضرت حسنؑ کو ملے گا۔ یہ ایران کا دی صوبہ  
 ہے جس کا آجکل اخبارات میں ایران و عراق کی جنگ کے سلسلے میں کافی ذکر  
 ہوتا ہے۔ اور جہاں عرب کافی تعداد میں آباد ہیں۔ ایک دوسری شرط یہ تھی  
 کہ بیس لاکھ درہم سالانہ میرے چھوٹے بھائی حسینؑ کو ملیں گے۔ ایک اور شرط  
 یہ بھی تھی کہ وظائف کی تقسیم کے معاملے میں بنی ہاشم کے حق کو دوسرے کے مقابلے  
 میں زیادہ تسلیم کیا جائے گا۔ ایک شرط یہ بھی تھی کہ اب تک جو کچھ ہولیس  
 اس پر کسی سے باز پرس نہیں ہوگی گویا یہ عام معافی (AMNESTY)

(GENERAL) کا اعلان تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام شرائط منظور کر لیں اور الحمد للہ تقریباً پانچ سال کے اختلاف، افتراق، انتشار اور باہمی خانہ جنگی کا دورانہ بند ہوا۔ اب پورا عالم اسلام ایک وحدت بن گیا واضح رہے کہ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے بیعت خلافت لے لی۔ اس صلح کے واقعہ پر حضرت حسینؑ نے ان الفاظ میں تبصرہ فرمایا کہ ”اگر خلافت ان کا یعنی حضرت معاویہؓ کا حق تھی تو ان تک پہنچ گئی اور اگر میرا حق تھی تو میں نے بھی ان کو سوچ دی۔“ جگر ختم ہوا۔ یہ وہ بات تھی جس کی پیش گوئی اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی کہ میرے اس بیٹے یعنی حضرت حسنؑ کے ذریعے اللہ تعالیٰ ایک وقت میں مسلمانوں کے دو گروہوں میں مصالحت کرائے گا۔ یہ خصوصی مقام اور رتبہ ہے۔ جناب حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا — عمر — یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا! — لیکن ذہن میں رکھیے۔ وہ سازشی سبائی اس صورت حال سے سخت مشتعل تھے۔ انہوں نے حضرت حسنؑ پر طعن کیا۔ آپؑ کی طرح طرح سے توہین کی آپؑ کو ”یا مایا المومنین“ یعنی ”اے اہل ایمان کے حق میں عار اور ننگ اور شرم کے باعث انسان“ اور ”یا مذل المومنین“ یعنی ”وہ مسلمانوں کو ذلیل کرنے والے انسان“ کہا گیا۔ یہ توہین آمیز خطابات وہ لوگ آپؑ کو دیتے تھے جو بظاہر آپؑ کے حامی تھے وہ برملا کہتے تھے کہ اے حسنؑ تم نے یہ صلح کر کے ہماری ناک کٹوا دی ہے اور ”اہل ایمان“ کے لئے تم نے کوئی عزت کا مقام باقی نہیں رکھا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس امت کی طرف سے ابدالاباد تک حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جزا عطا فرمائے کہ ان کے اس ایثار کی بدولت وہ رخنہ بند ہو گیا اور وہ دھڑ پر ہو گئی جو عالم اسلام میں اس آپؑ کے خلفشار کی وجہ سے پڑ گئی تھی۔ اب اس بات کو ذہن میں رکھئے کہ پورے بیس برس تک عالم اسلام پھر متحد رہا۔ یہ بات میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت کو اہل سنت و در خلافت راشدہ میں شامل نہیں کرتے۔ اسلامی حکومت کا آئیدیل مزاج وہ ہے جو ہمیں حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دس سال تک نظر

آتا ہے۔ حضرت معاویہؓ صحابی اور کاتب وحی ہیں، کسی بدعتی کو ہم ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے اور صحیح ہے کہ ان کا وہ مقام اور مرتبہ کبھی کسی نے نہیں سمجھا جو حضرت علیؓ کا ہے رضی اللہ عنہ۔ میں نے پہلے بھی کئی بار عرض کیا ہے اور اس کا آج پھر اعادہ کرتا ہوں کہ حضرت علیؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جو جھگڑے رہے اور مسلمانوں میں آپس میں جو جنگیں ہوئیں، مآشاؤں کا ان کا کوئی الزام حضرت علیؓ کی ذات پر نہیں ہے۔ اس میں ان کا نہ کوئی قصور تھا نہ کوتاہی۔ معاذ اللہ۔ یہ تو اختیار کی سازش تھی کہ انہوں نے فتنہ کی آگ کو اس طرح بھڑکایا تھا کہ اُس کو بھایا نہ جاسکا۔ لیکن حضرت معاویہؓ کے عہدِ خلافت کے یہ بیس سال ان کے سال ہیں۔ بابھی خانہ جنگی ختم ہو گئی۔ عہد ہوتا ہے جاوہ پیا پھر کارواں ہارا، کی کیفیت پیدا ہوئی اور دعوت و تبلیغ اور جہاد و قتال کے عمل کا احیاء ہوا۔ توسیع از سر نو شروع ہوئی۔ فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا۔ یہ بیس سالہ دورِ خلافت راشدہ کے بعد اُمت کی تاریخ میں جتنے بھی ادوار آئے ہیں، ان میں سب افضل اور بہتر دور ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ سب اہم بات یہ کہ سربراہ حکومت ایک صحابی نہیں۔ ان کے بعد معاملہ آتا ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کا لیکن وہ صحابی نہیں ہیں۔ تابعی ہیں ”عمر گر حفظ مراتب نہ کنی زندیق!“۔ ہم کسی غیر صحابی کو صحابی کے ہم پلہ اور ہم مرتبہ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اہل سنت کا مجمع علیہ عقیدہ ہے کہ اہل سنت دینی صحابی بھی اُمت کے بڑے سے بڑے ولی سے افضل ہے۔

چنانچہ یہی بات ایک دوسرے انداز میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ نے کہی تھی۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا امیر معاویہؓ، انہوں نے جواب دیا کہ ”معاویہؓ سے عمر بن عبدالعزیز کے افضل ہونے کا سوال کیا پیدا ہوگا۔ عمر بن عبدالعزیزؓ سے تو وہ خاک بھی افضل ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں گئی ہے“، یہ فرق ہے صحابیت اور غیر صحابیت میں۔



بہر حال میں نے عرض کیا کہ امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت کے بیس سال میں امن رہا۔ واضح رہے کہ حضرت حسینؓ بھی وہیں ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دس سال تک زندہ رہے۔ سن ۱۰۰ھ میں یہ صلح ہوئی تھی اور سن ۵۱ھ میں حضرت حسنؓ کا انتقال ہوا ہے۔ ان کا انتقال زہر کے اثر سے ہوا، زہر کس نے دیا، کیوں دیا؟ اس کا تعلق حضرت معاویہؓ سے ہونا بعید از قیاس ہے۔ ان کو کیوں ضرورت پیش آنی تھی کہ وہ حضرت حسنؓ کو زہر دہاوتے۔ جبکہ صلح کے بعد ان دونوں کے قریبی اور دوستانہ مراسم تھے۔ زہر دینے والا کوئی سمجھ میں آسکتا ہے تو وہ وہی گروہ ہو سکتا ہے کہ جس نے آن جنابؓ کو ”عارالمومنین“ اور ”مذل المومنین“ جیسے اہانت آمیز خطابات دیئے تھے اور آپؓ کو طرح طرح سے ذہنی اذیتیں پہنچائی تھیں ظاہر ہے کہ زہر دلایا ہو گا تو اسی گروہ نے دلویا ہو گا۔ جن سے ان کی مصالحت ہے ان کی طرف سے زہر دلانے کا امکان بہر حال عقل انسانی تسلیم نہیں کر سکتی۔

اس کے بعد آتا ہے امیر یزید کی بحیثیت ولی عہد نامزدگی اور پھر ان کے دورِ حکومت میں سانحہ کربلا کا واقعہ جو دردناک بھی ہے اور افسوس ناک بھی اور جس نے بلا شک شبہ تاریخ اسلام پر بہت ہی ناخوشگوار اثرات چھوڑے ہیں۔ اس مسئلہ پر گفتگو سے قبل میں چاہتا ہوں کہ آپؓ عرض کر دیں کہ اس موقع پر یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے کہ اگرچہ اُمت میں اختلاف اور افتراق کے افسانے بہت ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے باقی اختلافات فقہی اختلافات ہیں عقائد کے اختلافات نہیں ہیں۔ عقائد کے اختلافات تو ہمارے ہاں کے کچھ نحلی سلج کے نام نہاد و اعطین اور مولویوں نے بنائے ہیں کہ جن کی دوکان چلتی ہی ان اختلافات کے بل پر ہے۔ ورنہ ذہن میں رکھیے کہ دیوبندی ہوں، بریلیوی ہوں، ان کے عقائد ایک ہیں، عقائد کی مستند کتب ان کے ہاں ایک ہیں۔ ان کی فقہ بھی ایک ہے۔ پھر اہل سنت کے جو دوسرے گروہ ہیں، وہ مالکی ہوں، شافعی ہوں، حنبلی ہوں، اہل حدیث ہوں، ان میں فقہی معاملات میں اختلافات ہیں عقائد ایک ہی ہیں۔ ہاں عقائد میں جو اختلاف اور فرق واقع ہوا ہے تو وہ شیعہ

اور سُنّوں کے مابین ہوا ہے۔ اس اختلاف کو واقعہً نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔  
 تاریخی واقعات کے بارے میں رائے اور سیاسی اختلافات کو ایک طرف رکھا جا  
 سکتا ہے۔ شخصیات کے بارے میں بھی اگر اختلاف ہو تو اسے بھی کسی حد تک  
 نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ کسی کا ذاتی رجحان اگر یہ ہو کہ وہ حضرت علیؓ کو حضرت  
 ابو بکرؓ سے افضل سمجھتا ہو، تو یہ بھی ایسی بنیادی و اساسی بات نہیں ہے کہ  
 جس کی بنا پر من و دیکر کو دیکر کی کامعاد ہو سکے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ پوری  
 اُمت محمد علیؐ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل  
 ترین شخصیت ہی نہیں سمجھتی بلکہ پوری نوع انسانی میں انبیاء کرام کے بعد افضل  
 البشر سمجھتی ہے لیکن اسے بھی عقیدے کا بنیادی اختلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔  
 شاہ ولی اللہ دہلویؒ یہ لکھتے ہیں کہ ”اگر میری طبیعت کو اس کی آزادی پر چھوڑ دیا  
 جائے تو وہ حضرت علیؓ کی فضیلت کی قائل ہوتی نظر آتی ہے لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ  
 میں حضرت ابو بکر صدیق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فضیلت کا اقرار  
 کروں“ میرے ناقص رائے میں خلفائے راشدین کی فضیلت میں تقدیم و تاخیر اگرچہ  
 فی نفسہ ایک اہم مسئلہ ہے تاہم اسے عقیدے کا اختلاف قرار نہیں دیا جاسکتا۔  
 اصل اہم مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک معصومیت ختم ہو چکی ہے۔ جناب محمد صلی  
 اللہ علیہ وسلم پر ہمارے نزدیک اُن حضورِ خاتم النبیین و المرسلین کے ساتھ ساتھ  
 خاتم المعصومین بھی ہیں اور ہم اسے ایمان بالنبوت اور ایمان بالرسالت کا ایک  
 لازمی جزو سمجھتے ہیں اور یہ بات یقیناً بنیادی عقیدے سے متعلق ہے۔ اس لئے  
 کہ یہ عقیدہ ختم نبوت کا لازمی نتیجہ ہے چونکہ عصمت و معصومیت خاصۃً نبوت،  
 نبوت ختم ہوئی تو عصمت و معصومیت بھی ختم ہوئی۔ اب نبوت کے بعد اجتہاد  
 کا دروازہ کھلا ہے۔ دُعا نبوت کا دروازہ بند ہے اور تا قیام قیامت بند رہے گا۔  
 تاریخ انسانی کا بقیہ سارا دود اجتہاد کا ہے۔ اجتہاد میں مجتہد اپنی امکانی حد تک  
 کوشش کرتا ہے کہ اس کی رائے قرآن و سنت ہی سے ماخوذ و مستنبط ہو۔ لیکن  
 وہ معصوم عن الخطا نہیں ہے۔ اس اجتہاد میں خطا بھی ہو سکتی ہے لیکن اگر  
 نیک نیتی کے ساتھ خطا ہے تو ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مجتہد غلطی کو بھی اجر و ثواب ملے گا۔

لڑچہ اکہرا۔ اور مجتہد اگر مصیب بھی ہو یعنی صحیح رائے تک پہنچ گیا ہو تو اُسے دہرا  
 جڑ ملے گا۔ جبکہ شیعہ مکتب فکر کا عقیدہ امامتِ معصومہ کا ہے۔ ہمارے نزدیک  
 مبیا کہ میں نے ابھی عرض کیا معصومیت خاصۂ نبوت ہے۔ وہ اپنے ائمہ کو بھی مہم  
 مانتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان سے خطا و کا ص در ممکن نہیں۔ ہمارے اعتبار  
 سے تو اس نوع کی امامت ایک قسم کی نبوت بن جاتی ہے۔ اور ہر قسم کی نبوت  
 کو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم سمجھتے ہیں۔ لہٰذا نبوت کے بعد جو بھی زمانہ آیا  
 اس میں کسی کا جو بھی اقدام ہے اس میں ہم احتمالِ خطا کو بعید از امکان نہیں  
 سمجھتے۔ خواہ وہ اقدام حضرت علیؓ کا ہو خواہ حضرت ابو بکرؓ یا حضرت عمرؓ یا  
 حضرت عثمانؓ کا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ان میں سے کسی کے کسی فیصلہ یا اقدام کے  
 بارے میں یہ رائے دینا چاہے کہ فلاں معاملے میں ان سے خطا ہوئی تو اُسے حق  
 ہے، وہ کہہ سکتا ہے البتہ دلیل سے بات کرے اور اُسے اجتہادی خطا سمجھے تو یہ  
 بات ہمارے عقیدے سے نہیں ٹکرائے گی۔ یہ دوسری بات ہے کہ پوری چودہ سو  
 سال کی تاریخ میں حضرت ابو بکرؓ کے دور سے لے کر آج تک کسی شخص نے  
 مدّینِ اکبرؓ کی کسی خطا کو پکڑا نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود ہم یہ کہتے ہیں  
 کہ امکانِ خطا موجود تھا۔ اور وہ معصوم عن الخطا نہیں تھے، لہٰذا کوئی شخص اگر  
 یہ کہنا چاہے کہ ان سے یہ خطا ہوئی، یہ نہ کرتے یا یوں کرتے تو بہتر تھا تو ہم اس  
 کی زبان نہیں پکڑیں گے۔ چونکہ ہم ان کی معصومیت کے قائل ہی نہیں ہیں حضرت  
 عمرؓ کو تو خود اپنی بعض اجتہادی آراء میں خطا کا احساس ہوا، جن سے انہوں  
 نے علی الاعلان رجوع کر لیا۔ البتہ اپنی ایک خطا کا وہ صرف اعتراف کر سکے،  
 اس کا ازالہ نہ ہو سکا۔ وہ یہ کہ حضرت ابو بکرؓ کے عہدِ خلافت میں خود انہوں نے  
 حضرت ابو بکرؓ پر زور دے کر وظائف کی تعین کے معاملے میں ایک فرق رکھوایا۔  
 یعنی یہ کہ بدری صحابہ کو دوسروں کے مقابلے میں کافی زیادہ وظیفہ ملنا چاہیے، اور  
 اصحابِ شجرہ کو بدری صحابہ سے کم لیکن دوسروں سے زیادہ وظیفہ ملنا چاہیے۔  
 یہ فرق مراتب حضرت عمرؓ نے رکھوایا۔ اور اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری ایام میں آپؓ  
 اس پر پکھلتے۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ بھی جان لیجئے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ

کی نصرت اور مسلمانوں کے جوش جہاد اور شوق شہادت کی وجہ سے نہایت عظیم الشان فتوحات ہوتی چلی گئیں اور مال غنیمت بے حد و حساب دارالاسلام میں آنے لگا۔ اب جو بڑے بڑے وظائف باقاعدگی سے ملے تو اس نے سرمایہ داری کی شکل اختیار کر لی۔ اس لئے کہ معاشرے میں بالفعل یہ صورت حال پیدا ہو گئی تھی کہ صدقہ خیرات لینے والا کوئی مستحق ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا۔ نابریں از نکاز دولت کی شکل پیدا ہونی شروع ہو گئی اور وظائف میں فرق و تفاوت نے اصحاب دولت و ثروت کے مابین بھی عظیم فرق و تفاوت پیدا کر دیا۔ اگر وہ دولت کسی ہموار و مساوی طریقے پر منتقل ہوتی تو یہ صورت حال رد فائز ہوتی۔ یہ وہ چیز تھی جس کو دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے کہا تھا کہ ”لو استقبلت ما استند برئت لآخذت فضول اموال الاغنياء و لقسمته بين الناس“ (اگر کما قال) اب اگر کہیں وہ صورت حال دوبارہ پیدا ہو جائے جو اب مجھے جا چکی ہے تو میں لوگوں کے اموال میں جو فاضل ہے وہ لے کر دوسرے لوگوں میں تقسیم کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی ایک احساس ہوا۔ یہ بات میں نے صرف اس لئے عرض کی ہے کہ اہل سنت کا یہ موقف واضح ہو جائے کہ خطا کا احتمال و امکان ہر صحابی کے بارے میں ہو سکتا ہے۔ لیکن ہم اس خطا کو جہاد و خطا قرار دیں گے۔ اُسے نیک نیتی پر محمول کریں گے۔ یہ بات ہر صحابی کے بارے میں کہی جائے گی۔ یہی بات اور یہی راتے نہ صرف حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت مغیرہ بن شعبہؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں کہی جاسکتی ہے۔ بلکہ حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ رضی اللہ عنہما کے بارے میں بھی۔ یہاں تک کہ حضراتِ شیعینؓ اور حضرت عثمانؓ ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔

لہذا یہ بات پیش نظر رکھئے کہ اب گفتگو کا جو مرحلہ آرہا ہے جو حضرت امیر معاویہؓ کے ایک اہم اقدام سے متعلق ہے۔ اس کے بارے میں بھی دو رائے ممکن ہیں۔ ان کو یہ بات حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے سوچائی (جو مسلمہ طور پر ایک نہایت ذہین و فہیم مدبّر اور دور رس نگاہ رکھنے والے صحابی مانے جاتے ہیں) کہ

دیکھئے مسلمانوں میں آپس میں جو کشت و خون ہوا اور پانچ برس کا جو عمرہ  
 آپس کی لڑائی جھگڑے میں گزرا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے بعد پھر وہی حالات  
 پیدا ہو جائیں۔ لہذا اپنی جانشینی کا مسئلہ اپنی زندگی ہی میں طے کر کے جائیے۔ اب کوئی  
 شخص چاہے (اور ہمارے ہاں ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے) تو وہ بڑی آسانی سے  
 حضرت مغیرہ بن شعبہؓ پر یہ فتویٰ لگا دے کہ انہوں نے کسی لالچ اور کسی انعام کی  
 امید کی وجہ سے یا چا پلوسی کے خیال سے یہ رائے دی۔ معاذ اللہ ہم یہ رائے نہیں  
 دے سکتے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ ان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں  
 شامل ہیں جنہوں نے مدینہ میں نبی اکرمؐ کے دست مبارک پر وہ بیعت کی تھی۔  
 جس کو بیعت رضوان کہا جاتا ہے چونکہ اس بیعت پر سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ نے  
 اپنی رضا کا اظہار فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ اصحابِ شجرہ میں سے ہیں۔ پھر حضرت  
 علیؓ کے پورے عہدِ حکومت میں وہ حضرت علیؓ کے بڑے حامیوں (SUPPORTER)  
 میں رہے اور ہر مرحلے میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ دیا  
 لیکن وہ امت کے حالات کو دیکھ رہے تھے۔ آپس کی خانہ جنگی کا انہیں تلخ اور  
 دردناک تجربہ ہوا تھا۔ وہ جو انگریزی کی مثل ہے کہ بہت سا پانی دریا میں بہہ  
 گیا ہے اس کے مصداق حالات میں بہت کچھ تبدیلی آچکی ہے یہ سلسلہ ہجری  
 کے لگ بھگ کا زمانہ ہے۔ آں حضورؐ کی وفات پر پورے پچاس برس گزر چکے  
 ہیں۔ کبارِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی عظیم اکثریت اللہ کو پیاری ہو چکی  
 ہے۔ اب تو صفارِ صحابہؓ میں بھی کچھ ہی لوگ موجود ہیں۔ اور یہ گویا صحابہ کی دوسری  
 نسل کے افراد ہیں جیسے حضرت زبیر بن العوامؓ شہید ہو چکے، اب ان کے بیٹے  
 عبداللہ بن زبیرؓ ہیں۔ حضرت عمرؓ شہید ہو چکے اب ان کے بیٹے عبداللہ بن عمرؓ  
 ہیں حضرت عباسؓ اللہ کو پیارے ہو چکے البتہ ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ  
 بن عباسؓ موجود ہیں۔ اسی طرح حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن  
 بن ابوبکرؓ ہیں، الغرض چند صفارِ صحابہؓ کو چھوڑ کر تقریباً ننانوے فی صد لوگ تو  
 بعد کے ہیں۔ پھر وہ جوشِ جذبہ ایمانی بھی پچاس سال کے بعد اس درجے کا نہ  
 رہا تھا جو خلافتِ راشدہ کے ابتدائی پچیس سال تک نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں

”جو ہر اندیشہ، اور شدتِ احساس کا عالم تو یہ ہے کہ خود حضرت ابو بکرؓ نے ایک موقع پر جب کچھ عیسائی آئے اور ان کو قرآن مجید کی آیات سنائی گئیں اور شدتِ تاثیر سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا ”هكذا اکتا حتی قست القلوب“ یعنی ”یہی حال کبھی ہمارا ہوا کرتا تھا کہ قرآن مجید پڑھتے تھے اور سنتے تھے تو ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ دل سخت ہو گئے۔“ ذرا غور فرمائیے یہ بات حضرت ابو بکرؓ اپنے متعلق فرما رہے ہیں کہ ہمارے دل سخت ہو گئے۔ اسی طرح انتقال کے وقت حضرت عمرؓ نے اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”میں اگر برابر برابر پر چھوٹ جاؤں تو بہت بڑی کامیابی سمجھوں گا“ پھر یہی حضرت عمر فاروقؓ ہیں جو حضرت حذیفہؓ سے پوچھتے تھے کہ میں قسم دے کر تم سے پوچھتا ہوں۔ کہیں میرا نام ان منافقوں کی فہرست میں نہیں تھا جن کے نام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں بتائے تھے؟“ تو ان جلیل القدر صحابہ کے شدتِ احساس کی یہ صورت تھی تو آپ سوچئے کہ ”تا بہ دیگران چہ رمدا“ لہذا ان حالات میں حضرت مغیرہؓ کی سمجھ میں مصالحِ امت کا یہی تقاضا آیا کہ امیر معاویہؓ اپنا کوئی جانشین نامزد فرما دیں۔ چونکہ اس وقت فی الواقع بحیثیت مجموعی امت کے حالات اس جمہوری اور شورائی مزاج (REPUBLICAN CHARACTER) کے متحمل نہیں رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا فرمایا تھا۔ لہذا حالات کے پیش نظر ایک سیر صی نیچے اتر کر فیصلہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ حضرت مغیرہؓ نے دلائل کے ساتھ حضرت معاویہؓ سے اصرار کیا کہ وہ اپنا جانشین نامزد کریں اور اس کی بیعت دلیعہدی لیں۔ پھر ان ہی نے جانشینی کے لئے جناب یزید کا نام تجویز کیا۔ یہاں یہ بات اچھی طرح جان لینی چاہئے۔ کہ جو شخص بھی کسی درجے میں حضرت مغیرہؓ اور حضرت معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بدعت قرار دے گا اس کا معاملہ اہل سنت سے جدا ہو جائے گا۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ”الصحابہ کلہم عدول“ بدعتی کی نسبت ہم ان کی طرف نہیں کر سکتے، اختلاف کر سکتے ہیں۔ ہم انہیں معصوم نہیں مانتے۔ ان سے خطا ہو سکتی ہے۔ ان کے کسی فیصلہ کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ یہ صحیح فیصلہ نہیں تھا۔ کوئی

یہ کہے تو اس سے اس کے ایمان، عقیدہ اور اہل سنت میں سے ہونے پر کوئی حرف نہیں اُٹھے گا۔ یہ رائے دی جاسکتی ہے لیکن جو شخص بدعتی کو کسی صحابی رسول کی طرف منسوب کرتا ہے جان لیجئے کہ وہ اور خواہ کچھ بھی ہو بہر حال اہل سنت والجماعت میں شمار نہیں ہوگا۔ اب تصویر کا دسرا رخ دیکھیے یعنی یہ کہ جن کی نیک نیتی ہر شبہ سے بالاتر ہے۔ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ عمل اسلام کے مزاج کے ساتھ مناسبت رکھنے والا نہیں ہے۔ ان میں پانچ نام بہت مشہور ہیں۔ تین تو اُمت کے مشہور و عبادہ، میں سے ہیں یعنی حضرت عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ایک حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ایک حضرت ابو بکرؓ کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ انہوں نے یزید کی بیعتِ ولی عہدی سے انکار کیا۔ اور ذہن میں رکھیے کہ یہ تاریخی جملہ حضرت عبدالرحمنؓ ابن ابی بکرؓ کا ہے کہ جب مدینہ کے گورنر نے ولی عہدی کی بیعت لینی چاہی ہے تو انہوں نے بڑے غصے سے کہا، کہ ”کیا اب تم رسول اللہؐ اور خلفاءِ راشدینؓ کی سنت کے بجائے قیصر و کسریٰ کی سنت رائج کرنا چاہتے ہو کہ باپ کے بعد بیٹا جانشین ہو؟“ تیسری جانب یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ ان پانچ حضرات کو چھوڑ کر اُمت کی عظیم ترین اکثریت نے بیعت کر لی۔ جس میں کثیر تعداد میں صحابہؓ بھی شامل تھے۔ اب اس واقعہ کے بعد اگر کوئی چاہے تو ان سب کو بے منبر قرار دیدے۔ کسی کی زبان کو تو نہیں پکڑا جاسکتا۔ کہنے والے یہ بھی کہہ دیں گے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے ایمان و دولت کے ذریعے خرید لئے تھے۔ لیکن ذرا توقف کر کے غور فرمائیے کہ ”نادک نے میدان چھوڑا زمانے میں“ کے مصداق سے پہلے اس زد میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی آئے گی۔ گویا انہوں نے حضرت معاویہؓ کے حق میں دولت کے عوض دستبرداری قبول کر کے اپنی خلافتِ فردخت کا حق۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔ لیکن ایسی بات کہنے والوں کو ٹھنڈے دل سے سوچنا چاہیے کہ اس طرح ہر طرف ملامت و اہانت کون کون سی لائقِ صدا احترام بستیاں بنتی ہیں۔ ہم ان سب کو نیک نیت سمجھتے ہیں۔ جو بھی صحابہ کرامؓ اس وقت موجود تھے ان میں سے جنہوں نے ولی عہدی کی بیعت

کی اور جہول لے انکار کیا وہ سب سب ایک ایک سے ۔ سب ہیں سراسر اس مصلحت تھی ۔ حضرت حسنؑ نے جو ایشیا فرمایا تھا وہ تو تا قیام قیامت اُمت پر ایک احسان عظیم شمار ہوگا ۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھیے کہ جو دوسرا مکتب فکر ہے وہ حضرت حسنؑ کو بھی امام معصوم مانتا ہے لہذا ان کا طرز عمل خود ان کے اپنے عقیدے کے مطابق مدنی مدد درست قرار پاتا ہے ۔

اب آئیے حضرت حسینؑ رضی اللہ تعالیٰ کے موقف کو سمجھنے کی کوشش کریں ۔ اہل سنت اس معاملے میں یہ رائے رکھتے ہیں کہ پوری نیک نیتی سے آن جنابؑ یہ سمجھتے تھے کہ اسلام کے شورائی اور جمہوری مزاج کو بدلا جا رہا ہے ۔ حالات کے رُخ کو اگر ہم نے تبدیل نہ کیا تو وہ خالص اسلام جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے اور وہ کامل نظام جو حضورؐ نے قائم فرمایا تھا ، اس میں کجی کی بنیاد پڑ جائے گی ، لہذا اسے ہر قیمت پر رد کرنا ضروری ہے ۔ یہ رائے ان کی تھی اور پوری نیک نیتی سے تھی ۔ پھر شہر کوفہ کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے براہِ ران کو پیغامات بھیج رہے تھے اور کوفیوں کے خطوط سے حضرت حسینؑ کے پاس بوریاں بھر گئی تھیں ۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ کوفہ صرف ایک شہر نہیں تھا بلکہ اس کی سیاسی اور فوجی حیثیت سے بڑی اہمیت تھی ۔ لہذا آن جنابؑ کی رائے تھی کہ اہلیان کوفہ کے تعاون سے وہ حالات کا رُخ صحیح جانب موڑ سکتے ہیں ۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ ایسے تمام معاملات اجتہادی ہوتے ہیں ۔ اس رائے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ بھی شریک تھے کہ ولی عہدی کی جو رسم پڑ گئی ہے وہ اسلام کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ لیکن وہ آگے جا کر اختلاف کرتے ہیں ۔ ان کا اختلاف تھا امکانات کے بارے میں ۔ وہ کوفہ والوں کو قطعی ناقابل اعتبار سمجھتے تھے ۔ ظاہر بات ہے کہ کسی اقدام سے پہلے خوب اچھی طرح جائزہ لینا ہوتا ہے اقدام کے لئے جو وسائل و ذرائع ضروری ہیں ، وہ موجود ہیں یا نہیں ۔ نبی اکرمؐ اور اہل ایمان پر قتال مکے میں فرما رہے تھے ہوا تھا بلکہ مدینہ میں ہوا جبکہ اتنی قوت بہم پہنچ گئی تھی کہ قتال سے اچھے نتائج کی توقع کی جاسکے ، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی مخلصانہ رائے تھی کہ کامیاب اقدام کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ فی الوقت



موجود نہیں ہیں۔ لہذا وہ حضرت حسینؑ کو کوفہ والوں کی دعوت قبول کرنے اور  
 ریلوں چلنے سے باصرار و الحاح منع کرتے رہے۔ لیکن حضرت حسینؑ کی رائے یہ  
 تھی کہ کوفہ والوں کی دعوت قبول کرنی چاہیے اصل معاملہ یہ تھا کہ جو سچا انسان  
 ہوتا ہے وہ اپنی سادگی اور مشرقت میں دوسروں کو بھی سچا ہی سمجھتا ہے۔ اور  
 بنی صداقت کی بنیاد پر دوسروں سے بھی حسنِ من رکھتا ہے۔ کوفہ کوئی معمولی شہر  
 نہیں تھا۔ انتہائی STRATEGIC مقام پر کوفہ واقع تھا۔ یہ سب بڑی  
 چھاؤنی تھی جو حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں قائم کی گئی تھی۔ اس لئے کہ یہ وہ مقام  
 ہے جس سے اس شاہراہ کا کنٹرول ہوتا ہے جو ایران اور شام کی طرف جاتی ہے۔  
 لہذا حضرت حسینؑ یہ رائے رکھتے تھے کہ اگر کوفہ کی عظیم اکثریت ان کا ساتھ دینے کیلئے  
 آمادہ ہے جیسا کہ ان کے خطوط سے ظاہر ہوتا ہے تو کامیابی کے امکانات غالب ہیں اس  
 لئے کوفیوں کی دعوت کو قبول کر لینا چاہیے۔ جس کے ذریعہ اسلامی نظام میں جو تبدیلی  
 لائی جا رہی ہے اس کا ازالہ کیا جاسکتا ہے اور اس کا راستہ روکا جاسکتا ہے۔  
 لیکن اس رائے سے اختلاف کر رہے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عبداللہ بن  
 عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بھی۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ اختلاف بھی  
 معاذ اللہ بدعتی پر نہیں تھا۔ وہ بھی یعنی حضرت حسینؑ بھی اور یہ یعنی تینوں عبادلہ بھی  
 شیک نیت تھے۔ ان تینوں حضرات نے لاکھ سمجھایا کہ آپ کوفہ والوں پر ہرگز اعتماد  
 نہ کیجئے۔ یہ لوگ قطعی بھروسے کے لائق نہیں ہیں۔ یہ لوگ جو کچھ آپ کے والدِ بزرگوار  
 کے ساتھ کرتے رہے ہیں ۱۰ اس کو یاد کیجئے۔ جو کچھ آپ کے برادرِ محترم کے ساتھ کر  
 چکے ہیں اس کو پیشِ نظر رکھیے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ان کے دل آپ کے ساتھ ہوں  
 لیکن ان کی تلواریں آپ کی حمایت میں نہیں اٹھیں گی بلکہ معمولی خوف یا دباؤ یا لالچ  
 سے آپ کے خلاف اٹھ جائیں گی۔ لیکن حضرت حسینؑ کا ایک فیصلہ ہے۔ جس پر وہ کمال  
 استقامت کے ساتھ عمل پیرا ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس معاملہ میں  
 فرمانِ خداوندی اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کر رہے ہیں یعنی ”فَإِذَا  
 عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ“ یعنی پہلے خوب غور کرو، سوچ لو، امکانات کا جائزہ  
 لے لو۔ تدبیر کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔ ساز و سامان کی ضرورت بھی ضروری ہے۔

یہ بھی دیکھو کہ صورت حال (SITUATION) فی الواقع درپیش ہے اس کے تقاضے پورا کرنے کی اہلیت ہے یا نہیں۔ لیکن جب ان مراحل سے گزر کر ایک فیصلہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہوئے اقدام کرو۔ ”فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ“ یہ رہنمائی ہے۔ قرآن و سنت میں۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت حسین نے ASSESSMENT میں غلطی کی لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہوں نے کسی بدعتی سے یا حکومت و اقتدار کی طلب میں یہ کام کیا۔ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے۔ میں ذاتی طور پر اس بات سے کھلم کھلا اور سرعام اعلان برأت کرتا ہوں۔ اگر کسی کو یہ شک و شبہ یا غلط فہمی ہو کہ معاذ اللہ میری یہ رائے ہے کہ حضرت حسین کے اس اقدام میں کوئی نقصانیت یا کوئی ذاتی عزم تھی تو میں اس سے بالکل بیہوش ہوں الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ کسی کی یہ رائے اگر ہو تو ہو لیکن اچھی طرح جان لیجئے کہ اہل سنت کے جو عجوبے اور مجمع علیہ عقائد ہیں ان میں یہ بات شامل ہے کہ حضرت حسینؑ کے اقدام اور مشاہرت صحابہؓ کے ضمن میں کسی صحابی رسولؐ پر بدعتی اور نقصانیت کا حکم لگانے سے ایمان میں خلل واقع ہوگا۔ بلا تخصیص ہم تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو صمد مانتے ہیں۔ البتہ معصوم کسی کو نہیں مانتے اور ہر ایک سے خطا برا اجتہادی کے احتمال و سکتا کو تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نیک نیتی سے ایک رائے تھی۔ نیک نیتی ہی سے ایک اندازہ (ASSESSMENT) تھا اور جب اس پر انشراح ہو گیا تو وہاں ہی کے لئے عزیمت تھی۔ جب ولی عہدی کی بیعت کا مسئلہ مدینہ منورہ میں پیش ہوا تھا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ وہاں سے مکہ مکرمہ چلے گئے تھے۔ حضرت حنیفؓ بھی ایسا ہی کیا۔ چند حضرات کی رائے یہ تھی کہ مکہ مکرمہ ہی کو LONG HOLD اور اصل BASE بنایا جائے اور اس ولی عہدی کے خلاف رائے عامہ کو ہوا کرنے کے لئے اپنی قوتوں کو مجتمع کیا جائے۔ ابھی اس سلسلہ میں کوئی موثر کام نہیں ہو سکا تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ کا انتقال ہو گیا اور بحیثیت ولی عہد حکومت امیرینہ دیک کے ہاتھ میں آگئی۔ جس کے بعد کوفہ والوں نے خطوط بھیج بھیج کرہ حسینؑ کو اپنی وفاداری اور اپنے کے ہاتھ پر بیعت کر کے جدوجہد اور اقدام

بنیں دلایا۔ اُس جناب نے تحقیق حال کے لئے اپنے چچا زاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؓ  
 کو فہم دیا۔ ان کی طرف سے بھی اطلاعات یہی موصول ہوئیں کہ اہل کوفہ بدل نہاں  
 ہونے کے لئے تیار ہیں۔ حضرت حسینؓ نے کوفہ کے سفر کا ارادہ کر لیا اور کوچ کی  
 اہلیاں شروع کر دیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں  
 بہت سمجھایا کہ مکہ سے نہ نکلے۔ یہ دونوں حضرات یہ کہتے ہوئے رو پڑے کہ کہیں  
 یازد ہو کہ جس طرح امیر المومنین حضرت عثمانؓ کو ان کے گھر والوں کے سامنے ذبح کر دیا  
 گیا۔ اسی طرح آپ کے اہل و عیال کے سامنے آپ کو بھی ذبح کر دیا جائے۔ جب حضرت  
 حسینؓ نے کوچ کیا ہے تو حضرت عبداللہ ابن عباسؓ ان کی سواری کے ساتھ ڈولتے  
 دوتے دوڑتے گئے ہیں اور اصرار کرتے رہے ہیں کہ خدا کے لئے باز آجائیے اور اگر جانا  
 ہے تو خواتین اور بچوں کو تو ساتھ لے کر نہ جائیے۔ اور یہ عبداللہ ابن عباسؓ کون  
 ہیں! رشتے میں ایک جانب سے حضرت حسینؓ کے چچا لگتے ہیں۔ تو دوسری طرف سے نانا۔  
 اس لئے کہ والد یعنی حضرت علیؓ کے بھی چچا زاد بھائی ہیں اور نانا یعنی نبی اکرمؐ کے بھی  
 چچا زاد بھائی ہیں! لیکن اس وقت محبت سے مغلوب ہو کر کہہ رہے ہیں ملے ابن عم!  
 خدا کے لئے باز آ جاؤ یا کم از کم ان عورتوں اور بچوں کو مکہ ہی میں چھوڑ جاؤ۔ لیکن  
 نہیں، دوسری جانب عزیت کا ایک کوہ گراں ہے پیکر شجاعت ہے۔ سراپا استقامت  
 ہے۔ نیک نیتی سے جو فیصلہ کیا ہے اس پر ٹٹے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد راستے میں  
 جب اطلاع ملی کہ حضرت مسلم بن عقیلؓ جو اپنی اور تحقیق کنندہ کی حیثیت سے کوفہ گئے  
 تھے۔ وہاں شہید کر دیئے گئے اور کوفہ والوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رہی۔  
 سر کے سب گورنر کوفہ کے سامنے حکومت وقت کے ساتھ وفاداری کا عہد استوار  
 کر لیا ہے تو حضرت حسینؓ نے سوچنا شروع کیا کہ سفر باری رکھا جائے یا مکہ واپسی  
 ہو۔ لیکن ذہن میں رکھئے کہ ہر قوم کا ایک مزاج ہوتا ہے جو انسان کی شخصیت  
 کا جزو لاینفک ہوتا ہے۔ عرب کا مزاج یہ تھا کہ خون کا بدلہ لیا جائے خواہ اس میں  
 خود اپنی جان سے بھی کیوں نہ ہاتھ دھو لینے پڑیں۔ چنانچہ حضرت مسلمؓ کے عزیز رشتہ دار  
 کھڑے ہو گئے کہ اب ہم ان کے خون کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔ حضرت  
 حسینؓ کی شرافت اور مروت کا تقاضا تھا کہ وہ ان لوگوں کا ساتھ نہ چھوڑیں جو ان کے

شن میں ان کا ساتھ دینے کے لئے نکلے تھے۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا تھا کہ مسلم بن عقیل  
 کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے عزم کا اظہار کرنے والوں کا ساتھ یہ پکیرِ شرافت و مروت  
 نہ دیتا۔ لہذا سفر جاری رہا۔ اسی دوران حضرت عبداللہ بن جعفر لمیاض جو عیازِ ادبائی  
 ہیں، ان کے بیٹے حضرت عون اور حضرت محمدان کا پیغام لے کر آئے ہیں کہ خدا کیلئے  
 اُدھر مت جاؤ۔ لیکن فیصلہ اٹل ہے۔ ان دونوں کو بھی ساتھ لیتے ہیں اور سفر جاری  
 رہتا ہے حتیٰ کہ قافلہ دشتِ کربلا میں پہنچ گیا۔ اُدھر کوفہ سے گورنر ابن زیاد کا  
 لشکر آگیا۔ یہ لشکر ایک ہزار افراد پر مشتمل تھا اور اس کو صرف ایک حکم تھا کہ وہ حضرت  
 حسینؑ کے سامنے یہ دو صورتیں پیش کرے کہ آپؑ کوفہ کی طرف جاسکتے ہیں مکہ  
 مکرمہ یا مدینہ منورہ کی طرف مراجعت کر سکتے ہیں۔ ان دونوں سمتوں کے علاوہ بدر  
 آپؑ جانا چاہئیں اس کی اجازت ہے۔ یہاں اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ یہ تیسرا  
 راستہ کون سا ہو سکتا تھا! وہ راستہ تھا دمشق کا۔ لیکن افسوس کہ حضرت حسین  
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اختیار نہ کیا بلکہ آپؑ وہیں ڈٹے رہے۔ اب عمر بن سعد  
 کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر کوفہ مزید پہنچ گیا۔ اور یہ عمر بن سعد کون تھے؟  
 افسوس کہ ان کے نام کو گالی بنا دیا گیا ہے۔ یہ تھے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح  
 ایران اور یکے از عشرہ مبشرہ کے بیٹے۔ جن کی حضرت حسینؑ کے ساتھ قرابتِ حارہ  
 بھی ہے۔ وہ بھی مصالحت کی انتہائی کوشش کرتے ہیں۔ اور گفت و شنید جاری  
 رہتی ہے۔ اب حضرت حسینؑ کی طسہ یہ تین صورتیں پیش ہوتی ہیں۔ یعنی یہ کہ ”یا مجھے  
 مکہ مکرمہ واپس جانے دو۔ یا مجھے اسلامی سرحدوں کی طرف جانے دو تاکہ میں  
 کفار کے خلاف جہاد و قتال میں اپنی زندگی گزار دوں۔ یا میرا راستہ چھوڑ دو۔  
 میں دمشق چلا جاؤں۔ میں یزید سے اپنا معاملہ خود طے کروں گا۔“ لیکن اب گھبرا  
 تنگ ہو گیا ہے۔ اور صورتِ حال یکسر بدل گئی ہے۔ اور یہ بھی خوب جان لیجئے  
 کہ اس کی اصل وجہ کیا ہے؟ حضرت حسینؑ نے میدانِ کربلا میں ابن زیاد کو بھیجے  
 ہوئے لشکروں کے سامنے جو خطبات دیئے۔ اس میں انہوں نے بھانڈا پھوٹ  
 دیا کہ میرے پاس کوئیوں کے خطوط موجود ہیں جنہوں نے مجھے یہاں آنے کی دعوت  
 دی تھی۔ انہوں نے اس کو فی نوچ کے بہت سے سرداروں کے نام لے لے کر فرمایا:

ملے غلام ابن فلاں! یہ تبارے خط ہیں کہ نہیں جس میں تمہنے مجھ سے بیعت کرنے کے لئے مجھے کو فدا آنے کی دعوت دی تھی، جس پر وہ لوگ برأت کرنے لگے کہ نہیں ہم نے یہ خطوط نہیں بھیجے۔ اب ان کی جان پر بنی ہوئی تھی چونکہ مصالحت کی صورت میں حکومتِ وقت سے ان کی غذارمی کا جرم ثابت ہو جاتا۔ جنگِ جمل اور جنگِ صفین کے واقعات یاد کیجئے۔ جہاں بھی مصالحت کی بات ہوگی، وہاں وہی سبائی فتنہ اُٹھے آئے گا جو اس سارے انتشار و افراق اور غلہ جنگیوں کا بانی مبنی رہا ہے۔ مصالحت کی صورت میں تو ان کا کچا چٹھا کھل جاتا اور معلوم ہو جاتا کہ دوستی کے پیروں میں رہ کر کون دشمنی کرتا رہا ہے اور وہ کون ہیں جو سادہ لوح عوام کو دھوکے کرا اور خواص کو ہیلا پھلا کر مسلمان کو مسلمان کے خلاف محاذ آرا کرتے آ رہے ہیں۔ حضرت حسینؑ کے پاس کو فیوں کے بوریاں بھرے خطوط تھے مفاہمت کی صورت میں جب یہ سامنے آتے تو ان کا حشر کیا ہوتا۔ اس کو اچھی طرح آج بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان سرداروں اور ان کے حواریوں نے مصالحت و مفاہمت کا سلسلہ جاری رہنے نہیں دیا اور عمر بن سعد کو مجبور کر دیا کہ وہ حضرت حسینؑ کے سامنے بیٹھ پیش کرے کہ یا تو غیر مشروط پر SURRENDER کیجئے۔ ورنہ جنگ کیجئے۔ یہ سازشی لوگ حضرت حسینؑ کے مزاج سے اتنے ضرور واقف تھے کہ ان کی غیرت و حمیت غیر مشروط طور پر چھالگی کے لئے تیار نہیں ہوگی اور فی الواقع ہوا بھی یہی۔ یہاں یہ جان لیجئے کہ معاملہ تھا حضرت حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا آن کی غیرت، ان کی حمیت ان کی شجاعت اس توہین و تذلیل کو ہرگز گوارا نہ کر سکتی تھی۔ لہذا انہوں نے غیر مشروط SURRENDER کرنے سے انکار کر دیا اور مسلح تصادم ہو کر رہا۔ جس کے نتیجے میں سانحہ کربلا واقع ہوا۔ داؤد شجاعت دیتے ہوئے آپس کے ساتھی شہید ہوئے۔ آپس کے اعزہ اقارب نے اپنی جانیں نچھاور دیں اور آپس نے بھی تلوار چلاتے ہوئے اور دشمنوں کو قتل کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِم رٰجِعُوْنَ۔ یہ ہے اصل حقیقت اس سانحہ فاجعہ کی۔ اصل سازشی ذہن کو پہچانئے۔ جیسے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان اختلاف کا افسانہ جس نے بھی تراشا ہے بڑی عیارانہ مہارت سے تراشاؤ

نکڑا ہے۔ اس افسانے سے حقائق گم کر دیئے گئے ہیں۔ اب ہوتا یہ ہے کہ بچہ  
 اس کے کہ اصل مجرم کو PIN POINT کیا جائے۔ کوئی حضرت عثمانؓ  
 کو تنقید کا ہدف بناتا ہے تو کوئی حضرت علیؓ کو۔ اس طرح یہ دونوں فریق ان  
 سازشی سبائیوں کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ حضرت عثمانؓ کی شخصیت  
 مجروح ہوتی ہے تو بھی ان کا کام بنتا ہے اور حضرت علیؓ کی ذات گرامی مجروح  
 ہوتی ہے تو بھی ان کے پورا رہہ جاتے ہیں۔ یہ عثمانؓ کون ہیں؟ یہ ہیں ذوالنورین  
 نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوہرے داماد اور یکے از مشرہ مبشرہ۔ اور علیؓ  
 کون ہیں؟ اُن حضورؐ کے تربیت یافتہ آپؐ کے چچا زاد بھائی۔ آپؐ کے داماد۔  
 آپؐ کے محبوب اور یکے از مشرہ مبشرہ۔ ان دونوں میں سے کسی کی بھی شخصیت  
 مجروح ہوتی ہے تو اس کی زد پڑتی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر۔  
 جو ان دونوں کے مزک و مرتب تھے۔ ان شخصیتوں میں اگر نقص اور عیب مان جائے  
 گا تو محمد رسول اللہؐ کی تربیت پر حرف آئے گا اور اُن حضرت کی شخصیت مبارکہ  
 مجروح ہوگی۔ افسوس کہ آج بھی اُن سبائیوں کا کام دونوں طرف سے بن رہا ہے  
 خوب جان لیجئے کہ ایسے تمام لوگ چاہے وہ اس کا شعور رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں  
 سبائی ایجنٹ ہیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ ”الصحابۃ کُلُّہم عدول“  
 کوئی بدعتی اور نفسانیت نہ حضرت عثمانؓ میں تھی نہ حضرت علیؓ میں، نہ حضرت معاویہؓ  
 میں تھی نہ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ میں نہ حضرت عمرو بن العاصؓ میں تھی نہ حضرت  
 ابو موسیٰ اشعریؓ میں نہ حضرت حسین ابن علیؓ میں تھی نہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ  
 یا عبداللہ ابن عمرؓ میں رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ ہاں ایک فتنہ تھا جس نے  
 ہر مرحلہ پر جب بھی مصالحت و مفاہمت کی صورت پیدا ہوتی نظر آئی اس کو تار  
 پیڑ کیا اور اس کے بجائے ایسی نازک صورت حال (CRITICAL  
 SITUATION) پیدا کر دی کہ کشت و خون ہو۔ مسلمان ایک دوسرے کی  
 گردنوں پر تلواریں چلائیں اور فتنہ اور بھڑکے اور حق کے سیلاب کے آگے بند  
 باندھا جاسکے۔ اور ع۔ ”مگر کتنا تھا کسی سے سیل رواں ہمارا“ والی صورت  
 ختم ہو سکے۔ چنانچہ کون انصاف پسند ایسا ہو گا جو نہ جانتا ہو کہ حضرت عثمانؓ ذوالنورینؓ

مظلومانہ شہادت سے لے کر کربلا کے سانحہ فاجعہ تک مسلمانوں کی آپس میں جو  
 تلخ آویزش رہی ہے اس میں درپردہ ان سبائیوں ہی کا ہاتھ تھا۔ مستند  
 تاریخ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ البتہ ان کو نگاہ حقیقت بین اور انصاف پسندی  
 کے ساتھ پڑھنا ہوگا۔ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کو فتح ہوئی۔ آنجنابؑ نے حضرت  
 اُتہ رضدلیقہ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بالکل وہی جو ایک بیٹے کو ماں کے ساتھ کرنا  
 بیٹے۔ چالیس خواتین اور حضرت صدیقہ رضی کے لشکر کے معتبر ترین لوگوں کے ہمراہ  
 سے ادب احترام کے ساتھ ان کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔ معلوم ہوا کہ نہ ذاتی دشمنی  
 نہ بغض و عناد۔ اور ادھر کیا ہوا! معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ کیا امیر یزید نے  
 امدان رسالت کی خواتین کو اپنی ٹونڈیاں بنایا؟ آخر وہ دمشق بھی گئی تھیں، لیکن  
 ہاں کیا ہوا! ان کا پورا احترام کیا گیا، ان کی دلجوئی کی گئی، ان کی خاطر مدارات  
 کی گئی۔ امیر یزید نے انتہائی تأسف کا اظہار کیا اور کہا کہ ”ابن زیاد اس حد  
 تک نہ بھی جاتا تو بھی میں اس سے راضی رہ سکتا تھا۔ کاش وہ حسینؑ کو میرے  
 بس آنے دیتا ہم خود ہی باہم کوئی فیصلہ کر لیتے۔“ لیکن کربلا میں جو کچھ ہوا وہ  
 س فتنے کی وجہ سے ہوا جو کوفیوں نے بھڑکایا تھا۔ جو اپنی دو عملی اور منافقت  
 لی پردہ پوشی کے لئے نہیں چاہتے تھے کہ معالحت و مفاہمت کی کوئی صورت  
 پیدا ہو۔ ان کو جب محسوس ہوا کہ ہماری سازش کا بھاڑا پھوٹ جلنے لگا تو  
 انہوں نے وہ صورت حال پیدا کر دی جو ایک نہایت دردناک اور الم انگیز انجام  
 پر منتج ہوئی۔

یہ سانحہ فاجعہ انتہائی افسوس ناک تھا۔ اس سے کون اختلاف کر سکتا  
 ہے! اس نے تاریخ پر جو گہرے اثر ڈالے ہیں وہ اظہر من الشمس ہیں اس کے  
 کرلوے اور کیلے پھل کا مزا اتنا چودہ سو سال سے چمکتی چلی آرہی ہے۔ ان  
 دو واقعات یعنی شہادت حضرت عثمانؓ اور شہادت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہما کی وجہ سے ہمارے درمیان افراق، انتشار اور اختلاف اور باہمی دست و  
 گرمیاں ہونے کی جو فضا چلی آرہی ہے۔ اس پر ان لوگوں کے گھروں میں گھبی کے  
 چراغ جلتے ہیں جنہوں نے اس کی بنیاد ڈالی۔ جہاں جہاں اس کے اثرات پہنچے

درحقیقت کامیابی ہوئی ہے ان کو جو دراصل ان فتنوں کی آگ کو بھروسہ کرنے والے تھے۔ اب کوئی یزید کے نام کو گالی بنائے پھرتا ہے۔ کسی نے شمر کے نام کو گالی بنایا ہوا ہے۔ کوئی عمر بن سعد کے نام کو گالی بنائے ہوئے ہے۔ یہاں تک بات پہنچی ہے کہ لوگ حضرت امیر معاویہؓ کے شان میں بھی توہین آمیز اور گستاخانہ انداز اختیار کرنے سے نہیں چوکتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے سب لوگوں کو ہدایت دے اور ہمیں ان میں شامل ہونے سے بچائے اور اپنی پناہ میں رکھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان مبارک کو ہمیشہ مد نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے کہ

”اللَّهُ فِي أَصْحَابِي لَا يَتَّخِذُ ذَاهِمًا غَرَضًا  
مَنْ بَعْدِي فَمَنْ أَحْبَبَهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ وَمَنْ  
أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ . . . .“

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ه

## بقیہ عرض احوال

کافی حضرات نے ان نشستوں میں شرکت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی تقاریب جہاں معلومات کے لحاظ سے علم کا ایک خزانہ تھیں وہاں ان کے انداز خطاب میں بلا کی تاثیر تھی۔ مولانا موصوف کی قرآن اکیڈمی میں تشریف آوری اس تربیت گاہ میں روحانی فضا کو مزید جلا عطا کرنے کا سبب بنی۔ اس تربیت گاہ میں تنظیم اسلامی لاہور کے رفقا کھملاوہ، ملک کے دوسرے شہروں سے بھی کافی تعداد میں رفقاء تنظیم اور مبصرین نے شرکت کی اور افادیت اور شرکاء کی تعداد کے لحاظ سے یہ تربیت گاہ کافی کامیاب رہی

الحمد للہ والحمدۃ -



خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ (ابن ماجہ)  
 تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔

# ڈاکٹر اسرار احمد

آج کے دروسِ قرآن اور خطابات پر مشتمل

## نشر القرآن کیسٹ سیریز

نمبر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت
۱	سیرت النبیؐ ۱۰۲ تقاریر کا سیٹ (۹۰-سی کے گیارہ کیسٹ)	۱-۱۱	۳۳۰/-
۲	نظریہ ارتقار اور قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۲	۲۰/-
۳	حقیقت انسان اور حقیقت روحِ انسانی (۶۰-سی دو کیسٹ)	۱۳-۱۴	۵۰/-
۴	نیکی کا حقیقی تصور (۹۰ سی)	۱۵	۳۰/-
۵	غلط قرآن حکیم (۹۰ سی)	۱۶	۳۰/-
۶	تاریخ امت مسلمہ (مبوقت یوم اقبال) (۶۰-سی)	۱۷	۲۵/-
۷	قرآن کا تصور حیاتِ انسانی (۶۰-سی)	۱۸	۲۵/-
۸	تنظیم کی اہمیت اسوۂ محمدیؐ کی روشنی میں (۶۰-سی)	۱۹	۲۵/-
۹	پردہ کے احکام (سورۃ احزاب کی روشنی میں) (۹۰-سی)	۲۰	۳۰/-
۱۰	اسلام کا معاشی نظام (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۱-۲۲	۵۰/-
۱۱	سیرتِ مطہرہ کا پیغام (۱۲ اربعہ الاول) (۶۰-سی ۹۰-سی)	۲۳-۲۴	۵۵/-
۱۲	تفسیر آیۃ بسم اللہ الرحمن الرحیم (۶۰-سی)	۲۵	۲۵/-
۱۳	سورۃ الفاتحہ (۶۰-سی دو کیسٹ)	۲۶-۲۷	۵۰/-

بر شمار	موضوع	کوڈ نمبر	قیمت روپے
۱۴	درس سورۃ بقرہ (پہلے دور کوغ) (۶۰-سی چارکیٹ)	۲۸-۳۱	۱۰۰/-
۱۵	خلافتِ اشدک شرمی اور تاریخی حیثیت ۹۰/۶۰ سی دوکیٹ	۳۲-۳۳	۵۵/-
۱۶	درس سورۃ الحج (آخری دوکیٹ) ۹۰ سی دوکیٹ	۳۴-۳۵	۶۰/-
۱۷	درس سورۃ بقرہ (دوسرا تیسرا دوکیٹ) ۶۰-سی چارکیٹ	۳۶-۳۹	۱۰۰/-
۱۸	شہادتِ حسین کا اصل پس منظر ۶۰-سی دوکیٹ	۴۰-۴۱	۵۰/-
۱۹	سورۃ الشوریٰ مکمل معری قرأت (۹۰-سی ساکیٹ)	۴۲-۴۸	۲۱۰/-
۲۰	سورۃ الحج (مکمل) (۹۰-سی تین کیٹ)	۴۹-۵۱	۹۰/-
۲۱	درس قرآن سورۃ صاف والجمعہ (۹۰-سی دوکیٹ)	۵۲-۵۳	۶۰/-
۲۲	سیرتِ نبویؐ کا عمل پہلو (۹۰-سی دوکیٹ)	۵۴-۵۵	۶۰/-
۲۳	سورۃ مریم (مکمل) (۹۰-سی پانچ کیٹ)	۵۶-۶۰	۱۵۰/-
۲۴	سورۃ المنافقون (۹۰-سی دوکیٹ)	۶۱-۶۲	۶۰/-
۲۵	خطابِ موقعِ تقریبِ نکاحِ مسنونہ (۶۰-سی)	۶۳	۲۵/-
۲۶	قرآن کا فلسفہ شہادت (۹۰-سی)	۶۴	۳۰/-
۲۷	خطابِ جمعہ (تاریخِ امتِ مسلمہ) (۶۰-سی)	۶۵	۲۵/-

نوٹ: قرآن حکیم کا منتخب نصاب زیر ریکارڈنگ ہے • تمام کیٹ جلیان سے درآمد شدہ استعمال کئے گئے ہیں • کاروباری حضرات مزید تفصیلات کے لئے جو ع فرمائیں • خرچہ ڈاک (رجسٹرڈ پارسل) بذمہ خریدار ہوگا • بذریعہ ڈاک لائبریرین کے لئے حضرات آرڈر کے ساتھ کوڈ نمبر کا حوالہ ضرور دیں نیز رقم پیشگی ارسال فرمائیں • بذریعہ دی۔ پی طلب فرمانے والے حضرات نصف رقم پیشگی ارسال فرمائیں

نشر القرآن، کیسٹ سیدین لاہور

نظم اسلامی ۳۶-کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور

# کربلا کی کہانی

## حضرت ابو جعفرؑ کی زبانی

از قلم :- جناب مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب

روایت کے راوی عمار دہنی نے کہا کہ میں نے محمد بن علی بن الحسینؑ عرض کیا کہ آپ مجھ سے واقعہ قتل حسینؑ ایسے انداز سے بیان فرمائیں کہ میں خود وہاں موجود تھا اور یہ سامنے ہو رہا ہے۔ اس پر حضرت محمد باقرؑ نے فرمایا، امیر معاویہؓ کے انتقال کے وقت ولید بن عتبہ بن ابی سفیان معاویہؓ کا بھتیجا یزید کا چچرا بھائی مدینہ منورہ کا گورنر تھا۔ ولید نے دستور حضرت حسینؑ کو پیغام بھیجا تا کہ ان سے نئے امیر یزید کے لیے بیعت لیں۔ حضرت حسینؑ نے جواب میں فرمایا کہ سر دست آپ سوچنے کی مہلت دیر اس بارے میں نرمی اختیار کریں۔ ولید نے ان کو مہلت دے دی۔ حضرت مہلت پا کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔

دریں اثنا وجیب کوفہ والوں کو اس کا پتہ چلا کہ حضرتؑ تو مکہ شریف پہنچے ہیں تو انہوں نے اپنے قاصد حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں روانہ کیے ان سے درخواست کی کہ آپ کوفہ تشریف لے آئیں، ہم اب آپ ہی کے ہیں۔ ہم لوگ یزید کی بیعت سے صغرف ہیں۔ ہم نے گورنر کوفہ کے پیچھے پڑھنا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت نعمان بن بشیر انصاریؓ یزید کی طرف کوفہ کے گورنر تھے۔ جب اہل کوفہ کی طرف سے اس قسم کی درخواستیں آئیں تو حضرت حسینؑ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بھیجنے کا پروگرام تاکہ وہ کوفہ جائیں اور وہاں جا کر صورت حال کا اچھی طرح جائزہ لیں۔ اہل کوفہ کے بیانات صحیح ہوئے تو خود بھی کوفہ پہنچ جائیں گے۔

## حضرت مسلم کی کوفہ کو روانگی

قرارداد کے مطابق حضرت مسلمؑ مدینہ منورہ پہنچے وہاں ۔

راستہ کی راہنمائی کے لیے دو آدمی ساتھ لیے اور کوفہ کی طرف روانہ ہو سکے۔  
 میں راستہ سے وہ لے گئے اس میں ایک الیہا لق ودق میدان آگیا جس میں  
 اپنی نہ ملنے کے سبب پیاس سے سخت دو چار ہو گئے۔ چنانچہ اسی جگہ ایک  
 رہنما انتقال کر گیا۔ اس صورت حال کے پیش آنے پر حضرت مسلم نے حضرت  
 حسینؓ کو ایک خط لکھ کر کوفہ جانے سے معذرت چاہی لیکن حضرت ممدوحؓ نے  
 معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور لکھا کہ آپ ضرور کوفہ جائیں۔ بنا بریں  
 حضرت مسلم کوفہ کی طرف چل دیئے۔ وہاں پہنچ کر ایک شخص غوثؓ نامی کے مگر  
 قیام فرمایا جب اہل کوفہ میں حضرت مسلم کی تشریف آوری کا چرچا ہوا تو وہ غنیہ  
 طور پر ان کے ہاں آئے اور ان کے ہاتھ پر حضرت حسینؓ کے لیے بیعت کرنے  
 لگے۔ چنانچہ بارہ ہزار اشخاص نے بیعت کر لی۔ دریں اثنا یزید کے ایک کاندہ  
 عبداللہ بن مسلم بن شعبہؓ حضرمی کو اس کا پتہ چلا تو اس نے ساری کارروائی کی اطلاع  
 نعمان بن بشیرؓ گورنر کوفہ کو دے دی اور ساتھ ہی کہا یا تو آپ واقعہ کمزور ہیں  
 یا کوفہ والوں نے آپ کو کمزور سمجھ رکھا ہے۔ دیکھتے نہیں کہ شہر کی صورت حال  
 مخدوش ہو رہی ہے؟ اس پر حضرت نعمان نے فرمایا کہ میری ایسی کمزوری جو  
 بر بنائے اطاعت الہی ہو وہ مجھے اس قوت و طاقت سے زیادہ پسند ہے۔  
 جو اس کی معصیت میں ہو، مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ جس امر پر اللہ تعالیٰ نے پردہ  
 ڈالے رکھا ہے خواہ مخواہ اس پردہ کو فاش کروں۔ اس پر عبداللہ مذکور نے  
 یہ سارا ماجرا یزید کو لکھ کر بھیج دیا۔ یزید نے اپنے ایک آزاد کردہ غلام سرجون  
 نامی سے اس بارے میں مشورہ لیا۔ اس نے کہا ”اگر آپ کے والد زندہ ہوتے  
 اور آپ کو کوئی مشورہ دیتے تو اسے قبول کرتے“ یزید نے کہا ضرور! سرجون نے  
 کہا تو پھر میرا مشورہ یہ ہے کہ آپ کوفہ کی گورنری عبید اللہ بن زیاد کے سپرد کریں۔  
 ادھر صورت حال ایسی تھی کہ ان دنوں یزید عبید اللہ مذکور پر ناراض تھا۔  
 اور بصرہ کی گورنری سے بھی اس کو معزول کرنا چاہتا تھا۔ مگر سرجون کے مشورے  
 پر اس نے اظہار پسندیدگی کرتے ہوئے بصرہ کے ساتھ کوفہ کی گورنری پر بھی  
 عبید اللہ بن زیاد کو نامزد کر دیا اور لکھ دیا کہ کوفہ پہنچ کر مسلم بن عقیل کو تلاش کر

اگر مل جائے تو اس کو قتل کر دو۔

## ابن زیاد کوفہ میں اور افشائے راز

اس حکم کی بنا پر عبید اللہ بصرہ کے چند سرکردہ لوگوں کے ہمراہ اس حالت میں کوفہ پہنچا کہ اس نے دحانٹا باندھ رکھا تھا تاکہ اسے کوئی پہچان نہ سکے۔ وہ اہل کوفہ کی جس مجلس سے گزرتا ان پر سلام کہتا اور وہ حضرت حسینؑ سمجھ کر وعلیک السلام یا ابی رسول اللہ اسے رسول اللہ کے بیٹے آپ پر بھی سلام سے جواب دیتے۔ اسی طرح سلام کہتا اور جواب لیتا ہوا وہ قصر امارت میں پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر اس نے ایک غلام کو تین ہزار درہم دیئے اور کہا کہ تم جا کر اس شخص کا پتہ لگاؤ جو کوفہ والوں سے بیعت لیتا ہے۔ لیکن دیکھو تم خود کو "مخلص" کا باشندہ ظاہر کرنا اور یہ کہنا کہ میں بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور یہ رقم بھی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اپنے مشن کی تکمیل میں اس کو صرف کمریں۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور بہ لطافت المیل اس شخص تک اس کی رسائی ہو گئی جو بیعت لینے کا اہتمام کرتا تھا۔ اور اس نے اپنے آنے اور امدادی رقم پیش کرنے کی سب بات کہہ ڈالی۔ اس نے کہا کہ مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ تمہیں ہدایت کا راستہ نصیب ہوا لیکن یہ محسوس کر کے دکھ بھی ہو رہا ہے کہ ہماری اسلیم ابھی پختہ نہیں ہوئی۔ تاہم وہ اس غلام کو حضرت مسلم بن عقیل کے ہاں لے گیا۔ حضرت مسلم نے اس سے بیعت بھی لے لی اور رقم بھی اس سے قبول کر لی۔ اب وہ یہاں سے نکلا اور عبید اللہ بن زیاد کے پاس سیدھا پہنچا اور سب کچھ اس کو بتلا دیا۔ ادھر حضرت مسلم عبید اللہ کی کوفہ میں آمد کے بعد عوسجہ کا گھر چھوڑ کر بانی بن عروہ مرادی کے مکان پر فروکش تھے اور حضرت حسینؑ کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ بارہ ہزار کی تعداد میں ہماری لوگوں نے بیعت کر لی ہے آپ کوفہ تشریف لے آئیں۔

اور یہاں یہ ہوا کہ جب عبید اللہ کو پتہ چل گیا کہ مسلم بانی کے مکان پر ہیں تو اس نے کوفہ کے سرکردہ لوگوں سے کہا کہ کیا بات ہے بانی میرے پاس نہیں آئے؟ اس پر حاضرین سے ایک شخص محمد بن اشعث جہذ ہمارے ہوں کے ساتھ بانی کے ہاں گئے

وہ اپنے دروازے پر موجود تھے۔ ابن اشعث نے کہا کہ گورنر صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں۔ اور آپ کے اب تک نہ حاضر ہونے کو بہت عسوس کرتے ہیں، لہذا آپ کو بلنا چاہیے۔ چنانچہ ان کے نور دینے پر ہانی ان کے ساتھ ہوئے اور وہ عبید اللہ کے پاس پہنچے اور اتفاق سے اس وقت قاضی شریح بھی ابن زیاد کے پاس موجود تھے۔ ان سے مخاطب ہو کر اس نے کہا دیکھو اس ہانی کی چال کھوٹ کی مٹھ رہی ہے۔ چراتنے میں وہ اس کے پاس آگیا تو کہا "ہانی! مسلم بن عقیل کہاں ہیں؟ اس نے کہا مجھے علم نہیں، اس پر عبید اللہ نے تین ہزار روپے والے غلام کو اس کے سامنے لے دیا، ہانی بالکل لاجواب ہو گئے، البتہ اتنا کہا کہ میں نے انہیں اپنے گھر بلایا نہیں بلکہ وہ خود میرے گھر آکر ٹھہر گئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا اچھا ان کو حاضر کرو۔ اس برس و پیش کیا تو ابن زیاد نے انکو اپنے قریب منگا کر اس کے زور سے چھڑی ماری جس سے اس کی بھوئی پھٹ گئیں۔ اس پر ہانی نے اس کے ایک محافظ سپاہی سے ملو اور چھین کر عبید اللہ پر وار کرنا چاہا لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ اس پر ابن زیاد نے یہ کہہ کر کہ اب تمہارا خون حلال ہے قصر امارت کے ایک حصے میں اس کو قید میں ڈال دیا۔

اس واقعہ کی اطلاع ہانی کے قید مذبح کو ہوئی تو انہوں نے قصر امارت پر یلغار بول دی۔ عبید اللہ نے شور مٹا اور پوچھا تو کہا گیا ہانی کا قبیلہ ان کو چھڑانے کے لیے جڑا ہوا ہے۔ اس نے قاضی شریح کے ذریعے ان کو کہلایا کہ ہانی کو مسلم بن عقیل کا بتہ کرنے اور بعض باتوں کی تحقیق کے لیے روک لیا گیا ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں۔ لیکن ساتھ ہی قاضی شریح پر بھی ایک غلام کو لگا دیا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ وہ لوگوں سے کیا کہتے ہیں؛ قاضی شریح لوگوں کی طرف جاتے ہوئے ہانی کے پاس سے گزرے تو اس نے قاضی صاحب سے کہا کہ میرے بارے میں اللہ سے ڈرنا، ابن زیاد میرے قتل کے درپے ہے۔ تاہم قاضی شریح نے ہجوم کو اپنی زیاد والی بات کہہ کر مطمئن کر دیا، اور لوگ بھی یہ سمجھ کر مطمئن ہو گئے کہ ہانی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حضرت مسلم کو جب ہنگامہ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ

کہذ میں اعلان کرادیا جس کے نتیجہ میں چالیس ہزار لوگ ان کے پاس جمع ہو گئے۔  
 ان کو باقاعدہ انہوں نے ایک فوجی دستہ کی شکل دے دی جس کا مقدمۃ الجیش  
 نہ اور میسرہ وغیرہ بھی کچھ تھا۔ خود حضرت مسلم بن عقیل اس کے قلب میں ہو گئے  
 اس طرح چالیس ہزار کا یہ لشکر جرار قصر امارت کی طرف روانہ ہو گیا۔ عبید اللہ کو  
 اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے امالیان اہل کوفہ کو اپنے قصر میں بلایا۔ جب یہ  
 اسے قصر امارت تک پہنچ گیا تو سرداران کوفہ نے اپنے اپنے قبیلے کو دیواروں کے  
 پر سے گفتگو کر کے سمجھانا شروع کیا۔ اب تو مسلم کی فوج کے آدمی کھسکنے شروع  
 ہوئے اور ہوتے ہوتے شام تک صرف پانچ سو رہ گئے۔ حتیٰ کہ رات کا اندھیرا  
 ہو گیا۔ وہ بھی چل دیئے۔ جب حضرت مسلم نے دیکھا کہ وہ تنہا رہ گئے ہیں تو وہ بھی  
 ہاں سے چل پڑے۔ راستہ میں ایک مکان کے دروازہ پر پہنچے تو ایک خاتون اندر  
 سے آپ کی طرف نکل تو آپ نے اس کو پانی پلانے کے لیے کہا تو اس نے پانی تو  
 لایا لیکن اندر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد پھر باہر آئی تو آپ کو دروازے پر  
 دیکھ کر اس نے کہا اے اللہ کے بندے! آپ کا اس طرح بیٹھنا مشکوک ہے یہاں  
 پہلے جائیں۔ آپ نے کہا میں مسلم بن عقیل ہوں، کیا تم مجھے پناہ دو گی۔ اس نے کہا  
 ہاں آجائے۔ آپ اندر چلے گئے۔ لیکن کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس عورت کے لڑکے نے  
 عد بن اشعث مذکور کو اطلاع دے دی جس نے فوراً عبید اللہ تک خبر پہنچائی۔  
 اس نے اس کے ہمراہ پولیس کو روانہ کر دیا اور ان کو مسلم کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔  
 پولیس نے جا کر مکان کا محاصرہ کر لیا جب کہ مسلم کو خبر تک نہ ہو سکی تھی۔ اب خود کو انہوں  
 نے محصور پایا تو تلوار سونت کر نکل آئے اور پولیس مقابلہ کی عثمان بن اشعث  
 نے ان کو روک کر کہا کہ میں ذمہ دار ہوں آپ محفوظ رہیں گے۔ پس وہ حضرت مسلم  
 و ابن زیاد کے پاس پکڑ کر لے گئے۔ چنانچہ ابن زیاد کے حکم سے قصر امارت کی چھت  
 پر سے جا کر قتل کر دیا گیا رانا اللہ وانا الیہ راجعون اور ان کی لاش بازار میں لوگوں  
 کے سامنے پھینک دی گئی۔ نیز اس کے حکم سے ہانی کو کورے کرکٹ کی جگہ تک گھسیٹتے ہوئے  
 لے جا کر سولی دے دی گئی اور دھرتو کو نہ میں یہ تک ہو گیا تھا اور

## حضرت حسینؑ کی کوفہ روانگی

ادھر حضرت مسلم چونکہ خط لکھ چکے تھے کہ بارہ ہزار اہل کوفہ نے بیعت کر لی ہے حضرت حسینؑ جلد از جلد تشریف لے آئیں۔ حضرت حسینؑ مکہ شریف سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تا آنکہ آپ قادسیہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھے کہ حرب بن یزید قمی حضرت حسینؑ کے قافلہ کو ملا۔ اس نے کہا کہاں تشریف لے جا رہے ہو آپ نے فرمایا کوفہ، اس نے کہا کہ وہاں تو کسی خیر کی توقع نہیں آپ کو یہاں سے ہی واپس ہو جانا چاہیئے۔ پھر کوفیوں کی بے وفائی اور حضرت مسلم کے قتل کی پوری روداد آپ کو سنائی۔

سارا قصہ سن کر حضرت حسینؑ نے تو واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن مسلم کے جانیوں نے یہ کہہ کر واپس جانے سے انکار کر دیا کہ ہم مسلم کا بدلہ لیں گے یا خود بھی مارے جائیں گے۔ اس پر حضرت حسینؑ نے فرمایا تمہارے بغیر میں جی کر کیا کروں گا۔ اب وہ سب کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آپ کو ابن زیاد کی فوج کا ہراول دستہ نظر آیا تو آپ نے ”کر بلا“ کا رخ کر لیا۔ اور وہاں جا کر ایسی جگہ پڑاؤ ڈالا جہاں ایک ہی طرف سے جنگ کی جاسکتی تھی۔ چنانچہ خیمے نصب کر لیے۔ اس وقت آپ کے ساتھ بنتا لیں؟ سوار اور تنو کے قریب پیدل تھے۔

دریں اثنا عبید اللہ نے عمرو بن سعد کو جو کوفہ کا گورنر تھا بلایا اور اس سے کہا کہ اس شخص کے معاملے میں میری مدد کریں اس نے کہا مجھے تو صاف ہی رکھیے، ابن زیاد نہ مانا۔ اس پر عمرو بن سعد نے کہا پھر ایک شب سوچنے کی مہلت کوڑے دیجئے اس نے کہا ٹھیک ہے سوچ لو۔ ابن سعد نے رات بھر سوچنے کے بعد آمادگی کی اطلاع دے دی۔

اب عمرو بن سعد حضرت حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے اس کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ دیکھو تین باکوں میں سے ایک بات منظور کر لو (۱) یا تو مجھے کسی اسلامی سرمد پر چلے جانے دو (۲) یا مجھے موقع دو کہ میں براہ راست یزید کے پاس پہنچ جاؤں (۳) اور یا پھر یہ کہ جہاں سے آیا ہوں وہیں واپس چلا جاؤں۔

ابن سعد نے یہ تجویز خود منظور کر کے ابن زیاد کو بھیج دی۔ اس نے لکھا میں



یہ منظور نہیں ہے (میں ایک ہی بات ہوں کہ) حسینؑ (یزید کے لیے) میری بیعت کریں۔ ابن اسعد نے یہی بات حضرت حسینؑ تک پہنچا دی۔ انہوں نے فرمایا ایسا نہیں ہو سکتا۔ اس پر آپس میں لڑائی چھڑ گئی اور حضرت کے سب ساتھی (مظلومان) شہید ہو گئے جن میں دس سے کچھ اور نوجوان ان کے گھر کے تھے۔ اسی اثنائے میں ایک تیر آیا جو حضرت کے ایک چھوٹے بچے کو لگا جو گود میں تھا۔ آپ اس سے خون پونچھ رہے تھے اور فرما رہے تھے ”اے اللہ! ہمارے اور ایسے لوگوں کے بارے میں فیصلہ فرما۔ جنہوں نے پہلے یہ لکھ کر ہمیں بلایا ہے کہ ہم آپ کی مدد کریں گے۔ پھر اب وہی ہیں قتل کر رہے ہیں۔“ اس کے بعد خود تلوار ہاتھ میں لی، مردانہ وار مقابلہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے! رضی اللہ عنہ، اور یہ شخص جس کے ہاتھ سے حسینؑ شہید ہوئے قبیلہ مذحج کا آدمی تھا، اگرچہ اس بارے میں دوسرے اقوال بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مذحج ہانی کا وہی قبیلہ تھا، جس نے قمر امارت پر چڑھائی کر دی تھی۔ یہ شخص حضرت کا سرتن سے جدا کر کے ابن زیاد کے پاس لے گیا۔ اس نے اس شخص کو آپ کا سر مبارک دے کر یزید کے پاس بھیج دیا۔ جہاں جا کر یزید کے سامنے رکھ دیا گیا۔ لادھرا بن سعد بھی حضرت کے گھر دار کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا اور ان کا صرف ایک لڑکا بچا رہ گیا تھا اور وہ بچہ علی بن الحسین زین العابدین تھے اہدویت کے راوی ابو جعفر، الباقتر کے والد تھے۔ یہ عورتوں کے ساتھ اور بیمار تھے۔ ابن زیاد نے حکم دیا، اس بچے کو بھی قتل کر دیا جائے۔ اس پر ان کی بھوپھی زینب بنت علیؑ اس کے ادھر گر پڑیں، اور فرمایا کہ جب تک میں قتل نہ ہو جاؤں گی اس بچے کو قتل نہ ہونے دوں گی۔ اس صورت حال کے نتیجے میں ابن زیاد نے اپنا یہ حکم واپس لے لیا اور بعد اسی جنگ کو یزید کے پاس بھیج دیا۔

جب حضرت حسینؑ کے بچے کچھ یہ افراد خانہ یزید کے دربار میں پہنچے تو چند درباریوں نے حسب دستور یزید تمہنیت فتح پیش کی۔ ان میں سے ایک شخص نے یہاں تک جہارت کر ڈالی کہ ایک لڑکی کی طرف اشارہ کر کے کہا، ”امیر المومنین! یہ مجھے دے دیجئے۔“ یہ سن کر حضرت زینب بنت علیؑ نے کہا بخدا! یہ نہیں ہو سکتا، بجز اس

# نشر القرآن

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ۲ نشری تقاریر

(سُورَةُ هُودِ آيَات ۱-۱۱۶ تا ۱۲۳)

(۱)

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مُحَمَّدٌ وَنُصِّلَى عَلٰی رَسُوْلٍ الْکَرِیْمِ  
وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ  
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَآ يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ  
اِلَّا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَاِذْ اِلٰکَ خَلَقَهُمْ وَوَعْدَتْ کَلِمَةً  
رَّبُّكَ لَآ مَلٰئِکَۃَ جَهَنَّمَ مِمِّنَ الْجَنَّةِ وَاَلنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝

سورہ ہود کی آیات ۱۱۶ تا ۱۱۹ کا ترجمہ یہ ہے -

”تو افسوس کہ نہ ہوئے تم سے پہلے کی امتوں میں صاحب خیر و شعور لوگ جو زمین میں فساد برپا کرنے سے روکتے ہیں سوائے تھوڑے سے لوگوں کے جنہیں اُن میں سے ہم نے بچا لیا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تو وہ اُسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جس کا ساز و سامان انہیں فراوانی کے ساتھ دیدیا گیا تھا اور مجرم تو وہ تھے ہی! اور تیرا رب ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کی پاداش میں ہلاک کر دے وراں حالیکہ ان کے باسی اصلاح کے لئے کوشاں ہوں۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طریقے پر عامل بنا دیتا (لیکن اس نے یہ جبر نہیں کیا، تو وہ اختلاف تو کرتے ہی رہیں گے۔ سوائے ان کے جن پر تیرے رب کی رحمت ہو، اور اسی لئے تو اُس نے ان کو پیدا فرمایا تھا اور (اس طرح) تیرے رب کی وہ بات پوری ہو کر رہی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر کر رہوں گا! ترجمہ ختم ہوا۔“

قرآن حکیم کی دوسری متحدہ ملکی سورتوں کی طرح سورۃ ہود میں بھی عرب اور اس کے گرد و نواح کی ان چھ اقوام کی ہلاکت کا ذکر آیا ہے جن کی جانب اولوالعزم رسول بھیجے گئے لیکن انہوں نے ان کی دعوت اصلاح پر کان نہ دھری اور کفر و اعراض کی روش پر اصرار کیا۔ یعنی قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط، قوم ثعیب اور اٰل فرعون اس پر ایک سلیم الفطرت انسان کے ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کیا معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ کوئی اذیت پسند (SADIST) ہستی ہے جسے ہلاکت اور بربادی و تباہی سے خوشی حاصل ہوتی ہے؟۔ یا یہ لوگوں کے اپنے طرز عمل کا نتیجہ اور ان کے اپنے جرائم کی سزا تھی؟ اور اگر ایسا ہی ہے تو کیا واقعی نیکی یا بدی کی راہ اختیار کرنا انسان کے اپنے اختیار میں ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سب کو ایک ہی راہ صواب پر ڈال سکتا تھا؟ اور اگر اُس نے نیکی اور بدی کا اختیار انسان کو دیا ہے تو پھر اس ضمن میں وہ کونسی حد ہے کہ جس تک کوئی انسانی معاشرہ پہنچ جائے تو اسے مزید مہلت نہیں ملتی اور اسے عذاب استیصال یا عذاب ہلاکت کا نوالہ بنا دیا جاتا ہے؟؟۔

چنانچہ ان ہی سوالات کے جوابات ہیں جو سورہ کے آخر میں آیات ۱۱۶ تا ۱۱۹ میں دیئے گئے ہیں: قرآن حکیم میں ترتیب بیان اس فطری و منطقی اعتبار سے ہے کہ اقوام معذبہ کے ذکر کے فوراً بعد اس سوال کا جواب دیا گیا کہ یہ اس انجام سے کیوں دوچار ہوئیں اور پھر اصولی بحث کو چھیڑا گیا۔ لیکن ہم اگر بفرمان تفہیم عکسی ترتیب اختیار کریں تو بہتر رہے گا۔ چنانچہ آیت ۱۱۸ میں ارشاد ہوتا ہے:- **وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلُوا آتَةً وَاحِدَةً**، یعنی ”اگر تیرا رب چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی راہ پر مستقیم کر دیتا اور ظاہر ہے کہ یہ راہ نیکی اور خیر ہی کی ہوتی۔ اللہ کو یقیناً اس کی قدرت حاصل ہے اگر وہ جبر کے ذریعے لوگوں کو سیدھی راہ پر ڈالنا چاہتا تو نہ کوئی گمراہ ہو سکتا تھا نہ کجرواد اور نہ کسی کفر کا امکان رہتا نہ شرک کا۔ نہ نبیوں کی ضرورت رہتی نہ رسولوں کی اور نہ کسی عذاب و نیوی کا سوال رہتا نہ کسی سزائے اخروی کا!۔ لیکن اللہ نے ایسا نہ چاہا۔ اس کی حکمت تخلیق بالکل دوسری ہے اُس نے جنوں اور انسانوں کو اختیار اور ارادے کی آزادی بخشی ہے کہ سورہ دھر میں

دارد شدہ الفاظ ”إِمَّا مَشَاكِرًا وَإِمَّا كُفُورًا“ کی رُو سے لشکر کی روش اختیار کریں یا کفرانِ نعمت کی اور سورہ کہت میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ ”فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ“ کی رُو سے جو چاہے ایمان کی راہ اختیار کرے اور جو چاہے کفر کی روش اختیار کر لے۔ اس کا لازمی اور منطقی نتیجہ وہ ہے جو آیاتِ زیرِ درس میں ان الفاظ میں بیان ہوا کہ: ”وَلَا يَنْالُ الْوَنَ مُخْتَلِفِينَ“ وہ لازماً اختلاف کرتے رہیں گے۔ اُن میں سے وہ بھی ہوں گے جو اپنے ارادہ و اختیار سے نیکی کی راہ کا انتخاب کریں گے اور اس میں اتنے اُگے بڑھیں گے کہ فرشتوں کو بھیچے چھوڑ جائیں گے، جو سرکشی اور قُتُور اور شیطنت کی راہ میں ایسے بگٹٹ دوڑیں گے کہ خود شیطان پناہ مانگے گا اور وہ بھی ہوں گے جو کچھ بین بین یا کبھی اُدھر کبھی اُدھر کی روش پر گامزن رہیں گے۔ جیسے کہ فرمایا سورہ فاطر میں ”فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ“ یعنی ”کچھ ان میں سے ظلم دھانے والے ہیں خود اپنے اوپر اور کچھ ہیں مبادرو، اور کچھ ہیں نیکیوں میں سبقت لے جانے والے اللہ کی توفیق سے!“ آپ زیرِ درس ہیں۔ ”الَا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ“ یعنی ”سو ان کے جن پر میرے رب کی رحمت ہو جائے“ کے الفاظ میں اشارہ ہے اسی حقیقت کی جانب کہ اس ارادہ و اختیار کے صحیح رُخ پر استعمال ہونے میں بہت بڑا دخل اللہ کی فضل و کرم اور اس کی تائید و توفیق کو حاصل ہے۔ اس کے بعد جو الفاظ وارد ہوئے ہیں یعنی: ”وَلِذَا إِلَٰكَ خَلَقَهُمْ“ اور اسی کے لئے اُن کو پیدا کیا ہے، تو ان کا ظاہر و باہر مفہوم تو یہی ہے کہ یہ اختلافِ نیک و بد اور سعید و شقی اللہ تعالیٰ کی حکمتِ تخلیق کا لازمی نتیجہ ہے۔ لیکن ”الَا مَن رَّحِمَ رَبُّكَ“ کے ساتھ بالکل متقلد واقع ہونے سے ان میں ایک اشارہ محسوس ہوتا ہے۔ اس جانب بھی کہ تخلیق کائنات میں اللہ تعالیٰ کی اصل شان جس کا ظہور مطلوب ہے شانِ رحمت ہی ہے۔ بقول شاعر:۔

من کردم خلق تا سوئے کنم      ملکہ کردم خلق تا جوئے کنم!  
”یعنی میں نے یہ تخلیق اپنے کسی فائدے کے لئے نہیں کی ہے بلکہ اس لئے

لی ہے کہ میرے رحم و کرم اور جو دوسخا کا ظہور ہو سکے! یہی سزا اور عقوبت  
 در عذابِ دنیوی و آخری تو وہ تو در اہل ”تَعْمُرَتْ اِلَا شِیْءًا بِاصْدَادِہَا“  
 کے مصداق شانِ رحیمی و غفاری ہی کے مزید واضح اور جاگرمہنے کا ذریعہ  
 ہیں۔ واللہ اعلم!! - واضح رہے کہ اس مسئلے کا ایک ربط آیات نمبر ۱۸  
 تا نمبر ۲۸ میں جنت اور دوزخ کی ابدیت کے ضمن میں وارد شدہ لطیف سے  
 فرق سے بھی ہے جس پر گفتگو اس سے قبل ہو چکی ہے۔ آیت ۱۹ کے آخری ٹکڑے  
 میں ارادہ و اختیار کی اس آزادی کا ایک ناگزیر نتیجہ جو نکل کر رہے گا اُس کا  
 ذکر تہدیدِ آمیز انداز میں کر دیا گیا کہ تیرے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی۔  
 کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سے پُر کر کے ہوں گا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قول قرآن مجید  
 میں متعدد مقامات پر ذرا سے لفظی اختلاف کے ساتھ ابلیس بعین کے اس دعوے  
 کے جواب میں وارد ہوا ہے کہ میں نسلِ آدم کی عظیم اکثریت کو گمراہ کر کے دکھا  
 دوں گا۔

اب آئیے دوسرے سوال کی جانب کہ کسی بستی یا کسی قوم پر عذابِ اتصال  
 یا عذابِ ہلاکت آنے کا قاعدہ کلیہ کیا ہے؟ اولوہ کونسی حد ہے جس کو پہنچ جانے  
 کے بعد مزید مہلت نہیں ملتی اور قصہ پاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کا جواب آیت  
 ۱۱ میں وارد ہوا کہ: ”وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُھْلِكَ الْقُرْیٰ بِظُلْمٍ  
 وَاَھْلُہَا مُصْلِحُونَ“ یعنی ”تیرا رب ایسا نہیں ہے کہ بڑے بڑے ظلم پر  
 بھی کسی بستی کو تباہ کر دے جبکہ اُس کے باشندے اصلاح کے لئے بھی کوشاں  
 ہوں۔“ یہاں ظلم کی تنگیِ تضخیم کے لئے ہے۔ انفرادی سطح پر کئے گئے بڑے  
 سے بڑے کفر و ظلم پر بھی اللہ تعالیٰ اجتماعی ہلاکت کا حکم صادر نہیں فرماتا جب تک  
 کہ معتد بہ لوگ اصلاح کے لئے بھی سرگرم عمل ہوں۔ البتہ جب یہ صورت بھی  
 نہ رہے اور بگاڑ اتنا ہمہ گیر ہو جائے کہ اصلاح کی کوشش کرنے والے آٹے میں  
 نمک بن کر رہ جائیں تو پھر قانونِ خداوندی کے تحت عمومی ہلاکت و بربادی کا  
 حکم صادر ہو جاتا ہے اور اس سے صرف وہی محدودے چند لوگ مستثنیٰ  
 ہوتے ہیں جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر بالفعل کاربند ہوں اور اصلاح  
 کے لئے آخری دم تک سر توڑ کوشش کرتے رہیں کچھ اسی معنوں کو علامہ اقبالؒ

نے اس شعر میں ادا کرنے کی سعیِ بیخ کی ہے کہ

”فطرت افراد سے انما من بھی کر لیتی ہے نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف“

اب آئیے آیت مسئلہ کی جانب تواس میں وضاحت فرمائی گئی ہے کہ

وہ چھ اقوام معذرت اللہ تعالیٰ کے اسی قانونِ عذابِ عمومی کی زد میں آکر ہلاک ہوئیں

فَلَوْ لَا كَانَتْ مِنَ الْقَرُونِ مِنْ قَبْلِكَ أُولُوا بَقِيَّةِ تَنْهَوْنَ

عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ — تو

افسوس کہ تم سے پہلے کی ان قوموں میں نہ رہے وہ اصحابِ خیر دارِ بابِ عقل و

دانش جو لوگوں کو روکتے (لوگوں کو) زمین میں فساد مچانے سے سولے نہایت

قدرِ قلیل کے جن کو ہم نے اُن میں سے بچا لیا!“ اور لو بقیہ“ عربی

محاورے میں کہتے ہیں ان کو جو صاحبِ عقل و دانش بھی ہوں اور صاحب

بردخیر بھی۔ اور ”قلیل“ عربی میں *عالمات* کا مفہوم بھی دیتا ہے اور

*عالمات* کا بھی اور یہاں اسی موخر الذکر مفہوم میں وارد ہوا ہے۔

مراد یہ کہ ان اقوام میں اخلاقی پستی اور تمدنی زوال و فساد کا معاملہ اُس

آخری حد تک پہنچ چکا تھا کہ اُن میں اُن اصحابِ فہم و شعور اور داعیانِ خیر و

صلاح کی تعداد آٹے میں نمک سے بھی کم ہو کر رہ گئی تھی۔ نتیجہ“ وہ کیفیت پیدا ہو

چکی تھی جس کا نقشہ کھینچا ہے اقبال نے اس شعر میں کہ

”ولے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زباں جاتلا“

نتیجہ“ عذابِ الہی کا حکم صادر ہو گیا اور پوری قوم ہلاک کر دی گئی سولے اُن کے

جو آخری دم تک اصلاح کے لئے کوشاں اور سرگرم عمل رہے تھے۔ واضح

رہے کہ اسی کی ایک مثال سورۃ اعراف میں اصحابِ مہبت کے ضمن میں بھی آئی

ہے! قوموں کے اس عمومی فساد اور بگاڑ کے اہم عامل کی جانب بھی اشارہ ہو

گیا کہ اس کا اصل سبب اصحابِ دولت و ثروت اور اربابِ ناز و نعم بنتے ہیں

جن کے پاس لذتِ کوشیوں اور عیشیوں کا ساز و سامان فراوانی سے ہوتا ہے

اور ان ہی میں مگن رہتے ہیں۔ چنانچہ یہی وہ اصل مجرم ہوتے ہیں جن کے اثرات

بد پورے معاشرے پر اکاسِ ہیل کی طرح چھا جاتے ہیں اور پوری پوری قوموں کو

لے ڈوبتے ہیں۔ اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ۔ اللہ تعالیٰ اس انجامِ بد سے

ہیں اپنی حفاظت اور پناہ میں رکھے۔ آمین  
 وَأُخِرْ عَوَانَا لِمَا لَكَ الْحَمْدُ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ -  
 (۲)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم  
 اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم  
 وَكَلَّا نَقْصُصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَ  
 جَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۝  
 قُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اِعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ۝  
 اِنْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۝ وَاللَّهُ غِيبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ  
 وَالْيَبْرِ يُرْجِعُ الْأَمْرَ كُلَّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ  
 بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝ سُوْرَةُ هُوْدِ كِی آیَات ۱۲۰ تا ۱۲۳ یعنی آخری  
 چار آیات کا ترجمہ یہ ہے -

”اور (اے نبی!) رسولوں کے یہ تمام اہم واقعات ہم آپ کو سنارہے  
 ہیں جن سے آپ کے دل کو تقویت دیں اور ان میں اگیا ہے آپ کے پاس  
 پورا حق اور اہل ایمان کے لئے نصیحت اور یاد دہانی۔ تو کہہ دو ان سے جو ایمان  
 نہیں لارہے کہ کوشش کئے جاؤ تم اپنے ڈھب پر، ہم بھی کوشش کئے جائیں گے۔  
 اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں گے، اود آسمانوں اور زمین کا عیب تو  
 اللہ ہی کے پاس ہے۔ کل معاملہ اُسی کی جانب لوٹا یا جائے گا۔ پس (اے نبی!)  
 آپ اُسی کی پرستش کریں اور اسی پر بھروسہ رکھیں اور آپ کا رب غافل نہیں  
 ہے اُس سے کہ جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو،“ ترجمہ ختم ہوا۔ ان آیات مبارکہ  
 پر وہ سورۃ ہود ختم ہو رہی ہے جس کے بارے میں آنکھنور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ  
 قول مبارک نقل ہوا ہے کہ ”شَیْبَتْنِیْ هُوْدٌ وَاُخْوَا شَہَا“ یعنی ”مجھے سورۃ  
 ہود اور اس کی ہم معنوں سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے!“ اس لئے کہ ان میں  
 عرب اور اس کے گرد و نواح کی چھ معذب اقسام کا ذکر اس طور سے آیا ہے کہ محسوس  
 ہوتا ہے کہ شاید اب ایک بار پھر تاریخ اپنے آپ کو دوہرانے پر تلی کھڑی ہے اور  
 سورۃ شوریٰ میں وارد شدہ الفاظ ”لَتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا“

کے مطابق ام القرنی یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے گرد و نواح کے باشندوں کے حق میں اللہ کے عذاب استعمال کا حکم صادر ہوا ہی پاتا ہے۔

خاتمہ کلام کی ان آیات مبارکہ میں : اَوَّلَ رُسُلُوں کے حالات و واقعات سنانے کی اصل غرض و غایت بیان کی گئی : ”كَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَنْتَبِهُ بِهَا فَاُولَٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَشَرِ“ کی طرح ”نَقْصُ“ کے لفظی معنی بھی پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں، پڑھنے اور بیان کرنے دونوں میں انسان کسی عبارت یا حالات واقعہ کی گویا پوری طرح پیروی کرتا ہے اسی لئے یہ الفاظ پڑھنے اور بیان کرنے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ ”انباء“ جمع ہے ”نبأ“ کی جس کے معنی میں اہم خبر۔ یا بڑا واقعہ۔ انبیاء کے احوال و وقائع کے ضمن میں عام طور پر لفظ قِصَص استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قِصَصُ الْاَنْبِيَاءِ یا قِصَصُ الْبَنِيّين جبکہ رسولوں کے حالات و واقعات کے لئے یہاں لفظ اَنْبِيَاءِ آیا ہے۔ در یہ بہت معنی خیز ہے۔ اس لئے کہ نبیوں کو رد کرنے کی صورت میں قومیں ہلاک نہیں کی گئیں۔ جبکہ رسولوں کے باب میں سنت اللہ یہی ہے کہ اگر قوم اُن کی دعوت سے انکار و اعراض پر اڑ جائے تو وہ لازماً ہلاک کر دی جاتی ہے۔ اور کسی قوم کا نیست و نابود ہو کر رہ جانا یقیناً ایک بڑی خبر اور اہم واقعہ ہے۔ تو فرمایا کہ : ”وَاَنْ تَمَامَ رُسُلُوں کے اہم اور عظیم واقعات ہم آپ کو اس لئے سنا رہے کہ آپ کے دل کو تقویت حاصل ہوا۔ آپ کے ساتھیوں کی ڈھارس بندھے۔ اس لئے کہ ان سب کا حاصل اور لب لباب یہی ہے کہ حق و باطل کی اس کشمکش میں خرمی فتح رسولوں اور ان کے ساتھیوں ہی کو حاصل ہوتی ہے اور منکرین و مخالفین بالآخر ہلاک اور نیست و نابود ہو کر رہتے ہیں جیسے کہ ارشاد ہوا سورہ بنی اسرائیل میں ”وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَذَهَبَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ذَهُوًّا“۔ ”کہہ دو کہ حق آگیا اور باطل ڈھ گیا اور باطل تو ہے ہی (بالآخر) ڈھ جائے گی چیز!“ یا جیسے فرمایا سورہ صافات میں : ”وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا اَنْهُمْ سَالِكُونَ“ ”یعنی ہمارے ان بندوں کے حق میں جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا ہمارا یہ فیصلہ پہلے ہی ثبت ہو چکا ہے کہ اُن کی مدد لازماً کی جائے گی اور بالآخر



ہمارا لشکر ہی غالب آکر رہے گا! " اب ظاہر ہے کہ اس یقین و ہمتی سے بڑھ کر رحول اور اس کے ساتھیوں کے دلوں کو ثبات عطا کرنے والی بات اور کونسی ہو سکتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی بھی اللہ کی نصرت و تائید اور اُس کی جانب سے تثبیت قلبی کا محتاج ہوتا ہے۔ آگے فرمایا: "وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِّمَنِ لِلْمُؤْمِنِينَ" یعنی "ان راہبیاں (الرسول) میں آپ کے پاس کامل حق بھی آگیا ہے۔ اور اہل ایمان کے لئے بڑی نصیحت و موعظت بھی اور موثر یاد دہانی بھی"۔ "الحق" کو معرّفہ لا کر گویا واضح کر دیا کہ یہ سب سرتاسر حق ہے، یعنی ماضی کے اعتبار سے واقعی اور حقیقی بھی ہے اور مستقبل کے اعتبار سے قطعی اور حتمی اور لامحالہ شدنی بھی ہے۔ "موعظہ" کی تکثیر تعظیم پر دلالت کر رہی ہے یعنی وہ نصیحت جو بہت عظیم اور وقع ہے اور وہ یاد دہانی جو نہایت اثر انگیز و دلپذیر ہے۔ فَلْتَلِيهِ الْحَمْدُ وَالْمُنْتَآ آیات ۱۲۱ و ۱۲۲ میں کافروں اور منکروں اور مخالفوں اور معاندوں کو چیلنج کیا جا رہا ہے کہ تم بھی اپنی سی کر دیکھو ہم بھی اپنی سی محنت کئے جا رہے ہیں، پھر تم بھی حکم خداوندی کا انتظار کرو۔ ہم بھی اس کے منتظر ہیں: "وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَحْمَسُوا عَلٰی مَا كَانْتُمْ تَعْمَلُونَ اِنَّا عَمِلُونَ ه وَاِنْتَظَرْنَا اِنَّا مَمْنُوتُظَرُّونَ"۔ "عمل" اور "فعل" میں یہ فرق ہے کہ فعل کسی بھی کام کو کہہ دیا جائے گا خواہ بلا ارادہ ہو خواہ بلا ارادہ۔ اور خواہ مشقت طلب ہو یا آسان جبکہ "عمل" وہ کوشش ہے جو بالارادہ کی جائے اور اس کے نتیجے میں محنت و مشقت لاحق ہو۔ اس طرح گویا اس میں اسی اعتماد کی بنا پر جو پہلی آیت میں ظاہر ہو رہا ہے۔ کہ بالآخر فتح اہل ایمان ہی کی ہوگی کفار و مشرکین کو کھلا چیلنج دیا جا رہا ہے کہ تم سے جو بن آئے کر گذرو۔ اور پورا بیڑی چوٹی کا زور لگا کر حق کا راستہ روکنے کی کوشش کر دیکھو مبادا تمہارے دلوں میں کوئی حسرت رہ جائے۔ یہ بالکل وہی انداز ہے جو سورہ ہود سے ماقبل کی سورت یعنی سورہ یونس میں منقول حضرت نوح کے قول میں وارد ہوا ہے کہ:۔ یَقُومِرَ اِنْ كَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَقَامِی و تَذْکِرِیْ بِآیَاتِ اللّٰهِ فَعَلٰی

اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمَعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ شِرْكًا يَكُنْ  
 أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُونَ ۝ یعنی،  
 ”اے میری قوم کے لوگو! اگر تم پر میرا قیام اور اللہ کی آیات کے ذریعے تذکیر و  
 نصیحت کا کام بہت شاق گذر رہا ہے تو میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر لیا ہے۔  
 اب تم مجھے مزید کوئی مہلت عطا کئے بغیر اپنا معاملہ اور اپنے مزموم شرکاء  
 کی قوت سب جمع کر کے میرا جو فیصلہ چکا سکتے ہو چکا دو اور اس میں ہرگز  
 کسی ہچکچاہٹ سے کام نہ لو!“ — رسولوں کی جانب سے یہ انداز مخاطب  
 ظاہر ہے کہ آغاز دعوت میں نہیں ہوتا بلکہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ قوم پر  
 اتمام حجت ہو چکا ہوتا ہے اور اب اعلانِ برأت کا وقت ہوتا ہے ان  
 آیاتِ مبارکہ میں ”إِنَّا عَمِلُونَ“ اور ”إِنَّا نَنْظُرُونَ“ میں جمع متکلم  
 کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جبکہ آغاز میں فعل امر واحد کے صیغے سے آیا ہے  
 اس میں اشارہ ہے کہ وقت ہے کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھ  
 اہل ایمان درحقیقت ایک ہی حقیقت واحدہ ہوتے ہیں جیسے کہ فرمایا  
 سورۃ فتح کے آخر میں ”مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ  
 عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ“ فصلی اللہ علیہ وسلم۔ ورضی اللہ تعالیٰ  
 عنہم اجمعین۔

آخری آیت جامع ترین خاتمہ کلام ہے :- وَاللَّهُ غِيبُ السَّمَوَاتِ  
 وَالْأَرْضِ ۝ یعنی ”اللہ ہی کا ہے غیب آسمانوں اور زمین کا“ اللہ میں لام  
 لام تمیز ہے۔ یعنی اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اُسی کے قبضہ قدرت میں  
 ہے کل کا کل غیب خواہ آسمانوں کا ہو خواہ زمین کا۔ اس میں علم اور قدرت  
 دونوں کی جانب اشارہ ہے۔ یعنی یہ کہ پردہ غیب کے جو کچھ ظہور میں آنے والا  
 ہے اس کا حتمی اور قطعی علم بھی صرف اللہ ہی کے پاس ہے اور اس کا کل  
 کل اختیار بھی اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔ ”وَالْيَسِيرُ يُرْجَعُ إِلَى الْفُسْ  
 كَلَةٍ“ ”اور کل کا کل معاملہ (آخری فیصلہ کے لئے) لازماً اسی کی جانب  
 لوٹایا جائے گا۔“ یعنی ہر معاملہ ظہور میں آنے سے قبل علم خداوندی میں ہے،

اُس کا ظہور میں آیا بھی کلمۃ اُسی کے اِذن و مشیت سے ہے اور پھر وہ اُسی کی جانب لوٹا بھی دیا جاتے گا۔ ان حقائق کے منکشف ہو جانے کا تقاضا وہ ہے جو بعد میں بیان ہوا یعنی :- ”فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ“ یعنی : ”پس اسی کی بندگی اور پرستش کرو۔ اور اسی پر توکل و اعتماد رکھو۔“ واضح رہے کہ یہ انسانی زندگی کے عمل اعتبار سے دُورِخ ہیں۔ یعنی ایک جانب اُس کے اعضاء و جوارح سے جو افعال و اعمال اور حرکات و سکنات صادر ہوں گے سب کی سب اللہ کی اطاعت و بندگی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اسی کی محبت کی خوشبو میں رچی بسی ہوئی ہوں۔ اور دوسری جانب ان کے نتیجہ خیز یا بار آور ہونے کے ضمن میں توکل و اعتماد — یا بھروسہ صرف اللہ کی ذات پر ہو۔ نہ اپنی صلاحیتوں اور قوتوں پر، نہ اپنی پیش بینیوں اور دور اندیشیوں پر، نہ اپنی ذہانت و فطانت پر اور نہ اپنی کوشش و محنت پر۔ آخر میں فرمایا :- ”وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ“ اور تیرا رب غافل نہیں ہے اُس سے جو تم سب کر رہے ہو۔ یہاں پھر وہی انداز ہے کہ ”رَبُّكَ“ ضمیر واحد ہے۔ اور ”تَعْمَلُونَ“ میں ضمیر فاعلی جمع کی ہے۔ گویا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم ائیکم و مدتِ مطلقہ ہیں۔ بقول شاعر، ”اَمِنْ تَوْشَدَم تَوْشَدَم شَدَى، مَنْ تَنْ شَدَم تَوْجَال شَدَى“ تاکس نگرید بعد از یں بن دیگرم تو دیگرمی !“ — یہی وجہ ہے کہ جب حکم ہجرت کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیق نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ایک نادر پیش کی اور حضورؐ نے فرمایا کہ میں اس کی قیمت ادا کروں گا تو حضرت ابو بکرؓ رو پڑے اور انہوں نے عرض کیا ! ”یا رسول اللہ! یہ جان اور مال کیا کسی اور کیلئے ہیں؟“ فصلی اللہ علیہ وسلم، ورضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاهُ —

وَآخِرُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ -

ڈاکٹر اسلم احمد صاحب کے ساتھ

# جنوبی ہند میں پندرہ دن

(پانچویں قسط)

از قلم، قاضی عبدالقادر

اشکبار آنکھوں سے مدراس ایرپورٹ پر احباب کو رخصت کیا۔ ایرانڈیا کا بونگ ۳۷ سات بج کر دس منٹ پر روانہ ہوا اور اُس نے آٹھ بج کر سچاس منٹ پر یعنی ایک گھنٹہ چالیس منٹ میں بمبئی پہنچا دیا۔ بمبئی سے مدراس آتے وقت چونکہ رات کا وقت تھا اس وجہ سے راستہ کے مناظر نہ دیکھ سکے۔ اب دن کے وقت سفر کی وجہ سے ہم راستہ کے دلفریب مناظر سے خوب لطف اندوز ہوئے۔ خاص کر بمبئی شہر کے اوپر سے جب طیارہ گزرا تو شہر اور سمندر کے منظر نے ایک نیا لطف دیا۔ ایرانڈیا کی اس فلائٹ کے کیپٹن ایک مسلمان یعنی مصطفیٰ صاحب تھے۔ مدراس سے بمبئی کا سفر ٹیک جھپکتے جیسے گزر گیا۔ راستہ بھر مدراس کے احباب کا خلوص اور اُن کی محبت یاد آتی رہی۔ ناشتہ کیلئے پوچھا گیا (VEGETARIAN) کیا؟ ڈاکٹر صاحب نے (NON-VEGETARIAN) کا آرڈر دیا۔ میں نے بھی اسی پر عمل کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ وہ جب بھی بیرون ملک سفر کرتے ہیں تو (VEGETARIAN) کھاتے ہی استعمال کرتے ہیں۔ احتیاط کا تقاضا یہی ہے اس لئے کہ گوشت کا پتہ نہیں کیسا ہو۔ !

جہاز نے ہمیں بمبئی کے DOMESTIC AIRPORT یعنی سانا کروڑ پر اتارا۔ الحمد للہ کہ مدراس جاتے وقت جیسا معاملہ پیش نہیں آیا۔ عبدالصمد صاحب نے مدراس سے فون کر کے بمبئی میں قیام وغیرہ کے بارے تمام

طامات کر دیتے تھے۔ پاپولر سولہیٹ ورکس کے حاجی لے۔ رحیم صاحب کا ڈرائیور  
 سلطان گاڑی لے کر ایرپورٹ پر موجود تھا۔ اُسے ہمیں پہچانتے ہیں کوئی وقت نہیں  
 فی اس لئے کمر اس جاتے ہوئے، ممبئی میں وہ ہمیں دیکھ چکا تھا۔ حالانکہ اُس وقت  
 بڑی ”کسمپرسی“ کی سی حالت میں تھے۔ بلکہ یوں کہہ لیجئے کہ ”شرنارمٹی“ تھے  
 ”مٹھیرے“ ”شرنارمٹی“ نہیں کہ اس میں ”شر“ شامل ہے۔

خیر تو خیر ہے ہی شر کا معاملہ بھی عجیب ہے  
 یہ ”بشر“ جو شے ہے اس میں بھی ”شر“ ہے

بھائی (پ)۔ بلکہ اور آگے بڑھئے یہ جو ہم لوگوں کو بڑے اخلاص سے ”شریف“  
 بتاتے ہیں تو ان شریف لوگوں میں بھی ہے ”شر“ ایک بٹا دو (پ)۔  
 ”شرافیت“ کی تو مدہی ہو گئی۔ شرافت تو دو الفاظ سے مل کر بنا ہے یعنی ”شر“  
 ”افت“۔ اب کہنے کو تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ اجی۔ شرافت  
 آپ کے چہرے سے ٹپک رہی ہے اور آپ ہیں کہ مچولے نہیں سماتے کیوں!  
 یا غلط کہہ رہا ہوں میں؟۔ حالانکہ حضور والا۔ جو چیز چہرے سے ٹپک رہی  
 ہے وہ ہے شرمج آفت (شر + آفت) آیا خیال شریف میں؟

حسد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا حسد  
 جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ نماز کرے

ممبئی ایرپورٹ پر ٹریفک کا بڑا نظم و ضبط دیکھا۔ یہ نظم و ضبط یوں توپورے  
 نہیں ہے۔ ہمارے کراچی اور لاہور کی طرح نہیں کہ ایرپورٹ پر ٹیکسی والے ٹٹتے  
 نہیں مسافر کی کھال کا دھیر لیتے ہیں۔ ایرپورٹ کے گیٹ سے باہر نکلے نہیں کہ  
 ٹیکسی والوں نے ”اُچکنا“ شروع کر دیا۔ کہ اچھا خاصا دل گردہ والا آدمی بھی گھبرا  
 پئے۔ یہاں پر ٹیکسیاں ایک قطار میں ہوتی ہیں۔ ایک ایک کر کے آتی ہیں۔  
 مد میٹر کے مطابق مسافر کو لے کر منزل مقصود پر روانہ ہو جاتی ہیں۔

محمد سلطان ڈرائیور سے ہم نے کہا کہ پی۔ آئی۔ لے کے دفتر ہوتے ہوئے  
 پلنا۔ تاکہ ہم کراچی کے لئے اپنی سیٹ مزید کنفرم کرا سکیں۔ اُسے راستہ میں تاکید  
 بھی کی لیکن وہ بھلا آدمی سیدھا ہمیں ہماری قیام گاہ لے گیا۔

مداس میں ہیں بتا دیا گیا تھا کہ بیٹی میں ہمارا قیام شامل ٹاڈو بیت الحجاج میں رہے گا۔ اس کا نام پہلے مدراس بیت الحجاج تھا۔ یہ چار منزلہ عمارت مسلمانوں کے مشہور محلہ بھنڈی بازار کی مسجد اسٹریٹ میں واقع ہے۔ صوبہ شامل ٹاڈو کے حجاج کرام کے قیام کے لئے اسے تعمیر کیا گیا ہے لیکن حج کے مہینوں کے علاوہ اسے شامل ٹاڈو سے آنے والے مسلمان استعمال کرتے ہیں جس کا اُن سے کرایہ وصول کیا جاتا ہے جو ظاہر ہے ہوٹلوں کے گراں کرایوں سے بہت کم ہوتا ہے۔ یہاں پر لوگوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے۔ اس لئے جگہ مشکل سے ملتی ہے۔ ہمارے لئے دو بیڈ کے ایک کمرہ کی بلنگ مدراس ہی سے کرا دی گئی تھی۔ بیت الحجاج کا انتظام ایک کمیٹی ہلاتی ہے۔ جس کے صدر آج کل پاپور سولہیٹ فیکٹری کے حاجی رحیم صاحب ہیں۔ بیت الحجاج کے مینجر شوکت صاحب نفیس آدمی ہیں بیت ملنسار ہیں۔ ہمالہ ہوں نے پُر تپاک خیر مقدم کیا چونکہ چوتھی منزل پر کمرہ ملنے کی صفائی کرائی۔ کھڑکیوں کے پردے وغیرہ تک تبدیل کرائے اور یوں ہم نے یہاں پر بیٹی کے اپنے چار روزہ قیام کا آغاز کیا۔

معلوم ہوا تھا کہ حاجی اے۔ رحیم صاحب ملاقات کے لئے آنے والے ہیں۔ شام تک ہم اُن کا انتظار کرتے رہے۔ سی۔ آئی۔ ڈی آفس میں پاسپورٹ کا اندراج کرانے کے لئے اُن کا ڈرائیور ہمیں لے جاتا۔ بیٹی کی زندگی بہت ہی مصروف زندگی ہے۔ شاید مصروفیت کی بنا پر شام تک وہ نہیں آ سکے انتظار کی وجہ سے ہم بھی پروگرام بنا کر کہیں نہ جاسکے۔ دوپہر کا کھانا کھا کر کمرہ ہی میں آرام کرتے رہے۔ چلتے اس بہانے ڈاکٹر صاحب کو اور مجھے کچھ آرام ہی مل گیا۔ اللہ کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے کہ بظاہر ایک چیز میں ہیں خیر ظرائے لیکن اُس کے پیچھے شر چھپا ہوا اور یہ بھی کہ بظاہر ایک چیز میں شر نظر آ رہا ہو لیکن اُس کے پیچھے خیر چھپا ہوا ہو۔ قرآن حکیم نے اسی عظیم حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے۔

وَعَلَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَلَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔

ڈاکٹر صاحب تو حاجی صاحب کے انتظار کی وجہ سے کمرہ ہی میں رہے۔ مجھ سے رہا نہ گیا سیلابی طبعیت جو مٹھری، عصر کی نماز کے بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کے کہا کہ میں ابھی آتا ہوں۔ نواب مسجد کے سامنے کھڑے ہو کر سب سے پہلے تو میں نے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میں کہاں ہوں۔ بہتی کے کون سے علاقہ میں ہوں۔ بھنڈی بازار کا نام معلوم تھا۔ ایک دوکاندار سے پوچھا کہ بھائی بھنڈی بازار کدھر ہے۔ کہنے لگا کہ یہی تو ہے جہاں تم کھڑے ہو۔ معلوم ہوا کہ یہیں سے بھنڈی بازار شروع ہوتا ہے۔ دوکانوں کے سائن بورڈوں پر یہ پہلے پڑھ ہی لیا تھا کہ جس سڑک پر میں کھڑا ہوں۔ یہ ابراہیم رحمت اللہ روڈ / انگریزی میں (IBRAHIM RAHIM TOOLAH ROAD) ہے۔ پتہ کیا۔ محمد علی روڈ یہاں سے کتنی دُور ہے۔ دوکاندار نے بتایا کہ وہ سامنے محمد علی روڈ ہے۔ جہاں تم کھڑے ہو یہاں پر محمد علی روڈ، ابراہیم رحمت اللہ روڈ سے اکریل جاتی ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ شمس پیرزادہ صاحب کا دفتر محمد علی روڈ پر ہے۔ مدراس جاتے ہوئے محمد علی روڈ کا کچھ کچھ اندازہ ہو گیا تھا اس لئے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ شمس پیرزادہ صاحب کے دفتر چلا جائے۔ جس بلڈنگ میں وہ دفتر تھا اُسے میں پہلے دیکھ چکا تھا اس لئے اندازہ تھا۔ شمس پیرزادہ صاحب جماعت اسلامی کے رکن ہوتے تھے۔ بلکہ بہت عرصہ تک بہتی کی جماعت کے امیر رہے۔ مسز اندرا گاندھی جنتا پارٹی کی حکومت سے قبل جب برسرِ اقتدار تھیں اور ملک میں امیر منشی نافذ کی تھی تو جماعت اسلامی کے لیڈروں اور نمایاں کارکنوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ شمس پیرزادہ صاحب کو بھی اس دُور میں جیل کی سلاخوں کو چومنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے وہ گزری

تہا پسِ زنداں کبھی رسوا میر بازار

امیر منشی کے خاتمہ کے بعد جب اُن کی رہائی ہوئی تو اس کے کچھ عرصہ کے بعد طریتی کا کے اختلاف کے باعث جماعت اسلامی سے مستعفی ہو گئے۔ پیرزادہ صاحب کا اختلاف ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے اختلاف کے بالکل الٹ تھا۔ یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے جماعت اسلامی پاکستان سے استعفیٰ کی وجہ یہ تھی کہ

جماعت کو بنیادی کام مضبوط ہو جانے کے بعد ہی عملی سیاست میں حصہ لینا چاہیے۔ جب کہ پیرزادہ صاحب کا اختلاف یہ تھا کہ جماعت اسلامی ہند ملک کی سیاست میں اپنا بھرپور کردار کیوں نہیں ادا کر رہی۔ اُسے جماعت کی حیثیت سے باقاعدہ الیکشن میں حصہ لینا چاہیے۔ اس سلسلہ میں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ الیکشن سے کوئی سات آٹھ سال قبل (صحیح سنہ تو یاد نہیں) حج کے موقع پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی ملاقات شمس پیرزادہ صاحب کے حرم شریف میں ہوئی۔ کافی دیر گفتگو رہی۔ قریب ہی ایک عمارت میں قیام تھا۔ اُس کی چھت پر دونوں حضرات کی تحرکی مسائل پر رات کو بہت دیر تک گفتگو رہی۔ دونوں اپنے اپنے موقف پر دلائل دے رہے تھے اور جیسے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ فجر کی اذان کا وقت قریب آ پہنچا۔ تو ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے یہ کہہ کر گفتگو ختم کر دی کہ چلئے سچاس فی صد تو ہم میں اتفاق ہے کہ جماعت اسلامی اپنے گزشتہ موقف سے ہٹ چکی ہے۔ اب اپنی باقی سچاس فی صد اختلاف کی بات تو اللہ تعالیٰ نے پھر کبھی موقع دیا تو گفتگو کریں گے۔

مدرسہ سے ہم نے شمس پیرزادہ صاحب کو فون کر دیا تھا کہ ہم فلاں تاریخ کو بمبئی پہنچ رہے ہیں۔ بمبئی پہنچ کر بھی فون پر بات ہو گئی تھی۔ اور ملے ہوا تھا کہ ہماری قیام گاہ کے قریب کی نواب مسجد میں وہ عصر کی نماز ادا کریں گے اور ہم بھی وہیں پڑھیں گے۔ لیکن مسجد میں نمازی اس قدر تھے کہ ملاقات نہ ہو سکی۔ شمس پیرزادہ صاحب کے نام سے میں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ ہماری بھر کم جسم کے ہوں گے۔ لابی داڑھی ہوگی یعنی کچھ کچھ مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بخاری صاحب جیسے۔ لیکن وہ تو نختی جسم کے چھوٹی داڑھی والے بہت ہی نستعلیق قسم کے آدمی نکلے۔ وہ دروازہ پر ہمارا انتظار کرتے رہے اور میں اُن کا۔ آخر کو ڈاکٹر صاحب تو حاجی رحیم صاحب کا انتظار کرنے قیام گاہ چلے گئے اور میں ڈاکٹر صاحب کے بتاتے بغیر ڈھونڈتے ڈھانڈتے شمس پیرزادہ صاحب کے دفتر جا پہنچا۔ ان کا دفتر بمبئی کی مشہور سڑک محمد علی روڈ کی کئی منزلہ بڑی عمارت کی پہلی منزل پر دو کمروں میں واقع ہے۔ دو کانون، مکانوں اور دفاتروں کی یہاں پر کراچی سے بھی زیادہ پگڑیاں ہیں۔ کرا یہ تو کم ہوتا ہے مگر پگڑی بہت زیادہ۔ پھوٹے پھوٹے دو کمروں پر



مشکل اس دفتر کو شمس پیرزادہ صاحب کے ادارہ نے کئی لاکھ روپے بڑی دیکر حاصل کیا تھا۔ ان کے ارادہ کا نام ”ادارۃ دعوت القرآن“ ہے جس نے اب تک متعدد کتب شائع کی ہیں۔ ان میں شمس پیرزادہ صاحب کی مرتبہ تفسیر دعوت القرآن بھی ہے۔ اب تک اردو، گجراتی اور مرہٹی میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر پوست قرصاوی کی کتاب ”فقہ الزکوٰۃ کا ترجمہ و تلخیص شمس پیرزادہ صاحب نے کیا ہے۔ یہ کتاب بھی اسی ادارہ نے شائع کی ہے۔

نماز عصر کے بعد میں جب اُن کے دفتر میں داخل ہوا تو شمس پیرزادہ صاحب مجھے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سمجھے کیونکہ زندگی میں اُن کی ڈاکٹر صاحب کے ایک ہی بار ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی اب سے سات آٹھ سال قبل۔ مجھے دیکھ کر انہیں تعجب بھی ہوا کہ سات آٹھ سال میں ڈاکٹر صاحب میں خاصا تغیر واقع ہو گیا ہے میری سماعت کچھ کمزور ضرور ہے لیکن اتنی بھی نہیں کہ میں یہ نہ سن سکوں کہ ”آئیے“ ڈاکٹر صاحب تشریف لائیے۔“ اور اتنا کہہ کر وہ محلے کر چکے تو میں نے عرض کیا کہ میں ڈاکٹر صاحب نہیں، میں تو اُن کا ایک ادنیٰ خادم ہوں اور میرا نام عبدالقادر ہے۔ جب جا کر اُن کی غلط فہمی دور ہوئی۔ خاصی دیر اُن کے پاس بیٹھا اُن کی شیریں گفتگو سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ طے پایا کہ نماز مغرب کے شمس پیرزادہ صاحب بعد ہماری قیام گاہ پر تشریف لائیں گے۔ پیرزادہ صاحب نے مجھے اپنے ادارہ کی شائع کردہ کتاب ”فقہ الزکوٰۃ“ عنایت فرمائی۔ واپس آکر میں ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ میں شمس پیرزادہ صاحب سے مل بھی آیا ہوں اور اب وہ نماز مغرب لے بعد تشریف لارہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب میرے ”سیلانی پن“ کے قائل کچھ تو پہلے سے تھے۔ اب اور ہو گئے!

مغرب کے بعد شمس پیرزادہ صاحب تشریف لے آئے ڈاکٹر صاحب بل کر بہت خوش ہوئے۔ عشاء تک بہت سے مسائل پر اُن سے گفتگو ہوتی رہی۔ عشاء کی نماز مسجد میں پڑھ کر ہم اپنی قیام گاہ واپس آئے۔ کھانا کھایا اور پھر سو گئے۔ کھانے کا آج تو ہم نے انتظام یہ کیا تھا کہ قریب کے ہوٹل کے لڑکے سے کھانا منگا لیا تھا۔ وہی چاہیے بھی لا دیتا تھا۔ بیت الحجاج میں کھانے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ یہاں پر مقیم حضرات تو کسی ہوٹل میں جا کر کھانا کھا لیتے تھے۔ یا قیہ

کے بوتل کا لٹکا چکر لگاتا رہتا تھا اس سے منگالیا جاتا تھا — کھانا دیا جی سا  
 تھا جس کو کھا کر خدا کا شکر ادا کیا — یوں بھی میں تو میں ڈاکٹر صاحب بھی کھانے  
 میں کسی چیز کے عادی نہیں ہیں بوتل جانے سو کھا لیتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کا  
 معاملہ آیا ہے تو یہ بھی بتاتا چلوں (میزبان حضرات سن لیں!) کہ ڈاکٹر صاحب کو  
 سبزیوں میں بھنڈی (بھنڈی کی مناسبت سے بھنڈی بازار بھی پسند ہے) اور مٹھائیوں  
 میں امرتی پسندیدہ ہیں۔ امرتی کا ذکر آیا ہے تو شاید آپ نے سنا ہو کہ لندن میں کسی  
 مٹھائی فروش کی دوکان پر گرم گرم امرتیاں رکھی تھیں۔ ایک میم صاحب کھڑی ان  
 امرتیوں کو بار بار الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے یہ سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا  
 کہ اس پیچیدہ ٹیوب میں شیرہ بھرا کدھر سے گیا ہے! کیونکہ انہیں کہیں جوڑ نظر  
 نہیں آتا تھا۔ میزبان صاحب یہ بھی نوٹ فرمائیں کہ ڈاکٹر صاحب کو اسن کی چٹنی  
 بہت مرغوب ہے۔ اگر موصوف کو صرف سادہ روٹی اور اسن کی چٹنی دیدی جائے۔  
 تو نہایت شوق سے پیٹ بھر کر کھانا کھالیں گے — سردیوں میں خصوصاً فجر سے قبل  
 یک کپ چائے پیتے ہیں۔ اس کے کئی فائدے ہیں۔ اجابت ہو جاتی ہے۔ حلق صاف  
 ہو جاتا ہے اور نماز اچھی طرح پڑھا دی جاتی ہے۔ سردیوں میں سردی کا اثر کم ہو جاتا  
 ہے۔ یوں گرمیوں میں بھی فجر سے قبل چائے پی لیا کرتے ہیں۔ چائے زیادہ گرم اور  
 پانی زیادہ ٹھنڈا پینا پسند فرماتے ہیں۔ نہانے سے قبل ٹھنڈا پانی پیتے ہیں اور بعد  
 گرم چائے نوش فرماتے ہیں۔ نہانے کے لئے خصوصاً سردیوں میں پانی گرم کراتے ہیں  
 لیکن وٹو ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے کرتے ہیں چاہے کتنی ہی سردی کیوں نہ ہو۔ نہاتے  
 اشد کرنے کے بعد ہیں۔ انہیں دقت ہوتی ہے اگر لیٹرین اور باتھ روم علیحدہ  
 علیحدہ ہوں۔ صبح ہی صبح اخبار کا شدت سے انتظار کرتے ہیں لیکن بہت جلد ہی  
 مطالعہ کر لیتے ہیں۔ دوپہر کو قبولہ مزد کرتے ہیں ورنہ طبیعت مضطرب رہتی ہے  
 — یہ ہیں چند معمولات ڈاکٹر صاحب کے جو میں نے آپ کو بتائیے ہیں —  
 پ میزبان کبھی رہے ہوں یا آئندہ ہونے والے ہوں یہ نسخہ آپ کے کام آئے گا  
 — مجھے البتہ ڈاکٹر صاحب سے ہے کہ وہ یہ نہ کہیں کہ یہ سب کچھ کیوں لکھ ڈالا

بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی  
 بڑا بے ادب ہوں سزا چاہتا ہوں



اس ناشتہ سے پورا ہو جاتا تھا - قیام گاہ پر آرام کرنے کے بعد اصل ناشتہ یا بڑا ناشتہ بعد میں کیا جاتا تھا -

مباری کے ہوٹل میں چھوٹا ناشتہ کر کے باہر نکلے تو دیکھا کہ دیواروں پر اردو میں بڑے بڑے پوسٹر لگے ہوئے تھے - پوسٹر لگنا روزمرہ کا معمول تھے - آج کا پوسٹر شری بہو گنا جی کی بیٹی میں پبلک میٹنگ سے متعلق تھا جسے مسلمانوں کی کسی تنظیم نے شائع کیا تھا - جہازی سائز کے دو طرح کے پوسٹر تھے - ایک پر تو بہو گنا جی کی بڑی تصویر تھی اور نیچے نام اور جلسہ کا مقام اور وقت تحریر تھا اور دوسرے کا عنوان تھا ”مسلمانوں کا نجات دہندہ“ اور پھر بہو گنا جی کی خوبیاں گنا گنا کو فرزندِ ان توحید کو جوق و جوق جلسہ میں شرکت فرما کر ثواب دارین حاصل کرنے کی اپیل کی گئی تھی - شری بہو گنا جی جو ہندو ہیں - مرکزی کابینہ میں وزیر بھی رہ چکے ہیں - مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے اُن میں مقبول ہونے کی کوشش کرتے رہتے ہیں - کہتے ہیں کہ کابینہ میں وزیر کی حیثیت سے مسلمانوں کو کچھ فائدے بھی پہنچائے یا کم از کم اُن کے ساتھ تعصب نہیں برتنا منع ہے اور کٹر ہندو انہیں طنزاً مسلمانوں کا قائد اعظم کہتے ہیں - بہر حال آج اُن کے جلسے کے پوسٹر لگے ہوئے تھے جلسہ کا اہتمام مسلمانوں کی تنظیم کی طرف سے تھا اور انہیں ”مسلمانوں کا نجات دہندہ“ بتایا جا رہا تھا -

سے ایک کافر کو مسلمانوں کا نجات دہندہ قرار دیا جا رہا ہے - کیا اُمتِ مسلمہ اب اتنی بے خبر ہو چکی ہے کہ اُس میں کسی ”نجات دہندہ“ کے پیدا ہونے کی امید نہیں رہی - فاعتبوا وادی الالبصار - ! ع

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھو

بعض حضرات فیشن کے طور پر یا انگریزوں سے مرعوبیت کی بنا پر اپنا اچھا بھلا نام انگریزی میں اس طرح بگاڑ کر لکھتے ہیں کہ اصل نام کا پتہ ہی نہ چلے - ایسا ہی ایک اتفاق ہمیں بمبئی میں ہوا - ڈاکٹر صاحب انگریزی اخبار دیکھ رہے تھے - ایک تصویر شائع ہوئی تھی اور نیچے (CAPTION) تھا کہ وزیر اعلیٰ

مہاراشٹر مسٹر انتولے (MR ANTOLAY) عیدیلہ دالنبی کے جلوس

کور (LEAD) کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو تعجب ہوا کہ ایک ہندو اور میلاد النبیؐ کے جلسوں کی قیادت کرے۔ یا الہی یہ صاحب کیا ہے! بعد میں ایک صاحب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وزیر اعلیٰ صاحب خیر سے مسلمان ہیں۔ جن کا اصل نام عنایت علی ہے جبے وہ انگریزی میں اتولے لکھتے ہیں۔ اسی طرح تحریک پاکستان کے ایک ممتاز رہنما حبیب ابراہیم رحمت اللہ صاحب اپنے نام کے آخری لفظ کو انگریزی میں رحیم تولہ (RAHIM TOOLA) لکھتے ہیں۔ میرے دوران ملازمت میں ایک جنرل مینجر ہوتے تھے جناب آر۔ اے۔ مددیقی صاحب۔ انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔ وہ مددیقی کو انگریزی میں SADIQUE لکھتے تھے اب اس کو لوگ صادق پڑھیں گے مددیقی تو نہیں ”جو چاہئے“ آپ کا حسن کوشمہ ساز کرے۔“

ابراہیم رحمت اللہ روڈ اور مولانا محمد علی روڈ کی تقوڑی دیر میں نے ڈاکٹر صاحب کو سیر کرائی۔ قیام گاہ پر واپس آکر کچھ دیر آرام کیا۔ ہوٹل کا لڑکا آگیا۔ اُسے ناشتہ کا آرڈر دیا ناشتہ میں روٹی اور قیمہ تھا۔ قیمہ بھی ٹھنا ہوا اور بمبئی والا۔ تھا تو داجی سا لگا اس وقت مزہ ہی تو آگیا۔ کہئے یہ آپ کے منہ میں پا۔۔۔ خیر چھوڑئیے آپ بزرگ ہیں کہیں گستاخی نہ ہو جائے ڈر لگتا ہے۔۔۔ قیمہ اور روٹی کھائی اور چائے پی وہ بھی ڈبل والی۔ اس لئے کہ سگل چائے تو بقول کہئے ”دانتوں میں پلگ کے رہ جاتی ہے“۔ ہمارے ایک دوست ہیں جو خیر سے اپنی وضع داری میں بے مثال ہیں۔ چائے پینے کے بعد بھی اپنے دانتوں میں غلال فرمایا کرتے ہیں کہ کہیں کسی دانت شریف میں چائے اٹکی نہ رہ گئی ہو۔ اللہ اکبر۔۔۔ یہ بوٹنے کی جائے ہے!!

عاجی رحیم صاحب نکل آئے تھے نہ آج صبح۔ بیت الحجاج کے منبر شوکت صاحب سے جا کر معلوم کیا۔ کہنے لگے کہ آج کسی وقت آئیں گے ضرور۔ ہم نے اُن کے گھر دن کیا۔ فرمانے لگے کہ وہ خود تو شام کو آئیں گے البتہ اپنی گاڑی ابھی بیچ دیں گے تاکہ سی۔ آئی۔ ڈی۔ آفس اور ایرلائن وغیرہ کے کام نبھائے جاسکیں اس

لئے کہ ہم تو شہر سے واقف نہ تھے۔ اُن کا ڈرائیور ہمیں ساتھ لے جاتا۔

حاجی رحیم صاحب کی گاڑی کے بائے میں دراصل ہمیں مدراس میں عبدالصمد صاحب نے بتایا تھا کہ آنے والے کے سلسلہ میں ہم جب چاہیں اُن کی گاڑی منگا سکتے ہیں۔ جب حاجی صاحب کے ”ابھی“ کو بھی ایک گھنٹہ گزر گیا اور گاڑی نہ آئی تو شوکت صاحب سے کہہ کر ہم نے بیت الحجاج کے ایک لڑکے منیر کو ساتھ لے لیا تاکہ ہمیں گائیڈ کر سکے۔ اور ٹیکسی پکڑ لی۔

سب سے پہلے تو ہم سی۔ آئی۔ ڈی۔ آفس گئے۔ ہماری توقع کے خلاف یہ قریب ہی تھا۔ کرا فورڈ مارکیٹ کے برابر۔ پیدل کا راستہ تھا۔ وہاں اور بھی بہت سے پاکستانی اندراج کے لئے آئے ہوئے تھے۔ جو آتا تھا اُسے پرچی دیدی جاتی تھی۔ ہر شخص اپنے نمبر پر اندر کمرہ میں چلا جاتا تھا۔ باہر بیچے پر سائے میں لوگ انتظار میں بیٹھے تھے۔ ہمارے ہاں جیسی افزائش نہ تھی۔ ہمارا نمبر جب آیا تو میں اپنا اور ڈاکٹر صاحب کا پاسپورٹ اور ویزا لے کر اندر گیا۔ وہاں کا عملہ بہت ہی خوش خلقی اور تواضع سے پیش آیا۔ پہلے تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی لیکن جب کام ہو جانے کے بعد ہم سے چائے پانی کا مطالبہ ہوا تو قلعی کھل گئی۔ معلوم ہوا کہ خوش خلقی اور تواضع کے پیچھے دراصل پیسہ بول رہا تھا۔ انڈیا کے بائے میں معلوم ہوا کہ رشوت اور کرپشن میں اگر ہم سے آگے نہیں تو کم بھی نہیں۔ یہی تو ایک سب سے بڑی انڈسٹری ہے جو دنیا میں سب سے زیادہ ان دو ملکوں میں پھل پھول رہی ہے اس میں کوئی دوسرا ملک ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہم سے جب چائے پانی کا مطالبہ ہوا تو ظاہر ہے کہ یہ کام تو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے معذرت کر لی۔ اُس نے ایسی آنکھوں سے ہمیں دیکھا جیسے کچا ہی تو نیگل جائے گا۔ اس لئے کہ پاکستانیوں میں سے اس طرح معذرت کرنے والا شاید ہی اُسے کوئی ملا ہو ورنہ ہر شخص اپنا کام کر کے کچھ نہ کچھ دے دلا کر ہی جاتا تھا۔ (الا ماشاء اللہ)۔ میں نے معذرت کر کے اور یہ سنے بغیر کہ وہ کیا کہتا ہے۔ پاسپورٹ اور ویزا پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے۔ ایک زوردار اباؤٹ ٹرن (ABOUT TURN) لیا۔ باہر سے ڈاکٹر صاحب کو ساتھ لے کر پیچھے دیکھے بغیر تیز تیز قدموں سے یہ جا وہ جا۔

راستہ میں ڈاکٹر صاحب کو صورتحال بتادی کافی دُور جا کر پیچھے مُڑ کر بھی دیکھ لیا کہ سی آئی - ڈی کے دفتر کا کوئی شخص واقعی پیچھا تو نہیں کر رہا۔ اس لئے کہ ان لوگوں سے بعید نہیں کہ پیسہ نہ ملنے پر کچھ نقصان پہنچانے پر نہ تُل جائیں۔ راستہ میں میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیا کہ واپسی کا اندراج کرانے کے لئے اب کمرہ میں میں نہیں جاؤں گا آپ جائیں گے۔ میں گیا تو وہ کجنت پہچان لے گا اور مونچھوں پر تاؤ صیتے ہوئے جیسے کہے گا کہ ”میاں جی - اب آگئے قابو میں، اب بچ کر کہاں جاؤ گے“۔ ڈاکٹر صاحب نے کمال بے نیازی سے فرما دیا کہ اچھا دیکھا جائے گا۔

کراچی کے لئے ہماری واپسی کی سیٹ سینچر ۲۴ جنوری کے لئے بک تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی خواہش تھی کہ اس سے پہلے کی سیٹ مل جائے تو ہم جلد واپس چلے جائیں۔ چنانچہ سی - آئی - ڈی - آفس سے ہم پہلے تو انڈین ایرویز کا رپورٹیشن کے دفتر گئے جو کہ ۱۲ بجے کراچی کے لئے فلائٹ تھی لیکن وہ بھی (CHANCE) چانس پر تھی۔ ہم نے سوچا کہ اس صورت میں کچھ پتہ نہیں سیٹ ملے کہ نہیں ملے اور دوسرے یہ کہ جمعہ کی نماز بھی نکل جائے گی۔ اس لئے اس کا خیال چھوڑ کر ہم یہاں سے پی - آئی - اے کے دفتر گئے۔ یہ دفتر یہاں کی ایک بہت اونچی عمارت (OBEI TOWER) میں واقع ہے۔ گراؤنڈ فلور پر چھوٹا سا دفتر ہے۔ مقوڑا سا اسٹاف ہے۔ دفتر کے دروازہ پر پی - آئی - اے کی چھوٹی سی تختی لگی ہے۔ نئے آدمی کے لئے دفتر تلاش کرنے میں کچھ وقت ہوتی ہے۔ اگر صدر دروازہ (MAIN GATE) پر بھی پی - آئی - اے کی ایک سختی لگا دی جائے اور اُس پر دفتر کا کمرہ نمبر (اور تیر کا نشان) لگا دیا جائے تو بہتر ہو۔ یہی میں پی - آئی - اے کا دفتر دیکھ کر خوشی ہوئی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دیارِ غیر میں بہت عرصہ بعد کسی ہم وطن سے ملاقات ہو جائے۔ سینچر سے قبل سیٹ کا ہم نے یہاں سے بھی معلوم کیا لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ مجبوراً سینچر کی سیٹ ہی کی دوبارہ تصدیق (RE-CONFIRM) کرائی۔

دوپہر تک قیام گاہ واپس آگئے۔ قریب ہی بھنڈی بازار کے چوک میں شالیہار ہوٹل کے نام سے ایک اوسط درجہ کا ہوٹل تھا، وہاں پر کھانا کھایا۔ اور ظہر کی نماز پڑھ کر اپنی قیام گاہ میں آکر آرام کیا۔ عصر سے قبل جماعت اسلامی

کے کچھ رفقاء ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے کو ہماری قیام گاہ پر تشریف لاتے۔  
 تنویری دیر گفتگو رہی۔ ان حضرات کو ڈاکٹر صاحب نے تعارف شمس پیرزادہ صاحب  
 سے ہوا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب تو قیام گاہ پر آگئے اور میں دفتر  
 جماعت اسلامی چلا گیا جو ابراہیم رحمت اللہ وڈ پر قریب ہی کی ایک عمارت میں  
 واقع ہے۔ چھوٹا سا دفتر ہے۔ یہاں پر امیر صوبہ مہاراشٹر جناب رشید عثمانی مد  
 اور دیگر رفقاء سے ملاقات ہوئی۔ پاکستان میں ہم جس طریق پر کام کر رہے ہیں  
 اُس کام میں نے اجمالی تعارف کرایا۔ صوبہ کے ایک شہر مالیکان کی جماعت کے  
 رکن عبدالاحد صاحب بھی آئے ہوئے تھے اور یہاں موجود تھے۔ اُن سے معلوم ہو  
 کہ مالیکان میں اب بھی مسلمان اکثریت میں ہیں اور وہاں کی جماعت خاصی مضبوط ہے  
 مغرب کی نماز کے بعد ڈاکٹر صاحب اور میں شمس پیرزادہ صاحب سے ملاقات  
 کے لئے اُن کے دفتر گئے۔ یہ ملاقات عشاء تک جاری رہی اور بہت سے مسائل  
 پر کھل کر گفتگو ہوئی۔ بعد عشاء شالیمار ہوٹل میں کھانا کھا کر واپس اپنی قیام گاہ  
 آئے۔ کچھ دیر مطالعہ کیا اور پھر سو گئے۔ (جاری ہے)

### بقیہ ، کربلا کی کہانی

صورت کے کہیزید دین الہی سے نکل جائے۔ پھر اس شخص نے دوبارہ کہا تو ینہ  
 نے اسے ڈانٹ دیا۔

اس کے بعد ینہ نے ان سب کو محل سرا میں بھیج دیا۔ پھر ان کو تیار کرا  
 مدینہ روانہ کروا دیا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو خاندان عبدالمطلب کی ایک  
 عورت سرپیٹی اور روتی ہوئی ان سے ملنے کے لیے آئی۔ اور اس کی زبان پر  
 یہ اشعار تھے

ما ذا تقولون ان قال النبی لکم	ما ذا فعلتم وانتم اخوالا ص
بعترقی وباہلی بعد مفتقدی	منہم اُسادى وقتلى ضر جوابدم
ماکان هذا جزائی اذ لعنت لکم	ان تخلفو فی بشر فی ذدی رحمی

ماخوذ از ہفت روزہ ”الاسلام“ لاہور



---

ہر مسلمان پر

حسب صلاحیت و استعداد

# قرآن مجید

کے مندرجہ ذیل پانچ حقوق عائد ہوتے ہیں

- ① — ایمان و تعظیم — یہ کہ اُسے مانے
- ② — تلاوت و ترتیل — یہ کہ اُسے پڑھے
- ③ — تذکر و تدبیر — یہ کہ اُسے سمجھے
- ④ — حکم و اقامت — یہ کہ اُس پر عمل کرے
- ⑤ — تبلیغ و تبیین — یہ کہ اُسے دوسروں تک پہنچائے

ان حقوق سے واقفیت اور آگاہی حاصل کرنے کے لیے  
جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شہر آفاق تالیف

”مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق“

کا مطالعہ ان شاء اللہ العزیز بے حد مفید ہوگا

---

# ہجری سالِ نو مبارک

۳۰ اکتوبر ۸۱ء کو جمعہ کا دن اور محرم الحرام ۱۴۰۲ء کی یکم تاریخ تھی۔ اس روز مسجد دارالسلام، باغ جناح، لاہور میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے خطاب جمعہ میں جو موضوع گذشتہ دو ماہ سے چل رہا ہے۔ (یعنی نظام سیاست و حکومت سے متعلق قرآنی تعلیمات) اُس پر گفتگو سے قبل نئی ہجری سال کے آغاز کی مناسبت سے جو کچھ نمایاں درج ذیل ہے (مرتب)

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ - اِمَا بَعْدُ  
 فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ  
 قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِي سُوْرَةِ الْبَقَرَةِ :- وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌۢ بَلْ اَحْيَآءٌۢ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۱۵۴)  
 وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِي سُوْرَةِ آلْ عَمْرٰنَ :- وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًاۢ بَلْ اَحْيَآءٌۢ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْتَقَوْنَ ۝  
 اِمَا بَعْدُ :- رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۝ وَبَسِّرْ لِيْ اَمْرِيْ ۝  
 وَاحْلُلْ عُقْدَةًۭ مِنْ لِّسَانِيْ ۝ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ ۝  
 اَللّٰهُمَّ اٰهْلًا عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ  
 وَالْاِسْلَامِ -

اَللّٰهُمَّ مَنْ اَخِيَّتَهُ مِثْلًا فَخِيْمٍ عَلٰى الْاِسْلَامِ وَ  
 مَنْ تَوَقَّيْتَهُ مِثْلًا فَتَوَقَّسْ عَلٰى الْاِيْمَانِ

اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

**حضرات! آج یکم محرم الحرام سن ۱۴۰۲ ہجری ہے۔** گویا آج پندرہویں مری کے دوسرے سال کا پہلا دن ہے۔ لہذا سب سے پہلے تو میں اسلامی تقویم کے اعتبار سے اس نئے سال کی آمد پر آپ کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ سال ہمارے لئے امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کا سال ثابت ہو۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے آغاز میں وہ دُعاء پڑھی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماہ کے نئے چاند کے طلوع ہونے پر پڑھا کرتے تھے یعنی ”اللّٰهُمَّ اٰهِلْنَا عَلَيْنَا يَا اٰمِنٍ وَّالْاِيْمَانِ وَاِسْلَامٍ وَاِلٰهٍ سَلَامٍ“۔ جس کے آخر میں اُن حضرت یہ بھی فرمایا کرتے تھے ”رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ - هِلَالٌ رُّشِدٍ وَخَيْرٌ - هِلَالٌ رُّشِدٍ وَخَيْرٌ“۔ اس دُعاء کے تین حصے ہیں۔ اصل دُعاء تو پہلا حصہ ہے کہ ”اے اللہ! اس چاند کو ہم پر امن و ایمان اور سلامتی و اسلام کے ساتھ طلوع فرمایا۔“ دوسرے حصے میں چاند سے خطاب ہے۔ اس میں دُعا اُن مُشرکانہ اوصاف اور عقائد کی نفی اور ابطال ہے جو چاند، سورج اور اجرام فلکیہ کے بارے میں بالعموم لوگوں کے ذہنوں میں پائے جاتے ہیں۔ لہذا اُن حضرت یہ فرمایا کرتے تھے ”رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللّٰہُ، یعنی ”میرا رب بھی اللہ ہے اور اے چاند تیرا رب بھی اللہ ہے“۔ تیسرا حصہ ایک نوید اور خوشخبری بھی ہے اور اس میں ایک دُعا یہ پہلو بھی ہے۔ ”هِلَالٌ رُّشِدٍ وَخَيْرٌ“ یہ ہلال جو طلوع ہوا ہے یہ رشد اور خیر کا ہلال ہے۔ ”یہاں ”ہے“ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے اور ”ہو“ بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ اگر اول الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ نوید و خوشخبری ہے اور اگر موضح الذکر ترجمہ کیا جائے تو یہ دُعاء، ایک تمنا اور ایک خواہش کا اظہار ہے۔ کل جو ہلال طلوع ہوا ہے اس سے صرف ایک نیا مہینہ ہی شروع نہیں ہوا بلکہ نیا اسلامی و ہجری سال بھی شروع ہوا ہے لہذا ہمیں یہ دُعا کرنی چاہیے کہ اے اللہ اس سال کو نوع انسانی کے حق میں بالعموم اور مسلمانانِ عالم کے حق میں بالخصوص اور اس خطہ ارضی کے حق میں جو تو نے اسلام کے نام پر ہمیں عطا فرمایا تھا۔ اور جو مملکتِ خدا داد پاکستان، کہلاتا ہے خاص الخاص طریق پر اپنے فضل اور اپنی رحمت سے امن و سلامتی کا سال بنا

اور اس سال میں ہمارے ایمان اور اسلام میں حقیقی رنگ پیدا فرما۔ میں نے مزید یہ دعا بھی کی ہے کہ اس سال کے دوران تیرے علم کامل میں جن کی وفات کا وقت آ رہا ہو اے اللہ! ان کو ایمان پر وفات دیجیو اور جن کے لئے تیرے علم ازلی میں مزید مہلت عمر ملے ہو ان کو اسلام پر قائم رکھیو۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَاحْيِهِ عَلٰى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلٰى الْاِيْمَانِ۔

اس موقع پر ایک جملہ معترضہ کے طور پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ محرم الحرام کے مہینے کو ہم نے ایک مخصوص مکتب فکر کے زیر اثر بلا سبب اور قطعی نامناسب طور پر رنج و غم اور حزن دالم کا مہینہ بنا لیا ہے۔ حالانکہ کسی بھی اعتبار سے یہ مہینہ ہمارے لئے رنج و غم کا مہینہ نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سال کا کوئی مہینہ بھی دینی لحاظ سے رنج دالم کا مہینہ نہیں ہے۔ یوم عاشورہ (۱۰ محرم الحرام) کی جو اہمیت ہمارے ہاں ہے۔ اس میں ہمارے دینی تصورات و عقائد کے لحاظ سے عظمت کا پہلو ہے۔ اس ضمن میں بہت سی احادیث صحیحہ کتب حدیث میں موجود ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن جو روزہ رکھتے تھے تو اس کی کوئی بنیاد اور تعلق حادثہ کربلا سے نہیں ہے۔ یہ حادثہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الرفیق الاعلیٰ کی جانب مراجعت کے نصف صدی بھی زائد بعد پیش آیا ہے۔ لہذا دینی لحاظ سے اس حادثے کا یوم عاشورہ سے کسی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صوم عاشورہ کے متعلق جو متفق علیہ حدیث ملتی ہے یعنی سند کے اعتبار سے جس کی صحت پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے جلیل القدر محدثین اتفاق کر رہے ہوں اور جس کے راوی ہیں حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ جو اہل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے چچا زاد بھائی ہیں اور جو گویا حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے رشتے کے چچا بھی ہیں اور نانا بھی۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ جب اہل حضرت مدینہ منورہ تشریف لائے اور آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ کے یہود ۱۰ محرم الحرام کو روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے یہود سے دریافت فرمایا کہ تم یہ روزہ کیوں رکھتے

ہو۔ ”اتوا انہوں نے بتایا کہ ”یہ دن ہمارے لئے بڑی خوشی کا دن ہے، اس لئے کہ اسی دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو آل فرعون کے ظلم و استبداد سے نجات دلائی تھی اور فرعون اور اس کے اس لشکر کو جو تعاب میں تھا غرق کیا تھا۔ لہذا ہم شکرانے کے طور پر یہ روزہ رکھتے ہیں۔“ اس پر آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ”تمہاری نسبت (حضرت) موسیٰ کے ہم زیادہ حق دار ہیں۔“ یعنی یہود نے تو اس کو ایک قومی دن کا درجہ دے رکھا ہے حالانکہ یہ تو دین اسلام کی تاریخ کا ایک تابناک باب ہے اور دین اسلام کی تاریخ تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے۔ اسی موقع پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ ”ہم اس دن کا روزہ رکھنے کے زیادہ حق دار ہیں۔“ چنانچہ اس وقت سے آں جناب نے دس محرم الحرام کا روزہ رکھنا شروع فرمادیا۔

ویسے بھی اس بات کو اچھی طرح جان لیجئے کہ ہمارے دین میں شہادت، کا معاملہ کوئی رنج و غم والی بات ہے ہی نہیں بلکہ یہ تو ایک مرد مومن کے لئے فوز و مرام اور فلاح و کامرانی کا بلند ترین اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے۔ دلیل کیلئے سورہ البقرہ کی آیت **مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مِّنْ ذٰلِکَ بِغَيْرِ حَرَامٍ فَقَدْ قَتَلَ نَفْسًا مِّنْ ذٰلِکَ بِغَيْرِ حَرَامٍ** یعنی جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں مرنے نہ کہو، بلکہ یہ لوگ (توحقیقت میں) زندہ ہیں مگر تمہیں ان کی زندگی کا شعور حاصل نہیں ہوتا۔“ اور سورہ آل عمران کی آیت **وَلَوْ تَحْسَبَنَ السَّيِّئِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَالًا مِّنْ اَمْوَالِ اٰیٰتِ اللّٰهِ اَمْوَالًا مِّنْ اَمْوَالِ اٰیٰتِ اللّٰهِ اَمْوَالًا مِّنْ اَمْوَالِ اٰیٰتِ اللّٰهِ** یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں ان کو مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ اپنے رب کے پاس سے روزی پار ہے ہیں۔“ کو پیش نظر رکھیے۔ ان مقتولین کی برزخی زندگی میں حیات اور اس میں رزق پانے کی کیفیات امور غیبیہ متعلق ہیں۔ لہذا اس کا کوئی تصور و شعور اس عالم ناسوتی میں ہمارے لئے ممکن نہیں۔

شہادت فی سبیل اللہ وہ سعادت عظمیٰ اور چوٹی کا وہ عمل ہے کہ جس کے لئے انبیاء و رسول علیہم السلام تمنا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح احادیث میں

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دعائیں منقول ہیں۔ ایک یہ کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ شَهِادَةً فِیْ سَبِیْلِکَ - اور دوسری یہ کہ اَللّٰهُمَّ اَمْرًا زُقْنِیْ شَهِادَةً فِیْ سَبِیْلِکَ -

مزید براں اس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول بھی احادیث میں منقول ہے: ”وَالَّذِیْ فَنَفْسُ مُحَمَّدٍ بَیْدَةً لِّوَدَدَتْ اَنْ اُغْرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَاُقْتَلَ شَهِدًا اُغْرُوْا فَاُقْتَلَ -“ اس (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ میری آرزو یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں (اور پھر مجھے زندہ کیا جائے) اور پھر میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کیا جاؤں۔“ یہ سنت رہی ہے کہ رسول قتل نہیں ہوتے چونکہ عالم ظاہری میں اس طرح رسول کی مغلوبیت کا پہلو نکلتا ہے۔ لیکن اس سے مرتبہ شہادت کے رفیع و مہتمم بالشان ہونے کا انداز لگائیجئے۔ علاوہ ازیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی بھی سن لیجئے کہ: ”جس مسلمان کی موت اس حال میں آئی کہ اس کے دل میں راہ حق میں سرکٹا کر سرخرو ہونے کی تمنا و آرزو نہ ہو، اس کی موت ایک قسم کے نفاق پر واقع ہوئی ہے۔ پس شہادت ہرگز رنج و الم سوگ اور ماتم کرنے والی چیز نہیں ہے۔“

اگر شہادت رنج و غم اور الم و ماتم والی شے ہوتی تو دور نبوی اور دور خلافت راشدہ کی تاریخ میں شاید ہی کوئی دن ایسا گزرے جو جس میں کوئی نہ کوئی عظیم شہادت وقوع پذیر نہ ہوئی ہو۔ اگر شہادت میں رنج و غم اور ماتم کا پہلو تلاش کریں تو حضرت سمیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شہادت کا دن بھی ماتم کے دن کے طور پر منانا ہوگا۔ یہ بڑی عظیم شہادت ہے۔ توحید کے لئے یہ پہلوئیں بہا ہے۔ جس سے مکہ مکرمہ کی زمین لالہ نار ہوئی ہے اور کس ہیما نہ طریقے پر کہ ابوجہل نے تاک کر اندام نہانی پر نیزہ مارا ہے جو پشت کے پار ہو گیا ہے۔ پھر ان کے شوہر حضرت یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم شہادت ہے۔ جس کے متعلق بعض روایات میں آتا ہے کہ ابوجہل اور اس کے شقی القلب ساتھیوں نے حضرت یاسر کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر رستیوں سے باندھے پھر چار سمت میں چار اوٹ کھڑے کر کے یہ رسیاں ان اونٹوں کی ٹانگوں سے باندھ کر ان کو

ہانک دیا گیا اور حضرت یاسرؓ کے جسم کے پینچے اڑ گئے۔ یہ شوہراور بیوی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے جرم میں اس ظالمانہ طور پر شہید کئے گئے۔ ان کی مظلومانہ شہادت کے واقعات ایک حساس دل کے رونگٹے کھڑے کرتے ہیں۔ اگر ہمیں سوگ اور ماتم کا دن منانا ہوتا تو ان کا مناتے! اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت کی بنیاد پر شہادت کا دن نوحہ و گریہ اور ماتم کا کوئی پہلو رکھتا تو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن اس کا کہیں زیادہ مستحق ہو گا کہ اسے سوگ کا دن منایا جائے! جن کے اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت داری کے تہرے بلکہ چوہرے رشتے ہیں۔ چنانچہ چچا بھتیجے کا رشتہ بھی ہے۔ خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور رضاعی بھائی بھی ہیں عرب میں رضاعت کا رشتہ بالکل خونی رشتے کے برابر سمجھا جاتا تھا چنانچہ سب جانتے ہیں کہ اسلام میں نکاح کی حرمت جس طرح رحم اور خون کے رشتوں کی بنیاد پر ہے اسی طرح رضاعت کی بنیاد پر بھی ہے۔ پھر ساتھ کے کھیلے ہوئے، بھولی ہیں۔ مزید اضافہ کیجئے کہ نبی اکرمؐ کے فرمان مبارک کے مطابق اسد اللہ بھی ہیں اور اسد رسولؐ بھی ہیں۔ پھر نبش مبارک کا حال یہ ہے کہ اعضا بریدہ (مثلاً) ہیں ہشکم چاک ہے۔ کیلج نکال کر چبانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اب اگر ہر سال سوگ کا دن منایا جاتا اور ماتم کیا جاتا تو ان کی شہادت کا کیا جاتا! پھر دیکھئے کہ حضرت زید بن حارثہؓ حضرت جعفر طیار بن ابی طالب حضرت عبداللہ ابن رواحہ حضرت مصعب ابن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بے شمار دوسرے جان نثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دورِ نبوت میں شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے ہیں۔ سوگ کا دن منایا جاتا تو ان کا منایا جاتا۔ لیکن رنج و غم کی بات کون سی ہے!!۔ اسلام کی تاریخ کا کون سا دور ہے جو ان شہادتوں اور ان قربانیوں سے خالی ہو۔ اسلام کے گلشن میں ہر جہاں طرف یہ پھول کھلے ہوئے ہیں۔ پھر غور فرمائیے کہ اسلامی تقویم کا جو پہلا دن ہر سال آتا ہے یعنی یکم محرم الحرام تو یہ ایک عظیم شہادت کا دن ہے۔ یعنی دوسرے خلیفہ راشد میرا مومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا دن یکم محرم الحرام

ہے۔ وہ عمر بن جن کے متعلق آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ  
 ”اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمرؓ ہوتے۔“ اگر رنج و غم کے اظہار کا مسئلہ  
 ہوتا اور اگر سوگ کا دن منانے کا معاملہ ہوتا تو آج کے دن ہوتا۔ حضرت عمرؓ  
 پر قاتلانہ حملہ ۲۸ ذی الحجہ کو ہوا تھا جس میں آں جنابؓ مجروح ہوئے تھے  
 اور معتبر روایات کے مطابق ان کی وفات یکم محرم الحرام کو ہوئی تھی۔ پھر  
 ۱۸ ذی الحجہ کو تیسرے خلیفہ راشد، ذوالنورین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ  
 تقریباً پچاس دن کے محاصرے کے بعد انتہائی مظلومانہ طور پر شہید کئے گئے۔  
 جن کی شہادت کے نتیجے میں مسلمان آپس میں دست و گریباں ہوئے۔ اور  
 امت میں ایسا تفرقہ پڑا کہ آج تک ختم نہیں ہوا۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو  
 اس ”شہیدِ ظالم“ کی شہادت کے دن کو منایا جاتا۔ پھر ۲۱ رمضان المبارک  
 کو اسد اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورؐ کے چچرے بھائی، آپ کے  
 داماد، چوتھے خلیفہ راشد شہید کر دیئے گئے جو حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ  
 عنہما کے والد ماجد بھی ہیں۔ سوگ کا دن منانا ہوتا تو ایک مخصوص مکتب فکر  
 کے افراد کے بجائے پوری امت آں جنابؓ کی شہادت کے دن سوگ مناتی۔  
 اگر سوگ کے دن منانے کا سلسلہ جاری رہے تو بتائیے کون کون سے دن سوگ  
 منایا جائے گا! سال کا کون سا دن ہوگا جو کسی نہ کسی عظیم شخصیت اور اولیاء اللہ  
 کی شہادت کا یا وفات کا دن نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دین میں سوگ  
 اور ماتم اور ان کے دن منانے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ جس گھر میں کسی کی  
 وفات ہوئی ہو تو سوگ کی کیفیت کی زیادہ سے زیادہ تین دن کے لئے  
 اجازت ہے۔ اُس میں بھی نوحہ گریہ اور سینہ کوئی کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔  
 باقی رہا یہ کہ ان میں سے جنہوں نے بھی اللہ کی راہ میں قربانیاں دی ہیں اور  
 حق و صداقت کے لئے اپنی جانیں دی ہیں اہل کی بنیاد پر ان کا بہت ارفع  
 و اعلیٰ مقام ہے۔ بَلْ اَحْيَاوْهُ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْسِلُ قَوْلًا لِّیْکِن  
 نہ دن اور یادگار منانا ہمارے دین کے مطابق ہے اور نہ یہ کوئی رنج و الم اور  
 غم و حزن کا معاملہ ہے اور نہ ہر سال سوگ اور ماتم کرنا دین سے کوئی منافی



رکھتا ہے۔

شاید آپ کو معلوم ہو کہ ہمارے صوفیائے کے ہاں موت کو ایک محبوب اور محب کی ملاقات کا وقت تصور کیا جاتا ہے۔ یہ جو لفظ دوسرے، رائج ہے تو اس کی اصل 'عروسی' ہے۔ جیسے 'عروسی' (شادی) ایک خوشی کا موقع ہوتا ہے ویسے ہی موت کسی مردِ مومن کے لئے کسی رنج و غم کا موقع ہے ہی نہیں، چاہے وہ طبعی ہو چاہے قتل کی صورت میں ہو۔ یہ تو درحقیقت ایک محبوب اور محب کی ملاقات ہے اس پہلو سے علامہ اقبال کا وہ شعر ذہن میں رکھیے کہ

’نشانِ مردِ مومن باتو گویم ————— چوں مرگ آید قسم برب ادست‘

و قسم خوشی کے موقع پر ہوتا ہے نہ کہ غمی کے موقع پر پس یہ سوگ اور ماتم کے دن منانا قطعاً ہمارے دین کے ساتھ مناسبت رکھنے والی چیز نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں ہمارے معاشرے میں یہ غلط رواج چلا آ رہا ہے کہ محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے میں شادیاں نہیں ہوتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ذی الحجہ کے آخری عشرے میں شادیوں کا ایک طوفان آ جاتا ہے۔ آپ نے اخباروں میں پڑھا ہو گا کہ اس سال ذی الحجہ کے آخری دنوں میں لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں روزانہ ہزاروں کی تعداد میں شادیاں انجام پائی ہیں۔ آخر ہم نے محرم الحرام بالخصوص اس کے پہلے عشرے کو شادی بیاہ کی تقریب کے لئے حرام یا نجس کیوں سمجھ لیا ہے !!۔ چونکہ میرے نزدیک ان غلط روایات و روایات کو توڑنا اور غیر اسلامی تصورات کو ختم کرنا کوشش کرنا بھی ایک نوع کا جہاد ہے۔ ہذا نوٹ فرمائیے کہ اسی ماہ محرم الحرام ۱۴۲۲ھ کی ۷ تاریخ کو بعد نماز مغرب ان شاء اللہ میرے دوسرے بچے عاکف سعید سلمہ کا عقد نکاح مسنونہ جامع مسجد قرآن اکیڈمی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن میں منعقد ہو گا۔ جس میں شمولیت کی میں آپ تمام حضرات کو دعوت دیتا ہوں۔ آپ حضرات کی تشریف آوری اور دعائے خیر میں شرکت میرے لئے باعثِ مسرت و ممنونیت ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین۔

(طبع مکرر۔ از ماہنامہ ”میشاق“ بابت محرم الحرام ۱۴۲۲ھ)

بِسْمِ اللَّهِ وَنُصْرَتِي عَلَى رُسُلِهِمُ الْكَاذِبِينَ  
 قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: هَذَا  
 قُلُوبُكُمْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
 فَأَتَّبَعُونِي يُحِبُّكُمْ وَأَنَا  
 (ال عمران: ۳۱)

شادی بیاہ کی تقریبات  
 کے ضمن میں

اتِّبَاعِ نُبُوِّیِّ پَر مبنیٰ  
 ایک اسلامی تحریک  
 (۱۰۰)

ڈاکٹر اسرار احمد

مدرسہ مؤسس، مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، دائر تنظیم اسلامی



۲۷۰ است جمعرات کو بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر صاحب کی میسر ہوئی کا عقد نکاح  
 و جامع القرآن، میں منعقد ہوا۔ اس تقریب کے سلسلے میں ملک کے نامور صحافی جناب ام بیٹ  
 نے اپنے مقبول و معروف کالم ”م۔ م۔ ٹی کی ڈائری“ میں غصے و دقت کی ہم آگشت  
 کی اشاعت میں جن تاثرات کا اظہار کیا اور پاکستان ٹائمز میں اس تقریب کی جو پہلی  
 شائع ہوئی وہ وہ دہ دہیل ہیں۔ ————— (جیل الرجن)

## ”ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک دنس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے“

”ایک ٹن وعظ کے مقابلے پر ایک دنس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے۔ اس اصول  
 کا عمل مظاہرہ گزشتہ جمعرات کو دارالفرقان ماڈل ٹائون (لاہور) میں اس وقت  
 ہوا۔ جب مشہور عالم دین اور مفسر قرآن ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنی بیٹی کی شادی کی  
 جلد تقریبات عین سنت نبویؐ کے مطابق انجام دے کر ایک عمل مثال قائم کی۔  
 میں نے ڈاکٹر اسرار احمد کے ہزاروں کی تعداد میں مواظظ حسنہ میں شرکت کی ہے۔  
 لیکن اس موقع پر میری رجحان نے ان کی تقریر دل پذیر کے جواثرات قبول کئے وہ  
 انٹ تھے۔“

ناد مغرب کے وقت مسجد کا مال مائٹن سے کچا کچھ مہرا تھا۔ امامت کے فرائض  
 ڈاکٹر اسرار احمد نے انجام دیے۔ قرآن پاک کی آیات مبارکہ تلاوت کھلے میں ان کے  
 لمن میں سوز و آود ہی ابھرا یا تھا۔ نمانہ سے فارغ ہوتے تو ایک مختصر تقریر میں جہیز و  
 ولیمہ کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ پھر غلبہ نکاح پڑھا اور بس اکی بیٹی  
 سلمہا بیا ہی گئیں اور یہ تقریب دود و درملو کے درمیان اختتام پذیر ہوئی۔

چارے ہاں شادی، بیاہ، موت اور ختمہ وغیرہ کی تقریبات ایک ہنگامہ ایک  
 مسلسل درد سرا اور اسراف بیجا کا نشان بن چکی ہیں۔ ہزاروں مساجد، ریڈیو اور  
 ٹیلیوژن سے کم و بیش روزانہ امام صاحبان اور مقررہ حضرات اسلام کی تعلیمات  
 کی روشنی میں ان تقریبات سے متعلق بدعتوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کرتے  
 ہیں۔ لیکن عمل کے لحاظ سے کوئی شخص شس سے مس نہیں ہوتا، ہنگاموں، درد سرا

اور اسراف بیجا کا عمل غیر ختم طور پر جاری رہتا ہے لیکن پاکستان میں کم از کم ایک  
 بندہ خدا نے قول و فعل کے تضاد سے بچتے ہوئے ایک ایسی مثال قائم کی ہے کہ میں

دعا کرتا ہوں کہ اس پر کامزن ہونے کی ہر پاکستانی کو توفیق ارزاں ہو۔ آمین ۔  
 ڈاکٹر اسرار احمد خدا کے فضل و کرم سے بچلے چگلے کھاتے پیتے آدمی ہیں اگر وہ  
 پہلے تو اپنی بیٹی کی شادی کی تقریب پر ڈھول ڈھکے ، باجے گاجے آتش بازی اور بجلی  
 کے قمعوں کا جس پہیلنے پر چاہتے اہتمام کر سکتے تھے ۔ ان کے ایسے نیاز مند ہیں جو ان کے  
 ایک ادنیٰ اشیاء سے پر کھانے پینے کے لئے ہر قسم کی پرتکلف اشیاء فراہم کر سکتے تھے  
 لیکن اس بابرکت تقریب میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے سنتِ نبویؐ سے سرواخر  
 نہ فرمایا اور یہ تقریب اس حسن و جمال خیر خوبی سے اختتام پذیر ہوئی کہ اس  
 کا لطف زندگی بھر فراموش نہ ہو سکے گا ۔ (بقیہ آخری صفحہ پر دیکھئے !)

### AN AUSTERE MARRIAGE

(Report by staff Reporter appeared in PAKISTAN TIMES  
 Lahore insertion of 29th August 1981.)

“Unique and commendable austerity, true to the traditions of the Holy Prophet (peace be upon him) was observed at a marriage function in Jamia - ul - Quran, Quran Academy Model Town Lahore on Thursday evening .

No pomp and show, guests were not served with any refreshment. People assembled in the jamia a few minutes before evening -prayers, before the 'Azan' they quietly listened to the cassette recording of the Holy Quran After prayers, Dr. Israr Ahmad, a renowned religious scholar, performed the 'Nikah' ceremony of Mr. Saeed Ahmed Asad with his daughter - “Amatul Mohsee” Nikah ceremony over, the bridegroom with relations and friends left quietly. Dr. Israr told that for observing this austerity many of his relations had severed with him and members of his family.”

# شادی بیاہ کی تقریبات کے ضمن میں ایک اصلاحی تحریک

ڈاکٹر اسرار احمد

جمعرات ۲۷ اگست ۸۱ء کی شام کو میری تیسری بچی کا عقد نکاح اپنے چچا زاد کے ساتھ بفضلہ تعالیٰ بچہ دہائی انجام پایا۔ اس تقریب کی مختصر روداد یہ ہے کہ اس کے لئے میں نے صرف ایک اخباری اعلان پر اکتفا کیا تھا جس میں یہ صراحت بھی موجود تھی کہ اس موقع پر کسی خورد و نوش کا کوئی اہتمام نہیں ہوگا۔ اچھے ترین اعزہ میں سے بھی کسی کو میں نے تعین کے ساتھ (BY NAME) مدعو نہیں کیا تھا۔ مغرب کی نماز سے اُدھ گھنٹہ قبل جامع القرآن، یعنی قرآن اکیڈمی (۳۶) کے ماڈل ٹاؤن، لاہور، کی جامع مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر مصری قرأت کا ایک ریکارڈ لگا دیا گیا۔ مہمان آتے رہے اور نہایت ادب اور سکون کے ساتھ بیٹھ کر اسٹماع قرآن میں مشغول ہو جاتے رہے۔ اسی خاموشی کے ساتھ دولہا اور اس کے ساتھ والے لوگ بھی آئے اور بیٹھ گئے۔ بعد ازاں نماز ہوئی جس کے بعد میں نے پندرہ بیس منٹ خطاب کیا، پھر خطبہ نکاح پڑھا اور خود ہی ایجاب و قبول کا مرحلہ طے کرادیا مزید براں حاضرین کی جانب سے خود ہی اپنے آپ کو مبارکباد دے کر اور خود ہی اُسے قبول کر کے مجلس کے خاتمے کا اعلان کر دیا تاکہ کسی تاخیر کے بغیر معمول کے مطابق درس قرآن شروع ہو سکے۔ بعد ازاں کوئی پانچ سات منٹ چھوٹا روں کی تقسیم میں لگے اور اس کے بعد درس قرآن کا آغاز ہو گیا۔ بچی بھی مہمان خواتین کے ہمراہ مسجد کے زمانہ ہال میں موجود تھی، اُسے وہیں سے اُس کے بڑے

مے اس لئے کہ میرے نزدیک دورِ حاضر میں نبی اکرمؐ کے فرمانِ مبارک :-

”وَأَعْلِنُوا هَذَا النِّكَاحَ“ (نکاح کا اعلان عام کیا کرو!) پر عمل کی موزوں

ترین صورت یہی ہے ۱۱

بھائیوں نے دولہا کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اور اس طرح یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔  
اس پر انگریزی روزنامے ”پاکستان ٹائمز“ نے بھی **AN AUSTERE**

**MARRIAGE** کا چوکھٹا نمایاں طور پر لگایا۔ اور جناب م۔ ش نے تو اپنی  
ڈائری میں رونائے وقت ۳۰ اگست ۱۹۴۷ء مجھے خوب ہی کانٹوں پر گھسیٹا اور  
”ایک ٹن وعظ کے مقابلے میں ایک اونس عمل زیادہ وزنی ہوتا ہے!“ کی سُرخی  
جمائی۔ اب جب کہ اس طور سے ”رسوائی“ ہو ہی گئی ہے اور یہ معاملہ لوگوں کے  
علم میں آ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پر کسی قدر مزید تفصیل سے  
روشنی ڈال دی جائے۔ کیا عجب کہ اس سے لوگوں کے کوئی عملی رہنمائی حاصل ہو جائے!  
شادی بیاہ کی تقریبات اور لوازمات و رسومات کے روز افزوں طوبانے  
جس طرح ایک سماجی بُرائی کی شکل اختیار کر لی ہے اس کا شدید احساس ہر صاحبِ نظر  
اور ملک و ملت کا درد رکھنے والے انسان کو ہے۔ امیروں کے لئے تو یہ تقریبات  
درسومات صرف ”چونچلوں“ یا پھر اپنے ”کالے دھن“ کے نمائش و اظہار کے ذرائع  
کی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن عوام کی اکثریت کے لئے یہ ناقابلِ برداشت بوجھ بیا  
بالفاظ دیگر پاؤں کی بیڑیاں اور گلے کا طوق بن گئی ہیں۔ جن کے باعث شادی  
میں تاخیر ہوتی ہے اور اس ’ام الحباثت‘ (شادی کی تاخیر) کے بطن سے اخلاقی اور  
نفسیاتی امراض کا ایک لامتناہی سلسلہ جنم پاتا چلا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں سورہ اعراف کی آیت ۱۵۵ء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے  
خطاب کے ضمن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بلند و بالا شانیں بیان ہوتی ہیں۔  
ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو ناقابلِ برداشت بوجھوں اور ان  
طوقوں سے نجات دلائیں گے جو ان کی گردنوں میں پڑے ہوں گے، وَ  
يَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (لہذا آپ کے نقشِ  
قدم پر چلنے کی خواہش اور آپ کے طریقِ کار پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کی ملاح  
کا داعیہ رکھنے والوں کا فرضِ عین قرار پاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ان بوجھوں سے  
نجات دلانے کی کوشش کریں خواہ اس میں ان کو کیسی ہی تکالیف اٹھانی پڑیں  
اور کتنی ہی مشکلات کا سامنا ہو۔

اس ضمن میں جہاں تک 'سادگی' کے وعظ کا تعلق ہے تو وہ تو عام طور پر کہتے اور سننے میں آتا ہی رہتا ہے اور بسا اوقات دقتی اور فوری طور پر اس کا اثر بھی سامعین شدت سے محسوس کرتے ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کا کوئی عملی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ بادی 'تامل' سمجھ میں آ جاتی ہے۔ یعنی "سادگی" ایک مبہم اور امانی لفظ ہے جس کا کوئی معین مفہوم نہیں ہے۔ نرباء کے لئے اس لفظ کے معنی کچھ اور ہیں اور امراء کے لئے بالکل اور ! ! جس اصلاحی کوشش کی بنیاد ایسے مبہم اور غیر معین تصور پر ہوگی اس کا حاصل نتیجہ پیشگی ظاہر ہے۔

راقم الحروف کو اس مسئلے کے ساتھ عملی سابقہ اولاً اُس وقت پیش آیا جب سلسلہ میں راقم نے لاہور میں 'دعوت رجوع القرآن' کا آغاز کیا اور درس و مطالعہ قرآن حکیم کے حلقے قائم کئے۔ ان حلقوں کے ذریعے جو لوگ راقم کے قریب آئے، ان میں فطری طور پر راقم کے ساتھ حسن ظن اور ایک گودِ عقیدت پیدا ہونی شروع ہوئی جس کے نتیجے میں دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ نکاح خوانی، کسی فرمائشیں بھی اُنی شروع ہوئیں۔ ابتدا میں تو میں نے اس سے حذر نہ کرنے کی کوشش کی لیکن جب فرمائشوں نے تقاضوں اور مطالبوں کی صورت اختیار کی تو چار و ناچار گھٹنے ٹیک دینے پڑے اور اپنے رفقاء و احباب کے بچوں اور بچیوں کے نکاح پڑھانے کا سلسلہ شروع کرنا پڑا۔

اس سلسلے میں اولین بات تو میرے سامنے یہ آئی کہ ہم نے 'خطبہ نکاح' کو محض "جنتر منتر" بنا کر رکھ دیا ہے۔ حالانکہ خطبے کی اصل غرض و غایت، تذکیر و نصیحت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علماء کو 'خطبہ جمعہ' کے ساتھ "خطاب جمعہ" کا اضافہ کرنا پڑا تا کہ خطبہ جمعہ کی اصل غرض و غایت اگر خود اس سے حاصل نہ ہو رہی ہو تو عربی زبان کے مقولے "مَا لَا يُدْبِرُكَ كَلْدٌ لَا يُتْرَكُ كَلْدٌ" کے مطابق اُس سے یکسر محرومی قبول نہ کی جائے بلکہ اُسے امانی خطاب جمعہ سے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت میں نے 'خطبہ نکاح' سے قبل و خطاب، کا سلسلہ شروع کیا جس میں ان آیات و احادیث کی مختصر

تشریح بھی ہوتی تھی جو نکاح کے مسنون خطبے میں شامل میں اور کچھ عمومی دعوت و نصیحت بھی ہوتی تھی۔ اور خاص طور پر حدیث مبارکہ ”النِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي“ کے ضمن میں جہاں رہبانیت کی نفی ہوتی تھی وہاں سنت کا وسیع تر تصور بھی سامنے رکھا جاتا تھا اور آخر میں نہایت زور دے کر کہا جاتا تھا کہ ”اتِّبَاعُ سُنَّتِ“ کے پہلے قدم کے طور پر کم از کم شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات کے ضمن میں توہیں یہ طے کر ہی لینا چاہیے کہ ان میں سے صرف وہی چیزیں باقی رکھی جائیں جن کا ثبوت آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مل جائے اور باقی تمام بعد کی ایجاد کردہ یا باہر سے درآمد شدہ رسومات کو پوری ہمت اور جرأت کے ساتھ پاؤں تلے روند دیا جائے۔! مثلاً یہ کہ نکاح مسجد میں ہونا چاہیے۔ جہیز اور بری وغیرہ کی نمائش بالکل نہیں ہونی چاہیے۔ گھروں کی قرین و آرائش اور بالخصوص روشنی وغیرہ پر اسراف سے بچنا چاہیے۔ اور دعوت طعام صرف ایک ہونی چاہیے۔ یعنی ”دعوتِ ولیمہ“۔ لڑکی والوں کی جانب سے نکاح کے موقع پر دعوت طعام کا سلسلہ بالکل بند ہونا چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔

مسل پانچ چھ برس تک یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا کہ لوگ یہ باتیں سن کر نگاہیں نیچی کر لیتے تھے، فوری تاثر کے آثار بھی ان کے چہروں پر ظاہر ہوتے تھے۔ بجا میں بہت سے لوگ اس ’وعظ‘ کی تائید و تصویب ہی نہیں سمجھیں بھی فرماتے تھے لیکن جب موقع آتا تھا تو ”زمین جنبہ نہ جنبہ گل محمد“ کے مصداق پر نالہ وہن کرتا تھا اور بالکل ایسے محسوس ہوتا تھا کہ بیل گاڑی کا اس ”لیک“ سے ہٹنا تقریباً ناممکن ہے۔ تا آنکہ سحری کے اواخر میں میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر ابصار احمد انگلینڈ سے پی ایچ ڈی کی تکمیل کر کے واپس آگئے اور ان کی شادی کا مرحلہ آیا وہ ہم تمام بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں گویا ہمارے خاندان کی اک نسل کی سلسلے پر یہ آخری شادی تھی۔ میں نے اس موقع پر ایک فیصلہ کن اقدام کا

لے یہ بات بہت قابل توجہ ہے اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ ”اصلاح الرسوم“ کیلئے واحد ممکن اور ٹھوس بنیاد صرف اور صرف ”اتِّبَاعُ سُنَّتِ“ کا اصول ہے اس کے سوا جو کوشش کی جائیگی وہ اُسی طرح غیر موثر ہو کر رہ جائے گی جس طرح ”سادگی کا وعظ“!



عزم کیا۔ اس لئے کہ میرے سامنے معاملے کی صورت یہ آئی کہ جو کچھ دوسروں کو بطور نصیحت کہتے رہے ہو اب یا تو خود اس پر عمل کر کے دکھاؤ ورنہ ان باتوں کا کتنا پھوڑ دینا چاہیے گویا بقول علامہ اقبال ؒ ”یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کرو“ خوش قسمتی سے جہاں رشتہ طے پایا تھا وہ خود بہت سچتہ دینی مزاج کے حامل لوگ تھے۔ گویا اصل مسئلہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی حل کر دیا تھا۔ چنانچہ بحمد اللہ کوئی وقت پیش نہ آئی اور جوں ہی میں نے ان کے سامنے پورا معاملہ لکھا، انہوں نے ہر صناد و رغبت آمادگی کا اظہار کر دیا۔ اگرچہ بعد میں بعض دوسرے عزیزہ و اقارب نے معاملے کو سخت رد و قدح اور طعن و استہزا کا موضوع بنایا اور لسی قدر تلخی بھی پیدا ہو گئی تاہم بحمد اللہ یہ شادی ٹھیکہ سنت نبوی صلی ماجہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہوئی اور اس طرح بفضلہ تعالیٰ **‘CHARITY BEGINS AT HOME’** والا معاملہ ہو گیا۔ !

اس مرحلے پر پہلے اقدام کے طور پر راقم نے تین چیزوں پر زور دینے ا فیصلہ کیا ایک یہ کہ نکاح مسجد میں منعقد ہو۔ دوسرے یہ کہ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوت طعام نہ ہو اور تیسرے یہ کہ ’بارات‘ کا تصویر لکل ختم کر دیا جائے۔ ان تینوں کی وضاحت کے ضمن میں جو مختصر تحریر راقم نے قلم سے نکل کر ’میشاق‘، ’لامور‘ کی اشاعت بابت فروری ۱۹۷۷ء کے مذکرہ و تبصرہ کے صفحات میں شائع ہوئی (اور جو بعد میں ایک علیحدہ چارہ درقے کی صورت میں طبع ہو کر ہزاروں کی تعداد میں تقسیم ہوئی) من و عن درج ذیل ہے :-

”۱۔ جہاں تک نکاح کی تقریکے مصاحد میں انعقاد کا معاملہ ہے وہ یہی مشکل بات نہیں ہے۔ اکثر لوگ اس پر جلد ہی راضی ہو جاتے ہیں اس لئے کہ بات بڑی واضح ہے۔ چنانچہ بہت سے مواقع پر جب دو باتیں بن کا ذکر آگے آتے گا) اس ضمن میں کہی گئیں تو واقعہ یہ ہے کہ جملہ حاضرین، پیشانیاں عرقِ ندامت سے نم ہو گئیں۔ اور ان کے چہروں پر حقیقی تاثر و اثرات نمایاں ہو گئے۔ ایک یہ کہ جب تا جدارِ عالم اور محبوب ربِّ ملین صلی اللہ علیہ وسلم کی محنتِ جگر اور دُخترِ نیک اختر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح مسجد میں ہوا تو ہم میں سے کون ہے جو اپنے آپ کو انحصار

سے زیادہ باعزت یا اپنی بیٹی کو سیدۃ النساء اہل الجنتہ سے افضل سمجھتا ہوا۔  
 اسے مسجد میں نکاح پڑھوانے سے عار محسوس ہو؟ — اور دوسرے یہ کہ  
 ہمیں شرم آئی چاہیے کہ عیسائیوں نے، اس کے باوجود کہ ان کا اپنے مذہب سے  
 لگاؤ نہ ہونے کے برابر ہے۔ تا حال کلیسا کا درجہ اس قدر بلند رکھا ہے کہ لڑکا  
 اور لڑکی دونوں نکاح کے لئے وہاں حاضر ہوتے ہیں اور ہمارا حال یہ ہے کہ  
 ہم نے مسجد کا مقام اس درجے گرا دیا کہ وہاں نکاح پڑھوانے کو عار جلتے  
 ہیں حالانکہ شریعت نے واضح راہ کھول دی ہے کہ لڑکی کی طرف سے اس  
 کا وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح خواں کو اجازت دے ایجاب دیتا ہے  
 اس طرح جب لڑکی کا خود مجلس نکاح میں موجود ہونا ضروری نہیں تو آخر اس  
 کے گھر پر اس تقریب کا انعقاد کیوں ضروری سمجھ لیا گیا ہے۔ راقم کے خیال  
 میں یہ دونوں دلیلیں اتنی قوی اور موثر ہیں کہ اگر ان کو عام کر دیا جائے تو  
 اکثر لوگ تقریب نکاح کے مسجد میں انعقاد پر برضا و رغبت آمادہ ہو جا  
 گے۔ ویسے دو مزید دلیلیں جو یقیناً قابل لحاظ ہیں، یہ ہیں کہ اولاً نکاح  
 کے بعد جو دعائے خیر دُلہا اور دُلہن کے لئے کی جاتی ہے اس کا بہترین جوا  
 مسجد میں ہوتا ہے نہ کہ شادی والے گھر کی ہنگامہ خیز فضا میں۔ اللہ کے  
 کسی گھر میں کسی نماز کے معاً بعد یہ تقریب منعقد ہوا اور اس کے بعد اس  
 پاکیزہ ماحول میں نئے گھر کی آبادی اور خوش حالی اور دین و ایمان کی سلاطت  
 اور باہمی الفت و محبت کی دعا کی جائے تو اُمید واثق ہے کہ اس کی تاثیر کم از کم  
 وہ چند ہو جائے گی اور ثانیاً یہ کہ اس سے شامیانوں، قناتوں، قالینوں، سوفا  
 اور کرسیوں اور رنگارنگ کی آرائشوں پر صرف ہونے والا پیسہ بچ جائے گا  
 جسے کسی اور نیک کام کے لئے صرف کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ نکاح کے موقع پر دعوتِ طعام سے احتراز کا معاملہ البتہ ذرا کڑوی  
 گولی ہے جو آسانی سے حلق سے نہیں اترتی۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم  
 ہوتا ہے کہ یہ معاملہ پہلے معاملے سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے۔

اس سلسلے کی ایک دلیل تو خالص دینی اور مذہبی ہے۔ یعنی یہ کہ ہمارے  
 نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں زندگی کے ہر گوشے سے متعلق

مقتل ہدایات دے دی ہیں۔ یہاں تک کہ ہم غرے کہتے ہیں کہ ہمارے نبیؐ نے ہمیں استنجا اور طہارت تک کی بھی مفصل تعلیم دی ہے تو کیا کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شادی بیاہ ایسے معاملات میں حضورؐ کی جانب سے معاذ اللہ کوئی کوتاہی رہ گئی ہے جس کی تلافی کی کوشش ہمیں خود کرنی ہے۔ اگر اس سوال کا جواب نفی میں ہو اور یقیناً نفی ہی میں ہے تو ہمیں سوچنا چاہیے کہ جب آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شادی کے ضمن میں دعوت ولیمہ کی تاکید فرمائی اور اس کی اس لازمی برائی کا ذکر کرنے کے باوجود کہ ”يُسَّ الطَّعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعَى إِلَيْهَا غَنِيَاءُ وَيَتْرُكُ الْمَسَاكِينُ“ (یعنی دعوت ولیمہ بھی کیا ہی بُری دعوت ہے جس میں صاحب حیثیت لوگوں کو بلا یا جاتا ہے اور مسکینوں سے صرف نظر کر لیا جاتا ہے) یہ مثبت حکم بھی دیا کہ ”إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيمَةِ فَلْيَأْتِهَا“ (جب تم میں سے کسی کو ولیمہ میں بلا یا جائے تو وہ ضرور جائے) ساتھ ہی مزید تہدید بھی فرمائی کہ ”فَمَنْ لَّمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَرَسُولَهُ“ (یعنی جو دعوت میں رُخِ غُذَر، شریک نہ ہوگا اس نے (گو یا) اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کیا) واضح رہے کہ یہ تمام حدیثیں ”مسلم شریف“ سے ماخوذ ہیں۔ پس اگر نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے یہاں بھی دعوت طعام کوئی اچھا کام ہوتا اور اس میں کوئی بھی خیر کا پہلو موجود ہوتا تو کیا اللہ کے رسولؐ ہمیں اس کا حکم نہ دیتے؟۔ یا کم از کم درجہ استحباب ہی میں اس کا ذکر نہ فرماتے؟ اور جب اس کا کوئی ذکر نہیں

کسی حدیث میں نہیں ملتا تو کیا یہ ایک خواہ مخواہ کی بدعت نہیں؟ ور کیا یہ اُن اصرار اور اغلال کے قبیل کی چیز نہیں جن کے بوجھ سے انسانوں کی گردنوں کا آزاد کرنا مقاصد نبوت میں شامل ہے؟ دوسری دلیل وہ ہے جو ہر صاحب عقل سلیم کو اپیل کرے گی، یعنی یہ کہ شادی کا موقع لڑکی والوں کے لئے ویسا کھلی خوشی کا موقع نہیں ہوتا جیسا لڑکے والوں کے لئے ہوتا ہے۔ لڑکے کے لئے یہ خانہ آبادی کا موقع ہوتا ہے

اور لڑکے دانے گھر میں ایک فرد کا اضا ہو رہا ہوتا ہے لہذا اصل خوشی وہاں ہوتی ہے (یہی وجہ ہے کہ شارع عبد السلام نے دعوتِ عرس کا حکم لڑکے ہی کو دیا!)۔ لڑکی کے والدین کم اس کا شادی کے موقع پر اگرچہ اس پہلو سے ایک احساسِ اطمینان ضرور ہوتا ہے کہ ایک اہم فرض ادا ہو گیا اور ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ کاندھے سے اڑ گیا لیکن صحیح معنی میں اُن کے یا لڑکی کے بھائی بہنوں کے لئے یہ خوشی کا موقع ہرگز نہیں ہوتا بلکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ لڑکی کی رخصتی کے وقت سب اہل خانہ آشکبا ہوتے ہیں۔ گھر کا ایک فرد، ماں باپ کی لاڈلی اور ناز و نعم کی پٹی ہوئی بچی بہنوں اور بھائیوں کی پیاری ماں بھائی کا گھر سے رخصت ہونا ظاہر ہے کہ ہرگز خوشی کی بات نہیں۔ اس پر مستزاد میں مستقبل کے اندیشے جو ہر طرح کے حرم و احتیاط کے باوجود بہر حال بالکل ختم کسی طرح نہیں ہو سکتے کہ کیا معلوم نباہ ہو یا نہ ہو اور پیل منٹے چڑھے یا نہ چڑھے۔ ان حالات میں اس گھر پر اور ان ہی گھر والوں کے ہاتھوں قورمے اور متجنن اڑانا یقیناً بڑی ہی دناوتِ طبع اور سفلہ مزاجی کا معاملہ ہے۔ ایک غیرت مند اور باحمیت انسان کے لئے یہ چیز الّا شکہ ذہنِ ادھر منتقل نہ ہوا ہو، بڑی ہی قابلِ عذر ہے۔

۳۔ اب اگر یہ دونوں باتیں اظہر من الشمس میں: یعنی نکاح کی تقریب مسجد میں ہو اور اس موقع پر دعوتِ طعام کو پروگرام سے خارج (ELI-MINAT) کر دیا جائے تو خود بخود و بارات، کا پورا تصور ہی ختم ہو جائے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ ہے ہی ختم کئے جانے کے لائق بلکہ مدلائقِ اخلا کا شکر ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسولؐ کی احادیث کے پورے ذخیرے، یہاں تک کہ عینی عربی راقم کو آتی ہے، کم از کم اس کی پوری لغت میں کوئی لفظ ایسا موجود نہیں ہے جس کا ترجمہ لفظ 'بارات' کیا جاسکے اور جس طرح یہ لفظ خالص عجمی ہے اسی طرح اس کا پورا تصور بھی خالص عجمی ہے اور اس کا وہ نقشہ تو خالص ہندوانہ ہے جو ہمارے ذہنوں میں شادی بیاہ کے لوازم کی حیثیت سے رچ بس گیا ہے یہ ایک جتنے کی صورت میں جمع ہو کر اور باقاعدہ

”چڑھائی“ کے انداز میں لڑکی والے کے گھر جانا اور پھر لڑکی کا ڈولالے کر  
 ”فاتحانہ“ انداز سے لوٹنا خالص ہندوانہ تصور ہے جس کی پہنچ کئی لازماً کی جانی  
 چاہیے۔

بارات کا تذکرہ بالا تصور نہ مقرر یہ کہ خالص عجمی ہی نہیں خالص  
 ہندوانہ ہے بلکہ ذرا غور کیا جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ بڑی کم ظرفی کا مظاہرہ  
 بھی لئے ہوئے ہے۔ بڑی شان و شوکت کے ساتھ دندناتے ہوئے جانا اور  
 لڑکی والوں پر پورا رعب بھاڑتے ہوئے بطرز استحقاق پلاؤ ترودہ اڑانا  
 اور پھر فاتحانہ شان میں ”مالِ غنیمت“ سے لدے پھندے واپس آنا اجیرت  
 ہے کہ کیوں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ ان چیزوں کی اُس دین سے کسی طور پر  
 کوئی مناسبت نہیں ہو سکتی جو ہر معاملے میں شرافت و مروت، وقار و  
 منان اور دوسروں کے جذبات کے پاس و لحاظ کی تعلیم دیتا ہے۔

بہر حال شادی بیاہ کے سلسلے میں یہ وہ ناپاک تثلیث (N - Ma  
 HOLY TRIO) ہے جو مل جل کر ایک وحدت بن گئی ہے، یعنی عیسائیوں  
 کے قول کے مطابق توحید بھی ہے اور تثلیث بھی ”تین میں ایک“ اور  
 ایک میں تین“، اور بہتر یہی ہے کہ تینوں کی جڑوں پر بیک وقت ضرب  
 کاری لگائی جائے ورنہ اگر کسی ایک کی بیخ کنی پر اکتفا ہوئی تو باقی دونوں  
 فوراً اس تیسری کو بھی از سر نو زندہ کر لیں گی۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں  
 کا یہ خیال بالکل درست نہیں کہ رفتہ رفتہ اور تدریجاً اصلاح کی طرف قدم بڑھانے  
 جائیں۔ ایسے معاملات میں ایک ہی بار بڑا اقدام مفید بھی رہتا ہے اور پائیدار  
 بھی۔“

مجھے خوب اندازہ تھا کہ لوگ ان باتوں کو عقلی اور منطقی اعتبار ہی سے  
 نہیں دلی طور پر بھی تسلیم کر لیں گے لیکن جب موقع آئے گا تو مجبور یوں ہوں گا کہ ایک  
 کوہ گواں ان کے سامنے آن کھڑا ہوگا اور وہ مجھے بھی ہر طرح مجبور کریں گے کہ  
 ان تقاریب میں شرکت کروں۔ لہذا پیش بندی کے طور پر راقم نے اپنی ذات

کی حد تک تین پختہ فیصلے کر کے ان کا، میثاق کے صفحات میں اعلان بھی کر دیا اور جامع مسجد خضر، سمن آباد کے اجتماع جمعہ میں بھی — وہ تین فیصلے یہ تھے کہ: راقم الحروف آئندہ یہ کسی بارات میں شامل ہوگا۔ یہ نکاح کے موقع پر لڑکی والوں کے ہاں کسی دعوت طعام میں شریک ہوگا۔ یہ بیٹہ ہی کسی ایسی تقریب نکاح میں شرکت کرے گا جو مسجد میں منعقد نہ ہو۔“

مجھے اعتراف ہے کہ اس معاملے میں کسی قدر شدت، کی صورت پیدا ہوئی لیکن میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس کے بغیر معاملہ کسی طرح ٹس سے مس نہ ہوتا — الحمد للہ کہ میرے رفقاء و احباب میں سے بہت سے لوگوں نے اس معاملے میں میرا پورا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں اس اصلاحی کوشش نے ایک تحریک کی صورت اختیار کر لی۔ بہت سے دوسرے احباب جو پورا ساتھ نہ دے سکے ان کے ساتھ میں نے ایک درمیانی صورت اختیار کر لی کہ نکاح کا انعقاد انہوں نے مسجد میں کر لیا جس میں میری شرکت ہو گئی۔ بعد ازاں کسی دعوت طعام کا اہتمام انہوں نے کیا جس میں میری عدم شرکت کو انہوں نے خندہ پیشانی سے گوارہ کر لیا۔ اور ان کی ’معبودیوں‘ کے پیش نظر میں نے بھی ان پر کبیرہ کی۔

قریبی عزیزوں اور رشتہ داروں کے حلقے میں البتہ مجھے زیادہ سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجے میں شکریاں بھی ہوئیں۔ تعلقات کا انقطاع بھی ہوا۔ اور بعض بچپن کی منگنیاں بھی ٹوٹیں۔ لیکن الحمد للہ واللہ کہ اس نے مجھے ان تمام چیزوں کو برداشت کرنے کی ہمت عطا فرمائی اور میرے پائے ثبات میں لغزش نہ آنے دی!

اس معاملے میں میرے لئے سب سے کڑا امتحان اپنی سب سے بڑی بچی کی شادی کے موقع پر پیش آیا۔ مجھے خوب اندازہ تھا کہ اس موقع پر خواہ میں اپنی طے کردہ ساری پابندیاں پوری طرح نباہ لوں لیکن اگر رخصتی کے موقع پر میں نے دولہا اور ان کے چند عزیزوں کی تواضع صرف ٹھنڈے یا گرم مشروب سے بھی کر دی تو بات کا بنگلہ دہن جائے گا اور سارے کئے کر لئے پر پانی پھر

جائے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق و تائید سے میں نے ایک اور انقلابی قدم اٹھایا یعنی یہ کہ بھی کو بھی جمعہ کو مسجد دارالسلام، باغ جناح لے گیا۔ نماز جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اللہ ہی کے گھر سے اس کی رخصتی عمل میں آگئی۔ اس طرح میرے گھر پر دو چار افراد کا بھی اس صورت میں آنا نہ ہوا جس پر کہینچ ناں کر کے بھی بارات، کے لفظ کا اطلاق کیا جاسکتا!۔

اس کے بعد بڑے نیچے کی شادی کا مرحلہ آیا تو ایک طرف تو اس کے لئے جو بارات، کراچی گئی وہ کل ڈھائی افراد پر مشتمل تھی۔ یعنی دولہا، اس کی والدہ اور سب سے چھوٹا بھائی۔ راقم خود ان دنوں دعوتی و تبلیغی سلسلے میں پہلے ہی سے کراچی میں تھا، دولہا کے دو حقیقی بھائی اور کوئی حقیقی بہن بھی اس ”بارات“ میں شامل نہ تھی، پھر یہ کہ جس جمعہ کو نماز جمعہ کے متعلق بعد عقدہ نکاح ہونا تھا، اُسی صبح کو ٹرین سے یہ لوگ کراچی پہنچے اور اُسی شام کو طرین کو لے کر لاہور واپس ہو گئے۔ دوسری طرف رفیق مکرّم قاضی عبدالقادر صاحب نے رجن کی بچتی سے عقدہ نکاح ہونا تھا، راقم کی قائم کردہ مثال پر پورا عمل کر کے دکھایا اور اپنے قریب ترین اعزہ و اقارب کو بھی گھر پر مدعو نہیں کیا بلکہ مسجد ہی سے بچتی کو رخصت کر دیا۔

اس کے بعد بعد اللہ سال رواں کے دوران راقم اپنی مزید دو بچیوں کی ذمہ داری سے اسی طرز سے سبکدوش ہو چکا ہے۔

اس سلسلہ کی آخری حالیہ تقریب میں جس کے حوالے سے گفتگو کا آغاز ہوا تھا، راقم نے ایک نہایت مختصر خطاب کیا تھا جس کے بارے میں جناب م۔ش نے ازراہ ذرہ نوازی یہ فرمایا ہے کہ ”میں نے ڈاکٹر صاحب کے ہزاروں کی تعداد میں مواعظ حسنہ میں شرکت کی ہے لیکن اس موقع پر میری رُوح نے ان کی تقریر دل پذیر سے جو اثرات قبول کئے وہ انڈٹ تھے“ اس میں راقم نے ایک تہ تو اُن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی شان مبارکہ کے حوالے سے جو ”وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ“ کے الفاظ قرآنی میں بیان ہوئی ہے حاضرین کو جرات مندانہ اقدام کی ترغیب

دلائی تھی اور دوسرے سورۃ انشراح کی آیات مبارکہ ” فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۚ “ کے حوالے سے تحدیثاً لِلنَّعْمَةِ عرض کیا تھا کہ  
 اپنی ان مسامی کے ضمن میں جس انفرادی اجر و ثواب کا امیدوار میں ہوں اس  
 کا تو میں محتاج ہوں ہی رَزَقْتُ رِزْقًا لِّسَمَاءٍ اَشْرَلْتُ اِلَیَّ مِنْ حَیْثُ فَتِیْتُہ  
 — اس دنیا میں جو نقد انعام مجھے ملا ہے وہ وہ آسانی اور سہولت ہے جس  
 کے ساتھ میں تابڑ توڑ انداز میں اپنی اُن پہاڑ ایسی ذمہ دار یوں سے عہدہ  
 برآ ہو گیا ہوں جن کا تصور بھی ہمارے معاشرے میں بہت سے لوگوں پہلے  
 طاری کر رہا ہے — واقعہ یہ ہے کہ آج جب میں غور کرتا ہوں تو شدت  
 کے ساتھ محسوس کرتا ہوں کہ اگر مجھے اپنی ان ذمہ دار یوں کو زمانے کے دستور  
 معیار کے مطابق نبھانا ہوتا تو میرے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ رہتا  
 کہ جسم و جان کی ساری توانائیاں صرف پیسہ کمانے کے لئے پھوڑ دیتا۔ نتیجہ  
 اللہ کے دین اور اس کی کتاب عزیز کی کسی خدمت کے لئے نہ میرے پاس کوئی  
 وقت بچتا نہ قوت و صلاحیت — یہ سراسر اُتھلی کا فضل و کرم ہے کہ اس نے  
 جب ایک جانب مجھے اس فیصلے کی توفیق ارزانی فرمائی کہ میرے جسم و جان کی  
 تمام توانائیاں اور صلاحیتیں اللہ کے دین متین اور بالخصوص اس کی کتاب  
 عزیز کی خدمت کے لئے وقف رہیں گی تو دوسری جانب میری توجہ اتباع  
 سنت کے اس رُخ کی طرف بھی مبذول کر دی اور مجھے شادی بیاہ کے  
 ” اصر “ اور ” اقلول “ کے خلاف جہاد کا بیڑا اٹھانے کی توفیق بھی مرحمت  
 فرمادی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج میں خود اپنے ذاتی حالات میں انھیں کے عظیم مدد  
 یعنی ” وَ يُبَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ “ اور ” فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ “ کی  
 صداقت و حقانیت کا مشاہدہ کر رہا ہوں کہ تین سال کے اندر اپنے چار  
 بچوں کی ذمہ داریوں سے اس طرح سبکدوش ہو گیا ہوں کہ کسی بار یا گرائی کا  
 احساس تک نہیں ہوا — فَلَکُمُ الْحَمْدُ وَالْمِثْنَةُ ۝ ۱۱

جہاں تک ” جمیز “ کا تعلق ہے میرے نزدیک یہ بھی سراسر غیر اسلامی اور  
 مالمس ہندوانہ ذہنیت کا مظہر ہے۔ تاہم ابندائیں نے اس کے ضمن میں صرف



’عدم نالست‘ پر زور دیا تھا۔ اب اللہ بہت دے اور رفتار احباب کم ہمت کس لیں تو اس ضمن میں بھی مزید پیش قدمی ضروری ہے۔ اس سلسلے میں میرا اپنا جو معاملہ رہا ہے اس موقع پر اُسے بیان کر دینے میں بھی ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں ہو گا۔ اور وہ یہ کہ اگرچہ میری پہلی دو بچیاں بھی جو کچھ لیکر میرے گھر سے رخصت ہوئیں اس پر بھی موجود زمانے کے کسی بھی معیار کے مطابق ”جہیز“ کا اطلاق نہیں ہو سکتا تاہم مالیہ شادی میں یہ معاملہ بھی بحمد اللہ قدر مطلوب سے بہت قریب پہنچ گیا ہے۔ یعنی میری یہ بچی صرف ایک اٹچی بھر کپڑے اور سوا دو تولے کا طلائی زیور لے کر میرے گھر سے رخصت ہوئی ہے!!۔

خدا گواہ ہے کہ سطور بالا میں جو کچھ تحریر ہوا ہے اس میں نہ ”عجب“ کو دخل ہے نہ ہی اس سے ”تعلیٰ“ مقصود ہے۔ ان تمام تفصیل سے مقصود صرف یہ ہے کہ کچھ لوگ کم ہمت کس لیں اور اللہ کی تائید و توفیق کی امید کے سہارے شادی بیاہ کی تقریبات اور رسومات و لوازمات کے طور مار کے ”اصر“ اور ”اغلال“ کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ **إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ**

## بقیہ، م۔ ش، کی ڈائری

معاشرے میں بیشتر بیٹیاں ایسی موجود ہیں جن کے ہاتھ پلے اسے نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کے والدین میں ڈاکٹر اسرار احمد کے ایمان کا جذبہ موجود نہیں گھروں پر بیٹھے بیٹیاں بوڑھی ہوجاتی ہیں کیونکہ ان کے والدین باراتیوں کے شایان شان استقبال اور جہیز کے تکلفات سے عہدہ برآ ہونے کی سکت نہیں رکھتے۔ یہ ایک گھمبیر سماجی مسئلہ بن چکا ہے۔ کیا محلوں کی مسجدوں کے امام صاحبان اور دوسرے اہل در و لوگ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی کتاب زندگی سے ایک ورق مستعار لے کر اس المناک سماجی مسئلہ کے حل کے لئے عمل اقدام اٹھانے کا سوچیں گے؟

## فہرست تصانیف

# ڈاکٹر اسرار احمد

- ★ تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ - ۶ / - روپے
- ★ مطالبات دین - ۶ / -
- ★ اسلام کی نشاۃ ثانیہ: کرنے کا اصل کام - ۱ / -
- ★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد بعثت - ۳ / -
- ★ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے تعلق کی بنیادیں - ۲ / -
- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (اُردو) - ۳ / -
- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (عربی) - ۴ / -
- ★ مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق (انگریزی) - ۵ / -
- ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ اول { یکجا
- ★ مطالعہ قرآن حکیم کا منتخب نصاب حصہ دوم - ۸ / -
- ★ قرآن اور امن عالم - ۵ / -
- ★ راہ نجات: سورۃ العصر کی روشنی میں - ۲ / -
- ★ علامہ اقبال اور ہم - ۲ / -
- ★ عظمت سوم - ۱ / -
- ★ دعوت الی اللہ - ۱ / -
- ★ آیت الکرسی - ۳۰ / -
- ★ قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ: الفاتحہ تا الکہف - ۷ / -
- ★ شہید مظلوم (شہادت حضرت عثمانؓ) - ۳ / -

# نشر القرآن

کیسٹ سیریز

ڈاکٹر اسرار احمد

کے دروس قرآن حکیم اور مختلف دینی موضوعات پر مشتمل خطابات کے جدید

حسب ذیل کیسٹ بھی دستیاب ہیں -

و خلاصہ مناسین قرآن مجید (موقع تراویح رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ) کیسٹ ۶۰/- ۴۰۰/-

و کوڈ ۸۷ یوم استقلال (۱۴ اگست) پر خطاب ۶۰ سی (ایک کیسٹ) ۲۵/-

و کوڈ ۸۲ قرب الہی بذریعہ فرقہ و نوافل (درس حدیث) ۶۰ سی (دو کیسٹ) ۵۰/-

و کوڈ ۸۴-۸۸ سورہ شمس (مکمل) ۵۰ سی (پانچ کیسٹ) ۱۲۵/-

و کوڈ ۸۹ سورہ بنی اسرائیل کی آخر آیت ۶۰ سی (ایک کیسٹ) ۲۵/-

و کوڈ ۸۷ سورہ الجمعہ (مکمل) ۶۰ سی ۳۰/-

و کوڈ ۸۸ سورہ الصف (مکمل) ۹۰ سی ۲۰/-

و کوڈ ۸۹ سورہ آل عمران آیات ۱۹۰ تا ۱۹۵ ۹۰ سی ۳۰/-

سابقہ تیار شدہ کیسٹوں کی تفصیل اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

المعلن:- ناظم نشر القرآن کیسٹ سیریز، تنظیم اسلامی

۳۶- کے ، ماڈل ٹاؤن - لاہور ۱۴ (فون نمبر ۸۵۲۶۱)

